# انکارِ حدیث کا نیا رُوپ

## اِصْلاحی اُسلوبِ تدبّرِ حدیْث


تالیف
غازی عُزیر


مکتبہ قدوسیہ

# اِنکارِ حدیث کا نیا رُوپ

## اِصْلاحی اُسلُوبِ تدبّرِ حدیث

جلد اوّل


تألیف

غازی عُزیر



مکتبہ قدوسیہ

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب وسنت
کی
نشرواشاعت
کے لیے
کوشاں

اس کتاب کے
جملہ حقوق اشاعت بحق ناشر محفوظ ہیں

اشاعت ——— 2009
اهتمام طباعت
ابوبکر قدوسی

یہ کتاب اس سے پہلے ہندوستان کے معروف تعلیمی ادارے جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبہ ادارہ البحوث الاسلامیہ کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے ہم ان کے شکرگزار ہیں کہ پاکستان میں اس کتاب کی طباعت کے حقوق واجازت انہوں نے مکتبہ قدوسیہ کو دیے ہیں

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ◎ غزنی سٹریٹ ◎ اردو بازار ◎ لاہور پاکستان

قدوسیہ اسلامک پریس
Ph: 42-37351124 , 37230585
E-mail: *maktaba_quddusia@yahoo.com*
Website: www.quddusia.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

# حرف آغاز

پاک و ہند میں علماء اہل حدیث کی خدمت حدیث اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے۔اہل علم نے ہر دور میں اس کی تحسین کی۔پاک و ہند سے کتب حدیث کے نہایت مستند متون شائع ہوئے۔اس خطہ زمین میں کتب حدیث کی نہایت جامع و مانع شروح وحواشی تحریر کیے گئے۔ ان میں جامع ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' اور سنن ابوداؤد کی شرح ''عون المعبود'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔تنہا نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی خدمت حدیث کسی بھی ادارے سے کم نہیں۔برصغیر کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس کے اہم ترین شہر دہلی میں خاندان ولی اللہی کا سرچشمہ فیض جاری ہوا۔اس مرکز رشد وہدایت میں حضرت شاہ اسحٰق رحمہ اللہ کے بعد شیخ الکل فی الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی نے صحیح بخاری کا درس دیا۔آج ہم برصغیر پاک و ہند کے طول وعرض میں علم حدیث کے شیفتگان کے جم غفیر دیکھتے ہیں تو بے اختیار اس مرد درویش کے لیے دعائے خیر زبان پر جاری ہو جاتی ہے کہ جو اصلاً بہار کے رہنے والے تھے لیکن ''محدث دہلوی'' ان کے اسم گرامی کا لاحقہ بن گیا۔**اللھم اغفرله و ارحمه و عافه و عف عنه**

ایک طرف جہاں اس خطہ ارضی میں آسمان ہدایت کے یہ روشن چراغ تھے، وہیں بعض ایسے ضال اور مضل بھی تھے کہ جنہوں نے حدیث رسول کی حجیت کا انکار کیا۔یہ لوگ خود بھی برباد ہوئے اور اپنے پیروکاروں کو بھی خائب وخاسر کیا۔ان لوگوں کی بدقسمتی کس قدر عبرت ناک ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کی حجیت کے نام پر نبی کریم ﷺ کے اقوال وفرامین کو رد کیا۔یہ لوگ اہل قرآن کے لقب سے معروف ہوئے لیکن قرآن سے ان کا دور پار کا بھی تعلق نہ تھا۔وہ شخص کیسے اہل قرآن ہو سکتا ہے جو صاحب قرآن کے اسوہ کو اپنے لیے مشعل راہ نہ سمجھے۔منکرین حدیث بلکہ صحیح تر لفظوں میں منکرین رسالت کے مختلف گروہ ہیں اور ہر ایک دوسرے سے مختلف لیکن ان کی قدر مشترک استخفاف حدیث اور استہزاء سنت رسول ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس مرکزی خیال کا اشتراک ہمیں آج پرویز اور امین احسن اصلاحی کے پیروکاروں میں نظر آتا ہے جو ماضی میں عبداللہ چکڑالوی، احمد دین امرتسری، غلام احمد قادیانی وغیرہ کے ہاں ملتا ہے۔

ضرورت اس بات کی محسوس ہو رہی تھی کہ امین احسن اصلاحی کے افکار کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔تاکہ وہ سادہ لوح افراد جو ان کے پراپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں، انہیں حقیقت حال کی خبر ہو سکے اور عامۃ الناس کو بھی اس فتنے سے آگاہی ہو سکے۔ بلاشبہ مولانا امین احسن اصلاحی کا فہم حدیث ایک فتنہ اور گمراہی ہے۔ہم علی وجہ البصیرت سمجھتے ہیں کہ ان کا حضرات محدثین کے افکار ونظریات سے دور پار کا بھی تعلق نہیں اور ان کو اپنا کر سوائے آخرت کی بربادی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔افسوس ان لوگوں کو ان کے علم نے ہی برباد کر دیا۔یہ لوگ بری طرح تلبیس ابلیس کا شکار ہوئے۔الحمدللہ ان کے مغالطوں اور علمی گمراہیوں کو ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ایک فاضل جناب غازی عزیر حفظہ اللہ نے طشت از بام کیا ہے۔

محترم جناب عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے اس کتاب کا ایک نسخہ اور CD ہمیں کویت سے ارسال کی اور حکم فرمایا کہ پاکستان میں آپ اس کی اشاعت کریں۔اللہ رب العزت انھیں اس تعاون پر جزائے خیر عطا فرمائیں۔ہم ان کے شکر گزار ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں کیونکہ پاک و ہند میں علماء اہل حدیث سے ان کے بے لوث اور مخلصانہ علمی تعاون کا یہ سلسلہ کئی برسوں سے جاری ہے۔ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔چنانچہ کچھ تاخیر کے بعد اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔امید ہے اس کا مطالعہ اصلاحی مکتب فکر سے وابستہ افراد کی اصلاح کا سبب بنے گا۔اللہ رب العزت ہمارے ان کلمہ گو بھائیوں کو ہدایت عطا فرمائے اور انھیں اصحاب رسول ﷺ کا منہج حدیث اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ابوبکر قدوسی

جولائی ۲۰۰۹ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

# انتساب

اپنی عزیز از جان نور چشمیان ''سعدیہ'' و ''صالحہ''

کے نام

جنہوں نے ترتیب کتاب کے دوران بہ سبب غیر معمولی انہماک پدرانہ شفقت سے اپنی عارضی محرومی کو انتہائی صبر و تحمل سے برداشت کیا

اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیشہ خوش وخرم اور سرسبز و شاداب رکھے، آمین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# فہرست عنوانات



## باب اول



نمبر شمار عنوانات صفحہ نمبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





## باب دوم



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





●●●

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حرفِ چند

الحمد لله الذی أنزل علی عبده الكتاب، ولم يجعل له عوجا، وأكرم رسوله ﷺ بأن خصه بتبيين الكتاب، وجعل نطقه وحيا ليس فيه شك ولا ارتياب، وصلى الله على رسوله الأكرم وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد :

جامعہ سلفیہ کے بنیادی مقاصد میں یہ مقصد اہمیت کا مالک ہے کہ یہاں سے کتاب وسنت کی تشریح وتوضیح اور دفاع وتائید میں علمی انداز کا کام کیا جائے، اور اعلیٰ سطح پر اس کی اشاعت کی جائے، جامعہ کے ذمہ داروں نے اس مقصد کی تعیین میں دین اسلام کی روح کو سامنے رکھا ہے، کتاب وسنت ہی ایسا سرچشمہ ہیں جہاں سے شریعت کے احکام اخذ کئے جاتے ہیں، اور ان ہی کی پیروی میں انسان کی نجات ہے۔ قرآن وحدیث کی خدمت کا یہ میدان بیحد وسیع ہے، جامعہ نے اس سلسلہ میں اب تک جو کام انجام دیا ہے اس کی حیثیت سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی ہے، مگر اسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس سلسلہ کو باقی رکھنے کی توفیق عطا فرمائے گا، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور ہمیں بیحد مسرت ہے کہ جامعہ کو اس کام کی انجام دہی کا موقع حاصل ہوا۔

ان سطور کو تحریر کرتے ہوئے مجھے جامعہ کے سابق شیخ الجامعہ محترم ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی بہت یاد آرہی ہے، مرحوم جامعہ سلفیہ کی نیک نامی وترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، اسی سلسلے میں موصوف مصنف محترم غازی عزیر صاحب اور جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود صاحب کے مابین ''واسطۂ خیر'' بنے، اور جامعہ کے ادارۃ البحوث کو اشاعت کے لئے یہ کتاب حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ کے کرم سے یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے گا، اسی طرح مصنف محترم کو بھی ان شاء اللہ دہرا اجر ملے گا کہ انہوں نے علم حدیث کی اہم خدمت انجام دی، اور اس کی طباعت واشاعت کے لئے جامعہ سلفیہ کو منتخب فرمایا۔

● مصنف محترم کا بہترین تعارف ان کی اس تصنیف سے ہوگا، پھر بھی یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصنف کا قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کے اس علمی ودینی خاندان سے تعلق ہے جسے خدمت حدیث کے باب میں امتیاز حاصل ہے، ترمذی شریف کی جو شرح محدث علام ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائی، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے عرب وعجم میں مقبولیت عطا فرمائی اس کی مثال بہت کم ہے، آج محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کے حفید کے قلم سے حدیث کی یہ اہم خدمت انجام پا رہی ہے، یقیناً یہ ان کے لئے علو درجات کا سبب ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علم وتقوی میں علاقائیت کی بات نہیں، پھر بھی اہل قلم یہ محسوس کرتے ہیں کہ بعض علاقے بعض علمی خدمت کے لئے مشہور ہوگئے، اور یہ شہرت آج بھی زبان پر آتی ہے، خدمتِ حدیث کے سلسلہ میں ہندوستان کو بھی ایک امتیاز حاصل ہے، اس ملک میں مختلف نوعیت کی خدمتِ حدیث کے نمونے ہمارے سامنے ہیں، کسی کو اللہ تعالی نے مجموعۂ حدیث تیار کرنے کی توفیق بخشی، کسی نے لغاتِ حدیث پر کام کیا، کسی نے شرح حدیث کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے، کسی نے اصول حدیث کے کسی شعبہ کو منتخب کیا، کسی نے اعتراضات کے جواب کی ذمہ داری سنبھالی، اور اس طرح یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس روشن پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے ذہن تاریک پہلو کی طرف خود بخود منتقل ہوجاتا ہے، اور وہ نامسعود کوششیں سامنے آجاتی ہیں جنہیں اس ملک کے بعض لوگوں نے وقتاً فوقتاً انجام دیا، اور اس طرح اہل علم کی تنقید کا نشانہ بنے، اگر اس طرح کی منفی خدمت اور اسلام دشمن سرگرمی سے اس ملک کا دامن پاک ہوتا تو اس کے لئے بڑی عزت کا سبب بنتا۔

● مصنف نے کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا ہے، اور موضوعات کے لحاظ سے ایسی ترتیب دی ہے جو واقعہ کے مطابق اور منطقی ہے، چنانچہ پہلے باب کی بڑی سرخی ''حدیث کا تعارفی خاکہ'' ہے، دوسرے باب میں ''قرآن وسنت کے باہمی تعلق'' سے بحث کی گئی ہے، تیسرے باب کا عنوان ''صحابہ کرام اور شرفِ صحابیت'' سے متعلق ہے، چوتھا باب سند اور فن جرح وتعدیل کے لئے خاص ہے، پانچویں باب میں روایت بالمعنی کی بحث ہے، چھٹا باب ''اخبار آحاد اور ان کی حجیت'' پر روشنی ڈالتا ہے، ساتواں باب وضع حدیث کے فتنہ سے متعلق ہے، آخری تینوں ابواب (۸، ۹، ۱۰) میں براہ راست اصلاحی صاحب کے افکار ونظریات سے بحث ہے، اور دلائل کی روشنی میں ان کی قدر وقیمت متعین کی گئی ہے۔

زیر نظر تصنیف میں مصنف کی یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو صرف جوابی کتاب نہیں بنایا ہے، بلکہ مسائل کا اس طرح احاطہ کیا ہے کہ یہ کتاب علم حدیث کا موسوعہ بن گئی ہے، حدیث کے جن مسائل سے متعلق اصلاحی صاحب کے افکار وخیالات کا جائزہ لینا ہے، پہلے ان کو مصنف نے بنیادی مآخذ کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر اصلاحی صاحب کا نقطۂ نظر پیش کر کے اس کی صحت وسقم پر روشنی ڈالی ہے، اس اندازِ بحث سے قاری کو مسئلہ کی پوری نوعیت معلوم ہوجاتی ہے، پھر اسے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کتاب کو اس قدر جامع اور مفصل بنانے کے لئے مصنف نے سینکڑوں مآخذ کو کھنگالا، اور شب روز کی محنت وجگر سوزی سے یہ گلدستہ تیار کیا ہے، کتاب قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گی تو وہ اسے یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

ہم نے اشارہ کیا ہے کہ برِصغیر کی ثقافتی ودینی تاریخ میں جب ہمارے ملک ہندوستان کا ذکر آئے گا تو یہ ناخوشگوار پہلو بھی سامنے آئے گا کہ جس رحمۃ للعالمین ﷺ کو قرآن کریم نے ﴿قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله﴾ اور ﴿ورفعنالك ذكرك﴾ کا اعزاز واستناد عطا فرمایا ہے، اسی کے ارشادات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


وفرامین کے تعلق سے یہاں بعض حضرات کے دلوں میں خدشات وشبہات ہیں، انسانی فطرت کو اللہ تعالی نے سلامتی سے نوازا ہے، اگر اس میں کہیں سے کسی طرح کا انحراف آیا ہے تو اس میں شریعت کے سرچشموں کا نہیں بلکہ خود انسان کا قصور ہے کہ اس نے اپنے لئے فکر وتعقل کے نام پر غیر مستقیم راہ اختیار کی، جس فن کو امت مسلمہ کا امتیاز قرار دیا جاتا ہے، اسی میں اس کی بیچینی کا سامان ہے:

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

بات کسی اور طرف جارہی ہے، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان میں حدیث سے متعلق شبہات واعتراضات رکھنے والے حضرات کے پس منظر میں محترم غازی عزیر صاحب کی تصنیف لطیف کی فہرست پر نظر ڈالئے تو مفید تو ہر عنوان نظر آتا ہے، لیکن بعض عناوین سے تسلّی مزید حاصل ہوتی ہے کیونکہ ان کے ذریعہ ان افکار وخیالات کا جائزہ لیا گیا ہے جنہیں حدیث کے سلسلہ میں تشکیک پیدا کرنے والے لوگ وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں، اس طرح کے عناوین پر اپنے تاثرات ظاہر کروں گا تو بات طویل ہو جائے گی، صرف بعض عناوین کا ذکر کردیتا ہوں:

- فیصلہ کن انداز میں مصنف کا یہ فرمانا بڑی معنویت رکھتا ہے کہ: ''اصول شریعت میں حدیث وسنت کی ثانوی حیثیت نا قابل قبول ہے۔''
- اور یہ عنوان بھی توجہ طلب ہے کہ: ''عدم اتباعِ سنت انکارِ رسالت کے مترادف ہے۔''

باب دوم کے تمام مباحث اہمیت کے مالک ہیں کیونکہ ان میں ایسے امور زیر بحث لائے گئے ہیں جن کے سہارے بعض فقہاء حدیث کو رد کردیتے ہیں، اس باب کی ابتدائی تین سرخیوں پر توجہ کی ضرورت ہے:

''قرآن وسنت میں سے کسی ایک چیز پر اکتفاء کرنا گمراہی کا باعث ہے۔''
''فہم قرآن کے لئے صرف زبان پر قدرت کافی نہیں ہے۔''
''فہم قرآن سنت کا محتاج ہے۔''

ان عناوین کے ذریعہ مصنف نے ان حیلوں کا جائزہ لیا ہے جنہیں سنت سے گریز کرنے والے کبھی کبھی پیش کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سے حدیث شریف کا اخذ وتلقی، اس پر غور وفکر، اس کے احکام پر عمل اور اس کی نشر واشاعت سے متعلق تمام ذمہ داریاں اولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی پر عائد ہوئیں، اور انہوں نے انہیں بطریق احسن ادا کیا جس کی گواہی قرآن وحدیث اور امت کے اجماع میں موجود ہے، حدیث نبوی کے معترضین کو ''رعیل اول'' کا یہ بلند وبالا مقام کسی حد تک معلوم تھا، اس لئے انہوں نے صحابہ کرام کی حیثیت کو بھی نشانہ بنایا، اور اس سلسلہ میں بڑی بودی اور ساقط الاعتبار باتیں کیں، صحابہ کی عظمت اس سے کیا متاثر ہوتی امت نے اور دنیا بھر کے منصفین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے ان معترضین ہی کو عدل وامانت اور علم وفکر سے عاری ٹھہرایا۔

محترم مصنف نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور ان تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جن کو نفس پرستی اور عصبیت کی وجہ سے گاہے بگاہے اٹھایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں صحابہ کرام کی عدالت، فقاہت اور دیگر متعلقہ مسائل زیر بحث آئے ہیں، اور ان سے کتاب کی جامعیت میں اضافہ ہوا ہے، موضوع کی یہی اہمیت ونزاکت تھی جس نے علمائے اہلحدیث کو مختلف ادوار میں اس پر بحث ونقد کے لئے آمادہ کیا، احسن اللہ لھم الجزاء۔

فاضل مصنف نے چوتھے باب کو سند اور اس سے متعلق مسائل کے لئے خاص کیا ہے، معترضین حدیث میں جو لوگ علوم وفنون میں ''مہارت'' کا دعوی رکھتے ہیں وہ اکثر سند کے مسائل سے الجھتے ہیں، اور اس سلسلہ میں ایسی باتیں زیر بحث لاتے ہیں جن سے ان کے مقاصد کی تکمیل ہو، ایسے حضرات سلف صالحین کی ان کوششوں اور ان کے مثبت ومفید اثرات سے ناواقف ہوتے ہیں، یا دانستہ ان سے اغماض کرتے ہیں، ورنہ جس اسناد کو امت مسلمہ کا امتیاز بتایا گیا ہے اور جس پر حدیث کی صحت وضعف کی بنیاد ہے، اسے محدثین کرام کیسے نظر انداز کر سکتے تھے!

ائمۂ جرح وتعدیل کے اختلاف کو بھی اٹھایا جاتا ہے، مصنف محترم نے اس نقطہ کا بھی جائزہ لیا ہے، اسی طرح محدثین کی اس ''تقصیر'' کی بھی نشاندہی کی جاتی ہے کہ ان کی توجہ متن حدیث پر نہیں بلکہ صرف سند پر تھی، اس اعتراض کی حقیقت تو محدثین کرام نے عصر اول ہی میں واضح کر دی تھی، لیکن اس دور میں بھی محققین علماء نے اس پر اچھی روشنی ڈالی ہے، اور مصنف نے اس پر تشفی بخش بحث کی ہے۔

روایت بالمعنی کے ضمن میں بھی معترضین کئی طرح کے خدشات کا اظہار کرتے ہیں، فاضل مصنف نے پانچویں باب کو اس مسئلہ کے لئے خاص کیا ہے، اور ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے، اور واضح کیا ہے کہ اس سلسلہ میں علمائے اسلام کا موقف کیا ہے، اس ذیل میں ایک اہم نقطہ یہ اٹھایا ہے کہ: روایت بالمعنی کی صورت میں سلف صالحین کس نوعیت کی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس نقطہ کی اہمیت یہ ہے کہ معترضین روایت بالمعنی کے جواز سے یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ غیر ذمہ دارانہ طور پر بات کو نقل کر دیا جائے خواہ مقصودِ کلام کچھ بھی ہو! مصنف نے زیر نظر باب میں اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ کیا روایت بالمعنی میں غلطی کا احتمال ہے، اور اس مسئلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف کا سبب کیا ہے؟

چھٹے باب میں اخبار آحاد پر مصنف محترم کی بحث تفصیلی ہے، اس کی فہرست سات صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، غور کیا جائے تو یہ موضوع اسی توجہ کا مستحق ہے، اخبار آحاد ہی کی بنا پر اکثر معترضین اپنے خیالی محل تعمیر کرتے ہیں، اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف نے اخبار کی مختلف حیثیتوں سے تقسیم کی ہے، ان کی حجیت سے متعلق ادلۂ وشواہد ذکر کئے ہیں، اختلافات کا جائزہ لیا ہے، اخبار آحاد کے منکرین پر محدثین کرام کی نقد وجرح کا تذکرہ کیا ہے، اخبار آحاد کے سلسلہ میں حنفیہ اور دیگر فقہی مذاہب کے ائمہ کا موقف بیان کیا ہے، عقائد واحکام دونوں میں اخبار آحاد سے استدلال کی ضرورت کو واضح کیا ہے، اور ان خطرناک نتائج کی نشاندہی کی ہے جو خبر واحد کو عقائد میں معتبر نہ ماننے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پیدا ہوتے ہیں، پھر خبر واحد کے مفید بالعلم ہونے کی بحث اٹھائی ہے، اور ضروری مسائل کو منقح کیا ہے، اس مسئلہ میں تقلید جامد اور گروہی و مسلکی عصبیت کے اثرات بھی مصنف سے مخفی نہیں، علمی مسائل کی آڑ میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ تعصب کو تسکین دی جاتی ہے!

مصنف محترم نے ساتویں باب میں وضع حدیث کے فتنہ پر روشنی ڈالی ہے، واضح ہو کہ اس فتنہ کی نشاندہی ونقاب کشائی خود محدثین کرام نے کی ہے، لیکن معترضین اسے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ ان کی دریافت ہے، مجھے بعض ایسے حضرات سے سابقہ رہا ہے جو اس قسم کے وہم میں گرفتار تھے، انہیں یہ سوچنے کی توفیق نہ ہوسکی کہ وضع حدیث کی نشاندہی سے محدثین کرام کی امانت وتقوی اور بصیرت وحمیت کا اندازہ ہوتا ہے، عربی کا مقولہ "حبك الشيء يُعمي ويُصم" ایسے ہی لوگوں پر صادق آتا ہے! زیر نظر باب میں مصنف نے ان طبقات وطوائف پر روشنی ڈالی ہے جو وضع حدیث میں ملوث تھے، اسی طرح ہر ایک کے یہاں اس کے محرکات ومقاصد کو بھی واضح کیا ہے، اور فکر میں زیغ وضلال کے سرچشمہ کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، واضعین حدیث میں ایک گروہ متعصبین کا بتایا ہے، اور تعصب کی نوعیت کے لحاظ سے اسے کئی قسموں میں منقسم کیا ہے، یہ موضوع توجہ کا ہے، فن سے ناواقف حضرات اس مقام پر اکثر دھوکہ کھاتے ہیں، اور لاعلمی کے نتیجہ میں محدثین کرام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں!

ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ آٹھواں، نواں اور دسواں باب اصلاحی صاحب کے افکار وخیالات پر نقد وتمحیص سے متعلق ہے، ان میں جو مفید مباحث آئے ہیں انہیں قارئین کرام کتاب میں پڑھ کر رائے قائم کریں گے، لیکن بعض عناوین کی جانب اشارہ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں:

آٹھویں باب میں حدیث کے غث وسمین میں امتیاز کے لئے اصلاحی صاحب کی پیش کردہ چھ کسوٹیوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اس میں کشف والہام، انوار القلوب اور ذوق سے احادیث نبوی کے ثبوت اور ''عقل کلی'' وغیرہ نقاط زیر بحث آئے ہیں، اسی طرح مصنف نے یہ سوال بھی قائم کیا ہے کہ: ''کیا صحت حدیث پرکھنے کے لئے ''قرآن کریم'' کوئی معیار ہے؟''

نویں باب میں فاضل مصنف نے تدبر حدیث سے متعلق اصلاحی صاحب کے پانچ بنیادی اصولوں کا جائزہ لیا ہے، اس باب میں تدبر حدیث کا موضوع زیر بحث آیا ہے، اس لئے بہت سے نفیس مباحث پر گفتگو ہوئی ہے، اسی سے متعلق عقل وفہم کا موضوع بھی ہے، جس کے دائرہ کو ''درایت'' کے نام پر کہیں اور پہنچا دیا جاتا ہے، یہ بات کہہ کر کہ ''دین اور عقل وفطرت میں منافات نہیں ہے'' جو نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے اس سے کبھی کبھی اسلام کی بنیاد ہی پر ضرب لگ جاتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اللہ تعالی غریق رحمت فرمائے کہ انہوں نے عقل ونقل میں تعارض کے موضوع پر ایک بیحد جامع ومفصل کتاب پیش کردی، اگر ہمارے معترضین عربی جانتے تو اس سے بہت کچھ استفادہ کرسکتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دسواں اور آخری باب بھی قرآن وحدیث سے متعلق بنیادی مباحث کے علاوہ تفسیر وحدیث کے سلسلہ میں اصلاحی صاحب کے نظریات کے لئے خاص ہے، پہلے تفسیر کی معروف ومتداول کتابوں کا ذکر ہے، پھر حدیث کی کتابوں پر گفتگو کی گئی ہے، صحیح بخاری کے سلسلہ میں قارئین کو معلوم ہے کہ کوتاہ نظروں نے بہت کچھ کہا ہے، اور آج تک یہ ہرزہ سرائی جاری ہے، مگر اللہ تعالی کا یہ فضل وکرم ہے کہ اس نے ہر دور میں ایسے بالغ نظر اور بابصیرت علماء پیدا کئے ہیں جنہوں نے حدیث اور اس کی امہات کتب کے خلاف ہر کوشش کا جائزہ لیا ہے، اور تمام سنجیدہ اور باوزن اعتراضات کا جواب دیا ہے، حدیث شریف میں " نضرا لله امرءًا سمع مقالتی فوعاها الخ " ایسے ہی سعداء ومخلصین کے بارے میں وارد ہے۔

اس باب کی اس سرخی پر توجہ فرمایئے: ''کیا امام بخاری ''الجامع الصحیح'' کی تکمیل نہ کر پائے تھے؟'' جس کتاب کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کے حکم سے سرفراز کیا جا چکا ہے اس کی تکمیل وعدم تکمیل کے سوال کو لے کر آج کے توہم پرست الجھن میں ہیں، انسانی کاموں میں جنہیں ''مکمل'' کہا جاتا ہے ان حضرات کو ان کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے، امیر المؤمنین فی الحدیث کے کارنامے کو سمجھنے کے لئے جس بالغ نظری اور اخلاص کی ضرورت ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو انسان کچھ بھی کہہ سکتا ہے، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ الجامع الصحیح للامام البخاری کے مرتبہ اور اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علمائے اہلحدیث نے بڑی عظیم کوشش کی ہے، خود مبارکپور ہی کی سرزمین سے ایسے عالم جلیل پیدا ہوئے کہ امام بخاری کے تعارف ودفاع کا حق ادا کر دیا، احسن اللہ لہ الجزاء، واعلی درجتہ فی جنۃ الفردوس۔

امام زہری رحمہ اللہ کی شخصیت کے خلاف بھی معترضین نے زبان طعن دراز کی ہے، فاضل مصنف نے اختتامی مباحث میں ان کی عظیم شخصیت کا بھی تعارف کرایا ہے، اور معترضین کے شبہات کی حقیقت کھولی ہے، اس مبحث کی ایک دلچسپ سرخی یہ ہے: ''امام زہری پر بعض غیر عالمانہ تنقیدات''، قارئین جانتے ہیں کہ نظر کی کوتاہی اور علم کی سطحیت ہی حدیث اور محدثین پر اعتراض کا محرک ہے، ورنہ گہرا علم اور صائب وعمیق نظر رکھنے والے اہل اخلاص وتقوی اس طرح کے وسوسوں کا شکار نہیں ہوتے: "لا يزيغ عنها الا هالك".

ان سطور کے اختتام پر میں کتاب کے مصنف محترم غازی عزیر صاحب اور جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان کی محنت وتوجہ سے قارئین کو علم حدیث کے موضوع پر ایک عمدہ ولطیف کتاب کے مطالعہ کا موقع حاصل ہوا، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ مصنف، ناشر اور طباعت میں تعاون کرنے والے تمام حضرات کو اجر جزیل سے نوازے، اور کتاب کو مقبول عام بنائے، آمین، والحمد للہ رب العالمین۔

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

جامعہ سلفیہ، بنارس

۲/ جمادی الآخرۃ ۱۴۲۴ھ

• • •

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقریظ

بقلم: جناب مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب، حفظہ اللہ تعالی
(سابق مدیر اعلی ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور ومشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان)

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اپنے دور کے ان چند سربرآوردہ، اہل علم واہل قلم میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ذہانت وفطانت سے حصہ ُوافرعطا فرمایا ہے۔لیکن ذہانت کی یہ فراوانی ان کے زیغ وضلال کا باعث اور ﴿وأضله الله على علم﴾ (الجاثیہ،۲۳) کا مصداق ثابت ہوئی

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

سرسید احمد خاں، مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز وغیرہم کو دیکھ لیجئے، ان کا شمار بھی ذہین وفطین لوگوں میں ہوتا ہے۔لیکن ان حضرات نے مسلمہ اسلامی عقائد کا جس طرح حلیہ مسخ کیا ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔اور یہ حضرات اپنے اپنے دائروں میں جس طرح گمراہی کے امام وپیشوا بنے، وہ بھی کوئی مخفی راز نہیں۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ذہانت وفطانت اور علم وفن میں اونچے مقام پر فائز ہونا، یہ کوئی خاص اعزاز نہیں۔بہت سے ائمہ کفر وضلال بھی ان چیزوں سے بہرہ ورر ہے ہیں۔لیکن انہوں نے گو دنیا میں شہرت وناموری ضرور حاصل کر لی ہو، مگر عند اللہ ان کا کوئی مقام نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ کے ہاں مجرم ہی نہیں، اکابر مجرمین میں سے ہوں گے، جن پر ان کی اپنی ہی گمراہی کا بوجھ نہیں ہوگا، ان ہزاروں اور لاکھوں افراد کے گناہوں کی بھی ذمے داری ہوگی جو ان کے افکار وآراء سے گمراہ ہوئے ہوں گے۔

مولانا اصلاحی صاحب بھی ''تدبر قرآن'' کے مصنف ہونے کے اعتبار سے قرآن کے ایک ''مفسر'' کے طور پر بھی مشہور ہیں، اپنے دروس حدیث کی بنا پر ان کے تلامذہ ان کو ایک ''محدث'' بھی شمار کرتے ہوں گے، بعض کلامی خدمات کی بنا پر شاید ایک ''متکلم'' اور فکر فراہی کے ایک ''عظیم مفکر'' بھی سمجھے جاتے ہوں گے۔لیکن ''إنما الأعمال بالخواتيم'' کے اعتبار سے اندیشہ ہے کہ عند اللہ ان کا شمار بھی دعاۃ ضلال ہی میں ہو۔کیونکہ عمر کے اس آخری دور میں ان کے زبان وقلم سے بعض ایسی چیزیں منظر عام پر آئی ہیں جو صریح گمراہی پر مبنی ہیں بلکہ اجماع امت سے انحراف کی وجہ سے ان پر کفر تک کا اطلاق ممکن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا﴾ (النساء۱۱۵) اور جو ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مؤمنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور کے راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرتا ہے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

اس آیت پر راقم نے اپنی مختصر تفسیر میں حسب ذیل حاشیہ تحریر کیا ہے:

''ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی، دین اسلام سے خروج ہے جس پر اس آیت میں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مؤمنین سے مراد صحابۂ کرام ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے اور ان آیات کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ مؤمنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لئے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المؤمنین کا اتباع، دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر وضلال ہی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المؤمنین سے مراد اجماع امت لیا ہے یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام علماء وفقہاء کا اتفاق یا کسی مسئلہ پر صحابہ کرام کا اتفاق۔ یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ تاہم صحابہ کرام کا اتفاق تو بہت سے مسائل میں ملتا ہے یعنی اجماع کی یہ صورت تو ملتی ہے لیکن اجماع صحابہ کے بعد کسی مسئلہ میں پوری امت کے اجماع واتفاق کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کئے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل بہت ہی کم ہیں جن میں فی الواقع امت کے تمام علماء وفقہاء کا اتفاق ہو۔ تاہم ایسے جو مسائل بھی ہیں ان کا انکار بھی، صحابہ کے اجماع کے انکار کی طرح کفر ہے۔ اس لئے کہ صحیح حدیث میں ہے ''اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کریگا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے'' (صحیح ترمذی للالبانی، ۲/رقم ۱۷۵۹) (''تفسیر احسن البیان'' بر حاشیہ قرآن مجید مترجم، مکتبہ دارالسلام۔ ریاض لاہور۔ ص ۱۲۵)

اسی طرح احادیث صحیحہ حتی کہ صحیح بخاری ومسلم کی متفق علیہ احادیث تک کے انکار کا جو راستہ ان صاحب نے کھولا ہے، وہ بھی نہایت خطرناک ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرمایا ہے:

أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وأنهما متواتران إلى مصنفيهما وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين. (حجۃ اللہ البالغۃ، ص۱۳۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



’’صحیح بخاری وصحیح مسلم، ان دونوں کتابوں کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جتنی بھی متصل مرفوع روایات ہیں، وہ سب یقینی طور پر صحیح ہیں اور وہ اپنے مصنفین تک متواتر ہیں۔ نیز جو ان دونوں کتابوں کی اہمیت کو گھٹاتا ہے، وہ بدعتی ہے اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کا اتباع کرنے والا ہے‘‘۔

اجماع امت سے انحراف اور احادیث صحیحہ سے انکار کی ایک واضح مثال مولانا اصلاحی کا نظریہ ٔ رجم ہے، جس کا اظہار انہوں نے اپنی مزعومہ تفسیر ’’تدبر قرآن‘‘ میں کیا ہے اور جس پر انہیں ابھی تک اصرار ہے۔

وہ نظریہ یہ ہے کہ اسلام میں زنا کی سزا ایک ہے اور وہ سو کوڑے ہے۔ چاہے زانی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ ان کے نزدیک رجم کی سزا صرف زنا کے ارتکاب پر نہیں دی جا سکتی، البتہ اس زانی کو بطور تعزیر یہ سزا دی جا سکتی ہے جو معاشرے کی عزت وناموس کے لئے خطرہ بن جائے، جو زنا اور اغوا کو پیشہ بنالے، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت وآبرو پر ڈاکہ ڈالے اور کھلم کھلا زنا بالجبر کا مرتکب ہو۔ (تفسیر ’’تدبر قرآن‘‘ ۴/۵۰۴-۵۰۵)

گویا یہ اصلاحی صاحب نے ’’اجتہاد‘‘ فرمایا ہے کہ رجم غنڈہ گردی کی سزا ہے، زنا کی سزا نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کا یہ نظریہ ٔ رجم یا ’’اجتہاد‘‘ یا ’’تقتیل‘‘ کی من مانی تفسیر، شرعی نقطۂ نظر سے نہایت خطرناک رجحانات کی حامل ہے۔ اس میں:

ایک تو رجم کی ان احادیث کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے جو مشہور، متفق علیہ اور متواتر ہیں، کیونکہ وہ تقریباً تین درجن صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ جس سے صریحاً انکار حدیث کی پرزور تائید ہوتی ہے۔

دوسرے، اجماع صحابہ اور اجماع امت سے سخت بے اعتنائی ہے۔ حالانکہ یہ اجماع صحابہ خود مولانا اصلاحی صاحب کی صراحت کے مطابق دین میں حجت اور سنت ہے جس سے انحراف کی اجازت ان کے نزدیک نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مفصل مضمون کے آخر میں، جو ’’سنت خلفائے راشدین‘‘ کے عنوان سے فروری ۱۹۵۶ء کے ’’ترجمان القرآن‘‘ لاہور میں چھپا ہے، لکھتے ہیں:

’’اب میں یہ بتاؤں گا کہ میں خلفائے راشدین کے اس طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے...... جس میں نبی ﷺ نے خود خلفائے راشدین کی سنت کو سنت کا درجہ بخشا ہے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اجماع ہمارے یہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور اجماع کی سب سے اعلیٰ قسم اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے جس کی مثالیں خلفائے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں۔

۳- تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتداء سے خلفائے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجت کی حیثیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دی گئی ہے۔

۴- چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگر چہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی ہے لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا مظاہرہ حضرات خلفائے راشدین کے ہاتھوں ہوا، اس پہلو سے خلفائے راشدین کا دور گویا عہد رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لئے وہ پورا نظام ایک مثالی نظام ہے جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہو چکے ہیں وہ ہمارے لئے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے لئے ان سے انحراف جائز نہیں ہے۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن مذکور)

بلکہ مولانا اصلاحی صاحب اس کے بھی قائل ہیں کہ جس مسئلے میں ائمہ اربعہ بھی متفق ہوں تو ان کا یہ اتفاق بھی اجماع امت کے مترادف اور دین میں حجت ہے۔ چنانچہ موصوف ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''ایک انطباق تو وہ ہے جس پر خلفائے راشدین اپنے دور کے اہل علم وتقوی کے مشورے کے بعد متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اسلام میں اجماع کی بہترین قسم ہے اور یہ بجائے خود ایک شرعی حجت ہے۔ اسی طرح ایک انطباق وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اگر چہ درجے میں پہلی قسم کے اجماع کے برابر نہیں ہے، تاہم چونکہ یہ امت من حیث الامت ان ائمہ پر متفق ہوگئی ہے، اس وجہ سے ان ائمہ کے کسی اجماع کو محض اس دلیل کی بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ معصوم نہیں تھے۔ یہ معصوم تو بے شک نہیں تھے لیکن ان کے معصوم نہ ہونے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ کسی امر پر ان کا اتفاق دین میں حجت نہ بن سکے''۔ (عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ، ص ۵۸، طبع فیصل آباد)

اور یہ ظاہر ہے کہ رجم کی وہ زیر بحث حد، جس کا انکار مولانا اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے، اجماع صحابہ کے علاوہ، ائمہ اربعہ سمیت تمام فقہائے امت کا اس پر اتفاق ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود اصلاحی صاحب کے مذکورہ موقف کے مطابق حد رجم کا انکار کتنی بڑی گمراہی ہے۔

تیسرے، اصلاحی صاحب کے نظریۂ رجم میں رجم کو، جو ایک شرعی حد ہے یعنی اللہ ورسول کی مقررہ حد، جس میں کسی بھی شخص کو کمی بیشی یا ترمیم وتبدیلی کا حق نہیں، شرعی حدود سے خارج کر کے تعزیری سزا بنا دیا گیا ہے جو صرف حاکم اور جج کی صواب دید پر منحصر ہے۔

چوتھے، رجم کی یہ تعزیری سزا بھی ان کے خیال کے مطابق صرف زانی کو (چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ) نہیں دی جائیگی بلکہ پیشہ ور زانیوں اور غنڈوں کو دی جائے گی یا بہ الفاظ دیگر یہ ''تعزیری رجم'' گویا زنا کی سزا نہیں، بلکہ غنڈہ گردی کی سزا ہے۔ اور موصوف نے یہ ''استنباط'' یا ''اجتہاد'' آیت محاربہ سے کیا ہے، جس میں رجم کی سزا کا کوئی ذکر ہے نہ مفسرین امت میں سے کسی نے یہ استنباط کیا ہے، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ اصلاحی صاحب کا ایک تحکمانہ فعل، ایک گونہ شریعت سازی اور اس سلفی تعبیر کے خلاف ہے، جس کے پابند علمائے سلف وخلف چلے آرہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہیں اور جس کی پابندی کی تلقین وہ خود بھی کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب ''اسلامی قانون کی تدوین'' میں ''کتاب وسنت کی تعبیر میں سلف صالحین کی پیروی'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''تدوین قانون کے کام کے ہر مرحلہ میں یہ حقیقت پیش نظر رکھی جائے کہ مسلمان کتاب وسنت کی جن تعبیروں پر اعتماد رکھتے ہیں، انہی تعبیروں پر مبنی ضابطہ و قانون بنایا جائے۔ اگر اپنی طرف سے نئی تعبیریں محض شوق اجتہاد میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تو ان کو لوگ ہرگز قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور اگر غلط طریقوں سے ان کو لوگوں پر لادنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج مضر بلکہ مہلک ہوں گے'' (آگے چل کر مزید لکھتے ہیں) ''سلامتی کا راستہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ کتاب وسنت کی تعبیرات میں سلف صالحین کی پیروی کی جائے۔'' (اسلامی قانون کی تدوین، ص ۱۳۵-۱۳۷)

اس تفصیل سے واضح ہے کہ مولانا اصلاحی کا نظریہ رجم ایک بڑی لغزش اور سخت گمراہی ہے، کیونکہ یہ انکار حدیث کو بھی مستلزم ہے، سلفی تعبیر کے بھی خلاف ہے، نیز شریعت سازی کا ارتکاب اور اجماع صحابہ، اجماع امت اور اجماع ائمہ اربعہ کا انکار ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، راقم کی کتاب ''حد رجم کی شرعی حیثیت اور شبہات ومغالطات کا جائزہ''۔ یہ کتاب ۱۹۸۱ء کی چھپی ہوئی ہے، اس میں مدلل طریقے سے مولانا اصلاحی کے نظریہ رجم کا ابطال کیا گیا ہے اور الحمدللہ ادعائے علم اور پندار ہمہ دانی کے باوجود مکتب فراہی کے اہل قلم کی طرف سے ابھی تک اس کا جواب نہیں دیا جا سکا۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا اصلاحی اور ان کے ہم مکتب حضرات کے پاس سوائے ہٹ دھرمی کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲- مولانا اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

''جس طرح خاندانوں کے شجرے ہوتے ہیں، اسی طرح نیکیوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہیں۔ بعض اوقات ایک نیکی کو ہم معمولی نیکی سمجھتے ہیں حالانکہ اس نیکی کا تعلق نیکیوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی نیکیوں کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی برائی سمجھتے ہیں لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے۔ (مقدمہ، تدبر قرآن، ص ط۔ طبع اول، ستمبر ۱۹۶۷ء)

بالکل اسی طرح فکری کجی اور گمراہی کا معاملہ ہے۔ جب انسان کے فکر ونظر کے زاویے میں کسی ایک مقام پر کجی آجائے، تو پھر اس کا دائرہ بڑھتا اور پھیلتا ہی چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض دفعہ اس کا رخ ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گاڑی کا کانٹا بدل جائے تو پھر وہ اسی بدلے ہوئے کانٹے پر تیزی سے رواں دواں رہتی ہے تا آنکہ دوبارہ اس کا کانٹا بدل کر اسے سیدھے راستے پر گامزن نہ کر دیا جائے۔ فکر فراہی کی بنیاد میں ایک بہت بڑی کجی یہ ہے کہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


میں قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح کے لئے احادیث وآثار کو ثانوی اور عربوں کے جاہلی ادب کو اولین حیثیت، اور اسی طرح سلف کی تعبیر کے مقابلے میں اپنی عقل وفہم کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دبستان فکر سے وابستہ اہل قلم کا رشتہ احادیث سے اور اسلاف سے کم ہو گیا، احادیث کا ذخیرہ ان کی نظروں میں غیر مستند ٹھہرا اور جاہلی ادب اور شعری دواوین، جن کی سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے، وہ مستند ومعتبر قرار پائے، اپنی فہم ورائے کی اصابت پر انہیں یقین ہے اور اس کے مقابلے میں اجماع صحابہ واجماع امت تک بے حیثیت ہے (جس کی سب سے بڑی دلیل ان کا گمراہانہ نظریۂ رجم ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور ''تدبر قرآن'' میں متعدد مقامات پر اس زیغ وضلال کی مزید مثالیں موجود ہیں) اگر فکر فراہی میں یہ کجی نہ ہوتی تو کبھی اس گروہ کی طرف سے رجم کی متواتر احادیث کو رد کرنے کی اور اجماع صحابہ واجماع امت کو نظر انداز کرنے کی شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب نہ ہوتا۔ اس کجی نے ہی ان میں یہ استبداد رائے پیدا کیا اور انہیں یہ عزم وحوصلہ بخشا کہ ایک منصوص اور متفق علیہ حد کا نہ صرف نہایت بے دردی سے انکار کیا بلکہ حضرت ماعز اور غامدیہ عورت کو (نعوذ باللہ) پیشہ ور غنڈہ اور طوائف قرار دیا۔ رضی اللہ عنھما۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ احادیث رسول سے بے اعتنائی، بلکہ ان کا انکار فکر فراہی کی بنیاد میں شامل ہے۔ اسی لئے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ تعالی نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل مولانا مودودی مرحوم کے ''مسلک اعتدال'' کا رد کرتے ہوئے اپنے فاضلانہ مقالے ''جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث'' میں مولانا اصلاحی، شبلی نعمانی، حمید الدین فراہی، مولانا مودودی اور عام فرزندان ندوہ کے بارے میں تحریر فرمایا تھا کہ:

''یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں، لیکن ان کے انداز فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو سے انکار کے لئے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔'' (حجیت حدیث، ص ۲۵۴)

پھر اسی مقالے میں آگے چل کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا تھا کہ:

''میری رائے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نظریات نہ صرف مسلک اہلحدیث کے خلاف ہیں بلکہ ان کے یہ نظریات تمام ائمہ حدیث کے بھی خلاف ہیں، ان میں آج کے جدید اعتزال وتجہم کے جراثیم مخفی ہیں''۔ (حوالہ مذکور)

اس وقت بہت سے حضرات مولانا سلفی مرحوم کی اس رائے پر چونکے ہوں گے اور استعجاب کا اظہار کیا ہوگا لیکن آج اس کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آ گئی ہے اور اس میں قطعاً کوئی ابہام یا شک نہیں رہ گیا ہے، جس کا ایک بڑا ثبوت ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' ہے، جو حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے زمانے میں منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اس میں مولانا اصلاحی صاحب نے احادیث وآثار سے اکثر مقامات پر سخت بے اعتنائی برتی ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اور لغت اور جاہلی ادب پر یا اپنی فہم وفراست پر یا مزعومہ قرائن پر زیادہ اعتماد کیا ہے۔اس لئے اس میں بھی متعدد مقامات پر حدیث صحیح سے یا مسلک امت اور سلف کی تعبیرات سے انحراف پایا جاتا ہے۔اس لئے یہ تفسیر، تفسیر بالرأی الفاسد کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مذمت احادیث میں بیان کی گئی ہے۔اسی فاسد رائے اور حدیث کے انکار کا ایک نمونہ حد رجم کا بطور حد شرعی انکار ہے۔اور بطور تعزیر پیشہ ور بدمعاشوں اور غنڈوں کے لئے اس کا اثبات ہے جو انہوں نے سورہ مائدہ کی آیت محاربہ کے لفظ "قُتِّلُوا" سے کشید کی ہے۔حالانکہ رجم ایک ایسی حد ہے کہ اگر اسے نص پر مبنی تسلیم نہ کیا جائے (جیسا کہ اصلاحی صاحب تسلیم نہیں کرتے) تو پھر اسے تعزیر کے طور پر اپنے قیاس واستنباط سے کسی بھی جرم کی سزا کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ اس میں ایذاء دے دے کر مارنے کا انداز پایا جاتا ہے۔حالانکہ شریعت نے جانوروں تک کو ایذاء دے کر مارنے سے منع کیا ہے، اسی طرح مثلہ کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے۔ لیکن شریعت کے نزدیک ایک شادی شدہ شخص کا ارتکاب زنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس نے بطور عبرت یہ سزا ایسے مجرموں کے لئے رکھی ہے۔اب اگر کوئی شخص شریعت کی اس نص (عمل رسول اور حکم رسول) ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اور کہتا ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا بھی سو کوڑے ہی ہیں۔ تو اسے یہ حق کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ تعزیر کے طور پر اپنی طرف سے اور اپنے قیاس سے کسی اور جرم کی یہ سزا تجویز کرے، جب کہ اس میں ایذاء دہی اور مثلے کا انداز پایا جاتا ہے جو شریعت اسلامیہ میں ممنوع ہے۔اس سے تو زیادہ بہتر "قیاس" یا "اجتہاد" یہ تھا کہ اصلاحی صاحب سرے سے رجم کا ہی انکار فرما دیتے۔بطور حد زانی محصن تو کیا ہی تھا، بطور تعزیر بھی کر دیتے، بطور تعزیر اس کا جواز تسلیم کرنے میں آخر کیا تک ہے؟ یہ حدیث رسول سے انکار کی وہ آفت ہے جو مولانا اصلاحی صاحب کی عقل وفہم پر پڑی ہے اور ایسا "اجتہاد" یا "استنباط" فرمایا ہے جس کی شرعی بنیاد تو پہلے ہی نہیں ہے، عقلی اور اخلاقی بنیاد سے بھی وہ محروم ہے۔آہ سچ ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

دوسرا بڑا ثبوت "تدبر قرآن" کے بعد "تدبر حدیث" ہے۔اسی لئے انہوں نے اپنے ادارے کا نام "ادارہ تدبر قرآن وحدیث" رکھا ہوا ہے۔اور قرآن پر تدبر کرنے، یعنی اپنی عقل وقیاس سے قرآنی حقائق کا حلیہ بگاڑنے کے بعد، اب حدیث کا روئے آبدار مسخ کرنے کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے چند محاضرات (لیکچروں) کا اہمام فرمایا۔انہی محاضرات کے مجموعے کا نام "مبادیٔ تدبر حدیث" نامی کتاب ہے جس میں حدیث کے پرکھنے کے تمام محدثانہ اصول کو ناکافی اور بے وقعت قرار دیتے ہوئے نئے اصول وضع کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے تاکہ محدثین کی بے مثال کاوشوں پر پانی پھیر دیا جائے اور لوگوں کو ایسے ہتھیار فراہم کر دیئے جائیں جنہیں استعمال کر کے وہ جس حدیث صحیح کو چاہیں رد کر دیں اور جس ضعیف اور باطل حدیث کو چاہیں، صحیح قرار دے لیں۔

۳-دعوی تو یہ کیا گیا ہے کہ حدیث کے پرکھنے کے لئے محدثانہ اصول وقواعد میں جو خامیاں اور کوتاہیاں رہ گئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تھیں، اس کتاب میں ان کا ازالہ کیا گیا ہے اور ایسے نئے قواعد واصول وضع کئے گئے ہیں کہ ان کی روشنی میں تمام احادیث کو نئے سرے سے پرکھا جا سکے۔کتنا بڑا دعوی ہے؟ لیکن اسی بلند بانگ دعوے میں حدیث کا انکار مضمر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری جیسے امام فن نے بھی اگر کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دیا ہے تو محدثین کے اصول وقواعد میں ایسی خامیاں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے امام بخاری کے فیصلے کے برعکس صحیح حدیث ضعیف اور ضعیف حدیث صحیح ہوسکتی ہے۔اس لئے ضرورت ہے کہ اصلاحی صاحب کے گھڑے ہوئے اصولوں کی روشنی میں تمام ذخیرۂ احادیث کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے۔یہ انکار حدیث کا راستہ چوپٹ کھولنے کے مترادف نہیں ہے؟ اور کیا یہ محدثین کی تمام کاوشوں پر خط نسخ پھیرنا نہیں ہے؟

مولانا اصلاحی کے تلمذ یا ارادت سے وابستہ حلقہ ان لیکچروں کو بھی مولانا اصلاحی کا ''عظیم کارنامہ'' قرار دیتا ہے۔لیکن یہ ایسا ہی عظیم کارنامہ ہے، جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے'' خلافت وملوکیت'' لکھ کر عظمت صحابیت کے قصر رفیع میں نقب زنی کر کے سرانجام دیا ہے، جس پر ان کے ایک غالی عقیدت مند (ماہر القادری مرحوم) نے یہ کہہ کر انہیں خراج تحسین پیش کیا تھا کہ'' خلافت وملوکیت'' اس صدی کی عظیم ترین کتاب ہے''۔یا جیسے غلام احمد پرویز نے اپنے پرچے کا نام'' طلوع اسلام'' رکھ کر غروب اسلام کا کام سرانجام دیا ہے۔یا جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی بابت اس کے پیروکار دعوی کرتے ہیں کہ اس نے نبوت کا دعوی کر کے پوری دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا علم بلند کر دیا ہے دراں حالیکہ اس نے بھی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا ہے اور وہ نبی یا مسیح موعود نہیں، بلکہ دجال وکذاب ہے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور دنیا کی عام روش ہے۔لیکن فساد کا نام اصلاح یا شراب کا نام روح افزا رکھ لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی ہے، یہ غرور نفس یا دل کا بہلاوا اور تسویل شیطان ہے۔بہر حال مولانا اصلاحی صاحب کی کتاب'' مبادئ تدبر حدیث'' ایک نہایت خطرناک کتاب ہے، جس میں محدثین کی کاوشوں کی نفی یا ان کا استخفاف کر کے انکار حدیث کا راستہ چوپٹ کھول دیا گیا ہے، جس کے بعد قرآن کو ماننے کا دعوی بھی بے حیثیت قرار پاتا ہے۔

۴-اور یہ کوئی مفروضہ، واہمہ اور تخیل کی کرشمہ آرائی نہیں، بلکہ وہ حقیقت ہے جسے خود مولانا اصلاحی صاحب بھی تسلیم بلکہ اس کا اظہار کرتے ہیں۔چنانچہ وہ اپنے مقدمہ تفسیر میں منکرین حدیث کے رویے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم وصلاۃ، حج وزکوۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحا خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے......(مقدمہ'' تدبر قرآن'' ص ف)

مولانا اصلاحی صاحب جن کو منکرین حدیث قرار دے رہے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنا مسلک انکار حدیث بتلاتے ہوں۔بلکہ وہ بھی حدیث کے ماننے کا دعوی کرتے ہیں۔آپ غلام احمد پرویز، اسلم جیراج پوری، تمنا عمادی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیگر مشہور منکرین حدیث کی تحریریں پڑھ لیجئے، سب حدیث کے ماننے کے دعوے دار ہیں، کوئی بھی حدیث کی حجیت سے انکار نہیں کرتا ہے۔ پھر انہیں منکرین حدیث کیوں کہا جاتا ہے؟ صرف اس لئے کہ زبان سے حدیث رسول ماننے کے باوجود حدیث میں تشکیک پیدا کرنا اور محدثین کی سعی و جہد کو بے حیثیت قرار دینا، ان کا مشغلہ ہے، جس نے عملاً انہیں حدیث کا ہی منکر نہیں بنایا بلکہ بقول اصلاحی صاحب کے، ان کا قرآن پر ایمان کا دعویٰ بھی محل نظر ہی قرار پاتا ہے۔ بالکل یہی معاملہ مولانا اصلاحی اور ان کے تلامذہ کا ہے۔ وہ بھی گو انکار حدیث کے علم بردار نہیں ہیں لیکن وہ جس طرح حدیث کا استخفاف، حتیٰ کہ رجم کی متواتر اور متفق علیہ روایات کا انکار کر رہے اور محدثین کے اصول وقواعد کو ناکافی قرار دے رہے ہیں، اس نے دبستان فراہی سے وابستہ افراد کو بھی منکرین حدیث ہی کی صف میں لا کھڑا کیا ہے، کیونکہ حدیث کے بارے میں ان کی مذموم مساعی سے بھی حدیث ہی کا انکار لازم نہیں آرہا، بلکہ قرآنی مسلمات سے بھی انحراف کا راستہ کھل رہا ہے۔

۵- چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب کے تلامذہ میں سے سب سے نمایاں، ممتاز اور قریب جناب جاوید احمد غامدی کو دیکھ لیجئے، جو مولانا اصلاحی کو ''امام'' لکھتے ہیں۔ یوں اس گروہ کے امام اول مولانا حمید الدین فراہی، امام ثانی مولانا امین احسن اصلاحی قرار پاتے ہیں اور بمصداق ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، امام ثالث یہی غامدی صاحب ہیں۔ یہ کوئی استہزاء نہیں ہے۔ اگر اول الذکر دونوں بزرگ امام ہیں تو تیسرے امام یقیناً غامدی صاحب ہی ہیں۔

بہر حال مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ امام اول نے حدیث کے استخفاف اور اس سے بے اعتنائی کی جو بنیاد رکھی تھی، دوسرے امام (مولانا اصلاحی) کے رویے نے اسے انکار حدیث تک پہنچا دیا اور انہوں نے رجم کی احادیث اور دیگر بعض صحیح احادیث کو رد اور ''مبادئ تدبر حدیث'' کے ذریعہ سے تمام ذخیرہ احادیث کو مشکوک قرار دے دیا اور اب تیسرے امام نے قرآنی مسلمات کا بھی انکار شروع کر دیا ہے۔ اور انکار حدیث کا یہ وہ منطقی اور لازمی نتیجہ ہے جسے اصلاحی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ بالآخر یہ گروہ بھی اپنے اس منطقی انجام کو پہنچ گیا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے بارے میں ہماری یہ بات لوگوں کے لئے شاید ''انکشاف'' کا درجہ رکھتی ہو اور ممکن ہے بہت سے لوگ یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوں، لیکن یہ ایک ایسا واقعہ اور حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

جون ۱۹۸۹ء میں وفاقی شرعی عدالت پاکستان (لاہور) میں تقریباً دو ہفتے مسئلہ شہادت نسواں پر بحث ہوئی۔ فاضل عدالت کی درخواست پر جناب غامدی صاحب نے بھی اپنا موقف پیش کیا، جس میں انہوں نے مسئلہ مذکور میں ہی مغرب زدگان کی ہم نوائی نہیں کی، بلکہ اور بھی کئی قرآنی مسلمات کا انکار کیا، بلکہ قرآن کریم کی معنوی تحریف کا بھی ارتکاب کیا۔ راقم بھی اس بحث میں، چونکہ مکمل طور پر شریک رہا تھا، اس لئے غامدی صاحب کا پورا بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سننے کا موقع ملا، اس موضوع پر راقم اپنا مفصل مقالہ فاضل عدالت کے روبرو پہلے پیش کر چکا تھا، تاہم غامدی صاحب کے بیان کے بعد راقم نے فاضل عدالت کو خطاب کر کے کہا کہ غامدی صاحب نے تمام اسلامی مسلمات کا انکار کیا ہے، اس لئے ہمیں اس بیان پر بحث کرنے اور اس کا جواب دینے کا موقعہ دیا جائے۔ لیکن اس وقت کے چیف جسٹس جناب گل محمد مرحوم نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ یہ مجلس مناظرہ نہیں ہے، آپ دونوں ایک ایک رسالے کے ایڈیٹر ہیں، اپنے اپنے رسالوں میں یہ شوق پورا فرمالیں۔ بہرحال پھر راقم نے دوسرے ججوں سے مل کر غامدی صاحب کے بیان کا تحریری جواب عدالت میں دے دیا۔

نومبر ۱۹۹۰ء کے ''اشراق'' میں جناب غامدی صاحب نے اپنے اس بیان کا خلاصہ شائع کر دیا ہے جو انہوں نے فاضل عدالت کے روبرو پیش کیا تھا۔ اس خلاصہ میں اگرچہ وہ طمطراق، ہمہ دانی کا وہ پندار اور زبان و بیان کے وہ تیور نہیں ہیں جو عدالت کے سامنے زبانی بیان میں تھے، تاہم بنیادی موقف تقریباً وہی ہے جو وہاں پیش کیا گیا تھا۔ اپنے اس بیان میں غامدی صاحب نے جن مسلمات کا انکار کیا، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

﴿والاتی یأتین الفاحشة﴾ میں، الفاحشہ سے کیا مراد ہے؟ صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک تمام مفسرین، محدثین، علماء وفقہاء نے کہا ہے کہ اس سے بے حیائی کی وہ قبیح ترین صورت مراد ہے جسے زنا کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی وضاحت حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اس صحیح حدیث میں آگئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ میں جس ''سبیل'' کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، وہ سبیل واضح کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم اور غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے۔

اس حدیث نے یہاں فاحشہ کے مفہوم کو متعین اور اس جرم کے اثبات کے لئے چار مسلمان مرد گواہوں کو ضروری قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ نصاب شہادت تو یہاں قرآن نے ہی بیان کر دیا ہے جس کا اعادہ سورۂ نور کی آیت ﴿والذین یرمون المحصنات﴾ الآیة (سورۂ نور-۴) میں بھی کیا گیا ہے۔ اور زنا کی حد بالخصوص شادی شدہ زانی مرد و عورت کی حد حدیث رسول میں ''سبیل'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرما دی گئی ہے۔ چنانچہ مذکورہ حدیث عبادہؓ کی وجہ سے تمام مفسرین امت اور تمام علماء وفقہاء مذکورہ حد زنا اور نصاب شہادت کو تسلیم کرتے ہیں، حتیٰ کہ مولانا اصلاحی صاحب، جنہوں نے، خوارج کے بعد، امت میں سب سے پہلے حد رجم کا انکار کیا، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیات مذکورہ میں بیان کردہ تعزیرات اگرچہ سورۂ نور میں نازل شدہ حدود کے بعد منسوخ ہو گئیں لیکن بدکاری کے معاملے میں شہادت کا یہی ضابطہ بعد میں بھی باقی رہا۔ (ملاحظہ ہو ''تفسیر تدبر قرآن'' ج ۲/ ۳۷)

لیکن غامدی صاحب نے اپنے عدالتی بیان میں کہا کہ ''الفاحشہ'' سے مراد زنا نہیں ہے نہ اس میں زنا کی سزا ہی بیان کی گئی ہے، بلکہ اس میں استمرار کا مفہوم پایا جاتا ہے (اپنے خلاصہ میں غامدی صاحب نے استمرار والی بات حذف کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


دی ہے، جب کہ عدالت میں یہ بات انہوں نے بڑے اعتماد اور بلکہ ادعاء کے ساتھ پیش کی تھی) جس کی وجہ سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو پیشہ ور طوائفیں ہیں ان کی سزا اس میں بیان کی گئی ہے، عام بدکار عورتوں کی یہ سزا نہیں ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں کی گئی، یہ دعوی بھی انہوں نے کیا کہ قرآن وحدیث میں کہیں سرے سے ثبوت زنا کے لئے چار گواہوں کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس لئے اثبات زنا کے لئے چار گواہوں کا نصاب ہی غیر ضروری ہے۔ زنا تو ایک گواہ بلکہ ایک بچے کی شہادت، بلکہ بغیر کسی شہادت کے قرائن کی بنیاد پر بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ اور قرآن کریم کی آیت ﴿والذین یرمون المحصنات﴾ الآیۃ جس میں چار مرد گواہوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس کی بابت ارشاد فرمایا (جو تحریف معنوی ہے) کہ اس میں ان لوگوں کی سزا بیان کی گئی ہے جو بیٹھے بٹھائے یوں ہی بغیر کسی واقعے کے صدور کے، کسی پر بدکاری کی تہمت لگا دیں۔ اس کا تعلق زنا کے اس الزام سے نہیں ہے جس کا فی الواقع ارتکاب کیا جا چکا ہو، کیونکہ اس کے ثبوت کے لئے تو کسی متعین نصاب شہادت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

عدالت میں موصوف نے حد اور تعزیر کے مابین فرق کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تاہم شائع کردہ خلاصہ میں اس نقطہ کو پتہ نہیں کیوں حذف کر دیا ہے؟

جناب غامدی صاحب کی یہ تمام باتیں قرآن وحدیث کی واضح نصوص کے خلاف ہیں اور جیسا کہ خود موصوف نے عدالت میں تسلیم کیا کہ:

''امت میں میں پہلا فرد ہوں جس کی یہ رائے ہے، حتی کہ اس رائے میں میں اپنے استاذ مولانا امین احسن اصلاحی سے بھی مختلف ہوں'' (غامدی صاحب نے اپنے شائع کردہ خلاصہ میں اس ادعاء کو بھی حذف کر دیا ہے)

غامدی صاحب نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس کے دلائل پر تو راقم بحث کر چکا ہے جو ماہنامہ ''محدث'' لاہور میں ۱۹۹۱ء کے اوائل میں شائع ہو چکی ہے، یہاں اس تفصیل سے اس پہلو کی وضاحت مقصود ہے کہ فقہائے امت کے متفقہ مسلک سے انحراف نے، جو دراصل حجیت حدیث کے انکار پر مبنی ہے، موصوف کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے اور کتنے فخر اور تعلی سے وہ پوری امت میں اپنے منفرد ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالی اس زیغ وضلال اور من شذ شذ...... کا مصداق بننے سے بچائے۔

اسی طرح آیت مداینہ کی بابت، جس میں قرض کے سلسلے میں دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم ہے، ارشاد فرمایا، یہ محض ایک اخلاقی تعلیم ہے، کوئی اصول، ضابطہ اور متعین نصاب شہادت نہیں ہے۔ غامدی صاحب نے یہ دعوی بھی کیا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ تمام فقہائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان گواہ ضروری ہیں، اور یہ قرآن کی نص ﴿أربعة منکم﴾ (النساء، ۱۵) سے ثابت ہے۔ اس لئے اس پر بھی اجماع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



غامدی صاحب نے امت کے اجماعی اور متفق علیہ مسائل ہی کا انکار نہیں کیا، بلکہ نصوص قرآنی تک سے انحراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے۔ اور غامدی صاحب کے بعد اب ان کے تلامذہ بھی مسلمات اسلامیہ کے انکار پر اتر آئے ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۹۶ء کے ماہنامہ ''اشراق'' لاہور میں حضرت عیسیٰ کے قیامت کے قریب نزول آسمانی سے، ظہور امام مہدی وخروج دجال سے اور یاجوج وماجوج کے وجود سے بھی انکار کر دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ مذکورہ ص ۶۰ تا ۶۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک اور نقطہ کی وضاحت بھی کر دی جائے جو شرعی عدالت میں بحث کے دوران سامنے آیا اور وہ یہ کہ اس بحث سے الحمدللہ راقم کو اس موقف کی صداقت پر مزید یقین حاصل ہوا جو چودہ سو سال سے علماء وفقہاء امت کا رہا ہے اور اب تک ہے کہ:

۱- آیت ﴿واللاتی یأتین الفاحشة﴾ میں ''الفاحشہ'' سے مراد زنا ہے اور اس میں سبیل سے مراد وہ حکم رجم (شادی شدہ کے لئے) اور سو کوڑے (کنوارے کے لئے) ہیں جس کی وضاحت حدیث عبادہؓ میں ہے۔

۲- حد زنا کے اثبات کے لئے چار عینی مرد گواہ ضروری ہیں۔

۳- یہ گواہ مسلمان ہوں، غیر مسلم نہیں۔

۴- آیت مداینہ میں دیون ومعاملات کے لئے دو مرد گواہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا نصاب متعین ہے۔

علاوہ ازیں قرآن فہمی کے اس اصول کی صداقت بھی مزید نکھر کر سامنے آئی کہ قرآن کریم کو حدیث رسول کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔ ایسی جو کوشش بھی ہوگی، وہ سراسر گمراہی ہوگی کیونکہ اس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ایک تیسری چیز یہ بھی واضح ہوئی کہ علماء وفقہاء امت کا مسئلہ شہادت نسواں پر جو اتفاق ہے، اس کی بھی واحد وجہ یہی ہے کہ ان حضرات نے آیات متعلقہ کا مفہوم ومطلب حدیث رسول سے متعین کیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان آیات کی تشریح وتوضیح میں کسی گنجلک کا شکار نہیں ہوئے۔ بلکہ حیرت انگیز حد تک ان کے درمیان مماثلت وموافقت پائی جاتی ہے۔

اس کے برعکس جو دوسرا موقف پیش کیا گیا ہے، اس کے پیش کرنے والوں نے بھی زبان کی حد تک اگرچہ حجیت حدیث کو تسلیم کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس زبانی دعوے کے بعد انہوں نے موقف جو پیش کیا ہے، وہ سراسر حدیث رسول سے انحراف پر مبنی ہے۔ اس لئے ان کا یہ دعویٰ کہ وہ حجیت حدیث کے قائل ہیں، مرزائیوں کے اس دعوے سے مختلف نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے قائل ہیں۔ دراں حالیکہ ختم نبوت کا وہ ایک ایسا مفہوم مراد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیتے ہیں کہ جس سے متنبیّ قادیان کی نبوت کا اثبات بھی ہو سکے۔ اگر مرزائیوں کا دعویٰ ختم نبوت اس لئے تسلیم نہیں کہ وہ اس کا ایک من مانا مفہوم مراد لیتے ہیں اور اس مفہوم کو تسلیم نہیں کرتے جو امت کا متفقہ مسلک ہے، تو پھر ان حضرات کا حجیت حدیث کے تسلیم کرنے کا دعویٰ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے جو حجیت حدیث کا ایک خود ساختہ مفہوم مراد لیتے ہیں اور وہ مفہوم نہیں مانتے جو اس کا حقیقی مفہوم ہے اور جسے امت کے علماء وفقہاء تسلیم کرتے آئے ہیں۔

قرآن فہمی کے اصول میں اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے جناب غامدی صاحب اور دیگر بعض حضرات نے آیات مذکورہ کا مفہوم حدیث رسول سے قطعاً بے نیاز ہو کر محض اپنے زورفہم سے متعین کرنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انہوں نے تمام مسلمات کا ہی انکار کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں ان حضرات کا موقف بھی ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں، ایک دوسرے سے متضاد ہے (جس کی تفصیل محولہ ''محدث'' کے شمارے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے) گویا ایک متفقہ موقف سے انحراف کر کے انہوں نے کوئی ایک واضح موقف پیش کرنے کی بجائے اختلاف وانتشار کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے اور یہ حدیث رسول سے انحراف کا وہ لازمی ومنطقی نتیجہ ہے جو بہرصورت نکلتا ہے اور ہمیشہ نکلے گا۔

بہرحال شرعی عدالت کی یہ بحث تو سخن گسترانہ طور پر زبان قلم پر آ گئی۔ تاہم اس کا تعلق بھی اس نقطہ سے ہی ہے جسے واضح کرنا ہمارا مقصد ہے، اسی لئے اسے یہاں ذکر کر دینا نہایت مناسب معلوم ہوا۔ اس سے اس امر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ لغت یا اپنی فہم نارسا اور عقل کج ادا کے ذریعے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کا اور حدیث رسول اور اسلاف کی تعبیر سے انحراف کا جو راستہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنایا اور اپنے تلامذہ اور حلقہ ارادت کو بتلایا، یہ وہی راستہ ہے جو کم وبیش کے کچھ فرق کے ساتھ سرسید احمد خاں، غلام احمد پرویز اور عبداللہ چکڑالوی وغیرہم نے اختیار کیا، جس کا لازمی اور منطقی نتیجہ قرآنی مسلمات کا انکار اور تواتر واجماع امت سے ثابت شدہ مسائل سے اعراض وانحراف ہے۔ بہت سے مسلمات اور اجماعی مسائل کا انکار مذکورہ حضرات نے کیا (جیسا کہ ان کی کتابوں اور تحریروں سے واضح ہے) اور اب اسی روش پر چلتے ہوئے کچھ مسلمات اور تواتر امت کا انکار مولانا اصلاحی اور ان کے تلامذہ کے ذریعے سے ہو رہا ہے، جس پر ان کی تحریریں شاہد عدل ہیں۔ یہ کوئی افتراء، الزام یا مفروضہ نہیں ہے۔ فتشابهت قلوبهم وأفكارهم وأعمالهم .

اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ کوئی صاحب علم وتحقیق سلفی افکار وتعبیرات کی روشنی میں مولانا اصلاحی صاحب کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کا جائزہ لے اور اس کے تفردات اور شذوذ بلکہ اس کی کج فکریوں اور انحرافات کو طشت ازبام کرے، تاکہ ان ''اہل قرآن'' کی قرآن فہمی اور ان ''اہل تدبر'' کی ''تدبری'' کی حقیقت واضح ہو سکے۔ اسی طرح مولانا اصلاحی کے محاضرات کا بھی جو ''مبادئ تدبر حدیث'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں، جائزہ لے کر ان کے حسن و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فتح کو واضح اور اس میں انکار حدیث کے مخفی جراثیم کو آشکارا کرے۔ مقام شکر ہے کہ اس دوسرے کام کی توفیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے فاضل دوست اور محبّ مکرم جناب غازی عزیر صاحب (الجبیل، سعودی عرب) کو عطا فرمائی ہے ؎

این سعادت بہ زور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا اصلاحی صاحب مبارکپور (ضلع اعظم گڑھ) کے قریب کسی بستی کے رہنے والے ہیں اور ان کے ناقد محترم جناب غازی عزیر صاحب کا تعلق بھی مبارکپور سے ہے۔ یوں دونوں کو ایک گونہ قرب مکانی حاصل ہے، گواب جسماً و وطناً ایک دوسرے سے بعید اور فکراً وذہناً ایک دوسرے سے ابعد (بہت زیادہ دور) ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا اصلاحی صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہیں صاحب تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرف تلمذ حاصل ہے، جب کہ غازی عزیر صاحب، محدث مبارکپوری کے برادرزاد مولانا محمد امین اثری حفظہ اللہ کے صاحبزادے ہیں۔ گویا غازی صاحب محدث مبارکپوری کے پوتے ہیں۔ یوں مولانا اصلاحی اور غازی صاحب دونوں کا تعلق بھی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری سے نہایت قریبی ہے، گو ایک کا تعلق تلمذاً ہے جب کہ دوسرے کا نسبًا۔

یہ دونوں قسم کے تعلقات تو ایسے ہیں جو غیر اختیاری ہیں۔ اب ایک تیسرا تعلق جسے اختیاری کہا جا سکتا ہے، اللہ کی مشیت سے یہ قائم ہوا ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب نے محدثین کے خلاف جو زہر پھیلایا ہے، غازی صاحب نے اس کا تریاق مہیا کیا ہے، حدیث پر جو ناوک افگنی کی ہے، اس کا دفاع کیا ہے، جو مغالطے دیئے ہیں، ان کا ازالہ کیا اور جو شبہات وارد کئے ہیں، ان کا جائزہ لیا ہے گویا مولانا اصلاحی صاحب نے حدیث کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے کی جس بیمار ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے، غازی صاحب حفظہ اللہ نے اس کا علاج اور اس کے لئے داروئے شفا کا انتظام فرمایا ہے بشرطیکہ مریض کا حلق، طبیب حاذق کا یہ جرعۂ تلخ گوارا کر لے جس سے اس کے ذہن کا تنقیہ اور قلب ودماغ کا تزکیہ ہو جائے۔

۷- واقعہ یہ ہے کہ غازی عزیر صاحب حفظہ اللہ کا یہ فاضلانہ مقالہ ایک نہایت مبسوط اور جامع کتاب ہے جس میں تحقیق اور حدیث رسول کے دفاع کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب ایک مشاق، پختہ کار صاحب قلم ہیں، انہوں نے ایک ہمدرد اور مشفق ناصح کے روپ میں نہایت ماہرانہ چابک دستی سے حدیث کے حصن حصین میں نقب لگانے کی نامبارک سعی کی تھی، جس سے بہت سے لوگ مغالطوں کا شکار ہو سکتے تھے۔ الحمدللہ غازی صاحب کو بھی اللہ نے تحقیق وانشاء کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور انہوں نے اپنی ان دونوں صلاحیتوں کا اس کتاب میں بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے تحقیق کا حق بھی خوب ادا کیا ہے۔ بحث کے ہر گوشے کو واضح، معترض کی ہر دلیل کا مسکت جواب اور ہر مغالطے اور شبہے کا بہترین انداز سے ازالہ فرمایا ہے۔ اور انشاء وبیان کی جن اعلیٰ خوبیوں سے وہ بہرہ ور ہیں اسے بھی انہوں نے استعمال کیا ہے جس نے اس خالص علمی اور خشک موضوع کو بھی سدابہار بنا دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۸- فاضل مصنف حفظہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مبحث سے پہلے مثبت طور پر اس کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر تحریر فرماتے ہیں جس سے قاری کے سامنے ہر بحث کا صحیح پہلو اور رخ واضح ہو جاتا ہے۔اس کے بعد اس میں جو الجھاؤ، یا شبہ معترض کی طرف سے پیش کیا جاتا یا جو مغالطہ دیا جاتا ہے، مصنف اسے بیان کر کے اس کے الجھاؤ، شبہے اور مغالطے کا ازالہ فرماتے ہیں۔اس سے اگر چہ کتاب کی ضخامت کئی گنا بڑھ گئی ہے، تاہم اس کا فائدہ یہ ہے کہ قاری کا ذہن چونکہ پہلے صحیح موقف سے آگاہ ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ مغالطات کی تکنک اور اس میں مخفی زہرناکی کو بھی جلدی سمجھ لیتا ہے۔مثلاً احادیث آحاد کو نظر انداز کرنے کے لئے مولانا اصلاحی صاحب کی فلسفہ طرازی اور مغالطہ انگیزی سے پہلے فاضل مصنف نے حدیث آحاد کی اہمیت اور اس کے بارے میں محدثین کا نقطہ نظر پوری تفصیل سے پیش کیا ہے اور اس کے بعد اس کو رد کرنے کی مذموم مساعی کا جائزہ لیا ہے۔وھلم جرا۔سارے مباحث میں فاضل مصنف کا یہی انداز ہے۔اس کے لئے فاضل مصنف کو بھی یقیناً زیادہ محنت کرنی پڑی ہے۔لیکن انہوں نے محنت اور تحقیق کا حق ادا کر کے ہر موضوع اور مبحث کو نبھایا ہے، اس کے زلف و گیسو کو سنوارا ہے اور مغالطات کے خارزار کو صاف کیا ہے۔ حتیٰ کہ درمیان میں آنے والے ضمنی مباحث کو بھی فاضل مصنف نے واضح سے واضح تر کرنے کی سعی کی ہے۔مثلاً مولانا اصلاحی صاحب نے تفسیر کشاف و تفسیر کبیر کی تحسین کی۔ہے تو فاضل مصنف نے ان تفاسیر کی اصل حقیقت کو بھی نمایاں اور ان کے نقائص و خامیوں کو واضح کیا ہے۔

دوسرے، فاضل مصنف نے مولانا اصلاحی کے تضادات کو بھی ان کی اپنی تحریروں سے واضح کرنے کا اہتمام کیا ہے۔جس سے مولانا اصلاحی کی پریشاں فکری اور ان کے ذہنی ارتقاء یا انحطاط کا اندازہ ہو جاتا ہے، اس سے بھی اصلاحی صاحب کے فکر و نظر کی کجی اور نارسائی واضح ہوتی ہے۔مولانا اصلاحی صاحب کا المیہ یہ ہے کہ جب وہ متجددین سے مخاطب ہوتے ہیں اور ان کا رد فرماتے ہیں تو ان کا قلم سلفی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور وہ سلف کی تعبیر و تشریح کی اہمیت کو اجاگر کرتے اور اس کی پابندی کو ضروری قرار دیتے ہیں، اسی طرح منکرین حدیث کے مقابلے میں وہ خم ٹھونک کر حدیث کی اہمیت و حجیت کا اثبات کرتے نظر آتے ہیں۔لیکن جب وہ اپنا موضوع خطاب علماء کو بناتے ہیں تو خود ایک متجدد کا روپ دھار لیتے ہیں اور سلف کی تعبیرات کی پابندی تو کجا، انہیں پر کاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے، اسی طرح جب کوئی حدیث صحیح ان کی عقل نارسا یا خانہ ساز نظریات کے خلاف ہو، تو حدیث کی حجیت میں اسی طرح مین میخ نکالنا شروع کر دیتے ہیں جو منکرین حدیث کا شیوہ ہے۔اس وقت ان میں اور ایک منکر حدیث میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، وہی قلم، جو اثبات حجیت حدیث میں گوہر و جواہر اور لؤلؤ لالہ بکھیرتا، اور محدثین کی بے مثال مساعی حسنہ کی تعریف کے لئے وقف ہوتا ہے۔معاً خارا شگاف بن جاتا اور حدیث میں کیڑے نکالنا اور محدثین کی مساعی کا استخفاف کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شروع کر دیتا ہے۔مولانا اصلاحی صاحب کی یہ دورخی یا دورنگی ؂

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

کی آئینہ دار ہے۔ بہر حال غازی صاحب نے مولانا اصلاحی کے اس پہلو اور دورخی کو بھی جگہ بہ جگہ نمایاں کیا ہے۔

تیسرے، مولانا اصلاحی صاحب ہی کی طرح جو دوسرے بعض ہم عصر اہل قلم ایسے ہیں جو معروف معنوں میں تو منکرین حدیث نہیں ہیں۔ لیکن وہ بھی مسٹروں میں ملا اور ملاؤں میں مسٹر بننے کے مرض یا زعم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بعض احادیث کا انکار اور محدثین کی کاوشوں کا استخفاف کرتے ہیں، جیسے مولانا مودودی، مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی، جاوید احمد غامدی وغیرہم ہیں، فاضل مصنف نے حسب ضرورت واقتضاء ان کی تحریروں کے اقتباسات بھی پیش کیے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی ان کے ہم نوا یا ان سے متأثر ہیں یا یہ حضرات یا ان میں سے کوئی ایک مولانا اصلاحی کا ہم نوا یا ان سے متأثر ہے۔ اس سے گمراہی کا سلسلۂ نسب سامنے آجاتا ہے۔

چوتھے، فاضل مصنف نے مقلدین جامدین کے رویے پر بھی خاصی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور ان کے ان اصولوں کا بھی جائزہ لیا ہے جو ان کے ہاں مسلّم ہیں اور جن سے انکار حدیث کا جواز یا اس کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ کتاب کا یہ حصہ بھی بڑا اہم اور فاضل مصنف کی محنت، تحقیق اور بالغ نظری کا مظہر ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس امر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ حدیث کے انکار اور اس کے استخفاف کا مسئلہ، عہد حاضر کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ اس کی جڑیں تقلیدی جمود میں پیوستہ ہیں اور اس شجر زقوم کو تقلیدی ذہن وفضا اور اس کے اصولوں نے ہی پروان چڑھایا ہے۔

بہر حال یہ کتاب محدثین کی فکر اور ان کی جہود ومساعی کی حمایت ومدافعت میں ایک بے نظیر اور لاجواب کتاب ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث کی حفاظت کے لئے محدثین نے نقد وجرح کے جو اصول وضع کئے اور اس کے غث وسمین کی پہچان کے لئے جو معیار اور کسوٹیاں فراہم کی ہیں، وہ احادیث کی پرکھ اور تحقیق کے لئے کافی ہیں۔ اب ان سے ہٹ کر جو شخص بھی تحقیق حدیث کے لئے نئے اصول اور معیار پیش کرتا ہے، وہ جہاں ایک طرف محدثین کی بے مثال کاوشوں کا استخفاف کرتا ہے جو اگرچہ انسانی کوششیں ہیں لیکن وہ اللہ کی تکوینی مشیئت کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہیں اور اللہ کی مشیئت سے ٹکرانا اصحاب الفیل جیسے انجام سے مختلف نہیں ہوسکتا۔ دوسری طرف وہ انکار حدیث کا دروازہ کھول کر ایک جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔

۹- غازی عزیر صاحب نے اس کتاب کو لکھ کر اپنے علمی خاندان اور اکابر کی اس روایت کو آگے بڑھایا ہے جو تقریباً ایک صدی سے اس خاندان میں چلی آرہی ہے۔ یہ روایت ہے حدیث کی تدریس وتعلیم، اس کی تبیین وتشریح اور اس کی نشر واشاعت اور حفاظت کی۔ ان کے جد محترم مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''تحقیق الکلام'' اور ''تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی'' جیسی کتابیں لکھیں، مولانا عبد السلام مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''سیرت البخاری''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اور ان کے جلیل القدر صاحبزادے مولانا عبیداللہ الرحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح'' جیسی بے نظیر کتاب تحریر فرمائی، اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ بلوغ المرام کے حاشیے کے علاوہ ''الرحیق المختوم'' جیسی اول انعام یافتہ کتاب لکھی جو ان کی عالمی شہرت کا باعث بنی۔ اب اسی خانوادے کے چشم وچراغ جناب غازی عزیر صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اپنے اکابر کی طرح علمی سرمائے میں نہایت قابل قدر اضافہ کیا ہے اور علم وتحقیق اور نقد وجرح کے میدان میں اپنی علمی عظمت کا لوہا منوالیا ہے۔ یہ کتاب بھی یقیناً ان کے اکابر کی طرح، ان کے لئے بقائے دوام کا باعث ہوگی۔

جناب غازی صاحب تمام اہل علم کی طرف سے بالعموم اور فکر محدثین کے حاملین کی طرف سے بالخصوص شکریے کے مستحق ہیں۔ ان کی اس کاوش علمی نے محدثین کی فکر کو واضح، ان کی مساعی کو آشکارا اور ان کے خلاف گرد وغبار کی دبیز تہوں کو صاف کیا ہے۔ جزاه الله عن الإسلام والمسلمين أحسن الجزاء وبارك في عمره.

۱۰- اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ تنقیدی کتاب ہونے کے باوجود، اس میں مولانا اصلاحی صاحب کے بارے میں سوقیانہ انداز اختیار نہیں کیا گیا، حتی کہ ان کی بابت کوئی ناشائستہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا، ہر مقام پر ان کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تاہم تنقید، تنقید ہی ہے، ان کے عقیدت مند اسے مدحت نگاری نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اگر وہ دل ودماغ کو تعصب سے پاک کر کے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالی ان کا سینہ قبول حق کے لئے کھول دے۔ وما ذلك على الله بعزيز.

اس آئینے میں اس گروہ کو اپنا چہرہ دیکھنے کی توفیق مل گئی تو یقیناً وہ اپنے ائمہ ثلاثہ کی فکری لغزشوں اور نظریاتی کجیوں سے بچ سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ جدل ومکابرہ کی راہ پر ہی قائم رہے، جیسا کہ غرۂ علم میں مبتلا حضرات عام طور پر رہتے ہیں تو کم از کم ان لوگوں کے لئے اس کتاب میں ضرور صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو بے علمی وبے خبری میں مولانا اصلاحی کے گمراہانہ افکار سے حدیث ومحدثین کے بارے میں سوءظنی کا شکار ہو گئے ہیں، یا ہو سکتے ہیں۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

خادم الحدیث واھلہ
(حافظ) صلاح الدین یوسف
جامع اہلحدیث، مدنی روڈ، مصطفٰے آباد
لاہور۔ پاکستان، فون۔ ۶۸۶۱۱۴۹
۹ر شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ۔ یکم جنوری ۱۹۹۶ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# احوال واقعی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ،أما بعد :

تقریباً ساڑھے چار سال قبل ''الجامعۃ الاسلامیہ لاہور'' اور ''المعہد العالی للشریعہ والقضاء'' لاہور (پاکستان) کے شیخ الجامعہ جناب حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب، حفظہ اللہ تعالیٰ وتولاہ، نے اپنے موقر جامعہ کی جانب سے پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما (''الدبلوم العالی فی الفقہ وأصولہ'') کی سند کے اجراء کے سلسلہ میں بحث کے لئے راقم کے ذوق کی مناسبت سے ''عصر حاضر میں غزوِ فکری'' سے متعلق کوئی بھی عنوان منتخب کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اشارۃً یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ اگر اس ضمن میں برصغیر پاک و ہند میں انکار واستخفاف حدیث کے جدید فتنوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ سرسید اور پرویز کے بعد ہند میں جناب محمد تقی امینی صاحب (سابق ڈین، فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونیوسٹی علی گڑھ) اور پاکستان میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی علم حدیث ومحدثین کے عظیم کام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور نامبارک مساعی کا مؤثر توڑ بھی ہوگا'' (۱)____ راقم نے آں حفظہ اللہ کے حکم کی بجا آوری کے لئے کافی غور وفکر کے بعد عصر حاضر میں فراہی مکتبِ فکر کے شارح اور مفسر قرآن جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے مخصوص افکار حدیث کے علمی جائزہ پر اپنی بحث مرتب کرنے کا عزم کیا۔

جناب محمد تقی امینی صاحب کے مقابلہ میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب جیسے پختہ کار عالم کے نظریات پر تحقیق کو ترجیحاً منتخب کرنے کے متعدد اسباب میں سے تین اہم سبب یہ ہیں۔

۱- طالب علمی کے زمانہ میں جناب مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا ایک مقالہ: ''جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث'' نظر سے گزرا تھا۔ اس میں آں رحمہ اللہ نے محترم اصلاحی صاحب کو بھی جناب شبلی، حمید الدین فراہی، ابوالاعلی مودودی اور عام فرزندان ندوہ، باستثناء سید سلیمان ندوی، کے ساتھ اپنی اس جدول میں شامل کیا تھا جس کے متعلق آں رحمہ اللہ کی رائے خود ان کے الفاظ میں یہ تھی:

''یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں، لیکن ان کے انداز فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقۂ گفتگو سے انکار کے لئے چور دروازے کھل سکتے ہیں''۔ (۲)

---

(۱) مکتوب شیخ الجامعہ مورخہ ۲ رشوال ۱۴۱۰ھ

(۲) حجیت حدیث، ص: ۲۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پھر اسی مقالہ کے آخر میں ایک جگہ آں رحمہ اللہ نے جناب ابوالاعلیٰ مودودی اور محترم اصلاحی صاحبان کے متعلق نہایت فیصلہ کن انداز میں تحریر فرمایا تھا:

''میری رائے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی صاحب کے نظریات نہ صرف مسلک اہلحدیث کے خلاف ہیں بلکہ یہ نظریات تمام ائمہ حدیث کے بھی خلاف ہیں۔ ان میں آج کے جدید اعتزال وتجہم کے جراثیم مخفی ہیں''۔(۱)

جناب اصلاحی صاحب کے متعلق محترم سلفی رحمہ اللہ کی اس رائے کو اس وقت مزید تقویت ملتی محسوس ہوئی جب راقم کو غالبا ۱۹۸۷ء یا ۱۹۸۸ء ہندوستان میں اپنی سالانہ تعطیلات کے دوران جناب حمید الدین فراہی صاحب کے دوسرے نامور شاگرد جناب اختر احسن اصلاحی صاحب کے تلمیذ رشید جناب جلیل احسن ندوی اصلاحی صاحب کی تفسیر ''تدبر قرآن'' پر سلسلہ وار تنقید کی چند قسطیں ماہنامہ ''حیات نو'' بلریا گنج (اعظم گڈھ) میں پڑھنے کا موقع ملا۔ بلکہ جہاں تک راقم کو یاد ہے ان اقساط میں جناب جلیل احسن صاحب نے محترم اصلاحی صاحب کی بعض آراء کو ''جہالت'' (۲) تک سے تعبیر کیا تھا۔ اسی طرح کے بعض تنقیدی مضامین ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڈھ وغیرہ میں بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں دبستان فراہی پر ایک اہم الزام یہ لگایا گیا ہے کہ...... ''مولانا فراہی اور مولانا امین احسن صاحب کی تحریروں سے حدیث کے بارے میں تشکیک کا ذہن پیدا ہوتا ہے''۔

جناب حمید الدین فراہی صاحب کی تفسیر کے جو اجزاء عربی میں شائع ہوئے اور راقم کی نظر سے گزرے ہیں ان میں احادیث سے بہت کم مدد لی گئی ہے لیکن تورات وانا جیل کے رائج الوقت نسخوں سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''تدبر قرآن'' میں جناب اصلاحی صاحب بھی آثار واحادیث سے بہت کم استفادہ کرتے نظر آتے ہیں اور بقول شخصے ''غالبا یہ حضرات پورے ذخیرۂ احادیث کو تفسیری روایات پر ہی قیاس کرتے ہیں۔'' واللہ اُعلم۔

جب علامہ محمد اسماعیل سلفی اور جناب جلیل احسن ندوی صاحبان وغیرہما کے ارشادات میں جناب اصلاحی صاحب کا یہ مقام راقم کے سامنے آیا تو بیحد قلق ہوا تھا۔ تحفظ دین، محدثین کی جلیل القدر مساعی اور ائمہ حدیث کے

---

(۱) حجیت حدیث، ص: ۳۰۰

(۲) چند سال قبل مسئلہ رجم کے متعلق جناب اصلاحی صاحب کی منفرد رائے پر محترم جناب عبدالغفار حسن صاحب رحمانی مدظلہ نے ''حضرت ماعزؓ اور روایات حد رجم'' کے زیر عنوان ایک تنقیدی مضمون مرتب کیا تھا جو ماہنامہ ''محدث'' لاہور میں شائع ہونے کے بعد اب ''عظمت حدیث'' (ص: ۲۱۶-۲۳۶) کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی ماہنامہ ''میثاق'' لاہور (ج ۳۷ شمارہ ۲ ص: ۷-۱۷ مجریہ ماہ فروری ۱۹۸۸ء) میں اس ضمن میں ایک مختصر تنقیدی مضمون شائع کیا تھا۔ ماضی قریب میں حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب نے ''تفسیر قرآن میں حدیث سے گریز کی راہیں'' کے زیر عنوان اور محترم شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان صاحب نے ''حدیث وسنت میں اختلاف کی اختراع'' کے زیر عنوان محترم اصلاحی صاحب کے نظریات اور منہج تحقیق پر نقد کیا ہے (الدعوۃ ج ۳ شمارہ ۶، ص: ۴۳-۴۷ مجریہ ماہ اگست ۱۹۹۲ء، مجلّہ ''محدث'' لاہور ج ۲۵ عدد شمارہ ۱ مجریہ جنوری ۱۹۹۴ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


نظریات کے دفاع کے لئے کئی بار ارادہ کیا کہ جناب اصلاحی صاحب کے نظریات کا ایک معروضی جائزہ لوں، لیکن جہاں دوسرے مشاغل کی کثرت نے مہلت نہ دی وہیں یہ خیال بھی دامن گیر رہا کہ کہیں آں موصوف کے ادب واحترام کے خلاف نوک قلم سے کوئی ناروا فقرہ نہ نکل جائے، چنانچہ خاموش رہا لیکن حق یہ ہے کہ وہ دیرینہ خواہش اندر ہی اندر پروان چڑھتی رہی۔

۲- جس طرح اکثر لوگ جناب اصلاحی صاحب کو فن تفسیر میں جناب حمید الدین فراہی صاحب کا مایہ ناز شاگرد سمجھتے ہیں اسی طرح آں موصوف کے متعلق یہ بات بھی معروف ہے کہ آپ کو علم حدیث میں جدی محترم محدث شہیر علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (صاحب ''تحفۃ الاحوذی'' شرح جامع الترمذی) سے باقاعدہ شرف تلمذ حاصل ہے۔ وقتاً فوقتاً اس چیز کا اظہار خود اصلاحی صاحب یا ان کے تلامذہ کی جانب سے ہوتا رہا ہے، مثال کے طور پر ہفت روزہ مجلّہ ''المنبر'' (۱) اور ماہنامہ ''اشراق'' (۲) لاہور وغیرہ میں علامہ مبارکپوری سے آں موصوف کے روابط، شرف تلمذ اور کیفیت درس پر کافی کچھ شائع ہو چکا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''مبادئ تدبر حدیث'' کے دیباچہ میں جناب اصلاحی صاحب نے علامہ مبارکپوریؒ سے اپنے تعلق کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

''اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مجھے ابتداء ہی سے قرآن شریف کی طرح حدیث شریف سے بھی قلبی لگاؤ رہا ہے۔ چنانچہ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک امام فن سے قرآن مجید سیکھنے اور سمجھنے کی توفیق بخشی اسی طرح کسی صاحب فن سے حدیث شریف کے سیکھنے اور سمجھنے کا بھی انتظام فرما دے۔ اس آرزو کی تکمیل کا سامان رب کریم نے یوں فرما دیا کہ اسی زمانے میں حدیث کے جید عالم، محدث مبارکپوری مولانا عبد الرحمٰن رحمہ اللہ اپنے تعلیمی وتدریسی مشاغل سے فارغ ہو کر اپنے وطن، مبارکپور میں آ کر گوشہ گیر ہو گئے۔ یہ قصبہ میرے آبائی وطن سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ وہ مجھے کچھ دن اپنے فیض صحبت سے مستفید ہونے اور حدیث شریف پڑھنے کا موقع عنایت فرمائیں۔

مولانا رحمہ اللہ کو شاید یہ علم تھا کہ میں مدرسۃ الاصلاح کا فارغ التحصیل اور مولانا فراہیؒ کے شاگردوں میں سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ: ''آپ تو بہت کچھ پڑھ چکے ہیں، اب مزید پڑھنے کی کیا ضرورت ہے''؟ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: ''اگر آپ چاہیں تو اپنی سند میں آپ کو دے دوں گا''۔ مولاناؒ کی طرف سے یہ میری بڑی حوصلہ افزائی تھی، لیکن میرا مقصد حدیث شریف کا علم حاصل کرنا تھا نہ کہ صرف سند حاصل کرنا۔ میں نے ادب سے گزارش کی کہ

---

(۱) مجریہ ۱۴ رذی الحجہ ۱۳۷۷ھ (۲) ج ۲ عدد ۱۰ ص: ۴۹-۵۱ مجریہ اکتوبر ۱۹۹۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں ایک حقیر طالب علم ہوں، شاہوں کا یہ تاج میں اپنے سر پر رکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا، میری آرزو یہ ہے کہ میں آپ سے حدیث سمجھنے کا سلیقہ سیکھوں، یہ جواب سن کر مولاناؒ نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا کہ: ''اچھی بات ہے، آپ کی خواہش یہی ہے تو جو کتاب چاہیں وہ میں پڑھا دوں گا''۔ میں نے کہا: آپ ترمذی کے شارح ہیں، یہی کتاب مجھے پڑھا دیجئے۔ یہ درخواست مولاناؒ نے منظور فرمائی اور مزید کرم یہ فرمایا کہ شرح ترمذی کا ایک نسخہ اپنے دستخط سے مزین فرما کر مجھے عنایت کیا۔

دوسرے دن سے ترمذی شریف کا درس شروع ہو گیا۔ رمضان شریف کا مبارک مہینہ تھا۔ میرے گاؤں سے مبارکپور کا فاصلہ دو میل تھا۔ روزانہ پیدل چل کر صبح کو مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور شام کو پیدل ہی گھر واپس آتا۔ رات میں مولانا کی شرح ترمذی، تحفۃ الاحوذی کی روشنی میں ترمذی کا مطالعہ کرتا۔ دن میں دو ڈھائی گھنٹے میں قراءت پر محنت کرتا اور مولاناؒ اس کے سماع پر۔ میں تو تھک کر چور ہو جاتا، لیکن مولاناؒ نے ضعف اور پیری کے باوجود کبھی کسی تھکان کی شکایت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے اور آخرت میں ان کے مراتب بلند کرے۔

میں نے یہ سرگزشت صرف مولاناؒ سے اپنی نسبت کے اظہار کے لئے نہیں سنائی ہے، بلکہ اس فن شریف سے اپنے دیرینہ قلبی تعلق کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ۱۹۳۱ء کے اوائل کی بات ہے۔ اس پر ایک طویل مدت گزر چکی ہے الخ''۔(۱)

محترم اصلاحی صاحب کی جانب سے بار بار اس طرح کی تحریریں سامنے آنے سے بہت سے اہل دانش وبینش اس فحش غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں کہ جس طرح اصلاحی صاحب تفسیر کے معاملہ میں شیخ حمید الدین فراہی صاحب کی مخصوص فکر کے ترجمان اور شارح ہیں اسی طرح علم حدیث میں بھی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کی افکار وآراء کے عکاس ہیں۔ جب راقم الحروف نے یہاں الدمام، الظہران، الخبر، الریاض، مکۃ المکرمہ اور جدہ وغیرہ میں منعقد ہونے والی مختلف علمی مجالس میں یہ بات سنی تو حیرت زدہ رہ گیا، کئی بار ارادہ کیا کہ اس بارے میں ایک مختصر وضاحتی مضمون ترتیب دے کر کسی مؤقر رسالہ میں طبع کرادوں، لیکن شاید اللہ عزوجل نے اس سے بڑھ کر کام لینا مقدر کر رکھا تھا۔

۳- محترم شیخ الجامعہ حافظ عبدالرحمٰن مدنی، حفظہ اللہ، کی تحریک بذات خود اس تحقیق کا محرک تھی لیکن اسی دوران جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کے مؤقر ترجمان (ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور) کے سابق مدیر اعلیٰ اور وفاقی شرعی عدالت پاکستان کے مشیر جناب حافظ صلاح الدین یوسف صاحب، حفظہ اللہ تعالیٰ، نے بھی راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم سے مطالبہ فرمایا کہ:

''ہم فاضل مصنف سے ان کی موضوع سے خاص مناسبت اور محنت کے پیش نظر عرض کریں گے کہ پاک

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۱۳-۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وہند میں فکر فراہی کے نام پر بھی احادیث میں تشکیک پیدا کرنے کی مہم زور وشور سے جاری ہے اور احادیث آحاد کے عنوان پر بھی صحیح احادیث کورد کرنے کا سلسلہ ایک عرصہ سے چلا آرہا ہے۔ یہ موضوع اور اس سے متعلقہ مذموم کوششیں بھی ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو اس میدان میں کام کرنے اور اس موضوع پر خاص مطالعہ ومحنت کرنے کا موقع مہیا فرمایا ہے تو فکر فراہی کے بھی بخیے ادھیڑنے اور حجیت آحاد پر بھی لکھنے کی بڑی ضرورت ہے۔ اپنے راہوار تحقیق کا رخ اس طرف بھی موڑیں اور ان کا دام ہم رنگ زمین سے لوگوں کو بچائیں، وفقکم الله وإيانا لما يحب ويرضى"۔(۱)

یہ وہ بعض عوامل تھے جن کے زیر اثر راقم نے محترم اصلاحی صاحب کے نظریات پر تحقیق کو ترجیح دی۔ موضوع بحث کے انتخاب کے بعد عنوان کی تعیین کا مرحلہ پیش آیا۔ بہت سے عنوانات ذہن میں آئے لیکن راقم نے ان میں سے ابتداء "اصلاحی اسلوب تدبر حدیث" کو ہی ترجیح دی، کیونکہ اس میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے نام کے ساتھ عنوان کی مناسبت بھی پائی جاتی ہے اور درحقیقت یہ تدبر حدیث کے ضمن میں ایک مخصوص مکتب فکر کے نظریات، اسالیب ومبادیات سے متعلق ایک پرخلوص "اصلاحی کوشش" ہی تو ہے ـــــ لیکن بعد میں بعض مخلصین کے ناصحانہ مشوروں کے پیش نظر اس کا عنوان بدل کر "فتنۂ انکار حدیث کا ایک نیا روپ" رکھ دیا گیا کیوں کہ اول الذکر عنوان سے اس بحث کا تعارف صحیح طریقہ پر نہیں ہو پاتا تھا۔ جب "خطۃ البحث" تیار ہو چکا اور عملا اس میدان میں قدم رکھا گیا تو طرح طرح کی دشواریاں پیش آئیں، جن میں سب سے اہم اور مشکل ترین مرحلہ یہاں اصلاحی صاحب کی مستقل تصانیف اور دیگر تحریروں کی دستیابی کا تھا۔ چونکہ دیار عرب میں برصغیر کے بیشتر علماء ومصنفین کی تصانیف نہ تو معروف ہوتی ہیں اور نہ دستیاب، لہذا اصل مراجع ومصادر کے حصول کے لئے پہلے تو پاکستان کے بعض معروف کتب فروشوں کی طرف رجوع کیا، جن میں جناب حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی صاحبان کی جملہ تصانیف شائع کرنے والا ادارہ، فاران فاؤنڈیشن لاہور، بھی شامل ہے، لیکن افسوس کہ محترم اصلاحی صاحب کی کوئی تصنیف قیمتاً بھی حاصل نہ ہو سکی۔ پھر پاکستان سالانہ تعطیلات پر جانے والے بعض احباب سے درخواست کی گئی کہ فلاں فلاں کتب واپسی پر ساتھ لیتے آئیں لیکن تقریبا نصف سال کی مسلسل کوشش کے بعد بھی اصلاحی صاحب کی صرف چند تحریروں (یعنی "مبادئ تدبر قرآن" اور "تزکیہ نفس") کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ پھر چونکہ ان موصولہ کتب کا اصل موضوع بھی علم حدیث نہیں تھا، لہذا علم حدیث کے متعلق آں موصوف کے مخصوص افکار تک خاطر خواہ رسائی نہ ہو سکی، نتیجۃً رفتہ رفتہ اس ابتدائی مرحلہ ہی میں راقم کی ہمت پست پڑ گئی، مگر ایک آخری کوشش سمجھتے ہوئے راقم نے اس سلسلہ میں جب اپنی مشکلات کا تذکرہ جناب حافظ صلاح الدین یوسف صاحب سے کیا تو آں محترم نے کمال عنایت سے کام

(۱) الاعتصام لاہور ج ۴۳ عدد شمارہ ۲۵ ص: ۲۱ مجریہ ۲۱ رجون ۱۹۹۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیتے ہوئے رسالہ ''تدبر'' لاہور میں شائع ہونے والی اصلاحی صاحب کی بعض تقاریر اور مضامین وغیرہ کی عکسی نقول فوراً پوسٹ فرمادیں، فجزاه الله أحسن الجزاء۔

راقم نے تو کلاًعلی اللہ ان موصولہ مضامین کی روشنی میں ہی زیر نظر بحث کی تسوید کا آغاز کردیا، لیکن چند سو صفحات لکھنے کے بعد ہی راقم کو اس بات کا احساس شدت کے ساتھ ستانے لگا کہ جب تک اصلاحی صاحب کی اس موضوع پر مستقل کتاب (مبادئ تدبر حدیث) حاصل نہ ہو، تحقیق کا حق ادا نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اصل مراجع ومصادر تک عدم رسائی کے سبب یونہی تاخیر ہوتی رہی اور دوسری بار بھی ہمت جواب دے گئی۔

اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ جب دوسری بار ہمت جواب دے گئی اور راقم نے اس کام کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو اسباب ترک میں مصادر ومراجع تک عدم رسائی کے علاوہ ایک سبب یہ بھی تھا کہ راقم حدیث کی حجیت کے موضوع پر مستقل ایک کتاب تالیف کرنے کا عزم رکھتا تھا، لیکن جب اس اہم کام کو شروع کرنے سے قبل استخارہ کیا تو ایسے واضح اشارات پائے جن کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ بجائے ایک مستقل کتاب لکھنے کے اصلاحی صاحب کی کتاب کی تحقیق ہی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ پھر راقم نے ہر ہر قدم پر اللہ عزوجل کی تائید ونصرت کا مشاہدہ کیا۔ ہوا یوں کہ جب راقم نے اس سلسلہ میں مدیر ماہنامہ ''اشراق'' لاہور، جناب جاوید احمد غامدی صاحب، سے درخواست کی تو ان کے رفیق کار جناب منیر احمد صاحب نے نہ صرف یہ کہ مدیر رسالہ کی کتاب ''میزان'' اور جناب امین احسن اصلاحی وتمنا عمادی صاحبان کے بعض مطلوبہ مضامین کی عکسی نقول روانہ فرمادیں بلکہ راقم کے نام ماہنامہ ''اشراق'' بھی اعزازی طور پر جاری فرمادیا۔ اسی طرح جب راقم نے مدیر رسالہ ''تدبر'' لاہور، جناب خالد مسعود صاحب، کو محترم اصلاحی صاحب کی تصانیف پر اپنے تحقیقی کام سے مطلع کیا تو آں محترم نے اپنی فائل سے ''تدبر'' کے تمام پرانے شمارے روانہ فرما دئے اور از راہ عنایت اپنا رسالہ بھی راقم کے نام جاری فرمادیا، جو بعد میں فراہی مکتب فکر کے نظریات کو سمجھنے میں بہت ممد ومعاون ثابت ہوا ــــ اس طرح تسوید کا کام کچھ آگے بڑھا، اسی دوران کچھ ضروری مراجع ومصادر والد محترم جناب محمد امین اثری رحمانی، شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری (صاحب ''الرحیق المختوم'') اور جناب محمد امتیاز صاحب آف راولپنڈی نے بھی مہیا فرمادیئے ــــ لیکن اصل رفتار اس وقت پیدا ہوئی جب جناب ظفر اقبال صاحب (آف بھنجنہ، تحصیل شکر گڑھ) کی بذریعہ ڈاک بھیجی ہوئی جناب اصلاحی صاحب کی مطلوبہ کتاب ''مبادئ تدبر حدیث'' (طبع اول ماہ نومبر ۱۹۸۹ء، فاران فاؤنڈیشن لاہور) موصول ہوئی، فجزاهم الله خير الجزاء۔

مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ ''مبادئ تدبر حدیث'' جناب اصلاحی صاحب کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ آں موصوف کے ایک شاگرد، جناب ماجد خاور صاحب، نے اصلاحی صاحب کے دس لیکچرز کو اس میں جمع کر دیا ہے، چنانچہ مرتب کتاب ''پیش لفظ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''حضرت الاستاذ نے ادارۂ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام ''مبادیٔ تدبر حدیث'' کے موضوع پر متعدد بصیرت افروز لیکچرز دئے، جنہیں ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔ ان مباحث کو، مستقل افادہ کے خیال سے، راقم الحروف نے مولانا محترم کے نوٹس کی مدد سے ٹیپ سے مضامین کی صورت میں مرتب کر دیا...... یہ مضامین قبل ازیں ادارۂ تدبر قرآن وحدیث کے ترجمان، تدبر اور ماہنامہ اشراق، لاہور میں شائع ہو چکے ہیں''۔(۱)

''اصول حدیث'' کے موضوع پر ان لیکچرز کے دینے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ کچھ عرصہ قبل جناب اصلاحی صاحب نے کالجوں کے اسلامی ذہن رکھنے والے طلبہ کو اپنے مخصوص تحقیقی انداز پر صحیح مسلم اور موطأ امام مالک کا درس دیا تھا۔ یہ لیکچرز در اصل انہی دروس کے لئے ایک مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ خود اصلاحی صاحب موصوف ''دیباچہ'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث کا کام ابھی درس ہی تک محدود ہے۔ اب بعض رفقاء کوشش کر رہے ہیں کہ موطأ شریف کے اسباق ٹیپ سے اتار کر کتابی صورت میں شائع کئے جائیں۔ خدا نے چاہا تو یہ کام جلد پورا ہو جائے گا۔ اس کتاب کے لئے میں نے ایک مقدمہ لیکچرز کی شکل میں ریکارڈ کرا دیا تھا جو ہمارے رفیق عزیز، ماجد خاور سلمہ، نے ٹیپ سے اتار کر کتابی صورت میں جمع کر لیا ہے''۔(۲)

اصلاحی صاحب کے ان لیکچرز کو اگرچہ جناب ماجد خاور صاحب نے مرتب کیا ہے لیکن محترم اصلاحی صاحب اور ان کے بعض دوسرے تلامذہ نے ان پر نظر ثانی فرما کر جملہ مندرجات کی صحت اور آں موصوف کی طرف ان کی نسبت کی توثیق فرما دی ہے، جیسا کہ جناب ماجد خاور صاحب نے ''پیش لفظ'' میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

''حضرت الاستاذ نے اشاعت سے قبل ان پر نظر ثانی بھی فرما دی ہے''۔(۳)

اور

''اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں برادر محترم خالد مسعود صاحب کی رہنمائی اور نظر ثانی کے لئے ممنون ہوں''۔(۴)

خود محترم اصلاحی صاحب بھی ''دیباچہ'' میں فرماتے ہیں:

''اگرچہ تحریر وتقریر میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے اور ٹیپ سے کوئی علمی چیز اتارنا اور اس کو اشاعت کے لئے موزوں بنانا کوئی سہل کام نہیں ہے، لیکن میں نے اس پر ایک نظر ڈال کر یہ اندازہ کر لیا ہے کہ ترتیب بیان، ایجاز واطناب اور حسن عبارت کے پہلو سے تو ممکن ہے پڑھنے والے اس میں کہیں کچھ ضعف یا خلا محسوس کریں، لیکن جہاں

---

(۱) پیش لفظ مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۲
(۲) دیباچہ مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۶
(۳) پیش لفظ مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۲
(۴) پیش لفظ مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تک حرف مطلب کا تعلق ہے وہ اس میں بحمد اللہ محفوظ ہے اور اصل چیز دیکھنے کی یہی ہے۔نوک پلک ایک ضمنی شئ ہے۔اس کو زیادہ اہمیت نہ دیجئے''۔(۱)

ان چیزوں کو یہاں بیان کر دینے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آگے چل کر جب اصل کتاب کے مباحث پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو کسی چیز کو مرتب کتاب کی خطا پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ اس کی ہر چیز کو جناب اصلاحی صاحب کے نظریات سے وابستہ ہی سمجھا جائے۔

اس کتاب کے موضوع کا تعارف اور مقصد بیان کرتے ہوئے مرتب کتاب لکھتے ہیں:

''......فہم دین کے لئے تدبر قرآن کے ساتھ ساتھ تدبر حدیث از بس ضروری ہے۔ ہمارے اسلاف نے اس کے اصول ومبادیٔ قائم کئے ہیں۔ ہمارے لئے ان کا ادراک وممارست لابدی ہے۔اس فن کو ان کے قائم کردہ اصولوں اور مزید فطری اصولوں کی رہنمائی میں مزید ترقی دی جاسکتی ہے۔عصر جدید میں حضرت الاستاذ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مدظلہ العالی نے اس عظیم علمی تحریک کو آگے بڑھانے کا بیڑا اٹھایا ہے اور یوں تدبر قرآن کے بعد تدبر حدیث کا یہ اعزاز بھی اللہ تعالی نے فکر فراہی واصلاحی کے نصیب میں لکھ دیا ہے''۔(۲)

ان سطور کا لب لباب یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے نقد حدیث کے سلسلہ میں جو محنت ومشقت برداشت کی اور احادیث کی صحت وضعف، حسن وقبح، اتصال وانقطاع، شذوذ ونکارت، ارسال ووضع اور معلول ومقبول وغیرہ کے متعلق جو عرفی، لغوی اور عقلی فیصلے صادر کئے اور اس ضمن میں جو باوقار اصول وضوابط مقرر فرمائے، مرتب کتاب کی نظر میں فہم دین کے لئے ان کی ممارست اگرچہ ضروری ہے لیکن کسی روایت کو قول رسول ثابت کرنے کے لئے وہ اصول ومبادیٔ پوری طرح کفایت نہیں کرتے، بنیادی طور پر وہ اصول یا تو ناقص ہیں یا پھر ان میں کچھ فطری خلاء اور کمزور پہلو ضرور رہ گئے ہیں ورنہ اس فن کو ''مزید اصولوں کی فطری رہنمائی میں مزید ترقی'' دینا کیوں کر ممکن ہوتا؟

یہاں مرتب کتاب کے کلام سے منطقی طور پر جو مطلب ہم نے اخذ کیا ہے اگر اسے درست مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صدیوں سے جن اصولوں کو تمام ائمہ فن اور جمہور اہل علم حضرات کے نزدیک مسلم، معروف، مروج اور قطعا قابل اعتماد سمجھا جاتا رہا ہے وہ ''فطری اصولوں'' کی عدم رہنمائی کے باعث اس درجہ توجہ، اعتماد اور یقین کے ہرگز مستحق نہیں تھے۔ چونکہ ان اصول ومبادیٔ میں نقص موجود ہے لہذا اگر صرف ان اصولوں پر ہی تکیہ کیا جائے تو کبھی کسی حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں پوری طرح اطمینان اور شرح صدر حاصل نہیں ہو پائے گا، بالفاظ دیگر آج تک اس سلسلہ میں کی گئی محدثین کی تمام کوششوں سے احادیث کی تحقیق وتنقیح کا حق کما حقہ، ادا نہ ہو سکا ہے، فإنا لله وإنا إليه راجعون.

---

(۱) دیباچہ مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۶

(۲) پیش لفظ مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عصر جدید میں فن علم حدیث کی ان کمزوریوں کو محسوس کر کے انہیں دور کرنے، اس فن کو ''ترقی'' دے کر اوج کمال تک پہنچانے اور بقول مرتب کتاب ''اس عظیم علمی تحریک کو آگے بڑھانے'' کا بیڑا غالباً اصلاحی صاحب نے اٹھایا ہے۔ گویا آں موصوف کی زیر تبصرہ کتاب ''مبادیٔ تدبر حدیث'' نقد حدیث کے مبادیٔ واصول کے تتمہ وتکملہ سے عبارت ہے، حالانکہ خود اصلاحی صاحب نے اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے، بلکہ اپنی تمام تر کوشش وتحقیق کو ''ائمہ حدیث کی مستند کتابوں سے ماخوذ'' ہی بتایا ہے، چنانچہ ''دیباچہ'' میں لکھتے ہیں:

''اس مضمون میں وہ اصول ومبادیٔ میں نے بیان کر دیئے ہیں جو احادیث کو سمجھنے اور ان کے صحت وسقم کا فیصلہ کرنے کے لئے میں ضروری سمجھتا ہوں اور جن کو میں نے ملحوظ رکھا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی مجھے منفرد قرار دے سکے۔ یہ ساری باتیں ہمارے ائمہ حدیث کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں اور یہ ایسی معقول اور فطری ہیں کہ کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کر سکتا''۔(۱)

پس ثابت ہوا کہ جناب اصلاحی صاحب نے اپنے ان لیکچرز میں جو کچھ بیان کیا وہ نہ تو کوئی نئی چیز ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ فن اصول حدیث کو ائمہ حدیث کے قائم کردہ اصول نیز ''مزید فطری اصولوں کی رہنمائی میں مزید ترقی دی'' گئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصلاحی صاحب نے ائمہ حدیث کی کتابوں میں سے اپنی چند دل پسند چیزوں کو ترجیحاً اختیار کیا ہے، بس...... جہاں تک آں موصوف کا ان چند منتخب اصول ومبادیٔ کو ''احادیث کے سمجھنے اور ان کے صحت وسقم کا فیصلہ کرنے کے لئے ضروری'' سمجھنے یا انہیں ترجیحاً اختیار کرنے اور ملحوظ خاطر رکھنے کا تعلق ہے تو راقم اس بارے میں صرف یہ کہنے پر ہی اکتفا کرے گا کہ اصلاحی صاحب نے اپنے ان دس لیکچرز میں نقد حدیث کے متعلق جن نقاط کی طرف توجہ دلائی ہے، ائمہ حدیث کی نظر ان نقاط سے بہت آگے تھی۔ اگر ان چند منتخب اصول کے ''معقول وفطری'' ہونے پر بحث کی جائے تو بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی، لہٰذا ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں، البتہ آں موصوف کا یہ کہنا قطعاً درست ہے کہ ان منتخب اصولوں ''میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی'' آں موصوف کو ''منفرد قرار دے سکے''، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہر کج نظر اپنی موافقت میں کوئی نہ کوئی سہارا تو تلاش کر ہی لیتا ہے، مگر ایسے سہارے کی بنیاد پر کہ کوئی شاذ قول اس کی تائید میں موجود ہے، امت کے متفق علیہ مسائل سے اعراض ونفور کو کوئی ذی عقل درست نہیں کہہ سکتا۔ امام دارمیؒ نے اس بارے میں کیا خوب فرمایا ہے:

"إن الذی یرید الشذوذ عن الحق یتبع الشاذ من أقوال العلماء ویتعلق بزلاتهم والذی یؤم الحق فی نفسه یتبع المشهور من قول جماعتهم وینقلب مع جمهورهم، فهما آیتان بینتان یستدل بهما علی اتباع الرجل وعلی ابتداعه."(۲)

---

(۱) دیباچہ مبادیٔ تدبر حدیث، ص: ۱۶-۱۷ (۲) الرد علی الجہمیہ، ص ۶۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''جو شخص حق سے روگردانی کرنا چاہتا ہے وہ علماء کے اقوال میں سے شاذ قول کو اختیار کرتا ہے اور ان کی غلطیوں کو حجت بنالیتا ہے، اس کے برعکس جو شخص حق کا طلبگار رہتا ہے وہ علماء کی جماعت کے متفق علیہ اور مشہور قول کو ہی اختیار کرتا ہے اور جمہور کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ وہ عظیم الشان اصول ہیں جن کی بناء پر کسی متبع یا مبتدع شخص کو بہ آسانی پہچانا جاسکتا ہے''۔

اسی طرح ابراہیم بن ابی عبلہؒ کا مشہور قول ہے:

''من حمل شاذ العلماء حمل شراً کثیرا''۔(۱)

''دیباچہ'' کے ایک مقام پر جناب اصلاحی صاحب نہایت دردمندانہ طور پر فرماتے ہیں:

''ایک عرصۂ دراز سے میری یہ رائے ہے کہ اس دور میں مذہب کو جس چیلنج سے سابقہ ہے اس کا جواب دینا ہمارے علماء حضرات کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے ایسے لوگوں کو میدان میں اترنا پڑیگا جو جدید فکر و فلسفہ کے زہر اور ساتھ ہی قرآن وحدیث کے تریاق سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لیکن اس طرح کے لوگ ملیں گے کہاں؟ ہمارے ملک میں اشخاص تیار کرنے والے جو ادارے ہیں، قدیم ہوں یا جدید، اس مقصد کے لئے بالکل بانجھ ہیں۔ اس کے لئے سب سے مقدم ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم کی دوعملی ختم کر کے اس کے اندر وحدت پیدا کی جائے، اور جدید وقدیم، دونوں کو سمو کر ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں مذہب صرف بطور تبرک شامل نہ ہو بلکہ اس کے اندر قرآن حکیم کا پورا فلسفہ روح کی طرح جاری وساری ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ افراد کے کرنے کا نہیں، بلکہ حکومت کے کرنے کا ہے۔ ہما شما تو زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ انہی ناکارہ اداروں سے نکلے ہوئے لوگوں میں سے اگر کچھ سعید روحیں اپنی طرف ملتفت پائیں تو تطہیر اور تزکیہ کے بعد ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ قرآنی فکر و فلسفہ کے حامل بن سکیں۔

چنانچہ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر میں نے ایک تو قرآن مجید کا علمی وتحقیقی درس شروع کیا اور ساتھ ایک ایسی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا جو قرآن کی زبان، اس کے نظام اور اس کے اپنے نظائر وشواہد پر مبنی ہوتا کہ اس کی حکمت اور اس کا فلسفہ پڑھنے والوں پر واضح ہو اور دلوں میں اطمینان پیدا کر سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ دین کے دوسرے ماخذ ـــــ حدیث شریف ـــــ کا بھی تحقیقی درس شروع کیا۔ پہلے کچھ مدت تک کالجوں کے اسلامی ذہن رکھنے والے طلبہ کو پوری مسلم شریف پڑھائی، پھر اس کے بعد پوری موطأ امام مالک کا نہایت اہتمام سے درس دیا۔ موطأ شریف کے ختم ہونے کے بعد اب کچھ مزید اہتمام کے ساتھ بخاری شریف کا درس شروع کیا ہے جس میں ذہین طلبہ اور شائقین علم کی ایک اچھی تعداد پابندی سے شریک ہو رہی ہے''۔(۲)

یہ بات درست ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے قرآن حکیم کو اپنی فکر کا مرکز ومحور بنایا ہے اور اس پر غور وتدبر کے لئے بیشتر انہیں اصولوں کی پیروی کی ہے جو ان کے استاذ ومرشد جناب حمید الدین فراہی صاحب نے وضع

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص:۱۴۰

(۲) دیباچہ مبادئ تدبر حدیث، ص:۱۵-۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کیئے تھے۔ان اصولوں میں اصل اہمیت لغت کے تتبع ،نظائر قرآنی کی تلاش،آیات کے سیاق وسباق اورسورتوں کے نظم کو دی گئی ہے۔

تفسیر ''تدبر قرآن''،مکمل ۹ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے مگر اسے صدفی صد حمید الدین فراہی صاحب کے افکار کی ترجمان تفسیر قرار دینا بعید از انصاف ہوگا کیونکہ محترم اصلاحی صاحب نے اپنی اس تفسیر میں اپنے استاذ ومرشد کی بہت سی آراء سے اختلاف بھی کیا ہے۔

حدیث کے متعلق جناب اصلاحی صاحب کی زیر تبصرہ کتاب ''مبادئ تدبر حدیث''اوران کے وہ دروس جو موطأ امام مالک،صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی منتخب احادیث کی شرح میں ماہنامہ ''اشراق''لاہور یا رسالہ ''تدبر''لاہور میں شائع ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں،ان کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں موصوف نے بزعم خود ان احادیث کی مشکلات کو حل کرنے کی راہ بھی ٹھیک اسی طرز پر ہموار کی ہے جس طرح کہ آں موصوف نے قرآن مجید کے معاملہ میں اپنی تفسیر میں کی ہے۔نقد حدیث کے ضمن میں بہت سے مقامات پر اصلاحی صاحب کے نظریات اور فراہی ومودودی صاحبان کے افکار ونظریات میں حیرت انگیز حد تک ہم آہنگی ویکسانیت پائی جاتی ہے جیسا کہ آگے مختلف ابواب کے تحت قارئین کرام مشاہدہ کریں گے--ان چیزوں کو دیکھ کر ہر شخص محسوس کرسکتا ہے کہ حمید الدین فراہی اور سید ابوالاعلی مودودی صاحبان کے مخصوص مناہج تحقیق نے اصلاحی صاحب کے ذہن وشعور پر بہت گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔شاید یہ آں موصوف کی ان حضرات کے ساتھ طویل رفاقت کا ہی نتیجہ ہو ـــــ بہر حال یہ بات تو قطعی طور پر طے شدہ ہے کہ اصلاحی صاحب کے افکار ونظریات اور ان کے استاذ حدیث علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کے محدثانہ افکار ونظریات میں زمین وآسمان کا بعد پایا جاتا ہے،چنانچہ جاوید احمد غامدی صاحب،محترم اصلاحی صاحب سے ناقل ہیں:

''......اسی طرح میں نے کسی لفظ کی قرأت کی تو انہوں نے ٹوکا اور دوسری طرح پڑھنے کے لئے کہا۔میں نے عرض کیا کہ قاعدے کی رو سے تو اس طرح بھی ٹھیک ہے جس طرح میں نے پڑھا ہے۔فرمایا: نعم،ولکن ھکذا سمعت،چنانچہ میں چونکہ اس بات سے واقف تھا کہ ان حضرات کے ہاں اصل چیز سماع ہی ہے،اس وجہ سے میں نے بڑے اہتمام کے ساتھ حاشیئے میں لکھ لیا کہ:"قرأ الأستاذ ھکذا وقال:ھکذا سمعت."

درس کے دوران میں بارہا یہ بھی ہوا کہ میں نے کسی حدیث کے بارے میں عرض کیا: یاأستاذ أی شئ ھذا، ما فھمت ھذا الحدیث،یخالف العقل،یخالف القرآن۔وہ فرماتے: راجع السند،میں عرض کرتا:السند ما به بأس،فوراً کہتے :استأنف،چنانچہ یہ بات مجھ پر بالکل واضح ہوگئی کہ ان حضرات کے نزدیک اصل اہمیت سند ہی کو حاصل ہے۔اس کے علاوہ اس فن میں کسی چیز کو وہ کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں''۔(۱)

(۱) ماہنامہ ''اشراق''ج ۲ عدد ۱۰،ص:۵۱ مجریہ ماہ اکتوبر ۱۹۹۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پس اصلاحی صاحب کو علامہ مبارکپوری کی ''افکار و آراء'' کا عکاس یا ترجمان سمجھنا ایک فحش غلطی ہے۔ آں موصوف نے علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ سے ''حدیث سمجھنے کا سلیقہ'' سیکھنے کی آرزو تو ضرور کی تھی، جیسا کہ خود آں موصوف نے ''دیباچہ'' میں بیان کیا ہے، لیکن ''بسا آرزو کہ خاک شدہ'' کے مصداق یہ آرزو بھی پوری نہ ہو سکی۔ شاید شخصی ذوق کے علاوہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ اصلاحی صاحب کو، قوی شہادتوں کے بموجب، علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کا بہت ہی کم موقع ملا تھا، واللہ اعلم۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب اپنے منہج تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''...... جو لوگ صرف اپنے فقہی مسلک ہی کی حدیثیں پڑھنے پڑھانے پر قانع ہیں ان کا کام بہت سہل ہوتا ہے۔ ممکن ہے وہ ان اصولوں کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ کر سکیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ وہ ان سے متوحش ہوں۔ لیکن جن کو پورے ذخیرۂ حدیث کی چھان بین کرنی اور اس کو دین کے ماخذ کی حیثیت سے تمام خلق کے سامنے پیش بھی کرنا ہو ان کے ہاتھوں میں ایک ایسی کسوٹی کا ہونا ضروری ہے جس کو ایک کسوٹی تسلیم کرنے سے کوئی صاحب انصاف انکار نہ کر سکے۔

میں نے اسی خدمت کے لئے یہ مقدمہ لکھا ہے اور انہی اصولوں کی روشنی میں امہات حدیث کا مطالعہ کیا اور ان کا درس دیا ہے۔ اب میری کوشش یہ ہے کہ اس کے نتائج دوسرے قدردانوں کے سامنے بھی آئیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ خواہش کس حد تک پوری ہوگی، لیکن مجھے اطمینان ہے کہ میری یہ کوشش حدیث کی خدمت کے لئے ہے اور ان شاء اللہ میں اس کے اجر سے محروم نہیں رہوں گا''۔(۱)

ہو سکتا ہے کہ جناب اصلاحی صاحب اور ان کے بعض ہم فکر ''قدردان'' ہمیں ''غیر عاقل'' یا ایسا شخص قرار دیں جو ''صرف اپنے فقہی مسلک ہی کی حدیثیں پڑھنے پڑھانے پر قانع ہیں'' یا یہ سمجھیں کہ ہمیں ان ''اصولوں کی قدر و قیمت کا اندازہ'' نہیں ہے یا ہم ''ان سے متوحش'' ہیں ـــ اگر وہ ایسا کریں بھی تو ہمیں ان سے کوئی گلہ اور شکوہ نہیں۔ کیونکہ ہماری نظر بتمام و کمال ان اصولوں کے چند ظاہری فوائد کے ساتھ ان میں پوشیدہ تمام ضرررساں پہلوؤں اور ان کے دوررس نتائج پر بھی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی کبھی ان چیزوں کو اتنی اہمیت اور وقعت نہیں دی تھی جتنی کہ محترم اصلاحی صاحب دینا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ وہ ائمہ فن تھے جنہوں نے اصلاحی صاحب موصوف کی طرح صرف چند ماہ اپنے استاذ سے علم حدیث حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اپنی پوری پوری عمریں اسی دشت کی سیاحی میں گزاری تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ جناب اصلاحی صاحب یا تو ان ائمہ حدیث کے قائم کردہ اصول اور ان کی ناقابل فراموش دینی خدمات کی ''قدر و قیمت'' کا صحیح اندازہ نہیں کر پائے ہیں یا پھر ان چیزوں کو اپنی فکر و منشاء کے

---

(۱) دیباچہ مبادئ تدبر حدیث، ص: ۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خلاف پاکر اس قدر ''متوحش'' ہو گئے ہیں کہ اس فن کے جن محاسن و لطائف کا غیر مسلم قوموں تک کو اعتراف ہے آں موصوف ان کے متعلق بھی تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔

علم حدیث کا ادنی سے ادنی طالب علم بھی اس حقیقت سے نا آشنا نہ ہوگا کہ محدثین کرام نے احادیث کے ذخائر جمع کر کے انہیں دین کے ماخذ کی حیثیت سے تمام خلق کے سامنے بس یونہی پیش نہیں کر دیا تھا بلکہ حتی الوسع ان کی چھان بین اور چھانٹ پھٹک کا اہتمام بھی فرمایا تھا، فجزاهم الله أحسن الجزاء۔ ان ائمہ کے پاس اس اہم دینی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے ایسے واضح، عظیم الشان اور فقید المثال اصول موجود تھے کہ کوئی بھی صاحب عقل وانصاف، نقد حدیث کے لئے ان کو معیار اور کسوٹی ماننے سے انکار نہیں کر سکتا ـــــ لیکن ان حقائق کے برخلاف ''دیباچہ'' میں اصلاحی صاحب نے قارئین کو یہ غلط تأثر دینا چاہا ہے کہ ماضی میں پوری امت ذخیرۂ احادیث کی چھان بین سے چشم پوشی کرتی رہی ہے، کیونکہ ان کے پاس اس اہم مقصد کے لئے ایسی کوئی کسوٹی موجود نہ تھی کہ جسے ''کسوٹی تسلیم کرنے سے کوئی صاحب انصاف انکار نہ کر سکے''۔

محترم اصلاحی صاحب کے کلام سے اس دعوی کی بو آتی ہے کہ آں موصوف نے کتاب ''مبادئ تدبر حدیث'' لکھ کر گویا امت کو وہ کسوٹی فراہم کر دی ہے جس کی کہ صدیوں سے ضرورت محسوس کی جاتی تھی، چنانچہ لکھتے ہیں:

''میں نے اسی خدمت کے لئے یہ مقدمہ لکھا ہے الخ''۔(۱)

مرتب کتاب جناب ماجد خاور صاحب بھی کتاب کی افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس خدمت کو حدیث کے حقیقی طالب علم ان شاء اللہ رہنما اور نافع پائیں گے، جو حدیث کو صرف دورے کی چیز نہیں سمجھتے، بلکہ تدبر کو تقاضائے دین مانتے ہیں''۔(۲)

لیکن اس بارے میں راقم کے ذاتی تأثرات یہ ہیں کہ کتاب ''مبادئ تدبر حدیث'' میں ایسی کوئی علمی اور فنی خوبی عیاں نہیں ہے جو کہ قدیم محدثین اور اصولیین پر آں موصوف کا تفوق ثابت کر سکے، اور نہ ہی اصول حدیث کے ضمن میں ان کی مطلوبہ تبدیلی یا اصلاح کا طریقہ کار واضح ہے۔ بعض جگہ بلاوجہ و بلاضرورت مفروضوں پر انتہائی زور قلم صرف کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر اصل اور بنیادی چیزوں کو نظر انداز کر کے منتشر اور متضاد جزئیات کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ بعض جگہ محترم اصلاحی صاحب نے کسی دینی نص کا اپنے کسی فلسفہ کی رو سے ایک خاص مطلب طے کر لیا ہوتا ہے اور وہ اسے اس قدر بھرپور اعتماد کے ساتھ پیش کرتے نظر آتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے دوسری قطعی نصوص پیش کی جائیں، جو ان کے طے کردہ مفہوم ومعانی کی نقیض ہوں، تو بھی ان کے اعتماد میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئے گی اور وہ تمام استدلال کو قبول کرنے کے لئے محض اس لئے آمادہ نہ ہوں گے کہ وہ دوسری نصوص ان کے محبوب فلسفے

---

(۱) دیباچہ مبادئ تدبر حدیث، ص:۱۷

(۲) پیش لفظ مبادئ تدبر حدیث، ص:۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے خلاف پڑتی ہیں۔

بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں محترم جس چیز کو نہیں جانتے اسے بحکم قرآن دوسرے جاننے والوں (اہل الذکر) سے پوچھنے کی بجائے خود عالم بن کر فیصلے صادر کرنے لگتے ہیں، چنانچہ زیر مطالعہ کتاب میں قارئین دیکھیں گے کہ ان کے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سؤالات، شکوک وشبہات کا جواب اپنے محدود علم اور اپنی مخصوص فکر کے مطابق دیا گیا ہے اور اس کے لئے جا بجا نصوص کو کھینچ تان کر اپنے مطلوبہ معانی پہنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

بعض مقامات پر آں موصوف صدیوں سے شائع اور مسلمہ اصولوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے نظر آتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کا کوئی بھی اعتراض ایسا نہیں ہے جس کو بدلائل رد نہ کیا جاسکتا ہو، جیسا کہ قارئین کرام اصل بحث کے دوران ملاحظہ کریں گے۔

کہیں آں موصوف پہلے کچھ نظریات قائم کرتے ہیں پھر قرآن وسنت سے ان کے حق میں دلائل ڈھونڈتے نظر آتے ہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ قرآن وسنت سے جو تعلیم ملے اسی کے مطابق نظریات قائم کئے جائیں۔ بعض اوقات قرآن وسنت سے کسی مسئلہ کا استنباط کرتے وقت سلف صالحین، مفسرین ومجتہدین، محدثین اور اصولیین سب کی تشریحات کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان سب سے جدا ایک الگ رائے اختیار کرتے ہیں اور اس پر طرفہ یہ کہ جس مسئلہ میں اپنی منفرد رائے ظاہر کرتے ہیں اس میں آپ کے دلائل بہت زیادہ قوی نہیں ہوتے۔

اگر آں موصوف نے ان باتوں کو ملحوظ رکھا ہوتا تو یقیناً زیر تبصرہ کتاب اس طرح کی غلطیوں سے پاک ہوتی۔ چونکہ ان خامیوں کے علاوہ کتاب میں کسی اصلاحی نکتہ کی کوئی جامع تصویر بھی پیش نہیں کی گئی ہے لہذا میں نہیں سمجھتا کہ واقعی حدیث کا کوئی طالب علم کسی بھی طور پر اس سے مستفید ہوسکتا ہے، بلکہ علی وجہ البصیرت میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہماری نئی نسل کی فکری غذا یہی یا اس جیسی دوسری تحریریں رہیں تو اس کا جو انجام ہوگا اس کا اندازہ قارئین کرام خود کر سکتے ہیں -- محترم اصلاحی صاحب کے ساتھ راقم کو جو حسن ظن قائم ہے، اس کی روشنی میں راقم بہ آسانی یہ کہہ سکتا ہے کہ شاید خود آں موصوف کو بھی اس کتاب کے مندرجات کے متعلق پوری طرح شرح صدر حاصل نہ ہو، واللہ أعلم۔

جہاں تک ان کے صحیح مسلم، موطأ امام مالک اور صحیح بخاری کو سمجھنے اور ان کا درس دینے کا تعلق ہے تو جان لینا چاہیئے کہ ''پورے ذخیرۂ حدیث کی چھان بین'' کے نام پر اصلاحی صاحب موصوف نے ان کتب کو کسی استاذ کی رہنمائی کے بجائے خود اپنے ہی اختیار کردہ چند اصول تدبر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جن مقامات پر آں موصوف کو مشکلات پیش آئی ہیں وہاں حل مشکلات کے لئے ''مشکل الآثار''، ''تاویل مختلف الحدیث'' اور ''اعلام الموقعین'' وغیرہ جیسی معروف کتب کی طرف رجوع نہیں کیا گیا ہے۔ راقم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ آں محترم کے بیشتر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دروس ان کے ذاتی حاصل مطالعہ اور عقلی استحالات و اشکالات سے عبارت ہیں۔ اگر ان دروس پر مفصل نقد و بحث کی جائے تو اس کے لئے کئی ضخیم دفتر درکار ہوں گے۔

اگر کتاب کی طرز نگارش پر غور کیا جائے تو وہ بھی کچھ عجیب نوعیت کی نظر آتی ہے۔ ابتداء موضوع زیر بحث پر آں موصوف اپنی نظریاتی حمایت کا اعلان کرتے ہیں لیکن جیسے جیسے بحث آگے بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے کلام میں شکوک وشبہات اور مخالفت کی آمیزش بھی غلبہ پاتی جاتی ہے۔ مؤلف کا یہ وہ ذہنی انتشار ہے جو کتاب میں جا بجا نمایاں ہے۔ اس کے باوجود مرتب کتاب جناب ماجد خاور صاحب اس کتاب کی اہل علم طبقہ میں پذیرائی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ملک اور بیرون ملک کے اعلیٰ علمی حلقوں میں ان میں پیش کردہ بلند فکر کو بے حد سراہا گیا''۔(۱)

حالانکہ جہاں تک راقم کے ذاتی علم کا تعلق ہے برصغیر (پاک وہند) کے مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ محترم اصلاحی صاحب کی ''بلند فکر'' تو کجا خود آں موصوف کی شخصیت سے بھی کوئی متعارف نہیں ہے۔ جب راقم نے پیش نظر بحث کی تسوید کے دوران متعدد مقتدر عرب علماء کے سامنے اصلاحی صاحب موصوف اور ان کی افکار کا تذکرہ کیا تو ان سب نے نہ صرف آں محترم کی شخصیت سے قطعاً لاعلمی کا اظہار کیا بلکہ ان کی مخصوص ''بلند فکر'' کو علم حدیث کے لئے ''انتہائی خطرناک سازش'' سے تعبیر کیا۔

شاید مرتب کتاب کی نظر میں صرف فراہی، اصلاحی اور مودودی صاحبان سے عقیدت رکھنے والے حضرات ہی ''اعلیٰ علمی حلقوں'' میں شمار کئے جاتے ہیں، واللہ اعلم۔

ان گزارشات کا مقصد محترم اصلاحی صاحب کی شخصیت اور ان کی اصلاحی مساعی کو ہدف تنقید بنانا نہیں ہے بلکہ اسلاف امت اور محدثین کرام کے مسلک کی وضاحت نیز ان کی بے نظیر علمی خدمات پر روشنی ڈالنا ہے تا کہ ان کی عام روش، جسے سبیل المؤمنین بھی کہا جا سکتا ہے، سے محترم اصلاحی صاحب کے ارشادات کا بعد خود بخود واضح ہو سکے اور ان کے مخصوص انداز فکر کے باعث علم حدیث کے متعلق پیدا ہونے والے شکوک وشبہات، تأویلات، مغالطوں اور مضر اثرات کی نشاندہی نیز ان کا سیر حاصل تجزیہ اور مؤثر ازالہ بھی ممکن ہو سکے۔ اللہ عزوجل گواہ ہے کہ راقم کے دل میں محترم اصلاحی صاحب کے لئے پورا احترام موجود ہے، لیکن جب معاملہ تحفظ دین کا ہو تو کسی فرد کے احترام و بزرگی کا لحاظ کرنے کی بجائے راقم کا موقف یہ ہوتا ہے کہ ''هذا الرجل كبير ولكن الحق أكبر منه"—— لہذا راقم کی اس نقد و بحث کو معاندانہ یا فریق ثانی کو بہر صورت غلط ثابت کرنے کی غیر محمود کوشش سمجھنے کی بجائے سنت رسول کے ساتھ محبت، خلوص نیت، نصح و خیر خواہی، اللہ عزوجل کی رضا جوئی اور احقاق حق کے جذبہ پر محمول کرنا چاہئے۔

---

(۱) پیش لفظ مبادیٔ تدبر حدیث، ص: ۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس بحث میں راقم کی پوری کوشش رہی ہے کہ زیرِ قلم گزارشات کو صرف حدیث اور اس کے متعلقات تک ہی محدود رکھا جائے اور ہر باب پر تبصرہ کرنے سے قبل اس باب سے متعلق جملہ اصولی و بنیادی مباحث کو تعارف کے طور پر پیش کر دیا جائے کیونکہ ہر صاحب تحقیق جانتا ہے کہ بسا اوقات کسی رائے میں غلطی بہت دور بنیادوں میں واقع ہوتی ہے لہذا جواب دیتے وقت ان اصل بنیادوں کو نظر انداز کر کے محض اجزاء کو زیر بحث لانے سے تنقید غیر حقیقی محسوس ہوتی ہے اور اس سے یہ غلط تأثر پیدا ہو جاتا ہے کہ تنقید سے مزید الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں پختہ سے پختہ ذہن کا مالک شخص بھی بہ آسانی یہ یقین کرنے سے ہچکچاتا ہے کہ کسی پختہ کار صاحب علم و دانش کا فکری نظام ایسا غلط بھی ہو سکتا ہے؟ اس کے لئے راقم نے اپنی زیادہ تر تحقیق کو اقتباسات کی صورت ہی میں پیش کیا ہے تا کہ زیر بحث ہر معاملہ میں اہل فن کی تمام آراء قارئین کے سامنے آ جائیں۔ بعض جن مقامات پر اقوال ایک دوسرے سے متناقض اور مختلف ہیں، وہاں اصولی طور پر محاکمہ بھی کیا گیا ہے تا کہ قاری کسی شش و پنج میں پڑنے کی بجائے صحیح اور راجح قول کو اختیار کر سکے۔ مباحث کے اس اصولی و بنیادی تعارف کے بعد ان کے رد و قبول کے بارے میں اصلاحی صاحب کے مخصوص نقطۂ نظر کی اصل و فرع کو متعین کر کے یکے بعد دیگرے ان کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان میں موجود بنیادی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کہیں کہیں جناب حمید الدین فراہی، سید ابو الاعلیٰ مودودی، تمنا عمادی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ظفر احمد تھانوی، رحمت اللہ طارق، حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، عبد الرشید نعمانی، عزیز احمد صدیقی، جاوید احمد غامدی اور خالد مسعود صاحبان وغیرہم کی بعض عبارتوں پر بھی ضمناً نقد و بحث آ گئی ہے ــــــ ان تمام ناموں کو دیکھ کر قطعاً چونکنے کی ضرورت نہیں کیونکہ علمی دنیا کی ایک یہ بھی نا قابل انکار حقیقت ہے کہ کوئی صاحب علم خواہ کتنے ہی اعلیٰ و ارفع درجہ کا مالک ہو، ضروری نہیں کہ وہ اپنی ہر تحقیقی کاوش میں صحیح نتیجہ پر ہی پہنچ جائے، لہذا اس کی ہر رائے کو قبول یا رد کرنے میں ذہنی مرعوبیت، عجلت، تنظیمی پابندیوں، گروہی عصبیت اور جذباتی تعلقات کو نہیں بلکہ ٹھوس حقائق اور اس علم کے بنیادی اصول کو ہی معیار بنانا چاہئے۔ خود محترم اصلاحی صاحب نے اپنی اس تحقیقی کاوش میں غلطی کے امکان کو تسلیم کرتے ہوئے "دیباچہ" کے اختتام پر لکھا ہے:

"آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اگر کسی صاحب علم نے کسی لغزش کی طرف توجہ دلائی تو اس کی اصلاح کر دوں گا اور توجہ دلانے کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔ البتہ ان لوگوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو محض لکیر کے فقیر ہیں، حدیث کے لئے عصبیت تو بہت ظاہر کرتے ہیں، لیکن اس کے لئے کوئی محنت نہیں کی ہے۔ بس اپنے استادوں سے جو باتیں سن رکھی ہیں یا ان کے گروہ کے لوگ جن باتوں پر لڑتے اور مرتے ہیں وہی ان کا سرمایہ ہے۔ اس طرح کے لوگ جو تنقیدیں کرتے ہیں ان کے پڑھنے اور ان کے جواب لکھنے کی میرے پاس فرصت نہیں ہے"۔ (۱)

---

(۱) دیباچہ مبادئ تدبر حدیث، ص: ۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اگرچہ جناب اصلاحی صاحب جیسے دین پسند اور پختہ کار عالم کے طرز تخاطب میں اس قسم کی ترشی وتلخی کا آنا قطعاً مناسب نہیں ہے، کیونکہ جب معاملہ افہام وتفہیم کا ہوتو یہ چیز اس بارے میں سد راہ ثابت ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو آں موصوف کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ملا ہے وہ آپ کے مزاج کی اس زود رنجی سے بخوبی واقف ہیں، پھر اب تو عمر کا تقاضہ بھی یہی ہے، لہذا ہم آنجناب سے تعلق خاطر ہونے کے باعث یہ صدمہ بخوشی برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

جہاں تک راقم کو اپنے ذاتی کوائف وطبائع کا علم ہے، اپنی تمام کمزوریوں کے اعتراف کے باوجود بحمد اللہ ذہن میں نہ کسی ماخذ کے لئے غلو ہے نہ تعصب، البتہ اِحقاق حق و اِبطال باطل کے لئے اسلاف نیز ائمہ حدیث کی بے مثال اور درخشاں مساعی کے پیش نظر ان کے تئیں ممنونیت کا احساس ضرور ہے۔ اب اصلاحی صاحب اور ان کے رفقاء کو اختیار ہے کہ اس بحث وتنقید کو راقم کی ''عصبیت'' سے تعبیر فرمائیں یا اس کو ''لکیر کا فقیر'' قرار دیں، اس بارے میں راقم کا ذاتی خیال یہ ہے کہ دعوت واصلاح کے داعیوں کو چاہئے کہ اس طرح کے تیر ونشتر سے کنارہ کشی اختیار کر کے فریق ثانی کی ہر بات کو پوری توجہ اور سنجیدگی کے ساتھ سنیں، ان کے دلائل کا وزن محسوس کریں اور اگر ان پر اپنی فکری اغلاط بدلائل واضح ہو جائیں تو نہایت خوش خلقی اور وسیع القلبی کے ساتھ اپنی کمزوریوں کو تسلیم کرلیں، اگرچہ یہ اس دارالامتحان کی ایک کڑی آزمائش ہے ــــــ لیکن اگر آج ایسا نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب کہ عالمی بیداری کے سبب خود ہم دوسروں کے لئے باعث تضحیک وتعجب بن کر رہ جائیں۔

راقم کو قوی امید ہے کہ اگر اس کی اس تنقید کو اپنی رائے میں غلطی کا امکان تسلیم کر کے بنظر اصلاح یا بغرض افہام وتفہیم دیکھا گیا تو ان شاء اللہ یہ بحث حق کو دریافت کر لینے میں کسی نہ کسی حد تک ضرور مددگار ثابت ہوگی۔

راقم کا اپنا مشاہدہ ہے کہ برصغیر میں علمی مذاکرات کے لئے فضا قطعاً سازگار نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ فنی بحث ومباحثہ، علمی تنقیدات اور تجزیوں کو عموماً مخالفت پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہر صاحب علم کسی نہ کسی خاص مکتب فکر کا یا تو خود داعی ہوتا ہے یا پھر اس سے وابستگی کو ہی معاشرہ میں اپنی شناخت کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے، لہذا کسی علمی تنقید یا تجزیہ پر چراغ پا ہو کر افہام وتفہیم کی بجائے فوراً جدل کی راہ اختیار کرتا ہے اور جو کچھ بھی جوابی کاروائی کے طور پر ممکن ہو اس پر آمادہ ہو جاتا ہے ــــــ چونکہ اس بحث کے ذریعہ راقم نے بھی اصول حدیث کے متعلق اصلاحی وفراہی مکتب فکر کے مختلف ومخصوص افکار ونظریات پر علمی تنقید اور ان کے تجزیے کی کوشش کی ہے اور غالباً یہ اس نوعیت کی بلند کی جانے والی پہلی باضابطہ آواز ہے لہذا اس اصلاحی کوشش کو اس مکتب فکر سے والہانہ وابستگی رکھنے والے احباب کی دنیا میں مختلف قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہت ممکن ہے کہ بعض زعماء وعمائدین اس اصلاحی تحریک کے مقابلہ کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں، لیکن ہم ایسے لوگوں کو قطعاً معذور سمجھتے ہیں کیونکہ اس تحریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اصلاح نے ان کی ناموری اور عزوشرف نیز اس ڈھانچے کو ہی چیلنج کر دیا ہے جس کی تعمیر پر انہوں نے یا تو اپنی عمر عزیز کی متعدد دہائیاں صرف کر دی ہیں یا پھر محترم فراہی و اصلاحی صاحبان سے اس درجہ عقیدت رکھتے ہیں کہ انہیں ''امام'' کے سوا کسی دوسرے لقب سے یاد کرنا خلاف ادب تصور کرتے ہیں ''میزان'' کے صفحات نیز ''اشراق'' و ''تدبر'' کے شمارے ہمارے اس دعوی پر شاہد و مؤید ہیں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ کسی کام کے نہ تو سب ہی لوگ موافق ہوتے ہیں اور نہ سب ہی لوگ مخالف، لہذا راقم کو اللہ عزوجل سے امید واثق ہے کہ ان شاء اللہ علمی حلقوں میں راقم کی اس کوشش کو بنظر استحسان دیکھا جائیگا اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ فراہی مکتب فکر سے وابستہ فرزندان اسلام میں سے حق و باطل کے مابین تمیز کر سکنے کی صلاحیت سے متصف طبقہ کی ایک واضح اور قابل لحاظ اکثریت بھی ہماری اس پکار پر ضرور لبیک کہے گی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اس تحریک کا دفاع کرے گی کہ اس میں ہی ہم سب کے لئے دنیا کی عزت اور آخرت کی فلاح و کامرانی کا راز پوشیدہ ہے۔ دبستان فراہی کے انہی اہل دانش و بینش سے اس تحریک اصلاح کی کامیابی کی توقعات وابستہ ہیں اور یہی بیدار مغز طبقہ راقم کی اس پکار کا اصل مخاطب بھی ہے۔

یہاں ایک قابل وضاحت امر یہ ہے کہ راقم نے پیش نظر بحث میں مرتب کتاب جناب ماجد خاور صاحب کی قائم کردہ ابواب کی ترتیب کو برقرار نہیں رکھا ہے بلکہ عنوانات کی اہمیت یا قارئین کرام کی سہولت کے لحاظ سے بعض ابواب کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر دیا ہے۔

اس بحث کی ترتیب کے سلسلہ میں جناب صفی الرحمٰن مبارکپوری، حفظہ اللہ تعالی (مساعد باحث، مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية، الجامعة الاسلامية، المدينة المنورة) نے جو رہنمائی اور علمی معاونت فرمائی اس کے لئے بیحد مشکور ہوں۔ ناسپاسی ہوگی اگر واجب الاحترام بزرگوں میں سے جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی، حافظ صلاح الدین یوسف، عبد الغفار حسن رحمانی، والد محترم محمد امین اثری رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری اور ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری وغیرہم کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے راقم کو وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی و مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہے بالخصوص جناب حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ تعالی کہ جنہوں نے بحث مکمل ہو جانے کے بعد اپنی شدید علمی مصروفیات کے باوجود اس عریض تر مسودے کو تقریباً ایک سال کے طویل عرصے میں من و عن پڑھا اور اس پر ایک وقیع تقریظ رقم فرمائی جو کہ شامل کتاب ہے، اور اختتام پر برادرم محمد غازی عمیر صاحب اور رفیق محترم جناب تاج محمد جودھپوری صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ جنہوں نے اس دوران راقم کو اس بحث کے طویل تر مسودہ کی عکسی نقول فراہم کرنے سے قطعاً بے نیاز رکھا۔

شاید یہ کام ادھورا ہی رہتا اگر راقم کی رفیقۂ حیات تسوید کے ان ساڑھے چار سالوں میں اپنی عائلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مصروفیات سے وقت بچا بچا کر نہایت صبر وتحمل کے ساتھ بحث کی ترتیب اور مراجع ومصادر کے مقابلہ میں مسلسل معاونت نہ فرماتیں ـــــ اللہ عزوجل ان تمام محسنین ومعاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

اللہ عزوجل ہی بہتر جانتا ہے کہ ماہ شوال ۱۴۱۰ھ سے آج تک راقم نے اس بحث کی ترتیب میں کس قدر مشقت اٹھائی ہے، لہٰذا قوی امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالی اس حقیری کوشش کو مشکور فرما کو خیر کثیر کا ذریعہ بنائے گا اور حدیث کے بارے میں جو لوگ سبیل المؤمنین سے بھٹک گئے ہیں یا جن کے دلوں میں ذخیرۂ احادیث کے محفوظ ہونے یا اس کی حجیت کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ پیدا ہو چکا ہے ان کے لئے مشعل راہ بنائے گا، نیز سنت نبوی کو زندہ و مستحکم کرنے والوں اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے لئے ایک ایسا مضبوط ہتھیار بنائے گا جس سے وہ موجودہ اور آئندہ ادوار میں اپنے نبی ﷺ کی سنت کا دفاع موثر طریقہ پر کرسکیں اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے تمام شکوک وشبہات کا ہر ممکن طریقہ پر ازالہ کرسکیں۔

اختتام پر امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس بحث کے ذریعہ راقم کو اپنی لازوال نعمتوں اور اجر عظیم سے نوازے گا اور اس ناچیز کو بھی اپنے دین حنیف کے محافظوں اور اپنی شریعت مطہرہ کے حامیوں کی صف میں شامل فرمائیگا، إنه سميع مجيب۔

غازی عزیر
مركز الأبحاث والتطوير والتدريب
ص ب "٨٢٨٤" الجبيل - ٣١٩٥١
(المملكة العربية السعودية)

۱۵/ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
مطابق ۱۸/ نومبر ۱۹۹۴ء

●●●

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


## باب اول

# حدیث کا تعارفی خاکہ

[ جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی زیر تبصرہ کتاب ''مبادیٔ تدبر حدیث'' کا آغاز عنوان : ''حدیث اور سنت میں فرق'' کے ساتھ کیا ہے، لیکن ہم آں محترم کے اس باب پر بحث ونظر سے قبل ضروری سمجھتے ہیں کہ ''حدیث وسنت کا'' ایک مختصر تعارفی خاکہ پیش کردیں تا کہ ''حدیث'' سے متعلق آگے آنے والی بحث کے ہر پہلو کو بہ آسانی سمجھا جا سکے۔]

## وحی اور اقسام وحی

لغوی اعتبار سے کسی چیز کی خفیہ طور پر اور جلدی اطلاع دینا ''وحی'' کہلاتا ہے۔ چونکہ اس میں اخفاء کا مفہوم شامل ہوتا ہے اس لئے ائمہ لغت کے نزدیک کتابت، رمز واشارہ اور خفیہ کلام سب ''وحی'' کی تعریف میں آتا ہے۔ لیکن ''وحی'' کا اصطلاحی مفہوم اس لغوی معنی کی نسبت اخص ہے۔ شرعی اصطلاح میں ''وحی'' سے مراد اللہ عز وجل کا اپنے منتخب انبیاء کو اخبار واحکام سے اس خفیہ طریقہ پر مطلع کرنا ہے جس سے ان کو قطعی ویقینی علم حاصل ہو جائے کہ یہ اخبار واحکام من جانب اللہ تعالی ہی ہیں۔ اصطلاحی معنی میں ''وحی'' کا مصدر وماخذ اللہ عز وجل اور اس کا مورد انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں کسی منتخب نبی پر ''وحی'' بھیجنے کے مندرجہ ذیل تین طریقے مذکور ہیں:

﴿وما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحيا أو من وراء حجاب أو يرسل رسولا فيوحي بإذنه ما يشاء﴾۔(۱)

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو مگر (۱)- وحی (الہام) کے ذریعہ یا (۲)- حجاب کی آڑ سے یا (۳)- کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ اس کے حکم سے جو اس کو منظور ہو بصورت وحی پیغام دے جائے۔''

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی ''وحی'' کی یہ صورت مذکور ہے:

﴿وإنه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين﴾ (۲)

''اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تا کہ آپ منجملہ ڈرانے والوں میں سے ہوں''۔

---

(۱) الشوری: ۵۱ (۲) الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور

﴿وكذلك أوحينا إليك روحا من أمرنا﴾ (۱)

''اوراسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی اپنا حکم وحی کیا''۔

لیکن یہاں ''روحا من امرنا'' سے مراد صرف قرآن کریم نہیں ہے بلکہ ''وحی'' کا وہ حصہ بھی ہے جو الفاظ کی بجائے معانی میں نازل ہوا اور جزو قرآن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

﴿إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح والنبيين من بعده وأوحينا إلى إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وعيسى وأيوب ويونس وهارون و سليمان وآتينا داود زبورا﴾ (۲)

''ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح کہ ہم نے وحی بھیجی تھی حضرت نوحؑ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف اور ہم نے حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد، عیسی، ایوب، یونس، ھارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے حضرت داؤد کو زبور عطا کی''۔

ہر بچہ بچہ جانتا ہے کہ ان انبیاء میں سے اللہ عزوجل نے صرف حضرات ابراہیم، عیسیٰ، داؤد اور محمد علیہم السلام کو ''کتاب'' عطا فرمائی تھی۔ دوسرے تمام انبیاء جن کا آیت بالا میں ذکر ہے ان کو جو ''وحی'' اللہ عزوجل کی جانب سے بھیجی گئی تھی وہ ان چار صحف سماوی کی طرح متلو نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت غیر متلو کی تھی۔

چونکہ اصطلاحاً ''وحی'' کے معنی ''موحی بہ'' (یعنی وہ احکام جو بذریعہ وحی نازل ہوتے ہیں) کے ہیں لہذا سورۃ النساء کی اس آیت کی روشنی میں ''وحی'' کی دو قسمیں ہوئیں:

۱-وحی متلو ۲-وحی غیر متلو

''وحی'' کی ان اقسام کے متعلق امام ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

''ہم پر یہ چیز واضح ہو چکی ہے کہ شریعت میں قرآن اصل المرجوع ہے لیکن جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اطاعت کا واجب ہونا بھی ملتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد بھی نظر آتا ہے: ﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾ (۳) (اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ پس اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی اپنے رسول ﷺ کی طرف بھیجی گئی وحی دو اقسام میں منقسم ہے:

(۱) الشوریٰ: ۵۲ (۲) النساء: ۱۶۳ (۳) النجم: ۳-۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


پہلی قسم:

وحی متلو: جو مؤلف تالیفاً اور معجز النظام یعنی قرآن کریم ہے۔

دوسری قسم:

وہ وحی جو مروی ومنقول، غیر مؤلف، غیر معجز النظام اور غیر متلو ہے۔ وحی کی یہ قسم رسول اللہ ﷺ (کہ جو ہمارے لئے اللہ عز وجل کی مراد ومنشا کے مبین تھے) سے مروی اخبار پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾(۱)____ اور ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس دوسری قسم کی وحی کی اطاعت بھی پہلی قسم کی وحی (یعنی قرآن کریم) کی طرح بلا تمیز واجب کی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول﴾(۲)''(۳)

اور علامہ مفتی محمد شفیع صاحب ''معارف القرآن'' میں ''قرآن وسنت کی حقیقت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''اس سے اس کلام کی حقیقت معلوم ہوگئی جو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: متلو (جو تلاوت کی جاتی ہے) اور غیر متلو (جو تلاوت نہیں کی جاتی)۔ وحی متلو قرآن کا نام ہے جس کے معانی اور الفاظ دونوں اللہ کی جانب سے ہیں اور غیر متلو حدیث رسول کا نام ہے، جن کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہیں اور معانی اللہ کی طرف سے ہیں''۔(۴)

## ۱- وحی متلو

وحی متلو سے قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے۔ یہ نبی ﷺ کی رسالت صادقہ کی زندہ دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس وحی میں تصرف کا کسی کو اختیار نہیں ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وإنه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الأمين﴾ (۵)

''یہ قرآن رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین اس کو لے کر اترتے ہیں''۔

اس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود اللہ عز وجل نے لے رکھی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾(۶)

''بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

اس ''وحی'' کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ اس کی تلاوت حالت نماز اور خارج از نماز دونوں صورتوں میں عبادت اور باعث اجر وثواب ہے۔ اس کی روایت بالمعنی قطعاً جائز نہیں۔ وحی کی یہ قسم بہر اعتبار معجزہ ہے، چنانچہ ارشاد

---

(۱) النحل:۴۴ (۲) التغابن:۱۲ (۳) الاحکام في أصول الأحکام لابن حزم، ص:۸۷
(۴) معارف القرآن:۲/۵۴۳ (۵) الشعراء:۱۹۲-۱۹۳ (۶) الحجر:۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوتا ہے:

﴿ قل لئن اجتمعت الإنس والجن على أن ياتوا بمثل هذا القرآن لايأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا ﴾ (۱)

''یعنی کہہ دیجئے کہ اگر (تمام) انسان اور جنات جمع ہو کر بھی قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہ لاسکیں گے (اگر چہ کہ) وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں''۔

## ۲-وحی غیر متلو

اس سے مراد وحی کا وہ حصہ ہے جو کتاب اللہ کا جزو نہ ہو اور نہ ہی جس کی تلاوت کی جاتی ہو۔ اسے آپ سنن نبوی کہہ سکتے ہیں۔ سنن نبوی کے مبنی بر وحی ہونے پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ آگے پیش کی جائیگی۔ فی الحال بطور دلیل یہ آیات پیش خدمت ہیں: ﴿وما ينطق عن الهوى﴾ (۲)۔ اور ﴿ من يطع الرسول فقد أطاع الله ﴾. (۳)

## وحی متلو و غیر متلو میں فرق

قرآن مجید اور سنت نبوی، دونوں کے مبنی بر وحی ہونے کے باجود، ان دونوں کے مابین مندرجہ ذیل اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے:

۱-قرآن کے برخلاف حدیث کے معانی و مطالب نبی ﷺ پر نازل ہوتے ہیں جنہیں آپ ﷺ اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔

۲-قرآن کے برخلاف حدیث کی روایت بالمعنی اکثر صحابہ و محدثین کے نزدیک جائز رہی ہے۔

۳-قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ اعجاز سے خالی ہیں۔

۴-قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ کی تلاوت شامل عبادت نہیں ہے۔

۵-قرآن کے برخلاف حدیث رسول ﷺ پر خواب و بیداری ہر دو حالتوں میں نازل ہوئی ہے۔

۶-قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ جبریل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر بھی نازل ہوئے ہیں۔

۷-اگر چہ قرآن و سنت دونوں افصح الکلام ہیں لیکن قرآن کے برخلاف حدیث کے مثل لے آنے کا چیلنج نہیں کیا گیا ہے۔

۸-اگر چہ قرآن و سنت دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ عز وجل نے لی ہے لیکن قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔

---

(۱) الإسراء:۸۸ (۲) النجم:۳ (۳) النساء:۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## وحی کے کچھ حصہ کو ''الفاظ'' میں اور کچھ کو ''معانی'' میں نازل کئے جانے کی مصلحت

اللہ عزوجل نے تمام سابقہ شریعتوں پر شریعت محمدی کو دیگر فضائل کے علاوہ ایک اہم فضیلت یہ بھی بخشی ہے کہ اپنے نازل کردہ احکام کے کچھ حصہ کو ''الفاظ'' کے ساتھ نازل فرمایا اور کچھ کو ''معانی'' کے ساتھ۔ یہ اس کی انتہائی رحمت وحکمت کا ہی تقاضہ تھا کہ اس نے وحی کو اس طرح دو اقسام میں تقسیم فرمادیا۔ اس کی ایک قسم، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، وہ ہے جس کی روایت بالمعنی جائز نہیں بلکہ اصل منزل الفاظ کا التزام ہی ضروری ہے جبکہ وحی کی دوسری قسم کی روایت بالمعنی ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو اس کی اہلیت سے بہرہ ور ہوں۔ اس طرح گویا اللہ تعالی نے دراصل اپنے بندوں پر اپنی عنایات خصوصی سے تنگی وتکلیف کا ازالہ فرمایا ہے۔ چونکہ حدیث سے اصل الفاظ کا التزام اور اس کی تلاوت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اصلی مراد ومطلوب تو اس کا مضمون ہوتا ہے لہذا سنت کے الفاظ کو معنی کی علامت ٹھہرانے سے امت مسلمہ کو جو سہولت میسر آسکی ہے وہ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحی کی اس تقسیم میں تحفظ شریعت سہولت امت اور اتمام حجت کا راز پوشیدہ ہے، اگر وحی بہر دو صنف میں قرآن کریم کی طرح ہی منزل الفاظ کا التزام واہتمام ضروری ہوتا تو انسانی زندگی کے امور جس قدر کثیر ہیں وہ کسی ایک کتاب میں نہیں سما پاتے بلکہ ان کے لئے تو کئی ضخیم دفاتر درکار ہوتے۔ ایسی صورت میں بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امت کس قدر بڑی دشواری میں مبتلا ہوسکتی تھی، عین ممکن تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے بطریق احسن عہدہ برآ نہ ہوسکتی۔ اس موضوع پر مزید تفصیلی بحث باب پنجم: ''روایت بالمعنی اور اس کے بعض مضمرات کا جائزہ'' کے تحت پیش کی جائیگی، ان شاء اللہ تعالی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم شریعت

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ عز وجل نے محمد ﷺ کو نبوت و رسالت سے مشرف فرما کر آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا اور بحیثیت معلم اس کی تشریح و توضیح کو آپؐ کا فریضۂ منصبی قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱-﴿ وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم ﴾(۱)

''اور ہم نے آپ پر ذکر کو اس لئے نازل کیا تا کہ آپ انسانوں کے لئے اسے کھول کر بیان کردیں جو کچھ ان لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے''۔

۲-﴿ وما أنزلنا عليك الكتاب إلا لتبين لهم ﴾(۲)

''ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین و توضیح فرمادیں۔''

۳-﴿ إن علينا جمعه وقرآنه فإذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم إن علينا بيانه ﴾ (۳)

''بے شک ہمارے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھا دینا ہے پس جب ہم اس کو پڑھ دیں تو آپ اس کی اتباع کریں پھر بے شک ہمارے ذمہ اس کا بیان بھی ہے''۔

۴-﴿ لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة ﴾ (۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

۵-﴿ إنا أنزلنا إليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما أراك الله ﴾(۵)

''ہم نے آپ کی جانب کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ کرسکیں جو اللہ عز وجل نے آپ کو دکھائی ہے۔''

۶-﴿ الذين كذبوا بالكتاب وبما أرسلنا به رسلنا فسوف يعلمون ﴾ (۶)

''جن لوگوں نے کتاب اللہ اور ان چیزوں کو جھٹلایا جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے تو وہ (عنقریب اپنے انجام بد کو) جان لیں گے۔''

---

(۱) النحل: ۴۴ (۲) النحل: ۶۴ (۳) القیامہ: ۱۷ تا ۱۹
(۴) آل عمران: ۱۶۴ (۵) النساء: ۱۰۵ (۶) المؤمن: ۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کیوں کہ:

۷-﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾(۱)

''آں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ ان کا کلام تو نرا وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:''بعد كتاب الله عز وجل سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم فهي المبينة لمراد الله عز وجل من مجملات كتابه والدالة على حدوده والمفسرة له الخ۔''(۲)

یعنی''اللہ عز وجل کی کتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنن ہیں جو کتاب اللہ کے مجملات سے اللہ عز وجل کی مراد بیان کرتی ہیں، اس کی حدود پر دلالت کرتی اور اس کی تفسیر وتوضیح کرتی ہیں۔''

امام شاطبی فرماتے ہیں:''فكانت السنة بمنزلة التفسيرو الشرح لمعانى أحكام الكتاب "(۳)

یعنی''سنت کتاب اللہ کے احکام کے معانی کے لئے تفسیر وتشریح کا درجہ رکھتی ہے۔''

''مرقاۃ'' میں امام شافعی سے منقول ہے کہ آں رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جن چیزوں کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے وہ سب آپ کے فہم قرآن سے ماخوذ ہیں، جیسا کہ آں ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے:"إني لاأحل إلا ما أحل الله في كتابه ولاأحرم إلا ما حرم الله في كتابه۔" (یعنی میں حلال نہیں کرتا مگر وہ چیز جسے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور نہ حرام کرتا ہوں مگر وہ چیز جسے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے)۔

امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں:"جميع ما تقوله الائمة شرح للسنة وجميع السنة شرح للقرآن۔" (یعنی ائمہ جو تمام چیزیں بیان کرتے ہیں وہ سنت کی شرح ہیں اور تمام سنت قرآن کی شرح ہے)۔

آں رحمہ اللہ کا ایک اور قول ہے کہ:"ما نزل بأحد من الدين نازلة إلا وهي في كتاب الله تعالى".(۴)

علامہ خطابی کا قول ہے:''لاخلاف في وجوب أفعاله ﷺ التي هي لبيان مجمل الكتاب''۔(۵)

یعنی''نبی ﷺ کے افعال جو کہ مجملات قرآن کے بیان سے عبارت ہیں، کے وجوب کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے''۔

---

(۱) النجم:۳-۴ (۲) خطبۃ الاستیعاب علی ہوامش الاصابہ ۱/۲ (۳) الموافقات الشاطبی ۴/۱۰

(۴) کمافی قواعد التحدیث للقاسمی، ص۵۹ (۵) کمافی فتح الباری لابن حجر عسقلانی ۲/۲۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

''قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کریم کے معانی واحکام کی شرح کر کے بیان فرمائیں۔ارشاد ہے:''لتبين للناس ما نزل إليهم"یعنی''ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ کی نازل کردہ آیات کے مطالب بیان فرمائیں۔''تعلیم کتاب کے ساتھ آپ کے فرائض میں دوسری چیز تعلیم حکمت بھی رکھی گئی ہے......اس آیت میں اور اس کے ہم معنی دوسری آیات میں صحابہ وتابعین نے حکمت کی تفسیر سنت رسول اللہ ﷺ سے کی ہے جس سے واضح ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے ذمہ جس طرح معانی قرآن کا سمجھانا بتلانا فرض ہے،اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول وآداب جن کا نام سنت ہے ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔اور اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:"إنما بعثت معلما" ــــــ''میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں،الخ''۔(۱)

جناب حمید الدین فراہی صاحب رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے کتاب ''احکام الاصول''میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شریعت کی تعلیم کے لئے مبعوث فرمایا تو حکمت اور اسرار شریعت کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل کر دی تاکہ امت اجتہاد کے قابل ہو سکے۔اپنی عقلوں کو استعمال کرنا سیکھے اور ظاہری وباطنی دلائل سے استدلال کر سکے۔پس حضور ہمارے لئے کتاب اللہ کی تبیین کرتے تھے تاکہ ہم پر قرآن کے اشارات پر تفکر وتدبر کا منہاج واضح ہو''۔(۲)

جناب فراہی تفسیر قرآن کے متعلق ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کتاب اللہ کے مبین ومفسر تھے،اس لئے شرائع ہوں یا عقائد،آپ کی تاویلات ایک مفسر کے لئے علم کی مضبوط ترین بنیاد ہیں۔''(۳)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

''پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہے،خود قرآن ہے۔اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے۔پس میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہی تفسیر ہے جو پیغمبر اور صحابہ سے مروی ہو۔''(۴)

اور جناب فراہی کے خلیفہ محترم امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''......قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحب وحی محمد رسول اللہ ﷺ

---

(۱)معارف القرآن ۱/ ۲۷۷-۲۷۸

(۲)رسالہ''تدبر''لاہور عدد ۷ ص ۳۲ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

(۳)نفس مصدر عدد ۷ ص ۳۷ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

(۴)نفس مصدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہی کو ہے۔ آپ جس طرح اس کتاب کے لانے والے تھے اسی طرح اس کے معلم اور مبین بھی تھے۔ اور یہ تعلیم وتبیین آپ کے فریضۂ رسالت ہی کا ایک حصہ تھی الخ''۔(۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''......قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کے معنی بیان کرنے کا حق آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے الخ۔''(۲)

آں محترم ایک مقام پر منکرین سنت پر سخت تنقید کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ زندگی کے ہر گوشے میں اتباع کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ دین سے متعلق جو احکام اور آداب ہمیں سیکھنے چاہئیں، وہ سب آپ نے اپنی عملی زندگی سے ہمیں بتائے اور سکھائے، منکرین سنت کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی حیثیت ایک خط پہنچا دینے والے قاصد کی ہے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ آپ ﷺ صرف کتاب اللہ کے پہنچا دینے والے ہی نہیں بلکہ معلم شریعت اور مزکّی نفوس بھی ہیں۔ آپ کی زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ ہے، جس کی ہر شعبہ میں پیروی کر کے ہی کے ہم اپنے آپ کو ایمان اور اسلام کے سانچہ میں ڈھال سکتے ہیں۔''(۳)

اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب سورۃ النحل کی آیت:۴۴ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں یہ بات صاف الفاظ میں فرمائی گئی ہے کہ خالق کائنات نے اپنا یہ فرمان محض اس لئے پیغمبر کی وساطت سے نازل کیا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کرے۔ گویا تبیین یا بیان پیغمبر کی منصبی ذمہ داری بھی ہے اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر اس کا حق بھی جو اسے خود پروردگار عالم نے دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر مامور من اللہ مبین کتاب ہے۔''(میزان۔۱/۸۳)

●●●

---

(۱) مقدمہ تفسیر تدبر قرآن، ص نمبر ع

(۲) مبادئ تدبر قرآن، ص:۲۱۶

(۳) مبادئ تدبر حدیث، ص:۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# اللہ تعالی نے تاکیداً مکمل اطاعت رسول کا حکم فرمایا ہے

رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا معلم شریعت کی حیثیت کے پیش نظر ہی قرآن کریم میں تقریبا چالیس مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کا ذکر مختلف انداز سے آیا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ رسالت کا اصل منشا ومقصود ہی اطاعت رسول ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

۱-﴿وماأرسلنا من رسول إلا ليطاع بإ ذن الله﴾.(۱)

''اور ہم نے تمام رسولوں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بہ حکم الہی ان کی اطاعت کی جائے۔''

اور

۲-﴿قل أطيعوا الله والرسول فإن تولوا فإن الله لا يحب الكفرين﴾. (۲)

(اے محمد) کہہ دیجئے کہ تم لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ لوگ پیٹھ پھیریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں:

''اہل تاویل کا ﴿ أطيعوا الله وأطيعوا الرسول ﴾ کے معانی کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ''یہ اللہ تعالی کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کا حکم ہے''۔ بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ ''یہ اللہ تعالی کی جانب سے آپ کی زندگی میں اطاعت رسول کا حکم ہے''۔ لیکن اس بارہ میں یہ کہنا زیادہ صواب ہے کہ ''یہ اللہ تعالی کی جانب سے اس کے رسول کی زندگی میں امر ونہی کے متعلق اس کی اطاعت کا اور اس کی وفات کے بعد اس کی سنت کی اتباع کا حکم ہے''۔ چونکہ یہ حکم کسی ایک حال کے لئے خاص نہیں ہے لہذا عموم پر ہی باقی رہے گا حتی کہ کوئی لائق تسلیم چیز اس کی تخصیص کردے''۔(۳)

۳- نیز اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وأرسلناك للناس رسولا وكفى بالله شهيدا،من يطع الرسول فقد أطاع الله ومن تولى فما أرسلناك عليهم حفيظا.﴾(۴)

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اس کی شہادت کے لئے اللہ کافی ہے، جس نے

(۱) النساء:۶۴ (۲) آل عمران:۳۲

(۳) تفسیر الطبری ۴/۱۴۷، وکذا فی مقدمہ تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ص۲۲ (۴) النساء:۷۹-۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پیٹھ پھیرے ہم نے آپ کو ان کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا ہے۔"

یہی بات بعض احادیث میں یوں مروی ہے:

۱-"من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله."(۱)

۲-"من أطاعني دخل الجنة و من عصاني فقد أبىٰ ." (۲)

۳-"فإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه وإذا أمرتكم بشيء فأتوا منه مااستطعتم."(۳)

یہ تینوں احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں یہی بات ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"والداعي محمد ﷺ فمن أطاع محمدا ﷺ فقد أطاع الله ؤ من عصى محمدا ﷺ فقد عصى الله."(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "من أطاعني فقد أطاع الله" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یہ قول اللہ تعالی کے ارشاد: "من يطع الرسول فقد أطاع الله" سے منتزع ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اسی بات کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے لہذا اگر میں نے کسی کو کوئی حکم دیا اور اس نے اس حکم کے مطابق عمل کیا تو گویا اس نے میرے حکم سے اللہ تعالی کے حکم کی اطاعت کی۔اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالی نے میری اطاعت کا حکم دیا ہے پس جس نے میری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کے حکم الہی کی اطاعت کی۔اسی طرح کا معاملہ معصیت میں بھی ہے۔"(۵)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالی اپنے بندہ اور رسول حضرت محمد ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ جس نے ان کی (رسول اللہ کی) اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ آپ کا ارشاد نزاوحی ہوتا ہے جو کہ آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔"(۶)

اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"اس آیت میں (بصراحت) مذکور ہے کہ اطاعت رسول بعینہ اللہ تعالی کی اطاعت ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے شرف، علو شان، ارتفاع مرتبہ اور قدر ومنزلت کا اعلان بھی ہے کہ جس تک کسی کی رسائی نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اسی بات کا حکم دیتے ہیں جو اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہوتا ہے۔اور

---

(۱) صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۳/۱۱۱ (۲) نفس مصدر ۱۳/۲۴۹ (۳) نفس مصدر ۱۳/۲۵۱

(۴) نفس مصدر ۱۳/۲۴۹ (۵) فتح الباری لابن حجر ۱۳/۱۱۲ (۶) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۲۸، مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صرف اسی بات سے روکتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہوتا ہے۔ اگر آپ ﷺ کا بیان موجود نہ ہوتا تو ہم کتاب اللہ سے کسی بھی فریضہ مثلاً حج، نماز، زکاۃ اور روزہ کو نہ جان پاتے کہ ان کو کس طرح ادا کرنا ہے۔

حضرت حسن کا قول ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں پر حجت قائم کی''۔ جیسا کہ علامہ نواب صدیق حسن خانؒ نے اپنی تفسیر ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' میں ذکر فرمایا ہے۔'' (۱)

۴- اور فرمایا:

﴿یاأیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منكم فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلی الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ذلك خیر وأحسن تأویلا۔﴾ (۲)

''اے مؤمنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اپنے اولی الامر (یعنی مسلمانوں کے امور کے نگراں) کی اطاعت کرو پھر اگر کسی چیز کے متعلق باہم جھگڑ بیٹھو تو اگر اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ یہی بہتر صورت اور خوشتر نتیجہ والی ہے۔''

علامہ طبریؒ اس آیت کے لفظ ''والرسول'' کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

''اگر تم کتاب اللہ میں اس کے علم کی کوئی راہ نہ پاؤ تو اگر رسول اللہ ﷺ بحیات ہوں تو ان کی طرف معاملہ کو لوٹا کر اس کی معرفت حاصل کرو اور اگر وفات پا چکے ہوں تو ان کی سنت سے معرفت اور رہنمائی حاصل کرو۔'' (۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''فردوه إلی الله والرسول'' کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اگر تم جانتے ہو تو (اس کی طرف اس متنازعہ مسئلہ کو لوٹاؤ) لیکن اگر تم نہیں جانتے کہ (اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا ہے) تو اگر تم رسول اللہ تک پہنچو تو ان سے دریافت کر لو یا پھر تم میں سے جو کوئی ان تک پہنچے (وہ دریافت کر لے) کیونکہ آپ کے فیصلہ کے بعد یہ فرض ہے کہ تم میں کوئی تنازعہ باقی نہ رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وماكان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضی الله ورسوله أمرا أن یكون لهم الخیرة من أمرهم﴾ (۴) اور جو تنازعہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اٹھ کھڑا ہو تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پھر اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف لوٹایا جائے۔'' (۵)

---

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص: ۲۲
(۲) النساء: ۵۹
(۳) تفسیر الطبری ۴/۱۵۰، مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص: ۲۲
(۴) الأحزاب: ۳۶
(۵) الرسالۃ للإمام الشافعی، ص: ۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ طیبیؒ کا قول ہے:

"وأطیعوا الرسول" میں فعل کا اعادہ دراصل استقلال الرسول بالطاعۃ کی طرف اشارہ ہے۔ اولی الامر کے متعلق فعل کا اعادہ نہ ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کی اطاعت واجب نہیں ہے"۔(۱)

حافظ ابن عبدالبر نے میمون بن مہران (۱۱۰ھ) سے روایت کی ہے کہ:

"أن الرد إلى الله هو الرد إلى كتابه والرد إلى الرسول هو الرد إليه ما كان حيا فإذا مات فالرد إلى سنته."(۲)

"یعنی اللہ تعالی کی طرف لوٹانا اس کی کتاب (قرآن) کی طرف لوٹانا ہے اور رسول کی طرف لوٹانا، اگر وہ زندہ ہوں تو ان کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر وفات پا چکے ہوں تو ان کی سنت کی طرف لوٹانا ہے۔"

امام ابن حزم اندلسی (۴۵۶ھ) آیت ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول، إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر﴾ کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ یہاں "رد" سے مراد قرآن اور رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ یہ خطاب ہماری طرف اور روز قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن اور انسانوں سب کی طرف ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے لوگوں اور ان کے بعد آنے والوں کی طرف تھا۔ اگر کوئی ہیجان زدہ یا شر انگیز یہ کہے کہ یہ خطاب (ہم سے نہیں) صرف ان لوگوں سے ہے جن کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ممکن تھی تو کیا اس کا یہ شغب و ہیجان اللہ عز وجل کے بارے میں بھی ممکن اور درست ہوسکتا ہے؟ دریں حال کہ کسی شخص کے اللہ تعالی سے ہم کلام ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ پس یہ ظن وگمان باطل ہوا، اور ہماری یہ بات درست ہوئی کہ مذکورہ "رد" سے مراد کلام اللہ تعالی یعنی قرآن اور اس کے نبی ﷺ کے کلام کی طرف رجوع کرنا ہے، جو کہ ہم تک جیلاً بعد جیل منقول ہے۔"(۳)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس آیت کے تحت ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بدون أولي الأمر، رسول اللہ ﷺ کی طرف معاملہ کو لوٹانے میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اس طرح درحقیقت مطاع اللہ تعالی ہی ہے کیوں کہ یہ بات معروف ہے کہ جن دو چیزوں کا ہمیں مکلف ٹھہرایا گیا ہے وہ قرآن وسنت ہیں۔ پس اللہ کی اطاعت کرو جس کے بارے میں تمہارے لئے قرآن میں نص موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو جس بارے میں انہوں نے تمہارے لئے قرآن سے توضیح فرمائی ہے اور اپنی سنت سے جو

---

(۱) فتح الباری ۱۳/۱۱۱-۱۱۲ (۲) جامع بیان العلم ۲/۱۹۰ (۳) الإحکام فی أصول الأحکام ص:۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تمہارے اوپر نص قائم کی ہے۔ یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی کی اطاعت کرو اس بارے میں جس کا کہ تم کو اس وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے، جس کی تلاوت بھی عبادت ہے اور رسول کی اطاعت کرو اس بارے میں جس کا تم کو اس وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے جو کہ قرآن نہیں ہے۔"(۱)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"إن الرد إلى الله هو الرد إلى كتابه والرد إلى الرسول هو الرد إلى سنته بعد موته."(۲)

"یعنی اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد اس کی کتاب (قرآن) کی طرف رجوع کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

۵-اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وأطيعوا الله ورسوله ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين﴾. (۳)

"اور اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

۶-اور فرمایا:

﴿وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول واحذروا فإن توليتم فاعلموا أنما على رسولنا البلاغ المبين﴾. (۴)

"اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور احتیاط کرتے رہو، اگر کہیں تم نے پیٹھ پھیر لی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھلی ہوئی تبلیغ کی ذمہ داری ہے۔"

امام شاطبیؒ آیت "وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول" کے تحت رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں اطاعت رسول کو اللہ تعالی کی اطاعت کے ساتھ مقرون کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالی کی اطاعت یہ ہے کہ جن باتوں کا اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور جن چیزوں سے منع کیا (ان کو تسلیم کیا جائے) اور اطاعت رسول یہ ہے کہ جن چیزوں کا آپ نے حکم دیا اور جن چیزوں سے آپ نے روکا اور وہ قرآن میں مذکور نہیں ہیں (انہیں بھی تسلیم کیا جائے)۔ اگر وہ چیزیں قرآن میں ہی مذکور ہوتیں تو انکا ماننا اطاعت رسول نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کہلاتا۔"(۵)

---

(۱) فتح الباری لابن حجرؒ ۱۳/ ۱۱۱، مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص: ۲۲ (۲) الموافقات للشاطبی ۴/ ۱۰
(۳) الأنفال: ۴۶ (۴) المائدہ: ۹۲ (۵) الموافقات للشاطبی ۴/ ۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۷-مزید فرمایا:

﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفرلكم ذنوبكم والله غفور رحيم﴾.(۱)

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیگا اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اللہ تعالی نے ہر اس شخص کو جو اس کی محبت کا مدعی ہے یہ حکم دیا ہے کہ محمد ﷺ کی اتباع کرے۔ اللہ تعالی کی اتباع کا اس وقت تک کوئی معنی نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال، افعال واحوال اور ھدی کی مکمل اتباع نہ کی جائے اور آپ کے تمام اقوال، افعال، احوال اور ھدی ہی تو احادیث نبوی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص احادیث نبوی کی اتباع نہیں کرتا اور نہ ہی ان پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالی کی محبت کے اپنے دعوی میں کاذب ہے، اور جو اپنے اس دعوی میں جھوٹا ہے تو اللہ تعالی پر اس کے ایمان کا دعوی بھی جھوٹا ہے۔''(۲)

۸-اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿وماكان لمؤمن ولامؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمر ا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾ (۳)

''جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمنہ عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہ جاتا، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلم کھلا گمراہی میں جا پڑا۔''

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''یہ آیت تمام امور کے لئے عام ہے اور (اس میں یہ حکم مذکور ہے کہ) جب اللہ اور اس کا رسول کسی چیز کا فیصلہ کر دیں تو کسی کے لئے اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی کو وہاں کوئی اختیار باقی رہتا ہے، نہ رائے کا اور نہ قول کا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجدوا فى أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما﴾ اور ایک حدیث میں ہے: ''والذى نفسى بيده لايؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به'' یعنی ''قسم ہے اس ذات کی جس کے

---

(۱) آل عمران:۳۱ (۲) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۱-۲۲ (۳) الأحزاب:۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں۔'' لہذا اس بارے میں مخالفت انتہائی شدید (نتائج کی حامل ہے) چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾ یعنی ''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔'' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے: ﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم﴾ (۱)

۹- اور فرمایا:

﴿فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما﴾ (۲)

''پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ کبھی ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروائیں پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر اسے تسلیم کرلیں۔''

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے کریم ومقدس نفس کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ بلاشبہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے تمام معالات میں فیصلہ فرمائیں، پھر جو وہ فیصلہ فرمادیں وہ حق ہے جس کو ظاہری و باطنی ہر طرح تسلیم کرنا اور نافذ کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما﴾ یعنی اگر تمہارا فیصلہ رسول اللہ ﷺ فرمادیں تو تم اپنے باطن میں بھی اس کی اطاعت کرو اور اپنے دلوں میں اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پاؤ بلکہ ظاہر و باطن ہر طرح اسے نافذ کرو اور اس کو بغیر ممانعت و مدافعت اور اختلاف کے پوری طرح قبول کرو۔'' (۳)

۱۰- اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے:

﴿يايها الذين آمنوا لا تقدموا بين يدى الله ورسوله واتقوا الله إن الله سميع عليم﴾ (۴)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے خود کو نہ بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۳-۲۴ (۲) النساء: ۶۵
(۳) تفسیر ابن کثیر ۱/۱۲۰، مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۴ (۴) الحجرات: ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"......علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ" سے مراد یہ ہے کہ "لا تقولوا خلاف الکتاب والسنة" یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف کچھ نہ کہو۔ اور عوفی نے ان سے روایت کی ہے کہ "نھوا أن یتکلموا بین یدی کلامہ" یعنی: آپ کے کلام کے آگے بڑھ کر کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، مجاہد کا قول ہے: "لا تفتاتوا علی رسول اللہ ﷺ بشیء حتی یقضی اللہ تعالی علی لسانہ" اور ضحاکؒ کا قول ہے: "لاتقضوا أمرادون اللہ ورسولہ من شرائع دینکم" اور سفیان ثوری کا قول ہے: "لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ بقول ولافعل" یعنی قول و فعل سے خود کو اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھاؤ۔"(۱)

۱۱- اور فرمایا:

﴿لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن أمرہ أن تصیبھم فتنة أو یصیبھم عذاب ألیم﴾۔(۲)

"تم اپنے درمیان رسول کو ایسے نہ پکارو جیسے تم میں سے ایک شخص دوسرے کو پکارتا ہے۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو چھپ کر کھسکتے ہیں پس جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کوئی مصیبت ان کو آ دبوچے یا دردناک عذاب ان کو آ لے۔"

امام شاطبیؒ "فلیحذر الذین یخالفون عن أمرہ" کے تحت فرماتے ہیں:

"عد مخالفة أمرہ خروجا عن الإیمان فالکتاب شھد السنة بالاعتبار"۔(۳)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"اختص الرسول ﷺ بشیء یطاع فیہ۔"(۴)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بلانا امت میں سے کسی اور کے بلانے جیسا نہیں ہے بلکہ یہ تمام مخلوق کی دعوات کے مقابلہ میں عظیم ترین خطرات کا حامل اور انتہائی جلیل القدر ہے۔ لہذا اگر آپ نے کسی کو بلایا تو اس پر اجابت لازم ہے۔ بلا شبہ نبی ﷺ نے اس کے علاوہ بھی متعدد جگہ اپنی امت کو کتاب اللہ اور اپنی سنت کے ساتھ تمسک کی دعوت دی ہے۔ پس پوری امت پر فرض ہے کہ آپ کی دعوت و پکار کا جواب دیں اور استجابت سے ہاتھ پر ہاتھ نہ دھرے بیٹھے رہیں۔ جب تک امہات الکتب (صحاح ستہ وغیرہ) میں احادیث باقی رہیں گی اور قیامت کی

---

(۱) مقدمہ تحفة الأحوذی، ص: ۲۳ — (۲) النور: ۶۳

(۳) الموافقات ۴/۱۰ — (۴) نفس مصدر ۴/۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



گھڑی آنے تک دنیا میں قرآن باقی رہے گا اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی یہ دعوت بھی باقی رہے گی۔ امت میں سے کوئی بھی فرد کسی عصر اور کسی خطہ میں علماء کے درمیان ان کتب کے موجود ہونے تک اس دعوت کی اجابت سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا الخ۔"(۱)

۱۲- اور فرمایا:

﴿إنما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله وإذا كانوا معه على أمر جامع لم يذهبوا حتى يستأذنوه﴾. (۲)

"مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے۔"

اس آیت کے تحت امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"پس اگر اللہ تعالی نے ایمان کے لوازم میں سے اس بات کو لازم قرار دیا ہے کہ اگر لوگ آپ کے ساتھ ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر کسی مسلک و مذہب کو اختیار نہ کریں لہذا ایمان کے لوازم میں سے اس بات کا لازمی ہونا زیادہ اولی ہے کہ جب تک آں ﷺ کی اجازت شامل نہ ہو لوگ کسی کے قول یا مذہب علمی کی طرف التفات نہ کریں اور ظاہر ہے کہ آپ کی اجازت آپ کے ذریعہ آنے والی سنت سے بدلالت ہی معلوم ہو سکتی ہے۔"(۳)

۱۳- اور فرمایا:

﴿يا يها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه وأنه إليه تحشرون﴾ (۴)

"اے مؤمنو! تم اللہ اور رسول کی بات کو بجا لایا کرو جب کہ رسول تم کو ایسی چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں حیات نو عطا کرنے والی ہے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم سب کو اسی کے پاس جمع ہونا ہے۔"

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری محدثؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مومنوں کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی استجابت کا حکم ہے اور یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔ یہاں اللہ اور رسول اللہ کی استجابت کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے روکا گیا ہے ان سب کو قبول کیا جائے اور ان کے مقتضی کے مطابق عمل کیا جائے۔ بے شک اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے امت کے حاضر و غائب سب لوگوں کو تمسک بالثقلین (یعنی کتاب و سنت) اور ان دونوں اصل کو

---

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۳ (۲) النور:۶۲ (۳) إعلام الموقعین ۱/ ۵۸ (۴) الأنفال:۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی دعوت دی ہے۔''(۱)

۱۴-اور فرمایا:

﴿ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجرى من تحتها الأنهار خالدين فيها وذلك الفوز العظيم ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين﴾ (۲)

''اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہے گا یہ بہت بڑی کامرانی ہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اور اللہ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھے گا وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔''

۱۵-اور فرمایا:

﴿ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالا بعيدا وإذا قيل لهم تعالوا إلى ما أنزل الله وإلى الرسول رأيت المنافقين يصدون عنك صدودا﴾۔(۳)

''(اے محمد!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعوی کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لے آئے جو آپ پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی وہ چاہتے یہ ہیں کہ (اپنے مقدمات میں) طاغوت سے فیصلہ کرائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے، شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔''

۱۶-اور فرمایا:

﴿إنما كان قول المؤمنين إذا دعوا إلى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا وأولئك هم المفلحون من يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فأولئك هم الفائزون﴾.(۴)

''اور جب مومنوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۳ (۲) النساء:۱۳-۱۴ (۳) النساء:۶۰-۶۱ (۴) النور:۵۱-۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان کا قول تو یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان گئے۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کا تقوی (دل میں) رکھتا ہے تو ایسے لوگ ہی کامران ہیں۔''

۱۷- اور فرمایا:

﴿ وماآتاکم الرسول فخذوه ومانها کم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب﴾۔(۱)

''اور رسول تمہیں جو کچھ بھی دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالی سخت سزا دینے والا ہے۔''

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ سے آنے والی ہر چیز کے بارے میں عام ہے خواہ وہ امر ونھی سے متعلق ہو یا قول وفعل سے اور اگرچہ اس کا کوئی خاص سبب ہی ہو، پس خصوص سبب کا نہیں بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا۔ اور شریعت کی جو چیز بھی ان سے ہم تک پہنچی ہے وہ ہم کو آپ نے ہی دی ہے تبھی تو ہم تک پہنچ سکی ہے۔ پس یہ آیت کریمہ اس بارے میں صریح نص ہے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو کر ہم تک آئی ہے اور آپ کے جو احکام وغیرہ ہم تک پہنچے ہیں سب برابر ہیں خواہ وہ کتاب یعنی قرآن مجید میں مذکور ہوں یا سنت یعنی محکم اور ثابت احادیث نبویہ میں۔ ہمارے لئے ان سب پر عمل کرنا اور ان کا امتثال واجب ہے۔ اسی طرح ہم کو کتاب یا سنت میں جن ممنوع اور کھلی منکرات سے روکا گیا ہے ہم پر ان چیزوں سے اجتناب کرنا اور ان سے کنارہ کش ہو جانا واجب ہے...... اور وہ تمام دینی امور جو ہم کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ملے ہیں، وہ سب بھی اللہ تعالی کی طرف سے بھیجی جانے والی وحی کے مطابق ہی ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿ومایںنطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾۔(۲)

۱۸- اور فرمایا:

﴿ قل أطيعوا الله وأطيعوا الرسول فإن تولوا فإنما عليه ما حمل وعليكم ماحملتم وإن تطيعوه تهتدوا وما على الرسول إلا البلاغ المبين﴾ (۳)

''آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالی کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ راست پر جا لگو گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔''

---

(۱) الحشر: ۷ (۲) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص: ۲۱ ملخصا (۳) النور: ۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱۹-اور فرمایا:

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا﴾ (۱)

''تمہارے لئے اللہ کے رسول کے اندر بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے''۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"هذه الآية الكريمة أصل كبير في التأسي برسول الله ﷺ في أقواله وأفعاله وأحواله الخ۔"(۲)

آیات مذکورہ کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو قطعی اور کلی طور پر رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، لیکن، ہم بخوف طوالت صرف انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس بحث کو امام شافعیؒ کے مندرجہ ذیل اقتباس کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ ''باب ما أمر الله من طاعة رسول الله'' کے زیر عنوان فرماتے ہیں:

''اللہ جل ثناؤہ کا ارشاد ہوتا ہے: ﴿إن الذين يبايعونك إنما يبايعون الله يد الله فوق أيديهم فمن نكث فإنما ينكث على نفسه ومن أوفىٰ بما عاهد عليه الله فسيؤتيه أجرا عظيما﴾ (۳) یعنی ''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (فی الواقع) اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اللہ سے عہد کیا ہے تو عنقریب اللہ اس کو بڑا اجر دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (۴) یعنی ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی'' ـــــ ان آیات میں لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی بیعت، اللہ تعالیٰ سے بیعت ہے، اسی طرح ان کا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما﴾ (۵)۔ یعنی ''پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو تنازعہ واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروائیں پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کرلیں''......اور اللہ تعالیٰ فرماتا

(۱) الأحزاب:۲۱ (۲) کمانی مقدمۃ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۴ (۳) الفتح:۱۰
(۴) النساء:۸۰ (۵) النساء:۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے:﴿لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا قد يعلم الله الذين يتسللون منكم لواذا فليحذرا لذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم﴾ (۱)—یعنی ''تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں سے ایک شخص دوسرے کو بلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو آڑ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں، سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔'' اور فرمایا: ﴿وإذا دعوا إلى الله ورسوله ليحكم بينهم إذا فريق منهم معرضون وإن يكن لهم الحق يأتوا إليه مذعنين أفي قلوبهم مرض أم ارتابوا أم يخافون أن يحيف الله عليهم ورسوله بل أولئك هم الظالمون إنما كان قول المؤمنين إذا دعوا إلى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا وأولئك هم المفلحون ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فاولئك هم الفائزون﴾ (۲)— یعنی ''اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق ہو تو سر تسلیم خم کیے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہیں؟ یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ برسر ظلم ہوتے ہیں مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اس کو مان لیا۔ اور ایسے لوگ ہی فلاح پائیں گے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے، پس ایسے لوگ بامراد ہوں گے''۔۔۔۔۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتایا ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف بلایا جانا اللہ کے فیصلہ کی طرف بلایا جانا ہے کیونکہ ان کے درمیان حاکم رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگر انہوں نے رسول اللہ کے حکم کو تسلیم کر لیا تو گویا انہوں نے بافتراض اللہ، اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کر لیا، اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتایا ہے کہ رسول اللہ کا حکم بمعنی افتراض حکم خود اس کا حکم ہے......

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اپنے رسول کی اطاعت کے التزام کا حکم دیا ہے اور ان کو یہ اطلاع دی ہے کہ یہ دراصل اسی کی اطاعت ہے پس۔۔۔۔۔ "اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ علم بخشا ہے کہ ان پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اتباع فرض ہے، اس کے رسول کی اطاعت اسی کی اطاعت ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف اسی جل شانہ کے حکم کی اتباع فرض ہے۔'' (۳)

پس معلوم ہوا کہ کامل اتباع و اطاعت رسول کا نام ہی ''شریعت'' ہے۔ ●●●

---

(۱) النور: ۶۳ (۲) النور: ۴۸-۵۲ (۳) الرسالۃ، ص: ۸۲-۸۵ ملخصاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# حدیث نبوی کا منکر کافر ہے

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

''ہر وہ شخص جو رسول کریم سے ثابت شدہ صحیح حدیث کا انکار کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو حضور ﷺ سے مروی و منقول ہو اور اس پر اہل ایمان کا اجماع منعقد ہو چکا ہو تو وہ شخص کافر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم و ساء ت مصيرا﴾۔(۱)— "اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔''(۲)

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

"من رد حديث رسول الله ﷺ فهو على شفا هلكة۔"(۳)

یعنی ''جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے دہانے پر جا پڑا ہے۔''

اور امام ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) سے منقول ہے کہ ہمیں اہل علم صحابہ سے یہ عقیدہ معلوم ہوا ہے کہ ''الاعتصام بالسنن نجاة ''یعنی ''سنتوں پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے۔''(۴)

●●●

---

(۱) النساء: ۱۱۵

(۲) المحلی لابن حزم مترجم غلام احمد حریری ۱/۳۳

(۳) المناقب لابن الجوزی، ص: ۱۸۲

(۴) ترجمان السنۃ ۱/۱۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# قرآن میں مذکور لفظ ''الحکمۃ'' کے معنی ''سنت'' ہیں

اللہ عز وجل نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''الحکمۃ'' سے تعبیر کرتے ہوئے بمنزلۃ القرآن بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱-﴿ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلو عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم﴾.(۱)

''اے ہمارے رب! اس جماعت کے اندر انہی میں کا ایک رسول مبعوث فرما جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو آسمانی کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کر دے۔''

۲-﴿كما أرسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون﴾(۲)

''جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول کو تم ہی میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہاری صفائی کرتا ہے اور تم کو کتاب الٰہی اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے اور تم کو ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کی تم کو خبر نہ تھی۔''

۳-﴿واذكروا نعمة الله عليكم وما أنزل عليكم من الكتاب و الحكمة يعظكم به﴾.(۳)

''اور اللہ تعالی کی جو نعمتیں تمہارے اوپر ہیں ان کو یاد کرو اور اس کتاب اور حکمت کو جو اللہ تعالی نے تم پر اس لئے نازل فرمائی ہے کہ تم کو ان کے ذریعے سے نصیحت فرمائے۔''

۴-﴿لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين﴾.(۴)

''درحقیقت اللہ تعالی نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے رسول کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان لوگوں کی صفائی کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بالیقین یہ لوگ پہلے صریح غلطی میں تھے۔''

۵-﴿وأنزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك

---

(۱) البقرہ:۱۲۹ (۲) البقرہ:۱۵۱
(۳) البقرہ:۲۳۱ (۴) آل عمران:۱۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


عظیما﴾. (۱)

''اور اللہ تعالی نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالی کا بڑا فضل ہے۔''

۶-﴿واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات الله والحکمة إن الله کان لطیفا خبیرا﴾.(۲)

''اور تم ان آیات الٰہیہ اور علم حکمت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالی بڑا راز داں اور پورا خبر دار ہے۔''

۷-﴿هو الذی بعث فی الأمیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾.(۳)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت سکھلاتا ہے۔ اور یہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

جمہور ائمہ لغت و مفسرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ان تمام آیات میں ''الکتاب" سے مراد کتاب اللہ یا قرآن کریم ہے اور ''الحکمة'' سے مراد قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ لغوی اعتبار سے "الحکمة" کئی معانی کے لئے بولا جاتا ہے مثلاً حق بات پر پہنچنا، عدل و انصاف، علم و حلم وغیرہ (قاموس)۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ: ''جب یہ لفظ اللہ تعالی کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جاتا ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لئے جاتے ہیں، پس لفظ ''حکمت'' عربی زبان میں کئی معانی کے لئے یعنی علم صحیح، نیک عمل، عدل و انصاف، قول صادق وغیرہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ (قاموس و راغب)

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ''الحکمة'' کا لفظ آیا ہے اس سے صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی مراد لینا درست نہیں ہے البتہ جن آیات میں ''الکتاب'' کے ساتھ ''الحکمة" کا ذکر بھی آیا ہے، مثلاً مندرجہ بالا تمام آیات میں، وہاں اس سے مراد شریعت کے وہ احکام اور دین کے وہ اسرار ہیں جن پر اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا۔ چنانچہ امام شافعیؒ آیات مذکورہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فذکر الله الکتاب وهو القرآن وذکر الحکمة فسمعت من ارضی من أهل العلم بالقرآن یقول: الحکمة سنة رسول اللهﷺ......وذکر الله منّه علی خلقه بتعلیمهم الکتاب والحکمة فلم یجز أن یقال الحکمة هاهنا إلا سنة رسول الله."(۴)

''یعنی اللہ تعالی نے اس آیت میں جس کتاب کا ذکر فرمایا ہے وہ قرآن ہے اور جس حکمت کا ذکر فرمایا ہے تو

(۱) النساء:۱۱۳ (۲) الأحزاب:۳۴ (۳) الجمعہ:۲ (۴) الرسالہ:۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں نے قرآن کے ان اہل علم حضرات سے کہ جنہیں میں پسند کرتا ہوں سنا ہے کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے ...... اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو کتاب وحکمت کی تعلیم فرما کر ان پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔لہذا کسی کیلئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہاں ''حکمت'' سے مراد سنت رسول اللہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے،امام ابن جریر طبریؒ اپنی شاہکار تفسیر میں بہت سے اہل علم حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فی الحکمة أن العلم بأحکام الله التی لا یدرك علمهما إلا ببیان الرسول ﷺ والمعرفة بها ومادل علیها فی نظائره وهو عندی مأخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الباطل والحق۔"(۱)

''یعنی ہمارے نزدیک درست بات یہ ہے کہ حکمت سے مراد اللہ تعالی کے ان احکام کا علم ہے کہ جن کے علم کا ادراک رسول اللہ ﷺ کے بیان اور اس کی معرفت کے بغیر ممکن نہ ہو اور جو چیز اس کے نظائر میں اس پر دلالت کرتی ہے وہ میرے نزدیک یہ ہے کہ حکمت حکم سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق و باطل کے درمیان فصل وتمیز کے ہیں۔''

امام شافعیؒ اپنی کتاب ''الام'' میں سورۃ الجمعہ کی آیت۔۲،اور سورۃ الاحزاب کی آیت۔۳۴ وغیرہ کے تحت فرماتے ہیں:

''ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں ''الکتاب'' سے مراد کتاب اللہ ہے،لیکن ''الحکمة'' کیا چیز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔''(۲)

حافظ ابن عبد البرؒ نے آیت: ''واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات الله والحکمة'' کے بارے میں حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''من القرآن والسنة'' اور سعید بن أبی عروبہ نے اس آیت کے متعلق قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ''یرید السنة یمن علیهن بذلك'' اور ہذلی نے آیت:﴿ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾ کی تفسیر میں حضرت حسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''الکتاب'' سے مراد قرآن اور ''الحکمة'' سے مراد سنت ہے۔''(۳)

مشہور اور متداول تفسیر ''الجلالین'' میں بھی ''الحکمة'' کی تفسیر میں متعدد مقامات پر ''السنة'' اور ''مافیه من الأحکام'' ہی درج ہے۔(۴)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"إن الله سبحانه وتعالی أنزل علی رسوله وحیین وأوجب علی عباده الإیمان بهما

---

(۱) تفسیر ابن جریر الطبری،سورہ آل عمران:۱۶۴
(۲) کتاب الأم ۷/۲۷۰-۲۷۱
(۳) جامع بیان العلم لابن عبد البر ۱/۱۷
(۴) تفسیر الجلالین بھامش المصحف الشریف ص:۵۵۴،۹۰،۲۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



والعمل بما فيهما وهما الكتاب والحكمة،وقال تعالى: وأنزل الله عليك الكتاب والحكمة، وقال تعالى: هوالذى بعث فى الأميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة،وقال تعالى: واذكرن ما يتلى فى بيوتكن من آيات الله والحكمة ، والكتاب هو القرآن والحكمة هى السنة باتفاق السلف وما أخبر الرسول عن الله فهو فى وجوب تصديقه والإيمان به كما أخبر به الرب تعالى على لسان رسوله هذا أصل متفق عليه بين أهل الإسلام لاينكره إلا من ليس منهم وقد قال النبى ﷺ إنى أوتيت الكتاب ومثله معه۔"(۱)

''اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے رسول پر دوقسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں (اس کے بعد علامہ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو اوپر پیش کی جا چکی ہیں جن میں کتاب وحکمت کی تنزیل وتعلیم کا ذکر اور اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے۔ان آیات کو درج کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں:)___ کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماع سلف سنت مراد ہے۔رسول نے اللہ سے پا کر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں۔یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔اس کا انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے۔خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے یعنی ''سنت''۔

محترم مفتی محمد شفیع صاحب سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مفسرین صحابہ وتابعین جو معانی قرآن کی تشریح آں حضرت ﷺ سے سیکھ کر کرتے ہیں، اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے، یعنی سنت رسول اللہ ﷺ، امام تفسیر ابن کثیرؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت قتادہؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا اور کسی نے کہا کہ ایسے احکام الہیہ کا علم جو رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان سب کا حاصل وہی حدیث وسنت رسول اللہ ﷺ ہے۔''(۲)

آں رحمہ اللہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۴ کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں:

''آیات اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنت رسول ہے جیسا کہ عام مفسرین نے حکمت کی تفسیر اس جگہ سنت سے کی ہے۔''(۳)

اور سورۃ الجمعہ کی آیت ۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

(۱) کتاب الروح لابن قیم، ص:۹۲ (۲) معارف القرآن ۱/۳۷۳ (۳) نفس مصدر ۷/۱۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''تیسرا مقصد یعلمهم الکتاب والحکمة، کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں۔ اسی لئے بہت سے حضرات مفسرین نے یہاں حکمت کی تفسیر سنت سے فرمائی ہے۔''(۱)

اور جناب حبیب الرحمٰن اعظمی فرماتے ہیں:

''کتاب وسنت کے انہیں نصوص کی بناء پر تمام ائمہ وعلمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ یعلمهم الکتاب والحکمة اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو الحکمة کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے۔''(۲)

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی ''الکتاب" کے ساتھ لفظ "الحکمة" مذکور ہے اس کا اطلاق نہ "الکتاب" پر ممکن ہے اور نہ ''الکتاب" کا ''الحکمة" پر، لہٰذا ''الکتاب'' سے مراد بلاشبہ قرآن ہے جو کہ معجز کلام الٰہی ہے اور ''الحکمة'' سے مراد وہ سنت نبوی ہے جو انسان میں معرفت حقائق اور فکر وعمل کی صحیح راہ کی تعیین کی صلاحیت پیدا کرتی ہے، واللہ اعلم۔

مگر جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے نزدیک ''حکمت'' قرآن کا ہی ایک جزو ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''حکمت کے متعلق ایک نہایت ہی اہم سوال یہ ہے کہ حکمت قرآن ہی کا ایک جزو ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کتاب الٰہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے اسی طرح حکمت پر بھی مشتمل ہے۔ لیکن ہمارا یہ دعوی ان لوگوں کے خیال کے خلاف پڑے گا جو حکمت سے حدیث یا بعض دوسرے علوم مراد لیتے ہیں اور چونکہ یہ مذہب بعض اکابر ملت، مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ کا بھی ہے اس وجہ سے اس کو نظر انداز کرنا مشکل ہے لہٰذا دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ حکمت سے حدیث مراد لیتے ہیں ان کی دلیل کیا ہے؟ ان کی دلیل یہ ہے کہ حکمت کا لفظ مندرجہ صدر آیت میں کتاب کے لفظ کے ساتھ آیا ہے۔ کتاب سے یہ لوگ قرآن مجید، باعتبار مجموعی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ حکمت سے کوئی اور چیز مراد لیں اور قرآن کے بعد ظاہر ہے کہ حدیث کے سوا کوئی دوسری چیز اس لفظ کا مدلول نہیں بن سکتی۔ لیکن اوپر کے مباحث سے یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ استدلال کچھ مضبوط نہیں ہے۔ آیت مذکورہ میں، جیسا کہ ہم نے تشریح کی ہے، کتاب سے مراد احکام وقوانین ہیں اس لئے حکمت کے لئے خود قرآن میں کافی گنجائش ہے۔ اس سے حدیث یا قرآن سے خارج کسی اور شئی کو مراد لینا کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حدیث میں بھی حکمت ہے۔ حدیث کا رتبہ بہت بلند ہے۔ وہ امت کے لئے قرآن کے بعد دوسری چیز ہے۔ اس میں خود حکمت قرآن کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہے، پھر اگر حدیث میں حکمت نہ ہوگی تو کہاں ہوگی؟ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کہ

---

(۱) معارف القرآن ۸/۴۳۵ (۲) مقدمہ معارف الحدیث ۱/۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اس آیت میں حکمت سے مراد حدیث ہے۔مختلف وجوہ اور قرائن اس کے خلاف ہیں۔ان میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں:

۱-متعدد آیات میں حکمت کے لئے يتلى ،أنزل اور أوحي کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال حدیث کے لئے قرآن میں کہیں نہیں ہوا ہے مثلاً (پھر آں محترم سورۃ النساء کی آیت ۱۱۳، سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۴، اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۹ نقل فرماتے ہیں)۔

۲-مختلف مواقع پر قرآن مجید کے دلائل و براہین کو حکمت بالغہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور خود قرآن کو قرآن حکیم اور کتاب حکیم وغیرہ کہا گیا ہے مثلاً ''حكمة بالغة''(۱)___(نہایت دل نشیں حکمت) اور ''والقرآن الحكيم''(۲)___(شاہد ہے پُر حکمت قرآن)___(پھر آں محترم نے سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۰ اور سورۃ الزخرف کی آیت ۶۳ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:)

''ان وجوہ کی بناء پر حکمت سے صرف حدیث کو مراد لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ حدیث حکمت میں شامل ہے۔ یہ غلط فہمی کتاب اور حکمت، دونوں لفظوں کے اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، لیکن ہم نے جو پہلو واضح کئے ہیں ان کی روشنی میں دونوں کے حدود الگ الگ ہو جاتے ہیں، جس کے بعد یہ غلط فہمی باقی نہیں رہتی۔''(۳)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی تمام آیات احکام الٰہی اور حکمت سے بھرپور ہیں لیکن جن آیات کو اوپر پیش کیا گیا ہے ان میں ''الكتاب'' اور ''الحكمة'' دونوں کو حرف عطف ''واؤ'' کے ساتھ جوڑا گیا ہے جس سے ''الكتاب'' کی طرح ''الحكمة'' کی بھی ایک علیحدہ اور مستقل حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔حکمت تو ایک قدر مشترک ہے جو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ (یا سنت) دونوں میں موجود ہے پس جس طرح سنت میں معارف قرآن کی موجودگی قرآن کی جداگانہ حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتی اسی طرح قرآن کے پُر حکمت اور حکیم ہونے سے ''الحكمة'' کی مستقل اور علیحدہ حیثیت کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

جناب اصلاحی صاحب کو بظاہر ''الكتاب'' سے ''قرآن مجید باعتبار مجموعی'' مراد لینے پر بھی اعتراض ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ''الكتاب'' سے ''قرآن مجید باعتبار مجموعی'' مراد نہ لیا جائے تو لامحالہ اس میں احادیث کو بھی داخل وشامل سمجھنا پڑے گا کیونکہ خود بقول اصلاحی صاحب ''حدیث حکمت میں شامل ہے'' نیز ''اس میں (خود) حکمت قرآن کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہے، پھر اگر حدیث میں حکمت نہ ہوگی تو کہاں ہوگی''؟ اور ''حکمت'' کے متعلق آں محترم پہلے ہی فرما چکے ہیں کہ ''کتاب الٰہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے اسی طرح حکمت پر بھی مشتمل ہے۔''

---

(۱) القمر: ۵ (۲) یٰسین: ۲ (۳) مبادئ تدبر قرآن، ص: ۱۱۰-۱۱۳ ملخصاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



____ لیکن جمہور امت میں سے کوئی بھی سنت کے داخل وشامل قرآن ہونے کا قائل نہیں ہے۔

جناب اصلاحی کا یہ دعویٰ بھی اور دوسرے بہت سے علماء کی طرح غلط ہے کہ ''وہ (سنت) امت کے لئے قرآن کے بعد دوسری چیز ہے۔'' لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، عنوان: ''اصول شریعت میں سنت کی ثانوی حیثیت نا قابل قبول ہے'' کے تحت اس بارہ میں سیر حاصل بحث کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ حدیث کے لئے قرآن میں یتلی، انزل اور اوحی کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔ اس دعویٰ کے بطلان پر ہم مولانا موصوف کو سورۃ النجم کی آیات: ۳، ۴ پڑھنے کا مشورہ دیں گے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ﴿وماینطق عن الهوى إن هو وحي يوحى﴾ یعنی ''رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں فرماتے۔ آپ کا ہر ارشاد وحی ہوتی ہے، جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے'' ____ اور کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو ہی حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے وحی ہونے کے متعلق تفصیل ''سنت نبوی بھی وحی پر مبنی ہے'' کے زیر عنوان آگے بیان کی جائے گی۔ یہاں پر بعض لوگ یہ مغالطہ بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن میں: ﴿ولقد آتينا لقمان الحكمة﴾۔(۱) ____ یعنی ''ہم نے لقمان کو حکمت دی''، تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ لقمان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں دی گئی تھیں؟'' ____ لیکن یہ اعتراض کج بحثی کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ ہم نے اوپر واضح کر دیا ہے کہ قرآن میں مذکورہ لفظ ''الحكمة'' کے معنی علی الاطلاق سنت نبوی کے نہیں ہیں بلکہ جہاں الکتاب کے ساتھ ''الحكمة'' کا تذکرہ ہے وہاں ''الحكمة'' سے مراد اسوہ نبوی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ سورۃ الاحزاب: ۳۴ میں ﴿واذكرن ما يتلى في بيوتكن الخ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت قرآن میں شامل ہے ورنہ احادیث کی تلاوت کون کرتا ہے؟ ____ لیکن یہاں اردو میں رائج لفظ ''تلاوت'' کے مفہوم کو آیت مذکورہ پر منطبق کرنے سے یہ مغالطہ پیدا ہوا ہے۔ عربی لغت میں ''تلاوت'' کے معنی کسی چیز کو پڑھنے اور پیروی کرنے کے ہیں جبکہ اردو زبان میں اسے خاص طور پر قرآن کریم پڑھنے کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن میں لفظ ''تلاوت'' کو غیر قرآن کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿واتبعوا ما تتلوا الشياطين على ملك سليمان﴾ (۲) یعنی ''انہوں نے اس چیز کی اتباع کی جو شیاطین عہد سلیمان میں پڑھا کرتے تھے۔'' اور ﴿قل فأتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين﴾۔(۳) ____ یعنی ''فرما دیجئے کہ پھر تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو۔''

پس ثابت ہوا کہ جناب اصلاحی صاحب وغیرہ نے اپنے مذکورہ بالا ''دعویٰ'' کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ کچھ زیادہ قوی نہیں ہیں۔ اپنے منفرد موقف کی کمزوری کا خود انہیں بھی احساس تھا چنانچہ لکھتے ہیں: ''......اس وجہ

---

(۱) سورہ لقمان: ۱۲ (۲) البقرہ: ۱۰۲ (۳) آل عمران: ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے اس کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔'' آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے کہ ''یہ غلط فہمی کتاب اور حکمت، دونوں لفظوں کے اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی الخ۔'' لیکن یہ بات بھی درست نہیں ہے کیونکہ اصلاً غلط فہمی ''کتاب'' و ''حکمت'' کے اکٹھے ہو جانے کے باعث نہیں بلکہ جناب اصلاحی صاحب کے استاذ و مرشد محترم حمید الدین فراہی صاحب کی ''مفردات القرآن'' کی درج ذیل عبارت سے واقع ہوئی ہے:

"..... ثم استعملها الله تعالى فى أكمل أفرادها فسمى الوحي حكمة كما سماه نورا وبرهانا وذكرا ورحمة ومن هذه الجهة سمى القرآن حكيما أى ذاحكمة كما سمى نفسه حكيما وعليما۔"(۱)

یعنی ''پھر اللہ تعالی نے اس کو اس کے اعلی ترین مفہوم کے لئے استعمال کیا، یعنی وحی کے لئے، وحی کو جس طرح نور، برہان، ذکر، رحمت وغیرہ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح اس کو حکمت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے اور اس پہلو سے قرآن مجید کا نام حکیم رکھا جس طرح اپنی ذات کے لئے حکیم و علیم کے لفظ استعمال کئے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی منفرد رائے قطعا نا قابل قبول ہے، صحیح مسلک وہی ہے جو حضرت قتادہ، سعید بن أبی عروبہ، ہذلی، حسن بصری، ابن جریر الطبری، امام شافعی، ابن عبد البر، سیوطی اور ابن کثیر وغیرہم رحمہم اللہ سے منقول ہے، واللہ أعلم۔

●●●

(۱) مبادئ تدبر قرآن، ص: ۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# سنت نبوی بھی وحی پر مبنی ہے

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں کسی مومن کو قطعاً کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی شک ہے کہ آں ﷺ امت مسلمہ کے ہادیٔ اعظم اور قائد اعظم ہونے کے ساتھ قرآن کریم کے شارح ومفسر بھی تھے۔ آپ کو دین سماوی کی تکمیل، تعلیم، ترویج، تبلیغ اور اشاعت کے ساتھ پوری انسانیت کی فوز وفلاح اور خیر ونصح کے لئے بھی مبعوث فرمایا گیا تھا۔ پس جب دین اسلام اللہ تعالی کا پسندیدہ دین ہے، قرآن کریم اس دین کی ایک اہم بنیاد ہے اور نبی ﷺ کو اس کی شرح اور جزئیات دین کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ہی مبعوث فرمایا گیا ہے تو آپ کی بیان کردہ قرآن کی شرح اور دین کی تعلیمات کو غیر اللہ کی جانب سے سمجھنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔ دین اسلام جو تمام بشر کے لئے فلاح دارین کا ضامن ہے اصلاً دو بنیادی اصولوں پر قائم ہے: قرآن اور اس کی تشریح وبیان جو کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سے عبارت ہے۔ اگر قرآن کریم کے ساتھ اس جزء کو شامل نہ کیا جائے تو بلاشبہ دین نامکمل رہتا ہے، پس تکمیل دین کا تقاضہ ہے کہ جن چیزوں کا صدور رسول اللہ ﷺ سے ہوا ہے وہ بھی وحی الٰہی پر مبنی ہوں۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے:

﴿وماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾(۱)

"رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں فرماتے۔ آپ کا ارشاد نری وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔"

اس چیز پر اور بھی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں چنانچہ اجماع امت سے جو چیز حاصل اور ثابت ہے وہ یہ ہے کہ سنت بھی وحی ہے۔ جو چیز قرآن اور سنت میں امتیاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن معجز متلو ہے اور سنت غیر معجز غیر متلو ہے۔ ہم ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے سنت کا وحی منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے:

۱- اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وماجعلنا القبلة التى كنت عليها إلا لنعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على عقبيه وإن كانت لكبيرة إلا على الذين هدى الله وماكان الله ليضيع إيمانكم إن الله بالناس لرء وف رحيم.قد نرى تقلب وجهك فى السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره﴾(۲)

---

(۱) النجم: ۳،۴ (۲) البقرہ: ۱۴۳،۱۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''اور جس قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ (ﷺ) کی اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے اور یہ (تحویل قبلہ منحرف لوگوں پر) بڑا ثقیل ہے مگر جن کو اللہ تعالی نے ہدایت فرمائی ہے۔ اللہ تعالی ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ بے شک اللہ تعالی لوگوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ ہم بار بار آپ کے منہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے پس اپنا چہرہ (حالت نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی طرف کیا کرو۔''

اس آیت میں لفظ "جعلنا" ہمیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ کعبۃ اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنائے جانے سے قبل (یعنی مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی میں) رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنے پر مامور تھے لیکن قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ تعالی نے مسجد حرام کو قبلہ بنانے سے قبل آپ کو بیت المقدس کی جانب متوجہ ہونے کا حکم فرمایا تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آں ﷺ کے پاس وحی آتی تھی جس کے ذریعہ آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔

۲- قرآن کریم میں ہے:

﴿وإذ أسر النبي إلى بعض أزواجه حديثا فلما نبأت به وأظهره الله عليه عرف بعضه وأعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من أنباك هذا قال نبأني العليم الخبير﴾(۱)

''اور جب کہ نبی ﷺ نے اپنی کسی زوجہ سے ایک بات چپکے سے فرمائی مگر جب آپ کی اس زوجہ نے وہ بات (دوسری بیویوں کو) بتا دی اور اللہ تعالی نے آپ کو اس سے باخبر کر دیا تو آپ نے (اس راز ظاہر کرنے والی بیوی کو) تھوڑی سی بات جتلا دی اور تھوڑی سی بات ٹال گئے۔ جب آپؐ نے اس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگی آپ کو کس نے خبر کر دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے علیم (یعنی بڑے جاننے والے) اور خبیر (یعنی بڑے خبر رکھنے والے) نے مطلع کیا ہے۔''

لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں بھی علیم وخبیر کا اپنے نبی کو اس بات سے مطلع کرنا مذکور نہیں ہے کہ آپؐ کی اس زوجہ نے آپؐ کا راز دوسری بیویوں کو بھی بتا دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ کے پاس وحی آتی تھی جس کے ذریعہ آپؐ کو اس واقعہ سے باخبر کیا گیا تھا۔

۳- اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله﴾(۲)

---

(۱) التحریم:۳ (۲) الحشر:۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹے یا ان کو جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ چیز اللہ کے ہی حکم (اور رضا) کے مطابق ہے۔''

لیکن مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودی قبیلہ بنونضیر کی بدعہدی کے نتیجہ میں کی جانے والی اس تادیبی کاروائی میں جس ''اذن الٰہی'' کا تذکرہ ہے وہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"ولانجد في القرآن ذلك الإذن،فثبت قطعيا أن الرسول ﷺ كان يأتيه الوحي أيضا كما قلنا سابقا۔"(۱)

۴۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فلما قضى زيد منها وطرا زوجناكها لكي لايكون على المؤمنين حرج في أزواج أدعيائهم إذا قضوا منهن وطرا﴾(۲)

''پس جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں بیٹیوں کے (نکاح کے) بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں۔''

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب (سابقہ زوجہ حضرت زید بن حارثہ) سے شادی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کی تھی لیکن قرآن میں یہ اذن کہیں مذکور نہیں ہے البتہ مختلف احادیث میں بصراحت مذکور ہے کہ نبی ﷺ کی یہ شادی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی ہوئی تھی۔(۳)

۵-اور فرمایا:

﴿يا يها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون۔فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون۔وإذا راو تجارة أو لهوا انفضوا إليها وتركوك قائما قل ما عند الله خير من اللهو ومن التجارة والله خير الرازقين﴾(۴)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔ پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۴/۳۳۳-۳۳۴ (۲) الأحزاب:۳۷
(۳) تفسیر ابن کثیر ۳/۴۹۱ ملخصا (۴) الجمعہ:۹-۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ ایسے مشاغل اور تجارت سے بدر جہا بہتر ہے اور اللہ ہی سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے:

''جمعہ کی نماز، اس کی اذان اور اس کے خطبہ سے متعلق یہاں مسلمانوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں اور ان کی ایک غلطی پر جس طرح تنبیہ کی گئی ہے اس کا انداز شاہد ہے کہ جمعہ کے قیام سے متعلق ساری باتیں اللہ تعالی کے حکم سے انجام پائی ہیں، حالانکہ قرآن میں کہیں بھی جمعہ کا کوئی ذکر نہ اس سے پہلے آیا ہے، نہ اس کے بعد ہے، بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ اس کے قیام کا اہتمام ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ نے فرمایا اور لوگوں کو آپ ہی نے اس کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ پھر جب لوگوں سے اس کے آداب ملحوظ رکھنے میں کوتاہی ہوئی تو اس پر قرآن نے اس طرح گرفت فرمائی گویا براہ راست اللہ تعالی ہی کے بتائے ہوئے احکام و آداب کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ رسولؐ کے دئے ہوئے احکام بعینہ اللہ تعالی کے احکام ہیں۔ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو، رسول کی طرف نسبت کی تحقیق تو ضروری ہے، لیکن ثابت ہے تو ان کا انکار خود اللہ تعالی کے احکام کا انکار ہے۔''(۱)

۶-اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿وإذا ناديتم إلى الصلوة اتخذوها هزوا ولعبا ذلك بأنهم قوم لايعقلون ﴾(۲)

''اور جب نماز کے لئے پکارتے ہو (اذان) تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بالکل عقل نہیں رکھتے۔''

مذکورہ بالا آیت نمبر:۵ و آیت نمبر:۶ سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے بھی اذان ایک دینی عمل کی حیثیت سے رائج تھی لیکن قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں بتائی جا سکتی جس کے ذریعہ اذان کا حکم دیا گیا ہو۔

۷-ارشاد ہوتا ہے:

﴿ولاتصل على أحد منهم مات أبدا﴾(۳)

''اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس پر کبھی نماز (جنازہ) نہ پڑھئے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزول سے قبل ہی نماز جنازہ مشروع ہو چکی تھی اور رسول ﷺ اموات کے جنازوں پر نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ قرآن میں نازل ہونے والی اس سے پہلے کوئی آیت نہیں بتائی جا سکتی جس میں نبی ﷺ کو یا مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

---

(۱) تدبر قرآن ۷/۳۸۸ (۲) المائدہ:۵۸

(۳) التوبہ:۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۸-اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿وإذ يعدكم الله إحدى الطائفتين أنها لكم﴾(۱)

''اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی۔''

کیا بغیر احادیث کی مدد کے کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ دو جماعتیں کون تھیں اور اللہ تعالیٰ جس وعدہ کو یہاں یاد دلا رہا ہے وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں مذکور ہے؟ اگر قرآن میں نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن بخوف طوالت ہم صرف ان چند مثالوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اب ذیل میں سنت نبوی کے وحی من عند اللہ ہونے کے بارے میں بعض احادیث و آثار ملاحظہ فرمائیں:

۱-مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه، ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وإنما حرم رسول الله كما حرم الله''۔(۲)

ترجمہ: ''آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک اور چیز۔ عنقریب ایک سیر شکم آدمی مسند سے ٹیک لگائے یوں کہے گا کہ قرآن کا دامن تھامے رہو۔ جو چیز اس میں حلال ہو اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو لیکن خبردار رہو کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی مانند حرام ہے۔''

اس حدیث میں آں ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''مجھے کتاب جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے'' کے معنی یہ ہیں کہ مجھے کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اس کی توضیح و تفسیر بھی بارگاہ الٰہی سے عطا کی گئی ہے۔ اسی کے پیش نظر آپ قرآنی آیات کی تخصیص فرماتے، ان کی تشریح و توضیح فرماتے، بعض احکام کو منسوخ فرماتے اور اس کے بعض احکام پر اضافہ فرماتے تھے۔ پس آں ﷺ کی بیان کردہ تفسیر قرآن اسی طرح واجب العمل اور لازم القبول ہوئی جس طرح کہ قرآن کریم واجب العمل اور لازم القبول ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ ''وجوب'' و ''لزوم'' سنت کے وحی ہونے کے باعث ہی ہے۔ اس

---

(۱) الأنفال: ۷

(۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/ ۳۲۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۳۷۴، سنن ابن ماجہ ۱/ ۶، سنن الدارقطنی ۴/ ۲۸۷، سنن الکبری للبیہقی ۹/ ۳۳۲، الشریعۃ للآجری ص: ۵۱، مسند احمد ۴/ ۱۳۰، ۱۳۲، الدارمی المقدمۃ باب السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ ۱/ ۱۴۴، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ۲/ ۱۹۰، تفسیر القرطبی ۱/ ۳۷-۳۸، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب بغدادی ص: ۸، لسان المیزان لابن حجر ۱/ ۳، حجۃ اللہ البالغہ لشاہ ولی اللہ الدہلوی ۱/ ۴۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حدیث میں اس معنیٰ کا بھی احتمال ہے کہ وحی متلو کے علاوہ مجھے وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی ہے۔ اس کی تائید آیت:
﴿وماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾ سے ہوتی ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ:

''هذا الحديث يحتمل وجهين أحدهما أنه أوتى من الوحى الباطن غير المتلو مثل ما أوتي من الظاهر المتلو والثانى أن معناه أنه أوتى الكتاب وحيا يتلى وأوتى مثله من البيان أى أذن له أن يبين ما فى الكتاب فيعم ويخص وأن يزيد عليه فيشرع ماليس فى الكتاب له ذكر فيكون ذلك فى وجوب الحكم ولزوم العمل به كالظاهرالمتلو من إلقرآن''۔(۱)

اور اسی طرح اس حدیث میں ''مثله معه'' کی تشریح کرتے ہوئے علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

''معناه على وجهين أنه أوتى من الوحى الباطن غير المتلو مثل ما أوتى من الظاهر المتلو،أوتى الكتاب وحيا يتلى وأوتى مثله من البيان أى أذن له أن يعم ويخص وأن يزيد عليه وأن يشرع ما ليس في الكتاب له ذكر فيكون ذلك فى وجوب الحكم ولزوم العمل كالظاهر المتلو من القرآن يعنى أوتيت القرآن وأحكاما ومواعظ وأمثالا تماثل القرآن في كونها واجبة القبول أو فى المقدار،فيه رد على الخوارج والروافض تعلقوا بظاهر القرآن وتركوا السنن التي قد ضمنت بيان الكتاب فتحيروا وضلوا۔"(۲)

ترجمہ: ''حدیث کے مثل قرآن ہونے کی تشریح دو طرح کی جاسکتی ہے۔ اولاً جس طرح آپ کو وحی متلو عطا ہوئی اسی طرح آپؐ کو وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی ہے۔ ثانیاً آپؐ کو الکتاب بطور وحی دی گئی ہے۔ اس کے مثل آپ کو بیان و شرح پر مشتمل وحی بھی عطا ہوئی ہے یعنی آپؐ کو اجازت دی گئی ہے کہ آپ قرآن کے عموم کو خاص اور خصوص کو عام قرار دیں، قرآن سے زائد احکام بیان فرمائیں۔ اور جن امور کا قرآن میں ذکر نہیں ہے ان کو قانونی طور پر امت پر نافذ کریں۔ یہ مماثلت وجوب حکم اور لزوم عمل کی بناء پر ہے یعنی میں قرآن دیا گیا ہوں اور احکام، مواعظ اور امثال بھی دیا گیا ہوں جن کا قبول کرنا قرآن کی طرح ہی لازم ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقدار کے اعتبار سے مماثلت مراد ہو۔ اس میں ان خوارج و روافض کا رد موجود ہے جنہوں نے قرآن کے ظاہری الفاظ کو لے لیا اور قرآن کی تشریحات پر مشتمل سنن کو ترک کر دیا اور گمراہی میں جا پڑے۔''

شارح سنن ابوداود علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے بھی "مثله معه" کی شرح میں تقریباً یہی بات تحریر فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"أى الوحي الباطن غير المتلو أو تأويل الوحي الظاهر وبيانه بتعميم وتخصيص وزيادة

---

(۱) کمافی عون المعبود للعظیم آبادی ۴/ ۳۲۸ (۲) معالم السنن للخطابی ۷/ ۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ونقص أو أحكاما ومواعظ وأمثالا تماثل القرآن في وجوب العمل أو في المقدار.."(۱)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''مذکورہ صدر حدیث میں اس سنت نبوی کی مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے جس پر آں ﷺ نے عمل فرمایا ہو مگر قرآن میں اس کا تذکرہ نہ ہو، خوارج اور شیعہ وغیرہ کے گمراہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ظواہر قرآن سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو ترک کرتے ہیں جن میں قرآن کریم کی شرح وتفسیر درج ہوتی ہے''۔(۲)

۲-عبیداللہ بن ابی رافع اپنے والد سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"لاألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمری مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا أدری ما وجدناه في كتاب الله اتبعناه۔"(۳)

ترجمہ: ''میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر مسند نشین ہو اور اس کے پاس جب میرے احکام میں سے کوئی امر یا نہی پہنچے تو وہ کہہ دے کہ میں انہیں نہیں جانتا، ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا ہے ہم صرف اسی کی اتباع کرتے ہیں''۔

واضح رہے کہ بقول علامہ خطابیؒ ''ابو رافع (مولی رسول اللہ ﷺ) اور مقدام بن معدیکرب کی مذکورہ بالا دونوں روایتیں متعدد کتب حدیث میں درج ہیں اور ان کی اسناد پر محدثین نے اعتماد کیا ہے''۔(۴)

۳-شامی ثقہ تابعی حضرت حسان بن عطیہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ:

"كان جبريل عليه السلام ينزل على رسول الله ﷺ بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن ويعلمه كما يعلمه القرآن".(۵)

ترجمہ: ''جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر سنت لے کر اسی طرح نازل ہوتے تھے جس طرح کہ آپ پر قرآن لے کر نازل ہوا کرتے تھے اور آپ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح کہ قرآن سکھاتے تھے۔''

امام دارمیؒ نے اسے یحییٰ بن کثیر سے بھی تخریج کیا ہے۔(۶) امام شاطبیؒ نے امام اوزاعیؒ سے نقل کیا ہے: "كان الوحي ينزل على رسول الله ﷺ ويحضره جبريل بالسنة التي تفسر ذلك۔" (الموافقات ۴/۲۶)

---

(۱) عون المعبود للعظیم آبادی ۴/ ۳۲۸

(۲) تفسیر القرطبی ۱/ ۳۷-۳۸

(۳) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/ ۳۲۹، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/۴/۳۷۴، سنن ابن ماجہ ۱/ ۶، مسند احمد، دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۱۰، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب ص ۱۰، (۴) معالم السنن للخطابی ۷/ ۸

(۵) أخرجہ ابوداؤد فی مراسیلہ والبیہقی والدارمی ۱/ ۱۴۵، والخطیب فی الکفایۃ ص: ۱۲، وذکرہ الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری ۱۳/ ۲۹۱ ومحمد جمال الدین القاسمی فی قواعد التحدیث ص: ۵۹ (۶) کمافی تحفۃ الأحوذی ۳/۴/۳۷۴، والمرقاۃ للقاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبریلؑ آپ کے پاس وہ سنت لے کر آتے تھے جو اس (وحی) کی تفسیر کر دیتی تھی۔"

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

"كان جبريل ينزل بالقرآن والسنة ويعلمه إياها كما يعلمه القرآن."(۱)

امام مروزیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"كان جبريل إذ نزل بالقرآن على النبي ﷺ يأخذه بالغشوة فيلقيه على قلبه فيسري عنه و قد حفظه فيقرؤه وأما السنن فكان يعلمه جبريل ويشافهه به."(۲)

۴-مکحول سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"آتاني الله القرآن ومن الحكمة مثليه."(۳)

یعنی "مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اور اس کے مثل دو چند حکمت بھی (عطا کی ہے)۔"

۵-ابن شہاب نے عن الأعرج عن أبي هريرة روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیات موجود نہ ہوتیں تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا (پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:) ﴿إن الذين يكتمون ما أنزل الله من الكتاب﴾ اور ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى﴾ (۴)

اس حدیث سے حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک سنت رسول اللہ ﷺ کا وحی اور منزل من اللہ ہونا ثابت ہوا۔

۶-عامر بن سیاف کا قول ہے کہ میں نے امام اوزاعی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ:

"إذا بلغك عن رسول الله ﷺ حديث فإياك أن تقول بغيره فإنه كان مبلغا عن الله".(۵)

ترجمہ: "اگر تیرے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے تو تجھے چاہئے کہ اس کے خلاف یا اس کے علاوہ کچھ کہنے سے پرہیز کرے کیونکہ وہ حدیث دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبلغ ہے"۔

۷-امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اپنی "صحیح" میں ایک باب یوں باندھا ہے: "ماكان النبي ﷺ يسأل مما لم ينزل عليه الوحي فيقول: لا أدرى أو لم يجب حتى ينزل عليه الوحي".(۶)

اور اس باب کے تحت دو حدیثیں درج فرمائی ہیں جو موضوع زیر بحث پر صریح نص کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ

---

(۱) الصواعق المرسلہ ۲/۳۴۰ (۲) السنۃ للمروزی، ص: ۳۰

(۳) اخرجہ ابوداؤد فی مراسیلہ وذکرہ القاسمی فی قواعد التحدیث، ص: ۵۹

(۴) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱/۲۱۳ وصحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ (۵) تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۸۰ (۶) صحیح البخاری مع الفتح ۱۳/۲۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حدیثیں حسب ذیل ہیں:

أ-ابن مسعودؓ نے روایت کی کہ "سئل النبي ﷺ عن الروح فسكت حتى نزلت الآية" یعنی "نبی ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ خاموش ہو گئے حتی کہ آپ پر آیت ﴿ويسئلونك عن الروح قل الروح من أمر ربي﴾ نازل ہوئی۔

(نوٹ: حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث مفصلا باب" ماميكره من كثرة السؤال ومن تكلف ما لايعنيه وقوله تعالى: لا تسألوا عن أشياء إن تبدلكم تسؤكم "کے تحت درج ہے)(۱)

ب-حضرت جابر بن عبداللہ کی اپنے مرض الموت میں آں ﷺ سے اپنا مال تقسیم کرنے کے بارے میں استفسار والی حدیث جس میں واضح طور پر مذکور ہے: "فماأجابني بشيء حتى نزلت آية الميراث" یعنی "نبی ﷺ نے مجھے قطعا کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ آیت میراث نازل ہوئی۔"

۸-اسی طرح بعض دوسری احادیث میں بھی مذکور ہے مثلا یعلی بن امیہ کی حدیث کہ جس میں آں ﷺ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا تھا جبکہ وہ جبہ میں ملبوس تھے تو نبی ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا تھا حتی کہ وحی آئی پھر آپ نے اس کا جواب دیا۔(۲)

۹-"قصة العسيف" میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ "کیا میں تم دونوں کے مابین کتاب اللہ یعنی اس کی وحی اور اس کے مثل چیز (یعنی سنت) سے فیصلہ نہ کروں؟(۳)

۱۰-حضرت جریر بن مطعم سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ:

"يا رسول الله أي البلدان أحب إلى الله وأي البلدان أبغض إلى الله؟" یعنی اے رسول اللہ ﷺ شہروں میں کون سی جگہ اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ اور کون سی جگہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "لاأدري حتى أسأل جبريل" مجھے معلوم نہیں حتی کہ میں جبریلؑ سے پوچھوں۔ پھر جبریلؑ وحی لے کر آئے کہ اللہ تعالی کے نزدیک شہروں میں مساجد کا حصہ محبوب ترین ہے اور بازاروں کا حصہ مبغوض ترین ہے۔(۴)

۱۱-امام ابن حزم اندلسیؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابن وہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا:

"كان رسول الله ﷺ ليسأل عن الشيء فلا يجيب حتى يأتيه الوحي من السماء."(۵)

"یعنی اگر رسول اللہ ﷺ سے کسی بارہ میں کوئی سوال پوچھا جاتا تو آں ﷺ اس کا جواب نہیں دیتے تھے حتی کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آجاتی۔"

---

(۱) صحیح البخاری مع الفتح: ۱۳/۲۶۵ (۲) نفس مصدر ۱۳/۲۹۱ (۳) نفس مصدر ۱۳/۲۹۱

(۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۲/۶ بحوالہ مسند البزار (۵) الإحكام في أصول الأحكام ص: ۱۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیکن اس کے برخلاف جناب حمید الدین فراہیؔ صاحب ''مقدمہ نظام القرآن'' کی فصل بعنوان ''معروف ومنکر'' میں لکھتے ہیں: ''نبی کی روح بیدار خود بھی معروف ومنکر کی شناخت کا سرچشمہ ہوتی ہے، جن چیزوں کے بارہ میں وحی کی رہنمائی موجود نہیں ہوتی ان میں وہ اپنے الہام سے امت کو کوئی حکم اس وقت تک کے لئے دے دیتا ہے جب تک وحی نہ آجائے اور یہ کام اس کے منصب کا ایک قدرتی جزو ہوتا ہے''۔(۱)

جناب فراہیؔ ''احکام الاصول'' میں مزید لکھتے ہیں: ''اللہ تعالی نے اپنے نبی کو قرآن مجید کی جہت مکنون کی طرف بھی رہنمائی فرمائی تھی، اس نے اس روح سے نبی کے قلب کو زندگی بخشی اور اس نور کی ہدایت دے کر آپ کو وہ علم بخشا جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھا۔ اس لئے آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو سنت کی مستقل بنیاد سمجھا جائے گا۔''(۲)

اور فرماتے ہیں:

''رسول اللہ کا حکم یکساں طور پر پر از حکمت ہوتا ہے، خواہ وہ کتاب اللہ کی بنیاد پر ہو یا اس نور وحکمت کے مطابق جس سے خدا نے آپ کا سینہ بھر دیا تھا۔''(۳)

ان اقتباسات سے جناب خالد مسعود صاحب (مدیر رسالہ ''تدبر'' لاہور) یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

''ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا فراہی کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا منصب قرآن حکیم کی تبیین تھا۔ اس منصب کا تقاضا یہ بھی تھا کہ آپ اپنی روح بیدار اور نور وحکمت کے باعث، جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمائی تھی، قرآن حکیم کے احکام کے علاوہ اپنے طور پر احکام دے سکتے تھے اور ان کی حیثیت وہی ہوتی جو وحی کے احکام کی ہوتی۔ یہی احکام ہیں جن سے سنت رسولؐ عبارت ہے الخ''۔(۴)

غالباً جناب فراہیؔ اور ان کے ہم فکر حضرات کا ماخذ ملا علی قاری وغیرہ کا یہ قول ہے:

''بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام مجتہد تھے اور آپ کا اجتہاد بھی بمنزلۃ الوحی ہوتا تھا تاکہ آپ غلطی نہ کر سکیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کبھی کوئی خطا ہو جاتی تو آپ کو برخلاف دوسروں کے اس پر خبردار کر دیا جاتا تھا۔''(۵)

جبکہ جملہ محدثین بالخصوص امام ابن حزم اندلسیؒ وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ:

۱۲۔''اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کے متعلق فرماتا ہے: ﴿وماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾ اور اللہ تعالی نے اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ کہنے کا حکم دیا: ﴿إن أتبع إلا ما يوحى إلي﴾ اللہ تعالی یہ بھی فرماتا ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ اور ﴿لتبين للناس مانزل إليهم﴾

---

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۳۷ ص: ۳۲ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۲)، (۳) نفس مصدر
(۴) نفس مصدر ص: ۳۲-۳۳ (۵) قواعد التحدیث، ص: ۵۹ بحوالہ مرقاۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



– ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر ارشاد دین میں داخل اور اللہ عز وجل کی جانب سے بھیجی گئی وحی ہے، اس بارے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ اس بارہ میں کسی اہل لغت یا کسی اہل شریعت نے اختلاف کیا ہے کہ اللہ عز وجل کی جانب سے نازل ہونے والی ہر وحی ذکر منزل ہے۔

اور ''البیان'' یعنی بیان القرآن کلام سے عبارت ہے، پس جب نبی ﷺ قرآن کی تلاوت فرماتے تو اس کی تشریح وبیان بھی فرماتے، اگر قرآن کا کوئی حکم مجمل ہوتا جس کے معنی الفاظ سے پوری طرح سمجھ میں نہ آسکتے ہوں تو موصولہ وحی کے ذریعہ اس کی توضیح فرماتے خواہ وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد میں مذکور ہے: ﴿فإذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم إن علينا بيانه﴾ اس آیت میں اللہ تعالی یہ خبر دیتا ہے کہ قرآن کی بیان وتوضیح اللہ عز وجل کے ذمہ ہے۔ پس اگر یہ اس کے ذمہ ہی ہے تو نبی ﷺ کا اس کو بیان کرنا اللہ تعالی کی جانب ہی سے ہوا۔ پس قرآن اور اس کی تفسیر ہر چیز خواہ متلو ہو یا غیر متلو اللہ تعالی کی جانب سے ہی وحی ہوئی ہے۔''(۱)

۱۳- علامہ حازمیؒ (۵۸۴ھ) فرماتے ہیں:

''جبریلؑ سنت بھی لے کر نازل ہوتے اور اسے رسول اللہ ﷺ کو سکھاتے تھے، چنانچہ آپ ایسی کوئی بات نہیں کہتے تھے جو تنزیل کے خلاف ہو الا یہ کہ آپ کا سابقہ کوئی قول تنزیل کے ذریعہ منسوخ ہو چکا ہو۔ پس تنزیل کا معنی رسول اللہ ﷺ کا ہر وہ قول ہے جو باسناد صحیح آپ سے ثابت ہو۔''(۲)

۱۴- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آیت: ﴿وأنزل الله عليك الكتاب والحكمة﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''فالكتاب ما يتلى والحكمة السنة وهو ما جاء به عن الله بغير تلاوة۔"(۳)

یعنی ''کتاب'' وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور ''حکمت'' سنت ہے جو کہ بصورت وحی اللہ تعالی کی طرف سے بغیر تلاوت کے آئی ہے۔''

۱۵- امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے امام الحرمین الجوینیؒ (۴۷۸ھ) سے نقل کیا ہے کہ:

'' اللہ تعالی کا کلام دو قسموں میں نازل ہوا ہے۔ ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جبریلؑ، کہ جن کو نبی ﷺ کی طرف بھیجا جاتا تھا، سے فرمایا کہ نبی ﷺ سے کہو کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: اس طرح کرو، یا اللہ تعالی نے اس اس طرح حکم دیا ہے۔ پس جبریلؑ نے اپنے رب کے حکم کو سمجھا اور اس کو لے کر نبی ﷺ پر نازل ہوئے اور ان سے اپنے رب کا ارشاد بیان کیا۔ لیکن اس کے لئے کوئی عبارت مخصوص نہ ہوتی تھی، مثال کے طور پر ملک یہ کہے کہ: ''فلاں سے کہو کہ ملک نے تیرے لئے یہ حکم دیا ہے: "اجتهد في الخدمة واجمع جندك للقتال" تو رسول اللہ ﷺ اسی بات کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمائیں: '' ملک نے کہا ہے کہ: ''لاتتهاون في خدمتي ولاتترك الجند

(۱) الاحکام فی اصول الأحکام ص: ۱۰۹ (۲) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ ص: ۲۶ (۳) فتح الباری ۱۳/۲۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تتفرق وحثهم علی المقاتلة'' تو آں ﷺ کا یہ ارشاد نہ کذب پر محمول ہوگا اور نہ ہی ادائیگی رسالت میں تقصیر پر۔

اور کلام اللہ کی دوسری قسم وہ ہے جب کہ اللہ تعالی جبریلؑ کو حکم دیں کہ نبی ﷺ پر یہ کتاب قرأت کرو تو جبریلؑ اللہ تعالی کے انہی کلمات کے ساتھ بلا تغییر نازل ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ملک کوئی کتاب لکھ کر اپنے امین کو یہ کہہ کر دے کہ اسے فلاں شخص کو پڑھ کر سنا دینا تو وہ اس میں کوئی بھی کلمہ یا حرف اپنی طرف سے نہیں بدلتا۔'' (۱)

امام سیوطیؒ امام الحرمینؒ کے مندرجہ بالا کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

۱۶- ''میں کہتا ہوں کہ ان دو قسموں میں سے قرآن کا تعلق دوسری قسم سے اور سنت کا تعلق پہلی قسم سے ہے، جیسا کہ وارد ہے کہ جبریلؑ جس طرح قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اسی طرح سنت کے ساتھ بھی نازل ہوتے تھے۔ پس اس سے سنت کی بالمعنی روایت جائز ہوئی کیونکہ جبریلؑ نے اسے بالمعنی ادا فرمایا ہے لیکن قرآن کی بالمعنی قرأت جائز نہیں ہے کیونکہ جبریلؑ نے اسے باللفظ ہی ادا کیا تھا اور بالمعنی وحی کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔'' (۲)

۱۷- امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"وقول رسول الله ﷺ حجة لدلالة المعجزة على صدقه ولأمر الله تعالى إيانا باتباعه ولأنه لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى ولكن بعض الوحي يتلى فيسمى كتاباً وبعضه لا يتلى وهو السنة." (۳)

''یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول حجت ہے اس لئے کہ معجزات آپ کے صدق پر دلالت کرتے ہیں اور اس لئے کہ اللہ تعالی نے آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور اس لئے بھی کہ آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ آپ کا کلام نرا وحی ہوتا ہے، جو کہ آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض وحی کی تلاوت کی جاتی ہے پس اس کا نام کتاب (قرآن) ہے اور بعض وحی کی تلاوت نہیں کی جاتی اور یہی سنت ہے۔''

۱۸- امام مروزیؒ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی اجازت اور وحی کے ذریعہ ہی شرائع کو مشروع اور سنن کو مسنون بنایا ہے نہ کہ اپنی مرضی اور خواہش نفس کے مطابق، چنانچہ اللہ تعالی نے خود اس بات کی شہادت یوں دی ہے: ﴿وما ضل صاحبكم وما غوى وماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾ (۴)

۱۹- شیخ جمال الدین قاسمیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''قواعد التحدیث'' میں جمہور محدثین کی اتباع میں ایک عنوان یوں قائم فرمایا ہے: ''ما روى أن الحديث من الوحي." (۵)

(۱) الاتقان فی علوم القرآن ۱/۵۹ (۲) نفس مصدر (۳) المستصفی من علم الأصول ۱/۱۲۹
(۴) السنۃ للمروزی، ص: ۱۰ (۵) قواعد التحدیث، ص: ۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۲۰-ابوالبقاء اپنی ''کلیات'' میں فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی جانب سے نازل کردہ وحی کی حیثیت سے قرآن وحدیث ایک ہی اور باہم وابستہ ہیں جس کی دلیل یہ آیت ہے کہ: ﴿إن هو إلا وحي يوحي﴾(۱)___ان دونوں چیزوں میں اگر کچھ فرق ہے تو وہ اس حیثیت سے ہے کہ حدیث کے برخلاف قرآن اعجاز وتحدی کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس کے الفاظ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں تصرف کا حق اصلاً نہ جبریل علیہ السلام کو حاصل ہے اور نہ رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو، لیکن احادیث اس بات کی متحمل تھیں کہ جبریلؑ پر ان کے حرفاً معانی نازل ہوں، جنہیں یا تو وہ عبارت کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کو بیان کردیں یا بذریعہ الہام آپ تک پہنچادیں، پھر رسول اللہ ﷺ اپنی فصیح عبارت میں اس کو بیان فرمادیں۔''(۲)

۲۱-علامہ مفتی محمد شفیع صاحب ''قرآن وسنت کی حقیقت'' کے زیرعنوان تحریر فرماتے ہیں: ''آیت نمبر:۱۱۳ یعنی ''وأنزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك ما لم تكن تعلم الخ'' میں کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی داخل فرما کر اس طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ حکمت جو نام ہے آنحضرت ﷺ کی سنت اور تعلیمات کا، یہ بھی اللہ تعالی ہی کی نازل کی ہوئی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں، اس لئے داخل قرآن نہیں، اور معانی اس کے اور قرآن کے دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں، اس لئے دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔''(۳)

۲۲-آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''علامہ شاطبیؒ نے موافقات میں پوری تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ پوری کی پوری کتاب اللہ کا بیان ہے، کیونکہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا: ﴿وإنك لعلى خلق عظيم﴾ اور حضرت عائشہؓ نے اس خلق عظیم کی تفسیر یہ فرمائی: ''كان خلقه القرآن''، اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بھی کوئی قول وفعل ثابت ہے وہ سب قرآن ہی کے ارشادات ہیں، بعض تو ظاہری طور پر کسی آیت کی تفسیر وتوضیح ہوتے ہیں، جن کو عام اہل علم جانتے ہیں، اور بعض جگہ بظاہر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا مگر رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بطور وحی اس کا القاء کیا جاتا ہے، وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے حکم میں ہوتا ہے، کیونکہ حسب تصریح قرآنی آپ کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں ہوتی، بلکہ حق تعالی کی طرف سے وحی ہوتی ہے: ﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام عبادات، معاملات، اخلاق، عادات، سب کی سب بوحی خداوندی اور بحکم قرآن ہیں، اور جہاں کہیں آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی کام کیا ہے تو بالآخر وحی الٰہی سے اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے اس کی تصحیح اور پھر تائید کردی جاتی

---

(۱) النجم:۴ (۲) کلیات أبی البقاء، ص:۲۸۸ مطبعۃ الأمیر قاہرہ ۱۲۸۱ھ (۳) معارف القرآن ۲/۵۴۲-۵۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے۔اس لئے وہ بھی بحکم وحی ہو جاتا ہے۔"(۱)

۲۳- جناب امین احسن اصلاحی بھی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"جس طرح نبی ﷺ نے احکامی آیات کے اجمالات کی وضاحت فرمائی اسی طرح حکمت کے دقیق اشارات قرآن میں ہیں، ان کی بھی وضاحت فرمائی۔یہی چیز ہے جس کی بابت نبی ﷺ نے فرمایا: "ألا إني أوتيت القرآن و مثله معه۔" دیکھو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے مثل اور بھی۔اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثل قرآن ہے، سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایۂ قرآن ہے الخ۔"(۲)

خلاصہ کلام یہ کہ استدلال اور اخذ مسائل کے وقت حدیث نبوی کا حکم بھی قرآن کریم کی طرح وحی الٰہی کا ہی ہے کیونکہ اس کا علم بھی نبی ﷺ کو اسی طرح دیا گیا ہے جس طرح کہ قرآن کا لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ جس طرح نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اسی طرح حدیث بھی نماز میں پڑھی جا سکتی ہے۔

جمہور امت کی متفقہ رائے کے برخلاف ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور ان کے ہم مشرب سنت نبوی کے مبنی بر وحی ہونے کے منکر ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"جو احادیث قرآن، عقل اور حقیقت کے خلاف نہیں ہم ان کے متعلق یہ حسن ظن تو رکھ سکتے ہیں وہ غالباً اقوال رسول ہوں گے، لیکن پورے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔"(۳)

اور

"......ہمارے لئے صاف اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ ہم صرف قرآن حکیم پر ایمان لائیں اور قرآن سے مطابق احادیث پر حسن ظن رکھیں اور ظاہر ہے کہ ایک ظنی چیز کو وحی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔"(۴)

اور

"ہم صفحات گذشتہ میں کئی آیات سے واضح کر چکے ہیں کہ حضورؐ پر بذریعہ وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ کا کوئی اور قول وحی کا درجہ نہیں رکھتا۔چونکہ قرآن میں صرف مہمات مسائل سے بحث کی گئی ہے اور چھوٹی موٹی تفاصیل کو انسانی عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے حضور ﷺ تمام غیر الہامی مسائل میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے الخ۔"(۵)

............فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ان تمام ہفوات کا باطل اور سبیل المومنین سے منحرف ہونا اوپر پیش کی گئی بحث سے ازخود ظاہر ہے، لہٰذا ہم مزید تبصرہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ●●●

(۱) معارف القرآن: ۵/۳۳۶ (۲) مبادیٔ تدبر حدیث، ص: ۳۵ (۳) دو اسلام، ص: ۱۸۴
(۴) نفس مصدر، ص: ۱۸۵ (۵) نفس مصدر، ص: ۳۳۶-۳۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# سنت نبوی بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے

ہمارا یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالی نے حفاظ کو قرآن محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح حفاظ حدیث کو بھی احادیث نبوی کی حفاظت کی توفیق بخشی ہے، کیونکہ اگر حدیث دین ہے تو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی حق تعالی کو ہی ہونا چاہیئے ورنہ دین ناقص رہ جائے گا۔ بعض لوگ بلا وجہ یہاں اس بے اطمینانی میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ رواۃ اور حفاظ حدیث ''بہر حال تھے تو انسان ہی، انسانی علم کیلئے جو حدیں فطرۃً اللہ تعالی نے مقرر کر رکھی ہیں ان کے آگے تو وہ بھی نہیں جا سکتے تھے (پس) انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان (حفاظ حدیث) کے کام بھی محفوظ نہ تھے'' (۱)۔ لیکن یہ بے اطمینانی دراصل تحفظ دین کے بنیادی فلسفہ اور طریقہ کار سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ جس طرح اجماع امت میں ہر فرد محفوظ نہیں ہوتا لیکن بحیثیت مجموعی مجتہدین کو عصمت کا مقام حاصل ہوتا ہے، ٹھیک یہی صورت حفاظ قرآن کی بھی ہے۔ کسی نے ان کو غیر انسان یا اللہ کی مقرر کردہ فطری حدود سے ماوراء نہیں سمجھا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی ان کی انسانی کاوشوں کو بحیثیت مجموعی غیر محفوظ نہیں سمجھتا، پھر کیا وجہ ہے کہ احادیث نبوی کو روایت کرنے والے وہی صحابہ، رواۃ اور حفاظ جنھوں نے قرآن کو بھی حفظ و نقل کیا ہے، حفظ و روایت قرآن میں تو معتبر پائے جائیں لیکن روایت حدیث میں انہیں مشتبہ سمجھا جائے۔ اگر وہ لوگ نقل و روایت اور ضبط و حفاظت کے معاملہ میں تحریف و تساہل کے خوگر تھے تو جس طرح ان غیر محتاط رواۃ کی روایت کردہ احادیث نا قابل اعتماد ہیں اسی طرح ان کی روایت و نقل سے آئی ہوئی آیات اللہ (قرآن) کا بھی اعتبار باقی نہیں رہنا چاہیئے، لیکن ایسا کوئی بھی شخص نہیں کہتا۔

صدیوں سال قبل ان جیسے شکوک و شبہات کا علامہ شریک بن عبد اللہ النخعی القاضی (م ۱۷۷ھ) نے کیا خوب جواب دیا تھا جب کہ بعض لوگوں نے آں رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ ''ایک گروہ صفات کے متعلق احادیث پر شبہ کا اظہار بلکہ انکا انکار کرتا ہے۔'' یہ سن کر شریک بن عبد اللہ النخعیؒ نے پوچھا کہ ''وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ ''وہ ان احادیث میں طعن کرتے ہیں۔'' آں رحمہ اللہ نے جواب دیا:

''جن لوگوں نے ان احادیث کو نقل کیا ہے، انہیں لوگوں نے قرآن کو بھی نقل کیا ہے، اور یہ بات کہ نماز پانچ وقت کی ہے، اسی طرح حج بیت اللہ اور رمضان کے روزوں کی تفصیلات وغیرہ سبھی چیزیں انہی لوگوں سے منقول ہیں۔ ہم اللہ تعالی کو انہیں احادیث کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں (لہذا شبہ وانکار کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟)۔ (۲)

اب ہم ذیل میں قرآن کریم، سنت نبوی اور علماء سلف کے اقوال کی روشنی میں سنت نبوی کے محفوظ ہونے کے

(۱) کما فی تفہیمات للمودودی، ص: ۳۱۸ (۲) الشریعۃ للآجری حدیث نمبر: ۳۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چند دلائل پیش کریں گے:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾(۱)''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (اس کے احکام) کھول کر بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

اس آیت میں لفظ ''ذکر'' کی تعیین کے متعلق اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ہر وحی (قرآن وسنت) ہے۔ اگر ''ذکر'' کے معنی صرف قرآن سمجھے جائیں تو دوسری آیت: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾۔(۲) کی رو سے سنت تو غیر محفوظ قرار پائے گی۔ اگر سنت غیر محفوظ ہوئی تو اس میں اکاذیب، اباطیل اور افتراءات کا دخل ممکن ہوا جو شریعت کے فساد وابطال کے لئے کافی ہے، حالانکہ دین کے غیر محفوظ ہونے کا سوئے ظن کسی کو نہیں ہے۔ پس ''ذکر'' کا اطلاق قرآن وسنت دونوں پر یکساں طور پر کرنا محقق ہوا۔ سلف صالحین بھی لفظ ''ذکر'' سے قرآن وسنت دونوں ہی مراد لیتے رہے ہیں، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا: ''هذه الأحاديث الموضوعة'' یعنی ان موضوع احادیث کا کیا ہوگا؟ تو آںؒ نے جواب دیا:

''تعيش لها الجهابذة إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون۔''(۳)''اس کے لئے نقاد موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

علامہ حافظ ابن قیمؒ اور علامہ ابن حزم اندلسیؒ وغیرہما نے بھی ''ذکر'' کے معنی میں قرآن کے ساتھ سنت کو بھی داخل سمجھا ہے جیسا کہ آگے پیش کی جانے والی بعض عبارتوں سے واضح ہوگا۔ اگر اب بھی کوئی لفظ ''ذکر'' کو صرف قرآن کے لئے ہی خاص سمجھنے پر اصرار کرے تو سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۴ سے زیادہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب ہی نکھر کر آئے گا کہ آں ﷺ کو عام انسانوں کے لئے قرآن مجید کی تبیین پر مامور کیا گیا ہے۔ اب تحفظ حدیث کے منکرین کے اعتراض کو اس آیت کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں ـــــ اگر نبی ﷺ کے ذریعہ فرمائی گئی قرآن کریم کے مجمل احکام کی تبیین کو (نعوذ باللہ) ناقص، غیر محفوظ اور غیر یقینی سمجھا جائے یا یہ اشتباہ کہ آج اس کا اصل مضمون محفوظ نہیں رہا ہے تو اس سے منطقی طور پر قرآنی نصوص سے انتفاع کا بطلان لازم آئے گا ـــــ پس اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ جو شریعت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ پر ہی مکمل کردی گئی وہ یقیناً آج بھی مسلمانوں کے لئے مکمل، محفوظ اور باقی ہے، کسی بھی دور میں اس میں کوئی نقص یا نسخ واقع نہیں ہوا ـــــ

---

(۱) النحل:۴۴ (۲) الحجر:۹

(۳) الباعث الحثیث، ص ۸۷، تدریب الراوی ۱/۲۸۲، اللآلی المصنوعہ ۲/۴۷۲، مقدمہ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱/۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ بات بذات خود اس کی حفاظت کے غیر معمولی ہونے کی بے نظیر دلیل ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی تحفظ اللہ عز وجل کے سوا کسی اور کی جانب سے ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ فتنہ وضع حدیث کے رونما ہونے کے باعث ذخیرۂ احادیث کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات انتہائی نا قابل یقین ہے کہ اللہ کے دین اور دشمن دین چیزوں، کذب، افتراء، اختراعات اور موضوعات وغیرہ کی جنگ میں اللہ کے دین کو شکست ہو جائے اور دشمن دین چیزیں اس پر غالب آ جائیں یا پھر احکام شریعت میں باطل چیزوں کی اس قدر آمیزش ہو جائے کہ عالم اسلام میں سے کسی مسلمان کے لئے بھی حق و باطل میں تمیز کرنا محال ہو کر رہ جائے۔ اگر کوئی شخص ایسا کہتا یا سمجھتا ہے تو اس کے قول کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے دین میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور احکام الٰہی میں ایسی باطل اشیاء کی آمیزش ہوگئی ہے کہ جن کو ماننے کا اللہ عز وجل نے اپنے بندوں کو قطعاً حکم نہیں دیا تھا ـــــ اگر قائل کی یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کی حفاظت کرنے سے قاصر رہا یا پھر اپنے ہی دین کی تخریب سے یک گونہ رضامند ہوا ـــــ لیکن چونکہ یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں ہیں لھذا قائل کا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

لہذا ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ آج بھی سرمایۂ حدیث کا بیشتر حصہ جوں کا توں محفوظ ہے۔ اگر فتنہ انگیز عوامل کی ناعاقبت اندیش ریشہ دوانیوں کے باعث اس کا کچھ حصہ ضائع ہوا بھی ہے تو امت کو یقیناً اس کی ضرورت نہ تھی، ورنہ اللہ عز وجل نے جس طرح حدیث نبوی کے اس بڑے ذخیرہ کی حفاظت فرمائی ہے اسی طرح اس مختصر سے حصہ کے تحفظ کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا فرما دیتا۔ اس بارہ میں حافظ ابن الصلاحؒ نے ایک نفیس بحث کے دوران کیا ہی عمدہ بات لکھی ہے:

"جب احادیث نبویہ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ عز وجل نے لے رکھا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی حدیث جمع وتدوین اور حفاظت بشری سے باہر رہ گئی ہو۔ لہذا بقول امام بیہقیؒ اگر اب کوئی شخص ایسی حدیث لا کر بیان کرے جس کا وجود محدثین متقدمین ومتأخرین کی جوامع ومسندات ومصنفات میں سے کسی میں بھی نہ ہو تو وہ حدیث نا قابل قبول قرار دی جائے گی (کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ حدیث نبوی ہو اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اسے محفوظ نہ کیا ہو، جبکہ صاحب شریعت نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے)"(۱)

امام سفیان الثوریؒ کا مشہور قول ہے کہ "ماستر الله عز و جل أحدا يكذب في الحديث" یعنی "اگر کوئی شخص (گھر کی چہار دیواری کے اندر بھی) حدیث کے بارہ میں جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر فرما دے گا۔"(۲)

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح ،ص:۱۳۳

(۲) الموضوعات لابن الجوزی ۱/ ۴۸، الضعفاء والمجروحین ۱/ ۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سفیان ثوریؒ کا ایک اورقول ہے کہ :"الملائكة حراس السماء وأصحاب الحديث حراس الأرض "یعنی" فرشتے آسمان کے نگہبان ہیں اور محدثین زمین کے"۔(۱)ـــــ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے:"لوهم رجل في السحر أن يكذب في الحديث لأصبح الناس يقولون فلان كذاب"(۲) ـــــ اور یزید بن زریعؒ کا قول ہے کہ :"لكل دين فرسان وفرسان هذا الدين أصحاب الأسانيد"(۳)ـــــ اور امام دار قطنیؒ کا قول ہے:"ياأهل بغداد لا تظنوا أن أحدا يقدر يكذب على رسول الله ﷺ وأنا حيّ "یعنی"اے بغداد والو! یہ نہ سمجھو کہ تم میں سے کوئی نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔"اسی طرح منقول ہے کہ "إن للأثر جها بذة كجهابذة الورق".(۴)ـــــ یعنی "جس طرح چاندی کو پرکھنے والے ہوتے ہیں اسی طرح حدیث کے نقاد بھی موجود ہیں۔"ـــــ اس طرح کے اور بھی بہت سے اقوال پیش کئے جا سکتے ہیں جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عز وجل نے احادیث کو ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے محدثین کرام سے کس قدر گراں قدر خدمات لی ہیں۔

حدیث نبوی کے محفوظ ہونے پر امام ابن حزم اندلسیؒ نے نہایت قابل قدر بحث درج فرمائی ہے، چنانچہ ایک مقام پر خبر واحد کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"خبر واحد میں شبہات اصلا سند کی وجہ سے ہی ہیں لیکن جب ان احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست صحابہ کرام نے سنا تھا تو اس وقت نہ کوئی سند تھی اور نہ شک وشبہ، گویا دین محفوظ تھا تو کیا اللہ تعالی کی حفاظت کے وعدہ کی مدت یہیں پر ختم ہوگئی ؟ مستقبل کے لئے اللہ تعالی نے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ فرمایا کہ کذاب، وضاعین اور مفتری بہ آسانی دین حق پر غالب آ گئے؟ اگر ایسا نہیں ہوا تو بلا شبہ دین تا قیام قیامت محفوظ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ یقیناً کسی عادل راوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی ہر متصل خبر واحد قطعی، موجب عمل اور موجب علم ہے۔"(۵)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"دین مکمل ہے جیسا کہ آیت ﴿اليوم أكملت لكم دينكم﴾ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہے جیسا کہ ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ سے واضح ہوتا ہے۔ پس اگر متأخرین فقہاء کے خیال کے مطابق مکمل دین پر ظنون واوھام غالب ہوجائیں اور حق وباطل اس طرح خلط ملط ہوجائے کہ ان کے مابین تمیز محال ہو تو حفاظت دین کا وعدہ کس طرح پورا ہوا؟ واضح رہے کہ آیت محولہ میں لفظ

---

(۱) تنزیہ الشریعہ لابن عراق ۱/۱۶، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ۲/۴۷۴ (۲) الموضوعات لابن الجوزی ۱/۴۹

(۳) تنزیہ الشریعہ لابن عراق ۱/۱۶، اللآلی المصنوعہ ۲/۴۷۴ (۴) المدخل إلی دلائل النبوۃ ۱/۴۳

(۵) الإحکام فی اصول الأحکام لابن حزم ۱/۱۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''الذکر'' قرآن وسنت دونوں پر حاوی ہے۔پس اگر متأخرین کے خیال کو درست مان لیا جائے تو یہ دین سے انسلاخ، شریعت میں تشکیک اور دین کے انہدام کے مترادف ہوگا۔''(۱)

اور

''قرآن اور خبر صحیح میں سے بعض بعض کی طرف مضاف ہیں اور وہ دونوں اللہ عزوجل کی جانب سے منزل ہونے کے سبب دراصل ایک ہی چیز ہیں۔وجوب اطاعت کے باب میں ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے، جیسا کہ ہم اس باب میں اوپر بیان کر چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ اور ﴿قل إنما أنذركم بالوحي﴾(۲)۔۔۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی ﷺ کا کلام تمام کا تمام وحی ہے اور وحی بلا خلاف ذکر ہے اور ذکر نص قرآن کے مطابق محفوظ ہے۔''(۳)

آگے چل کر آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے متعلق خود اللہ عزوجل فرماتا ہے:﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾۔(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ اعلان بھی کرنے کا حکم دیا ہے:﴿إن أتبع إلا ما يوحى إليّ﴾۔اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ اور ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾۔۔۔پس واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر کلام دین میں وحی ہے اور بلا شک وشبہ وحی اللہ کی جانب سے بھیجی جاتی ہے۔اس بارے میں بھی اہل لغت اور اہل شریعت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ''ذکر'' ہے اور ہر وحی یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے حفظ میں ہونے کے باعث محفوظ ہے۔

اور جن چیزوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے ان کے متعلق یہ ضمانت موجود ہے کہ ان میں سے نہ کوئی چیز ضائع ہوسکتی ہے اور نہ ان میں کبھی کوئی ایسی تحریف ممکن ہے جس کا بطلان غیر واضح ہو۔ایسے خدشات تو کسی عقل سے کورے شخص کے ذہن ہی میں جگہ پاسکتے ہیں۔پس واجب ہے کہ جو دین محمد ﷺ ہمارے پاس لائے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وتولیت کے باعث محفوظ اور ہر طالب کے لئے دنیا کے باقی رہنے تک اسی طرح مبلغ ہو۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿لأنذركم به ومن بلغ﴾۔(۵)

پس اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو لازماً ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا اس میں سے کسی شئ کے ضیاع کا کوئی راستہ نہیں ہے۔اور نہ ہی اس بات کا کوئی راستہ ہے کہ کوئی باطل اور موضوع چیز اس میں داخل ہوجائے اور اس قدر خلط ملط ہوجائے کہ کوئی شخص یقینی طور پر اس کی تمیز نہ کرسکتا ہو۔اگر اس امکان کو جائز

---

(۱) للإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم: ۱/۱۲۳ (۲) الأنبیاء: ۴۵ (۳) الاحکام لابن حزم ۱/۸۸

(۴) النجم: ۳،۴ (۵) الانعام: ۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قرار دے دیا جائے تو ذکر غیر محفوظ ہو جائے گا حالانکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ کوئی بھی مسلم ایسا نہیں سوچ سکتا کیونکہ اس سے آیت کی تکذیب اور اللہ کی طرف سے وعدہ خلافی کا اظہار ہوتا ہے (فنعوذ باللہ)۔

اگر یہاں کوئی یہ کہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف قرآن کی حفاظت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تمام وحی جو قرآن نہیں ہے اس کی ضمانت اللہ کے ذمہ نہیں ہے۔ تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ دعویٰ دلیل و برہان کے بغیر محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ ''الذکر'' کی یہ تخصیص بلا دلیل ہونے کے باعث باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہے۔ لہٰذا اسم ''الذکر'' عام ہے اور ہر اس چیز پر واقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر بذریعہ وحی نازل فرمائی، وہ قرآن ہو یا قرآن کی شرح سنت۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لئے قرآن کی توضیح و بیان کے لئے مامور تھے کیونکہ قرآن میں بہت سی چیزیں مجمل ہیں مثلاً صلاۃ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ ان چیزوں کے متعلق جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں ہمارے لئے لازم قرار دیا ہے، ہم کچھ نہیں جان سکتے الا یہ کہ ان الفاظ کی اس توضیح و تفسیر کی طرف رجوع کریں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، پس اگر ان مجملات قرآن کی بیان کردہ آں ﷺ کی تفسیر و بیان غیر محفوظ ہو یا اس کی سلامتی کی کوئی ضمانت موجود نہ ہو تو نصوص قرآن سے انتفاع باطل ہوا جس سے ہمارے اوپر فرض کی گئی شریعت کا بیشتر حصہ باطل ہو جاتا ہے۔'' (۱)

اگرچہ امام ابن حزم اندلسیؒ کے اس مدلل، مفصل اور واضح کلام کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن پھر بھی قارئین کرام کی دلچسپی کے پیش نظر بعض دوسرے مشاہیر کے اقوال بھی پیش خدمت ہیں:

حافظ ابن قیمؒ آیت: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فعلم أن كلام رسول الله ﷺ في الدين كله وحي من عند الله فهو ذكر أنزله الله". (۲)

''یعنی: پس معلوم ہوا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کا دینی معاملات میں ہر ارشاد نرا وحی الٰہی ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی ہے تو اس ''ذکر'' کے حکم میں داخل ہے (جس کی حفاظت کا وعدہ و ذمہ اللہ عز وجل نے لے رکھا ہے)۔''

---

(۱) الاحکام لابن حزم ۱/۱۰۹-۱۱۰ (۲) الصواعق المرسلۃ ۲/۳۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شیخ عبدالجبار عمر پوریؒ فرماتے ہیں:

جس طرح پروردگار قرآن کا حافظ ونگہبان ہے، اسی طرح حدیث کا بھی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾(١) یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے نگہبان ہیں جبکہ قرآن وحدیث دونوں کی ضرورت ہے تو یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ خدا صرف قرآن کی حفاظت کرے اور حدیث کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دے۔ اس نے حفاظت کے لئے امامان محدثین کو پیدا کیا جنھوں نے ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز سفر طے کئے اور راویوں کی جانچ پڑتال میں بہت کوششیں فرمائیں، لفظ لفظ کی تحقیق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بڑی بڑی کتابیں اس بارے میں تالیف فرمائیں، صحیح کو ضعیف سے اور ناسخ کو منسوخ سے الگ کر دکھایا۔ غرض حدیث پر عمل کرنے کے لئے کوئی عذر وحیلہ باقی نہ چھوڑا، الخ۔"(٢)

جناب مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"جب قرآن فہمی کے لئے تعلیم رسول ضروری ہے اس کے بغیر قرآن پر صحیح عمل ناممکن ہے تو جس طرح قرآن قیامت تک محفوظ ہے اس کا ایک ایک زیر وزبر محفوظ ہے، ضروری ہے کہ تعلیمات رسول بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں، ورنہ محض الفاظ قرآن کے محفوظ رہنے سے نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا نہ ہوگا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعلیمات رسول ﷺ وہی ہیں جن کو سنت یا حدیث رسول کہا جاتا ہے، اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ جل شانہ کی طرف سے اگرچہ اس درجہ میں نہیں ہے جس درجہ کی حفاظت قرآن کے لئے موعود ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾۔ "ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے، ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے الفاظ اور زیروزبر تک بالکل محفوظ چلے آئے ہیں اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے، سنت رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے آپ ﷺ کی تعلیمات کا محفوظ رہنا آیت مذکورہ کی رو سے لازمی ہے، اور بحمد اللہ آج تک وہ محفوظ چلی آتی ہیں، جب کسی طرف سے اس میں رخنہ اندازی یا غلط روایات کی آمیزش کی گئی ماہرین سنت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نکھار کر رکھ دیا اور قیامت تک یہ سلسلہ بھی اسی طرح رہے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں قیامت تک ایسی جماعت اہل حق اور اہل علم قائم رہے گی، جو قرآن وحدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی اور ان میں ڈالے گئے ہر رخنہ کی اصلاح کرتی رہے گی۔"(٣)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"اگر آج کوئی شخص اس ذخیرۂ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے ناقابل اعتماد کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا یا یہ کہ آپ ﷺ نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم ومحفوظ نہیں رہا، بہر دو صورت قرآن بحیثیت معنی کے محفوظ نہ رہا جس کی

(١) الحجر: ٩ (٢) عظمت حدیث، ص: ٤٣ (٣) معارف القرآن ١/ ٢٨١

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے ﴿وإنا له لحافظون﴾۔ اس کا یہ دعوی اس نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنت رسول ﷺ کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے، نعوذ باللہ۔''(۱)

آں رحمہ اللہ ''معارف القرآن'' میں ایک اور مقام پر ''قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''صحابۂ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے، واللہ اعلم۔''(۲)

جناب حبیب الرحمان اعظمیؒ لکھتے ہیں:

''آپ کی تشریحات و بیان قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے۔''(۳)

اور محترم مودودی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''اگر یہ لوگ حق پرست اور انصاف پسند ہوں تو انہیں نظر آئے کہ محدثین کرام نے عہد رسالت اور عہد صحابہ کے آثار واخبار جمع کرنے اور ان کو چھانٹنے اور ان کی حفاظت کرنے میں وہ محنتیں کی ہیں جو دنیا کے کسی گروہ نے کسی دور کے حالات کے لئے نہیں کیں۔ انہوں نے احادیث کی تنقید و تنقیح کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ ایسے ہیں کہ کسی دور گزشتہ کے حالات کی تحقیق کے ان سے بہتر طریقے عقل انسانی نے آج تک دریافت نہیں کئے تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب اس گروہ نے استعمال کئے اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی دور تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ درحقیقت یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق شامل حال رہی ہے اور جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اسی نے اپنے آخری نبی کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔''(۴)

سنت نبوی کے محفوظ، مصون اور مأمون ہونے کی ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی بھی ہے:

"يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين". (۵)

یعنی ''اس علم (حدیث) کے حامل ایک دوسرے کے پیچھے ہمیشہ ایسے عادل لوگ ہوں گے جو اسے حد سے تجاوز

---

(۱) معارف القرآن: ۵/ ۳۳۷
(۲) نفس مصدر ۷/ ۱۴۱-۱۴۲ ملخصا
(۳) مقدمہ معارف الحدیث از حبیب الرحمان اعظمی ۱/ ۱۷
(۴) تفہیمات ۱/ ۳۵۴-۳۵۵، اسلامک پبلیکشنز مئی ۱۹۸۸ء
(۵) شرف اصحاب الحدیث للخطیب بغدادی، ص: ۱۱، ۲۸، ۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرنے والی تحریف، باطل پرستوں کی گھڑی ہوئی اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کرتے رہیں گے۔‘‘(۱)

سرمایۂ حدیث کے محفوظ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جمہور امت نے اسے متفقہ طور پر محفوظ و مصون سمجھ کر تصدیقاً و عملاً قبول کیا ہے اور چونکہ پوری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہو سکتی لھذا یوں بھی ہمارا نقطۂ نظر ثابت ہوا، فالحمد للہ علی ذلک۔ لیکن ائمہ محدثین کے اس صریح و صحیح نقطۂ نظر کے برعکس ڈاکٹر غلام جیلانی برق سنت نبوی کے منجانب اللہ محفوظ و مصون ہونے کے منکر ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

---

(۱) امام بیہقیؒ نے ’’المدخل‘‘ میں اس حدیث کی تخریج مرسلاً کی ہے لیکن صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن مسعود، ابوامامۃ الباھلی اور اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث موصولاً بھی مروی ہے۔ ابن عدیؒ نے مقدمہ ’’الکامل‘‘ ص ۱۹۰، ۲۳۱، ۲۳۳ اور ’’الکامل‘‘ ۱/ ۱۵۲، ۱۵۳، ۲/ ۵۱۱، ۳/ ۹۰۴ میں، ابونصر السجزی نے ’’الابانہ عن اصول الدیانہ‘‘ میں، ابونعیم اصبہانی، ابن عساکر، حاکم، دیلمی، عقیلی اور بزار رحمھم اللہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ’’شرف اصحاب الحدیث‘‘ اور ’’الجامع‘‘ (۱/ ۱۲۸) میں اس حدیث کی روایت حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوھریرہ اور حضرت ابراہیم بن عبدالرحمان العذری وغیرہ سے کی ہے۔ امام ابن ابی حاتمؒ نے ’’الجرح والتعدیل‘‘ (۲/۱/ ۱۷) میں، ابن قتیبہؒ نے ’’عیون الأخبار‘‘ (۲/ ۱۱۹) میں، ابن حبانؒ نے ’’الثقات‘‘ (۴/ ۱۰) میں، ابن عبدالبرؒ نے ’’التمہید‘‘ (۱/ ۵۸-۶۰) میں، حافظ عراقیؒ نے ’’فتح المغیث‘‘ (ص ۱۴۲-۱۴۴) میں، خطیب تبریزیؒ نے ’’مشکوٰۃ‘‘ (۱/ ۵۴ مع تنقیح الرواۃ) میں، علامہ متقی الہندیؒ نے ’’کنز العمال‘‘ (۱۰/ ۱۷۶) میں، علامہ ھیثمیؒ نے کشف الأستار (۱/ ۸۶) میں، اور علامہ عبدالرحمان مبارکپوریؒ نے ’’مقدمہ تحفۃ الاحوذی‘‘ (ص ۷) میں اس کو وارد کیا ہے۔ لیکن دارقطنیؒ کا قول ہے: "إنه لا يصح مرفوعا يعني مسنداً" (مفتاح دار السعادۃ لابن قیم (۱/ ۱۶۳-۱۶۴) حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: "أسانيده كلها مضطربة غير مستقيمة" (اسد الغابۃ لابن الاثیر ۱/ ۵۳) حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں: "وكلها ضعيفة لا يثبت منها شيء وليس فيها شيء يقوي المرسل المذكور" (التقیید والایضاح ص ۱۱۶، فتح المغیث للعراقی ص ۱۴۳-۱۴۴، تدریب الراوی ۱/ ۳۰۳) امام ابن کثیرؒ کا قول ہے: "في صحته نظر قوي والأغلب عدم صحته ولو صح لكان ما ذهب إليه قوياً" (الباعث الحثیث، ص: ۹۴) لیکن امام احمدؒ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔‘‘ (شرف أصحاب الحدیث، ص: ۲۹، فتح المغیث للعراقی ص ۱۴۳، التقیید والایضاح للعراقی ص ۱۱۶، تدریب الراوی ۱/ ۳۰۳، الجامع للخطیب ۱/ ۱۲۹ وغیرہ) امام ابن القطانؒ نے امام احمدؒ کے کلام پر تعقب کیا ہے۔ (الاصابہ ۱/ ۱۱۸، کنز العمال ۱۰/ ۱۷۶) جس کا تذکرہ آگے ہوگا۔

امام ابن مندہؒ نے اس حدیث کی روایت بطریق الحسن بن عرفة حدثنا إسماعيل بن عياش عن معاذ بن رفاعة قال حدثني إبراهيم بن عبد الرحمان العذري وكان من الصحابة عن النبي ﷺ قال (فذکرہ) کی ہے، اور فرماتے ہیں: "ولم يتابع ابن عرفة على قوله وكان من الصحابة" یعنی ابن عرفہ کے قول کہ "وكان من الصحابة" کی متابعت نہیں پائی جاتی۔ قاضی وکیع کی کتاب ’’الغرر فی الأخبار‘‘ میں حسن بن عرفہ کی جو روایت مروی ہے اس میں "وكان من الصحابة" کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ ابن مندہؒ نے اسے بطریق معاذ عن ابراہیم قال قال رسول اللہ ﷺ بھی روایت کیا ہے۔

امام ابونعیمؒ نے اپنی کتاب میں اس کو وارد کرنے کے بعد لکھا ہے: "وهكذا رواه الوليد عن معاذ ورواه محمد بن سليمان بن أبي كريمة عن معاذ عن أبي عثمان عن أسامة ولا يثبت" یعنی اسی طرح ولید نے معاذ سے اس کی روایت کی ہے اور محمد بن سلیمان بن ابی کریمہ نے معاذ سے، انہوں نے ابوعثمان سے اور انہوں نے حضرت اسامہؓ سے بھی اس کی روایت کی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ’’خطیب بغدادیؒ نے اس طریق کو ’’شرف اصحاب الحدیث میں موصولاً روایت کیا ہے- امام ابن عدیؒ نے اس حدیث کو بہت سے طرق کے ساتھ وارد کیا ہے لیکن وہ سب طرق ضعیف ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا ہے: رواہ الثقات عن الولید عن معاذ عن ابراھیم، قال حدثنا من اصحابنا ان رسول اللہ ﷺ فذکرہ۔‘‘ (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ۱/ ۱۴۴)

حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی امام بزار کی روایت کے متعلق علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: ’’اس کی سند میں عمرو بن خالد القرشی ہے جس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''بہرحال وحی کسی طریقے سے آئے وہ وحی ہے۔واجب التعمیل اور واجب الحفاظت ہے۔قرآن کے متعلق اللہ

**(بقیہ پچھلے صفحہ کا)** امام یحییٰ ابن معینؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے تکذیب فرمائی ہے اور وضع احادیث کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔'' (مجمع الزوائد ۱/۱۴۰)

محمد بن ابراہیم الوزیر الصنعانیؒ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حضرت ابوھریرہ، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ابو امامہ الباھلی اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً مسنداً مروی ہے۔'' امام عقیلیؒ نے حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمرو بن العاص سے مسنداً اس کی روایت کی ہے اور فرماتے ہیں: "الإسناد أولى." لیکن حافظ زین الدین عراقیؒ نے اس کی اسناد کی تضعیف فرمائی ہے۔ ابن قطانؒ فرماتے ہیں: "الإرسال أولى." امام ابن عدیؒ کا قول ہے: ''اس کی روایت ہمارے اصحاب میں سے ثقات نے ولید بن مسلم عن ابراہیم بن عبدالرحمان کے طریق سے بھی کی ہے۔'' امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''معان یعنی ابن رفاعۃ عن ابراہیم بن عبدالرحمان العذری التابعی سے متعدد لوگوں نے اس کی روایت کی ہے۔'' علامہ صنعانیؒ کا قول ہے: ''حدیث کی صحت قوی ہے جیسا کہ اس کی طرف اہل الحدیث کے امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن حبانؒ گئے ہیں۔'' (الروض الباسم ۱/۲۱،۲۳، تنقیح الانظار ۲/۱۲۹-۱۳۲)

واضح رہے کہ امام عقیلیؒ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت ابوامامہ الباھلی کے طریق سے بھی اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ (الضعفاء الکبیر ۱/۹،۱۰) لیکن آں رحمہ اللہ سے منقول ''الاسناد اولی'' کے الفاظ مجھے نہیں مل سکے اور امام ذہبی کے قول میں "ومعان ليس بعمدة" کے الفاظ بھی موجود ہیں جو امام رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۱/۴۳)

علامہ قسطلانیؒ حضرت اسامہ بن زید کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس حدیث کو صحابہ میں سے حضرات علی، ابن عمر، ابن عمرو، ابن مسعود، ابن عباس، جابر بن سمرہ، معاذ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ ابن عدیؒ نے اس کو بکثرت طرق وارد کیا ہے جو کہ سب ضعیف ہیں جیسا کہ امام دارقطنیؒ، ابونعیمؒ اور ابن عبدالبرؒ نے صراحت کی ہے لیکن تعدد طرق سے اس کا تقویت پاکر حسن ہونا ممکن ہے جیسا کہ علامہ ابن کیکلدی علائیؒ نے بالجزم بیان کیا ہے۔'' (کمافی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی، ص:۷)

علامہ جمال الدین قاسمیؒ اسامہ بن زیدؓ کی مرفوع حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اس حدیث کی ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کی ہے، امام ابن عدیؒ، امام دارقطنیؒ اور امام ابونعیمؒ نے اس کی تخریج کی ہے۔ اس حدیث کا متعدد طرق سے مروی ہونا تحسین کا متقاضی ہے جیسا کہ علائی نے بالجزم بیان کیا ہے۔'' (قواعد التحدیث، ص:۴۹-۵۰)

حافظ ابن قیمؒ نے ''مفتاح دار السعادۃ'' ۱/۱۶۳-۱۶۴ میں اس روایت کے متعدد طرق کو بلانقد جمع کیا ہے۔ علائیؒ حضرت اسامہ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: "إنه حسن غريب." (بغیۃ الملتمس، ص:۳-۴، توضیح الافکار ۲/۱۲۹، تعلیق علی المشکاۃ للألبانی ۱/۸۳) علامہ خطیب بغدادیؒ اور حافظ عراقیؒ وغیرہما ناقل ہیں: ''کسی شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلام موضوع ہے تو آپؒ نے فرمایا: "لا هو صحيح، سمعته من غير واحد" یعنی نہیں، یہ حدیث صحیح ہے میں نے اس کو متعدد حفاظ سے سنا ہے۔'' (شرف اصحاب الحدیث للخطیب، ص:۲۹، تنقیح الرواۃ للسید ابی الوزیر ۱/۵۴، فتح المغیث للعراقی، ص:۱۴۳، التقیید والایضاح للعراقی، ص:۱۱۶، تدریب الراوی للسیوطی ۱/۳۰۳، الجامع للخطیب ۱/۱۲۹، مفتاح دار السعادۃ ۱/۶۴ وغیرہ)

لیکن امام ابن القطانؒ فرماتے ہیں: "وخفي على أحمد من أمره ما علمه غيره." (التقیید والایضاح ص ۱۱۶، تدریب الراوی للسیوطی ۱/۳۰۳) شیخ عبدالوہاب عبداللطیف امام زرکشیؒ سے ناقل ہیں: "وفيما صار إليه ابن القطان من تضعيفه نظر فإنه يتقوى بتعدد طرقه الخ." (حاشیہ بر تدریب الراوی ۱/۳۰۳) اس حدیث کے متعلق امام نوویؒ فرماتے ہیں: "هذا اخبار منه ﷺ بصيانة هذا العلم وحفظه وعدالة ناقليه وإن الله يوفق له في كل عصر خلفا من العدول، يحملونه وينفون عنه التحريف فلايضيع، وهذا التصريح بعدالة حامليه في كل عصر وهكذا وقع ولله الحمد وهو من أعلام النبوة ولايضر كون بعض الفساق يعرف شيئا من علم الحديث نما هو إخبار بأن العدول يحملونه لاأن غيرهم لايعرف شيئا منه." (تہذیب للنووی ۱/۷ او کمافی مقدمۃ تحفۃ الأحوذی، ص:۷-۸ و قواعد تحدیث، ص:۴۹-۵۰)

ڈاکٹر محمود الطحان کا قول ہے: ''اس حدیث کو ابن عدیؒ نے الکامل وغیرہ میں روایت کیا ہے۔ عراقیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے جملہ طرق ضعیف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا یہ ارشاد موجود ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾۔ یہ ذکر اور ہدایت ہم نے نازل کی اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ قرآن کی ایسی حفاظت ہوئی کہ تمام عالم نے ہماری کتاب کی صحت پر شہادت دی لیکن حدیث! تو بہ ہی بھلی، اس کا تو یہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرف اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا کے صفحے پہ موجود نہیں الخ۔"(۱)

انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان کے مؤسس جناب مولانا حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی صاحب کے ہم مشرب جناب نظام الدین صاحب (معتمد عمومی، الرحمان پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی) بھی مؤسس موصوف کی کتاب "مذہبی داستانیں اور انکی حقیقت" جلد چہارم کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾۔ یعنی ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ جبکہ احادیث کے لئے ایسی کوئی ضمانت نہیں ہے....... خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی نے صرف قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے الخ۔"(۲)

افسوس کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب بھی محدثین کی روش کے خلاف "مقدمہ نظام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"یہ ہمارے بعض بھائیوں کا غلو ہے کہ وہ حفاظت قرآن کی طرح حفاظت حدیث کے قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری اور مسلم میں جو کچھ روایت ہو گیا ہے اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کی طرف منسوب متعدد روایتوں میں نہایت بھونڈا اختلاف نقل ہوا ہے۔"(۳)

(فإنالله وإنا إليه راجعون)

●●●

---

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) ہیں لیکن بعض علماء نے کثرت طرق کے باعث اسے حسن کہا ہے۔ ابن عبدالبرؒ کا یہ قول علماء کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ بالفرض اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ عادل لوگوں کو ایک دوسرے کے پیچھے اس کے علم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہئے۔ اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی پائے جائیں گے جو اس علم کے حامل ہوں گے، لیکن وہ اس کے عادل نہ ہوں گے۔" (تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۱۴۳)

محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے "تعلیق علی المشکاۃ" میں اس حدیث پر فی الجملہ کوئی حکم لگانے سے توقف کیا ہے۔ (مشکاۃ المصابیح ۱/۸۲-۸۳) لیکن "سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ" (۱/۴۸۵) میں اس کو ذکر کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے بلکہ مفید اور اہم قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی نے "الضعفاء الکبیر" للعقیلی کے ضمیمہ میں اس حدیث کو "الاحادیث الصحیحہ" کی فہرست میں ذکر کیا ہے۔ ضمیمہ الضعفاء الکبیر ۴/۵۲۵)۔ خلاصہ تحقیق یہ کہ راقم کے نزدیک زیر مطالعہ حدیث کی تحسین لغیرہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) دو اسلام، ص:۱۱۸-۱۱۹ (۲) پیش لفظ مذہبی داستانیں ۴/۱۵

(۳) رسالہ تدبر لاہور عدد نمبر ۲۷، ص:۳۴ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# اصول شریعت میں حدیث وسنت کی ثانوی حیثیت نا قابل قبول ہے

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ استنباط مسائل کے لئے شریعت میں سنت کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ دیا جاتا ہے جس سے سنت پر قرآن کی تقدیم لازم آتی ہے۔ اس بارے میں قدیم وجدید تمام مقلدین اور اکثر اہلحدیث، سب ہی حضرات متفق نظر آتے ہیں۔

امام شاطبیؒ نے ''الموافقات'' میں سنت پر تقدیم کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

''اول: کتاب اللہ قطعی اور سنت مظنون ہے۔ اگر سنت صحیح ہو تو اس میں قطعی چیز صرف مجملہ ہوتی ہے بلحاظ تفصیل نہیں ہوتی جبکہ کتاب مجملہ وتفصیل ہر دو طرح مقطوع ہے۔ اور جو چیز مقطوع ہو وہ مظنون پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا سنت پر کتاب اللہ کی تقدیم لازم آئی۔

دوم: سنت میں یا تو کتاب اللہ کی تبیین وتفسیر ہوتی ہے یا اس پر زیادتی۔ پس اگر سنت میں بیان وتفسیر ہو تو بلحاظ اعتبار مبین کے مقابلہ میں اس کا درجہ دوسرا ہوا کیونکہ سقوط مبین سے سقوط بیان لازم آتا ہے لیکن سقوط بیان سے سقوط مبین لازم نہیں آتا۔ اور یہی اس کا مرتبہ ہے پس تقدیم میں کتاب اللہ اولی ہے۔ اگر سنت میں بیان نہ ہو (بلکہ زیادتی ہو) تو اس کو اس وقت تک معتبر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ کتاب اللہ میں اس کی اصل نہ مل جائے اور یہ بھی کتاب اللہ کی تقدیم ہی کی دلیل ہے۔

سوم: اس بات پر اخبار وآثار مثلاً حضرت معاذ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں آں رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے دریافت فرمایا تھا: "كيف تقضى إذا عرض لك قضاء"؟ یعنی ''اگر تمھارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''أقضى بكتاب الله'' یعنی ''کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔'' آپ نے پوچھا کہ ''اگر تمہیں اس کا حل کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟'' عرض کیا: ''تو اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔'' پھر پوچھا کہ ''اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی اس کا حل نہ ملا تو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اپنی رائے سے اجتھاد کروں گا۔'' الخ۔''(۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''باب الفرق بين أهل الحديث وأصحاب الرأي" کے زیر عنوان تطبیق

(۱) الموافقات للشاطبی ۴/۵-۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بین النصوص، استنباط مسائل اور اجتہاد ورائے کے لئے معیاری اصول وقواعد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان عندهم أنه إذا وجد في المسألة قرآن ناطق فلا يجوز التحول إلى غيره وإذا كان القرآن محتملا لوجوه فالسنة قاضية عليه فإذا لم يجدوا في كتاب الله أخذوا بسنة رسول الله ﷺ الخ". (۱)

یعنی محدثین کے نزدیک جب قرآن میں کوئی حکم صراحۃً موجود ہو تو کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں لیکن اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو اور مختلف مطالب کا احتمال ہو تو حدیث کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ اگر قرآن کسی حکم کے متعلق خاموش ہو تو عمل رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر ہوگا"۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی سنت نبوی کو قرآن کے بعد کا درجہ دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"بعد كتاب الله عزو جل سنن رسول الله ﷺ فهي المبينة لمراد الله عز وجل من مجملات كتابه و الدالة لعى حدوده والمفسر له الخ۔"(۲)

یعنی "اللہ عز وجل کی کتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنن ہیں جو کتاب اللہ کے مجملات سے اللہ عز وجل کی مراد بیان کرتی ہیں، اس کی حدود پر دلالت کرتی اور اس کی تفسیر وتوضیح کرتی ہیں۔"

جناب حمید الدین فراہی صاحب کا حدیث کے بارے میں نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ قرآن کو اصل اور حدیث کو ایک فرع کی حیثیت دیتے ہیں چنانچہ "مقدمہ نظام القرآن" میں تفسیر کے خبری مأخذ کے تحت لکھتے ہیں:

"اصل واساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے، اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں۔ اول وہ احادیث نبویہ جن کو علمائے امت نے پایا، دوم قوموں کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر امت نے اتفاق کیا، سوم گزشتہ انبیاء کے صحیفوں میں جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے۔ اگر ان تینوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی۔"(۳)

آں موصوف مزید لکھتے ہیں:

"ایک اور قابل لحاظ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے جو کچھ ثابت ہے اس میں اور فروع سے جو کچھ معلوم ہو اس میں فرق کرنا چاہئے دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ قطعی ثابت ہے اور فروع میں وہم وظن کی بہت کچھ گنجائش ہے۔"(۴)

اور کتاب "اصول التاویل" میں لکھتے ہیں:

"قرآن کو سمجھے بغیر اگر آپ حدیث کی طرف دیوانہ وار رجوع کریں جبکہ اس میں صحیح وسقیم دونوں طرح کی

(۱) قواعد التحدیث، ص:۳۳۸، حجۃ اللہ البالغۃ، ص:۱۱۸
(۲) خطبۃ الاستیعاب علی ہوامش الاصابۃ ۱/۲
(۳) رسالۂ تدبر لاہور نمبر ۳۷، ص:۳۳ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء
(۴) نفس مصدر، ص:۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایات ملی ہوئی ہیں تو دل میں کوئی ایسی رائے بیٹھ جاتی ہے جس کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے مخالف بھی ہوتی ہے۔ اس کی بناء پر آپ تاویل قرآن میں کسی سقیم حدیث پر اعتماد کر لیتے ہیں اور اس طرح حق باطل کے ساتھ گڈ مڈ ہو جاتا ہے۔ سیدھا راستہ یہ ہے کہ آپ قرآن سے ہدایت حاصل کریں، اسی پر اپنے دین کی بنیاد رکھیں۔ اس کے بعد احادیث پر غور کریں۔ اگر بادیٔ النظر میں ان کو قرآن سے بیگانہ پائیں تو ان کی تاویل کتاب اللہ کی روشنی میں کریں۔ اگر مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو قرآن پر عمل کرنا اور احادیث کے معاملہ میں توقف کرنا ضروری ہے۔ اس طرز عمل کی بنیاد یہ ہے کہ ہمیں پہلے اللہ کی اطاعت کا اور پھر رسول کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کلام کو رسول اللہ سے مروی کلام پر مقدم رکھا جائے تو اس نے حکم میں ترتیب کیوں قائم کی؟۔"(۱)

فراہی مکتب فکر کے ترجمان جناب خالد مسعود صاحب اپنے مضمون "حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منھاج" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ ارشادات نبویہ کو دین وشریعت کی بنیاد ماننے اور سنت کی تشریعی حیثیت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا فراہیؒ روایت حدیث کو یہ حیثیت دینے کو اس لئے تیار نہیں کہ روایت میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اور اس طرح اس میں وہم وظن کو دخل ہو جاتا ہے۔ الخ۔"(۲)

آنجناب آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

"حدیث کو اصل نہ ماننے کی وجہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ احادیث میں صحیح وسقیم کی تمیز ایک مشکل کام ہے اور دین کی بنیاد کسی غلط روایت پر رکھنا بے حد خطرناک ہے۔ لہٰذا وہ مصر ہیں کہ دین کے ہر معاملہ کی بنیاد قرآن کی نصوص ہی پر قائم کرنی چاہئے۔"(۳) اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں: "سنت قرآن مجید کے بعد دین کا دوسرا قطعی ماخذ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اصول ایک ناقابل انکار علمی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے الخ (میزان ج ۱ ص ۷۹)

اور جناب امین احسن اصلاحی صاحب اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"تفسیر کے ظنی مآخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرۂ احادیث وآثار ہے۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی۔ لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا

---

(۱) رسالہ تدبر لاہور نمبر ۳۷، ص: ۳۷، مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۲) نفس مصدر، ص: ۳۴
(۳) نفس مصدر، ص: ۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے ہیں الخ۔"(۱)

یہی بات آں محترم نے اپنی ایک اور کتاب "مبادیٔ تدبر قرآن" میں معمولی تغیر کے ساتھ یوں بیان فرمائی ہے:

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث وآثار صحابہ ہیں۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کو وہی اہمیت حاصل ہو جاتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی ہے لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اطمینان نہیں کیا جا سکتا اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔"(۲)

گویا جناب اصلاحی صاحب کو احادیث وآثار کے سب سے زیادہ اشرف اور پاکیزہ ہونے کے اعتراف کے باوجود ان کی صحت پر پورا اطمینان نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی حدیث ان کے اپنے خود ساختہ "قطعی اصولوں" کے موافق آ جائے تو اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں ورنہ اسے ناقابل اطمینان سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

جناب حبیب الرحمان اعظمی صاحب "معارف الحدیث" مصنفہ منظور نعمانی صاحب پر مقدمہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بلاشبہ قرآن پاک دین وشریعت کی اصل واساس ہے اور ادلہ شرع میں وہی سب سے مقدم اور سب سے محکم ہے مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے۔ تفریع وتفصیل اور توضیح وتشریح حدیث وسنت کا وظیفہ ہے۔"(۳)

اور علمائے اہلحدیث میں سے ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب فرماتے ہیں:

"لاشك أن السنة في المرتبة الثانية من القرآن من جهة الاحتجاج بها والرجوع إليها لاستنباط الأحكام الشرعية بحيث إن المجتهد لايرجع إلى السنة للبحث عن واقعة إلا إذا لم يجد في القرآن حكم ماأراد معرفة حكمه لأن القرآن أصل التشريع ومصدره الأول، فإذا نص على حكم اتبع وإذا لم ينص على حكم الواقعة رجع إلى السنة فإن وجد فيها حكم اتبع."(۴)

"بے شک شرعی احکام کے استنباط کے لئے احتجاج اور رجوع کے اعتبار سے سنت قرآن سے دوسرے درجہ میں ہے کیونکہ کوئی مجتہد کسی واقعہ کے متعلق بحث وتمحیص میں سنت کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کرتا جب تک کہ مطلوبہ حکم کی معرفت قرآن میں نہ پائی جاتی ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن، تشریع کی اصل اور اس کا پہلا مصدر ہے، لہٰذا اگر قرآن میں کسی حکم پر نص موجود ہو تو مجتہد اس کی اتباع کرتا ہے، لیکن اگر قرآن میں کسی معاملہ یا واقعہ کے متعلق

---

(۱) مقدمہ تفسیر تدبر قرآن
(۲) مبادیٔ تدبر قرآن، ص: ۲۱۸
(۳) مقدمہ بر معارف الحدیث ۱/ ۱۵، طبع دار الاشاعت کراچی
(۴) السنۃ حجیتہا ومکانتہا فی الإسلام، ص: ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حکم پر نص موجود نہ ہو تو وہ سنت کی طرف رجوع کرتا ہے، پس اگر اس میں وہ حکم مل جائے تو اس کی اتباع کی جاتی ہے۔"
آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"فالسنة إما أن تكون مفسرة لمجملات القرآن وإما أن تكون مستقلة في التشريع بما ليس في القرآن،وهذا يجعل الحديث في المرتبة الثانية من القرآن،ويؤكد أن الشرع الإسلامى يتكون من الأصلين معا القرآن والحديث،مصداقا لقوله ﷺ :تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما،كتاب الله وسنتي۔"(۱)

"پس سنت قرآن کے مجملات کی مفسر ہونے کے ساتھ ان امور کے بارے میں ایک مستقل تشریعی حیثیت رکھتی ہے جو قرآن کریم میں مذکور و منصوص نہیں ہیں، لہذا یہ چیز حدیث کو قرآن سے دوسرے مرتبہ میں رکھنے کی متقاضی ہے اور اسلامی شریعت کے ایک ساتھ دو اصل، قرآن وسنت، سے ماخوذ ہونے کو مؤکد کرتی ہے بمصداق ارشاد رسول ﷺ: "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، جب تک سختی کے ساتھ ان پر جمے رہے تو گمراہ نہ ہو گے، وہ چیزیں کتاب اللہ اور میری سنت ہیں۔"

محترم ڈاکٹر سلفی صاحب حفظہ اللہ اوائل کتاب میں بھی مختلف مقامات پر تقریباً یہی بات لکھ چکے ہیں مثلاً:

"وإنما تكون طاعته بالتزام سنة والعمل بحديثه والأخذ بمضمونه الصحيح في مسائل الدين واعتباره الأصل الثانى من أصول التشريع بعد القرآن المجيد۔"(۲)

"فالصحابة(۳)رضوان الله عليهم أجمعين لم يرضوا ترك السنة كان عليها رسول اللهﷺ ولم يقبلوا مع السنة رأى أحد......وكذلك التابعون والأئمة والعلماء من بعدهم، نراهم قد أجمعوا على أن السنة مصدر تشريعي بعد القرآن لا يكمل الدين إلا بهما۔" (۴)

اور

---

(۱) السنة حجيتها ومكانتها في الإسلام، ص:۹۶ (۲) نفس مصدر، ص:۱۹

(۳) حالانکہ خود ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب حفظہ اللہ ہی ذرا پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ قرآن وسنت کے احکام کے مابین کسی طرح کا فرق نہیں کیا کرتے تھے۔ ـــــ اس ضمن میں آں محترم کے الفاظ یہ ہیں "كان الصحابة يلتفون حول الرسول ﷺ،يشاهدون بعيونهم ويسمعون بآذانهم وتعى قلوبهم ويتمسكون بسنته ولايفرقون بين ما جاء فى القرآن وماجاء فى السنة وحافظوا على الكتاب العزيز والسنة الشريفة وأبوا أن يكونوا ذلك الرجل الذى ينطبق عليه قولهﷺ:ويوشك الرجل متكئا على أريكته يحدث بحديث من حديثى فيقول :بيننا وبينكم كتاب الله عز و جل فما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه من حرام حرمناه ألا وإن ما حرم رسول الله مثل ما حرم الله الخ۔"(السنة حجيتها ومكانتها في الإسلام، ص:۲۲)

(۴) نفس مصدر ۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"بهذا كله ظهر لنا أن السنن النبوية مصدر ثان من مصادر التشريع باتفاق علماء الأمة۔"(۱)

اسی طرح القرآن سوسائیٹی لندن کے صدر جناب مولانا صہیب حسن بن شیخ عبدالغفار حسن رحمانی حفظہما اللہ فرماتے ہیں:

"Hadith is the second source of Islam after the Quran----" (۲)

اس بارے میں اور بہت سے لائق احترام علمائے اہلحدیث واحناف کے اقتباسات پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن ہم بخوف طوالت انہی چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہی صاحب اور ان کے مخصوص مکتب فکر کے ترجمان کا نقطۂ نظر ہم نے یہاں بطور خاص نقل کیا ہے۔ محترم ڈاکٹر سلفی اور جناب صہیب حسن صاحبان کا تذکرہ ضمناً صرف یہ واضح کرنے کے لئے آ گیا ہے کہ علمائے اہلحدیث بھی اس بارے میں یک زبان ہیں۔ بہرحال سنت پر قرآن کی تقدیم کے جو اسباب مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱- سنت قطعی نہیں بلکہ مظنون ہے، اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے یا ظن اور وہم کو بھی اس میں دخل ہے۔ اس کا جواب ان شاء اللہ آگے "اخبار آحاد کی حجیت" کے زیر عنوان مفصل طور پر پیش کیا جائے گا۔

۲- سنت قرآن کی بیان وتفسیر ہونے کی بناء پر بلحاظ اعتبار قرآن سے فروتر ہوئی۔ لیکن یہ دعوی درست نہیں ہے کیونکہ محققین علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیان ومبین مساوی المرتبت ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات مبین چیز مجمل پر مقدم ہوتی ہے۔

۳- سنت میں ایسی زیادت کا غیر معتبر ہونا جس کی اصل قرآن میں نہ ملتی ہو، یہ بھی ایک بے اصل بات ہے۔ اس پر بھی تفصیلی بحث ان شاء اللہ "اخبار آحاد کی حجیت" کے زیر عنوان پیش کی جائے گی۔

۴- حضرت معاذؓ کی حدیث سے استدلال ـــــ یہ حدیث اصلاً منکر ہے جیسا کہ آگے "اخبار آحاد کی حجیت" کے زیر عنوان مدلل طور پر بیان کیا جائے گا، پس یہ استدلال بھی باطل ہوا۔

۵- احادیث میں صحیح وسقیم کی تمیز ایک دشوار کام ہے۔ یہ عذر لنگ وجہ تقدیم سے زیادہ علم حدیث سے بے بضاعتی اور عدم ممارست کا مظہر ہے۔

۶- اللہ تعالی نے اطاعت کے بارے میں یوں ترتیب قائم فرمائی کہ ہمیں پہلے اللہ کی اطاعت کا پھر رسول کی اطاعت کا حکم ہوا ہے ـــــ یہ بات بھی جہل مرکب سے کم نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے کہ ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اصلاً اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ جہاں

---

(۱) السنۃ حجیتہا ومکانتہا فی الإسلام، ص: ۲۵

(۲) Criticion of Hadith Among Muslims With Reference to Sunan Ibn Majah, p.10 London , 1980.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تک قرآن میں اس حکم کی ترتیب سے استدلال کرنے کا تعلق ہے تو وہ بھی قواعد لسانیات کی روشنی میں درست نہیں ہے کیونکہ جن آیات سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان میں اطاعت الٰہی کے حکم کے ساتھ اطاعت رسول کا حکم یا قران مذکور ہے نہ کہ باعتبار ترتیب "أطيعوا الله والرسول" اور "أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" میں ''واؤ'' امر اطاعت کے اعادہ کے ساتھ واؤ عطف یا مطلق اشتراک کا فائدہ دیتا ہے۔ اس ''واؤ'' کو "التشريك في الطاعة" بھی کہہ سکتے ہیں۔(۱)

۷- حدیث: "تركت فيكم أمرين الخ۔" سے استدلال بھی درست نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ آگے واضح کیا جائیگا۔

۸- صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تمام ائمہ وعلمائے امت کا بالاتفاق سنت کو شریعت میں قرآن کے بعد مصدر ثانی سمجھنے کا دعوی بھی غلط ہے کیونکہ ان صلحاء کے نزدیک تو قرآن وسنت دونوں چیزیں ہی بلا تقدیم وتاخیر، بلا تعیین مدارج اور بلا تفریق یکساں طور پر مصدر شریعت تھیں۔

جب سنت پر قرآن کی تقدیم کی مذکورہ بالا تمام وجوہ نا قابل استدلال ٹھہریں تو کتاب وسنت کے مابین کسی طرح کی تفریق یا درجہ بندی کا نظریہ بھی اصلاً بے بنیاد اور لغو قرار پایا اور یہی ہمارا مقصود ہے، فالحمد للہ علی ذلک۔ ذیل میں ہم اپنے موقف کی تائید میں چند شواہد پیش کریں گے:

۱- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾ (۲) یعنی ''وہ (رسول) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ آپ کا ارشاد نری وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

۲- ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾. (۳) یعنی ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

۳- ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾۔ (۴) یعنی ''اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔''

۴- ﴿ان الذين يكفرون بالله ورسله ويريدون أن يفرقوا بين الله ورسله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلا۔ أولئك هم الكافرون حقا وأعتدنا للكافرين عذابا مهينا۔ والذين آمنوا بالله ورسله ولم يفرقوا بين أحد منهم أولئك سوف يؤتيهم أجورهم وكان الله غفورا رحيما﴾. (۵)

یعنی ''جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں

---

(۱) السنۃ ومکانتہا فی التشریع لعباس متولی حمادہ، ص: ۵۳ (۲) النجم: ۳، ۴
(۳) النساء: ۸۰ (۴) الحشر: ۷ (۵) النساء: ۱۵۰ تا ۱۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے مابین فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ پر تو ایمان لاتے ہیں اور کچھ کے منکر ہیں۔اور یہ چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ اخذ کریں۔ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔اور جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ ضرور ان کے اجر دے گا اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے۔"

اس آیت میں جس تفریق کو قطعی کفر کہا گیا ہے وہ تفریق فی الاطاعت ہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ عزوجل ذات وصفات کے اعتبار سے کبھی ایک نہیں ہو سکتے، ایک خالق کائنات ہے تو دوسرا اس کی مخلوق، ایک آمر ہے تو دوسرا مامور، ایک حاکم ہے تو دوسرا بندہ، ایک بے نیاز ہے تو دوسرا نیازمند، ایک بذات خود علیم وخبیر ہے تو دوسرا علم کا محتاج، ایک مختار کل ہے تو دوسرا محتاج محض ــــ غرض اس طرح کی اللہ عزوجل اور رسول اللہ کے مابین تفریق باعث کفر نہیں بلکہ اس قبیل کی تو وحدت باعث کفر ہے۔

۵-منافقین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ﴿وإذا قيل لهم تعالوا إلى ما أنزل الله وإلى الرسول رأيت المنافقين يصدون عنك صدودا﴾(۱) ــــ یعنی "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ وہ آپ سے پہلوتہی کرتے ہیں۔"

اس آیت میں منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام اور رسول کی طرف دی جانے والی دعوت میں مغایرت برتتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے سے پہلوتہی کرتے ہیں، بالفاظ دیگر احکام الٰہی اور احکام نبوی دونوں کے مابین کوئی مغایرت نہیں ہے۔

۶-رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه."(۲) یعنی "آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے مثل ایک اور چیز"۔

۷-رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إن ما حرم رسول الله كما حرم الله"(۳) ــــ یعنی "جس چیز کو رسول اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو وہ بھی اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی مانند حرام ہے۔"

۸-رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما:كتاب الله وسنتي ولن يتفرقا حتى يردا علي الحوض."(۴)

---

(۱) النساء:۶۱ (۲) سنن ابی داود مع عون المعبود ۴/ ۳۲۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۳۷۴، سنن ابن ماجہ ۱/ ۶، سنن الکبری للبیہقی ۹/ ۳۳۲، سنن الدارقطنی ۴/ ۲۸۷، الشریعۃ للآجری ص:۵۶، الکفایۃ للخطیب ص:۸، الدارمی المقدمہ ۱/ ۱۴۴، مسند احمد ۴/ ۱۳۰-۱۳۲، تفسیر القرطبی ۱/ ۳۷-۳۸، جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۱۹۰ (۳) نفس مصادر

(۴) المؤطا للامام مالک کتاب القدر نمبر ۵۶۰، المستدرک للحاکم ۱/ ۹۳ (بسند حسن)، سنن الکبری للبیہقی ۱۰/ ۱۱۴، جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور میری سنت۔ اور یہ دونوں چیزیں علیحدہ نہ ہوں گی تا آں کہ حوض پر وارد ہوں۔''

۹- حسان بن عطیہ سے بسند صحیح مروی ہے: "كان جبريل ينزل على رسول الله ﷺ بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن ويعلمه كما يعلمه القرآن۔"(۱)

یعنی ''جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر سنت لیکر اسی طرح نازل ہوتے تھے جس طرح کہ آپ پر قرآن لیکر نازل ہوتے تھے اور آپ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح کہ قرآن سکھاتے تھے۔''

۱۰- تمام صحابۂ کرامؓ عہد رسالت میں اور آں ﷺ کی وفات کے بعد بھی قرآن کریم اور آپ کے ارشادات کے مابین کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔ اس عہد بابرکت میں ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی جب کہ نبی ﷺ نے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہو یا کسی چیز کا حکم دیا یا کسی کام سے منع فرمایا ہو تو صحابہ میں سے کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ سے قرآن سے اس کی دلیل طلب کی ہو۔ وہ لوگ تو اتباع و تسلیم کا اعلیٰ ترین پیکر و نمونہ تھے۔ صحابۂ کرامؓ کے بعد تمام تابعین اور محققین علمائے سلف و خلف کا بھی یہی موقف رہا ہے، اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ہم بخوف طوالت یہاں صرف مندرجہ ذیل چند مثالیں ہی پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱- حضرت عمرؓ کا قول ہے: "تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلمون القرآن۔"(۲)

یعنی ''فرائض (احکام وراثت) اور سنت رسول اس طرح سیکھو جس طرح قرآن مجید کو سیکھتے ہو۔''

۲- ابن شہاب نے عن الأعرج عن أبي ہریرہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں موجود نہ ہوتیں تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہیں کرتا۔ (پھر آں رضی اللہ عنہ نے ان دو آیات کی تلاوت فرمائی)

﴿إن الذين يكتمون ما أنزل الله من الكتاب﴾(۳) اور ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى﴾۔(۴)

علامہ ابو عمر فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں یہ فقہی نکتہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث کا حکم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے حکم کا ہی ہے الخ''(۵)

۳- بنی اسید کی ایک عورت جس کی کنیت ام یعقوب تھی حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ ''آپ ان عورتوں پر لعنت کرتے ہیں جو بال اکھیڑتی اور سنگھار کے لئے گودتی ہیں اور دانتوں کے درمیان فاصلہ

---

(۱) مراسیل ابی داود، الدارمی ۱/۱۴۵، الکفایۃ للخطیب ص ۱۲، فتح الباری ۱۳/۲۹۱

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۲۳، المغنی لابن قدامہ ۶/۱۶۵، سنن سعید بن منصور ۳/۱

(۳) البقرہ: ۱۷۴

(۴) البقرہ: ۱۵۹، صحیح البخاری مع فتح الباری ۱/۲۱۳، صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴

(۵) جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۲/۱۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


پیدا کرتی ہیں؟'' آں رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہاں میں ایسی عورتوں پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی اور جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے؟'' اس عورت نے عرض کیا کہ ''میں نے کتاب اللہ از ابتدا تا انتہا پڑھی ہے لیکن مجھے اس میں آپ کی یہ بات کہیں نظر نہ آئی۔'' حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ: "إن كنت قرأتيه لقد وجدتيه" (اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو اس میں ضرور پایا ہوتا)، "أما قرأت ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا﴾. (کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ: ''جو کچھ رسول دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ)۔'' عورت نے جواب دیا: ''ہاں یہ آیت تو پڑھی ہے۔'' حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "لعن الله المتنامصات" اللہ تعالیٰ نے بال اکھیڑنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (۱)

۴- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: "إنه سمع ابن عمر وابن عباس أنهما شهدا على رسول الله ﷺ أنه نهى عن الدباء والحنتم والمزفت والنقير ثم تلا رسول الله ﷺ هذه الآية: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نها كم عنه فانتهوا﴾ (۲)

یعنی ''انہوں نے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس بات کی شہادت دیتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دباء، حنتم، مزفت اور نقیر سے منع فرمایا ہے، پھر آپ نے یہ تلاوت فرمائی: جو کچھ رسول دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہو۔''

۵- حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: "قال ابن عباس ألم يقل الله عز وجل "ما آتاكم الرسول فخذوه وما نها كم عنه فانتهوا" قلت: بلى، قال: ألم يقل الله: "وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم" قلت: بلى، قال: فإني أشهد أن النبي ﷺ نهى عن النقير والمقير والدباء والحنتم." (۳)

یعنی ''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کیا اللہ عز وجل نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کام کا حکم رسول دیں اسے لازم پکڑو اور جس کام سے منع کر دیں اس سے باز رہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ فرما دیں تو پھر ان کو اس معاملہ میں اختیار باقی رہے۔ میں نے کہا: ہاں، تو فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے نقیر، مقیر، دباء اور حنتم سے منع فرمایا ہے۔''

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۸/۶۳۰، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ ۳/ ۳۳۶، سنن النسائی مع التعلیقات السلفیۃ ۲/۲۷۴، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۴/۱۶، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح ۱/۶۴۰، الکفایۃ للخطیب ص۱۲، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۲/ ۱۸۸

(۲) سنن النسائی مع التعلیقات السلفیۃ ۲/ ۳۲۶ (۳) نفس مصدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۶-مروی ہے کہ مشہور تابعی حضرت عبدالرحمان بن یزید النخعی الکوفیؒ (۸۳ھ) نے موسم حج میں ایک شخص کو حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو اس کے پاس جا کر سلا ہوا لباس اتارنے اور لباس احرام کے لئے سنت نبوی کو اپنانے کا مشورہ دیا۔ اس شخص نے حضرت عبدالرحمان سے کہا: آپ میرے اس لباس کے بارے میں جو اختلاف کر رہے ہیں اس کی تائید میں کتاب اللہ کی کوئی آیت پیش کریں (کہ اللہ تعالی نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے)، یہ سن کر عبدالرحمانؒ نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی: ﴿وماآتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا﴾. (۱)

۷-ہیثم بن عمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن عبیداللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے: "ينبغي لنا أن نحفظ حديث رسول الله ﷺ كما نحفظ القرآن لأن الله تعالى يقول:وماآتاكم الرسول فخذوه." (۲)

یعنی "ہمیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو بھی قرآن کی طرح ہی حفظ کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: اور تمہیں جو کچھ رسول دے اسے لے لو۔"

اب اس ضمن میں کچھ علماء و محققین کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیں:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"وذلك أنها مقرونة مع كتاب الله،وأن الله افترض طاعة رسوله وحتم على الناس اتباع أمره فلا يجوز أن يقال لقول فرض،إلا لكتاب الله ثم سنة رسوله". (۳)

یعنی "سنت کتاب اللہ کے ساتھ مقرون ہے۔ اللہ تعالی نے اطاعت رسول کو فرض قرار دیا ہے اور آپ کے حکم کی اتباع کو انسانوں پر حتمی قرار دیا ہے، پس کسی کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے صرف کتاب اللہ کو فرض کیا پھر اس کے بعد اپنے رسول کی سنت کو۔"

امام خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الكفاية في علم الرواية" میں وجوب عمل اور لزوم تکلیف کے باب میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو متساوی الحکم قرار دیتے ہوئے ایک عنوان یوں قائم فرمایا ہے: "باب ما جاء في التسوية بين حكم كتاب الله تعالى وحكم سنة رسول الله ﷺ في وجوب العمل ولزوم التكليف". (۴)

ملا علی قاری حنفیؒ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

"سعـــادة الدارين منوطة بمتابعة كتاب الله ومتابعته موقوفة على معرفة سنة

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۸۹
(۲) الکفایۃ للخطیب ص:۱۲
(۳) الرسالۃ للامام الشافعی ص:۷۸
(۴) الکفایۃ للخطیب ص:۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


رسول الله عليه الصلاة والسلام ومتابعته فهما متلازمان شرعا لاينفك أحدهما عن الآخر."(۱)
یعنی" دنیا اور عقبی کی کامیابی کا راز کتاب اللہ کی تابعداری میں مضمر ہے اور کتاب اللہ کی تابعداری نبی ﷺ کی سنت کی معرفت پر موقوف ہے، پس کتاب اللہ اور سنت رسول از روئے شریعت باہم دیگر لازم وملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔"

شاہ ولی اللہ صاحب محدثین اور فقہاء کے اصول استنباط مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:
"باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتاوی بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن وحدیث وآثار صحابہ جمع می کردند وازاں جا استنباط می نمودند وایں طریقہ اصل راہ محدثین است الخ۔"(۲)
یعنی" جاننا چاہئے کہ استنباط مسائل کے لئے سلف میں دو طریقے رائج تھے۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن، حدیث اور آثار صحابہ کو جمع کیا گیا اور انکی روشنی میں استنباط کیا گیا اور یہ طریقہ اصلا محدثین کی راہ ہے۔"

محی السنہ علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ اپنی کتاب "فوائد الفوائد" میں دیلمیؒ کی ایک مرفوع حدیث ("القرآن صعب مستصعب على من كره وهو الحكم فمن استمسك بحديثي وفهمه وحفظه جاء مع القرآن.") کے متعلق فرماتے ہیں:
"اس حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ حدیث اور قرآن کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔یہ دونوں ایک ہی جیسی چیز ہیں۔جس نے قرآن یا میری حدیث سے تہاون کیا وہ دنیا وآخرت دونوں کے خسارہ میں ہے۔میں اپنی امت کو حکم دیتا ہوں کہ میرے قول کو پکڑیں، میرے حکم کی اطاعت کریں اور میری سنت کی اتباع کریں۔جو قرآن سے راضی ہو وہ حدیث سے بھی راضی ہو۔اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿وما آتاكم الرسول فخذوه﴾(الآیۃ) پس جس نے میری اقتداء کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت کو ترک کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"(۳)

محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ قیاس کی مشروعیت پر استدلال کے لئے پیش کی جانے والی حضرت معاذ کی مشہور حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"حدیث معاذ میں حکم وفیصلہ کے تین مرحلے بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا کہ رائے میں حکم کی تلاش سنت کے بعد ہوگی اور سنت میں قرآن کے بعد ـــــ رائے کے متعلق تو یہ قاعدہ صحیح ہے چنانچہ علماء کا قول ہے کہ "إذا ورد الأثر بطل النظر."یعنی جب حدیث مل جائے تو غور وفکر بیکار ہے لیکن سنت کے سلسلہ میں یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سنت قرآن کے سلسلہ میں حاکم اور اس کی مبین ہے۔اس لئے قرآن میں حکم کے وجود کا گمان ہوتے ہوئے

---

(۱) مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱/۲۱۲ (۲) مصفی ۱/۴
(۳) کمافی فضائل الحدیث مؤلفہ عبدالسلام بستوی، ص: ۲۵ طبع دہلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی اسے سنت میں تلاش کرنا ضروری ہے۔قرآن کے ساتھ سنت کا تعلق ہرگز ویسا نہیں ہے جیسا کہ سنت کے ساتھ رائے کا ہے، بلکہ کتاب وسنت دونوں کو ایک ہی ماخذ ماننا ضروری ہے۔دونوں کے مابین کوئی تفریق نہیں۔ نبی ﷺ نے اس بات کی جانب یوں اشارہ فرمایا ہے:"ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه۔"یعنی''سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز۔''اور اس چیز سے سنت ہی مراد ہے۔آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:"لن يتفرقا حتى يردا على الحوض۔"یہ دونوں چیزیں الگ نہ ہوں گی تا آں کہ حوض پر وارد ہوں۔اس لئے قرآن وسنت کے مابین درجہ کی تعیین صحیح نہیں کیوں کہ اس سے دونوں میں تفریق لازم آتی ہے جو کہ باطل ہے۔''(۱)

پس ثابت ہوا کہ قرآن وسنت کے مابین کسی قسم کی تفریق، تقدیم وتاخیر یا مدارج کی تعیین قرآن وحدیث کے تقاضہ اور سلف صالحین کے آثار، نیز علماء ومحققین کے فیصلوں کے منافی ہے۔اصلاً دونوں چیزیں یکساں طور پر مصدر شریعت ہیں، والله أعلم۔

• • •

(۱) حجیت حدیث للشیخ الالبانی ص:۱۷ مترجم عبدالوہاب حجازی (بتصرف یسیر) وکذا فی سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للألبانی ۲/۲۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# عدم اتباع سنت انکار رسالت کے مترادف ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾(۱)—— یعنی "ہم نے رسولوں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے تا کہ بحکم الٰہی ان کی اطاعت کی جائے۔" ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ —— (۲) یعنی "جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔" ﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم﴾ —— (۳) یعنی "پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کوئی مصیبت ان کو آدبوچے یا کوئی دردناک عذاب ان کو آلے۔" اور ﴿وماكان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾—— (۴) یعنی "جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہ جاتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلم کھلا گمراہی میں جا پڑا۔" وغیرہ —— ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم آ جائے تو ہمارے لئے کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا۔ جو شخص ایسی حالت میں التزام و ترک کے لئے اپنی ذاتی رائے کو اختیار کرے یا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بجائے کسی دوسرے کے قول کی طرف رجوع کرے تو ان نصوص کی روشنی میں یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ ایسے شخص کا ایمان غیر معتبر ہے، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو ہی "کمال ابتدائے ایمان" قرار دیا ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تو لایا لیکن اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو اس پر ہرگز "کمال ایمان" کا اطلاق نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان نہ لائے۔ "وهكذا سن رسول الله ﷺ في كل من امتحنه للإيمان۔"(۵)

آگے چل کر امام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر اپنی وحی اور اپنے رسول کی سنن کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے، چنانچہ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے: ﴿ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلو عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة

(۱) النساء: ۶۴ (۲) الحشر: ۷ (۳) النور: ۶۳
(۴) الاحزاب: ۳۶ (۵) الرسالہ للامام الشافعی ص: ۷۳-۷۵ ملخصا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ويزكيهم إنك أنت العزيز الحكيم﴾۔۔۔(۱) یعنی ''اے ہمارے رب اس جماعت کے اندرانہی میں کا ایک رسول مبعوث فرما جوان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنائے اوران کو آسمانی کتاب اور حکمت (سنت) کی تعلیم دے اوران کو پاک کردے، بے شک تو عزیز اور بڑی حکمت والا ہے۔'' (اس آیت کے بعد امام شافعیؒ نے چند دوسری آیات بھی پیش کی ہیں، پھر فرماتے ہیں:) پس اللہ نے ان آیات میں جس ''کتاب'' کا ذکر فرمایا ہے، وہ قرآن کریم ہے اور جس ''حکمت'' کا ذکر فرمایا ہے تو میں نے قرآن کے ان اہل علم حضرات سے سنا ہے کہ جنہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اس سے مراد ''رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔'' (پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:) اللہ تعالی نے اپنے رسول کی اطاعت کو فرض اور تمام انسانوں پر ان کے حکم کی اتباع کو حتمی قرار دیا ہے........ یہاں اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو کتاب وحکمت کی تعلیم فرما کر دراصل ان پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے، لھذا کسی کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہاں ''حکمت'' سے مراد ''سنت رسول اللہ ﷺ'' کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔'' (۲)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من بلغه عنى حديث فكذب به فقد كذب ثلاثة :الله ورسوله والذى حدث به۔" (۳)

''جس شخص کے پاس میری کوئی حدیث پہنچی اوراس نے اس کو جھٹلایا تو گویا اس نے اللہ تعالی، اس کے رسول اوراس حدیث کے راوی تینوں کی تکذیب کی۔''

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

''اس کی سند میں راوی میسور بن محفوظ ہے جس کا تذکرہ امام ابن ابی حاتم نے کیا ہے لیکن اس کے متعلق نہ کوئی جرح نقل کی ہے اور نہ ہی تعدیل۔'' (۴)

امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ:

"من رد حديث رسول الله ﷺ فهو على شفا هلكة۔" (۵) ''جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے دہانے پر جا پہنچا۔''

امام محمد بن نصر المروزیؒ (۲۹۴ھ) نے بیان کیا ہے امام اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہؒ (م ۲۳۸ھ) فرمایا کرتے تھے:

"من بلغه عن رسول الله ﷺ خبر يقر بصحته ثم رده بغير تقية فهو كافر۔" (۶)

''جس شخص تک رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کی صحت کا اقرار بھی کرے پھر بغیر تقیہ کے

(۱) البقرہ: ۱۲۹ (۲) نفس مصدر، ص: ۷۶، ۷۸ ملخص
(۳) رواہ الطبرانی فی الأوسط (۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی نمبر ۱، ص: ۱۴۸
(۵) کتاب المناقب لابن الجوزی، ص: ۱۸۲ (۶) الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم، ص ۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس کورد کرے تو وہ کافر ہے۔“

امام ابن حزم اندلسیؒ آیت: ﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه إلى الله﴾. (۱) کے تحت لکھتے ہیں:

”پس ہم نے پایا ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں اپنے نبی ﷺ کے کلام کی طرف لوٹنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے لہذا کسی مسلمان کے لئے جو توحید کا اقرار کرتا ہو اس بات کی قطعا کوئی گنجائش نہیں کہ تنازعہ کے وقت قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علاوہ کسی اور طرف رجوع کرے اور نہ اس بات کی گنجائش ہے کہ جو کچھ وہ ان میں پائے اس کی خلاف ورزی کرے کیوں کہ اگر اس نے اپنے اوپر حجت قائم ہونے کے بعد ایسا کیا تو وہ فاسق ہے اور جس شخص نے ان دونوں چیزوں کے حکم سے خروج کو حلال جانتے ہوئے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کو واجب جانتے ہوئے ایسا کیا تو ہمارے نزدیک بلاشبہ وہ کافر ہے۔

امام محمد بن نصر مروزی نے ذکر کیا ہے کہ امام اسحاق بن راھویہؒ فرماتے تھے کہ جس شخص تک رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کی صحت کا اقراری ہو پھر اسے بغیر تقیہ کے رد کرے تو وہ کافر ہے۔

اس بارے میں ہم امام اسحاق کے اس قول سے احتجاج نہیں کرتے، اس کو تو ہم نے محض اس لئے نقل کیا ہے تا کہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ ہم اس قول کے بارے میں منفرد رائے رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے خلاف فعل کو جو شخص حلال سمجھے اس کی تکفیر پر ہم اللہ تعالی کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں جس میں اس نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما﴾۔ (۲)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”اور جس شخص کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی خبر آئے اور وہ اقرار کرے کہ وہ خبر صحیح ہے یا اس کے مثل حجت قائم ہے یا اس جیسی خبر کسی دوسرے مقام پر ثابت ہے پھر اس مقام پر اس کے مثل سے حجت پکڑنے کو قیاس یا فلاں اور فلاں کے قول کی بناء پر ترک کر دے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کام کیا، پس مصیبت میں جا گرنے اور دردناک عذاب کا مستحق ہے۔“ (۳)

شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے:

”اس لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے۔ آپ کے حکم کی پیروی کی جائے، آپ کی حدیث کی تصدیق کی جائے، کسی باطل خیال کو معقول سمجھ کر حدیث کے مقابلہ میں پیش نہ کیا جائے، اسے شک وشبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے، لوگوں کی رائے کو اس پر مقدم نہ کیا جائے، تنہا رسول اللہ ﷺ کو حکم مانا جائے اور آپ

---

(۱) الشوری: ۱۰ (۲) الاحکام فی أصول الاحکام لابن حزم، ص: ۸۹ (۳) نفس مصدر، ص: ۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے احکام کی پیروی کی جائے، جس طرح عبادت، انابت اور خضوع وتوکل کو صرف اللہ تعالی کے لئے خاص کیا جاتا ہے۔"(۱)

اور جناب مرتضی حسن دیو بندی فرماتے ہیں:

"علماء دیو بند باوجود اس عقیدہ کے ان کا ایمان یہ ہے جو جناب رسول مقبول ﷺ کے ایک حکم کا انکار کرے (یا) حق نہ سمجھے (یا) حق ہونے میں تردد یا شک کرے وہ ایسا ہی کافر ہے جیسا مرزا غلام احمد قادیانی یا مسیلمہ کذاب اور ابوجہل اور امیہ بن خلف۔ انسان کا کوئی عمل اعلی وادنی جب تک آپ کے حکم کے مطابق نہ ہو قبول ہی نہیں ہوسکتا، انتہی۔"(۲)

اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب فرماتے ہیں:

"......قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ محمد ﷺ کے احکام وہدایات قیامت تک کے لئے اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح خود قرآن واجب الاطاعت ہے۔ آں حضرت ﷺ خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے بعد آپ کا کام ختم ہوگیا۔ رسول کی حیثیت سے آپ کا ہر قول وفعل بجائے خود قانونی سند وحجیت رکھتا ہے۔ آپ کو یہ مرتبہ کسی امام وفقیہ نے نہیں دیا ہے، خود قرآن نے آپکا یہی مقام بیان کیا ہے۔ کوئی شخص جب تک صاف صاف قرآن کا انکار نہ کردے اس کے لئے سنت کی اس قانونی حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں رسول کے ہر امر ونہی کی بہر حال بے چوں وچرا تعمیل کرنی چاہیئے۔" (میزان ج۱ ص ۷۹-۸۰)____ پس ثابت ہوا کہ جمہور کے نزدیک عدم اتباع سنت انکار رسالت کے مترادف ہے، واللہ اعلم۔

●●●

# سنت کی ضرورت واہمیت جناب اصلاحی صاحب کی نظر میں

جناب اصلاحی صاحب ایک مقام پر "سنت کی ضرورت" کے زیر عنوان یوں رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالی نے جو دین قرآن کے ذریعہ سے دیا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں، جزئیات اور تفصیلات اس میں نہیں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی تعلیم اس نے تمام تر معلم قرآن یعنی پیغمبر ﷺ پر چھوڑ دی ہے۔ دین کا پورا اور مکمل ڈھانچہ سنت رسول سے کھڑا ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دوسرے احکام ومناسک کا بنیادی حکم تو قرآن مجید میں دیا گیا ہے لیکن ان میں سے کسی چیز کی جزئیات وتفصیلات نہیں بتائی

(۱) شرح عقیدہ طحاویہ ص ۷۱ا طبع چہارم　　(۲) تحقیق الکفر والایمان لمرتضی حسن ص ۱۵ طبع قاسمی دیو بند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



گئیں، یہاں تک کہ نماز جیسی اہم چیز کے اوقات، اس کی تعداد اور اس کی رکعات تک بھی قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئیں۔ یہی حال دوسری تمام عبادات اور دوسرے احکام وشرائع کا بھی ہے۔ مثلاً چوری پر قطع ید کا حکم تو قرآن نے دے دیا لیکن کتنی مقدار کی چوری، چوری ہوگی اور ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا، وغیرہ ان تمام امور کا بتانا نبی ﷺ پر چھوڑ دیا۔ اب اگر ہم سنت کو نکال دیں تو اگرچہ ہم دین کی اصولی باتوں سے واقف ہوں گے، لیکن انکی عملی شکل سے اس طرح بے خبر ہوں گے جس طرح دور جاہلیت میں دین حنیفی کے پیروکار تھے۔ وہ خانۂ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ ''اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں، ورنہ اسی طرح کرتے''، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت ہی سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا: "ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه" (آگاہ رہو، میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) (سنن ابی داؤد: کتاب السنہ باب نمبر ۶) (۱) پس جس طریقہ سے قرآن واجب ہے اسی طرح سے سنت بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو اسی لئے بھیجا کہ قرآن مجید مبہم نہ رہے، بلکہ مجسم اور کامل شکل میں لوگوں کے سامنے آجائے اور آپ نے عملاً ایسا کر دیا۔ (۲)

آں موصوف ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه" (۳) دیکھو مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے مثل اور بھی۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثل قرآن ہے۔ سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایۂ قرآن ہے۔ اس لئے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے۔ ہم ان دونوں کو مقدم ومؤخر نہیں کر سکتے اور کسی کو ادنیٰ واعلیٰ نہیں قرار دے سکتے۔ دونوں دین کے قیام کے لئے یکساں ضروری ہیں۔'' (۴)

یہی بات جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''اس کے (سنت کے) متعلق ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے، اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح قولی تواتر سے ثابت ہوا ہے، یہ اسی طرح عملی تواتر سے ثابت ہے، چنانچہ اس کے بارے میں، اب کسی بحث ونزاع کی گنجائش نہیں ہے۔'' (تعارف المورد، ص: ۴-۵، اشراق لاہور ج نمبر ۶ عدد نمبر ۵ ص: ۱۳ مجریہ ماہ مئی ۱۹۹۴ء)۔

● ● ●

---

(۱) یہاں اصلاحی صاحب نے اس حدیث کی تخریج کے وقت صرف سنن ابی داؤد کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ حدیث سنن ابی داؤد (مع عون المعبود ۴/ ۳۲۸) کے علاوہ جامع الترمذی (مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۳۷۴)، سنن ابن ماجہ (۱/ ۶) سنن الدارقطنی (۴/ ۲۸۷)، سنن الکبری للبیہقی (۹/ ۳۳۲)، الدارمی (المقدمہ ۱/ ۱۴۴)، مسند احمد (۴/ ۱۳۰، ۱۳۲) میں بھی موجود ہے۔ ان مخرجین کے علاوہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' (ص: ۸) میں، آجریؒ نے ''الشریعۃ'' (ص: ۵۱) میں، حافظ ابن عبد البرؒ ''جامع بیان العلم وفضلہ''، (۲/ ۹۰) میں اور امام قرطبیؒ نے اپنی ''تفسیر'' (۱/ ۳۷، ۳۸) میں بھی اس کی تخریج فرمائی ہے۔

(۲) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۶-۲۷ (۳) یہاں اصلاحی صاحب نے صرف ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' کا حوالہ دیا ہے جو کہ نامکمل اور قلت علم کا مظہر ہے۔

(۴) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# جناب اصلاحی صاحب کی نظر میں قرآن وسنت کا تعلق اور ان کا باہمی نظام عقل وفطرت کے عین مطابق ہے

جناب اصلاحی صاحب قرآن وسنت کے تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں:

''...............قرآن اور سنت میں تعلق روح اور قالب کا ہے۔ پس قرآن میں جو روح ہے اس کو سنت رسول اللہ ﷺ سے قالب نصیب ہوتا ہے۔ ان دونوں کی باہمی ترکیب ہی سے دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر لیجئے تو سارا شیرازہ درہم برہم ہو جائیگا۔'' (۱)

قرآن وسنت کے باہمی تعلق پر تفصیلی گفتگو تو ان شاء اللہ باب دوم کے تحت ہوگی، فی الحال قرآن وسنت کے باہمی نظام، کہ جسے جناب اصلاحی صاحب نے بجا طور پر ''عین فطرت'' قرار دیا ہے، کے متعلق آں موصوف کے یہ قابل ستائش کلمات بھی ملاحظہ فرمالیں:

''قرآن وسنت کا باہمی نظام عین فطرت ہے، اللہ تعالی نے قرآن وسنت کا یہ باہمی ربط جو قائم فرمایا تو ـــــ نعوذ باللہ ـــــ یہ کسی سہل انگاری پر مبنی نہیں ہے، بلکہ یہی عقل وفطرت کے مطابق ہے۔ انسانی زندگی کے امور اتنے کثیر ہیں کہ وہ کسی ایک کتاب میں نہیں سما سکتے تھے، ان کے لئے دفاتر کی ضرورت تھی۔ دوسرے یہ کہ بہت سی چیزیں صرف بتانے کی نہیں، بلکہ عملاً کر کے دکھانے کی ہوتی ہیں۔ اس کے بغیر ان کی تعلیم نافع نہیں ہو سکتی۔ جو چیزیں کر کے دکھانے کی ہوں وہ بتائی جا بھی نہیں سکتیں۔ اس کام کے اوپر نبی ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد امت میں آنے والے شہداء اللہ فی الارض مامور ہوئے۔ اس وجہ سے جو لوگ اہل دین ہوں اور دین کا کام کرنے اٹھیں، ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سنت کے اوپر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی اس کا اہتمام کریں، تا کہ دوسروں کو اس سے سنت پر عمل کرنے کی ترغیب ہو۔'' (۲)

●●●

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۷ (۲) نفس مصدر، ص: ۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# علم حدیث کی چند بنیادی اصطلاحات

ذیل میں ہم علم حدیث کی چند بنیادی اصطلاحات اوران کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔

## حدیث

### ''حدیث'' کا لغوی مفہوم:

''حدیث'' کے لغوی معنی جدید یا نئی چیز کے ہیں۔ چونکہ قرآن قدیم ہے اور احادیث نبوی اس کے مقابلہ میں نئی، لہذا احادیث نبوی کو مقابلۃً ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "وكأنه أريد به مقابلة القرآن لأنه قديم۔"(۱)

اسی طرح امام سخاویؒ فرماتے ہیں: ''لغوی اعتبار سے ''حدیث'' قدیم کی ضد ہے۔''(۲)

لفظ ''حدیث'' کی لغوی تحقیق کے ضمن میں علامہ ابوالبقاء فرماتے ہیں:

''حدیث''، تحدیث بمعنی اخبار سے اسم ہے۔ اسی لفظ سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب ہر قول یا فعل یا تقریر کا نام ''حدیث'' رکھا گیا ہے۔ خلاف قیاس اس کی جمع ''احادیث'' بیان کی جاتی ہے۔ فراء کا قول ہے کہ ''احادیث'' کا واحد "أحدوثةٌ" ہے لیکن بعد میں اس لفظ کو ''حدیث'' کا جمع بنا دیا گیا ہے کیونکہ "أحدوثة النبي" نہیں کہا جاتا۔''(۳)

''الکشاف'' میں ہے کہ ''احادیث اسم جمع ہے اور اسی سے حدیث النبی ہے۔''(۴)

لیکن ''البحر'' میں ہے کہ:

''الاحادیث'' اسم جمع نہیں ہے بلکہ یہ ''حدیث'' کے لئے جمع تکسیر ہے، علی غیر القیاس کاَ باطیل۔ اسم جمع اس وزن پر نہیں آتا ہے ........ اور ''حدیث'' قدیم کا نقیض ہے کیونکہ یہ قرآن کے مقابلہ میں ہے کہ جو قدیم ہے۔ ''حدیث'' وہ شئ ہے جو نبی ﷺ سے آئے اور ''خبر'' جو آں ﷺ کے علاوہ دوسروں سے آئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے مابین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، لہذا ہر ''حدیث''، ''خبر'' ہے لیکن ہر ''خبر''، ''حدیث'' نہیں ہو سکتی۔''(۵)

---

(۱) کمافی تدریب الراوی ۱/۴۲، قواعد فی علوم الحدیث، ص: ۲۴
(۲) فتح المغیث للسخاوی ۱/۸
(۳) کلیات ابی البقاء، ص: ۱۵۲ طبع ثانی، قواعد التحدیث للقاسمی، ص: ۶۱
(۴) کمافی قواعد التحدیث، ص: ۶۱
(۵) قواعد التحدیث، ص: ۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


جناب صہیب حسن صاحب بھی "حدیث" کو قدیم کی ضد بتاتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"Hadith means literally new as opposed to old.(۱)

## "حدیث" کی اصطلاحی تعریف:

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "الحديث في عرف الشرع: ما يضاف إلى النبي ﷺ." (۲)

امام سخاویؒ مزید تفصیل سے فرماتے ہیں: "ما أضيف إلى النبي ﷺ قولا له أو فعلا أو تقريرا أو صفة حتى الحركات والسكنات في اليقظة والمنام." (۳)

علامہ کرمانیؒ شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

"اعلم أن علم الحديث موضوعه ذات رسول الله ﷺ من حيث الرسول وحده وهو علم يعرف به أقوال رسول الله ﷺ وأفعاله وأحواله." (۴)

"جان لو کہ علم حدیث کا موضوع رسول اللہ ﷺ کی ذات بحیثیت رسول کے ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کا علم ہوتا ہے۔"

ابن الأکفانیؒ کا قول ہے: "علم يشتمل على أقوال النبي ﷺ وأفعاله وروايتها وضبطها وتحرير ألفاظها." (۵)

علامہ شیخ زکریا بن محمد انصاریؒ "فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی" میں فرماتے ہیں: "الحديث ويرادفه الخبر على الصحيح ما أضيف إلى النبي ﷺ قيل: أو إلى صحابي، أو إلى من دونه قولا أو فعلا أو تقريرا أو صفة ويعبر عن هذا بعلم الحديث." (۶)

حاجی خلیفہؒ "کشف الظنون" میں فرماتے ہیں: "علم الحديث هو علم يعرف به أقوال النبي ﷺ وأفعاله وأحواله الخ." (۷) یعنی "علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کا علم حاصل ہوتا ہے۔"

صاحب "امعان النظر" فرماتے ہیں: "فقہاء کے نزدیک بقول علامہ سخاویؒ: حدیث ہر اس روایت کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ سے منقول ہو۔" (۸)

---

(۱) Criticison of Hadith Among Muslims With Reference to Sunan Ibn Majah, P.131

(۲) تدریب الراوی للسیوطی ۱/۴۲، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی، ص ۲۴ (۳) فتح المغیث للسخاوی ۱/۸

(۴) تدریب الراوی للسیوطی ۱/۴۱، مقدمۃ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری، ص ۱، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی، ص ۲۲

(۵) تدریب الراوی ۱/۴۰ بحوالہ ارشاد القاصدین لابن الاکفانی (۶) کما فی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری، ص ۳

(۷) نفس مصدر، ص ۱ (۸) امعان النظر شرح نخبۃ الفکر، ص ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام تقی الدین ابن تیمیہؒ اپنے بعض فتاوی میں فرماتے ہیں:

"الحديث النبوي :هو عند الإطلاق ينصرف إلى ما حدث به عنه ﷺ بعد النبوة، من قوله و فعله وإقراره، فإن سنته ثبتت من هذه الوجوه الثلاثة. فماقاله إن كان خبراً وجب تصديقه به و إن كان تشريعاً إيجابا أو تحريما أو إباحة وجب اتباعه فيه، فإن الآيات الدالة على نبوة الأنبياء دلت على أنهم معصومون فيما يخبرون به عن الله عز وجل فلا يكون خبرهم إلا حقا وهذا معنى النبوة وهو يتضمن أن الله ينبئه بالغيب وأنه ينبئ الناس بالغيب، والرسول مأمور بدعوة الخلق و تبليغهم رسالات ربه۔"(۱)

شیخ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

''علم حدیث کا مقصود ایسی چیز کی طلب ہے جس سے دینی امور پر استدلال کیا جاتا ہو اور یہ چیز آپ کا قول یا فعل یا تقریر ہے۔(۲)___ حدیث میں قبل از نبوت سیرت سے متعلق بعض اخبار بھی داخل ہیں مثلاً غار حرا میں آپ کی خلوت نشینی، حسن سیرت، کرائم الأخلاق، محاسن افعال، حضرت خدیجہؓ کا یہ قول: "كلا والله ! لا يخزيك الله إنك لتصل الرحم و تحمل الكل وتقرى الضيف وتكسب المعدوم وتعين على نوائب الحق۔" آپ کا امی ہونا، آپ کا صدق وامانت کے لئے معروف ہونا یا اسی طرح کی وہ تمام چیزیں جو آپ کے احوال، آپ کی نبوت اور صداقت پر دلالت کرتی ہوں الخ۔''(۳)

علامہ طیبیؒ کا قول ہے: ''حدیث نبی ﷺ یا صحابی یا تابعی کے قول، فعل اور تقریر سے زیادہ عام ہے۔''(۴)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''جمہور محدثین کی اصطلاح میں نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے حدیث کو مرفوع اور موقوف تک ہی مخصوص رکھا ہے۔''(۵،۶)

علمائے متأخرین میں سے مولانا عبدالغفار حسن رحمانی فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام حدیث ہے۔''(۷)

---

(۱) فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶-۱۰ ملخصا، قواعد التحدیث للقاسمی، ص:۶۲

(۲) حدیث میں ''تقریر'' بھی شامل ہے، مثال کے طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا لڑکیوں کے ساتھ کھیلنا، بنات مدینہ کا غناء، حبشیوں کا مسجد نبوی کی محراب میں تماشہ کرنا، صحابہ کو ''ضب'' (گوہ) کھاتے ہوئے دیکھنا اور منع نہ فرمانا وغیرہ۔

(۳) قواعد التحدیث للقاسمی، ص:۶۴ (۴) تدریب الراوی ۱/ ۴۲، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی، ص:۲۴

(۵) جیسا کہ علامہ سیوطیؒ کے اس قول سے واضح ہے: ''غیر مرفوع روایات پر حدیث کا اطلاق نہیں ہوتا الا بشرط تقیید۔'' (تدریب الراوی ۱/ ۴۳)

(۶) مقدمہ در مصطلحات حدیث للشیخ عبدالحق دہلوی (مترجم) مع مشکوۃ ص:۱ (۷) عظمت حدیث، ص:۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں: ''اصطلاح میں ہر اس قول، فعل، تقریر اور صفت کو (حدیث) کہتے ہیں جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہو۔''(۱)

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں: "وهو كل ما نقل إلينا صحيحا من قول النبي محمد ﷺ ."(۲)

جناب محمد عبدالرشید نعمانی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''......آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر ہے اور آپ کے ان ہی اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ لفظ حدیث عربی زبان میں وہی مفہوم رکھتا ہے جو ہم اردو میں گفتگو، کلام یا بات سے مراد لیتے ہیں۔ چونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام گفتگو اور بات کے ذریعہ پیام الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے، اپنی تقریر اور بیان سے کتاب اللہ کی شرح کرتے اور خود اس پر عمل کر کے اس کو دکھلاتے تھے، اسی طرح جو چیزیں آپ کے سامنے ہوتیں اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے تو اسے بھی جزء دین سمجھا جاتا تھا، کیونکہ اگر وہ امور منشأ دین کے منافی ہوتے تو آپ یقیناً ان کی اصلاح کرتے یا منع فرما دیتے۔ لہذا ان سب کے مجموعہ کا نام احادیث قرار پایا۔''(۳)

آں موصوف مزید فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ خود قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے۔ قرآن کریم میں دین کو نعمت فرمایا ہے اور اس نعمت کی نشر و اشاعت کو تحدیث سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿واذكروا نعمت الله عليكم وما أنزل عليكم من الكتاب والحكمة يعظكم به﴾ (البقرۃ ع-۲۹) ''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعہ نصیحت فرمائے'' اور تکمیل دین کے سلسلہ میں فرمایا ہے: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي﴾ (المائدہ ع:۱) ''آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔'' دیکھئے ان دونوں آیتوں میں قرآن حکیم نے دین کو نعمت کہا ہے اور سورۃ الضحیٰ میں آنحضرت ﷺ کو اسی نعمت کے بیان کرنے کا ان الفاظ میں حکم دیا ہے: ﴿وأما بنعمة ربك فحدث﴾ "اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے ـــــ'' بس آنحضرت ﷺ کی اسی تحدیث نعمت کو حدیث کہتے ہیں۔ یہی نہیں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور احوال کے لئے خود قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر حدیث ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ سورۃ الذاریات میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے: ﴿هل أتاك حديث ضيف إبراهيم المكرمين﴾ (الذاریات ع-۲) ''اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والتسلیم کے

---

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۱۵ (۲) مقدمۃ منہاج الصالحین، ص:۵۲ (۳) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


حالات میں ایک جگہ نہیں دو جگہ فرمایا ہے: ﴿هل أتاك حديث موسىٰ﴾ (طہٰ ع:۱، النازعات ع:۱) خود آں حضرت ﷺ کے قول مبارک کے لئے بھی قرآن مجید میں حدیث کا لفظ موجود ہے: ﴿وإذ أسرّ النبي إلى بعض أزواجه حديثا﴾ (التحریم ع:۱) ''اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات۔'' (۱)

جناب صہیب حسن صاحب فرماتے ہیں:

According to the terminology of the scince of Hadith it means: "What ever is related to the prophet s.a.w. from amonghis sayings, his actions, his taqrir (is he raised no objection to any action done in his presence which implies his approval of that action) or his altribute". (۲)

اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب فرماتے ہیں: ''حدیث ہمارے نزدیک، رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی وہ روایت ہے جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقہ سے ہم کو ملی ہے۔'' (۳) ''حدیث'' کی یہ تعریف سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی صاحبان سے بھی منقول ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر قول، فعل، تقریر، کسبی یا وہبی صفات، عادات وخصائل، الہامات ومنامات کے علاوہ آپ کے اصحاب کے اقوال وافعال پر بھی ''حدیث'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

## سنت

### سنت کا لغوی مفہوم:

''سنن''، ''سنت'' کی جمع ہے۔ ''سنت'' کے لغوی معنی طریقہ اور راستہ کے ہیں خواہ محمود ہو یا مذموم۔ (۴)

''لسان العرب'' میں ہے:

''سنت'' طریقہ کو کہتے ہیں خواہ اچھا ہو یا برا۔ عربی محاورہ میں بولتے ہیں: "سننت لكم سنة فاتبعوها۔" یعنی میں نے تمہارے لئے ایک طریقہ رائج کر دیا ہے، اس کی اتباع کرو۔'' جو شخص بھی پہلے پہل کوئی کام کرے اور اس کے بعد کوئی قوم اس پر عمل کرے اس کو ''سنت'' کہا جاتا ہے۔ مشہور عربی شاعر نصیب کا شعر ہے:

کأنی سننت الحب أول عاشق — من الناس إذا أحببت من بينهم وحدی

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۲۸، ۱۲۹

(۲) Criticism of Hadith Among Muslims With reference to Sunan Ibn Majah, page 1

(۳) تعارف المورد، ص:۴-۵

(۴) علوم الحدیث لدکتور صبحی صالح، ص:۱۲۰، النامی ۱/ ۱۱۵، مقدمہ فتح الملہم ۱/ ۱۱۳، واشراق لاہور ۶/ ۱۳، عدد ۵ مجریہ ماہ مئی ۱۹۹۴ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''میں نے اولین عاشق ہونے کے اعتبار سے گویا محبت کی ''سنت'' (طریقہ) کو ایجاد کیا کیوں کہ تمام لوگوں میں سے صرف میں نے ہی محبت کی راہ اختیار کی۔''

یا اسی طرح خالد بن عتبہ الھذلی کا شعر ہے ؎

فلا تجز عن من سيرة أنت سرتها　　　فأول راض سنة من يسيرها.(۱)

ابن فارس فرماتے ہیں:

"سن – السين والنون أصل واحد مطرد و هو جريان الشئ واطراده في سهولة ــ والأصل قولهم :سننت الماء على وجهي أسنه سنا إذا أرسلته إرسالا ..... ومما اشتق منه : السنة وهي السيرة الخ ـ"(۲)

قرآن اور حدیث نبوی میں بھی سنت اور اس کے مشتقات کا بکثرت ذکر آیا ہے مثلاً "سنة الله فى الذين خلو ا من قبل."(۳)ـــــ ولن تجد لسنة الله تبديلا (۴)ـــــ ولن تجد لسنة الله تحويلا (۵)ـــــ اور "لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر و ذراعا بذراع."(۶)ـــــ اور "من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة،ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها وزر من عمل بها إلى يوم القيامة."(۷) یعنی ''جس نے اچھا طریقہ رائج کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی جو روز قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور جس نے برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو روز قیامت تک اس پر عمل کرتے رہیں گے۔''

جناب صہیب حسن بن شیخ عبدالغفار حسن رحمانی حفظہما اللہ ''سنت'' کی لغوی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

"Sunnat literally means the way and the pattern of life, whether good or bad.(۸)

## سنت کا اصطلاحی مفہوم:

عموماً ائمہ حدیث، فقہاء اور اصولیین ''حدیث'' اور ''سنت'' کو خاص معانی میں استعمال کرتے ہیں، لیکن جہاں وہ اصول وادلہ کا ذکر فرماتے ہیں وہاں ان دونوں کو ہم معنی اور مترادف ہی سمجھتے ہیں، چنانچہ اصول حدیث اور

---

(۱) لسان العرب لابن منظور ۲/ ۷۹۶، دار المعارف قاہرہ　　(۲) معجم مقاییس اللغۃ لابن فارس ۳/ ۶۰-۶۱

(۳) الاحزاب: ۳۸، ۶۲　　(۴) الاحزاب: ۶۲ فاطر: ۴۳، الفتح: ۲۳　　(۵) فاطر: ۴۳

(۶) صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب: ۱۴، صحیح مسلم کتاب العلم باب: ۶　　(۷) صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب: ۶۹، کتاب العلم باب: ۱۵، سنن النسائی کتاب الزکوۃ باب: ۶۴، جامع الترمذی کتاب العلم باب: ۱۵، سنن ابن ماجہ المقدمہ ۱۴، مسند احمد ۴/ ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۱

Criticism of Hadith Among Muslims With Refefence to Sunan Ibn Maja, P(31)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اصول فقہ کی جملہ مختصرات و مطولات میں ان دونوں اصطلاحوں کا یہ مشترکہ مفہوم بکثرت مستعمل ہے، ملاحظہ ہو:

۱- علامہ بیضاویؒ (۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: "السنة هي قول الرسول ﷺ أو فعله ـ"(۱)

۲- علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: "السنن تنقسم ثلاثة أقسام، قول من النبي ﷺ وفعل منه عليه السلام أو شيء رآه فعلمه فأقرعليه۔"(۲)

۳- علامہ صفی الدین حنبلیؒ (۶۸۴ھ) بیان کرتے ہیں: "والسنة ما ورد عن النبي ﷺ غيرالقرآن أو فعل أو تقرير۔"(۳)

۴- علامہ ابن ابی العاصم (۲۸۷ھ) فرماتے ہیں:

"السنة اسم جامع لمعان كثيرة في الأحكام وغير ذلك ومما اتفق أهل العلم على أن نسبوه إلى السنة:القول بإثبات القدر، وأن الاستطاعة مع الفعل للفعل......والقرآن كلام الله تبارك وتعالى......والإيمان قول وعمل،يزيد و ينقص،وإثبات رؤية الله عز وجل...... وأبوبكر الصديق أفضل أصحاب رسول الله بعده وهو الخليفة خلافة النبوة، ثم عمر بن الخطاب......ثم عثمان بن عفان بعده ثم على بعدهم على مثل ذلك رحمهم الله جميعا ومما قد ينسب إلى السنة وذلك عندى الإيمان،نحو عذاب القبر و منكرو نكير والشفاعة و الحوض، و حب أصحاب رسول الله......والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر و التعاون ......."(۴)

۵- علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: "(السنن) المضافة للنبي ﷺ قولا له أو فعلا أو تقريراً وكذا وصفا وأياماً."(۵)

۶- علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: "يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبىﷺ على الخصوص مما لم ينص عليه فى الكتاب العزيز۔"(۶)

۷- علامہ زین الدین حلبیؒ (۸۰۸ھ) بیان کرتے ہیں: "والسنة هى المروية عن رسول اللهﷺ قولا و فعلا۔"(۷)

۸- صاحب ''القول المأمول فی فن الاصول'' فرماتے ہیں: "والسنة هاهنا ما صدر عن النبي ﷺ غير القرآن من قول ويسمى الحديث أو فعل أو تقرير۔"(۸)

۹- علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں: "والسنة لغة العادة وشريعة مشترك بين ما صدر عن النبي

---

(۱) منہاج للبیضاوی، ص:۶۱ (۲) الإحکام فی اصول الأحکام لابن حزم: ۲/ ۶ (۳) قواعد الاصول لصفی الدین، ص:۹۱
(۴) کتاب السنۃ لابن ابی العاصم ۲/ ۴۴۵-۴۴۷ (۵) فتح المغیث للسخاوی ۱/ ۱۳
(۶) الموافقات لشاطبی ۴/ ۳ (۷) رسالہ اصول لزین الدین الحلبی، ص:۱۶ (۸) القول المأمول، ص:۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ﷺمن قول أو فعل أو تقرير وبين ما واظب عليه النبي ﷺ بلا وجوب۔"(۱)

۱۰- علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:"السنة وهي تطلق على قول الرسول عليه السلام وعلى فعله والحديث مختص بقوله۔"(۲)

۱۱- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے:"السنة ما جاء عن النبي ﷺ۔"(۳)

۱۲- علامہ سیف الدین أبو الحسن فرماتے ہیں:"وأما في الشرع فقد تطلق على ما كان من العبادات نافلة منقولة عن النبي عليه السلام وقد تطلق على ما صدر عن الرسول من الأدلة الشرعية مما ليس بمتلو ولا هو معجز ولا داخل فى المعجز ويدخل فى ذلك أقوال النبى عليه السلام وأفعاله وتقاريره۔"(۴)

۱۳- عدوی کا قول ہے:"أما السنة فهي لغة: الطريقة، واصطلاحا:مرادفة للحديث بالمعنى المتقدم الذى هو كل ما أضيف إلى النبىﷺ۔"(۵)

۱۴- عبد العزیز البخاری حنفیؒ فرماتے ہیں:"وإنما اختار لفظ السنة دون لفظ الخبر كما ذكره غيره لأن لفظ السنة شامل لقول الرسول وفعله عليه السلام۔"(۶)

۱۵- ملا احمد جیون حنفیؒ کا قول ہے:"السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى أقوال الصحابة وأفعالهم۔"(۷)

۱۶- شیخ طاہر الجزائری کا قول ہے:"أما السنة فتطلق في الأكثرعلى ما أضيف إلى النبىﷺ من قول أو فعل أو تقرير فهى مرادفة للحديث عند علماء الأصول ۔"(۸)

۱۷- نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ فرماتے ہیں:"(السنة) إما شرعا فهى قول النبىﷺ وفعله وتقريره۔"(۹)

۱۸- مولانا محب اللہ بن عبد الشکور صاحب بیان کرتے ہیں:"والسنة لغة العادة وهاهنا ما صدر عن رسول اللهﷺ غير القرآن من قول أو فعل أو تقرير كذا في شرح المختصر۔"(۱۰)

۱۹- صاحب ''نزھۃ الخاطر العاطر'' فرماتے ہیں:"السنة شرعا ما نقل عن رسول اللهﷺ قولا

---

(۱) تعریفات الجرجانی، ص:۸۲
(۲) التلویح علی التوضیح، ص:۳۰ طبع نولکشور
(۳) فتح الباری ۱۳/۲۴۶
(۴) الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی ۱/۲۴۱ طبع بیروت ۱۹۸۰ء
(۵) لقط الدرر بشرح نخبۃ الفکر للعدوی، ص:۴
(۶) التحقیق شرح منتخب الحسامی، ص:۱۴۷
(۷) نور الانوار، ص:۱۷۳
(۸) توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص:۳
(۹) حصول المأمول فی علم الأصول، ص:۲۲
(۱۰) مسلم الثبوت ۲/۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أو فعلا أو إقرارا على فعل."(۱)

۲۰- علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں: "ماأثر عن النبیﷺ من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية أو خلقية أو سيرة، سواء كان قبل البعثة أو بعدها."(۲)

۲۱- علامہ محمد خضری بک بیان کرتے ہیں: "يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن رسول اللهﷺ من قول أو فعل أو تقرير."(۳)

۲۲- حسن احمد خطیب بیان کرتے ہیں: "السنة فى عرف المحدثين وجمهور أهل الشرع كل ما صدر عن رسول اللهﷺ من قول أو فعل أو تقرير، سواء صدر عنه باعتباره رسولا أم باعتباره إنسانا من البشر."(۴)

۲۳- شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں: "هى أقوال النبىﷺ وأفعاله وموافقته أو رفضه لعمل ما وهى المنهاج الذى لا غنى عنه لأى مسلم فى فهم أحكام الإسلام والحديث أساس السنة."(۵)

مذکورہ بالا تمام تعریفات میں اگرچہ معمولی سالفظی تغایر پایا جاتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی ان سب تعریفوں میں رسول اللہﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو شامل کر کے "حدیث" و "سنت" دونوں کو ہم معنی بتایا گیا ہے۔ اصحاب لغت میں سے صاحب "لسان العرب" کے نزدیک جب "سنت" کا لفظ بغیر کسی قید وشرط کے بولا جائے تو شریعت میں اس کا مقصد وہ فعل ہوتا ہے جس کا قرآن میں ذکر نہ ہو لیکن رسول اللہﷺ نے اس کو کرنے کا حکم دیا ہو یا اس سے منع فرمایا ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "کتاب وسنت" شرعی دلائل میں سے ہیں۔ یہاں "کتاب وسنت" سے قرآن وحدیث مراد لئے جاتے ہیں۔ پس "سنت" اور "حدیث" باہم مترادف الفاظ ہوئے۔ ائمہ حدیث کی مرتب کردہ تمام کتب سنن میں بھی "سنت" کو اسی متعارف ومصطلح قولی، فعلی اور تقریری معانی میں ذکر کیا گیا ہے، پس ہر دو اصطلاحات کا ہم معنی ہونا محقق ہوا۔

اوپر ہم نے علوم شریعت کے ماہرین کے نزدیک لفظ "سنت" کو مختلف خاص معانی میں استعمال کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ اختلاف اصلا ان ماہرین کے اپنے اپنے فنی رجحانات کا عکاس ہے، چنانچہ فقہاء کے نزدیک "سنت" سے مراد "الطريقة المسلوكة فى الدين." (یعنی وہ دینی طریقہ جس پر چلا جائے) ہے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل شرعی حکم پر دلالت سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا فقہاء "سنت" سے ماخوذ حکم شرعی کی روشنی میں

---

(۱) نزھۃ الخاطر العاطر ۲۳۶/۱ (۲) قواعد التحدیث، ص: ۳۵-۳۸، توجیہ النظر، ص: ۲
(۳) اصول الفقہ للخضری، ص: ۲۱۴ بیروت ۱۹۶۹ء (۴) فقہ الاسلام، ص: ۶۹ (۵) مقدمہ منہاج الصالحین، ص ۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


انسانوں کے افعال پر وجوباً، اباحۃً اور حرمۃً بحث کرتے ہیں۔ عام طور پر ان کے نزدیک ''سنت'' سے مراد وہ عبادت ہے جو نبی ﷺ سے فرائض وواجبات کے علاوہ ثابت ہو۔ یہ احکام خمسہ میں واجب کے مقابلہ میں ہوتی ہے جو اس کی طلب غیر جازم کے فعل سے عبارت ہے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ ''جو سنت پر عمل کرے وہ ماجور ہوتا ہے جو اسے ترک کردے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔'' عام طور پر ان کے نزدیک اس سے مندوب، مستحب، تطوع اور نفل اشیاء مراد ہوتی ہیں، اگرچہ بعض فقہاء نے ان اصطلاحات کے مدلولات کے مابین فرق کیا ہے۔(۱)

امام شوکانیؒ فقہاء کی اصطلاح میں ''سنت'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ما ثبت عن النبیﷺ من غیر افتراض ولا وجوب وتقابل الواجب وغیرہ من الأحکام الخمسة وقد تطلق عندھم ما یقابل البدعة ومنه قولھم طلاق السنة کذا،و طلاق البدعة کذا۔"(۲)

علمائے اصول کے نزدیک ''سنت'' کا عموماً اطلاق قرآن کے علاوہ نبی ﷺ سے بعد از بعثت صادر ہونے والے ان تمام اقوال، افعال اور تقریرات پر ہوتا ہے جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں ان کے نزدیک نبی ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی یا غیر رسول یا قبل از بعثت آپ ہی سے منقول اقوال، افعال اور تقریرات پر ''سنت'' کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن بعض علماء اصول صحابہ کرام کے تعامل کے لئے بھی سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، خواہ وہ قرآن کریم یا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو یا غیر ثابت، قرآن کی جمع وتدوین کا ان کے نزدیک ''سنت'' ہونا اس کی بہترین مثال ہے۔ان کے پاس اپنے اس موقف کی تائید میں یہ دلیل موجود ہے: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی۔"(۳) یعنی ''میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کا دامن تھامے رکھو۔''

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"وقد تطلق السنة عندھم علی ما دل علیه دلیل شرعی سواء کان ذلك فی الکتاب العزیز أو عن النبیﷺ أو اجتهد فیه الصحابة کجمع المصحف وحمل الناس علی القراءة بحرف واحد و تدوین الدواوین ویقابل ذلك البدعة ومنه قوله ﷺ :علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی۔"(۴)

جبکہ واعظین کے نزدیک ''سنت'' کا لفظ ''بدعت'' کی ضد ہے، چنانچہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر عمل پیرا ہو اس کو وہ ''سنت'' پر عامل قرار دیتے ہیں اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف عمل پیرا ہو ان

---

(۱) اصول الفقہ لطہ الدسوقی، ص:۹۹، النامی ۱/ ۱۳۵ (۲) ارشاد الفحول للشوکانی، ص:۳۱

(۳) اخرجہ ابوداؤد (کتاب السنہ) والترمذی ۱/ ۴۳۸ وابن ماجہ ۱/ ۱۶ والدارمی ۱/ ۴۴ وصححہ الحاکم ۱/ ۹۵ وابن حبان، ص ۵۶ من موارد الظمآن وابن ابی العاصم ۱/ ۷ واللالکائی ۱/ ۸۵ والبغوی فی شرح السنہ ۱/ ۲۰۵ (۴) الموافقات للشاطبی ۴/ ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے نزدیک ایسا شخص بدعتی کہلاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''سنت کا اطلاق بدعت کے مقابلہ میں بھی کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کے موافق ہو تو علماء کہتے ہیں کہ فلاں چیز سنت ہے خواہ اس کی نص کتاب اللہ میں موجود ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اگر رسول اللہ ﷺ کے عمل کے خلاف کوئی عمل کیا جائے تو کہتے ہیں کہ فلاں کام بدعت ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے لفظ سنت کا اطلاق صاحب شریعت کے عمل سے عبارت ہے۔'' (۱)

بعض علماء کے نزدیک ''سنت'' کا اطلاق خلفائے راشدین اور صحابہ کے اعمال پر بھی ہوتا ہے، خواہ کتاب وسنت میں ان کا وجود نہ بھی ہو، بلکہ وہ اعمال مصالح مرسلہ، استحسان، اجتہاد اور اجماع کی قبیل سے ہی ہوں، چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ بعض کے خیال میں سنت کے لفظ سے سنت صحابہ اور سنت خلفائے راشدین بھی مراد ہوسکتی ہے کیونکہ ان پر بھی سنت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔'' (۲)

ایسے اعمال صحابہ کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو صحاح ستہ کے علاوہ موطأ امام مالک، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، المصنف لعبد الرزاق، السنن الکبری للبیہقی، تاریخ عمر لابن الجوزی، تاریخ المدینہ المنورۃ لابن شبہؒ، الاتقان للسیوطی، الطبقات الکبری لابن سعد، الأعلام للزرکلی، جامع الأصول لابن الأثیر، حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم، مصنف ابن أبی شیبہ، الاعتصام للشاطبی اور تلخیص الحبیر لابن حجر عسقلانی وغیرہ میں جابجا مذکور ہیں لیکن بخوف طوالت ہم ان کے تذکرہ کو ترک کرتے ہیں۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کے عمل پر ''سنت'' کے اطلاق کی دلیل بھی یہ حدیث نبوی ہے: "عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين الخ."

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں: "فقد أضاف ﷺ السنة إليهم إضافتها إلى نفسه۔" (۳)

اور جناب صہیب حسن صاحب ''سنت'' کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

"To the traditionists, the word sunnah applies to the practical application of shari, a in the time of prophet and the four caliphs after him." (criticism of Hadith Among Muslims, p.32).

میں کہتا ہوں کہ جمہور محدثین کے نزدیک ''سنت'' سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، آپ

---

(۱) الاعتصام للشاطبی ۱/۳۶-۴۵، والموافقات للشاطبی ۴/۳ وانظر الکلیات للکفوی ۳/۹-۱۲، کشاف اصطلاحات الفنون ۴/۵۳-۵۷، حجیۃ السنۃ للشیخ عبدالغنی عبدالخالق، ص: ۲۰-۲۲، السنۃ ومکانتہا فی التشریع للسباعی، ص: ۴۷-۴۹

(۲) مقدمہ در مصطلحات حدیث مترجم، ص: ۲ مع مشکوۃ

(۳) الموافقات للشاطبی ۴/۳-۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کی سیرت واخلاق، عادات وشمائل، مغازی اور قبل از بعثت کے حالات مثلاً غار حرا کی خلوت نشینی، حضرت خدیجہؓ کا یہ قول: "کلا واللہ ! لا یخزیك اللہ أبدا إنك لتصل الرحم۔" یعنی "اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوانہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں،" اور قبل از بعثت آں ﷺ کے اخلاق جلیلہ مثلاً امانت ودیانت وصداقت وغیرہ سب چیزیں مراد ہیں خواہ ان چیزوں سے کوئی حکم شرعی ثابت ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہمارے لئے "اسوہ" اور "قدوہ" قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ جزائریؒ فرماتے ہیں:

"محدثین کی اصطلاح میں ہر وہ چیز جو نبی ﷺ کے قول، فعل، تقریر، صفت خلقیہ یا صفت خلقیہ اور سیرت کے بارے میں ماثور ہو سنت کہلاتی ہے، اس کے لئے آپ کی بعثت سے قبل یا بعد کی کوئی شرط نہیں ہے۔"(۱)

اور علامہ شبیر احمد عثانی صاحب وغیرہ فرماتے ہیں:

"محدثین کی اصطلاح میں نبی ﷺ سے قرآن کے علاوہ جو کچھ منقول ہے اس پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے، چاہے وہ اقوال کی قبیل سے ہو یا افعال وتقریرات کی قبیل سے۔"(۲)

برخلاف اس کے جاوید احمد غامدی صاحب فرماتے ہیں: "سنت ثابتہ سے ہماری مراد نبی ﷺ کا وہ عمل متواتر ہے، جو صحابہ کے اجماع یا ان کے تواتر عملی کے ذریعے بحیثیت دین اس امت کو منتقل ہوا ہے۔" (تعارف المورد ص:۴-۵۔ اشراق لاہور ج ۶ عدد ۵، ص:۱۳ مجریہ ماہ مئی ۱۹۹۴ء)

## حدیث وسنت میں فرق:

جو بعض لوگ "حدیث" اور "سنت" کے مابین تفریق کرتے ہیں، دراصل ان کے پیش نظر ان اصطلاحوں کے لغوی معنی ہوتے ہیں، چنانچہ ان کا قول ہے کہ: "حدیث، تحدیث سے اسم ہے کہ جسے اخبار بھی کہتے ہیں، لہٰذا اس تحدیث سے نبی ﷺ کی طرف منسوب قول، فعل اور تقریر کا نام حدیث ہے"، جب کہ "سنت" کا معنی "وہ دینی طریقہ یا راستہ ہے جس کو نبی ﷺ نے اپنی سیرت مطہرہ میں چلنے کے لئے اختیار کیا۔" گویا ان کے نزدیک "سنت" خاص اور "حدیث" عام ہوتی ہے، کیونکہ "سنت" کا اطلاق عموماً صرف آں ﷺ کے "اعمال" کے ساتھ خاص ہوتا ہے جبکہ "حدیث" کا اطلاق اس کے مقابلہ میں عام ہے۔ اس میں نبی ﷺ کے "اعمال" و"اقوال" سب کچھ داخل ہوتے ہیں۔"(۳)

لیکن علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں: "بعض علماء کے نزدیک سنت عام ہوتی ہے کیونکہ سنت کا اطلاق ان کے

---

(۱) توجیہ النظر للجزائری، ص:۲، مقدمہ منہاج الصالحین، ص:۱۴

(۲) مقدمہ فتح الملہم ۱/۳، علوم الحدیث لصبحی صالح ص:۲۴، النامی ۱/ ۱۳۵، جواہر الاصول، ص:۵

(۳) علوم الحدیث لصبحی صالح ص:۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نزدیک نبی ﷺ کے قول وفعل وتقریر اور صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال بھی پر ہوتا ہے۔"(۱)

جب کہ بقول علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب وغیرہ "حدیث کو وہ صرف نبی ﷺ کے اقوال کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔"(۲)

مگر امام سخاویؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں: "فهو (الحديث) أعم من السنة۔"(۳)

"حدیث" و "سنت" کے مابین فرق پر محدثین کے بعض اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے مثلاً بعض کہہ دیتے ہیں کہ "هذا الحديث مخالف للقياس والسنة والإجماع ۔یعنی "یہ حدیث قیاس وسنت اور اجماع کے خلاف ہے ـــــ" بظاہر اس قول میں "حدیث" کو "سنت" کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے جو فرق وتفاوت پر دلالت کرتا ہے یا اسی طرح بعض نفوس کے متعلق محدثین کہہ دیا کرتے ہیں کہ "إمام في الحديث وإمام في السنة، إمام فيهما۔"(۴) ـــــ جیسا کہ عبدالرحمان بن مہدیؒ کا یہ قول ہے: "سفيان الثوری إمام في الحديث وليس بإمام في السنة والأوزاعی إما م في السنة وليس بإمام في الحديث ومالك إمام فيهما۔"(۵) اور امام شافعیؒ کا تو مشہور اصول ہے: "تختلف الأحاديث فآخذ بعضها استدلالا بكتاب أو سنة أو إجماع أو قياس ۔"(الرسالہ ص ۲۷۳) یعنی "احادیث باہم مختلف بھی ہوتی ہیں، تو میں ان میں سے قرآن یا سنت یا اجماع یا قیاس کی مدد سے استدلالاً کچھ کو ترجیحاً لے لیتا ہوں۔"

"حدیث" و "سنت" کے مفہوم میں ایک فرق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کی لفظی روایت "حدیث" کہلاتی ہے جب کہ ہم تک عمل متواتر کے ذریعہ منقول رسول اللہ ﷺ کے عمل کی کیفیت کا نام "سنت" ہے۔

واضح رہے کہ یہاں لفظی روایت کے تواتر کی شرط بیان نہیں کی گئی ہے کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ کوئی چیز عملاً متواتر تو ہو لیکن لفظاً متواتر نہ ہو۔ پس عمل متواتر کا طریقہ "سنت" کہلاتا ہے جیسا کہ جاوید احمد غامدی اور سید سلیمان ندوی وغیرہما کا قول ہے۔ لیکن یہاں "سنت" کے لئے عملاً متواتر ہونے کی جو شرط بیان کی گئی ہے وہ ائمہ حدیث، ائمہ فقہ اور علمائے اصول کی متعینہ اور متفقہ مصطلح تعریف سے اخراج وفرار ہی نہیں بلکہ بدیہی طور پر انتہائی مضر بھی ہے کیونکہ اس طرح "سنت" کا دائرہ صرف ان چند اعمال تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گا جو علی سبیل الاستمرار رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، مثلاً نماز کے بعض ارکان وغیرہ، لہٰذا تواتر عمل کی یہ شرط بہر صورت نہایت غیر دانشمندانہ اور قطعاً ناقابل قبول ہے۔

---

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۶۰، ۶۱ (۲) مقدمہ فتح الملہم ۱/۳، النامی ۱/۱۳۵ (۳) فتح المغیث للسخاوی ۱/۸-۹
(۴) علوم الحدیث لصبحی صالح، ص: ۲۰ (۵) شرح المؤطا للزرقانی ۱/۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب سید ابوالاعلی مودودی صاحب کے نزدیک ''حدیث'' و ''سنت'' کے درمیان اصولی فرق یہ ہے کہ:

''حدیث سے مراد وہ روایات ہیں جو حضور ﷺ کے اقوال وافعال کے متعلق سند کے ساتھ اگلوں سے پچھلوں تک منتقل ہوئیں۔ اور سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جو حضور ﷺ کے قولی اور عملی تعلیم سے مسلم معاشرے کی انفرادی واجتماعی زندگی میں رائج ہوا، جس کی تفصیلات معتبر روایتوں سے بھی بعد کی نسلوں کو اگلی نسلوں سے ملیں، اور بعد کی نسلوں نے اگلی نسلوں میں اس پر عمل در آمد ہوتے ہوئے بھی دیکھا'' (۱)

جناب مودودی صاحب کا یہ قول بھی در اصل جناب سید سلیمان ندوی صاحب کی فکر ہی سے ماخوذ ہے۔ آں محترم نے بھی یہاں ''سنت'' کے دائرہ کو اس قدر سکیڑ دیا ہے کہ اگر اس تعریف کو درست مان لیا جائے تو صرف کچھ ہی متواتر یا متوارث اعمال عبادت سنت کے دائرہ میں آسکیں گے، لہذا آں موصوف کا یہ قول بھی شاذ اور ناقابل قبول قرار پائے گا۔

ایک اور موقع پر آں موصوف نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جسے حضور نے خود اختیار فرمایا اور امت میں اسے جاری کیا۔ سنت کے لفظ کا اطلاق اس امر واقعی پر ہوتا ہے جو حضور سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس حدیث سے مراد وہ روایات ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے کیا کیا اور کس چیز کو کرنے کا حکم دیا۔ اس لحاظ سے حضور کی پوری زندگی کا طور طریقہ سنت ہے۔ آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں، اخلاق، تہذیب، عبادات، معاملات کے متعلق جو کچھ تلقین کی اسے آپ کی سنت کہا جائے گا۔ حدیث کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔ علم حدیث کو بھی حدیث کہتے ہیں، احادیث کے مجموعے کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ ایک ایک حدیث کو بھی حدیث کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ حدیث کے مختلف مجموعوں کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ احادیث کے تمام مجموعوں کا حکم یکساں نہیں ہوسکتا، اور کوئی ہوش مند آدمی یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ سارے ذخیرۂ احادیث میں جو کچھ درج ہے، اسے بلا چوں چرا سنت کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے۔'' (۲)

لیکن مجھ قصیر العلم کی نگاہ میں یہ آخری اعتراض قطعاً لغو ہے کیونکہ ''سارے ذخیرۂ احادیث میں جو کچھ درج ہے اسے بلا چوں چرا سنت کی حیثیت سے تسلیم'' کرنے کا مطالبہ کون بے وقوف کرتا ہے؟ ذخیرہ احادیث میں سے جتنا اور جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق مروی ہے اگر وہ صحت کے درجہ پر پہنچے تو اسے رسول اللہ کی سنت ہی کہا جائیگا اور جو کچھ خلفائے راشدین یا دوسرے صحابہ سے بسند صحیح ثابت ہو اسے خلفائے راشدین یا صحابہ کی سنت کہا جائیگا۔ گویا اصل معیار صحت کا اثبات ہے نہ کہ فقط کتب احادیث میں بار پا جانا۔

---

(۱) تفہیم القرآن للمودودی ۶/۱۷۰

(۲) مولانا مودودی کی تقاریر حصہ دوم مرتب: ثروت صولت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابھی آپ نے جناب مودودی صاحب کا یہ قول ملاحظہ فرمایا کہ ''اس لحاظ سے حضور کی پوری زندگی کا طور طریقہ سنت ہے''، ظاہر ہے کہ پوری زندگی کے طور طریقہ میں وہ تمام چیزیں بھی آ جاتی ہیں جو بحیثیت ایک انسان آپ نے انجام دی تھیں، لیکن اپنے اس قول کے برخلاف آں موصوف ایک دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

''سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے، لیکن یہ بات بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا، اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی ﷺ کے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بہ حیثیت ایک شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کونسا جزء سنت ہے اور کونسا جزء عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو...... سنت کی اس تشریح کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاح شرعی میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے دینا منجملہ ان بدعات کے ہے جن سے نظام دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔''(۱)

ان سطور میں آں موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے ان افعال کو خارج از سنت قرار دیا ہے جو آپ کی ذاتی زندگی یا عادات و خصائل وغیرہ سے متعلق تھے یا جنہیں بحیثیت ایک انسان آپ نے انجام دیا تھا، حالانکہ اس سے قبل ''سنت'' کی تئیس تعریفات جو اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں سے کسی تعریف میں بھی آں ﷺ کے افعال میں سے افعال بحیثیت انسان کو خارج از سنت قرار نہیں دیا گیا، بلکہ بالعموم آپ کے ہر فعل کو سنت سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ کے افعال میں سے افعال بحیثیت نبی اور افعال بحیثیت انسان کے درمیان کسی محدث، کسی فقیہ، کسی محقق یا کسی عالم نے کبھی کوئی تمیز یا فرق نہیں کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا ہر فعل، خواہ وہ کسی حیثیت سے ہو، ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت ہی رکھتا ہے۔ اس بارے میں محترم مودودی صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ بلا دلیل ہے بلکہ سبیل المؤمنین سے مطابقت نہ رکھنے کے باعث بھی ناقابل اعتبار ہے، واللہ اعلم۔

اب میں قارئین کرام کے سامنے چند مزید دلائل پیش کروں گا جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خصائل اور عادات مبارکہ بھی سنت میں داخل ہیں:

۱- قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾(۲)

---

(۱) رسائل و مسائل للمودودی ۱/ ۲۵۰-۲۵۲ (۲) الاحزاب: ۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ موجود تھا۔''

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کو مکمل اور کلی طور پر ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا گیا ہے۔ جب یہ آیت ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ بحیثیت نبی تو آپ بہترین نمونہ ہیں لیکن، نعوذ باللہ، بحیثیت ایک انسان آپ کا وہ مقام نہیں ہے جو کہ اس آیت میں مذکور ہے، تو میں پوچھتا ہوں کہ ان حضرات کے پاس کون سی ایسی نص موجود ہے جس کی بناء پر وہ آیت کے اس عمومی مفہوم کی تخصیص کرتے ہیں؟

۲- بعض احادیث میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق ۔"

(۱) اسی طرح جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی شخص نے آپ کے اخلاق کے متعلق استفسار کیا تو آں رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کی عادت واخلاق قرآن کی جیتی جاگتی تفسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کو جیسا کرتے دیکھتے خود بھی ویسا ہی کرنے لگتے تھے، نہ خود کبھی اس چیز پر غور کرتے تھے کہ آں ﷺ یہ کام بحیثیت نبی کررہے ہیں یا بحیثیت انسان؟ اور نہ ہی پورے ذخیرۂ احادیث میں ایسی کوئی چیز ملتی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ کبھی کسی صحابی نے آپ سے آپ کے کسی فعل کے بارے میں استفسار کیا ہو کہ آپ کا یہ فعل کس حیثیت سے ہے؟ برخلاف اس کے جو چیز اس قصیر العلم کو نظر آئی وہ یہ ہے کہ صحابہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی اتباع اور پیروی دل وجان سے زیادہ عزیز تھی، زندگی کے ہر گوشہ میں نبی ﷺ کو وہ اپنا Ideal (مثالی کردار) تصور کرتے تھے، ہر شخص زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا تھا کہ جیسا نبی ﷺ کو کرتا دیکھے بلا چوں و چرا خود بھی ویسا ہی کرنے لگے، اور جس چیز سے نبی ﷺ کو رکتا دیکھے خود بھی اس سے باز آجائے۔ یہاں مثال کے طور پر صحابہ کرام کی زندگی کے چند واقعات پیش خدمت ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

"اتخذ النبي ﷺ خاتما من ذهب فاتخذ الناس خواتيم من ذهب ،فقال النبي ﷺ: إني اتخذت خاتما من ذهب فنبذه وقال إني لن ألبسه أبدا ،فنبذ الناس خواتيمهم ۔"(۲)

یعنی ''نبی ﷺ نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی پہنی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں۔ پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی لے لی ہے پھر اسے اتار دیا اور فرمایا کہ آئندہ میں اسے ہرگز نہ پہنوں گا تو تمام صحابہ نے بھی اپنی انگوٹھیاں فوراً اتار دیں۔''

اسی طرح ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ نے حالت نماز میں اپنے نعل مبارک اتارے تو تمام صحابہ نے بھی اپنے نعلین اتار دیئے تھے، صحابہ کی فدویت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں: جب صلح حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو احرام کھول کر وہیں حلال ہوجانے کا حکم دیا تو بعض صحابہ کو کچھ تردد ہوا، لیکن جب ام سلمہ

---

(۱) رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح کما فی مجمع الزوائد ۹/۱۵ (۲) صحیح البخاری ۱۳/۲۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رضی اللہ عنہا کے کہنے پر آں ﷺ صحابہ کے درمیان تشریف لائے اور آپ نے حلق وقربانی فرمائی تو صحابہ کا یہ عالم تھا کہ وہ بھی فوراً حلق وقربانی کے لئے لپک پڑے۔اسی طرح فتح مکہ کے سال جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو تمام مسلمان روزہ دار تھے، لیکن جب آپ کو لوگوں پر روزہ سخت گزرنے کا علم ہوا تو عسفان کے مقام پر پہنچنے پر آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اپنی سواری پر اسے بلند کر کے نوش فرمایا، آپ کو روزہ افطار کرتے دیکھ کر تمام صحابہ نے بھی روزہ افطار کر لیا۔امام بخاریؒ نے اس بارے میں ایک باب یوں قائم کیا ہے: "باب من أفطر في السفر ليراه الناس۔"(۱) اسی طرح جب صحابہؓ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو بغیر کچھ کھائے پیئے روزہ پر روزہ (صوم وصال) رکھتے دیکھا تو خود بھی اس پر عمل کرنے لگے، پس نبی ﷺ نے اس سے ازراہ شفقت منع فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"نهى رسول الله ﷺ عن الوصال رحمة لهم فقالوا: إنك تواصل، قال: "إني لست كهيئتكم إني يطعمني ربي ويسقين۔"(۲)

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مہربانی اور شفقت کی وجہ سے وصال سے منع فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ آپ تو وصال فرماتے ہیں۔آں ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔" مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ "ہم ابن عمرؓ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے جب ایک مقام سے گزرے تو وہ ذرا دور ہٹ گئے، کسی نے سوال کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا، لہٰذا میں نے بھی ایسا کیا ہے۔"(۳) اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ وہ مکہ ومدینہ کے درمیان ایک درخت پر پہنچے تو آپ نے اس کے نیچے کچھ دیر آرام فرمایا اور بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس مقام پر) آرام فرمایا تھا۔"(۴) اسی طرح زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو محلول الازرار دیکھا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح محلول الازرار دیکھا تھا۔"(۵)

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں:

"خـــدمت رسول الله ﷺ عشـر سنين فما قال لي أف قـط ومـا قال لي لشيء صنعتـه لم صنعتـــه؟ ولا لشيء تـــركته: لم تـركته؟ وكان رسول الله ﷺ من أحسن النـــاس خلقا۔"(۶)

آں رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے:

---

(۱) صحیح البخاری: ۱۸۶/۴ (۲) نفس مصدر ۲۰۲/۴ (۳) رواہ احمد والبزار ورجالہ موثوقون کما فی مجمع الزوائد ۱۷۴/۱
(۴) رواہ البزار ورجالہ موثوقون کما فی مجمع الزوائد ۱۷۵/۱ (۵) رواہ البزار وابو یعلی کما فی مجمع الزوائد ۱۷۵/۱
(۶) شمائل الترمذی، ص: ۱۸۱-۱۸۲، وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وصححہ البغوی والالبانی ایضا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"خدمت رسول الله ﷺ عشر سنين ما دريت شيئا قط و افقه ولا شيئا قط خالفه رضى من الله بما كان وإن كان بعض أزواجه ليقول :لو فعلت كذا و كذا ،يقول دعوه فإنه لا يكون إلا ما أراد الله عزو جل الخ ۔"(۱)

خلاصہ یہ کہ اوپر بیان کئے گئے صحابہؓ کرام کے ان چندواقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگیاں نبی کریم ﷺ کی بہر اعتبار پیروی اور اطاعت کا نمونہ اور عملی تصویر تھیں ۔(۲) زندگی کے ہر گوشہ میں آپ کی پیروی کرنا ان کی زندگی کا متاع عزیز تھا۔صحابہ کرام کے بعد اسلاف امت نے بھی ان کی اس سنت کو نسلا بعد نسل جاری رکھا، چنانچہ ان کی زندگیوں میں بھی اس قسم کے متعدد واقعات ملتے ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر ہم یہاں صرف ایک واقعہ ہی نقل کرتے ہیں:''امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں نے کوئی حدیث ایسی نہیں لکھی جس پر میں نے عمل نہ کیا ہو،حتیٰ کہ جب میں نے یہ پڑھا کہ نبی ﷺ نے پچھنا لگوایا تھا اور حجام کو ایک دینار عطا فرمایا تھا تو میں نے بھی فصد لگوائی اور

---

(۱) رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر کما فی مجمع الزوائد ۹/ ۱۶

(۲) یہاں بعض لوگوں کو حضرت عمرؓ کے شجر بیعت رضوان کو کٹوا دینے کے قصہ سے غلط فہمی ہوسکتی ہے۔بعض کتب میں یہ قصہ یوں مذکور ہے:"عن نافع قال بلغ عمر بن الخطاب أن ناسا يأتون الشجرة التى بويع تحتها فأمر بها فقطعت۔"(رواہ ابن ابی شیبہ ۲/ ۱ص ۸۴) اسی طرح ابن وضاح کا قول ہے کہ میں نے عیسی بن یونس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:"أمر عمر بن الخطاب رضى الله عنه بقطع الشجرة التى بويع تحتها النبى ﷺ فقطعها لأن الناس كانوا يذهبون فيصلون تحتها فخاف عليهم الفتنة۔"(كما فى فتح المجيد للشيخ عبدالرحمن بن حسن آل الشيخ،ص ۲۰۶)۔۔۔۔۔ان روایات میں سے ابن ابی شیبہ کے تمام رجال ثقات ہیں لیکن یہ سلسلۂ سند نافع اور عمرؓ کے مابین منقطع ہونے کے باعث ضعیف ہے۔اس کے ضعف پر ''صحیح البخاری'' کی کتاب الجہاد میں وارد نافع کی عن ابن عمر یہ حدیث بھی تائید کرتی ہے:

''جب ہم اگلے سال واپس لوٹے تو اس شجر کی تعیین پر کسی دو افراد کا بھی اتفاق نہ ہوسکا کہ جس کے نیچے ہم نے وہ بیعت کی تھی۔''(صحیح البخاری مع فتح الباری ۶/ ۱۱۷)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شجر کی جگہ خود صحابہ میں معروف نہ تھی پس حضرت عمرؓ کا اس خدشہ سے اس کو کٹوا دینا کہ لوگ وہاں جا کر نماز پڑھتے ہیں، پس اس سے نفع یا ضرر کے حصول کے فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائیں محض خیالی باتیں ہیں۔اسی طرح ''صحیح البخاری'' کی کتاب المغازی میں ہے کہ سعید بن المسیب نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ:

''میں نے وہ شجر دیکھا تھا لیکن جب بعد میں دوبارہ وہاں آیا تو اسے شناخت نہ کرسکا۔''(صحیح البخاری مع فتح الباری ۷/ ۴۴۷) اور طارق بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ:

''میں عمرہ کے لئے نکلا تو ایک جماعت پر سے میرا گزر ہوا جو کہ وہاں نماز پڑھ رہی تھی۔میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کونسی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ شجر ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔جب میں سعید بن المسیب کے پاس پہنچا اور یہ ماجرا ان سے بیان کیا تو وہ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ ''وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس شجر کے نیچے بیعت کرنے والوں میں شامل تھے لیکن جب عمرۂ حدیبیہ کے لئے نکلے تو اس شجر کو بھول گئے اور اس کو شناخت کرنے پر قادر نہ رہے۔'' اپنے والد سے یہ جملے نقل کرنے کے بعد سعید بن المسیب نے فرمایا:''جب اصحاب رسول اللہ اس شجر کو نہیں جانتے تھے تو تم کیسے جان سکتے ہو؟ کیا تم ان سے زیادہ علم رکھتے ہو؟۔''(نفس مصدر)......پس یہ واقعہ نہ عقلا درست معلوم ہوتا ہے اور نہ نقلا۔علامہ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے بھی اس قصہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔(تحذیر الساجد من اتخاذ القبور المساجد ص ۹۳-۹۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حجام کو ایک دینار دیا۔''(۱)

یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے اپنی تصانیف میں اس بارے میں مستقل ابواب قائم کئے ہیں، مثال کے طور پر امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب کو یوں معنون فرمایا ہے: "باب الإقتداء بأفعال النبی ﷺ". (۲) اور امام ھیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں ایسا ہی ایک باب اس عنوان کے ساتھ مقرر کیا ہے: "باب اتباعه فی کل شئ". (۳)

۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من ولده ووالده والناس أجمعین ۔"(رواه الشیخان) یعنی ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے والدین اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

آں ﷺ سے محبت کا طریقہ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ کے طریقۂ زندگی کی ہر چھوٹی یا بڑی چیز کو اپنایا جائے، آپ کو بہترین اور کامل ترین نمونہ مان کر طریقۂ نبوی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کی جائے، اپنے اخلاق اور اپنی عادتوں کو آپ کے اخلاق کریمہ اور عادات جمیلہ کے مطابق سنوارا جائے، اور آپ کے شمائل کریمہ کے جواہر ریزوں کو اپنی ہدایت کا ذریعہ بنایا جائے۔

ان چند دلائل کے ساتھ اگر ''سنت کی اصطلاحی تعریف'' کے ذیلی عنوان کے تحت بیان کی گئی مشہور محدث ابن أبی العاصم، امام سخاوی، علامہ جمال الدین قاسمی اور علامہ حسن احمد خطیب وغیرہم کی تعریفوں پر بھی غور کیا جائے تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ ہمارے لئے ایک مستقل سنت ہے، خواہ اس کا تعلق آپ کی عبادات سے ہو یا آپ کی ذاتی انسانی زندگی اور عادات سے، واللہ اعلم۔

اگر کوئی شخص محترم مودودی صاحب کے منقولہ بالا تینوں اقتباسات پر غیر جانبداری کے ساتھ غور کرے تو اسے ایسا محسوس ہوگا کہ یہ متضاد اقوال کسی ایسے شخص کے ہیں جو یا تو امت کے نزدیک معروف سنت کی اصطلاحی تعریف سے قطعاً لاعلم تھا یا پھر حد درجہ فکری اضطراب (CONFUSION) کا شکار، کہ کبھی کچھ کہتا تھا اور کبھی کچھ اور۔

خلاصہ یہ کہ عام محدثین، فقہاء، اصولیین اور محقق علمائے متاخرین، کہ جنہیں اس فن سے شغف رہا ہے، کے نزدیک ''حدیث'' اور ''سنت'' کے مابین کوئی مغایرت نہیں ہے، بلکہ دونوں اصطلاحوں کا مفہوم ومطلب بالکل مترادف ومتساوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاح کے مقام پر بلا تکلف اور بلا امتیاز وتفریق استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے محدثین اور علماء کی ایک

---

(۱) تدریب الراوی ج ۲ ص ۱۴۴ (۲) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۳/۲۷۴ (۳) مجمع الزوائد ۱/۱۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بڑی جماعت تمام مروی احادیث وآثار کو "سنت" ہی سے معنون کیا کرتی تھی۔ یہاں ان ائمہ فن کی بعض تصانیف کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

كتاب السنة لابن أبى شيبةؒ (۲۳۵ھ)،كتاب السنة للإمام احمدؒ (۲۴۱ھ)كتاب السنة للإمام ابن هانئؒ تلميذ الإمام احمدؒ (۲۷۳ھ)كتاب السنة لأبى على حنبل بن اسحاقؒ (۲۷۳ھ)، السنن لأبى داؤد السجستانىؒ (۲۷۵ھ)،كتاب السنة لابن أبى عاصمؒ (۲۸۷ھ)، كتاب السنة لابن الإمام أحمد بن حنبلؒ (۲۹۰ھ)،كتاب السنة للمروزىؒ (۲۹۲ھ)،كتاب السنة لأبى بكر الخلالؒ (۳۱۱ھ)،السنة للطحاوى(۳۲۱ھ)،كتاب السنة للعسال الأصفهانى (۳۴۹ھ)، كتاب السنة للطبرانىؒ (۳۶۰ھ)، كتاب السنة لأبى الشيخ الأصبهانىؒ (۳۶۹ھ)، كتاب السنة لابن شاهينؒ (۳۸۵ھ)،كتاب السنة لابن نصر المروزىؒ (۳۹۴ھ)،كتاب السنة لابن إسحاق بن مندهؒ (۳۹۶ھ)،اور كتاب السنة للالكائىؒ (۴۱۸ھ)وغیرہ۔

"سنت" کے عنوان سے لکھی جانے والی ان کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کو آپ اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو اس میں جا بجا رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، صفات، عادات وشمائل کے علاوہ صحابہ کرام کے اقوال وافعال وغیرہ بھی ملیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات کے نزدیک سنت وحدیث میں کوئی مغایرت نہ تھی۔ ان کے علاوہ حدیث کا ایک Indexation "مفتاح كنوز السنہ" کے نام سے مشہور ہے حالانکہ اس میں جو کچھ درج ہے اس پر محترم مودودی صاحب وغیرہ کی بیان کردہ تعریف صادق نہیں آتی تو گویا اس کا مؤلف اور محقق (علامہ محمد فؤاد عبدالباقی) دونوں سنت کی تعریف تک سے لاعلم تھے؟ اس بارے میں ہمیں ماہنامہ "اشراق" کی مجلس ادارت کے ارباب کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ "قواعد زبان کی رو سے، حدیث وسنت بلاشبہ بعض اوقات، علی سبیل التغلیب، مترادف کی حیثیت سے استعمال ہوجاتے ہیں، لیکن اس سے حدیث وسنت کا باہمی امتیاز ختم نہیں ہوتا" (اشراق ج۶ عدد۵ ص۱۵ مجریہ ماہ مئی ۱۹۹۴ء)

عصر حاضر کے ایک مشہور حنفی عالم شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے بھی علامہ طیبیؒ کی اوپر بیان کردہ "حدیث" کی تعریف پر حاشیہ لکھتے ہوئے "حدیث" اور "سنت" دونوں کو باہم مترادف اور ہم معنی قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "وعلى هذا فهو مرادف للسنة۔"(۱) پس حدیث اور سنت کے مابین فرق غیر متحقق اور غیر حقیقی قرار پایا۔

ماضی قریب میں اس بارے میں جناب حافظ عبدالمنان صاحب، حفظہ اللہ کا ایک تنقیدی مضمون بعنوان "حدیث وسنت میں اختلاف کی اختراع" ماہنامہ "محدث" لاہور (ج۲۵ عدد ۱ ص ۳۶-۴۱ مجریہ ماہ جنوری

---

(۱) حاشیہ بر قواعد فی علوم الحدیث، ص: ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱۹۹۴ء) میں شائع ہو چکا ہے جس کا جواب مجلّہ ''اشراق'' کی مجلس ادارت کے رکن جناب ساجد حمید صاحب نے ''اشراق'' (ج ٦ عدد ۵ ص ۱۲-۲۳ مجریہ ماہ مئی ۱۹۹۴ء) میں دینا چاہا ہے، لیکن یہ جواب متعدد مغالطات، بے بنیاد دعووں اور خلط مبحث کا مجموعہ نظر آتا ہے، مگر یہاں ہر دو مضامین پر نقد و بحث ممکن نہیں ہے۔

# اثر

## اثر کا لغوی مفہوم:

''اثر'' کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کا باقی نشان، چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں: "وأما الأثر :فهو – لغة – البقية من الشيء،يقال:أثر الدار لما بقي منها۔"(۱)

''ماثورہ''، ''اثر'' سے ماخوذ ہے اور ''ماثورہ'' کے معنی منقولہ ہیں۔(۲)

اہل عرب کہتے ہیں :"أثرت الحديث" یعنی ''جب تو کسی سے کوئی بات کرے۔'' حافظ سیوطیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ (أثرت الحديث ) کے معنی رویتہ ہیں۔''(۳)

''محدث'' کو ''اثر'' کی نسبت ہی سے ''اثری'' بھی کہا جاتا ہے۔''(۴)

## اثر کا اصطلاحی مفہوم:

فقہائے خراسان کے نزدیک جو روایت صحابہ اور تابعین پر ''موقوف'' ہو اسے ''اثر'' کہا جاتا ہے اور ''مرفوع'' کو ''خبر'' یا ''حدیث''۔(۵)

ڈاکٹر نورالدین عتر فرماتے ہیں:

"وأما الأثر فقد خصه فقهاء خراسان بالموقوف اصطلاحا ،ومنهم جماعة خصوا المرفوع بالخبر۔"(٦) یعنی ''اثر کو فقہاء خراسان نے اصطلاحاً موقوف کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جس نے خبر کو مرفوع کے لئے مخصوص کیا ہے۔''

---

(۱) ظفر الأمانی للکھنوی، ص ۴　　(۲) مقدمہ فتح الملہم ۱/۱۳، شرح مسلم للنووی ۱/۲

(۳) تدریب الراوی ۱/۴۳، قواعد التحدیث للتھانوی، ص ۲٦

(۴) فتح المغیث للعراقی ص:۴، فتح المغیث للسخاوی ۱/۳، تدریب الراوی ۱/۴۳، قواعد فی علوم الحدیث، ص:۲٦

(۵) مقدمہ ابن الصلاح، ص:۵۱، فتح المغیث للعراقی، ص:۵۴، فتح المغیث للسخاوی ۱/۱۲۳، تقریب النواوی مع تدریب ۱/۱۸۴، قواعد التحدیث للقاسمی ص:٦۱، ۱۳۰، امعان النظر ص:۱۱، اسبال المطر شرح قصب السکر، ص:۸، مقدمہ فتح الملہم ۱/۳، قواعد فی علوم الحدیث، ص:۲۵-۲٦، ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت (نقش ثانی)

(٦) منہج النقد فی علوم الحدیث، ص:۲۸، دارالفکر دمشق ۱۹۸۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے اپنی کتاب، کہ جس میں آثار موقوفہ بیان کیے گئے ہیں، کا نام "الآثار" رکھا ہے، لیکن محدثین کی اصطلاح میں ''اثر'' خبر کے مترادف ہے، (۱) لہذا محدثین مرفوع اور موقوف دونوں کو ''اثر'' کہتے ہیں۔ (۲) مثلاً امام مسلمؒ نے اپنی ''صحیح'' کے خطبہ میں ایک مشہور مرفوع حدیث کو ''اثر'' قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"دلت السنة على نفى رواية المنكر من الأخبار كنحو دلالة القرآن على نفى خبر الفاسق و هو الأثر المشهور عن رسول اللهﷺ :من حدث عنى بحديث يرى انه كذب فهو أحد الكاذبين۔"(۳)

گویا امام رحمہ اللہ کے نزدیک ''حدیث'' اور ''اثر'' ہم معنی اصطلاحات ہیں۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے چونکہ حدیث کو صرف مرفوع اور موقوف تک ہی مخصوص رکھا ہے اس لئے مقطوع کو اثر کہا جاتا ہے۔ بعض دفعہ مرفوع حدیث پر بھی اثر کا اطلاق ہوتا ہے جس طرح نبی ﷺ سے منقول دعاؤں کو ادعیہ ماثورہ کہا جاتا ہے، اور جیسا کہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب کا نام ''شرح معانی الآثار المختلفۃ المأثورہ'' رکھا جو نبی ﷺ کی مرفوع احادیث اور آثار صحابہ پر مشتمل ہے۔ اور بقول امام سخاوی، امام طبری کی ایک کتاب کا نام تہذیب الآثار ہے (۴) حالانکہ وہ بھی مرفوع حدیثوں کے لئے خاص ہے اور اس میں موقوف روایات محض ضمنی طور پر ہی لائے ہیں۔'' (۵)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"الأثر:ما روي عن الصحابة ،ويجوز إطلاقه على كلام النبي أيضاً۔"(۶)

علامہ عبدالحی لکھنوی کا قول ہے:

"وأما الأثرفهو لغةً ........... واصطلاحا:هو المروي عن رسول اللهﷺ أو عن صحابي أو تابعي مطلقا وبالجملة مرفوعا كان أو موقوفا وعليه جمهور المحدثين من السلف والخلف وهو المختار عندالجمهور كما ذكره النووي في شرح صحيح مسلم(۷)۔" (۸)

جناب سعید احمد پالن پوری (استاذ دارالعلوم دیوبند) حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "نخبة الفكر فى مصطلح

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم ۱/۳، علوم الحدیث لدکتور صبحی صالح، ص:۲۶، اسبال المطر شرح قصب السکر، ص:۸

(۲) فتح المغیث ۱/۳، تدریب الراوی ۱/۴۳، قواعد فی علوم الحدیث، ص:۲۵ (۳) صحیح مسلم ۱/۶۲

(۴) فتح المغیث للسخاوی ۱/۱۲۴ (۵) مقدمہ در مصطلحات حدیث مترجم، ص:۱ مع مشکوۃ (مترجم)

(۶) قواعد التحدیث، ص:۶۱ (۷) شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۶۳ (۸) ظفر الأمانی، ص:۴-۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أهل الأثر" کا مطلب وموضوع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''......اور اثر کے معنی ہیں حدیث شریف پس نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الأثر کے معنی ہیں: ''محدثین کی اصطلاحات یعنی فن اصول حدیث کے سلسلہ میں چنیدہ افکار ونظریات۔''(۱)

شیخ عبدالغفار حسن رحمانی صاحب فرماتے ہیں: ''صحابہ کے قول اور فعل کو اثر کہا جاتا ہے، اس کی جمع آثار ہے۔''(۲)

اور ڈاکٹر محمود طحان بیان کرتے ہیں:

''اصطلاح میں اس کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لفظ حدیث کے ہم معنی ہے، یعنی حدیث اور اثر دونوں باہم مترادف ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا مفہوم حدیث کے برعکس ہے یعنی اثر وہ قول یا فعل ہے جس کی نسبت صحابہ یا تابعین کی طرف کی گئی ہو۔''(۳)

اور جناب صہیب حسن صاحب فرماتے ہیں:

"Athar : applies to both the Hadith of the prophet and the sayings of the Companions and successors---------------- "(۴)

# خبر

## ''خبر'' کا لغوی مفہوم:

''خبر'' کے لفظی معنی تو عام ''خبر'' کے ہی ہیں یعنی "ما یخبر به" (جس کے ساتھ خبر دی جائے) ''خبر'' کی جمع ''اخبار'' ہے۔

## ''خبر'' کا اصطلاحی مفہوم:

ڈاکٹر محمود طحان فرماتے ہیں:

''اس کی اصطلاحی تعریف میں تین اقوال ہیں: (الف)۔ ''خبر'' بالکل ''حدیث'' کے ہم معنی لفظ ہے، یعنی ''خبر اور حدیث'' دونوں باہم مترادف ہیں؛ (ب)۔ ''خبر'' کا مفہوم ''حدیث'' کے بالکل برعکس ہے یعنی ''حدیث'' وہ کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، اور ''خبر'' وہ کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور

(۱) تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر، ص: ۷ مکتبہ بحر العلوم کراچی (۲) عظمت حدیث، ص: ۳۵
(۳) تیسیر مصطلح الحدیث، ۱۵



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


سے منقول ہو، (ج)-"خبر"، "حدیث" سے زیادہ عام لفظ ہے، یعنی "حدیث" اس کلام کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو اور "خبر" وہ کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی شخص سے منقول ہو۔"(۱)

اگرچہ لغوی اعتبار سے "خبر" کا لفظ "حدیث" و "سنت" سے زیادہ عام ہے لیکن محدثین کے نزدیک بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ "خبر"، "حدیث" کے مترادف اور ہم معنی ہے، یعنی "خبر" و "حدیث" اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں۔"(۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "شرح نخبۃ الفکر" میں فرماتے ہیں:

"الخبر عند علماء هذا الفن مرادف للحديث وقيل:الحديث ما جاء عن النبي صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم والخبر ما جاء عن غيره ومن ثم قيل لمن يشتغل بالتواريخ وما شاكلها الأخبارى ولمن يشتغل بالسنة النبوية :المحدث وقيل :بينهما عموم وخصوص مطلقا ، فكل حديث خبر من غير عكس وعبرهنا بالخبر ليكون أشمل."(۳)

یعنی "محدثین کے نزدیک لفظ "خبر" حدیث کا ہم معنی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ "حدیث" وہ ہے جو نبی ﷺ کی طرف سے آئے اور "خبر" وہ ہے جو دوسروں کی طرف سے آئے۔ اس لئے تاریخ سے اشتغال رکھنے والے کو مورخ یا اخباری اور سنت نبوی سے اشتغال رکھنے والے کو محدث کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ ان اصطلاحات کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، لہذا ہر حدیث خبر ہوگی لیکن اس کا عکس نہیں ہوسکتا اور یہاں لفظ خبر اس لئے بولا گیا ہے تاکہ سب کو شامل ہو جائے۔"

صاحب "امعان النظر" بیان کرتے ہیں:

"حدیث اور خبر دونوں نبی ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات کا نام ہے۔"(۴)

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"خبر اور حدیث ایک ہی معنی میں مشہور ہیں۔ بعض لوگ حدیث صرف اس کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ، صحابہ اور تابعین سے منقول ہو اور خبر اس کو کہتے ہیں جو ملوک و سلاطین اور گزشتہ زمانوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہو الخ۔"(۵)

"خبر" اور "حدیث" کے مترادف و ہم معنی ہونے کا ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ بعض اوقات محدثین عنوانات

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۱۵ (۲) الفیۃ السیوطی فی علم الحدیث، ص:۳، و کذا فی جواہر الاصول، ص:۴

(۳) شرح نخبۃ الفکر، ص:۸، طبع ملتان، تدریب الراوی ۱/۴۲، امعان النظر، ص:۱۱

(۴) امعان النظر، ص:۱۱ (۵) مقدمہ در مصطلحات حدیث، ص:۱ مترجم مع مشکوۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور ابواب میں بلا تکلف ''خبر'' کا استعمال کرتے ہیں حالانکہ وہاں اس اصطلاح کے استعمال سے ان کا مقصود و منشأ وہی ہوتا ہے جسے کہ عرف عام میں ''حدیث'' یا ''سنت'' کہا جاتا ہے۔ پس جب ''خبر''، ''حدیث'' کے ہم معنی ہے اور ''حدیث''، ''سنت'' کے مترادف، تو یہ تینوں اصطلاحیں آپس میں مترادف و ہم معنی ہی قرار پائیں گی۔ علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے "ماهية الحديث والخبر والأثر" کے تحت بجا طور پر فرمایا ہے:

''یہ تینوں چیزیں محدثین کے نزدیک مترادف ہیں، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نبی ﷺ کی طرف قولاً، فعلاً، تقریراً، یا صفةً منسوب ہو الخ۔''(۱)

## ''خبر'' کی اقسام:

''خبر'' کو دو مشہور قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱-خبر واحد یا آحاد اور ۲-خبر متواتر (۲)

# اخبار آحاد

## لغوی تعریف:

لغت کے لحاظ سے ''آحاد''، ''احد'' کی جمع ہے جو واحد کے معنی میں ہے اس لئے ''خبر واحد'' وہ ہے جسے ایک شخص روایت کرے۔

## اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں ''خبر واحد'' وہ خبر ہے جو ''خبر متواتر'' کی شرطوں پر پوری نہ اترے، خواہ اس کو روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو یا اکثر۔''(۳)

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"وأما خبر الآحاد فهو ما قصر عن صفة التواتر ولم يقطع به العلم وإن روته الجماعة۔"(۴)

---

(۱) قواعد التحدیث، ص:۶۱ (۲) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص:۱۶

(۳) نزھۃ النظر، ص:۲۶، فتح الباری ۹/۱۵، ۱۳/۲۳۳، ۲۲۲

(۴) الکفایۃ، ص:۱۶-۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


مولانا عبدالغفار حسن رحمانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس کے راوی تعداد میں تواتر کے درجہ کو نہ پہنچتے ہوں، محدثین کے نزدیک اس کی تین قسمیں ہیں:

الف-مشہور: صحابہ کے بعد جس کے راوی کسی دور میں تین سے کم نہ ہوں۔

ب-عزیز: جس کے راوی ہر دور میں دو سے کم نہ ہوں۔

ج-غریب: جس کا راوی کسی دور میں ایک ہی رہ گیا ہو۔''(۱)

اور پروفیسر مصطفیٰ اعظمی بیان کرتے ہیں:

"The non-recurrent Hadith (Hadith AL-Ahad): Any Hadith which is not recurrent (Mutawatir) is called non - recurrent (Ahad) (۲)

## اخبار آحاد کی قسمیں:

۱-سلسلۂ روایت کی تعداد کے لحاظ سے ''خبر واحد'' کی قسمیں:

المشهور والمستفيض — العزيز — الغريب

۲-قوت وضعف کے لحاظ سے ''خبر آحاد'' کی قسمیں:

- غير مقبول يا مردود
  - غير مقبول بوجه سقوط سند
    - سقوط خفی
      - المدلس
      - مرسل خفی
    - سقوط ظاهری
      - المعلق
      - المرسل
      - المعضل
      - المنقطع
      - المعنعن والمؤنن (یہ مختلف فیہ ہے)
  - غير مقبول بوجه طعن راوی
    - الموضوع
    - المتروك
    - المنكر
    - المعلل
    - المدرج
      - مدرج الاسناد
      - مدرج المتن
    - المقلوب
      - مقلوب الإسناد
      - مقلوب المتن
    - المضطرب
      - مضطرب السند
      - مضطرب المتن
    - المصحف
      - تصحيف في الاسناد
      - تصحيف في المتن
      - تصحيف في اللفظ
      - تصحيف في المعنى
    - المحرف
    - الشاذ
    - المزيد في متصل الاسانيد
- مقبول
  - صحيح لذاته
  - صحيح لغيره
  - حسن لذاته
  - حسن لغيره

---

(۱) عظمت حدیث، ص: ۳۵

(۲) Hadith: Rulls for Acceptance & Transmission by Prof. Mustafa Azmi, Daily Arab News, Dt: 6.7.90

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## اخبار آحاد کا حکم:

١-"خبر واحد" سے علم نظری حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا علم جو غور و فکر اور استدلال پر موقوف ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ "خبر واحد حجت ہے۔"(١)

٢-"خبر واحد اگرچہ ایک عورت ہی سے مروی ہو قبول کی جاتی ہے۔"(٢)

٣-اسی طرح "خبر واحد اگرچہ عموم بلوی سے متعلق ہو بلا تردد قبول کی جاتی ہے۔"(٣)

٤-"خبر واحد جو محتف بالقرائن ہو علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔"(٤)

٥-محدثین کا مشہور اصول ہے کہ: "خبر الواحد إذا جاء شيئا بعد شئ أفاد القطع۔"(٥)

٦-ابن بطال کا قول ہے کہ "اخبار آحاد پر عمل کے متعلق اجماع ہو چکا ہے۔"(٦)

(مزید تفصیلات کے لئے باب ٦ "اخبار آحاد کی حجیت" کی طرف رجوع فرمائیں)۔

●●●

---

(١) فتح الباری لابن حجر ١/٣٠٨-٣٨١، ٥٠٧، ٥٨٦، ٣/١٠٧، ٣٦٠، ٣٦٦، ٤/٥٧، ١٤٨، ٣٣٨، ٣٧٩، ٦/٢٠١، ٨/٤٠٤، ٩/٤٦٢، ١٠/١٩٠، ١١/٣٠، ١٣/٢٣١، ٢٤٤

(٢) نفس مصدر ١/٣٠٨، ٣/١٠٧، ٤/١٤٨

(٣) نفس مصدر ١/٣٠٨

(٤) نفس مصدر ١/٣٠٦، ٣٨١، ٥٠٧، ١٣/٢٣٧، ٢٣٨

(٥) نفس مصدر ٨/٤٨٠

(٦) نفس مصدر ١٣/٣٢١

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# خبر متواتر

## لغوی تعریف

''متواتر'' لفظ ''تواتر'' سے مشتق ہو کر اسم فاعل بنا ہے یعنی پے در پے ہونا جیسے مسلسل بارش کی صورت میں کہا جاتا ہے:" تواتر المطر۔" حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"التواتر مجيء الشئ يتلو بعضه بعضا من غير تخلل۔"(۱)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"ترادف الأشياء المتعاقبة واحدا بعد واحدبينهما فترة ومنه قوله تعالى:﴿ثم أرسلنا رسلنا تترى﴾(۲)أي رسولا بعد رسول بينهما فترة۔" (۳)

تواتر کی مزید لغوی تحقیق کے لئے حاشیہ (۴) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہو گی۔

## اصطلاحی تعریف

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''خبر متواتر'' کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

"خبر التواتر فهو ما يخبر به القوم الذين يبلغ عددهم حدا يعلم مشاهدتهم بمستقر العادة أن اتفاق الكذب منهم محال، وأن التواطؤ منهم في مقدار الوقت الذى انتشر الخبر عنهم فيه متعذر وأن ما أخبروا عنه لا يجوز دخول اللبس والشبهة في مثله وأن أسباب القهر والغلبة والأمور الداعية إلى الكذب منتفية عنهم، فمتى تواتر الخبر عن قوم هذه سبيلهم قطع على صدقه و أوجب وقوع العلم ضرورة۔" (۵)

یعنی ''وہ خبر جس کی روایت اتنے کثیر افراد کریں کہ ان کی تعداد کو دیکھ کر عادۃً یہ محال معلوم ہو کہ اتنے افراد بیک وقت ایک واضح امر میں جب کہ کسی مجبوری یا دباؤ کا مظنہ بھی نہیں ہے ایک جھوٹی بات پر اتفاق کر لیں گے یا انہیں اس کی روایت میں کسی طرح کا شبہ یا دھو کہ ہوا ہو گا۔ پس جب کوئی خبر

---

(۱)فتح الباری ۱/ ۲۸ (۲)المؤمنون: ۴۴ (۳)فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۳

(۴)الصحاح ۲/ ۸۴۳، الاحکام للآمدی ۲/ ۲۰، مختصر ابن الحاجب ۱/ ۶۳۹-۶۴۰، مقیاس اللغۃ ۶/ ۸۴، المعتمد للزرکشی، ص: ۳۱۲-۳۱۳

(۵)الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب، ص: ۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اتنے کثیر افراد سے اس طرح پر مروی ہو تو یہ چیز قطعی طور پر اس کے صدق پر دلالت کرتی ہے، لہذا اس خبر سے ضرورۃً وقوع العلم اوجب ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"رواية المجموع عن المجموع من ابتدائه إلى انتهائه في كل عصر."(۱)

حافظ عراقیؒ، امام حاکم، ابن حزم اور ابن عبد البر رحمہم اللہ سے ناقل ہیں:

"وهو الخبر الذي ينقله عدد يحصل العلم بصدقهم ضرورة ، وعبر عنه غير واحد بقوله : عدد يستحيل تواطأهم على الكذب ولا بد من وجود ذلك في رواته من أوله إلى منتهاه ،وإلى ذلك أشرت بقولي في "طبقاته."(۲)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"هو ما يكون مستقرا في جميع طبقاته أنه من الابتداء إلى الانتهاء ورد عن جماعة غير محصورين في عدد معين ولا صفة مخصوصة بل بحيث يرتقون إلى حد تحيل العادة معه تواطأهم على الكذب أو وقوع الغلط منهم اتفاقا من غير القصد." (۳)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"متواتر کی تعریف یہ ہے کہ اسے اتنے کثیر التعداد لوگوں نے نقل کیا ہو کہ اتنے بہت سے آدمیوں اور مختلف علاقوں کے رہنے والے لوگوں کے کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانے کا تصور نہ کیا جا سکتا ہو اور ان کی یہ کثرت ہمارے زمانے سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک متصلاً ہر دور میں پائی جاتی ہو۔ نمازوں کی تعداد اور نماز کی رکعات کی تعداد اور زکوۃ اور خون بہا کی مقداریں اور ایسی ہی دوسری خبریں اس کی مثال ہیں...... پس جب مختلف علاقوں کے رہنے والے راویوں کی کثرت تعداد کو دیکھتے ہوئے تہمت اختراع کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو اس طرح کی خبر گویا ایسی ہے جیسے کہ ہم خود رسول اللہ ﷺ سے اس کو سن رہے ہیں اور یہ چیز جمہور فقہاء کے نزدیک موجب علم یقین ہے۔"(۴)

علامہ ابن حنبلی حنفیؒ بیان کرتے ہیں:

"ما رواه عن استناد إلى الحس دون العقل الصرف عدد أ حالت العادة تواطأهم على الكذب فقط ، أورووه عن مثلهم من الابتداء إلى الانتهاء ومستند رواية منتهاهم الحس

---

(۱) فتح الباری ۱/ ۲۰۳
(۲) فتح المغیث للعراقی، ص: ۳۲۱
(۳) فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۳-۱۴
(۴) اصول السرخسی ۱/ ۲۸۲-۲۸۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أيضا ."(۱)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"اعلم أن المتواتر ما نقله من يحصل العلم بصدقهم ضرورة بأن يكونوا جمعا لايمكن تواطؤهم على الكذب عن مثلهم من أوله إلى آخره."(۲)

شیخ عبدالغفار حسن رحمانی صاحب فرماتے ہیں:

''خبر متواتر جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ رہے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عادۃً ناممکن ہو۔''(۳)

ڈاکٹر محمود طحان فرماتے ہیں:

'' متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جسے ہر دور میں اتنی بڑی تعداد نے روایت کیا ہو جس کا کذب بیانی پر متفق ہو جانا محال نظر آتا ہو۔ اس اصطلاحی تعریف کا مفہوم یہ ہے کہ اس حدیث یا خبر کی سند یعنی سلسلۂ روایت کے ہر طبقے یا مرحلے میں راویوں کی اتنی بڑی تعداد ہو کہ عقل کے نزدیک ان سب کا اس حدیث یا خبر کو گھڑنے پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو۔''(۴)

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں:

"وهو ما رواه جمع عن جمع يستحيل فى العادة تواطؤهم على الكذب من أول السند إلى منتهاه ....... على أن لايختل هذا الجمع فى طبقة من طبقات السند."(۵)

یعنی ''وہ روایت جسے جمع عن جمع روایت کیا گیا ہو اور سلسلۂ سند میں از اول تا آخر ان سب کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو اور طبقات سند میں سے کوئی طبقہ بھی اس جمع سے خالی نہ ہو۔''

جناب عبدالرحمان بن عبیداللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں:

''اصطلاحاً متواتر وہ روایت ہے جس کو ہم سے کثیر جماعت نے نقل کیا ہو اور عقل ان سب کا باتفاق جھوٹ بولنا اباء کرتی ہو، نیز ان کی خبر مشاہدات یا مسموعات میں سے کسی محسوس شئ سے متعلق ہو مثلاً یہ کہا جائے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا، یا رسول اللہ ﷺ کو ایسا فرماتے سنا۔''(۶)

اور پروفیسر مصطفیٰ اعظمی اپنے ایک مضمون "Hadith Rules for Acceptance &

---

(۱) قفو الأثر، ص:۵، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی، ص:۳۱

(۲) قواعد التحدیث للقاسمی، ص:۱۶۴ (۳) عظمت حدیث، ص:۳۵

(۴) تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۱۹ (۵) مقدمہ منہاج الصالحین، ص:۴۸

(۶) تحفۃ أهل الفکر فی مصطلح اہل الاثر، ص:۷-۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



transmission" میں فرماتے ہیں:

"The recurrent Hadith (Al-Hadith AL-Mutawatir): this type of Hadith is decisive in its certainty (qati thubut). there is no doubt that it actually came down from the prophet (P.b.u.h.).(۱)

## خبر متواتر کی شرائط

ڈاکٹر محمود طحان فرماتے ہیں:

"(۱)-اسے راویوں کی ایک بڑی تعداد روایت کرے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بڑی تعداد کم سے کم کتنی ہو؟ تاہم راجح قول یہ ہے کہ کم از کم دس راوی ہوں(۲)، (۲)- یہ کثرت تعداد سلسلۂ روایت یعنی سند کے ہر طبقے یا مرحلے میں پائی جائے۔ (۳)- اس بڑی تعداد کا کذب بیانی پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو۔ (۴)- راویوں کو اس خبر یا حدیث کا علم حواس ظاہری کے ذریعہ یعنی مشاہدہ یا سماع سے حاصل ہوا ہو، مثلاً روایت کرنے والے یوں کہیں "تم نے سنا"، "ہم نے دیکھا" یا "تم نے ہاتھ لگایا......" لیکن اگر اس خبر یا حدیث کے متعلق ان کے علم کا ذریعہ عقل ہو مثلاً اس کائنات کے حدوث یعنی عدم سے وجود میں آنے کی خبر وغیرہ تو ایسی صورت میں وہ خبر یا حدیث متواتر نہیں کہلائے گی۔"(۳)

پروفیسر مصطفیٰ اعظمی اپنے ایک مضمون "Hadith Rules for Acceptance & transmission" میں فرماتے ہیں:

"There are four conditions which must be present for a Hadith to be of this category: (1). At least four different persons must have narrated the Hadith, (2). it must have been impossible for these four or more to have concourred on a lie, (3). They must have narrated the Hadith from similar people (the first two conditions applicable) from the beginning of the chain of transmitters until the end of it, (4). The narration of Hadith must rely on the mind and the senses, not merely on the mind because the mind might be mistaken (as imagining something to have happened)". (۴)

---

(۱) مجریہ ۶/ جولائی ۱۹۹۰ء Daily Arba News Jeddah

(۲) تدریب الراوی ۲/ ۱۷۷

(۳) تیسیر مصطلح الحدیث، ص: ۲۰

(۴) Daily Arba News Jeddah, Dated: 6/7/90

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


جناب عبد الرحمان بن عبید اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

''تواتر کی چار شرطیں ہیں اول یہ کہ اس کو کثیر تعداد نے بلا حصر روایت کیا ہو، دوم یہ کہ ابتداء سے انتہاء تک ہر طبقۂ سند کے رواۃ نے اس کو روایت کیا ہو، سوم یہ کہ عقل کے نزدیک ان تمام رواۃ کا کذب پر متفق ہونا محال ہو، اور چہارم یہ کہ ان کی خبر باعتبار حس انتہائی مستند ہو۔''(۱)

اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ڈاکٹر محمود طحان نے کثرت رواۃ کے لئے کم از کم دس راویوں کی تعداد کو راجح قرار دیا ہے جبکہ پروفیسر مصطفیٰ اعظمی نے کم از کم چار راویوں کی تعداد کو بھی کافی سمجھا ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے تواتر کے لئے کم از کم پانچ، بعض نے سات، بعض نے دس، بعض نے بارہ، بعض نے چالیس، بعض نے ستر اور بعض نے اس سے بھی زیادہ راویوں کی تعداد کو شرط بیان کیا ہے، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے:

''قاضی باقلانی کا قول ہے: تواتر کے لئے چار افراد کافی نہیں لیکن اس سے زیادہ ٹھیک ہیں، آں رحمہ اللہ نے پانچ پر توقف فرمایا ہے۔ اصطخری کا قول ہے کہ کم از کم دس افراد ہوں اور یہی پسندیدہ مذہب ہے، بعض نے چالیس، بعض نے ستر کی تعداد بیان کی ہے کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے اصحاب ستر تھے۔ بعض نے تین سو دس سے کچھ زائد کی تعداد بیان کی ہے کہ یہ اصحاب طالوت اور اہل بدر کی تعداد تھی''۔۔۔(۲) امام ابن تیمیہؒ نے تواتر کے لئے رواۃ کی مختلف تعداد کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سب اقوال کو باطل قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"وأما عدد ما يحصل به التواتر فمن الناس من جعل له عددامحصورا ثم يفرق هؤلاء، فقيل: أكثر من اربعة، وقيل: اثنا عشر، وقيل: أربعون، وقيل: سبعون وقيل: ثلثمائة وثلاثة عشر، وقيل غير ذلك. وكل هذه الأقوال باطلة لتكافئها فى الدعوى."

(مجموع فتاویٰ ۱۸/ ۵۰) بعض اور مقامات پر آں رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأما المتواتر فالصواب الذى عليه الجمهور أن المتواتر ليس له عدد محصور بل إذا حصل العلم عن إخبار المخبر ين كان الخبر متواترا." (نفس مصدر ۱۸/ ۴۰، ۵۰)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان میں سے کسی بھی مخصوص تعداد کی تعیین کی نفی کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

---

(۱) تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر، ص: ۷-۸

(۲) تدریب الراوی ۲/ ۱۷۶-۱۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''تواتر کے لئے رواۃ کی کوئی معین تعداد شرط نہیں ہے۔''(۱)

اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"أحد الشروط التواتر إذا وردت بلا حصر عدد معين بل تكون العادة قد أحالت تواطأهم على الكذب."(۲)

یعنی ''تواتر کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے رواۃ کسی عددی قید سے بالاتر اس قدر زیادہ ہوں کہ انکا جھوٹ پر متفق ہونا عقلا وعادۃً محال ہو۔''

حافظ رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وتلك الكثرة أحد شروط التواتر إذا وردت بلا حصر عدد معين بل تكون العادة قد أحالت تواطأهم على الكذب ، وكذا وقوعه منهم اتفاقا من غير قصد فلا معنى لتعيين العدد على الصحيح، ومنهم من عينه في الأربعة، وقيل: في الخمسة،وقيل: في السبعة، وقيل: في العشرة، وقيل: في الاثنى عشر، وقيل: في الأربعين وقيل: في السبعين، وقيل: غير ذلك، وتمسك كل قائل بدليل جاء فيه ذكر ذلك العدد فأفاد العلم وليس بلازم أن يطرد في غيره لاحتمال الاختصاص." (۳)

یعنی ''متواتر حدیث کے لئے ایک شرط کثرت اسانید ہے لیکن اس کثرت کے لئے کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات کافی ہے کہ اتنے راویوں کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادۃً محال نظر آئے اور ان کی اس کثرت کا وقوع حسن اتفاق سے اور بلا قصد ہو۔ لہذا صحیح بات یہ ہے کہ تواتر کے لئے کسی خاص تعداد کی تعیین لایعنی ہے۔ لیکن محدثین میں سے بعض نے تواتر کے لئے چار، بعض نے پانچ، بعض نے سات، بعض نے دس، بعض نے بارہ، بعض نے چالیس، بعض نے ستر وغیرہ کی تعداد معین کی ہے اور ان میں سے ہر قائل نے اپنی تائید میں اس دلیل کو بیان کیا ہے جس میں یہ عدد مذکور ہے اور اس سے علم کا فائدہ ہوا ہے لیکن ضروری نہیں کہ جو تعداد ایک جگہ مفید علم ہو وہ دوسری جگہ بھی اسی طرح مفید ہو کیونکہ ہر جگہ اختصاص کا احتمال ہے۔''

اقتباس بالا میں حافظ رحمہ اللہ نے شرط تواتر کے لئے رواۃ کی کم از کم تعداد کو یہ کہہ کر مبہم چھوڑ دیا ہے کہ راویوں کی کثرت کے لئے کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے، البتہ اتنی ضرور ہو کہ ان

---

(۱) شرح شرح نخبۃ الفکر للقاری، ص:۱۹-۲۰ طبع کوئٹہ

(۲) فتح الباری ۸/ ۴۸۰، شرح نخبۃ الفکر، ص:۲۶

(۳) شرح نخبۃ الفکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادۃً محال نظر آئے۔ پھر آں رحمہ اللہ نے اس کثرت رواۃ کے وقوع کو بھی بلا قصد اور محض حسن اتفاق ہونے کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ آگے چل کر حافظ رحمہ اللہ تواتر کی بعض دوسری شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فإذا أورد الخبر كذلك وانضاف إليه أن يستوى الأمر فيه فى الكثرة المذكورة من ابتدائه إلى انتهائه والمراد بالاستواء أن لا تنقص الكثرة المذكورة فى بعض المواضع لا أن لا يزيد إذ الزيادة هنا مطلوبة من باب الأولى وأن يكون مستند انتهائه الأمر المشاهد والمسموع لا ماثبت بقضية العقل الصرف۔"(۱)

یعنی "پس جب کوئی خبر ایسی ہو اور اس میں یہ مزید صفت بھی پائی جاتی ہو کہ مذکورہ کثرت ابتدا سے انتہا تک ہر دور میں یکساں ہو (تو اسے خبر متواتر قرار دیا جائے گا) اور کثرت کی یکسانیت سے مراد یہ ہے کہ کسی دور یا طبقہ میں مذکورہ کثرت میں کمی واقع نہ ہو۔ لیکن اگر کسی دور میں اس کثرت میں اضافہ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ اضافہ ہمارے اصل مطلوب کے لئے مزید تقویت کا باعث ہو گا۔ اور یہ کہ وہ خبر حسی اعتبار، یعنی مشاہدات و مسموعات سے انتہائی مستند ہو، ایسی نہ ہو کہ جس کا ادراک عقل و ذہن سے کیا جاتا ہے۔"

مذکورہ کثرت کی یکسانیت کے متعلق حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" میں فرماتے ہیں:

"سند کی ابتدا، وسط اور انتہا میں رواۃ کی کثرت (برقرار) ہو۔"(۲)

اور حسی اعتبار سے مستند ہونے کے متعلق فرماتے ہیں:

"حدیث امور حسیہ یعنی مشاہدہ یا سماع سے مستند ہو۔"(۳)

حافظ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "شرح نخبۃ الفکر" میں ان تمام شروط کو یکجا ذکر کرتے ہوئے خبر متواتر کے مفید علم ہونے کی ایک اضافی شرط یوں بیان کرتے ہیں:

"فإذا جمع هذه الشروط الأربعة وهى عدد كثير أحالت العادة تواطأهم وتوافقهم على الكذب رووا ذلك عن مثلهم من الابتداء إلى الانتهاء وكان مستند انتهائهم الحس وانضاف إلى ذلك أن يصحب خبرهم إفادة العلم لسامعه فهذا هو المتواتر۔"(۴)

"پس اگر ان چاروں شرائط، یعنی راویوں کی اتنی بڑی تعداد کہ جن سب کا جھوٹ پر اتفاق

---

(۱) شرح نخبۃ الفکر (۲) فتح الباری ۱/ ۲۰۳

(۳) نفس مصدر ۱/ ۱۸۶، ۹/ ۲۹۲ (۴) شرح نخبۃ الفکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرلینا عادۃً محال ہو، یہ کثرت اتفاقیہ ہو، اس خبر کو ابتدا سے انتہا تک ہر زمانہ میں راویوں نے اسی کثرت کے ساتھ مسلسل روایت کیا ہو، اور وہ خبر ان راویوں کی حس یعنی مشاہدات و مسموعات کے اعتبار سے انتہائی مستند ہو، کے ساتھ اگر پانچویں شرط یہ بھی شامل کر دی جائے کہ ان کی یہ خبر سامع کو علم کا فائدہ پہنچاتی ہو تو یہ خبر متواتر ہے۔"

اس اضافی شرط کا تذکرہ حافظ رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں بھی کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"وہ خبر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہو۔"(۱)

اس اضافی شرط کا تذکرہ آں رحمہ اللہ نے اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر کسی خبر میں مذکورۃ الصدر پہلی چار شرائط پائی جائیں تو ان سے لازماً صحت خبر کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ ایسا ہمیشہ نہیں بلکہ اکثر اور غالب حالات میں ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی امر مانع کی وجہ سے اس خبر سے صحت کا علم حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"وقد يقال: إن الشروط الأربعة إذا حصلت استلزمت حصول العلم وهو كذلك في الغالب لكن قد يتخلف عن البعض لمانع وقد وضح بهذا التقرير تعريف المتواتر۔"(۲)

اگر کسی خبر میں مذکورہ چاروں شرائط تو موجود ہوں لیکن ان سے صحت کا علم حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ "خبر متواتر" نہیں بلکہ "مشہور" کہلائے گی، کیونکہ ہر "متواتر خبر"، "مشہور" تو ہو سکتی ہے لیکن ہر "خبر مشہور" کا متواتر ہونا لازم نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"وما تخلفت إفادة العلم عنه كان مشهورا فقط فكل متواتر مشهور من غير عكس۔"(۳)

امام سخاوی، حافظ رحمہ اللہ سے ناقل ہیں:

"إن كل متواتر مشهور ولا ينعكس"۔ (۴)

یعنی "ہر متواتر حدیث بلا عکس مشہور ہوتی ہے۔"

حافظ رحمہ اللہ کی اتباع میں امام سخاویؒ بھی رواۃ کی کسی معین تعداد یا ان کے مخصوص وصف کو "تواتر" کے لئے شرط نہیں سمجھتے جیسا کہ آں رحمہ اللہ کے ان الفاظ سے واضح ہے:

"غير محصورين في عدد معين ولا صفة مخصوصة۔"(۵)

---

(۱) فتح الباری ۱/ ۲۰۳
(۲) شرح نخبۃ الفکر
(۳) شرح نخبۃ الفکر، نزہۃ النظر، ص: ۱۳
(۴) فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۳
(۵) نفس مصدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


علامہ شوکانیؒ بھی مخبرین کی کسی معین تعداد کو حصول علم کے لئے ضروری نہیں سمجھتے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''بعض اصحاب الاصول کے نزدیک مجرد اشخاص مخبرین کی کوئی معین تعداد ہی حصول علم کے لئے حکم مناط کا درجہ رکھتی ہے۔ان میں سے بعض نے بارہ، بعض نے بیس، بعض نے چالیس، بعض نے ستر اور بعض نے اس سے بھی زیادہ کی تعداد کو اختیار کیا ہے، لیکن یہ نظریہ جمہور اصولیین کے نزدیک باطل ہے۔''(۱)

بعض محقق علماء کے نزدیک مخبرین کی متنوع صفات کی تاثیر اور حصول علم میں ان کی مختلف ہیئت کا اعتبار ہوتا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ''تواتر'' کے لئے صرف کثرت عدد ہی ضروری صفات و قرائن شمار نہیں ہوتے بلکہ اس کی حیثیت ان صفات و قرائن میں سے فقط ایک عامل کی ہوتی ہے۔ان کے نزدیک حکم تواتر کے لئے حصول علم زیادہ معتبر قرینہ ہے اور اس بارے میں راقم کا موقف بھی یہی ہے۔

اس بارے میں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"لا يعتبر فى التواتر عدد محصور بل يعتبر فيه ما يفيد العلم على حسب العادة فى سكون النفس إليهم وعدم تأتى التواطؤ على الكذب منهم ، إما لفرط كثرتهم وإما لصلاحهم ودينهم ونحو ذلك."(۲)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"ومن الناس من لا يسمى متواترا إلا ما رواه عدد كثير يكون العلم حاصلا بكثرة عددهم فقط ويقولون: إن كل عدد أفاد العلم فى قضية أفاد مثل ذلك العدد العلم فى كل قضية ، وهذا قول ضعيف.

والصحيح ما عليه الأكثر ون: إن العلم يحصل بكثرة المخبرين تارةً وقد يحصل بصفاتهم و لدينهم و ضبطهم وقد يحصل بقرائن تحتف بالخبر، وقال: إذا عرف أن العلم بأخبار المخبرين له أسباب غير مجرد العدد، علم أن من قيد العلم بعدد معين، وسوى بين جميع الأخبار فى ذلك فقد غلط غلطاً عظيماً."(۳)

---

(۱) ارشاد الفحول، ص: ۴۷-۴۸ (۲) المسودة فی أصول الفقه، ص: ۲۱۲

(۳) مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام ۱۸/ ۴۸، ۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آمدی کا قول ہے:

"وبالجملة فضابط التواتر ما حصل العلم عنده من أقوال المخبرين لا أن العلم مضبوط بعدد مخصوص."(۱)

امام الحرمینؒ فرماتے ہیں:

"الكثرة من جملة القرائن التى تترتت عليه العلوم المجتناة من العادات." (۲)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"وما من عدد تمسك به طائفة إلا ويمكن فرض تواطئهم على الكذب."(۳)

اور

"فالعدد بعينه ليس مغنيا إذ يتصورمعه تقدير حالة ضابطة وإيالة حاملة على الكذب ."(۴)

ابن الاثیرؒ کا قول ہے:

"إنا بحصول العلم الضرورى نتبين كمال العدد لا أنابكمال العدد نستدل على حصول العلم ."(۵)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"ولذا كان مقيدا للعلم الضرورى وهو الذى يضطر إليه الإنسان بحيث لا يمكنه دفعه ويجب العمل به من غير بحث عن رجاله ولايعتبر فيه عدد معين فى الأصح."(۶)

پس معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی وسخاوی رحمہما اللہ کا یہ فرمانا درست ہے کہ:

''رواۃ کی صفات علیہ عدد کی قائم مقام یا اس پر باعث اضافہ ہوتی ہیں۔''(۷)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ''خبر متواتر'' کا ''علم الاسناد'' کے مباحث سے چونکہ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ قطعی الثبوت ہونے کے باعث رجال وغیرہ کی بحث اور تحقیق و تمحیص کے تکلفات کے بغیر ہی مقبول اور واجب العمل ہوتی ہے، لہذا اصول حدیث میں زیر بحث نہیں آتی۔ اسی باعث حافظ ابن حجرؒ نے ''شرح نخبۃ الفکر'' میں ''خبر متواتر'' کی شروط کو علی سبیل الابہام ذکر کیا ہے، اور اس بارے میں

---

(۱) الإحکام فی اصول الأحکام ۱/ ۲۳۰
(۲) البرہان فی أصول الفقہ ۱/ ۵۸۰
(۳) نفس مصدر ۱/ ۵۷۲
(۴) نفس مصدر ۱/ ۵۷۸
(۵) جامع الأصول ۱/ ۱۲۲
(۶) قواعد التحدیث، ص: ۶۴
(۷) فتح الباری ۱/ ۲۳۰، فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


خود فرماتے ہیں:

"وإنما أبهمت شروط التواتر فی الأصل لأنه علی هذه الکیفیة لیس من مباحث علم الإسناد إذ علم الإسناد یبحث فیه عن صحة الحدیث وضعفه لیعمل به أو یترك به من حیث صفات الرجال وصیغ الأداء والمتواتر لا یبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث۔"(١)

علامہ ابن حنبلی حنفی وغیرہ نے بھی ''خبر متواتر'' کے رجال کو صحت حدیث کی ایک بنیادی شرط عدالت سے مستثنیٰ بیان کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ثم هو بقسمیه مفید للعلم الضروری لا النظری وغیر محصور فی عدد معین وموجود وجود کثرة لا معدوم ولا موجود وجود قلة خلافا لمن زعم ذلك ۔ ومتی استوفیت شروطه وتخلفت إفادته العلم عنه فلمانع آخر لا بمجرده ومن شأنه أن لا یشترط عدالة رجاله بخلاف غیره۔"(٢)

اور علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

"لا یبحث عن رجاله لکونه لا دخِل لصفات المخبرین فیه۔"(٣)

بعض علمائے اصول نے ''خبر متواتر'' کے رجال کے متعلق اس قدر وسعت دی ہے کہ ان کے نزدیک:

''تواتر کے لئے اسلام بھی شرط نہیں ہے''۔(٤)

لیکن یہ وسعت انتہائی قبیح اور ایک نہایت غیر دانشمندانہ بات ہے۔

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

''امام نوویؒ کی شرح صحیح مسلم میں ہے کہ کسی خبر متواتر کے لئے راویوں کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ائمہ اصول کا بھی یہی قول ہے، لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ اصطلاح صرف اصولیوں کے نزدیک ہے، محدثین کی اصطلاح یہ ہے کہ خبر متواتر متعدد مسلمانوں سے مروی ہو کیونکہ ان کے نزدیک جن کی روایت سے احتجاج کیا جاسکتا ہے ان کا عادل، ضابط، مسلم اور بالغ ہونا شرط ہے، لہٰذا ابواب الاخبار میں کسی کافر کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی خواہ وہ کتنی ہی کثیر تعداد سے کیوں نہ پہنچے۔ جمع الجوامع مع شرح

---

(١) شرح نخبۃ الفکر
(٢) قفو الأثر لابن الحنبلی، ص:٥، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی، ص:٣١-٣٢
(٣) فتح المغیث للسخاوی ٤/ ١٤
(٤) فتح الباری ٦/ ٣٨٠

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی عبارت ہے "ولاتقبل رواية كافر وإن عرف بالصدق لعلو منصب الرواية عن الكفار۔"(۱)

## تواتر کی اقسام

''خبر متواتر'' کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور معنوی،۔۔۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

**ا- متواتر لفظی:** وہ خبر ہے جس کے الفاظ اور معنی دونوں متواتر منقول ہوں۔ ڈاکٹر نورالدین عتر بیان کرتے ہیں:

"فهو ما تواترت روايته على لفظ واحد يرويه كل الرواة۔"(۲)

یعنی '' تواتر لفظی وہ ہے جس کے الفاظ تمام راویوں سے تواتر کے ساتھ ایک جیسے ہی منقول ہوں۔'' مثلا حدیث: "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار۔" یعنی ''جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف نسبت کر کے جھوٹی بات کہی وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔'' بقول حافظ ابن صلاح اس حدیث کو باسٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ یہ سو سے زیادہ نفوس سے مروی ہے، امام ابن الجوزیؒ نے کتاب ''الموضوعات'' کے مقدمہ میں ۹۸ نفوس سے مروی بتایا ہے، حافظ عراقیؒ کا قول ہے کہ اسے پچھتر صحابہ نے روایت کیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تقریبا دو سو افراد سے مروی ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "سبق قلم من مائة" ، پھر شیخین کے نزدیک متفق علیہ اکتیس صحابیوں سے مروی احادیث کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ان کے علاوہ تقریبا پچاس احادیث باسانید ضعیفہ متماسکہ اور تقریباً بیس باسانید ساقطہ بھی مروی ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ (۳) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہو گی۔''

**۲- متواتر معنوی:** وہ خبر ہے جس کے معنی متواتر ہوں لیکن الفاظ میں تواتر نہ ہو۔ ڈاکٹر نورالدین عتر فرماتے ہیں:

"فهو أن ينقل جماعة يستحيل تواطؤهم على الكذب أو وقوعه منهم مصادفة فنقلوا وقائع مختلفة تشترك كلها فى أمر معين فيكون هذا الأمر متواترا مثل رفع اليدين فى الدعاء فقد ورد عنه ﷺ فيه نحومائة حديث ، لكن هذه الأحاديث فى وقائع مختلفة۔"(۴)

---

(۱) قواعد التحدیث، ص: ۱۷۴ (۲) منہج النقد فی علوم الحدیث، ص: ۵ دمشق ۱۹۸۱ء

(۳) فتح الباری ۱/ ۲۰۳-۲۰۴، شرح مقدمہ مسلم للنووی ۱/ ۶۸، الموضوعات لابن الجوزی ۱/ ۵۶-۵۷، فتح المغیث للعراقی، ص: ۳۲۱-۳۲۲، فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۹، مقدمہ ابن الصلاح، ص: ۲۲۸، التقیید والایضاح للعراقی، ص: ۲۲۹-۲۳۲، تدریب الراوی للسیوطی ۲/ ۱۷۷، تیسیر مصطلح الحدیث، ص: ۲۰-۲۱

(۴) منہج النقد فی علوم الحدیث، ص: ۵-۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یعنی ''متواتر معنوی وہ روایت ہے جو ایسی جماعت سے منقول ہو جسکا یا تو جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو یا ان لوگوں سے جھوٹ کے وقوع کا اتفاق انتہائی قلیل ہو پس ایسے لوگ ایسے مختلف واقعات کو نقل کریں جو تمام کے تمام ایک مشترک امر پر متفق ہوں، تو یہ مشترک امر متواتر کہلائے گا، جیسے دعاء کے دوران نبی کریم ﷺ کا ہاتھ اٹھانا تقریبا سو احادیث میں منقول ہے لیکن وہ تمام کے تمام مختلف واقعات ہیں۔''

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے تقریبا سو ایسی حدیثیں مروی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے تھے، لیکن ان کے مواقع مختلف تھے اور ہر موقع کے متعلق روایت میں تواتر نہیں ہے، اگرچہ سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ آں ﷺ نے دعاء کے لئے ہاتھ بلند فرمائے تھے، اس لئے یہ قدر مشترک مجموعی سلسلہ ہائے روایت یعنی اسناد کے لحاظ سے متواتر ہے۔(۱)

علامہ جمال الدین قاسمیؒ نے بھی تواتر کی مذکورہ بالا دو قسمیں ہی بیان کی ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''متواتر کی دو قسمیں ہیں: (۱) متواتر لفظی: یعنی جس کے لفظ بتواتر منقول ہوں، اور (۲) متواتر معنوی: یعنی جس میں قدر مشترک بتواتر منقول ہو ـــــ پہلی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں مثلا "من كذب علي متعمدا." یہ حدیث تقریبا دو صد اشخاص سے مروی ہے، حدیث الحوض جو پچاس سے زائد اشخاص سے مروی ہے، حدیث المسح علی الخفین جو ستر اشخاص سے مروی ہے اور نماز میں رفع الیدین جو تقریبا پچاس اشخاص سے مروی ہے۔

دوسری قسم کی مثال دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا، پس اس بارہ میں تقریبا یک صد احادیث نبی ﷺ سے مروی ہیں کہ آپ نے مختلف مواضع پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے، اگرچہ ان میں سے ہر موقع پر ہاتھ اٹھانا بتواتر ثابت نہیں ہے، لیکن ان سب روایات میں ہاتھ اٹھانا قدر مشترک ہے پس یہ مجموعی اعتبار سے تواتر معنوی ہوا۔''(۲)

لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے تواتر کی چار قسمیں بیان کی ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

''تواتر کی چند قسمیں: (۱) ایک دور سے دوسرے دور کی طرف نسلا بعد نسل پوری وسعت اور عموم کے ساتھ نقل و روایت کا سلسلہ جاری رہے، مثلا قرآن مجید (۲) تواتر عملی: نماز کے اوقات، اذان اور نماز کی بنیادی ہیئت (۳) تواتر اسناد: مثلا "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار." صرف صحابہ کے دور میں اس کے سو سے زیادہ راوی ہیں، اسی طرح ختم نبوت کی روایات (۴) تواتر معنوی: یعنی قدر

(۱) تدریب الراوی ۲/ ۱۸۰، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۱ بتصرف یسیر

(۲) قواعد التحدیث، ص: ۱۶۴-۱۶۵، تدریب الراوی ۲/ ۱۷۹-۱۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مشترک تمام روایات میں درجۂ تواتر کو پہنچا ہوا ہو مثلاً معجزات نبوی، دعاء میں ہاتھ کا اٹھانا وغیرہ۔‘‘(۱)

## خبر متواتر کا حکم:

خبر متواتر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، ایسا یقینی علم کہ انسان قطعی طور پر اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس طرح کوئی شخص کسی واقعہ کا بذات خود مشاہدہ کرے تو وہ اس کی تصدیق کرنے میں ہرگز تردد نہیں کر سکتا، خبر متواتر کی صورت بھی یہی ہوتی ہے۔ اسی بناء پر خبر متواتر ساری کی ساری قابل قبول ہوتی ہے اور اس کے راویوں کے احوال پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

" فالأول المتواتر وهو المفيد للعلم اليقيني الخ ۔"(۲)

یعنی ’’اخبار میں پہلی قسم کا نام متواتر ہے اور یہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔‘‘

ڈاکٹر صبحی صالح فرماتے ہیں:

"ولا خلاف بين المحدثين فى أن كلا من المتواتر اللفظى والمعنوى يوجب العلم القطعي اليقيني۔"(۳)

یعنی ’’محدثین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متواتر کی دونوں اقسام، لفظی و معنوی علم قطعی و یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔‘‘

لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ خبر متواتر سے ’’علم ضروری‘‘ نہیں بلکہ ’’علم نظری‘‘ حاصل ہوتا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ’’علم نظری‘‘ کے قائلین پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ عامۃ الناس جن میں نظر و استدلال کی اہلیت نہیں ہوتی ان کو بھی خبر متواتر سے صحت کا علم حاصل ہوتا ہے، لہذا خبر متواتر سے حاصل ہونے والا علم نظری نہیں ہو سکتا۔ آں رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"إن الخبر المتواتر يفيد العلم الضرورى وهو الذي يضطر الإنسان إليه بحيث لا يمكن دفعه وقيل: لا يفيد العلم إلا نظريا ، وليس بشىء لأن العلم بالمتواتر حاصل لمن ليس له أهلية النظر كالعامى ، إذ النظر ترتيب أمور معلومة أو مظنونة يتوصل بهاإلى علوم أو ظنون غير معلومة وليس فى العامي أهلية ذلك، فلون كان نظريا لما حصل لهم الخ ۔" (۴)

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم
(۲) شرح نخبۃ الفکر، ص:۲٦
(۳) علوم الحدیث و مصطلحہ، ص:۳۰۰ دمشق ۱۹۵۹ء
(۴) شرح نخبۃ الفکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# متواتر احادیث کے کمیاب یا نایاب ہونے کی حقیقت

حافظ ابن الصلاحؒ کا قول ہے کہ ''کسی حدیث کے متعلق یہ دعویٰ کرنا بہت دشوار ہے کہ اس میں تواتر کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں، سوائے اس حدیث کے: "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار۔" اسی طرح امام ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ''روئے زمین پر ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس میں تواتر کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔'' لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے متواتر احادیث کے قلیل الوجود یا عدیم الوجود ہونے کے دعویٰ پر سخت تنقید فرمائی ہے اور اسے کثرت طرق، احوال رجال، اور ان سب کے اتفاقیہ کذب پر جمع ہو جانے کے عادۃً محال ہونے کی صفات مقتضیہ وغیرہ سے کم واقفیت اور کوتاہ اندیشی پر محمول کیا ہے۔

آں رحمہ اللہ متواتر حدیث کو کثیر الوجود ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ:

''مشرق و مغرب میں علماء کے پاس جو مشہور اور متداول کتب حدیث موجود ہیں، ان کے نزدیک ان سب کی ان کے مصنفین کی طرف نسبت صحیح اور قطعی ہے۔ پس اگر وہ ائمہ کسی حدیث کی تخریج پر جمع ہو جائیں اور اس کے طرق کی تعداد اس قدر ہو کہ ان سب کا کذب پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو، نیز اس میں تواتر کی دوسری شرائط بھی موجود ہوں تو اس کے قائل کی طرف اس حدیث کی نسبت کی صحت کے یقینی علم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ کتب مشہورہ میں ایسی احادیث کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔''(۱)

ذیل میں ہم بعض ائمہ حدیث کی نظر میں چند مشہور متواتر احادیث بطور مثال پیش کرتے ہیں:

"من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار۔" حدیث الحوض، حدیث المسح علی الخفین، نماز میں رفع الیدین اور دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے والی احادیث کا متواتر ہونا اوپر ''تواتر کی اقسام'' کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور احادیث کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''حدیث: "نضر الله امرأ سمع مقالتي" تقریباً تیس روایتوں سے آئی ہے، حدیث: "نزل القرآن على سبعة أحرف۔" ستائیس روایتوں سے، حدیث: "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة۔" بیس روایتوں سے، اور اسی طرح حدیث: "كل مسكر حرام۔"، حدیث: "بدأ الإسلام غريبا"، حدیث سوال منکر نکیر، حدیث: "كل ميسر لما خلق له" حدیث: "المرأ مع من أحب" حدیث: "إن احدكم ليعمل بعمل أهل الجنة "، حدیث: "بشر المشائين في الظلم إلى المساجد بالنور التام يوم

(۱) شرح نخبۃ الفکر، نزھۃ النظر، ص: ۱۶-۱۷، فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۹-۲۰، علوم الحدیث لابن تیمیہ، ص: ۲۴۲، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱/ ۱۷، شروط الائمۃ الخمسہ، ص: ۲۰-۲۱ تدریب الراوی ۲/ ۱۷۸-۱۷۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



القيامة۔"سب احادیث متواتر ہیں۔"(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں مندرجہ ذیل احادیث کو متواتر قرار دیا ہے:

" من بنى لله مسجداً۔"(۲) " المسح على الخفين" (۳) "رفع اليدين في الصلاة، الشفاعة والحوض، رؤية الله في الآخرة "(۴) "الأئمة من قريش" (۵)، (۶).

امام ابن تیمیہؒ محدثین اور فقہاء کے نزدیک چند متواتر احادیث کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سجود السهو ، وجوب الشفعة ، حمل العاقلة العقل ، رجم الزاني المحصن ، احاديث الرؤية وعذاب القبر ، الحوض والشفاعة وغيره۔''(مجموع فتاوی ۱۸/۵۱)

ان کے علاوہ بعض دوسری متواتر احادیث کی مثالوں میں ایک حدیث "لا صلوة إلا بأم القرآن" بھی ہے جسے امام بخاریؒ نے متواتر قرار دیا ہے۔یہ حدیث تیرہ سے زیادہ صحابیوں سے مروی ہے۔(۷) اسی طرح احادیث شفاعت وحوض جو کہ چالیس سے زیادہ صحابیوں سے مروی ہے، کے متعلق قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ:''ان کا مجموعہ تواتر کی حد کوپہونچتا ہے۔(۸)اسی طرح معاطن الإبل میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی احادیث کے متعلق امام ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں:"إنه نقل تواتر يوجب العلم"(۹)"إتخاذ القبور مساجد" (قبروں کو سجدہ گاہ بنالینے) کی نہی سے متعلق احادیث کو بھی امام

---

(۱)تدریب الراوی ۱/۱۷۹-۱۸۰ (۲)نظم المتناثرہ للکتانی، ص:۱۲، ۵۳،ابن حجر عسقلانی ودراسۃ مصنفاتہ ۱/۳۵۰

(۳)علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ ''ابوالقاسم ابن مندہؒ نے اسے اپنی کتاب ''المستخرج''میں ساٹھ سے زیادہ صحابیوں سے مروی بتایا ہے لیکن ابن ابی شیبہ اورابن المنذر رحمہما اللہ کے نزدیک بطریق حسن بصری اس کا ستر صحابیوں سے مروی ہونا منقول ہے۔بعض حفاظ نے اس کے رواۃ کواسی سے زیادہ صحابیوں تک جمع کیا ہے۔''(فتح المغیث للسخاوی ۴/۱۷)حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:" منهم روى المسح على الخفين عن النبيﷺ نحو أربعين من الصحابة واستفاض وتواتر۔"اورامام احمدؒ کا قول ہے:"ليس فى قلبى من المسح شيء ، فيه أربعون حديثا عن أصحاب رسول اللهﷺ ما رفعوا إلى النبيﷺ وماوقفوا۔"(التقیید والایضاح،ص:۲۲۹-۲۳۰،فتح المغیث للسخاوی ۴/۱۷،فتح المغیث للعراقی،ص:۳۲۲،التلخیص الحبیر لابن حجر ۱/۱۵۸،فتح الباری ۱/۳۰۶،المجموع ۱/۴۶۱،المغنی ۱/۲۸۱،نصب الرایہ للزیلعی ۱/۱۶۲

(۴)فتح الباری لابن حجر عسقلانی ۱۳/۴۳۴، نظم المتناثرۃ، ص:۱۵۳-۱۵۴،امام دار قطنیؒ نے اس حدیث کے بیس سے زیادہ طرق اور امام ابن قیمؒ نے ''حادی الأرواح''میں تیس سے زیادہ طرق ذکر کئے ہیں۔

(۵)فتح الباری ۷/۳۲، نظم المتناثرۃ ۱۰۳،حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے کہ میں نے تقریبا چالیس صحابیوں سے مروی اس حدیث کے طرق جمع کئے ہیں۔

(۶)فتح الباری:۱/۲۰۳ (۷)نظم المتناثرۃ، ص:۶۲، کشف النقاب ۴/۳۲۰، تحقیق الکلام للمحدث المبارکفوری

(۸)الشفاء للقاضی عیاض:۱/۱۲۹-۱۳۰، شرح صحیح مسلم:۳/۳۵، ۵/۵۳، فتح الباری:۱۱/۴۲۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۴/۴۲۵، ۱۸/۱۶، ۶۹،علوم الحدیث لابن تیمیہ:ص ۶۸-۶۹،التقیید والایضاح للعراقی:ص ۲۳۲، نظم المتناثرۃ؛ص ۱۴۹-۱۵۳

(۹)المحلی لابن حزم:۴/۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابن حزم نے متواتر بتایا ہے(۱)نماز میں تکبیر تحریمہ، رکوع میں جانے سے قبل اور رکوع کے بعد رفع الدین(۲) کی احادیث کے متعلق امام ابن حزمؒ کا قول ہے:"إنها متواترة توجب يقين العلم."(۳)

اسی طرح مصلی کے قول:"ربنا لك الحمد ملء السماوات وملء الأرض وملء ما شئت من شيء بعد"کے بارے میں وارد احادیث کو بھی امام ابن حزمؒ نے متواتر قرار دیا ہے۔(۴)

ـــــ ان کے علاوہ جن بعض اور احادیث کو ائمہ فن نے متواتر قرار دیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱-"من مس ذكره فليتوضأ"یعنی ''جس نے اپنی شرمگاہ کو چھوا وہ وضو کرے ـــــ'' یہ حدیث بیس اصحاب رسول ﷺ سے مروی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ساٹھ سے زیادہ رواۃ سے مروی ہے۔(۵)

۲-"توضأوا مما مست النار"یعنی ''آگ سے پکی ہوئی چیز کھاؤ تو وضو کرو ـــــ'' یہ حدیث بیس مختلف اصحاب رسول سے مروی ہے۔(۶)

۳-"أفطر الحاجم والمحجوم."یعنی سینگی لگانے اور لگوانے والا روزہ افطار کرے'' ـــــ یہ حدیث انیس مختلف اصحاب رسول سے مروی ہے۔(۷)

۴-"إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوة."یعنی ''جب گرمی سخت ہو تو نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو'' ـــــ یہ حدیث بھی انیس مختلف اصحاب رسول سے مروی ہے۔(۸)

۵-"أسفروا بالفجر."یعنی ''صبح کی نماز سفیدی میں پڑھو ـــــ'' یہ حدیث پندرہ مختلف اصحاب رسول سے مروی ہے۔(۹)

---

(۱) نفس مصدر: ۴/ ۱۳۰

(۲) یہ حدیث پچیس سے زیادہ اصحاب رسول سے مروی ہے، حافظ ابن عبدالبر کا قول ہے:''اس کو تیرہ صحابیوں نے روایت کیا ہے۔''(التمہید ۹/ ۲۱۶)امام بخاریؒ نے اسے سترہ نفوس سے مروی بتایا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ نے ''الموضوعات'' میں چھبیس اور حافظ عراقیؒ نے اسے پچاس سے زیادہ اصحاب سے مروی بتایا ہے۔(الموضوعات لابن الجوزی ۲/ ۹۲، التقیید والایضاح للعراقی، ص:۲۳۰)امام ابن حزمؒ نے بھی اسے متواتر قرار دیا ہے(المحلی ۴/ ۹۲)مزید تفصیل کے لئے نظم المتناثرہ، ص:۵۸، لقط اللآلی، ص:۲۰۷، الازھار المتناثرہ، ص۲۶ کشف النقاب ۴/ ۳۸۶، جزء رفع الیدین للإمام بخاری، ص:۳، فتح الباری ۲/ ۲۲۰، تلخیص الحبیر ۱/ ۲۲۰، سنن الکبری للبیہقی ۲/ ۴۷، فتح المغیث للعراقی، ص۳۲۲-۳۲۳، المعتبر للزرکشی، ص:۱۳۶ اور جلاء العینین فی تخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین لبدیع الدین شاہ الراشدی، ص:۲۵ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) المحلی ۴/ ۱۲۰ (۴) کمافی التقیید والایضاح، ص:۲۳۲

(۵) فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۱۷، نظم المتناثرہ، ص:۴۶، لقط اللآلی، ص:۱۹۹، کشف النقاب ۲/ ۲۳۳

(۶) لقط اللآلی المتناثرۃ للزبیدی، ص:۱۰۷-۱۱۱، نظم المتناثرۃ للکتانی، ص:۴۶-۴۸، کشف النقاب عمایقولہ الترمذی فی الباب لدکتور محمد حبیب اللہ مختار ۲/ ۱۸۳، ۱۹۱ (۷) نظم المتناثرہ، ص:۸۷، ۸۸، لقط اللآلی، ص:۱۵۲

(۸) نظم المتناثرہ، ص:۵۶، لقط اللآلی: ص۱۶۲، کشف النقاب ۳/ ۲۷۷، ۲۸۴

(۹) نظم المتناثرہ، ص:۵۵، کشف النقاب ۳/ ۲۵۴، ۱۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۶-"الصلاة الوسطى هي صلاة العصر" یعنی ''درمیانی نماز عصر کی نماز ہے ''۔۔۔ یہ حدیث بیس صحابیوں سے مروی ہے۔(۱)

۷-"الغسل يوم الجمعة" یعنی ''جمعہ کے دن غسل کرنا'' یہ حدیث چھبیس اصحاب رسول سے مروی ہے۔(۲)

۸-حدیث:"حنين الجذع" کو قاضی عیاضؒ نے متواتر قرار دیا ہے۔(۳)

۹-حدیث:"المهدی" کو علامہ ابو الحسن الآبری السجستانیؒ (۳۶۳ھ) نے ''مناقب الشافعی'' میں متواتر بتایا ہے۔(۴)

۱۰-حدیث:"أن إدريس فی الرابعة" کو امام ابن کثیرؒ وغیرہ نے متواتر قرار دیا ہے۔(۵)

۱۱-حدیث:"اهتز العرش لموت سعد" کو حافظ ابن عبد البرؒ نے متواتر قرار دیا ہے۔(۶)

۱۲-حدیث:"انشقاق القمر" کے متواتر ہونے کی تصریح علامہ تاج ابن السبکیؒ نے ''مختصر ابن الحاجب'' کی شرح میں کی ہے۔(۷)

۱۳-حدیث:"النزول" کے متعلق ابو الشیخ ابن حبانؒ نے کتاب ''السنہ'' میں امام ابو زرعہؒ سے نقل کیا ہے کہ: ''یہ احادیث متواتر ہیں رسول اللہ ﷺ کے متعدد اصحاب نے انہیں روایت کیا ہے۔''(۸)

۱۴-حدیث:"خير الناس قرني" کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے متواتر قرار دیا ہے۔(۹)

۱۵-"غسل الرجلين" کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث کو ذکر کرنے کے بعد شیخ ابو اسحاق الشیرازیؒ فرماتے ہیں:"؛لا يقال إنها أخبار آحاد لأن مجموعها تواتر معناه."(۱۰) امام سخاویؒ حافظ شیرازیؒ کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں:"وكذا ذكر غيره في التواتر المعنوي."(۱۱)

۱۶-"نهى عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر" کو ابن بطالؒ نے متواتر بتایا ہے، علامہ طحاویؒ

---

(۱) نظم المتناثرہ، ص:۵۲، کشف النقاب ۳/۳۹۸، (۲) نظم المتناثرہ، ص:۴۷، ۷۵، لقط اللآلی، ص:۱۹۳

(۳) الشفاء للقاضی عیاض ۱/۱۹۹

(۴) المنار المنیف، ص:۱۳۹، فتح الباری ۶/۴۹۴، تہذیب التہذیب ۹/۱۴۴، رسالۃ الأحادیث الواردۃ فی المہدی لعبد العلیم، ص:۳۰-۳۵

(۵) تفسیر ابن کثیر ۴/۲۷۹-۲۸۰، نظم المتناثرہ، ص:۱۳۲-۱۳۳

(۶) الاستیعاب ۲/۶۰۴، نظم المتناثرہ، ص:۱۲۶-۱۲۷ (۷) نظم المتناثرہ، ص:۱۵۳

(۸) عمدۃ القاری ۳/۶۲۲، نظم المتناثرہ، ص:۱۱۴-۱۱۵ (۹) الاصابہ ۱/۱۲، نظم المتناثرہ، ص:۱۲۷

(۱۰) فتح المغیث للسخاوی ۴/۲۱

(۱۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے بھی اس کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے۔(۱)

پس معلوم ہوا کہ تواتر احادیث نہ تو کمیاب ہیں اور نہ نایاب - مذکورہ بالا ان چند احادیث کے علاوہ بھی ان کی ایک کثیر تعداد مختلف کتب احادیث میں موجود ہے، اگر کوئی چیز کمیاب ونایاب ہے تو وہ ان احادیث کی تلاش وپرکھ کی ہمت وصلاحیت ہے۔ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ اخبار آحاد کے مقابلہ میں متواتر احادیث کی تعداد بحیثیت مجموعی کم ہے تو غلط نہ ہوگا۔ متواتر احادیث کے کمیاب ونایاب نہ ہونے کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ متعدد علماء نے "خبر متواتر" پر مشتمل مستقل کتب تصنیف کی ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل چند مشہور کتب کے نام کسی بھی صاحب علم وبصیرت پر مخفی نہیں ہیں:

۱- الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة للسيوطي.

۲- الفوائد المتكاثرة فی الأخبار المتواترة للسيوطي.

۳- قطف الأزهار للسيوطي.

٤- نظم المتناثر من الحديث المتواتر لمحمد بن جعفر الكتاني.

٥- لقط اللآلی المتناثرة لمرتضى الزبيدي.

٦- إتحاف ذوی الفضائل المشتهرة بما وقع من الزيادات في نظم المتناثر على الأزهار المتناثرة لأبی الفضل عبدالله الصديق.

مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی یہ صراحت فرمائی ہے کہ:

"بعض لوگوں نے کم علمی یا لاعلمی کی بناء پر یہ سمجھ لیا ہے کہ احادیث متواترہ بہت محدود اور قلیل تعداد میں ہیں حالانکہ تواتر کی چار قسمیں ہیں اور دین کا بہت بڑا حصہ تواتر وتوارث کی اسی راہ سے منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔"(۲)

قارئین کرام! ان تصریحات کی روشنی میں جناب نظام الدین خاں صاحب (معتمد عمومی الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی) کی مندرجہ ذیل سطور ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں کہ ایا آنجناب کا قولی متواتر احادیث کے وجود سے انکار درست ہے یا ان کی لاعلمی اور علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل؟

"نبی کریم ﷺ نے قرآن مبین کی تشریح وتوضیح میں جو کچھ بیان فرمایا وہ حدیث ہے۔ مگر قولی متواتر حدیث کا وجود نہیں ہے، البتہ عملی متواتر سنت موجود ہے جو احکام قرآنی کی تشریح کے کام آتی ہے- لیکن چونکہ قولی متواتر احادیث بالکل نہیں پائی جاتیں اس لئے عقائد ونظریات کی بنیاد صرف قرآن کریم ہے الخ۔"(۳)

● ● ●

---

(۱) شرح معانی الآثار ۱/ ۱۴۹، نظم المتناثرہ، ص:۶۹ (۲) نیل الفرقدین ملخصاً

(۳) پیش لفظ "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت" ۴/ ۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# حدیث و سنت میں فرق
# اصلاحی صاحب کی نظر میں

''حدیث اور سنت میں فرق'' کے عنوان سے زیر تبصرہ باب دراصل محترم اصلاحی صاحب کا ایک مضمون ہے جو پہلے فراہی مکتب فکر کے ترجمان رسالہ ''تدبر'' پھر ''اشراق'' لاہور(۱) میں شائع ہو چکا ہے۔اس عنوان کے تحت جناب اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔یہ خیال صحیح نہیں ہے۔حدیث اور سنت میں آسمان وزمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ ومقام الگ الگ ہے،ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔فہم حدیث کے نقطۂ نظر سے دونوں کے فرق کو واضح طور پر سمجھنا ضروری ہے۔''(۲)

اوپر محدثین، فقہاء، علماء اصول اور اصحاب لغت کے نزدیک ''حدیث'' و ''سنت'' کی معروف لغوی اور اصطلاحی تعاریف نیز ان کے مابین ''فرق'' کی حقیقت پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''حدیث'' اور ''سنت'' کے مابین فی الواقع کوئی مغایرت نہیں ہے۔علم نبوی کی ان دونوں اصطلاحوں کا مطلب و مفہوم چونکہ بالکل مترادف و متساوی ہے لہذا پوری امت ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاح کے مقام پر بلا تکلف اور بلا امتیاز استعمال کرتی رہی ہے۔اس سلسلہ میں جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی قطعی بے بنیاد ہے کہ ''حدیث اور سنت میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔دین میں دونوں کا مرتبہ ومقام الگ الگ ہے الخ۔'' آگے چل کر اس سلسلہ میں ہم ان شاء اللہ محترم اصلاحی صاحب کے بعض اوہام کی نشاندہی کریں گے۔

## ''حدیث'' کسے کہتے ہیں؟

جناب اصلاحی صاحب محدثین کے نزدیک ''حدیث'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محدثین حدیث کو ''خبر'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ''خبر'' کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ "الخبر يحتمل الصدق والكذب."(خبر صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے)یعنی علمائے فن کے

(۱) تدبر لاہور عدد ۴، ص:۱۷-۲۴ مجریہ ماہ جون ۱۹۸۲ء و اشراق، لاہور: ج ۱، عدد ۱۲، مجریہ ماہ اگست: ۱۹۸۲ء

(۲) مبادئ تدبر حدیث، ص:۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نزدیک ''خبر''میں صدق و کذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں۔ گویا ایک حدیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب سب کچھ ہوسکنے کا امکان پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں ہر ایک کے ساتھ معاملہ بھی الگ الگ ہو گا۔''(۱)

''خبر'' کی تعریف بھی اوپر بیان کی جاچکی ہے، اس کے متعلق جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی کہ:''محدثین حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں'' اگرچہ کسی حد تک درست ہے لیکن بالکلیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ''خبر'' کی اصطلاحی تعریف میں محدثین کے تین اقوال پائے جاتے ہیں جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، پھر ''خبر'' کی جو تعریف آں محترم نے بیان کی ہے وہ اگر خانہ ساز نہیں تو علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے اس قول سے ضرور ماخوذ ہے:"الخبر هو ما يصح ان يدخله الصدق أوالكذب". (۲) ــــــ لیکن یہ تعریف لغوی اور دنیاوی اعتبار سے تو کسی حد تک درست ہو سکتی ہے مگر جب اس سے ''حدیث'' کا اصطلاحی معنی مراد لیا جاتا ہے تو یہ تعریف صدفی صد صادق نہیں آتی۔

جس شخص کو بھی کبھی احادیث نبوی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اس نے اس حقیقت کو ضرور محسوس کیا ہو گا کہ ''اخبار نبوی'' یا ''احادیث نبوی'' کے واضح طور پر دو اجزاء ہوتے ہیں۔ پہلا جزء اس کی سند (یعنی مخبرین کے سلسلۂ سماعت کا بیان) ہوتا ہے اور دوسرا جزء اس خبر کا متن ہوتا ہے جبکہ عام دنیاوی خبروں میں مخبرین کے سلسلۂ سماعت (اسناد) کا قطعی کوئی اہتمام والتزام نہیں کیا جاتا، پس اگر کوئی خبر رسول اللہ ﷺ کے کسی قول، فعل، تقریر یا آپ کی صفت یا سیرت کے متعلق منقول ہو اور اس کے تمام مخبرین قابل اعتماد ہوں تو اس محقق خبر سے صرف صدق کا یقینی علم ہی حاصل ہو گا، خواہ مخواہ اس ''خبر'' میں ''صدق'' کے ساتھ ''کذب'' کے احتمال کو حسب تعریف شامل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ غیر محقق اور غیر مصدقہ خبروں کے متعلق یہ گمان ضرور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سند حدیث کا لازمی جزء ہے اور اس جزء کی ہی تحقیق نہ کی جائے، تو آخر پھر نقل سند کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ یہاں یہ امر بھی واضح اور پیش نظر رہے کہ دینی معاملات میں ہر خبر کی تصدیق و تحقیق کرنے کا حکم جو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں صادر فرمایا ہے وہ اسی مصلحت کے پیش نظر ہے کہ اس کی نازل کردہ شریعت تا قیام قیامت ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رہے، اور جب کبھی بھی کسی فرمان الٰہی یا فرمان رسول کا اس حیثیت سے ذکر ہو تو اس میں کسی احتمال کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کیونکہ جب کسی خبر کی باقاعدہ تحقیق ہو چکی تو اس سے احتمال کذب از خود زائل ہو گیا، اب وہ ''خبر'' مکمل طور پر ''حدیث نبوی''

---

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث، ص:۱۹، ۲۰ (۲) الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب، ص:۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کہلانے کی مستحق ہے۔

غیر محقق خبروں پر بلا روک ٹوک ''حدیث نبوی'' کا اطلاق کرنا انتہائی خطرناک نتائج کا حامل ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ اس میں کذب کا احتمال موجود ہوتا ہے اور کون ایسا مسلم ہے جو کذب علی النبی ﷺ کو اپنے لئے جائز سمجھتا ہو۔ جن بعض وضاعین نے رسول اللہ ﷺ پر دروغ بیانی کی جسارت کی ہے ان کا جہنمی ہونا رسول اللہ ﷺ کے متواتر ارشادات سے ثابت ہے۔

''اخبار نبوی'' کو وضاعین کی اسی فتنہ انگیزی سے محفوظ و مصون رکھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہر ''خبر'' کے متن کی روایت کے ساتھ اس کے مخبرین کے احوال و کوائف کی مکمل چھان بین کو بھی لازم قرار دیا گیا ہے تا کہ ''اخبار نبوی'' پر سے ''کذب'' کا شائبہ تقریباً معدوم ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ راقم کے نزدیک ''خبر'' اور ''حدیث'' کے مابین عموم و خصوص کی نسبت ہے کیونکہ ہر ''خبر'' کا ''حدیث'' ہونا لازم نہیں جبکہ ہر ''حدیث'' پر ''خبر'' یا زیادہ محتاط الفاظ میں ''خبر نبوی'' یا اخبار نبوی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، واللہ اعلم۔ افسوس کہ جناب اصلاحی صاحب اخبار نبوی میں صدق کے ساتھ کذب کے احتمالی وجود کے بھی قائل ہیں جیسا کہ آں محترم کے منقولہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے، لیکن اس واہمہ سے تو پورا ذخیرۂ احادیث ہی مشتبہ اور ناقابل اعتماد قرار پا جاتا ہے، فإنا للہ وانا إلیہ راجعون۔ مزید لائق افسوس اصلاحی صاحب کا یہ قول ہے کہ ''اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں۔''

## احادیث کے ''ظنی'' ہونے کی حقیقت:

بلا شبہ بعض فقہاء و محدثین نے قرآن کریم کے مقابلہ میں حدیث کو ظنی ماخذ شریعت بتایا ہے، لیکن ''حدیث'' کو ''ظنی'' قرار دینے سے ان کی مراد ہرگز یہ نہ تھی کہ حدیث کی صحت مشکوک ہوتی ہے یا اس میں صدق کے ساتھ کذب کا احتمال بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اصرار کرے کہ فی الواقع ان کی مراد یہی تھی تو اس کا مطلب حدیث سے بدظن کرنے کی کوشش کے سوا اور کیا لیا جا سکتا ہے؟ یہ غلط فہمی صرف انہی لوگوں کو لاحق ہوتی ہے جو ''ظن'' کی حقیقت سے لاعلم ہوتے ہیں۔ جس طرح اردو زبان میں ''ظن'' کے دو مفہوم شائع ہیں، یعنی محمود (حسن ظن) اور مذموم (سوء ظن)، ٹھیک اسی طرح یہ لفظ شریعت میں بھی دو مختلف مفہوم کا حامل ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بعض مقامات پر ''ظن'' کو ''علم و یقین'' کے معنی میں، بعض جگہ ''گمان غالب'' کے معنی میں اور بعض جگہ ''وہم، شک اور شبہ'' کے معنی میں بولا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر ''ظن'' مذموم نہیں بلکہ اس کے صرف اسی مفہوم کی مذمت کی گئی ہے جو ''وہم و شک'' کے ہم معنی ہے، لیکن جہاں ''ظن'' و ''علم یقین'' یا ''گمان غالب''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے مفاہیم کا حامل ہو اس کے مقام مدح ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

متعدد اصحاب لغت نے بھی ''ظن'' کو مندرجہ بالا ہر دو مفاہیم سے عبارت بتایا ہے یعنی علامات و آثار کی قوت کے اعتبار سے ''درجۂ علم ویقین'' کا مساوی اور ضعف علامات کے مطابق ''درجۂ وہم'' کے برابر، لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ان شاء اللہ آگے ''اخبار آحاد کی حجیت'' (باب ششم) کے زیر عنوان اس موضوع پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔

پس معلوم ہوا کہ جن فقہاء و محدثین نے حدیث کو ''ظنی'' کہا ہے ان کے نزدیک ''ظن'' کے اول الذکر معنی ہی مراد ہیں۔ جناب شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"فالظن الذي تفيده الأخبار إنما هوالقوى الراجح المقارب لليقين لاالضعيف المرجوح۔"(۱)

یعنی ''(اخبار آحاد) جس ظن کا فائدہ دیتی ہیں اس سے مراد راجح اور غالب ظن ہے جو کہ علم ویقین کی حد کے قریب ہوتا ہے نہ کہ مرجوح اور کمزور ظن (جو کہ وہم وشبہ کا ہم معنی ہوتا ہے)۔''

علمائے اصول بھی اسی بات کے قائل ہیں چنانچہ جناب شبیر احمد عثمانی صاحب ناقل ہیں:

"المتواتر يفيد علم اليقين والمشهور يفيد علم الطمانية وخبر الواحد يفيد علم غالب الرأی ۔"(۱)

یعنی ''حدیث متواتر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، حدیث مشہور سے علم اطمینان اور خبر واحد سے گمان غالب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔''

اس بارے میں راقم کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ جب فتنۂ انکار حدیث کی مادر ایجاد (یعنی اوہام ووساوس) نے کاروباری مشغلہ کی صورت اختیار کرلی تو غیر علمی زبانوں پر متعارف علمی اصطلاحات، غیر اصطلاحی معانی پر بھی استعمال کی جانے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان لغزش کا شکار ہو گئے۔ انہی غیر اصطلاحی معانی پر استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح ''ظن'' بھی ہے۔ حدیث کے خلاف اس علمی اصطلاح کو نہایت چابک دستی کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے یہ شبہ عام کیا گیا ہے کہ احادیث ''ظنی'' ہیں اور ''ظن'' کو تو اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے۔افسوس کہ علوم حدیث سے نابلد بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح جناب اصلاحی صاحب بھی اس معاملہ کی تہ تک نہ پہنچ سکے اور لغزش کا شکار ہو گئے۔

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم، ص:۱۷

(۱) مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ص۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## خبر تواتر:

''حدیث یا خبر کی قسمیں'' بیان کرنے کے بعد جناب اصلاحی صاحب ''خبر متواتر'' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''صاحب الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ، ''خبر تواتر'' کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''وہ خبر جس کی روایت اتنے کثیر افراد کریں کہ عادۃً یہ محال معلوم ہو کہ اتنے افراد، بیک وقت ایک واضح امر میں، جب کہ کسی مجبوری اور دباؤ کا مظنہ بھی نہیں ہے، ایک جھوٹی بات پر اتفاق کر لیں گے۔''(۱)

پھر آں محترم ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے حوالہ کے لئے اس کتاب کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ یہ امہات فن میں شامل ہے۔ جہاں تک مطالعہ کا تعلق ہے، میں نے دوسری ضروری کتابیں بھی پڑھ لی ہیں لیکن میرے نزدیک اصول حدیث میں سب سے اہم کتاب یہی ہے الخ۔''(۲)

ان سطور کے بارہ میں راقم کو فقط یہ کہنا ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے ''خبر التواتر'' کے متعلق صاحب ''الکفایۃ'' کی بیان کردہ تعریف کی بھرپور ترجمانی نہیں کی ہے۔ کم از کم اس جملہ کے ترجمہ کو تو سرے سے ہی حذف کر دیا گیا ہے: "وإن ما أخبروا عنه لا يجوز دخول اللبس والشبهة في مثله."(۳) ہم نے علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی بیان کردہ پوری تعریف اوپر ''خبر متواتر'' کے زیر عنوان پیش کی ہے، قارئین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ محترم اصلاحی صاحب کی نقل کی گئی یہ تعریف خبر متواتر کی تمام شرائط پر محیط نہیں ہے، اس لحاظ سے اسے ناقص بھی کہا جا سکتا ہے اگر واقعۃً آں موصوف نے اصول حدیث کی ''دوسری ضروری کتابیں بھی پڑھ لی ہیں'' جیسا کہ آں محترم کا دعوی ہے، تو الکفایہ فی علم الروایہ'' کی اس ناقص تعریف کو ترجیحاً یہاں نقل کرنا کم از کم راقم کی سمجھ سے تو بعید ہے۔ ''خبر متواتر کی شرائط'' کا مفصل تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب خبر متواتر کے وجود کا سرے سے انکار کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ ''خبر تواتر'' کا اسم تو موجود ہے، لیکن ہمارے علم کی حد تک، اس کا

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۲۰ (۲) نفس مصدر

(۳) الکفایہ فی علم الروایہ، ص ۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کوئی صحیح مسمی موجود نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک حدیث کو ''خبر مشہور'' کا درجہ دے دیا جاتا ہے، لیکن تحقیق پر معلوم ہوتا ہے کہ تین ادوار تک اس کے راوی ایک ایک، دو دو ہیں، جب کہ تیسرے یا چوتھے دور میں اس کے راوی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہمارے نزدیک وہ احادیث جنہیں خبر متواتر کہا گیا ہے تحقیق طلب ہیں۔ اگر تحقیق کے بعد وہ مذکورہ تعریف پر پوری اتریں تو انہیں متواتر مانئے، لیکن مصنوعی طور پر کسی چیز کو متواتر بنانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ بات یہاں یاد رکھیئے کہ جہاں تک سنت کا تعلق ہے اس کو، جیسا کہ آگے وضاحت ہو گی، تواتر کا درجہ حاصل ہے اور یہ تواتر قولی نہیں بلکہ عملی ہے۔''(۱)

امام ابن حبانؒ وغیرہ کی اتباع میں جناب اصلاحی صاحب نے خبر متواتر کے عدم وجود کا جو دعوی کیا ہے وہ حدیث کے متعلق ان کے ذاتی ''علم کی حد تک'' تو درست ہو سکتا ہے، لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے متواتر احادیث کے قلیل الوجود یا عدیم الوجود ہونے کے دعوی پر سخت تنقید فرمائی ہے اور اسے کثرت طرق، احوال رجال اور ان سب کے کذب پر اتفاقیہ جمع ہو جانے کے عادۃً محال ہونے کی صفات مقتضیہ وغیرہ سے لاعلمی اور کوتاہ اندیشی پر محمول فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود جناب اصلاحی صاحب کو اپنے اس دعوی پر پوری طرح شرح صدر حاصل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آں موصوف اپنے اس دعوی سے صرف چند سطر آگے ہی لکھتے ہیں: ''...... ہمارے نزدیک وہ احادیث جنہیں خبر متواتر کہا گیا ہے، تحقیق طلب ہیں۔ اگر تحقیق کے بعد وہ مذکورہ تعریف پر پوری اتریں تو انہیں متواتر مانئے لیکن مصنوعی طور پر کسی چیز کو متواتر بنانا صحیح نہیں ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ جن احادیث کو سابقہ محدثین نے خبر متواتر قرار دیا ہے اگر وہ واقعی ''تحقیق طلب'' ہیں تو پھر ان کے عدم کے وجود کا دعوی از خود بے معنی ثابت ہوا کیونکہ جو چیز ابھی محتاج تحقیق ہے، اس کے وجود یا عدم وجود کا فیصلہ قبل از تحقیق کیوں کر صادر کیا جا سکتا ہے؟

پھر جناب اصلاحی صاحب کا یہ قول کہ ''اگر تحقیق کے بعد وہ مذکورہ تعریف پر پوری اتریں الخ ___'' بھی ان احادیث میں سے کچھ یا تمام کے مذکورہ تعریف پر پوری اترنے کے امکان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس ضمن میں مزید تحقیق کرنے سے کسی فرد کو کوئی دوسرا فرد ہرگز نہیں روکتا، بلکہ ہم تو ایسی ہر کوشش کو خوش آمدید کہتے ہیں اور کھلے دل سے یہ چیز دیکھنے کے خواہشمند ہیں کہ دبستان فراہی سے وابستہ جس فرد میں بھی اس کی صلاحیت وہمت نیز حق تک پہنچنے اور بسر و چشم اسے تسلیم کرنے کا داعیہ موجود ہو وہ بشوق ان احادیث کی تحقیق کرے۔

---

(۱) مبادی تدبر حدیث، ص: ۲۰-۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


چونکہ جناب اصلاحی صاحب نے پہلے سے ہی یہ سوچ رکھا تھا کہ ''خبر تواتر کا اسم تو موجود ہے'' لیکن ''اس کا کوئی صحیح مسمی موجود نہیں ہے''۔۔۔ لہذا آں موصوف نے اس بارے میں کسی تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔۔۔ ''حدیث کی خدمت''، اس کے ''تحقیقی درس'' اور اس پر ''تدبر'' کا یہ انداز کم از کم راقم کے نزدیک تو کسی طرح موزوں نہیں ہے۔

چونکہ جناب اصلاحی صاحب محدثین و فقہاء کی عام روش کے خلاف ''سنت'' کو ''حدیث یا خبر'' سے جدا سمجھتے ہیں اس لئے آں محترم نے فقط ''سنت'' کے لئے عملی تواتر کا درجہ تسلیم کیا ہے۔ ''حدیث'' یا ''خبر'' کے متعلق ان کا موقف اور اس پر تبصرہ اوپر پیش ہو چکا ہے، آگے جب آں محترم ''سنت'' پر بحث کریں گے تو ان شاء اللہ اس کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

## خبر واحد:

''خبر تواتر'' کے بعد جناب اصلاحی صاحب ''خبر واحد'' پر بحث کرتے ہوئے ''ردو قبول کے پہلو سے اخبار آحاد کے درجے'' کے ذیلی عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''صاحب الکفایۃ نے اخبار آحاد کو ردو قبول کے پہلو سے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے: اول: وہ روایات جن کا حق اور لائق قبول ہونا واضح ہے۔ دوسری: وہ روایات جن کا باطل ہونا واضح ہے اور تیسری: وہ روایات جن کے حق یا باطل ہونے کا پہلو معین نہ ہو رہا ہو۔ اب ان کی تفصیل سنئے۔

وہ روایات جن کا حق اور لائق قبول ہونا واضح ہے: پہلے درجے میں صاحب ''الکفایۃ'' ان روایات کو رکھتے ہیں جو مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہوں:

(أ) عقل جن کی صحت کی گواہی دیتی ہو (مما تدل العقول علی موجبہ) اور جن کو عام عقل (Common Sense) قبول کرتی ہو۔ (ب) جن کا تقاضا نصوص قرآن یا نصوص سنت کرتے ہوں۔ (ج) جن کو امت نے قبول کیا ہو۔

وہ روایات جن کا باطل ہونا واضح ہے: دوسرے درجے میں صاحب ''الکفایۃ'' ان روایات کو رکھتے ہیں جو مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہوں:

(أ) جن کو عقل رد کرتی ہو۔ (ب) جو نصوص قرآن اور نصوص سنت متواتر کے منافی یا اس سے متناقض ہوں۔ (ج) جو ایسے امور سے متعلق ہوں کہ جن میں لوگ بدیہی اور قطعی علم کے محتاج ہوں تاکہ ان پر حجت تمام ہو سکے لیکن اس طرح کا علم ان سے حاصل نہ ہو رہا ہو یا ان کا تعلق ایسے اہم واقعہ سے ہو جس کے باب میں متعدد طریقوں سے روایات ہونا ضروری ہے لیکن اس کی روایت نہایت محدود طریقہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پر ہوئی ہو۔ احناف کے نزدیک عموم بلوی کی شکل میں (یعنی جہاں ضرورت کی نوعیت کا تقاضا یہ ہو کہ روایت متعدد طریقوں سے آئے) اخبار آحاد کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایسے امور میں وہ بسا اوقات اجتہاد و قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

وہ روایات جن کے حق یا باطل ہونیکا پہلو معین نہ ہو رہا ہو: تیسرے درجے میں صاحب ''الکفایۃ'' ان روایات کو لیتے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ سے ایسے احکام روایت ہوئے ہیں جو باہم دگر مختلف ہیں اور یہ طے کرنا مشکل ہو رہا ہو کہ کس پر عمل کیا جائے، کس پر نہ کیا جائے، ایسی روایات کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ روایات کے الفاظ، قرآن وسنت کے نصوص اور دوسرے پہلوؤں پر غور کر کے ترجیح کی راہ اختیار کی جائے گی اور مرجح روایات قبول کی جائیں گی۔''(۱)

## خبر واحد کے بیان میں بعض اغلاط واوہام کی وضاحت

ذیل میں بعض ان اغلاط واوہام کی نشاندہی کی جائے گی جو کہ جناب اصلاحی صاحب کی سطور بالا میں موجود ہیں:

۱- علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایہ'' میں ''باب الکلام فی الاخبار وتقسیمھا'' کے تحت پہلے ''خبر'' کی تعریف بیان کی ہے، پھر اس کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے ''خبر التواتر'' اور ''خبر الآحاد'' کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں بیان کی ہیں، (۲) پھر رد و قبول کے پہلو سے ان اخبار کے مدارج بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: "والأخبار كلها على ثلاثة أضرب" (۳) نہ معلوم جناب اصلاحی صاحب نے "الأخبار كلها" سے صرف ''اخبار آحاد'' کو ہی کیوں مراد لیا ہے؟ کہ یوں سرخی جمادی: ''رد و قبول کے پہلو سے اخبار آحاد کے درجے''، حالانکہ صاحب ''الکفایہ'' کے اس قول میں نہ ''اخبار متواتر'' کے لئے استثنائی حیثیت کا کوئی اشارہ موجود ہے اور نہ ہی ''اخبار آحاد'' کی تخصیص کا۔

۲- آگے چل کر صاحب ''الکفایۃ'' اخبار کی اس پہلی قسم کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی صحت معلوم ہوتی ہے (وهو ما يعلم صحته) (۴) اور اس سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے خواہ وہ بطریق تواتر مروی بھی نہ ہو۔ ذیل میں ہم علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے اس بارے میں تفصیلی بیان کی ترجمانی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

''معرفت کے لئے یہ ضروری ہے کہ: (أ) وہ خبر ایسی ہو کہ جس کے موجب صحت ہونے پر عقل

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص:۲۱، ۲۴ ملخصا
(۲) الکفایہ فی علم الروایہ، ص:۱۶
(۳) نفس مصدر، ص:۱۷
(۴) الکفایہ فی علم الروایہ: ص۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دلالت کرتی ہو مثال کے طور پر حدث اجسام، اثبات صانع، اللہ عزوجل نے انبیاء اور رسولوں کے ہاتھوں جن اعلام کو ظاہر فرمایا اور اس کی نظائر کہ عقلیں جن کی صحت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

(یہاں کسی خبر کی صحت کے متعلق عقل کے ''گواہی'' دینے یا عام عقل (Common sense) کے ''قبول'' کرنے سے اگر اصلاحی صاحب کی مراد وہ نہیں جو کہ خطیب بغدادیؒ کی ہے، بلکہ اس سے آں موصوف کی مراد عصر حاضر میں مشہور ''درایت'' کی وہ جدید ''نعمانوی'' تعبیر ہے جو نری ''عقل کی کسوٹی'' یا ''قرائن عقل'' سے عبارت ہے تو جاننا چاہئے کہ یہ مراد اس اصول حدیث کی قطعاً بیجا اور لغو ترجمانی ہے۔ چونکہ ''درایت'' یہاں موضوع بحث نہیں ہے اس لئے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے قارئین محترم کو اس ضمن میں مزید تفصیلات کے لئے اپنی دوسری کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیں گے۔)

(ب) اگر کسی معاملہ میں کوئی خبر ایسی ہو کہ قرآنی نصوص یا سنت متواترہ کی نصوص اس کا تقاضا کرتی ہوں تو بھی یہ چیز اس خبر کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح

(ج) اگر امت نے کسی خبر کی تصدیق پر اجماع کیا ہو یا امت کے نزدیک کسی خبر کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو، اور امت نے اس کے بموجب عمل بھی کیا ہو تو یہ بھی اس خبر کی صحت کی دلیل ہے۔''(۱)

نہ معلوم جناب اصلاحی صاحب نے کس مصلحت کے تحت صاحب ''الکفایۃ'' کی ترجمانی کرتے وقت (ب) کے تحت ''نصوص سنت متواترہ'' کے بجائے صرف ''نصوص سنت'' کا تذکرہ کیا ہے اسی طرح (ج) کے تحت ''اجماع امت'' اور ''تعامل امت'' کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ پھر اصلاحی صاحب کے اس جملہ سے کہ ''پہلے درجے میں صاحب ''الکفایۃ'' ان روایات کو رکھتے ہیں جو مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہوں'' ـــــــ یہ پوری طرح واضح نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک اس قسم کی اخبار کے لئے مندرجہ ذیل تینوں شرائط لازم ہیں یا یہ کہ ان میں سے کسی ایک خاصیت کا موجود ہونا ہی کافی ہے۔

۲- اخبار کی دوسری قسم یعنی جس کا فساد معلوم ہو (وھو ما یعلم فسادہ)(۲) کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ (أ) وہ خبر ایسی ہو کہ عقل اس کے موضوع اور اس بارے میں وارد منصوص دلائل کی روشنی میں اس خبر کی صحت کو رد کرتی ہو۔ مثال کے طور پر حدث اجسام کے بجائے قدم اجسام کی خبر یا اثبات صانع کے بجائے نفی صانع وغیرہ کی خبر، (ب) یا وہ خبر قرآنی نصوص یا سنت متواترہ کی نصوص کے منافی ہو اور اسے رد کرتی ہو، (ج) یا امت نے اس خبر کی تردید پر

(۱) الکفایہ فی علم الروایہ: ص ۱۶ (۲) الکفایہ فی علم الروایہ: ص ۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اجماع کیا ہو، (د) یا وہ خبر امور دین میں سے کسی ایسے امر سے متعلق ہو کہ جس کا تمام مکلفین (پابند شریعت) کو معلوم ہونا لازم ہے لیکن باوجود اس کے وہ خبر حسب ضرورت موجب علم نہ ہو، (ہ) یا وہ خبر کسی بڑے معاملہ (امر جسیم) یا بڑی خبر (نبأ عظیم) سے متعلق ہو، مثال کے طور پر اہل اقلیم کا اہل وعیال کے ساتھ کسی خلیفۂ وقت سے خروج کرنے کی خبر وغیرہ ــــ چونکہ یہ تمام چیزیں مخصوص ومحدود طریقے پر ورود کے باعث موجب علم نہیں ہیں، لہذا کسی خبر میں ان امور کی موجودگی اس کے فساد پر دلالت کرتی ہے الخ۔"(۱)

جناب اصلاحی صاحب نے اس ضمن میں بھی صاحب "الکفایۃ" کے بیان کی ترجمانی کے وقت بعض نہایت اہم چیزوں کو حذف کر دیا ہے مثلاً (الف) کے تحت یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ جن اخبار کو عقل رد کرتی ہو وہ کن بنیاد پر رد کرے؟ اسی طرح کسی خبر کی تردید پر اجماع امت کا تذکرہ محذوف ہے۔ اس کے علاوہ محترم اصلاحی صاحب نے یہاں خواہ مخواہ "احناف کے نزدیک عموم بلوی کی شکل میں اخبار آحاد کو کوئی خاص اہمیت" نہ دینے کا تذکرہ چھیڑ کر خلط مبحث کی کوشش کی ہے، لیکن چونکہ یہ اس موضوع پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع نہیں ہے لہذا ہم اس بیجا تذکرہ پر اپنے تبصرہ کو باب ششم ("اخبار آحاد کی حجیت") کے لئے اٹھار کھتے ہیں۔

۴- اخبار کی تیسری قسم کہ جس کی صحت پر فساد معلوم نہ ہو (الذي لايعلم صحته من فساده) (۲) کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ایسی صورت میں کسی خبر پر قطعی طور پر صدق یا کذب کا حکم لگانے سے رک جانا ہی واجب ہے۔ اس تیسری قسم میں صرف وہ اخبار داخل ہیں جن کے متعلق یہ فیصلہ نہ ہو سکتا ہو کہ ایسا کرنا یا ایسا ہونا جائز ہے یا نہ ایسا کرنا یا ایسا نہ ہونا جائز ہے، مثال کے طور پر اصحاب الحدیث نے رسول اللہ ﷺ سے احکام شریعت کے متعلق مختلف اور متضاد نوعیت کی اخبار نقل کی ہوں، تو ان کے بارے میں وقوف واجب ہے۔ جب یہ صورت حال درپیش ہو کہ ان متضاد اخبار میں سے کسی کے صدق یا کذب کو جاننے کا کوئی ذریعہ وطریقہ موجود نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی ایک امر کے حق میں یا دوسرے امر کے خلاف قطعی طور پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان میں سے کسی ایک امر کے اولی ہونے کا امکان ہوتا ہے الخ۔"(۳)

---

(۱) الکفایہ فی علم الروایہ: ص۱۶
(۲) الکفایہ فی علم الروایہ: ص۱۸
(۳) نفس مصدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اس سلسلہ میں پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اخبار کی اس تیسری قسم کا تذکرہ جناب اصلاحی صاحب نے علامہ خطیب بغدادیؒ کے حوالہ سے ضرور کیا ہے لیکن نہ معلوم کیوں آں رحمہ اللہ کے ''وقوف'' والے فیصلہ کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اپنی رائے کو ہی بیان کیا ہے۔

دوسری قابل اعتراض چیز یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے علامہ خطیب بغدادیؒ کی بیان کردہ اخبار کی اس تیسری قسم سے کیوں کر اتفاق کر لیا؟ جب کہ فی الواقع صحیح احادیث نبوی کا باہم متصادم ومتناقض ہونا محض ایک وہم ہے۔ یہ وہم عموماً ان لوگوں کو ہی لاحق ہوا کرتا ہے جن کے سامنے علوم حدیث کی پوری تفصیلات نہیں ہوا کرتی ہیں۔ اگر کسی صحیح حدیث میں ایک بات کا اثبات ہو اور دوسری میں اسی بات کی نفی مذکور ہو تو بظاہر یہ دونوں حدیثیں باہم دگر متصادم نظر آئیں گی لیکن یہ اختلاف وتعارض صرف ان کی ظاہری شکل میں ہو گا، کیونکہ معنوی اعتبار سے احادیث میں نہ تضاد پایا جاتا ہے اور نہ تناقض۔ اس طرح کے اختلافات کی نوعیت مندرجہ ذیل آیات کے ظاہری اختلافات سے تقریباً ملتی جلتی ہے:

۱- قرآن کریم میں ایک جگہ مذکور ہے: ﴿وأقبل بعضهم على بعض يتساءلون﴾ (۱) یعنی ''وہ ایک دوسرے پر سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوں گے'' جبکہ دوسرے مقام پر وارد ہے: ﴿فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتساءلون﴾ (۲) یعنی ''اس دن آپس میں وہ ایک دوسرے سے کوئی سوال نہ کریں گے۔''

۲- ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿فوربك لنسئلنهم أجمعين عما كانوا يعملون﴾ (۳) یعنی ''تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کریں گے جو کہ وہ کرتے رہے ہیں۔'' مگر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ولا يسئل عن ذنوبهم المجرمون﴾ (۴) یعنی ''مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق نہ پوچھا جائے گا۔''

۳- ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ مشرکین قیامت کے دن اپنے مشرکانہ عقائد سے اظہار براءت کرتے ہوئے قسم کھا کر کہیں گے: ﴿والله ربنا ما كنا مشركين﴾ (۵) یعنی ''قسم ہمارے رب اللہ عزوجل کی، ہم مشرک نہ تھے۔'' جب کہ ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا گیا ہے: ﴿ولا يكتمون الله حديثا﴾ (۶) یعنی ''وہ اللہ تعالی سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے۔''

امام بخاریؒ نے اپنی ''جامع صحیح'' میں اس طرح کی آیات کو جو بظاہر متصادم معلوم ہوتی ہیں، نقل کرنے کے بعد ان کے مابین تطبیق ورفع تعارض کی تفصیلات کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ـــــ پس معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن کریم کی مختلف آیات میں نظر آنے والا تعارض حقیقی

---

(۱) الصافات: ۲۷ (۲) المؤمنون- ۱۰۱ (۳) الحجر: ۹۲، ۹۳
(۴) القصص: ۷۸ (۵) الانعام: ۲۳ (۶) النساء: ۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نہیں بلکہ ظاہری ہوتا ہے، اسی طرح احادیث کے مابین نظر آنے والا تعارض بھی غیر حقیقی ہوتا ہے۔ اس ظاہری تعارض یا تصادم کو تطبیق وغیرہ کے ذریعہ بہ آسانی رفع کیا جاسکتا ہے۔ ہماری اس تحقیق کو حافظ ابن خزیمہؒ کے اس قول سے مزید تقویت ملتی ہے: "لا أعرف أنه روی عن رسول الله ﷺ حديثان بإسنادين صحيحين متضادان فمن كان عنده فليأت به حتى أولف بينهما." (۱) یعنی "میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی دو صحیح السند روایات کے درمیان کبھی (حقیقی) تعارض بھی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس ایسی دو حدیثیں موجود ہوں تو انہیں میرے پاس لائے، میں یقیناً ان کے مابین جمع و تطبیق کی شکل واضح کر کے دکھادوں گا۔"

تیسری قابل اعتراض چیز یہ ہے کہ اگر کسی طور پر یہ مان بھی لیا جائے کہ قرآن کریم میں تو نہیں، لیکن احادیث کے مابین نظر آنے والا تعارض حقیقی ہوتا ہے، تو بھی دو متعارض احادیث کے بیچ رفع تعارض کی کسی کوشش کے بغیر ڈائریکٹ ترجیح کی راہ کو ہی اختیار کرنے کا مشورہ دینا اصول حدیث کے خلاف ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ اگر دو ایسی متعارض احادیث موجود ہوں کہ ان کے مابین رفع تعارض کی تمام صورتوں میں سے جمع و تطبیق کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو اور نہ ان میں سے کسی کے ناسخ و منسوخ ہونے کا پتہ چل سکے تو بلا شبہ ترجیح کے طریقہ کار کو ہی اپنایا جائے گا، گویا ترجیح کا مرحلہ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس کو ابتدائی دو مراحل کی ناکامی کی صورت میں ہی اپنایا جاتا ہے۔

چوتھی قابل اعتراض چیز یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے یہاں ترجیح کے جو اسباب بیان کئے ہیں، ان میں صرف "ترجیح باعتبار متن" اور بعض "ترجیح باعتبار امور خارجہ" کا ہی تذکرہ فرمایا ہے۔ ترجیح کے دوسرے دو اسباب یعنی "ترجیح باعتبار سند" اور "ترجیح باعتبار مدلول" کا یہاں تذکرہ نہ کرنا ناقابل فہم ہے۔

پھر جناب اصلاحی صاحب نے "سنت" کی "تعریف"، "سنت کی ضرورت" اور "قرآن و سنت کے (کا) باہمی نظام" پر روشنی ڈالی ہے۔ ان موضوعات کا تذکرہ چونکہ اوپر کے صفحات میں گزر چکا ہے، لہٰذا ہم آگے چلتے ہیں:

## سنت کا دائرہ

اس عنوان کے تحت جناب اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ سنت کا تمام تر تعلق عملی زندگی سے ہے، یعنی ان چیزوں سے جو کرنے کی ہیں۔ وہ چیزیں اس کے دائرہ سے الگ ہیں جو محض عقائد اور علمی نوعیت کی ہیں، مثلاً ایمانیات،

---

(۱) الکفایہ فی علم الروایہ، ص: ۴۳۲-۴۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تاریخ اور شان نزول وغیرہ کی قسم کی چیزوں کو سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"(۱)

اس سے قبل بھی آں محترم اپنی اسی مخصوص فکر کا اظہار ذرا مختلف انداز سے یوں فرما چکے ہیں:

"حدیث اور سنت کا دین میں اصلی مقام واضح کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور پر وہ فرق واضح کر دوں جو حدیث اور سنت کے درمیان میں سمجھتا ہوں لیکن عام طور پر لوگ اس کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ حدیث تو ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی ﷺ کی نسبت کے ساتھ کی جائے، لیکن سنت سے مراد نبی ﷺ سے صرف ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے جس پر آپ نے بار بار عمل کیا ہو، جس کی آپ نے محافظت فرمائی ہو، جس کے حضور عام طور پر پابند رہے ہوں۔"(۲)

اصحاب لغت، فقہاء، محدثین اور علمائے اصول کے نزدیک "سنت" کی معروف لغوی اور اصطلاحی تعریف اوپر کے صفحات میں گذر چکی ہے، اگر ان اصحاب فن کی مصطلح و معروف تعریف پر نگاہ ڈالی جائے تو ظاہر ہے کہ جناب اصلاحی صاحب کا بیان کردہ "سنت کا دائرہ" نہایت تنگ نظر آئے گا۔ آں محترم نے "سنت" کے مفہوم کو سکیڑ کر اس قدر مختصر اور محدود کر دیا ہے کہ اس کا تعلق صرف ان چند عبادات و اعمال ہی سے رہ جائے گا جو علی الاستمرار نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ ایسی صورت میں سیاست، معیشت، معاشرت اور معاملات وغیرہ جیسے اہم ترین شعبہائے زندگی کے بیشتر گوشے "سنت" کی رہنمائی سے یقیناً خالی رہ جائیں گے۔ لہٰذا جناب اصلاحی صاحب کی بیان کردہ "سنت" کی تعریف جو منطقی ہے نہ عرفی، کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے بطلان کے چند دلائل ذیل میں خود اصلاحی صاحب کی مختلف تحریروں سے پیش خدمت ہیں:

۱- زیر مطالعہ باب کے تحت صرف چند صفحات قبل خود جناب اصلاحی صاحب "سنت" کے زیر عنوان تحریر فرما چکے ہیں:

"ہمارے زیر بحث اس وقت سنت نبوی ہے۔ یعنی وہ طریقہ جو آپ نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے، احکام و مناسک کے ادا کرنے، اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا الخ۔"(۳)

ان سطور میں رسول اللہ ﷺ کو کامل "نمونہ" کے ساتھ "معلم شریعت" بھی قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی معلم ہر چیز خود بار بار کر کے نہیں دکھاتا بلکہ تعلیم کے دوران بہت سی چیزیں زبانی

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۸　(۲) ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ص: ۷-۱۳ مجریہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۳) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی بتاتا اور سکھاتا ہے۔ چنانچہ ان سطور میں جو طریقہ نبی ﷺ نے "عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا" اسے سنت قرار دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سنت کا تعلق صرف نبی ﷺ کے ثابت شدہ اعمال سے نہیں بلکہ آپ کے ثابت شدہ اقوال و تقاریر سے بھی ہے جیسا کہ جناب اصلاحی صاحب کی اس منقولہ عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔

۲- ذرا آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب "منکرین سنت سے سوال" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"...... چند حدیثوں کے انکار کو انکار سنت کے مترادف سمجھ لیا گیا اور پھر منکرین حدیث نے حدیث کے خلاف جو شبہات ایجاد کئے، وہ انہوں نے سنت پر بھی پھیلا دئے، حالانکہ سنت کا انکار جیسا کہ ہم نے عرض کیا، خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے۔"(۱)

اور

"اصلاً یہ فتنہ چند الجھن پیدا کرنے والی حدیثوں سے اٹھا۔ نہ مدافعت کرنے والے یہ اندازہ کر سکے کہ انہیں کس چیز کی مدافعت کرنی ہے اور وہ کس محاذ پر اپنا زور صرف کر رہے ہیں........ حامیان حدیث نے بلاوجہ حدیث کے ساتھ سنت کو بھی ہدف پر لا کھڑا کیا۔"(۲)

اصلاحی صاحب کے ان دونوں اقتباسات کے مطالعہ سے پہلی بات تو یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آں محترم کی نگاہ میں کسی دوسرے مفہوم پر "سنت" کا اطلاق درست نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آں موصوف کی نگاہ میں جو اہمیت "سنت" کو حاصل ہے وہ "حدیث" کو نہیں ہے، اور "سنت" کی یہ اہمیت بھی صرف اسی مفہوم کو حاصل ہے جسے آنجناب نے پوری امت سے اختلاف کرتے ہوئے از خود متعین فرمائی ہے۔ تیسری بات یہ کہ علم نبوی کی مدافعت کرنے والے علماء نے خواہ مخواہ اور "بلاوجہ" ہی حدیث کے دفاع پر اپنی انرجی (توانائی) ضائع کی، کیونکہ (غالبًا) اصلاحی صاحب کے نزدیک حدیث کے دفاع کی سرے سے نہ پہلے کوئی ضرورت تھی اور نہ اب ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن راقم کے نزدیک تو ان مدافعین و حامیان حدیث کی مساعی ایک بڑی سعادت تھی بلکہ ان کا مقام تو حسب بشارت نبوی ان شاء اللہ یہ ہے کہ: "يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين۔"(۳) یعنی "اس علم (حدیث) کے حامل ایک دوسرے کے پیچھے ہمیشہ

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۳۰ (۲) نفس مصدر

(۳) شرف أصحاب الحدیث للخطیب بغدادی، ص: ۱۱، ۲۸، ۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایسے عادل لوگ ہوں گے جو اسے حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی گھڑی ہوئی اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کرتے رہیں گے۔" چوتھی اور سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ جناب اصلاحی کے نزدیک "عقائد" اور "ایمانیات" وغیرہ کا تعلق "سنت" سے نہیں بلکہ احادیث سے ہے اور "سنت" کا انکار چونکہ "خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے"، لہذا عقائد وایمانیات سے متعلق احادیث کا انکار آں موصوف کی نگاہ میں اتنا زیادہ اہم نہیں ہے کہ اسے "قرآن کے انکار کے ہم معنی" یعنی باعث کفر قرار دیا جاسکے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر اصطلاحات کی تعیین کا حق ہر شخص کو دے دیا جائے تو یہی نتیجہ برآمد ہو گا جو اوپر جناب اصلاحی صاحب کے ضمن میں آپ نے ملاحظہ فرمایا، پس معلوم ہوا کہ ائمہ فن کی متعینہ اور متفقہ اصطلاح کے مقابلہ میں جناب اصلاحی صاحب کی بیان کردہ تعریف علماً وعملاً ہر دو طرح قطعاً لغو اور ناقابل قبول ہے۔ یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ منکرین حدیث نے جب بھی "حدیث" کا انکار کیا تو "حدیث" و"سنت" کے مابین کسی تفریق کو ملحوظ نہیں رکھا تھا۔

## کیا سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے؟

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب "سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں، بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، جن میں صدق و کذب، دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔

جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ آپ سے صحابۂ کرامؓ نے، ان سے تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ نے سیکھا۔ اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا، اور اگر دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہر حال امت کے عملی تواتر کو حاصل ہو گی۔ اگر کسی معاملہ میں اخبار آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی۔ اگر توجیہ نہیں ہو سکے گی تو بہر حال انہیں مجبوراً چھوڑا جائے گا، اس لئے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت ان کے بالمقابل قطعی ہے۔

اخبار آحاد کے بالمقابل عمل اہل مدینہ کو ترجیح دینے کے باب میں مالکیہ کا مسلک اسی اصول پر مبنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہے۔ وہ عمل اہل مدینہ کو حجت مانتے ہیں اور اس کو "السنة عندنا هكذا" (سنت ہمارے ہاں اسی طرح ہے) سے تعبیر کرتے ہیں۔ احناف بھی عموم بلوی میں اخبار آحاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس میں بھی وہی سپرٹ (اسپرٹ) ہے۔

یہاں اس امر کو بھی ذہن نشین رکھئے کہ امت کے عملی تواتر سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کا عمل ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔" (تم پر میری اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنت کی پیروی واجب ہے۔ سنن ابن ماجہ: مقدمہ، باب۶)۔ دین کا مرکز یہی گروہ ہے۔ اس وقت جو بھیڑ ایسے اعمال کی حامل ہے جو قرآن و سنت سے صریحاً متناقض ہیں تو یہ سب اہل بدعت ہیں اور بدعت کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔"(۱)

اس عنوان کے تحت ابتداءً جناب اصلاحی صاحب نے کوئی نئی بات بیان نہیں کی ہے، بلکہ صرف اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق "حدیث" پر "سنت" کی امتیازی حیثیت اور فوقیت کو ظاہر کیا ہے۔ وہی "حدیث" میں صدق و کذب کے احتمال کی موجودگی، سنت کا امت کے عملی تواتر سے ثابت ہونا، احادیث کا ظنی ہونا، احناف کا عموم بلوی میں اخبار آحاد کو اہمیت نہ دینا اور سنت کے قطعی ہونے کا بیان آپ کو ذرا مختلف پیرایہ پر اس عنوان کے تحت دیکھنے کو ملے گا۔

جہاں تک اصلاحی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ "ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں...... اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے" ـــــ گویا آں محترم کے نزدیک دین کا اصل ماخذ صرف آباء واجداد کے ذریعہ منتقل ہونے والا عمل ہے، ان کے ذریعہ منتقل ہونے والے بیانی علم کی حیثیت محض ایک مؤید کی ہے۔ یہ فکر انتہائی غیر دانشمندانہ اور خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ علم کے بغیر عمل کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ روح کے بغیر جسم کی، لہذا عمل کے لئے علم کا ہونا اور علم کے ساتھ عمل کا ہونا ناگزیر ہے۔ اگر امت نے نماز اور حج وغیرہ کی تفصیلات کو صرف رسول اللہ ﷺ سے نسل در نسل عملاً منتقل ہونے کی بناء پر اس عمل کی محافظت کے یقین کے ساتھ ہی اختیار کیا ہوتا تو آج امت کے درمیان کم از کم نماز جیسی بنیادی چیز کی ادائیگی کے طریقہ میں کوئی اختلاف نہ پایا جاتا۔ سب لوگ یا تو امام کی اقتداء میں ہاتھ باندھتے یا پھر سب ہی ہاتھ کھلے رکھتے، امام کے پیچھے یا تو سب لازماً سورہ فاتحہ کی قرأت

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث، ص: ۲۹-۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرتے یا سب ہی خاموش کھڑے رہتے، سب کے ہاتھ یا تو سینہ پر بندھے ہوتے یا پھر سبھی ناف پر ہاتھ باندھتے، سب لوگ آمین بالجہر کہتے یا پھر سب ہی پست آواز میں آمین کہہ لیتے، سب لوگ قبل وبعد از رکوع رفع الیدین کرتے یا سبھی رفع الیدین کو ترک کرتے، سب لوگ ہی جلسۂ استراحت کرتے یا پھر سب اس سے گریز کرتے، اسی طرح تمام امتی قعدۂ اخیرہ میں تورک کرتے یا پھر تمام لوگ ہی تورک سے گریز کرتے ــــ غرض کہاں تک امت کے درمیان صرف نماز ہی میں عملی اختلاف کی موجودگی کا تذکرہ کروں ــــ اگر یہ سب چیزیں ہی سنت ہیں تو پھر خلاف سنت کیا چیز ہے؟ ــــ دراصل یہ تمام اختلافات علم نبوی سے دوری کا ہی نتیجہ ہیں۔ اگر تمام امت علم کی بدولت اپنے فقہاء، علماء اور بزرگوں کے تقلیدی خول سے باہر آسکتی تو یہ اختلافات از خود رفع ہو سکتے تھے۔

پس معلوم ہوا کہ امت میں سے بعض افراد یا کسی گروہ کا کوئی عمل سنت نبوی صرف اسی وقت قرار پا سکتا ہے جب کہ وہ ایسے علم نبوی سے ثابت بھی ہو جس کے بیان کرنے والوں میں ثقاہت وعدالت کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہوں۔ گویا روایات کا ریکارڈ محض مؤید سنت نہیں بلکہ اس کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔

اگر ''چند راویوں'' کا کسی حکم نبوی کو بیان کرنا اتنا ہی غیر اہم اور غیر ضروری ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ہرگز یہ نہ فرماتے: "نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وأداها الخ۔"(۱) یعنی ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا اور آگے پہنچایا الخ۔'' اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا: "لیبلغ الشاهد منکم الغائب فإن الشاهد عسی أن یبلغ من هو أوعی له منه۔"(۲) ــــ ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات سننے، انہیں یاد رکھنے اور ایسے شخص تک پہنچانے کا حکم دیا ہے جو اسے بعد کے لوگوں تک منتقل کر دے، اور ظاہر ہے کہ ''روایات کے ریکارڈ میں'' ارشادات نبوی کے ساتھ آپؐ کے اعمال (جو کہ جناب اصلاحی کی اصطلاح میں ''سنت'' سے عبارت ہیں) اور تقریرات کا ذکر بھی ہوتا ہے۔

اب جناب اصلاحی صاحب کا یہ قول ملاحظہ فرمائیں کہ اگر روایات کا ریکارڈ ''عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا...... امت کے عملی تواتر کو حاصل ہو گی'' ــــ میں پوچھتا ہوں کہ آں محترم امت کے

(۱) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۳۷۲، سنن ابی داؤد، ص: ۳۶۲۰، الرسالہ للشافعی، ص ۴۰۱، مسند احمد، سنن ابن ماجہ، الدارمی، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۱/ ۳۹

(۲) رواہ البخاری ۱/ ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کس عملی تواتر کی بابت ترجیح کا یہ کلیہ بیان فرمارہے ہیں؟ جبکہ امت میں سے حنفیہ کے پاس نماز کے اپنے طریقہ پر ''عملی تواتر'' موجود ہے، شافعیہ وحنابلہ اور مالکیہ کے پاس بھی نماز کے اپنے اپنے طریقوں پر ''عملی تواتر'' موجود ہے۔ ایسی صورت میں اصلاحی صاحب ہی بتائیں کہ ان مختلف عملی تواتروں میں سے کس عملی تواتر کو ''روایات کے ریکارڈ کی طرف رجوع کئے بغیر سنت نبوی اور امت کے لئے ترجیحی عمل قرار دیں گے''؟___ اگر ان میں سے صرف ایک طریقہ ہی ''سنت'' ہے تو پھر دوسرے مکاتب فکر کے ''عملی تواتر'' کے غیر مسنون ہونے کے بارے میں آپ کس طرح فیصلہ فرمائیں گے؟ اگر آپ کہیں کہ سب طریقے ہی ''سنت'' ہیں تو پھر ان تمام فقہی گروہوں کا وجود اور ان کے مابین اس قدر کشیدگی اور اختلافات کیوں باقی ہیں؟ میں مزید یہ پوچھنے کی جسارت بھی کروں گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو شاہد بنا کر حلفیہ بتائیں کہ اپنی عمر عزیز کا کس قدر حصہ آپ نے حنفی طریقہ سنت کے مطابق اور کس کس قدر دوسرے طرق سنت کے مطابق نماز ادا کرنے میں گزارا ہے؟___ اگر جواب صرف حنفی طریقہ سنت کے حق میں ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی دوسری سنتوں کو یا تو عمداً ترک کیا ہے یا پھر انکا انکار۔ یہاں مجھے ترک سنت کا حکم بتانے کی ضرورت نہیں، البتہ انکار سنت کا حکم بقول آپ کے ''خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے''___ اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ میں نے ہر طرق سنت کے مطابق نماز ادا کی ہے اور ان میں عمر عزیز کے کل حصہ کو مساوی تقسیم بھی کیا ہے تو فبہا ورنہ امتیاز کی وجہ دریافت طلب ہو گی ___ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ نماز کا ہر طریقہ ''سنت'' نہیں ہو سکتا کیوں کہ خود اصلاحی صاحب کے الفاظ میں ''سنت'' تو صرف وہی طریقہ ہو سکتا ہے ''جس پر آپؐ نے بار بار عمل کیا ہو، جس کی آپؐ نے محافظت فرمائی ہو، جس کے حضور عام طور پر پابند رہے ہوں۔''(۱) اور آپؐ نے جو بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے___ عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا ہو''(۲)، ظاہر ہے کہ آں ﷺ سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ آپ نے بار بار متضاد چیزوں پر عمل کیا ہو گا یا متضاد چیزوں کی محافظت فرمائی ہو گی یا عام طور پر آپؐ متضاد چیزوں پر پابند رہے ہوں گے یا آپؐ نے ''بحیثیت معلم شریعت'' اور ''کامل نمونہ'' کے لوگوں کو عملاً اور قولاً متضاد چیزوں کو بتایا اور سکھایا ہو گا۔

آگے چل کر اخبار آحاد یا ان کے ''ظنی'' ہونے یا مالکیہ کے نزدیک ''عمل اہل مدینہ'' کو آحاد پر ترجیح دینے یا حنفیہ کے ''عموم بلوی'' میں آحاد کو کوئی اہمیت نہ دینے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ باب ششم: ''اخبار آحاد کی حجیت'' کے زیر عنوان پیش کی جائے گی۔

---

(۱) ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ص: ۷، ۱۳ مجریہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء (۲) مبادی تدبر حدیث، ص: ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



زیر بحث عنوان کے آخری پیراگراف میں جناب اصلاحی صاحب نے بجا طور پر رسول اللہ ﷺ، آپ کے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے ''گروہ'' کو ''دین کا مرکز'' قرار دیا ہے اور ان کے ''عمل'' کو ''عملی تواتر'' سے تعبیر کیا ہے، جس کے جاننے کے لئے لا محالہ ''روایات کے ریکارڈ'' کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا ـــــ مگر افسوس کہ اسی ''روایات کے ریکارڈ'' کی اہمیت کو کم کرنے یا اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آں موصوف نے چند سطور قبل صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین پھر بعد والوں کا اپنے اگلوں سے نسلاً بعد نسل کسی عمل کو سیکھتے چلے آنا بنیاد سنت (''عملی تواتر'') قرار دیا ہے۔

آگے چل کر آں محترم فرماتے ہیں: ''اس وقت جو بھیڑ ایسے اعمال کی حامل ہے جو ...... اہل بدعت ہیں'' ـــــ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی عمل کا قرآن سے متناقض ہونا تو بہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے، لیکن سنت سے متناقض ہونا ''روایات کے ریکارڈ'' (بالخصوص خیر القرون کے ریکارڈ) کی رہنمائی حاصل کئے بغیر کیوں کر ممکن ہے؟ اگر آں جناب افراد امت کے ''عملی تواتر'' کو کسوٹی بتائیں، تو اہل بدعت بھی اپنے آباء واجداد سے نسلاً بعد نسل اپنا عمل منتقل ہونا ثابت کر دکھائیں گے۔ ان کو شکست صرف اسی وقت دی جا سکتی ہے جب کہ اپنے آباء واجداد کے سلسلہ سے منتقل ہونے والے عمل کی کڑی آپ خیر القرون تک پہنچا دیں اور اس دور سعید سے ان کا تناقض واضح کریں، ساتھ ہی انہیں بھی اپنے بدعی اعمال کی کڑی خیر القرون تک پہنچانے کا چیلنج کریں، جو کہ کبھی پورا نہ ہو سکے گا ـــــ لیکن یہ چیلنج تو خود اصلاحی صاحب کی اپنی شکست کے مترادف ہو گا کیونکہ خیر القرون کی معرفت ''روایات کے ریکارڈ'' کی رہنمائی کے بغیر قطعاً نا ممکن ہے۔

## منکرین سنت سے جناب اصلاحی صاحب کے سوال کا جائزہ:

جناب اصلاحی صاحب ایک مقام پر نظریۂ انکار حدیث کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نمازوں کے اوقات کیا کیا ہیں، نمازیں کتنی بار پڑھی جائیں اور کس طرح پڑھی جائیں؟ مختلف چیزوں پر زکوۃ کی مقدار کیا ہو؟ روزوں کی عملی شکل وصورت کیا ہے؟ حج کے مناسک کیا ہیں اور وہ کس طرح ادا کئے جائیں؟ مسلمانوں کے لئے ظاہری شکل وصورت میں کیا چیزیں امتیاز وشعار کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی معاشرے میں کیا چیزیں امتیازی خصوصیات رکھتی ہیں؟ اسلامی نظام کی عملی شکل کیا ہوتی ہے اور اس طرح کے جتنے مسائل بھی ہیں ان میں سے کون سی چیز ہے جو امت کے عملی تواتر نے ہم تک منتقل نہیں کی ہے؟ یہ ساری چیزیں ہم نے صرف حدیث کی کتابوں ہی سے نہیں جانی ہیں بلکہ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے، مختلف طریقوں سے اور اتنے مختلف طریقوں سے جانی ہیں کہ ان کا انکار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یا ان کو مشتبہ اور مشکوک ٹھہرانا بالکل ہدایت کا انکار کرنا اور ایک ثابت اور قطعی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ حدیث کی کتابوں کا احسان یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے یہ چیزیں تحریر میں بھی آ گئیں اور اس طرح تحریر میں آ گئیں کہ انسانی ہاتھوں سے انجام پائے ہوئے کسی کام میں زیادہ سے زیادہ جو احتیاط ممکن تھی وہ ان کے ضبط و تدوین کے معاملے میں ملحوظ رکھی گئی۔

اب اگر کچھ لوگ ان چیزوں میں سے بھی کسی چیز کو یا ساری ہی چیزوں کو اس لئے نہیں مانتے کہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے تو ان کے لئے قرآن کو بھی ماننے کے لئے کوئی معقول وجہ باقی نہیں رہتی کیونکہ قرآن بھی اگر ثابت ہے تو تواتر ہی سے ثابت ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے۔ اگر یہ عملی تواتر کسی کے نزدیک مشتبہ اور مشکوک ہے اور اس کو کسی عربی یا عجمی سازش کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے تو کل کو ایسے شخص کے لئے اس قولی تواتر (یعنی قرآن مجید) کے جھٹلا دینے میں کیا چیز آڑے آ سکتی ہے؟۔" (۱)

بعض اور مواقع پر بھی جناب اصلاحی صاحب نہایت دلیری کے ساتھ خم ٹھونک کر منکرین سنت کے مقابلہ میں یوں صف آراء ہوتے ہیں:

"یہ سنت متواترہ بعینہ انہی قطعی ذرائع سے ثابت ہے جن سے قرآن مجید ثابت ہے۔ امت کے جس تواتر نے قرآن کریم کو ہم تک منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ فرق ہے کہ ایک چیز قولی تواتر سے منتقل ہوئی ہے، دوسری چیز عملی تواتر سے۔ اس وجہ سے اگر قرآن مجید کو ماننا ہم پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس عملی صورت کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک بالتواتر منتقل ہوئی ہے، ان کی صورت میں اگر کوئی جزوی قسم کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔" (۲)

اور

"سنت متواترہ بالکل انہی ذرائع سے ثابت ہے جن ذرائع سے خود قرآن مجید ثابت ہے۔ امت کے جس تواتر نے قرآن مجید کو ہم تک منتقل کیا ہے اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اس لئے اگر قرآن مجید کا ماننا ہم پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس شکل کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک منتقل ہوئی ہے الخ۔" (۳)

---

(۱) اسلامی قانون کی تدوین، ص: ۶۸-۷۰ — (۲) مقدمہ تفسیر تدبر قرآن، ص ع

(۳) مبادئ تدبر قرآن، ص: ۲۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور

''جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے، اس لئے اگر وہ ان کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کے ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی۔'' الخ (۱)

اور

''منکرین سنت قرآن کو ماننے کے مدعی ہیں، لیکن سنت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے کہ جس طرح قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سے سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ یہ لوگ جب سنت کو نہیں مانتے تو قرآن کو ماننے کی بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی۔ قرآن اور سنت میں ثبوت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ قولی تواتر سے ثابت ہے، یہ عملی تواتر سے ثابت ہے۔'' (۲)

جناب اصلاحی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباسات بلاشبہ اپنی جگہ بہت جاذبیت رکھتے ہیں، لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عملی تواتر سے ثابت سنتوں کا دائرہ آخر کس حد تک وسیع ہے؟ کیا شریعت کے تمام گوشے اس دائرہ میں سما سکتے ہیں؟ نہیں، ہر گز نہیں، بلکہ عملی تواتر سے ثابت سنتوں کا احاطہ صرف کچھ عبادات اور چند اعمال سے زیادہ آگے نہیں جاتا۔ لہٰذا پورے اسلام کو ثابت کرنے اور بعینہ قائم رکھنے کے لئے لازم ہے کہ تواتر کی شرط سے باہر نکلا جائے اور متواتر ذخیرۂ احادیث کے علاوہ ثابت شدہ آحاد کی طرف بھی یکساں طور پر رجوع کیا جائے۔

ایک مقام پر جناب اصلاحی صاحب فتنہ انکار حدیث کی تاریخ اور اس کی نشو ونما پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ضروری ہے کہ حدیث اور سنت کے درمیان جو فرق ہم نے واضح کیا ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند حدیثوں کے انکار کو انکار سنت کے مترادف سمجھ لیا گیا، اور پھر منکرین حدیث نے حدیث کے خلاف جو شبہات ایجاد کئے وہ انہوں نے سنت پر بھی پھیلا دیئے، حالانکہ سنت کا انکار جیسا کہ ہم نے عرض کیا، خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے۔

انکار حدیث کے فتنہ کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اصلاً یہ فتنہ چند الجھن پیدا کرنے والی حدیثوں سے اٹھا، لیکن بعد میں جب یہ مسئلہ مناظرہ کا موضوع بن گیا تو بحث کی گرما گرمی میں

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۱۷ (۲) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۹-۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لوگ حدیث اور سنت کے فرق کو بھول گئے۔ نہ حملہ کرنے والوں کو ہوش رہا کہ وہ کس چیز پر حملہ کر رہے ہیں اور نہ مدافعت کرنے والے یہ اندازہ کر سکے کہ انہیں کس چیز کی مدافعت کرنی ہے، اور وہ کس محاذ پر اپنا زور صرف کر رہے ہیں۔ اس بے خبری میں دونوں نے نقصان اٹھایا۔ منکرین حدیث نے اپنی بات، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، کفر تک پہنچادی اور حامیان حدیث نے بلاوجہ حدیث کے ساتھ سنت کو بھی ہدف پر لا کھڑا کیا۔"(۱)

جناب اصلاحی صاحب نے "حدیث" و "سنت" کے مابین جو غیر معروف وغیر مصطلح فرق بیان کیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو اوپر پیش کی جا چکی ہے۔ یہاں فی الحال صرف یہ بتانا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ منکرین حدیث نے جن احادیث کا انکار کیا ہے وہ محدثین و فقہاء کے اسی معروف معنی کا انکار ہے نہ کہ جناب اصلاحی صاحب کے بیان کردہ غیر عرفی معنی کا۔ اگر اصلاحی صاحب کے بیان کردہ اس فرق کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے منکرین کے "انکار حدیث" اور اصلاحی صاحب کے "اقرار حجیت سنت" پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑتا، بس کچھ اعتباری اور واجبی سا ہی امتیاز باقی رہ جاتا ہے۔ البتہ جناب اصلاحی صاحب کا یہ فرمانا درست ہے کہ پرانے اہل بدعت چودھویں صدی ہجری کے منکرین کی طرح کھل کر حدیث کے منکر نہ تھے، بلکہ انہیں بعض آیات و احادیث کے متعلق ذہنی الجھنیں اور وساوس ضرور درپیش تھے۔ اپنے ان شبہات کو دور کرنے کے لئے انہوں نے تاویل اور انکار کی راہ کو منتخب کیا تھا، جیسا کہ "تاویل مختلف الحدیث فی الرَد علی اعداء اھل الحدیث لابن قتیبہ الدینوری، مشکل الآثار للطحاوی، مشکل الاحادیث لابن فورک اور الاحادیث المشکلۃ للقمی" وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن اگر ان کی ان ذہنی الجھنوں کے اسباب وعلل پر غور کیا جائے تو علم ہو گا کہ:

۱- قلت علم اور مستند علمی مآخذ سے عدم واقفیت کی بناء پر جب یہ لوگ کسی حدیث کی علمی توجیہ سے قاصر رہتے تو اس حدیث کے انکار کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا، مگر جب یہی الجھن انہیں کسی آیت کے بارے میں پیش آجاتی تو ظاہر ہے کہ آیت کا انکار تو کر نہیں سکتے تھے لہذا ان کی طرف سے اس آیت کی ایسی ایسی مضحکہ خیز تاویلات پیش کی جاتی تھیں کہ عقل حیران ہے۔

۲- ان منکرین میں ایک طبقہ وہ بھی تھا جو دین اسلام کی حقانیت اور صداقت پر کبھی اپنے ذہن وقلب کو صد فی صد مطمئن نہ کر سکا تھا، رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع واطاعت کسی طرح ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتی تھی، لہذا کبھی وہ عقل وتجربات اور محسوسات ومشاہدات کو کسوٹی بناتے تو کبھی

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مقتضائے طبائع کی دہائی دیتے، غرض نت نئے شبہات پیدا کرنا اس طبقہ کا محبوب مشغلہ تھا تا کہ ان وساوس کو سادہ لوح مسلمانوں پر پیش کر کے انہیں دین حنیف سے برگشتہ و متنفر کیا جا سکے۔

نبی ﷺ نے جس طرح امت کو اپنے بعد جھوٹے مدعیان نبوت کے ظہور کی اطلاع دی تھی، ٹھیک اسی طرح فتنۂ انکار حدیث سے بھی نہایت واضح الفاظ میں باخبر فرمایا تھا، چنانچہ ابو رافع مولی رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا ألفين أحدكم متكئاً على أريكته يأتيه الأمر من أمرى مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا أدرى ما وجدنا ه في كتاب الله اتبعناه."(۱)

یعنی "میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو، پھر اس کے پاس جب میرے احکام میں سے کوئی امر (حکم) یا نہی پہنچے تو وہ کہنے لگے، میں اس کو نہیں جانتا، ہم تو جو چیز کتاب اللہ میں پاتے ہیں صرف اسی کی اتباع کرتے ہیں۔"

اگر بغور دیکھا جائے تو دعوی نبوت اور انکار حدیث دونوں ہی فتنے دین کو مسخ کرنے میں باعتبار مضرت اپنا ثانی نہیں رکھتے، لیکن ان کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اجراء نبوت کا فتنہ ایک امتی کو اللہ کے نبی کا درجہ دے دیتا ہے جبکہ انکار حدیث کا فتنہ اللہ کے نبی کو نبوت کے درجہ سے گرا کر اپنا ہی جیسا ایک عام امتی بنا ڈالتا ہے۔

## کیا ایک ہی معاملہ میں سنت نبوی مختلف بھی ہو سکتی ہے؟

زیر مطالعہ باب کے اختتام پر جناب اصلاحی صاحب نے ایک سرخی یوں قائم کی ہے: "ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے" اور اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"اسی طرح لوگ اس حقیقت سے بھی ناواقف ہیں کہ ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اس ناواقفیت کے سبب سے خود اہل سنت کے درمیان مختلف فرقے بن گئے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو مخالف سنت کا ملزم ٹھہراتے ہیں حالانکہ اگر وہ انصاف سے کام لیں تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر روایات میں آتا ہے کہ حج کے بعد آنحضرت ﷺ ایک جگہ بیٹھ گئے اور لوگوں کے وفود آپؐ کی خدمت میں آنے شروع ہوئے- کوئی کہتا کہ حضور، میں نے فلاں کام اس

---

(۱) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/۳۲۹، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۳/۳۷۴، سنن ابن ماجہ ۱/۶، مسند احمد، دلائل النبوۃ للبیہقی، الکفایہ فی علم الروایۃ للخطیب، ص:۱۰، معالم السنن للخطابی ۷/۸، ظفر الامانی للکنوی، ص ۲۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


طرح کیا۔ آپؐ جواب دیتے کہ کچھ حرج نہیں۔ دوسرا عرض کرتا کہ حضور، میں نے فلاں کام اس طرح کیا۔ آپؐ اس کی بھی تصویب فرمادیتے کہ ٹھیک ہے۔ یکے بعد دیگرے لوگ آتے اور سوال کرتے رہے اور جہاں تک علم ہے، آپؐ نے سب کی تصویب فرمائی، کسی پر نکیر نہیں کی۔

ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ سب کا فعل سنت کے دائرہ کے اندر ہی رہا ہو گا۔ مغز وروح کے اہتمام کے ساتھ اگر فعل کی ظاہری شکل وصورت میں کچھ اختلاف ہو جائے تو اس سے فعل، سنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جاتا۔

تشہد سے متعلق جو روایات ہیں وہ سب فقیہ صحابہؓ سے مروی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کے الفاظ ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں، لیکن مغز اور روح سب میں ایک ہی ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک شخص ان میں سے اس تشہد کو اختیار کرتا ہے جو حضرت عمرؓ یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، اس تشہد کو نہیں اختیار کرتا جو حضرت عائشہؓ یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے تو کیا یہ کہنا جائز ہو گا کہ اس کا یہ فعل سنت کے خلاف ہے؟ علمی بنیاد پر ان میں راجح اور مرجوح کی بحث تو ہو سکتی ہے لیکن ان میں سے کسی کو سنت سے کیسے خارج کیا جا سکتا ہے؟

ہمارے نزدیک یہی صورت آمین بالجہر اور آمین بالسر کی اور ہاتھ باندھ کر یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے سنت ہونے کے امکانات وقرائن بلکہ دلائل موجود ہیں۔ بعض محرکات کی بنا پر، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، ان میں سے بعض کو بعض مقامات میں زیادہ فروغ ہوا، بعض کو کم ہوا، لیکن ان میں سے کسی کو بھی سنت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ ان میں سے کسی کے مؤکد یا غیر مؤکد ہونے کی بحث اٹھا سکتے ہیں، لیکن ان کے سنت ہونے سے انکار کی گنجائش کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی۔''(۱)

جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ ایک ہی معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت مختلف بھی ہو سکتی ہیں۔ اس ضمن میں جناب اصلاحی صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا جائزہ لینے سے قبل ضروری محسوس ہوتا ہے کہ سنت کے باہم دگر مختلف ہونے کی نوعیت اور اس کے مفہوم کی تعیین ہو جائے۔ پس جاننا چاہیئے کہ اگر سنت نبوی میں اختلاف سے مراد سنت نبوی کا باہم متضاد و متناقض ہونا ہے تو یہ دعوی قطعاً غلط ہے۔ اس کا بطلان اوپر ''خبر واحد کے بیان میں بعض اغلاط واوہام کی وضاحت'' کے زیر عنوان پیش کیا جا چکا ہے، لیکن اگر سنت میں پائے جانے والے اختلاف کی نوعیت تضاد وتناقض کے بجائے مختلف اعمال، عبادات واذکار کے متعدد طریقوں کی غیر منسوخ تصویب سے عبارت ہو تو اختلاف کی

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۰-۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یہ صورت شرعاً جائز سمجھی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ بعض صحابہ کے مختلف اعمال یا طریقۂ عبادت یا ذکر کی تصویب فرمانے سے متعلق ہو تو ان مختلف اعمال، طریقۂ عبادت واذ کار کے جواز وصحت کے اطمینان کے باوجود ان کے مقابلہ میں اس طریقہ کو ہی راجح سمجھا جائے گا جو کہ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ رہا ہے۔ اسی طرح اگر معاملہ کسی صحابی کے عمل یا طریقۂ عبادت یا ذکر کے بجائے خود رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مختلف اوقات میں کئے گئے مختلف نوعیت کے اعمال، طریقہائے عبادات اور اذ کار کے بارے میں درپیش ہو تو جس طریقہ پر آں ﷺ کا استمرار واکثار رہا ہے، یا جس طریقہ پر آں ﷺ نے اپنے آخری زمانہ تک عمل کیا ہے، اس کو غیر مستمر، غیر مکثر اور باعتبار زمانہ غیر مؤخر طریقہ پر بہر حال لائق ترجیح سمجھا جائے گا۔ تیسری صورت رسول اللہ ﷺ کے بعد بعض صحابہ کی صحیح احادیث سے عدم واقفیت یا ذاتی اجتہادات یا اختلاف فہم جیسی طبعی یا اضطراری نوعیت کے اختلاف کی بھی ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں صحابہ کا مخالف سنت عمل لائق ترک ہی سمجھا جائے گا خواہ کسی دیار کے لوگ اس سنت صحابہ سے کتنے ہی مانوس کیوں نہ ہو جائیں۔

اختلاف سنت کی نوعیت کی اس تعیین ووضاحت کے بعد اب ہم جناب اصلاحی صاحب کے پیش کردہ دلائل کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں:

اصلاحی صاحب کی پہلی دلیل حجۃ الوداع سے متعلق ہے جس میں مذکور ہے کہ آں ﷺ نے، امام مالکؒ کی روایت کے مطابق ''منی کے میدان میں''، زہریؒ کی روایت کے مطابق ''جمرہ کے قریب''، صالح ومعمر کی روایت کے مطابق ''زوال کے بعد اپنی سواری پر وقوف فرمایا'' اور ابن جریج کی روایت کے مطابق ''آپ نے یوم النحر کو خطاب فرمایا۔'' اس باب میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سے چند ذیل میں پیش خدمت ہیں:

۱-عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبي ﷺ قيل له في الذبح والحلق والرمی والتقديم والتأخير فقال لاحرج۔"(۱)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے قربانی کرنے، بال منڈوانے اور کنکریاں مارنے کے کام آگے پیچھے کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔''

۲- عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه حدثه "أنه شهد النبیﷺ يخطب يوم النحر فقام إليه رجل فقال كنت أحسب أن كذا قبل كذا، ثم قام آخر فقال: كنت

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۳/۵۶۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أحسب ان كذا قبل كذا حلقت قبل أن أنحر نحرت قبل أن أرمى وأشباه ذلك فقال النبي ﷺ افعل ولاحرج لهن كلهن فما سئل يومئذ عن شيء إلا قال افعل ولاحرج۔" (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا کہ وہ نبی ﷺ کے پاس تھے اور آپؐ کا عید الاضحیٰ والا خطبہ سن رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپؐ کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا میرا خیال تھا کہ فلاں کام فلاں کام سے پہلے ہے، پھر دوسرے نے بھی یہی کہا اور کہا کہ میں نے قربانی کرنے سے قبل بال منڈوالئے، کنکریاں مارنے سے قبل قربانی کرلی۔ اسی طرح کی اور بھی باتیں آپ سے پوچھی گئیں۔ آپؐ نے فرمایا: کرو، کسی بات میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپؐ سے اس دن جو بھی سوال کیا گیا آپؐ نے یہی جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔''

۳-"عن ابن عباس رضى الله عنهما قال كان النبىﷺ يسئل يوم النحر بمنىً فيقول لا حرج فسأله رجلٌ فقال حلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج، وقال رميت بعد ما أمسيت فقال لا حرج۔"(۲)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یوم النحر کو منی میں نبی ﷺ سے لوگوں نے سوالات پوچھے تو آپؐ نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ پس ایک شخص نے آپؐ سے یہ پوچھا کہ میں نے قربانی سے پہلے بال منڈوالئے ہیں، فرمایا کوئی حرج نہیں اب قربانی کرلو۔ بولا میں نے شام کے بعد کنکریاں ماریں فرمایا کوئی حرج نہیں۔''

۴-"عن ابن عباس رضى الله عنهما قال رجل للنبي زرت قبل أن أرمى قال لاحرج قال حلقت قبل أن أذبح قال لا حرج قال ذبحت قبل أن أرمي قال لا حرج ۔"(۳)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے طواف زیارت کرلیا، فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اس نے عرض کی: میں نے قربانی سے پہلے بال منڈوالئے، فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اس نے عرض کی: میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کرلی فرمایا: کوئی حرج نہیں۔''

اور

۵-"عن عبدالله بن عمرو أن رسول اللهﷺ وقف في حجة الوداع فجعلوا يسألونه فقال رجل لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج فجاء آخر فقال لم

---

(۲) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۵۶۹/۳ — (۳) نفس مصدر ۵۶۸/۳، سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ۴۳/۲

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری ۵۵۹/۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أشعر فنحرت قبل أن أرمي قال ارم ولا حرج فما سئل يومئذ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج۔" (۱)

اس موضوع کی بعض دوسری احادیث صحیح مسلم کی کتاب الحج (۲)، مؤطا امام مالک کی کتاب الحج (۳)، سنن ابن ماجہ کی کتاب المناسک، (۴)، سنن الدارمی کی کتاب المناسک (۵) اور مسند احمد (۶) وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔ ان تمام روایتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یوم النحر کو نبی ﷺ رمی، قربانی، حلق اور طواف افاضہ سے فراغت کے بعد جب منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ کے پاس آپؐ نے وقوف فرمایا اور اپنی سواری پر سے صحابہ کو خطاب فرمایا۔ خطاب کے بعد لوگوں کو جب مسائل پوچھنے کا موقع ملا تو صحابہ نے اس دن کے مذکورہ بالا چاروں افعال کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر سے متعلق مختلف نوعیت کے سوالات دریافت کئے۔ آں ﷺ نے ان تمام سوالوں کے جواب میں یہی فرمایا کہ "کوئی حرج نہیں ہے۔" گویا اس دن وفود (جمع وفد بمعنی مندوب و مبعوث و وکیل و نمائندہ) کی آمد اور آں ﷺ سے ان کی ملاقات کا کوئی تذکرہ کسی روایت میں نہیں ملتا۔

اس خلاف واقعہ امر کے علاوہ جناب اصلاحی صاحب کے بیان میں اس واقعہ کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس میں دوسری ناقابل قبول چیز یہ مذکور ہے کہ "کوئی کہتا کہ حضور، میں نے فلاں کام اس طرح کیا" گویا اس دن کے مذکورہ چار کاموں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا فرق نہیں بلکہ ان افعال کی کیفیت وہیئت یا طریق ادائیگی مَیں فرق واقع ہوا تھا۔ اصلاحی صاحب کے اس وہم کی مزید تاکید آں محترم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "مغز وروح کے ساتھ اگر فعل کی ظاہری شکل وصورت میں کچھ اختلاف ہو جائے الخ۔" فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر جناب اصلاحی صاحب زیر تبصرہ مضمون لکھنے سے قبل "صحیح البخاری" کے ابواب "الذبح قبل الحلق"، "إذا رمى بعد ما أمسى أو حلق قبل أن يذبح ناسيا أو جاهلا۔" یا سنن ابی داؤد کے باب "من قدم شيئا قبل شيء في حجه۔" یا جامع ترمذی کے باب "ماجاء في حلق قبل أن يذبح أونحر قبل أن يرمي" یا سنن النسائی کے باب "الرمي بعد المساء۔" وغیرہ کی طرف ہی ایک نظر ڈال لیتے تو ہرگز ایسی بات کہنے کی جسارت نہ فرماتے۔

اوپر جناب اصلاحی صاحب کی پیش کردہ پہلی دلیل کا جائزہ پیش کرتے ہوئے ان کے اوہام کی مختصراً

(۱) صحیح البخاری: ۱/۱۸۰، ۳/۵۶۹، صحیح مسلم کتاب الحج، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۱۵۹-۱۶۰، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۲/۱۰۹، سنن الدارمی کتاب المناسک حدیث: نمبر ۵۰

(۲) احادیث نمبر: ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۱ (۳) حدیث نمبر: ۴۲ (۴) حدیث: ۷۴

(۵) حدیث نمبر: ۵۰، ۶۵ (۶) ۱/۲۱۶، ۲۵۸، ۲۹۱، ۳۰۰، ۲/۱۵۹، ۱۹۲، ۳/۳۲۶، ۳۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


نشاندہی کر دی گئی ہے، اب اس دلیل سے اخذ کے گئے نتائج پر تبصرہ پیش خدمت ہے:

نحر کے دن ہر سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے "لا حرج" فرمانے کی ظاہر وجہ بقول جناب اصلاحی صاحب ''یہی ہو سکتی ہے کہ سب کا فعل سنت کے دائرے کے اندر ہی رہا ہو گا -'' لیکن اصلاحی صاحب کا یہ قول متعدد وجوہ سے ناقابل قبول ہے:

۱- پہلی وجہ یہ کہ صحابہ کے جن اعمال کا تذکرہ ''روایات کے ریکارڈ'' میں موجود ہے، وہ جناب اصلاحی صاحب کی بتائی ہوئی ''سنت'' کی تعریف کے دائرہ میں آتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ آں موصوف کے نزدیک کسی عمل کو سنت قرار دینے کے لئے اس کا ''عملی تواتر سے ثابت'' ہونا ضروری ہے اور ''عملی تواتر سے مراد نبی ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کا عمل ہے'' لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ اس عمل کو پہلے ''نبی ﷺ نے اختیار فرمایا ہو'' پھر ''آپؐ سے صحابہ کرامؓ نے، ان سے تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ نے سیکھا۔ اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے'' ہوں۔

چونکہ بعض صحابہ کرامؓ نے یوم النحر کے اعمال کی ترتیب میں جو تقدیم و تاخیر کی تھی اسے نہ تو ابتداءً نبی ﷺ نے اختیار کیا تھا، نہ خلفائے راشدین سے یہ تقدیم و تاخیر ثابت ہے اور نہ ہی جمیع صحابہ کرامؓ سے۔ صرف چند صحابہ نے سہواً یا لاعلمی کی بناء پر ایسا کر لیا تھا۔ پھر ان صحابہؓ سے تابعینؒ و تبع تابعینؒ یا بعد والوں کا اپنے اگلوں سے اسے عملاً و متوارثاً سیکھتے چلے آنا محتاج ثبوت ہے۔ پس اصلاحی صاحب کے خود مقرر کردہ اصول کے مطابق بعض صحابہ کے یہ اعمال دائرہ سنت نبوی سے خارج ہو جاتے ہیں۔

جناب اصلاحی صاحب کا قول کہ: ''سب کا فعل سنت کے دائرہ کے اندر ہی رہا ہو گا'' ــــــ بتا رہا ہے کہ اس بارے میں خود اصلاحی صاحب کو بھی یقین اور شرح صدر حاصل نہیں ہے بلکہ محض احتمال ہے کہ ان صحابہ کا فعل ''سنت کے دائرہ کے اندر رہا ہو گا۔''

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب کا مقرر کردہ دوسرا اصول یہ ہے کہ ''اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی (سنت کی) تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا اور اگر دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہر حال امت کے عملی تواتر کو حاصل ہو گی ــــ''

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بعض صحابہ کے ان اعمال پر اصلاحی صاحب کی اختیار کردہ سنت کی تعریف کا اطلاق نہیں ہوتا تو ان کی حیثیت اصلاحی صاحب کے نزدیک محض ایک روایتی ریکارڈ کی رہ جاتی ہے، جس کی تائید خود ان کے اصول کے مطابق غیر مؤثر ہونی چاہئے۔ پھر چونکہ امت کا عملی تواتر بھی ان بعض صحابہ کے اعمال کے مطابق نہیں ہے، لہذا اس فرق کی بناء پر ترجیحاً امت کے عملی تواتر کو ہی اختیار کیا جانا چاہئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تھا، لیکن یہاں اصلاحی صاحب خود اپنے ہی مقرر کردہ اصول کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ جب ''روایات کے ریکارڈ'' میں موجود ان اخبار آحاد کی مطابقت امت کے عملی تواتر کے ساتھ نہیں ہو رہی ہے اور کوئی معقول توجیہ بھی نہیں ہو پا رہی ہے تو جناب اصلاحی صاحب کے اصول کے مطابق تو ان روایات کو ''ظنی'' سمجھتے ہوئے ''مجبوراً چھوڑ'' دینا چاہئے تھا۔ یہ بے اصولی اور بے اعتدالی کسی طرح مناسب نہیں کہ جب اپنا مدعی ثابت کرنا ہو تو انہی اخبار آحاد کو تمام خود ساختہ اصول بھلا کر سینہ سے لگا لیا جائے لیکن جب کبھی ان سے اپنے مقاصد یا اپنی کسی سوچی سمجھی اسکیم پر ضرب پڑنے لگے تو ان کو ''ظنی'' کہہ کر دامن جھٹک دیا جائے۔

۴- چوتھی بات یہ ہے کہ تمام مستند احادیث کی رو سے ثابت ہے کہ یوم النحر کے چار کام اور ان کی بالترتیب ادائیگی کا مسنون طریقہ حسب تصریح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس طرح ہے:

''یوم النحر کے کام بالاتفاق چار ہیں: جمرۃ العقبہ کی رمی، پھر جانور کو ذبح کرنا، پھر بالوں کو حلق یا چھوٹا کروانا، پھر طواف افاضہ کرنا۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ ''نبی ﷺ منی تشریف لائے اور جمرہ پر پہنچ کر اس کو کنکریاں ماریں، پھر منی میں اپنی منزل پر تشریف لائے اور قربانی کی اور نائی سے کہا کہ بال کاٹے۔'' اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے: ''کنکریاں ماریں، پھر قربانی کی، پھر بال منڈوائے۔'' علماء کا اس ترتیب کی مطلوبیت پر اجماع ہے، مگر ابن الجہم مالکی نے قارن کو اس ترتیب سے مستثنیٰ قرار دیا ہے...... امام نوویؒ نے اجماع امت کو دلیل بنا کر ان کا رد کیا ہے۔ ابن دقیق العیدؒ نے اس بارے میں ان سے اختلاف کیا ہے۔''(۱)

شارح ابی داؤد، علامہ ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادیؒ، امام نووی سے ناقل ہیں کہ:

''یوم النحر کے افعال چار ہیں: جمرۃ العقبہ پر کنکریاں مارنا، پھر قربانی کرنا، پھر بال منڈوانا، پھر طواف افاضہ کرنا۔ ان افعال کی اس ترتیب کا اہتمام کرنا سنت ہے۔''(۲)

اسی طرح جناب اصلاحی صاحب کے استاذ حدیث علامہ عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یوم النحر کے کام بالاتفاق چار ہیں: جمرۃ العقبہ پر کنکریاں مارنا، پھر جانور کی قربانی کرنا، پھر بال منڈوانا یا انہیں کتروانا، پھر طواف افاضہ کرنا۔ تمام علماء کا اس ترتیب کی مطلوبیت پر اتفاق ہے۔''(۳)

---

(۱) فتح الباری ۳/۵۷۱ (۲) عون المعبود ۲/۱۵۹

(۳) تحفۃ الاحوذی ۲/۱۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ترتیب اعمال کا یہی وہ طریقہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا پھر تمام خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ نے اسی ترتیب کے مطابق یوم النحر کے تمام افعال ادا کئے، پھر تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور علمائے سلفؒ نے اس پر عمل کیا، یہاں تک کہ یہ سنت نبوی آج تک متوارثاً اسی طرح نقل ہوتی چلی آرہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مشہور ارشاد "خذوا عني مناسككم" کا عین تقاضہ بھی یہی ہے ـــــ پس فقط یہ طریقۂ کار ہی ''سنت نبوی'' کہلانے کا حق دار ہے۔ اگر خلاف ترتیب صحابہ کے وہ اعمال بھی دائرۂ سنت کے اندر ہوتے تو یقیناً امت میں ضرور رائج اور بتواتر معمول بہ ہوتے۔

۵- پانچویں بات یہ ہے کہ یوم النحر کے خلاف ترتیب افعال پر رسول اللہ ﷺ کا نکیر نہ فرما کر ان کی تصویب فرمانا یہ بتاتا ہے کہ شرع میں ان امور کی بھی اجازت یا وسعت ہے۔ اس کو انگلش میں "ALLOWANCE" یا "RELAXATION" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، لیکن مسنون و احسن طریقہ صرف وہی کہلائے گا جسے نبی ﷺ نے پسند کیا اور اس پر عمل بھی فرمایا۔

اس موقع پر نبی ﷺ کے ارشاد "لاحرج" فرمانے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اگر تم نے ایسا کر لیا ہے تو تم پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی فدیہ دینا لازم ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عبدالرحمان مبارکپوری رحمہما اللہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"أي لا ضيق عليك في ذلك۔" (۱)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ امام قرطبیؒ سے ناقل ہیں:

''امام شافعی، جمہور سلف، علماء اور اصحاب الحدیث فقہاء تقدیم افعال یوم النحر کے جواز اور عدم وجوب دم کی طرف گئے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سائل کے جواب میں "لاحرج" فرمایا تھا۔ پس اس پر سے گناہ اور فدیہ دونوں چیزوں کا ساقط ہونا ظاہر ہے، مزید یہ کہ اسم الضیق ان دونوں چیزوں پر مشمول ہے۔''(۲)

امام نوویؒ یوم النحر کے افعال کی ترتیب کے اہتمام و التزام کی سنیت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اگر کوئی اس مسنون ترتیب افعال کے خلاف کسی فعل کو آگے پیچھے کرے تو بھی ان احادیث کے باعث جائز ہے، اس پر کوئی فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے، ہمارا مسلک بھی یہی ہے۔ آں ﷺ کے ارشاد "لا حرج" کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ تمھارے اوپر مطلقاً

(۱) فتح الباری ۳/۵۷۱، و تحفۃ الاحوذی ۲/۱۰۹
(۲) فتح الباری ۳/۵۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کچھ گناہ نہیں ہے الخ۔"(۱)

اور علامہ عبد الرحمان مبار کپوریؒ ترتیب افعال نبوی کی مطلوبیت پر علماء کا اتفاق نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مگر بعض کاموں کی تقدیم و تاخیر کے جائز ہونے کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اس کے اجزاء کے قائل ہیں لیکن ان کے مابین بھی بعض مواضع پر دم دینے کے وجوب پر باہم اختلاف ہے۔ مگر ظاہر حکم بعض کاموں کی تقدیم کے جواز اور دم کے عدم وجوب کا ہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: "لاحرج" اس پر سے گناہ اور فدیہ دونوں کے رفع ہونے کے بارے میں ظاہر ہے۔ "اسم الضیق" ان دونوں چیزوں پر مشترک ہے، یہی مذہب امام شافعی، جمہور سلف، علماء اور اصحاب الحدیث فقہاء کا ہے۔"(۲)

حاصل کلام یہ کہ جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی کہ "سب کا فعل سنت کے دائرہ کے اندر ہی رہا ہوگا" ــــــ قطعاً غلط اور علوم حدیث سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اگر یہ افعال "سنت کے دائرہ کے اندر ہی" ہوتے تو بقول امام قرطبیؒ "سعید بن جبیر، قتادہ، حسن بصری، نخعی جیسی وجیہ شخصیات اور اصحاب الرأی کسی فعل کو دوسرے فعل پر مقدم کرنے کی صورت میں وجوب دم کے قائل" نہ ہوتے اس بارے میں امام احمدؒ کا ایک انتہائی فیصلہ کن اور رہنما قول ہدیۂ قارئین ہے:

امام ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ ابن دقیق العیدؒ سے ناقل ہیں کہ:

"اس ضمن میں امام احمدؒ کا یہ قول بہت قوی ہے کہ دلیل: "خذوا عني مناسككم" حج میں اتباع رسول کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ تقدیم کے متعلق وارد ان احادیث مرخصہ میں سائل کے قول "لم أشعر" کا قرینہ موجود ہے، لہٰذا یہ حکم خاص اس حالت کے لئے مخصوص ہوگا، اور حالت عمد کا حکم اپنے اصل یعنی حج میں آپؐ کی اتباع کے وجوب پر باقی رہے گا۔"(۳)

اب جناب اصلاحی صاحب کے اس قول پر غور فرمائیں کہ "مغز و روح کے اہتمام کے ساتھ اگر فعل کی ظاہری شکل و صورت میں کچھ اختلاف ہو جائے تو اس سے فعل سنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جاتا" ــــــ راقم کے نزدیک یہ قول سنت نبوی کے خلاف ایک انتہائی خطرناک سازش معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مضر نتائج تو کسی عامی شخص پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص

---

(۱) کمافی عون المعبود ۲/۱۵۹ — (۲) تحفۃ الاحوذی ۲/۱۰۹

(۳) فتح الباری ۳/۵۷۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مغزوروح کے اہتمام کے ساتھ طواف سے قبل سعی کرلے یا سعی کو صفا سے شروع کرنے کے بجائے مروہ سے شروع کردے یا کعبہ کا طواف حجراسود کو بوسہ نہ دے کر رکن یمانی کو بوسہ دیتے ہوئے شروع کرے اور دوران طواف کعبۃ اللہ کو بائیں جانب نہ رکھ کر دائیں جانب رکھے، وعلی ہذاالقیاس ـــــ تو کیا ایسے شخص کے یہ تمام افعال جناب اصلاحی صاحب کی نظر میں سنت نبوی سے اپنے لاکھ ظاہری ختلافات کے باوجود بھی دائرۂ سنت کے اندر ہی قرار پائیں گے؟

پھر یوم النحر کے بعض خلاف ترتیب افعال کے متعلق ارشاد نبوی "لا حرج" کا تمام شعبہائے ندگی کے لئے کوئی عام رہنما اصول یا کلیہ نہیں بنایا جاسکتا کہ جب کسی فعل کی ظاہری شکل وصورت میں کچھ اختلاف واقع ہو جائے تو ان احادیث کا سہارا لیتے ہوئے انہیں سنت کے دائرہ کے اندر زبردستی کھینچ لایا جائے، کیونکہ بعض روایات میں ان مخصوص افعال کی تصریح موجود ہے۔ بعض روایات میں "لهن كلهن" کے جو الفاظ وارد ہیں تو بقول علامہ کرمانیؒ: ''اس سے مراد بھی صرف وہی تمام افعال ہیں جو یوم النحر کو کئے جاتے ہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن التینؒ سے ناقل ہیں کہ:

''یہ حدیث امام مالکؒ کی روایت میں مذکور دونوں منصوص مسائل کے علاوہ دوسری کسی چیز کے بارے میں رفع الحرج کی متقاضی نہیں ہے کیونکہ اس سوال وجواب میں ان افعال کے سوا کوئی دوسری چیز داخل نہیں ہے۔''(۱)

اب ہم جناب اصلاحی صاحب کی پیش کردہ دوسری دلیل پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جو کہ تشہد سے متعلق ہے۔ افسوس کہ جناب اصلاحی صاحب اس دلیل سے بھی اپنا مدعی ثابت کرنے میں قطعاً ناکام رہے ہیں، لیکن پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ تشہد کے بارے میں احادیث صرف حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہی سے نہیں بلکہ حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت ابوموسیٰ اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان میں سے بیشتر روایات میں رسول اللہ ﷺ کا تشہد کو تعلیم فرمانا ہی مروی ہے، چنانچہ ''علماء کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہر تشہد کے جواز پر اتفاق نقل کیا ہے۔''(۲)

اگرچہ تشہد کی افضلیت کے بارے میں محققین علماء کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر امام ترمذیؒ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری: ۳/ ۵۷۳     (۲) کمافی عون المعبود ۱/ ۳۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''حضرت ابن مسعودؓ سے یہ تشہد متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے۔ تشہد کے بارے میں مروی تمام احادیث میں یہ اصح یعنی صحیح تر حدیث ہے اور صحابہؓ نیز ان کے بعد کے لوگوں میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل رہا ہے۔''

علامہ بغویؒ نے بھی ''شرح السنہ'' میں صرف ابن عباسؓ کے تشہد کی ارجحیت وافضلیت کے دلائل جمع کئے ہیں، جبکہ امام شافعیؒ نے تشہد کے بارے میں حضرت ابن عباس کی حدیث کو ''اکمل'' خیال کرتے ہوئے پسند کیا ہے۔ امام مالکؒ نیز ان کے اصحاب نے حضرت عمرؓ کے تشہد کو صرف اس وجہ سے اختیار کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو منبر پر سے اس تشہد کی تعلیم دی تو لوگوں (صحابہ) میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، لہذا یہ ان کے اجماع کے مترادف ہے۔ لیکن اب تک ایسا کوئی شخص کم از کم راقم کی نگاہ سے نہیں گزرا جس نے کبھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت کسی چیز کو، خواہ وہ تشہد ہو یا کچھ اور، خلاف سنت کہنے کی جسارت کی ہو۔ پھر جب ''مغز وروح سب میں ایک ہی ہے'' تو پھر اختلاف کیسے باقی رہا؟

اس ضمن میں ایک قابل افسوس بات یہ بھی ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے یہاں ''تشہد سے متعلق جو روایات ہیں وہ سب فقیہ صحابہؓ سے مروی ہیں''۔۔۔ لکھ کر خواہ مخواہ فقاہت راوی کی شرط پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ کیا آخر رسول اللہ ﷺ سے کسی حکم کو نقل کرنے کے لئے کسی صحابی کے لئے فقیہ ہونا بھی شرط ہے؟۔۔۔ اس موضوع پر ہم ان شاء اللہ باب ''صحابہ اور مقام صحابیت۔۔۔۔ اصلاحی صاحب کی نظر میں'' کے تحت تفصیلی گفتگو کریں گے۔

زیر مطالعہ باب کے اختتام پر جناب اصلاحی صاحب نے حالت نماز میں آمین بالجہر اور آمین بالسر کہنے یا اسی طرح ہاتھ باندھ کر اور ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے رائج سب طریقوں کو نہ صرف قرین سنت قرار دیا ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کے سنت ہونے کے دلائل موجود ہونے کا دعوی بھی کیا ہے۔ کاش اصلاحی صاحب خود اس بارے میں چند دلائل نہ سہی صرف ایک ہی ٹھوس دلیل پیش فرما دیتے تا کہ ہم بھی اس پر کھل کر تبصرہ کر سکتے۔

بہر کیف جاننا چاہئے کہ حالت قیام میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا قطعاً خلاف سنت فعل ہے، مالکیہ کے اس عمل پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ آگے باب ششم (''اخبار آحاد کی حجیت'') کے تحت پیش کی جائے گی، فی الحال ''آمین بالجہر'' اور ''آمین بالسر'' ''میں سے ہر ایک کے سنت ہونے کے امکانات وقرائن بلکہ دلائل'' پر مختصر اًبحث پیش کی جاتی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ ''آمین بالجہر'' پر بکثرت احادیث صحیحہ صریحہ شاہد ہیں لہذا اس کے ثابت ہونے کے بارے میں کوئی دورائے نہیں ہو سکتیں، پس آمین بالجہر کے دلائل کے تذکرہ سے بخوف طوالت ہم یہاں گریز کرتے ہیں، البتہ ''آمین بالسر'' کے قائلین کے دلائل کا مختصراً جائزہ ذیل میں پیش کیا جائے گا تاکہ صورت حال پوری طرح واضح ہو سکے۔

عموماً حنفیہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ آمین بالسر کے قائل ہیں۔ پورے ذخیرۂ احادیث میں موجود ان کی اکلوتی دلیل شعبة عن سلمة بن کھیل عن حجر ابی العنبس عن علقمة بن وائل عن أبیه کے طریق سے آنے والی وہ مرفوع حدیث ہے جسے امام احمد وابویعلی نے اپنی مسانید میں اور امام حاکمؒ نے ''المستدرک''(۱) میں یوں روایت کی ہے:

"إن رسول الله ﷺ لما بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین وأخفي بها صوته."

امام حاکمؒ کی روایت میں "خفض صوته" کے الفاظ مذکور ہیں، لیکن اکثر محدثین بشمول امام بخاریؒ وغیرہ کی متفقہ رائے ہے کہ شعبہ کو اس حدیث کے الفاظ "خفض صوته" کے بارے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ اصلاً یہ الفاظ یوں تھے: "مدصوته۔" امام ترمذیؒ اپنی ''جامع'' میں فرماتے ہیں کہ:

''میں نے امام بخاریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ اصح ہے۔ شعبہؒ نے اس حدیث کے دوسرے تین مقامات پر بھی خطا کی ہے۔''(۲)

امام ترمذیؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

''میں نے امام ابوزرعہؒ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اس بارے میں سفیان کی حدیث اصح ہے۔''(۳)

صاحب ''التنقیح'' نے شعبہؒ کی اس حدیث (یعنی آمین بالسر کی روایت) پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''شعبہؒ سے مروی یہ حدیث، انہی سے مروی دوسری حدیث کے خلاف وارد ہے کہ جس کی تخریج امام بیہقیؒ نے اپنی سنن (۴)'' میں بطریق أبی الولید الطیالسی ثنا شعبة عن سلمة بن کھیل "سمعت حجرا أبا عنبس یحدث عن وائل الحضرمی" یوں فرمائی ہے: "أنه صلی خلف

---

(۱) المستدرک للامام حاکم: ۲۳۲
(۲) جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۱/۲۰۹
(۳) نفس مصدر ۱/۲۱۲
(۴) ۲/۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



النبی ﷺ فلما قال ولا الضالین قال آمین رافعاً به صوته." پھر فرماتے ہیں کہ یہ روایت سفیان ثوریؒ کی روایت کے مطابق ہے۔امام بیہقیؒ کتاب ''المعرفۃ''میں فرماتے ہیں کہ:''اس روایت کی سند صحیح ہے اور شعبہؒ خود کہا کرتے تھے کہ سفیان ثوری حدیث کے مجھ سے زیادہ بہتر حافظ ہیں۔امام یحیی القطان اور امام یحیی بن معینؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی روایت میں شعبہؒ سفیان ثوری کی مخالفت کریں تو سفیان ثوریؒ کا قول درست مانا جائے گا الخ(۱)

حافظ ابن قیمؒ ''اعلام الموقعین عن رب العالمین''میں فرماتے ہیں:

''امام بیہقیؒ کا قول ہے کہ میں اس بارے میں اہل علم حضرات کے مابین کسی اختلاف کو نہیں جانتا کہ اگر سفیان ثوری اور شعبہ آپس میں کسی حدیث کے متعلق اختلاف کریں تو سفیان ثوری کا قول لائق ترجیح ہو گا۔یحیی بن سعید کا قول ہے کہ میرے نزدیک شعبہ سے زیادہ محبوب کوئی شخص نہیں اور نہ ہی میرے نزدیک کوئی شخص ان کا مخالف یا دشمن ہے لیکن اگر سفیان ثوری ان کی روایت کی مخالفت کریں تو میں سفیان ثوری کے قول کو لیتا ہوں الخ۔''

امام دارقطنیؒ اپنی ''سنن''(۱)میں شعبہ کی مذکورہ حدیث تخریج فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ بیان کیا گیا ہے کہ شعبہ کو اس بارے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ سفیان ثوری اور محمد بن سلمہ بن کھیل وغیرہما نے سلمہ ہی سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے:"ورفع صوته بآمين" یعنی(اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا)اور یہی صواب ہے۔''(۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ التلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں کہ:

"وقد رجحت رواية سفيان بمتابعة اثنين له بخلاف شعبة فلذلك جزم النقاد بأن روايته أصح." ان تمام مباحث کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱-شعبہ نے اپنا قول"خفض بها صوته"، سفیان کی روایت کے خلاف بیان کیا ہے اور اس میں خطا کی ہے۔

۲-محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر سفیان ثوری اور شعبہ کسی روایت کے بارے میں باہم اختلاف کریں تو سفیان ثوریؒ کے قول کو قبول کیا جائے گا۔

۳- خود شعبہؒ نے سفیان ثوریؒ کی روایت کے موافق یوں روایت کی ہے : "فلما قال

---

(۱) کمافی نصب الرایہ للزیلعی ۱/۳۶۹ (۲) ص:۱۲۷

(۳) کمافی نصب الرایہ ۱/۳۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ولاالضالين قال آمين رافعاً به صوته."

۴- رفع صوت کے بارے میں العلاء بن صالح اور محمد بن سلمة بن کهیل نے عن سلمة، سفیان ثوری کی متابعت کی ہے۔

۵- "خفض صوته" کے بارے میں شعبہ کی کسی اور نے متابعت نہیں کی ہے۔

پس یہ تمام امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شعبہ کی اس بارے میں روایت جو کہ آمین بالسر کی اکلوتی دلیل ہے "ضعیف" و "شاذ" ہے لہذا اس سے اسرار بآمین پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، واللہ اعلم۔

جہاں تک علامہ طحاویؒ کے بیان کردہ اثر: "عن أبي وائل قال كان عمر وعلي لايجهر ان ببسم الله الرحمان الرحيم ولابا لتعوذ ولابآمين." کا تعلق ہے تو یہ اثر انتہاء درجہ کا ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن مرزبان بقال ہے جس کے متعلق یحیی بن معینؒ کا قول ہے: "ليس بشيء ولا يكتب حديثه"، عمرو بن علی نے "متروک الحدیث"، امام بخاریؒ نے "منکر الحدیث" اور امام عجلی ونسائی نے "ضعیف" قرار دیا ہے۔ یحیی بن سعید القطانؒ کا قول ہے: "ولا أستحل أن يروى عنه." فلاس نے اسے ترک کیا ہے اور فرماتے ہیں: "لا يكتب حديثه" امام ابن الجوزی نے "التحقیق" میں اسے "مجروح" قرار دیا ہے۔ امام ابن حبانؒ کا قول ہے: "کثیر الوہم اور فاحش الخطاء تھا۔" لیکن ابو اسامہ کا قول ہے کہ "ثقہ تھا۔" ابوزرعہؒ نے بھی اسے "صدوق مدلس" بتایا ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ "ضعیف، اور تدلیس کے لئے مشہور تھا، امام احمد، امام ابو حاتم اور امام دار قطنی وغیرہم نے اس میں تدلیس کے وصف کی نشاندہی کی ہے" ــــ (۱) لہذا یہ اثر ناقابل استدلال قرار پایا۔

اسی طرح ابراہیم نخعیؒ کے اس قول سے بھی استدلال درست نہیں کہ: "خمس يخفيهن الإمام سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ وبسم الله الرحمان الرحيم وآمين واللهم ربنا لك الحمد. (۲) (یعنی امام کو پانچ کلمات آہستہ پڑھنے چاہئیں: "سبحانك اللهم وبحمدك، تعوذ، بسم الله الرحمان الرحيم، آمین اور اللهم ربنا لك الحمد) ــــ کیونکہ ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول احادیث مرفوعہ صحیحہ

---

(۱) الضعفاء والمتروکین للنسائی ۲۷۰، تاریخ یحیی بن معین ۲/۲۰۷، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲/۱۱۵، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۶۲، المجروحین لابن حبان ۱/۳۱۷، الکامل لابن عدی ۳/۱۲۱۹، معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۴۰۴، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۱/۳۲۵، میزان الاعتدال للذھبی ۲/۱۵۷، تہذیب التہذیب لابن حجر ۴/۷۹، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۳۰۵، تعریف اہل التقدیس لابن حجر، ص:۱۴۱، نصب الرایہ للزیلعی ۳/۴۴۹، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی، ص:۲۵۹، مجمع الزوائد للہیثمی ۳/۲۵۰، ۴/۲۴۴، ۱۰/۳۳۳

(۲) مصنف عبد الرزاق ۲/۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۵۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صریحہ کے خلاف وارد ہوا ہے لہذا نا قابل التفات ہے۔ مولانا عبدالحیی لکھنویؒ ''السعایۃ'' میں فرماتے ہیں:

"أما أثر النخعي ونحوه فلا يوازي الروايات المرفوعة۔"(۱)

ابراہیم نخعیؒ کے قول کو اس وجہ سے بھی حجت قرار نہیں دیا جاسکتا کہ محدثین کا اصول ہے کہ ''تابعی کا مفرد عمل (یا قول) حجت نہیں ہوتا، خواہ اس کے خلاف کوئی چیز وارد نہ بھی ہو۔''(۲) اور یہاں تو ان کے قول کے خلاف متعدد احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ وارد ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول بھی پیش کیا جاتا ہے، جس میں مذکور ہے کہ ''تین کلمات کو امام خفیہ کہے: تعوذ، تسمیہ اور آمین ـــــ'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول بطریق ابو حمزہ عن ابراہیم النخعی عن علقمہ واسود عنہ مروی ہے۔ لیکن اس سند میں راوی ابو حمزہ (جو میمون الأعور القصاب کوفی ہے)، محدثین کے نزدیک ضعیف، متروک الحدیث اور نا قابل احتجاج ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ ''ثقہ نہیں ہے''، امام احمد نے اسے ''متروک الحدیث''، سعدی و دارقطنی نے ''ضعیف الحدیث'' اور بخاریؒ نے ''ضعیف، ذاھب الحدیث'' قرار دیا ہے۔ یحییؒ کا قول ہے: "لايكتب حديثه۔" آپ ہی کا ایک اور قول ہے کہ "ليس بشيء" (یعنی ڈھیلہ کے برابر بھی نہیں ہے) ابو بکر الخطیبؒ کا قول ہے: "لا تقوم به حجة" حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ابو حمزہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۳) غرض یہ چیز بھی قابل احتجاج نہیں ہے۔

آمین بالسر کے درست نہ ہونے کی ایک دلیل امام بیہقیؒ کی یہ روایت بھی ہے:

"عن خالد بن أبي أيوب عن عطاء قال أدركت ما ئتين من أصحاب النبي ﷺ في هذا المسجد إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولاالضالين سمعت لهم رجة بآمين۔"

''خالد بن ابی ایوب حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں نبی ﷺ کے دو صد صحابہ کو پایا ہے۔ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا تو اس وقت میں ان سب صحابہ کی بلند آواز میں آمین کی گونج سنتا تھا۔''

---

(۱) کما فی تحفۃ الاحوذی ۱/۲۰۸ (۲) فتح الباری لابن حجر ۲/۳۰۶

(۳) تاریخ یحیی بن معین ۳/۲۴۶، التاریخ الکبیر للبخاری ۴/۳۴۳، التاریخ الصغیر للبخاری ۲/۲۰، الضعفاء الصغیر للبخاری ۱۰۸، الضعفاء والمتروکین للنسائی ۵۸۱، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ۵۲۸، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳/۱۵۲، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۱۸۷، المعرفۃ والتاریخ للبسوی ۳/۶۵، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۲۳۵، المجروحین لابن حبان ۳/۵، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۶/۲۴۰۷، میزان الاعتدال للذھبی ۴/۲۳۴، تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۰/۳۹۵-۳۹۶، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۲۹۲، سنن الدارقطنی ۲/۱۰۷، نصب الرایہ للزیلعی ۲/۳۷۳، مجمع الزوائد للہیثمی ۲/۵۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے استاذ حدیث علامہ عبد الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ نے "تحفۃ الاحوذی" میں اس بارے میں خوب کھل کر بحث فرمائی ہے اور فریقین کے دلائل کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اگر محترم اصلاحی صاحب نے اپنے استاذ کی اس کتاب کی طرف ہی رجوع فرمالیا ہوتا تو ہر گز آمین بالسر کی مسنونیت کے قائل نہ رہتے۔

علامہ عبد الرحمان مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

"حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے صحابہ و تابعین کا جہراً آمین کہنا ثابت ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس کے بر خلاف صحابہ میں سے کسی ایک صحابی کے متعلق صحیح سند کے ساتھ اسرار بالتامین ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی سے بھی آمین بالجہر کہنے کا انکار ثابت ہے، پس حنفیہ کے طریق پر جہر بالتامین پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنھم ثابت ہوا۔"(۱) فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مزید تفصیلات کے لئے علمائے حنفیہ کے نزدیک معتبر کتاب "نصب الرایہ لأحادیث الھدایۃ"(۲) "فتح الباری"(۳) للحافظ ابن حجر عسقلانیؒ، "عون المعبود"(۴) لابی الطیب شمس الحق عظیم آبادیؒ اور "تحفۃ الأحوذی"(۵) للمبارکفوری وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہو گی۔

کیا اب بھی جناب اصلاحی صاحب اپنے اس دعوی پر قائم رہنے کی ہمت رکھتے ہیں کہ: "ان میں سے ہر ایک کے سنت ہونے کے امکانات و قرائن، بلکہ دلائل موجود ہیں"، "ان میں سے کسی کو بھی سنت سے خارج نہیں کیا جا سکتا" اور "ان کے سنت ہونے سے انکار کی گنجائش کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی۔"؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو ہم آں محترم کے مزید دلائل کے جائزہ کے لئے چشم براہ رہیں گے۔

اختتام پر محترم اصلاحی و مودودی صاحبان کے مابین فکری یکسانیت واضح کرنے کے لئے جناب سید ابو الاعلی مودودی صاحب کے دو اقتباسات بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں، فرماتے ہیں:

"......ہاتھ کہاں باندھے جائیں، باندھے جائیں یا کھولے جائیں، آمین زور سے کہی جائے یا آہستہ، امام کے پیچھے فاتحہ پڑھیں یا نہ پڑھیں وغیرہ۔ ان جزوی امور میں جتنے بھی مختلف مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے پاس یہ دلیل رکھتا ہے کہ اس کا طریقہ کسی نہ کسی سند کے ساتھ نبی ﷺ سے مروی ہے اور اپنی سند پیش کرتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ کس کی سند ضعیف ہے اور کس کی قوی، دیکھنا یہ ہے کہ ہر ایک کے پاس آخر نبی اکرم ﷺ کی سند تو ہے۔ کسی نے یہ تو نہیں کہا کہ میں حضور کے سوا کسی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱/۲۰۹ (۲) ص: ۳۶۸-۳۷۲ (۳) ۲/۲۶۲-۲۶۷
(۴) ۱/۳۵۱-۳۵۲ (۵) ۱/۲۰۸-۲۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور کی سند پر یہ کام کرتا ہوں۔ پھر آخر کیا مضائقہ ہے اگر ہم ایک طریقے پر (جس پر بھی ہمارا اطمینان ہو) عمل کرتے ہوئے دوسرے کے طریقے کو بھی مبنی بر حق سمجھیں اور بنائے وحدت پر متفق رہیں۔"(۱)

اور

"اہل حدیث، حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی حضرات جن جن طریقوں سے نماز پڑھتے ہیں وہ سب طریقے نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور ہر ایک نے معتبر روایات ہی سے ان کو لیا ہے۔ اسی بناء پر ان میں سے کسی گروہ کے اکابر علماء نے یہ نہیں کہا کہ ان کے طریقے کے سوا جو شخص کسی دوسرے طریقے پر نماز پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ صرف بے علم لوگوں کا ہی کام ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنے طریقے کے سوا دوسرے طریقے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اسے ملامت کرتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مختلف اوقات میں ان سب طریقوں سے نماز پڑھی ہے۔ اختلاف اگر ہے تو صرف اس امر میں کہ آپ عموماً کس طریقے پر عمل فرماتے تھے۔ جس گروہ کے نزدیک جو طریقہ آپ کا معمول بہ طریقہ ثابت ہوا ہے اس نے وہی طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ میں خود حنفی طریقے پر نماز پڑھتا ہوں، مگر اہلحدیث، شافعی، مالکی، حنبلی سب کی نماز کو درست سمجھتا ہوں اور سب کے پیچھے پڑھ لیا کرتا ہوں۔"(۲)

# استدراکات

[ پیش نظر باب کے عنوان: "حدیث وسنت میں فرق، اصلاحی صاحب کی نظر میں" کے تحت "مبادئ تدبر حدیث" کی صرف وہی عبارتیں نقل کی گئی تھیں جن پر کہ راقم کو بحث کرنی مقصود تھی، اور باقی عبارتوں کو قصداً چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگرچہ ابتداءً ایسا کتاب کو غیر ضروری طوالت سے بچانے کی غرض سے ہی کیا گیا تھا لیکن مراجعہ ومقابلہ کے دوران یہ خیال ذہن میں ابھرا کہ کہیں اس سے بعض قارئین کو یہ شبہ نہ گزرے کہ محترم اصلاحی صاحب کی عبارتوں کو سیاق وسباق سے کاٹ چھانٹ کر پیش کیا گیا ہے، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کسی قاری کے پاس سرے سے "مبادئ تدبر حدیث" کا کوئی نسخہ ہی موجود نہ ہو یا ہو بھی تو بار بار اس کی ورق گردانی میں دقت محسوس ہوتی ہو، لہذا ذیل میں محترم اصلاحی صاحب کے مضمون کی باقی ماندہ عبارتیں بھی بطور "استدراکات" پیش خدمت ہیں۔ قارئین کی سہولت

---

(۱) رسائل ومسائل ۲/ ۳۴۳-۳۴۴ (۲) نفس مصدر ۲/ ۳۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کے پیش نظر ہر عبارت کے شروع میں ان صفحات اور سطور کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے جن سے قبل یا بعد ان کو جوڑ کر بہ تسلسل پڑھا جا سکتا ہے۔]

۱- ص۱۷۶سطر ۱۹سے قبل...... بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"(سے آگے ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

"حدیث: حدیث نبی ﷺ کے کسی قول یا فعل یا آپ کی کسی تصویب کی روایت کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت ہونا محل نزاع ہو۔ محدثین تصویب کے لئے 'تقریر' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے کسی مسلمان نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس کو دیکھا، لیکن اس پر کوئی نکیر نہیں کی اور اس طرح آپ کی تصویب اسے حاصل ہو گئی۔"(۱)

۲- ص۱۷۹سطر ۲۳"...... اور لغزش کا شکار ہو گئے۔"(کے بعد ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

"حدیث یا خبر کی قسمیں: محدثین کے نزدیک حدیث یا خبر کی بڑی قسمیں دو ہیں:

۱- خبر تواتر ۲- خبر واحد۔"(۲)

۳- ص۱۸۲سطر ۱۰"...... "خبر واحد" پر بحث کرتے ہوئے"(سے آگے ملاحظہ فرمائیں):

"لکھتے ہیں:

"خبر واحد: خبر واحد اس کو کہتے ہیں جو خبر تواتر کی اس صفت قطعیت سے عاری ہو، اگرچہ اس کی روایت بھی ایک سے زیادہ افراد کرنے والے ہوں، لیکن ان کی تعداد اتنی نہ ہو کہ یہ کہا جا سکے کہ اس میں کسی شک کی گنجائش یا جھوٹ کا امکان نہیں۔ احادیث کا اصل ذخیرہ انہیں اخبار آحاد پر مشتمل ہے۔"(۳)

۴- ص۱۸۲سطر ۱۱"...... "رد و قبول کے پہلو سے اخبار آحاد کے درجے"(سے قبل ملاحظہ فرمائیں):

"خبر واحد کی اس تعریف کے بعد محترم اصلاحی صاحب "رد و قبول کے پہلو سے الخ"

۵- ص۱۸۲سطر ۱۹"...... جن کو امت نے قبول کیا ہو"(کے بعد ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

"یہ بات یہاں واضح طور پر ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ امت کی قبولیت سے یہاں مراد امت کے اس گروہ کی قبولیت ہے جو بدعات اور تقلید جامد کے مرض سے پاک رہا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن ثوبان رضي الله عنه قال قال رسول اللهﷺ : لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق...... لايضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم كذلك ـ"(صحیح مسلم، کتاب

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص:۱۹ (۲) مبادئ تدبر حدیث، ص:۲۰
(۳) نفس مصدر، ص:۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الامارة، باب:۵۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ جو کوئی ان کو چھوڑنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالی کا حکم آن پہنچے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔''(۱)

۶- ص۱۸۷سطر۱۹ ''...... روشنی ڈالی ہے۔''(سے آگے مندرجہ ذیل جملہ کو حذف سمجھیں):

''ان موضوعات کا تذکرہ چونکہ اوپر کے صفحات میں گزر چکا ہے، لہذا ہم آگے چلتے ہیں:''

۷- ص۱۸۷سطر۱۹ ''...... روشنی ڈالی ہے۔''(کے بعد ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

''سنت: سنت کے لغوی معنی ہیں: واضح راستہ، مصروف راستہ، چلتا ہوا راستہ، پٹا ہوا راستہ اور ہموار راستہ۔

قوموں کے ساتھ اللہ تعالی نے جو معاملہ کیا ہے، اور جو سب کے لئے یکساں ہے، اس کو قرآن مجید میں سنت اللہ کہا گیا ہے۔ مثلا فرمایا:

﴿سنة الله في الذين خلوا من قبل وكان أمر الله قدرا مقدورا﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۸)

یہی اللہ کی سنت رہی ہے ان لوگوں کے معاملہ میں بھی جو پہلے گزرے ہیں اور اللہ کے فیصلہ کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔

﴿فهل ينظرون إلا سنة الأولين فلن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا﴾ (فاطر:۳۵:۴۳)

پس یہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اسی سنت الہی کا جو اگلوں کے باب میں ظاہر ہوئی۔ تو تم سنت الہی میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ تم سنت الہی کو ٹلتے ہی ہوئے پاؤ گے۔

ہمارے زیر بحث اس وقت سنت نبی (ﷺ) ہے۔ یعنی وہ طریقہ جو آپ نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے، احکام و مناسک کے ادا کرنے، اور زندگی کو اللہ تعالی کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا۔ یہ فریضہ آپ کی منصبی حیثیت کا تقاضا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين﴾ (آل عمران:۳:۱۶۴)

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یہ اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اس کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک یہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا﴾ (الأحزاب-۳۳-۲۱)

اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ان کے لئے جو اللہ کی ملاقات اور روز آخرت کی توقع رکھتے ہیں اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ زندگی کے ہر گوشے میں اتباع کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ دین سے متعلق جو احکام اور آداب ہمیں سیکھنے چاہئیں، وہ سب آپ نے اپنی عملی زندگی سے ہمیں بتائے اور سکھائے۔

منکرین سنت کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی حیثیت ایک خط پہنچا دینے والے قاصد کی ہے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ آپ صرف کتاب اللہ کے پہنچا دینے والے ہی نہیں بلکہ معلم شریعت اور مزکی نفوس بھی ہیں۔ آپ کی زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ ہے، جس کی ہر شعبہ میں پیروی کر ہی کے ہم اپنے آپ کو ایمان اور اسلام کے سانچہ میں ڈھال سکتے ہیں۔"(۱)

اس کے بعد محترم اصلاحی صاحب نے "سنت کی ضرورت" اور "قرآن وسنت کا باہمی نظام عین فطرت ہے" کے زیر عنوانات جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ باب رواں کے حصہ اول میں "سنت کی ضرورت واہمیت جناب اصلاحی کی نظر میں" اور "جناب اصلاحی صاحب کی نظر میں قرآن وسنت کا تعلق اور ان کا باہمی نظام عقل وفطرت کے عین مطابق ہے" کی سرخیوں کے تحت منقول ہو چکا ہے۔

● ● ●

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۲۴، ۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


## باب دوم

# قرآن و سنت کا باہمی تعلق

قرآن وسنت شریعت کے دو بنیادی مآخذ ہیں۔ دین کی اساس انہی دو چیزوں پر قائم ہے۔ اگرچہ حکم الٰہی ہونے کے اعتبار سے دونوں بجائے خود ایک ہی شئ ہیں لیکن کیفیت وحالت کے اعتبار سے یہ دو جدا شئ ہیں، مگر اس کے باوجود ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے، دونوں چیزیں دین کے قیام لئے یکساں طور پر ضروری اور اہم ہیں، ان کے درمیان روح اور قالب جیسا تعلق ہے۔ افادات فراہی کے ترجمان جناب خالد مسعود صاحب اپنے ایک مضمون ''احکام رسول کا قرآن مجید سے استنباط'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''یہ ایک مسلمہ امر ہے جس میں کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا کہ نبی ﷺ کے ارشادات شریعت کے احکام کی ایک مستقل بنیاد ہیں، خواہ یہ قرآن سے مستنبط ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضورؐ کے دیئے ہوئے احکام کتاب الٰہی ہی سے مستنبط ہوتے تھے جیسا کہ متعدد احکام کے ضمن میں خود آپؐ نے تصریح فرمائی اور قرآن میں بھی اس پر نصوص موجود ہیں الخ۔''(۱)

پس ضروری ہوا کہ قرآن وحدیث دونوں کو دستور العمل اور حرز جان بنایا جائے، کیونکہ ان دونوں میں وہی نسبت ہے جو غذا اور پانی کی جسم سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ایک متن متین ہے جس میں بہت سے احکام اجمال واختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، حدیث ان کی شرح وتفصیل بیان کرتی ہے، چنانچہ امام شاطبی الغرناطیؒ (م ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

"فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتاب۔"(۲)

''گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر وشرح کے ہے۔''

بغیر احادیث کے ان مجمل احکام قرآن کو سمجھنا اور ان آیات کا موقع ومحل پہچاننا ایسا دشوار ہے جیسے بغیر پانی کے تشنگی کا فرو ہونا یا بغیر بحری جہاز کے سمندر کا پار کر جانا۔ شیخ عبدالجبار عمرپوریؒ نے قرآن وسنت کے اس تعلق کو کس عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے:

''دل کی کوئی بات بغیر زبان کے ظاہر نہیں ہوسکتی اور زبان بغیر دل کے اشارہ وارادہ کے حرکت نہیں کرسکتی، یہی کیفیت قرآن وحدیث کی ہے۔ قرآن تمام جہاں میں ایسا ہے جیسے انسان کے اندر دل اور حدیث

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۱۳، ص: ۱۱ مجریہ ماہ فروری ۱۹۸۵ء (۲) الموافقات للشاطبی ۴/۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ایسی ہے جیسے منہ میں زبان۔قرآن قانون وقاعدہ کلی مقرر کرنے والا اور حدیث اس کی شرح وتفصیل کرنے والی اوراس کی جزئیات وفروعات کوکھولنے والی ہے۔''(۱)

قرآن وسنت کے اس تعلق کومزید واضح کرنے کے لئے ذیل میں ہم اس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کریں گے۔

## قرآن وسنت میں سے کسی ایک چیز پر اکتفا کرنا گمراہی کا باعث ہے

چونکہ اسلامی شریعت صرف قرآن کریم کا نام نہیں بلکہ اس سے قرآن اوراس کا بیان دونوں مراد ہیں لہٰذا اگر قرآن کی تشریعی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بیان، شرح وتفسیر کی مشروعیت سے انکار کیا جائے۔جاننا چاہیئے کہ قرآن کے اسی بیان، شرح وتفسیر کا نام ہی ''سنت نبوی'' ہے۔پس قرآن وسنت میں سے صرف قرآن یا صرف سنت کو ہی قابل عمل یا دین کے لئے کافی سمجھنا صریح گمراہی ہے، کیونکہ قرآن وسنت دونوں میں ایک دوسرے کی پابندی کا تاکیدی حکم وارد ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"من يطع الرسول فقد أطاع الله." (۲)''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله الخ."(۳)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اورجس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

علی بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن سے مروی ہے:

"إن عمران بن حصين كان جالساً ومعه اصحابه فقال رجل من القوم: لاتحدثونا إلا بالقرآن، قال فقال له ادنه فدنا ، فقال: أرأيت لو وكلت أنت وأصحابك إلى القرآن أكنت تجد فيه صلاة الظهر أربعا وصلاة العصر أربعا والمغرب ثلاثا، تقرأ في اثنتين أرأيت لو وكلت أنت وأصحابك إلى القرآن أكنت تجد الطواف بالبيت سبعا والطواف بالصفا والمروة ثم قال: أى قوم خذوا عنا فإنكم والله إن تفعلوا لتضلن ."(۴)

''عمران بن حصینؓ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ایک شخص نے کہا: ہم سے قرآن کے علاوہ

(۱)عظمت حدیث،ص:۴۵،۴۶ (۲)النساء:۸۰

(۳)صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۳/۱۱۱ (۴)الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب،ص:۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور کچھ نہ بیان کیا جائے۔عمران بن حصینؓ نے ان سے قریب آنے کے لئے کہا۔وہ شخص قریب آ گیا تو آپ نے اس سے کہا: اگر تم کو اور تمہارے اصحاب کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پاسکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعات، عصر کی چار رکعات، مغرب کی تین رکعات اور اس کی دو رکعتوں میں قرأت کرنی ہے؟ اسی طرح اگر تمہیں اور تمہارے اصحاب کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پاسکتے ہو کہ بیت اللہ کا طواف سات بار کرنا ہے؟ اور صفا و مروہ کی سعی بھی ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! ہم سے ''علم حدیث'' لو کیونکہ قسم اللہ تعالیٰ کی اگر تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

اور سعید بن زید کی روایت میں یہ واقعہ یوں مروی ہے:

''ہم سے حسن نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصینؓ سے کہا: یہ احادیث کیا بلا ہیں، جو تم ہمیں قرآن کو چھوڑ کر بیان کرتے ہو؟ عمران بن حصینؓ نے فرمایا: اگر میں تمہیں اور تمہارے اصحاب کو صرف قرآن پر چھوڑ دوں تو تم کو یہ کہاں سے پتہ چلے گا کہ ظہر کی نماز اس اس طرح ہے، عصر کی نماز اس طرح، اس کا وقت یہ ہے، مغرب کی نماز اس طرح، میدان عرفات میں موقف اور رمی جمار اس طرح ہے اور چوری پر ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، کلائی سے یا کہنی سے یا مونڈھے سے؟ یہ سب تفاصیل ہماری ان حدیثوں ہی میں ملتی ہے جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ اگر تم ان کو نہ سیکھو گے تو واللہ گمراہ ہو جاؤ گے۔''(۱)

اور امام بیہقیؒ نے ''المدخل الکبیر'' میں حبیب بن ابی فضالہ المکی کی روایت نقل کرتے ہوئے یہ صراحت فرمائی ہے کہ:

''حضرت عمران بن حصینؓ نے شفاعت کی حدیث بیان کی تو کسی قوم کے ایک شخص نے عرض کیا: اے ابو نجید! آپ ہم سے بہت سی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کی کوئی اصل ہمیں قرآن میں نظر نہیں آتی؟ یہ سن کر حضرت عمرانؓ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے: کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ معترض نے عرض کیا: ہاں پڑھا ہے۔ حضرت عمرانؓ نے پوچھا: کیا تم قرآن میں عشاء کی نماز چار رکعات، صبح کی نماز دو رکعات، ظہر کی چار رکعات اور عصر کی چار رکعات پڑھنے کا ثبوت پاتے ہو؟ معترض نے عرض کیا: نہیں حضرت عمرانؓ نے پوچھا: تم لوگوں نے ان کو کہاں سے سیکھا ہے؟ کیا تم لوگوں نے ان کو ہم سے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سیکھا؟ پھر دریافت فرمایا: کیا تم قرآن میں ہر چالیس بکری پر ایک بکری زکوۃ دینے کا حکم پاتے ہو؟ نیز اس میں اونٹ او ردرہموں کے نصاب کا ذکر دکھا سکتے ہو؟ معترض کا جواب تھا: نہیں۔ حضرت عمرانؓ کہنے لگے: تو پھر کن لوگوں سے اور کہاں سے تم نے ادائیگی زکوۃ کے نصاب اور طریقے کو سیکھا؟ کیا تم لوگوں نے ہم سے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چیزیں نہیں سیکھیں؟ پھر کہنے لگے: قرآن میں "ولیطوفوا بالبیت العتیق" (بیت اللہ الحرام

(۱) الکفایۃ: ص ۱۵، ۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا طواف کرو) وارد ہوا ہے تو کیا تمہیں قرآن میں سات مرتبہ طواف کرنے کا حکم نظر آتا ہے ؟ اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے؟ کیا تم قرآن میں "لاجلب ولاجنب ولاشغار في الإسلام" کے سلسلے میں کوئی ذکر پاتے ہو؟ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وما آتاکم الرسول فخذوه وما نها کم عنه فانتهوا﴾؟ پھر حضرت عمرانؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بہت ساری چیزوں کو سیکھا ہے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔"

امام ابن حجر عسقلانیؒ اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمران بن حصینؓ کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا: "احییتني احیاك الله." یعنی آپ نے (یہ بصیرت افروز بات کہہ کر) مجھے حیات نو (اور روشنی) عطا کی ہے، اللہ تعالی آپ کو حیات دراز عطا فرمائے۔"(۱)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"سنت کو ناقابل التفات سمجھ کر اگر کوئی شخص صرف الفاظ قرآن کے لغوی معانی پر ہی عمل کرنے لگے تو وہ شخص گمراہ ہو جائے گا، کتاب اللہ سے جاہل رہ جائیگا، اندھیروں میں ہاتھ پیر مارنے والا ہوگا اور کبھی بھی راہ حق نہ پا سکے گا۔"(۲)

علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں:

"دینی اصول کے سلسلہ میں وہ شخص کیسے کچھ کہہ سکتا ہے جس نے دین کو کتاب وسنت کی بجائے لوگوں کے اقوال سے سیکھا ہو؟ اگر یہ شخص یہ گمان کرے کہ وہ دین، کتاب اللہ سے لے رہا ہے، اور وہ اس کی تفسیر، حدیث رسول اللہ ﷺ سے نہیں لیتا اور نہ اس پر غور کرتا ہے اور نہ بسند صحیح ہم تک پہنچنے والے صحابہ وتابعین کے اقوال پر نظر رکھتا ہے (تو اسے جان لینا چاہیئے کہ) ان راویوں نے ہم تک صرف قرآن کے الفاظ ہی کو نہیں پہنچایا ہے بلکہ اس کے معانی ومطالب کو بھی پہنچایا ہے۔ وہ لوگ قرآن کو بچوں کی طرح نہیں سیکھتے تھے بلکہ اس کے مفہوم کو بھی سمجھتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کا راستہ اختیار نہ کرے تو پھر اپنی رائے سے ہی بولے گا، اور جو اپنی رائے سے بولے اور اپنے گمان کو ہی دین سمجھے اور دین کو قرآن وسنت سے نہ سیکھے وہ گنہگار ہے، خواہ اس کی بات درست ہی ہو۔ اور جو دین کو کتاب اللہ اور سنت رسول سے سیکھے، اگر وہ غلطی بھی کرے تو ماجور ہوگا اور اگر صواب کو پالے تو دوہرا اجر پائے گا۔"(۳)

اس ضمن میں جناب حمید الدین فراہی صاحب بھی "احکام الاصول" میں لکھتے ہیں:

---

(۱) لسان المیزان ۱/۳، المستدرک للحاکم ۱/۱۰۹ (۲) الموافقات ۴/۲۱ (۳) شرح عقیدہ طحاویہ، ص: ۲۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''سلف اور ائمہ نے اپنے مذہب کی صحت کی بدولت کتاب اور سنت دونوں کو مضبوطی سے پکڑا۔ یہ نہیں کیا کہ باطل پسندوں اور ملحدوں کی طرح ان میں تفریق کر کے ایک چیز کو ترک کر دیتے ہیں۔''(۱)

## فہم قرآن کے لئے صرف زبان پر قدرت کافی نہیں ہے

کوئی شخص عربی زبان پر خواہ کتنی ہی قدرت کیوں نہ رکھتا ہو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی قولی وفعلی احادیث کی مدد کے بغیر قرآن کریم کی بعض پیچیدہ آیات کے صحیح مفہوم کو سمجھ لینا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کی ایک واضح مثال آیت: ﴿الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم أولئك لهم الأمن وهم مهتدون﴾ (۲) یعنی ''جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے بچاتے رہے ان کو ہی امن ہوگا اور وہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں''۔۔۔۔ جس کے لفظ ''ظلم'' کو صحابہ کرامؓ نے اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرتے ہوئے اس سے ہر چھوٹا بڑا ظلم مراد سمجھا تھا، حالانکہ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر زبان داں کون ہوسکتا تھا کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اور اس وقت تک زبان بھی ہر قسم کے عیوب ونقائص اور درآمدات سے پاک تھی، لیکن پھر بھی ان کو صرف زبان کی مدد سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ جب نبی ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس کے ایمان میں ظلم کا شائبہ نہیں ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہاں ظلم کا عام مفہوم مراد نہیں، بلکہ اس سے شرک مراد ہے۔ کیا تم کو حضرت لقمان کا قول معلوم نہیں کہ " إن الشرك لظلم عظيم۔"(۳) یعنی ''شرک بڑا ظلم ہے۔''

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جب سحور کی آخری حد کی تعیین سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر﴾ (۴) یعنی ''ماہ رمضان میں اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک کہ تمہارے لئے سیاہ دھاگہ سفید دھاگے سے واضح ہو جائے۔'' تو ایک صحابی رسول ﷺ نے ایک سیاہ اور ایک سفید دھاگہ اپنے سرہانے رکھ لیا کہ جب تک یہ دونوں ایک دوسرے سے واضح طور پر الگ نظر نہ آنے لگیں اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ''اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔''(۵)

---

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۳۷، ص: ۳۳ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۲) الانعام: ۸۳

(۳) لقمان: ۱۳ (۴) البقرۃ: ۱۸۷

(۵) صحیح البخاری مع فتح الباری ۴/۱۳۲، صحیح مسلم کتاب الصوم حدیث: ۱۰۹۰، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۲۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ظاہر ہے کہ یہاں بھی صحابی رسول اہل زبان ہونے کے باوجود محض زبان کی مدد سے اس آیت کا صحیح مطلب ومقصد نہ سمجھ پائے تھے۔

اس ضمن میں جناب مفتی محمد شفیع صاحب ''قرآن فہمی کے لئے حدیث رسولؐ ضروری ہے، حدیث کا انکار در حقیقت قرآن کا انکار ہے'' کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

﴿و أنزلنا إليك الذكر لتبين للناس﴾ اس آیت میں ''ذکر'' سے مراد باتفاق قرآن کریم ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں مامور فرمایا ہے کہ آپ قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق ومعارف اور احکام کا صحیح سمجھنا رسول کریم ﷺ کے بیان پر موقوف ہے۔اگر ہر انسان صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشاء خداوندی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو بیان وتوضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔''(۱)

پس معلوم ہوا کہ انسان کو زبان سے زیادہ سنت کا جس قدر وسیع علم ہوگا اسی کے مطابق اسے قرآن کو سمجھنے اور اس سے احکام مستنبط کرنے میں آسانی ہوگی۔جو جس قدر علم حدیث سے بے بہرہ ہوگا، اسی طرح فہم قرآن سے بھی محروم رہے گا۔

## فہم قرآن سنت کا محتاج ہے

قرآن کریم میں بعض آیات اس طرح مذکور ہیں کہ جن کا صحیح مفہوم متعین کرنا بغیر احادیث کی مدد کے قطعاً ناممکن ہے اس کی دو مثالیں اوپر الانعام کی آیت (۸۲) اور البقرۃ کی آیت (۱۸۷) میں لفظ ''ظلم'' کی تعیین اور ''تحدید وقت سحر'' کے ضمن میں گزر چکی ہیں۔فہم قرآن میں سنت کی ضرورت اور اہمیت کی چند اور مثالیں پیش خدمت ہیں:

سورۂ توبہ۔ آیت (۳۶) میں حرمت کے چار ماہ کی تعیین کا نہ ہونا، سارق وسارقہ کے ہاتھ قلم کرنے کا حکم (سورۃ المائدۃ:۳۸) میں نصاب سرقہ اور قطع ید کی مقدار کی عدم تعیین، آیت تیمّم میں لفظ ''ید'' کی وضاحت کا نہ ہونا، حالانکہ حدیث میں اس کی تصریح یوں مذکور ہے:

"التيمم ضربة للوجه والكفين" (یعنی ''تیمّم'' ایک ضربہ ہے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے)۔

اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت۔(۱۴۵) میں مردہ جانور، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام سے پکاری گئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے، لیکن حدیث نے اس کے ساتھ ہر دانت والے درندے، پنجوں والے

---

(۱) معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ۵/۳۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


پرندے اور گھریلو گدھوں کو بھی حرام قرار دیا ہے، سورۃ النساء کی آیت ۔(۱۰۱) میں نماز قصر کے لئے ''سفر'' کے ساتھ ''کفار کے ستانے کا خدشہ'' بھی بطور شرط مذکور ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے بحالت امن بھی نماز قصر کی بعض صورتوں کو واضح فرمایا ہے۔سورۃ المائدہ کی آیت ۔(٦) میں ہر مردار اور خون کو حرام قرار دیا گیا تھا لیکن حدیث نبوی نے مردہ ٹڈی، مچھلی اور خون بشکل جگر و کلیجی کو استثناء حلال قرار دیا ہے، اور سورہ الاعراف کی آیت (۳۲) میں اللہ کی پیدا کردہ زینت اور پاکیزہ رزق کو حلال بتایا گیا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث نے مردوں کے لئے زینت کی اشیاء میں سے ریشم اور سونے کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے ــــ غرض اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو دراصل خود قرآن کی آواز میں ضرورت حدیث کو ثابت کرتی ہیں ۔ان مثالوں کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فہم قرآن کے لئے سنت نبوی کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔

اوپر ''قرآن وسنت میں سے کسی ایک چیز پر اکتفا کرنا گمراہی کا باعث ہے'' کے زیر عنوان حضرت عمران بن حصینؓ سے متعلق جو روایات نقل کی گئی ہیں اگرچہ ان سے بھی فہم قرآن میں احادیث کی ناگزیر حاجت کا اظہار ہوتا ہے، لیکن اس واقعہ کو امام ابن عبدالبرؒ نے قدرے مختلف لیکن مؤثر انداز میں یوں بیان کیا ہے:

''مروی ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ نے ایک شخص کو احمق کہا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم کتاب اللہ میں یہ پاتے ہو کہ ظہر کی چار رکعات ہیں جن میں جہری قرأت نہیں کی جاتی ؟ پھر اسی طرح کئی نمازوں اور زکوۃ کے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ کیا تم کو یہ سب چیزیں کتاب اللہ میں مفسراً ملتی ہیں؟ پھر فرمایا:"إن كتاب الله أبهم هذاوإن السنة تفسر ذلك." یعنی قرآن نے ان باتوں کی تفصیل بیان کرنے سے خاموشی اختیار کی ہے لیکن سنت نے ان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔''(۱)

امام ابوداوُدؒ نے بھی اپنی ''سنن''(۲) میں اس واقعہ کو قدرے مختلف انداز میں روایت کیا ہے، جس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم کے اصل اور صحیح مقصود ومنشا کو سمجھنے کے لئے سنت نبوی کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے۔

علامہ علاءالدین ابوالحسن الخازنؒ آیت:"لتبين للناس ما نزل إليهم" کے تحت لکھتے ہیں:

''یعنی احکام قرآن میں سے جو کچھ مجمل ہے۔کتاب اللہ کا بیان اور اس کی تشریح وتوضیح سنت سے طلب کرنی چاہیئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی قرآن کے ان مجملات کے مبین ہیں۔''(۳)

اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ فرماتے ہیں:

''کتاب اللہ کا بیان سنت سے طلب کرنا چاہیئے ۔اس مجمل کے مبین رسول اللہ ﷺ ہیں، اسی لئے

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۹۱ (۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۳ (۳) لباب التاویل للخازن ۴/۷٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب قرآن کریم اور حدیث میں بظاہر تعارض واقع ہو تو حدیث کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ سورۃ النحل کی آیت (۴۴) دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجمل ہے اور حدیث مبین، اور مبین چیز مجمل پر مقدم ہوتی ہے الخ"(۱) سنت کی اسی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر امام اوزاعیؒ نے امام مکحولؒ سے نقلاً بیان فرمایا ہے:

"الكتاب أحوج إلى السنة من السنة إلى الكتاب."(۲) "قرآن سنت کا زیادہ حاجتمند ہے بہ نسبت اس کے کہ جتنی سنت کو قرآن کی حاجت ہے۔"

خواہ مخواہ بعض لوگ امام اوزاعی و مکحول رحمہما اللہ کے اس قول سے وحشت کھاتے ہیں، حالانکہ بقول حافظ ابن عبد البرؒ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ سنت، محتملات قرآن کا فیصلہ بلکہ ان کی تعیین کرتی ہے اور قرآن کی مراد ومنشا کو بیان کرتی ہے۔ اس کی مدد کے بغیر کتاب اللہ کے اصل مقصد و مطلب کو سمجھنا محال ہے۔ آں رحمہ اللہ کے الفاظ میں اس قول کا مطلب یہ ہے: "يريد أنها تقضي عليه وتبين المراد منه."(۳)

## حدیث کیوں کر شارح قرآن ہے

مندرجہ صدر دلائل و آثار سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ کتاب و سنت کا باہمی ربط و تعلق اسی قسم کا ہے جیسے مبین و مبَین میں ہوتا ہے۔ اب ذیل میں ہم یہ بتائیں گے کہ حدیث کیوں کر شارح قرآن ہے:

۱- چونکہ کلام اللہ جوامع الکلم کی قبیل سے ہے اس لئے اس میں تاویلات کی گنجائش ہے لیکن قرآن کریم میں جو آیات مجمل یا مشکل ہیں، حدیث ان کی توضیح کرتی ہے، جو آیات عام ہیں ان کی تخصیص کرتی ہے اور جو مطلق ہیں ان کو مقید کرتی ہے تاکہ اس سے باطل تاویلات کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں اور کلام اللہ کا معنی و منشا متعین ہو جائے۔ اس کی چند مثالیں ان شاء اللہ آگے "قرآن کی روشنی میں باعتبار مضمون، احادیث کی قسمیں" کے زیر عنوان پیش کی جائینگی۔

۲- شرح قرآن کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ قرآن میں وارد شدہ الفاظ کی خود شرح بیان فرمائیں، مثلاً آں ﷺ نے "مغضوب عليهم" سے مراد "یہودی" اور "الضالين" سے مراد نصاری بیان فرمائی ہے۔

۳- شرح قرآن کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ ایسے احکام بیان فرمائیں جو قرآن کریم میں بیان کردہ احکام سے زائد ہوں۔ ایسے احکام کی چند مثالیں ان شاء اللہ آگے محولہ بالا عنوان کے تحت پیش کی جائیں گی۔

۴- شرح قرآن کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ ناسخ و منسوخ آیات کی نشاندہی فرماویں۔ اس کی چند مثالیں بھی ان شاء اللہ آگے پیش کی جائیں گی۔

---

(۱) تفسیر فتح البیان ۵/۲۳۴ (۲) جامع بیان العلم ۲/۱۹۱، الموافقات للشاطبی ۴/۱۹، تفسیر القرطبی ۱/۳۹، الکفایۃ للخطیب، ص: ۱۴

(۳) جامع بیان العلم ۲/۱۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


۵- شرح قرآن کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم میں جو حکم مذکور ہو حدیث اس کی مزید تائید وتاکید کرے۔

## کتاب اللہ پر سنت کے قاضی ہونے کا مطلب

امام اوزاعیؒ کے استاذ مشہور محدث امام یحیی بن ابی کثیرؒ نے بھی اصول قرآنیہ کی توضیح میں سنت کے اہم کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا تھا:

"السنة قاضية على الكتاب ، ليس الكتاب قاضيا على السنة۔"(۱) ''سنت (احکام) قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے، قرآن سنت کا فیصلہ کرنے والا نہیں۔''

بعض لوگ امام رحمہ اللہ کے اس قول سے خواہ مخواہ متوحش نظر آتے ہیں اور اسے استخفاف قرآن سے تعبیر کرتے ہوئے امام یحیی بن ابی کثیرؒ کی تحقیر سے اس قول کی حقانیت کو ماند کرنے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا سامان پیدا کرتے ہیں، مثال کے طور پر جناب رحمت اللہ طارق صاحب فرماتے ہیں:

''آگے چل کر استخفاف قرآن کی یہاں تک جسارت کی گئی کہ یحییٰ بن ابی کثیر (متوفی ۱۴۷ھ) جیسے کوتہ (کوتاہ) نظر محدث کے الفاظ بطور سند نقل ہونے لگے کہ: ''قرآن وحدیث میں جب تضاد محسوس ہو تو اس صورت میں حدیث کو مقدم اور قرآن کو مؤخر کرنا چاہیئے۔"السنة قاضية على الكتاب وليس الكتاب بقاض على السنة۔" کیونکہ سنت برتر ہے (اور اسے آگے ہی بڑھنا چاہیئے) اور قرآن فروتر ہے (اور اسے پیچھے ہی ہٹنا چاہیئے) اور برتر یا فیصلہ کن کو ہمیشہ فروتر پر فوقیت رہتی ہے۔''(۲)

حالانکہ امام یحیی ابن ابی کثیرؒ کا یہ قول استخفاف قرآن سے قطعاً عبارت نہیں بلکہ انتہائی پر مغز، امر واقعہ اور اپنے اندر معانی کا ایک وسیع سمندر سموئے ہوئے ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ جناب رحمت اللہ طارق صاحب کا امام یحیی بن ابی کثیرؒ کو ''کوتاہ نظر محدث'' بیان کرنا جس قدر خلاف واقعہ ہے اسی قدر امام رحمہ اللہ کی نسبت یہ گمان کرنا بھی کہ آں رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن ایک ''فروتر'' یا ''پیچھے'' ہٹائے جانے کے لائق چیز ہے جبکہ سنت اس سے ''برتر'' اور ''آگے'' بڑھانے کے لائق ہے۔ ہمارے علم کے مطابق آں رحمہ اللہ نے کبھی اس قسم کی کوئی درجہ بندی نہ فرمائی تھی۔ جہاں تک قرآن وحدیث میں ''تضاد محسوس'' ہونے کی صورت میں سنت رسول کو ''مقدم'' کرنے اور ہر معاملہ میں اس سے ہی فیصلہ کروانے کا تعلق ہے تو اس بارے میں خود قرآن ناطق ہے، جیسا کہ باب اول میں ''اللہ تعالی نے تاکیداً مکمل اطاعت رسول کا حکم دیا ہے'' کے زیر عنوان

---

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص:۱۴، الاعتبار للحازمی، ص:۱۷، طبع منیر الدمشقی ۱۳۴۶ھ

(۲) تفسیر منسوخ القرآن تالیف، رحمت اللہ طارق، ص:۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پیش کردہ دلائل سے مستفاد ہوتا ہے۔ فی الحال ہم امام یحیی بن ابی کثیرؒ کی کوتاہ نظری کے بطلان پر کچھ شواہد پیش کریں گے تاکہ جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے اس دعوی کی حقیقت آشکارا ہو سکے۔

## امام یحیی بن ابی کثیرؒ محدثین کی نظر میں

امام یحیی بن ابی کثیرؒ (۱۲۹ھ) صغار تابعین میں سے تھے۔ آپ کی کنیت ابونصر الطائی تھی۔ امام ذہبیؒ نے آپ کو ''الإمام'' اور ''أحد الأعلام الأثبات'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان، ابو قلابہ، عمران بن حطان، ھلال بن ابی میمونہ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ ابوامامہ الباہلیؓ سے آپ کی روایت صحیح مسلم میں اور حضرت انسؓ سے آپ کی روایت سنن النسائی میں مرسلاً مروی ہے۔ آپ سے آپ کے فرزند عبداللہ، عکرمہ بن عمار، معمر، ھشام دستوائی، اوزاعی، ہمام بن یحیی، ابان بن یزید اور ایوب بن عتبہ جیسے نابغۂ روزگار محدثین کے علاوہ ایک خلق کثیر نے حدیث کی روایت کی ہے۔

شعبہؒ کا قول ہے: "هو أحسن حديثا من الزهري۔" یعنی ''یحیی بن ابی کثیرؒ علم حدیث میں امام زہری سے بہتر ہیں۔'' امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: "إذا خالفه الزهري فالقول قول يحيٰ۔" یعنی ''اگر زہریؒ ان کے خلاف روایت کریں تو یحییؒ کا قول درست سمجھا جاتا ہے۔'' امام ابوحاتمؒ کا قول ہے: "ثقة إمام لايروی إلا عن ثقة۔" یعنی ثقہ اور امام ہیں اور صرف ثقات سے ہی حدیث روایت کرتے ہیں۔'' وھیبؒ، ایوب سختیانیؒ سے نقل کرتے ہیں: "ما بقی علی وجه الأرض مثل يحيٰ بن ابي كثير۔" یعنی ''اب روئے زمین پر یحییٰ بن ابی کثیر کے مثل کوئی باقی نہیں ہے۔'' امام عجلیؒ نے انہیں ''ثقہ'' حسن الحدیث'' قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ کا قول گزر چکا کہ ''علمائے اثبات میں سے تھے۔'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ ''ثقہ اور ثبت تھے لیکن تدلیس وارسال کرتے تھے۔'' آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''مشہور حافظ حدیث، لیکن کثیر الإرسال تھے۔ امام نسائیؒ نے ان میں تدلیس کا وصف بھی بیان کیا ہے۔''(۱)

امام یحیی بن ابی کثیرؒ کی بالغ النظری اور رفیع الشان محدثیت کے اس تذکرہ کے بعد ہم آں رحمہ اللہ کے مذکورہ قول پر اٹھائے جانے والے بعض اعتراضات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

---

(۱) تکرۃ الحفاظ للذھبی ۱/ ۱۲۸، میزان الاعتدال للذھبی ۴/۴۰۲، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۲،ص:۱۴۴، المراسیل لابن ابی حاتم ،ص:۱۴۳،۱۴۴، جامع التحصیل للعلائي ،ص:۸۸۰،تعریف اھل التقدیس لابن حجر،ص:۷۶،تقریب التھذیب لابن حجر۲/ ۳۵۶،تھذیب التھذیب لابن حجر۱۱/ ۲۸۶،معرفۃ الثقات للعجلی ۲/ ۳۵۷، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۴۲۳، فتح الباری لابن حجر ۵/ ۱۰۵، ۶/ ۴۸۷، ۱۰/۴۸۲، ۵۱۵، ھدي الساری لابن حجر،ص:۳۷۹، تحفۃ الأحوذی للمبارکپوری ۳/ ۳، ۱۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب رحمت اللہ طارق صاحب کی طرح جناب امین احسن اصلاحی صاحب بھی امام یحیی بن ابی کثیرؒ کے زیر بحث قول پر انتہائی خفا ہیں، چنانچہ اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''جو لوگ احادیث و آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر بھی حاکم بنا دیتے ہیں، وہ نہ تو قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں، نہ حدیث کا، برعکس اس کے جو لوگ احادیث و آثار کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے وہ اپنے آپ کو اس روشنی ہی سے محروم کر لیتے ہیں جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ قیمتی روشنی ہے۔''(۱)

یہی بات آں محترم ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں:

''جو لوگ احادیث و آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر حاکم بنا دیتے ہیں، وہ درحقیقت قرآن کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور احادیث کی بھی کوئی شان نہیں بڑھاتے۔ اس کے برعکس جو لوگ احادیث کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں وہ اس روشنی ہی سے محروم ہو جاتے ہیں جو قرآن مجید کے بہت سے اجمالات کے کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہو سکتی ہے۔''(۲)

محترم اصلاحی صاحب نے اپنی زیر تبصرہ کتاب ''مبادئ تدبر حدیث'' میں بھی امام یحییٰؒ کے اس قول پر اپنی برہمی کا اظہار فرمایا ہے، جس پر تبصرہ ان شاء اللہ آگے اصلاحی صاحب کی مخصوص '' '' کے جائزہ کے تحت ضمناً پیش کیا جائے گا، لیکن ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے اپنی کے باوجود جناب رحمت اللہ طارق صاحب کی طرح امام رحمہ اللہ کی شخصیت کشی نہیں کی ہے، بلکہ انہیں ''ایک بزرگ''(۳) کے نام سے ذکر کیا ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ احادیث کو قرآن پر قاضی کہہ دینے سے بعض لوگوں نے یہ غلط مطلب سمجھ لیا ہے کہ گویا قرآن، احادیث کی عدالت کے کسی کٹہرے میں ایک بے بس ولاچار مجرم کی حیثیت سے کھڑا ہے، اور حدیث کو بحیثیت قاضی اس کی قسمت کا فیصلہ کرنا ہے۔ اگر فیصلہ اس مجرم کے حق میں ہوا تو اس کو قبول کیا جائیگا، اور اگر اس کے خلاف ہوا تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ الفاظ کے ہیر پھیر اور مسجع و مقفی عبارت کے ساتھ اس من مانے مطلب و منشا کو اس طرح مشتہر کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کی روح تک کانپ اٹھتی ہے، جیسا کہ اس باب کے آخری صفحات میں بیان کیا جائے گا۔ اس غلط ترجمانی کے نتیجہ میں قاری نادانستہ طور پر ان بزرگوں کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے جن سے کہ یہ اقوال منقول ہیں۔ مگر ان اقوال کا صحیح مطلب و منشا بھی مشہور فارسی مقولہ ''رموز مملکت خویش خسرواں دانند'' کے مصداق، علم قرآن و حدیث پر گہری

---

(۱) مقدمہ تفسیر تدبر قرآن، ص:۲
(۲) مبادئ تدبر قرآن، ص:۲۱۸، ۲۱۹
(۳) مبادئ تدبر حدیث، ص:۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بصیرت رکھنے والے اصحاب دانش وبینش ہی جانتے ہیں، جناب رحمت اللہ طارق یا جناب امین احسن اصلاحی صاحبان اوران کے ہم فکر اصحاب کا یہ مقام ہی نہیں کہ وہ ان ائمہ کبار کے اقوال کی رفعت اور گیرائی کا احاطہ کرسکیں، لہذا ان حضرات سے اس کی صحیح ترجمانی کی توقع کرنا ہی عبث ہے۔

امام یحییٰ بن ابی کثیرؒ، امام مکحولؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ کے ہم عصر یا بعد میں آنے والے جتنے بھی مشہور ائمہ حدیث گزرے ہیں ان میں سے کسی سے بھی ان حضرات کے اقوال پر نکارت منقول نہیں ہے۔ محدثین میں سے صرف امام احمد بن حنبلؒ کے دو متضاد اقوال میں سے ایک قول کے مطابق بھی یہ مقولہ ''منکر'' نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ''جسارت'' کے زمرہ میں آتا ہے۔ آں رحمہ اللہ کے علاوہ باقی تمام محدثین نے تو ان اقوال کی صداقت پر اس قدر اعتماد کیا ہے کہ بعض نے اپنی کتب میں مستقل ابواب ہی اس عنوان سے قائم کئے ہیں: "باب السنة قاضية على كتاب الله۔"(۱)

ہمارے نزدیک مقولہ :"السنة قاضية على الكتاب ، ليس الكتاب قاضيا على السنة۔" کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ کتاب اللہ کی بعض آیات دو یا دو سے زیادہ امور ومطالب کی محتمل ہوتی ہیں، لیکن سنت ایسی تمام آیات کے جملہ محتملات میں سے کسی ایک محتمل کی تعیین کرکے اس آیت کا مقصد ومطلب متعین کرتی ہے۔ اس چیز پر استدلال عموماً ان احادیث سے کیا جاتا ہے جن سے ظواہر قرآن کے خلاف مطلق کو مقید اور عام کو خاص کیا جاتا ہے، ظواہر کتاب کے مقتضی کو یوں ترک کرکے سنت کی طرف رجوع کرنے سے کتاب اللہ پر سنت کی تقدیم لازم نہیں آتی، بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو چیز سنت میں معتبر ہے وہی کتاب اللہ کی بھی اصل منشا و مراد ہے۔ پس اس قول کا اصل محرک اصول قرآنیہ کی توضیح میں سنت کا عظیم اثر وکردار ٹھہرا۔ یہ بات علامہ شاطبیؒ کے ان اقوال سے بھی موکد ہوتی ہے، فرماتے ہیں:"إن قضاء السنة على الكتاب ليس بمعنى تقديمها عليه واطراح الكتاب بل ان ذلك المعبر فى السنة هو المراد فى الكتاب۔" (یعنی:''سنت کے کتاب پر قاضی ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اسے کتاب پر مقدم ٹھہرایا جائے اور کتاب کو اس کے مقابلہ میں چھوڑ دیا جائے، بلکہ جو کچھ سنت میں بیان کیا جاتا ہے وہ کتاب کی مراد ہوتی ہے۔'') اور "هكذا سائر ما بينته السنة من كتاب الله تعالى فمعنى كون السنة قاضية على الكتاب أنها مبينة له ـ" (الموافقات للشاطبی ۴/ ۷، ۸) یعنی ''یہی معاملہ قرآن کی ان تمام آیات کا ہے جن کی تبیین سنت نے کی ہے، لہذا کتاب اللہ پر سنت کے قاضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کی شارح ہے۔'' ذیل میں ہم اس قول کے صحیح مطلب ومنشا کی وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

---

(۱) سنن الدارمی المقدمۃ ۱/ ۱۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ارشادِ الٰہی ہے: "وأقيموا الصلاة" یعنی "نماز قائم کرو۔" لیکن "صلوۃ" کے معنی کی تعیین میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، کوئی شخص کہے گا کہ "صلوۃ" کے معنی دعاء و تسبیح کے ہیں، کوئی درود و رحمت بیان کرے گا۔ محمد احمد بٹلا جیسا کوئی شخص اس کے معنی "پریڈ" بھی بیان کرسکتا ہے۔ کوئی تجدد پسند شخص اسے نظام ربوبیت یا اشتراکیت سے تعبیر کرے گا جیسا کہ لاہور کے ایک شخص نے بیان کیا تھا، کوئی "صلوۃ" سے مراد محض کولھوں کو ہلانا بتائے گا، اور کوئی شخص یہ کہے گا کہ "صلوۃ" کے صحیح معنی وہ کیفیت اعمال ہے جو نبی ﷺ نے حکماً وعملاً یوں ظاہر فرمائی ہے: "صلوا كما رأيتموني أصلي۔" (۱) اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں نسلاً بعد نسل معروف، مشہود اور معمول بہ ہے۔

اسی طرح قرآن کی آیت: "والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما۔" (۲) یعنی "چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورتوں کے ہاتھ کاٹ دو۔" اگر اس آیت کی تفسیر میں کوئی شخص یہ کہے کہ یہاں ہاتھ کاٹ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جرأت نہ ہونے دو کہ وہ چوری کرسکیں، ان کے تمام وسائل ختم کردو، جوامراء اور بااثر لوگ ان کے دست و بازو اور پناہ دہندہ بنے ہوئے ہوں انہیں ان سے جدا کردو، آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ فی الواقع ان کے ہاتھ ان کے تن سے جدا کردو ــــ تو ظاہر ہے کہ یہ تفسیر قرآن کریم کی صحیح ترجمانی نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ان آیات کی عملی تفسیر اور واضح احکام موجود ہیں، لہذا قارئین کرام بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ اگر ہر شخص کو قرآن کے ان الفاظ کے من مانے مطلب بیان کرنے کی چھوٹ دے دی جائے تو قرآن اختلافات کا ایک ناقابل فہم اور ناقابل حل معمہ بن کر رہ جائے گا۔

ظاہر ہے کہ ان تمامِ اختلافات کے حل کی نہایت مؤثر اور ممکن صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ ان تمام معانی مین سے صرف اس معنی کو ہی درست مانا جائے جو خود نبی ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ پس جب اس بارے میں آں ﷺ کا قول و فعل فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے تو اس سے یہی نتیجہ اور مفہوم نکالا جاسکتا ہے کہ آپؐ کا قول و فعل ہی (جو کہ سنت اور احادیث کے نام سے معروف ہے) اس بارے میں فیصلہ کن قاضی یا حاکم کی حیثیت رکھتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے کون سے معنی صحیح اور منشا الٰہی کے مطابق ہیں ــــ یہ ہے اس مقولہ، کہ احادیث قرآن پر قاضی ہیں، کا اصل مفہوم، جس سے نہ قرآن کا ملزم ہونا لازم آتا ہے اور نہ ہی کلام اللہ کی تحقیر واستخفاف کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الأذان باب: ۱۸، کتاب الأدب، باب: ۲۷، سنن الدارمی کتاب الصلاۃ نمبر ۴۲، مسند احمد ۵/۵۳

(۲) المائدہ: ۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے:

"سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن ، فخذوهم بالسنن فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله ." (۱) ''عنقریب تمہارے پاس ایک جماعت آئیگی جو قرآنی شبہات کولیکر تم سے جھگڑا کرے گی۔ تم ان کا مواخذہ سنن نبویہ سے کرنا کیونکہ سنن نبویہ کا علم رکھنے والے ہی کتاب اللہ کے مفہوم کو زیادہ جاننے والے ہیں۔''

یعنی آں رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی قرآنی شبہات میں جدال کی صورت پیش آجانے پر سنت نبوی کا درجہ قاضی کا تھا، اسی طرح ایک مرتبہ کسی شخص نے تابعی جلیل مطرف بن عبداللہ الشخیرؒ (۹۵ھ) سے کہا: "لا تحدثونا إلا بالقرآن." یعنی ''ہمیں قرآن کے سوا اور کچھ نہ سنایا کرو۔'' تو آپ نے فرمایا:

"والله ما نريد بالقرآن بدلا ولكن نريد من هو أعلم بالقرآن منا، يريد رسول الله ﷺ ." (۲)

''قسم اللہ تعالی کی ہم قرآن کا بدل تلاش نہیں کرتے، ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے قرآن کے اس مطلب کا سب سے بڑھ کر عالم کون ہے، ان کی مراد رسول اللہ ﷺ تھے۔''

امام علی بن المدینیؒ بیان کرتے ہیں کہ امام عبدالرحمان بن مھدیؒ کا قول ہے:

"الرجل إلى الحديث أحوج منه إلى الأكل والشرب وقال: الحديث تفسير القرآن." (۳) ''کسی شخص کو کھانے پینے سے زیادہ علم حدیث حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور فرمایا کہ حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔''

امام اوزاعیؒ، ایوب سختیانی سے ناقل ہیں کہ اگر کوئی شخص سنت نبوی کے متعلق یہ کہے کہ اجی سنت کی بات تو رہنے ہی دیجیئے۔ ہمیں تو صرف قرآن کے متعلق بتایئے تو جان لو کہ وہ شخص گمراہ ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

"إذا حدثت الرجل بالسنة فقال دعنا هذا وحدثنا من القرآن فاعلم أنه ضال مضل ."(۴)

علامہ شعرانیؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ اہل کوفہ میں سے ایک شخص امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے پاس درس حدیث کا دور چل رہا تھا۔ اس شخص نے کہا: "دعونا من هذه الأحاديث." امام ابو حنیفہؒ نے یہ سن کر

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۲۳۱، مقدمۃ المیزان للشعرانی ص: ۶۲، قواعد التحدیث للقاسمی ص: ۵۰

(۲) الموافقات للشاطبی ۴/ ۱۹، جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۱۹۱، مقدمہ کتاب الکفایۃ للحافظ محمد التیجانی ص: ۱۲، الجرح والتعدیل لابی لبابہ حسین ص: ۳۱

(۳) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب ص: ۱۶ (۴) نفس مصدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس پر سخت زجر فرمایا اور کہا کہ "لو لا السنة ما فهم أحد منا القرآن۔" یعنی اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن نہ سمجھ پاتا۔ آں رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: جب تک لوگ حدیث کی طلب کرتے رہیں گے، ان میں خیر وصلاح باقی رہے گی اور جب حدیث کے بغیر علم کے طالب ہوں گے تو فساد میں جا پڑیں گے۔" (۱)

اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ "بیان الفرق بین أهل الحدیث وأصحاب الرأي" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:

"كان عندهم أنه إذا وجد في المسألة قرآن ناطق فلا يجوز والتحول إلى غيره وإذا كان القرآن محتملا لوجوه فالسنة قاضية عليه۔" (۲)

"محدثین کے نزدیک جب قرآن میں کوئی حکم صراحۃً موجود ہو تو کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو اور مختلف مطالب کا احتمال ہو تو حدیث کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ یعنی قرآن کے اسی مفہوم کو درست سمجھا جائیگا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔"

ان تمام اقوال سے اصول قرآنیہ کی توضیح میں سنت کے عظیم الشان کردار اور اس کی اہمیت وضرورت پر روشنی پڑتی ہے، اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد خواہ کسی حکم قرآن کی تشریح میں ہو یا اس کے اجمال کی تفصیل اور وضاحت میں، بہر صورت اسے قاضی وناطق سمجھا جائیگا۔ پس امام یحیی بن ابی کثیر، مکحول اور اوزاعی رحمہم اللہ کے مذکورہ بالا اقوال سے ان کی جو مراد سمجھ میں آتی ہے وہ دراصل لوگوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی ومطالب أعلم الخلق رسول اللہ ﷺ سے بہتر کون جانتا تھا؟ نیز جو کچھ آپؐ ارشاد فرماتے تھے وہ نری وحی ہوتا تھا، لہذا قرآن کریم کی کسی آیت کے متعلق خود کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں دیکھ لینا چاہیئے کہ رسول امین ﷺ نے اس بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟ بلاشبہ آپؐ کا ہر ارشاد لائق ترجیح ہے۔ خود اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں یہ حکم فرمایا ہے کہ ہر معاملہ میں (حدیث) رسول اللہ ﷺ سے ہی فیصلہ کروایا جائے۔ اہل علم حضرات میں سے کسی نے بھی اس بارے میں اختلاف رائے نہیں کیا ہے کہ سنت کے کسی فیصلہ اور حکم پر عمل کرنا اصلاً قرآن کریم کے ہی حکم پر عمل کرنا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو امام ورہبر اور سرچشمۂ ہدایت بتایا، ان کی سنت کو "قدوۃ" اور "ھدی النبی" ﷺ کو "اسوۂ حسنہ" قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود قرآن، سنت کے وجوب عمل پر دلالت کرتا ہے۔

☆☆☆

---

(۱) مقدمة المیزان للشعرانی، ص: ۶۲، ۶۳، قواعد التحدیث للقاسمی، ص: ۵۲

(۲) حجة اللہ البالغة، ص: ۱۱۸، قواعد التحدیث للقاسمی، ص: ۳۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# قرآن کی روشنی میں باعتبار مضمون، احادیث کی قسمیں

امام شافعیؒ نے احادیث وسنن کی باعتبار مضمون قرآن، صرف تین قسمیں بیان کی ہیں:

''۱-وہ جو بعینہ قرآن کریم میں مذکور ہیں، ۲-وہ جو قرآن کے مجمل احکام کی تشریح کرتی ہیں، اور ۳-وہ جن کا ذکر بظاہر قرآن میں نہ تفصیلاً موجود ہے اور نہ اجمالاً۔'' (۱)

آخرالذکر اس تیسری قسم کے متعلق امام شافعیؒ نے علماء کرام کے چار اقوال نقل کئے ہیں، جن کا تذکرہ ان شاءاللہ آگے ہوگا۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی سنت کی تین قسمیں ہی بیان کی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

''۱-وہ سنت متواترہ جو ظاہر قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کی مفسر ہو مثلاً نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد یا زکوۃ کا نصاب یا حج کے ارکان وغیرہ ــــــ اس طرح کے دوسرے احکام سنت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور علماء اسلام کا ان کے بارے میں اجماع ہے، یہ قرآن کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ پس جو ان کی حجیت کا انکار کرتا ہے وہ علم دین کا انکار کرتا ہے، رکن اسلام کو منہدم کرتا ہے اور اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے۔

۲-ایسی سنت متواترہ جو قرآن کی تفسیر نہیں کرتی، نہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے، لیکن ایسے حکم کو بتاتی ہے جو قرآن میں صراحۃً مذکور نہیں ہے جیسے زانی کے لئے (جبکہ شادی شدہ ہو) سنگسار کی سزا یا نصاب سرقہ کی تعیین۔ تمام سلف امت اس قسم کی سنت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں، سوائے خوارج کے۔

۳-رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے مروی سنتیں، تلقی بالقبول کی حیثیت سے یا یہ کہ ثقات نے ان کو روایت کیا ہے ــــــ ان کے بارے میں بھی اہل علم فقہ وحدیث وتصوف کا اتفاق ہے کہ ایسی حدیثیں قابل قبول ہیں اور ان کی اتباع واجب ہے۔'' (۲)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''سنت کا قرآن کے ساتھ تین طرح کا تعلق ہوسکتا ہے: پہلا تعلق یہ کہ سنت ہر طرح سے قرآن کے موافق ہو، دوسرا تعلق یہ کہ سنت قرآن کی مراد ومنشا کو بیان کرتی ہو، اور تیسرا تعلق یہ کہ سنت ایسے حکم پر دلالت کرتی ہو جس سے قرآن خاموش ہے، الخ۔''

---

(۱) الرسالۃ للإمام الشافعی، ص: ۲۸، ۲۹

(۲) حیات ابن تیمیہ مؤلفہ شیخ ابوزہرہ مصری بحوالہ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ ۷/۲۰ مع تعلیقات الشیخ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، ص: ۶۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے معتمد خصوصی اور دبستان فراہی کے ترجمان جناب خالد مسعود صاحب نے "احکام رسول کا قرآن مجید سے استنباط" کے زیر عنوان افادات فراہی کو مرتب کرتے ہوئے احکام رسول کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"۱- پہلی قسم، وہ احکام جن کے بارے میں حضورؐ نے صراحت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ سے مستنبط ہیں، حالانکہ ظاہر کتاب کی نص میں وہ حکم موجود نہیں، گویا وہ حکم مستنبط ٹھہرے اور حضور کے فرض تبیین کے مطابق ہیں۔ ان احکام میں اصل وفروع پر غور کر کے ان کے استنباط کا پہلو معلوم کرنا دشوار نہیں ہوتا۔

۲- دوسری قسم، وہ احکام جن کے متعلق حضور ﷺ نے خود کوئی صراحت نہیں فرمائی، مگر قرآن سے ان کے استنباط کا پہلو کلام کی دلالتوں کے ایک عارف پر ظاہر ہے۔ پس ایک تو یہ حکم قرآن سے ماخوذ ہونے کی بنا پر صحت سے قریب تر ہوتا ہے اور خدا نے نص کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔۔۔ دوسرے رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ کتاب اللہ کو سمجھنے والے تھے، آپؐ کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ جس معاملہ کے بعض پہلوؤں کا اشارہ کتاب اللہ میں موجود ہو اس کا کتاب کی روشنی کے بغیر فیصلہ کریں۔ تیسرے عرب قوم کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ کلام کے اشارات وکنایات کو خوب سمجھنے والے تھے اور حضور کو چونکہ نور وہدایت اور بصیرت خدا کی طرف سے حاصل تھی اس لئے آپؐ اس معاملہ میں سب سے زیادہ ذکی تھے۔

۳- تیسری قسم، وہ احکام جن کے متعلق قرآن میں کوئی نص وارد نہیں، البتہ وہ اس اضافہ کا متحمل ہے۔ ایسے احکام میں ہم سنت کو مستقل اصل قرار دیں گے، کیونکہ ہمیں اطاعت رسول کا عام حکم دیا گیا ہے اور رسولؐ کا حکم یکساں طور پر پر از حکمت ہوتا ہے، خواہ وہ کتاب اللہ کی بنیاد پر ہو یا اس نور وحکمت کے مطابق ہو جس سے خدا نے آپ کا سینہ بھر دیا تھا ....... اس اعتبار سے حضورؐ کے احکام کی تیسری قسم بھی حقیقت میں قرآن سے ماخوذ ہے۔

یہ تین قسمیں حضور کے احکام کی واقعی قسمیں ہوئیں۔

۴- چوتھی قسم، ان احکام پر مبنی ہے، جو کتاب اللہ سے زائد ہیں اور کتاب ان کی متحمل نہیں۔

۵- پانچویں قسم، ان احکام پر مشتمل ہے جو قرآن کے مخالف ہیں۔

یہ آخری دونوں قسمیں فرضی ہیں، جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں کیوں کہ ان سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہے۔ علماء کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے، وہ انہی احکام میں ہوا ہے، لیکن یہ احکام گنے چنے ہیں الخ۔"(۱)

---

(۱) رسالہ "تدبر" لاہور عدد شمارہ ۱۳، ص: ۱۳-۱۵ مجریہ ماہ فروری ۱۹۸۵ء ملخصا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مندرجہ بالا افادات فراہی پر تبصرہ کرنے سے قبل ہم قرآنی مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے مضمون کے اعتبار سے احادیث کی مندرجہ بالا اقسام کا تذکرہ کریں گے۔ ہمارے نزدیک احادیث کی زیادہ سے زیادہ چار قسمیں ہو سکتی ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

## ۱۔ قرآنی آیات کی موافق یا مترادف احادیث

ایسی احادیث جو قرآنی آیات کے الفاظ اور ان کی مخصوص ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہوں مگر معنوی اعتبار سے دونوں میں پوری مطابقت و یکسانیت پائی جاتی ہو۔ ایسی احادیث قرآن سے ہم آہنگ ہونے کے باعث اس کی تائید و حمایت کرتی ہیں۔ بنیادی عقائد اور اخلاق سے متعلق بہت سی روایات قرآنی آیات سے ملتے جلتے مضامین پر مشتمل ہیں، لہٰذا احادیث کی اس قسم کے ذیل میں آتی ہیں، مثلاً:

۱۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولاتتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ذلكم وصاكم به﴾ (۱) یعنی "اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے۔"

تقریباً یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث میں یوں مروی ہے:

"خط لنا رسول الله ﷺ خطا ثم قال: هذا سبيل الله ثم خط خطوطاً عن يمينه وشماله وقال: هذه سبل ، على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه وقرأ: وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه۔"(۲)

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس لکیر کے دائیں بائیں چند لکیریں اور کھینچیں اور فرمایا کہ یہ (غیر اللہ) کے راستے ہیں۔ ان راستوں میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه۔"

تقریباً یہی مضمون ایک اور حدیث میں حضرت حذیفہؓ سے یوں مروی ہے:

"يا معشر القراء استقيموا فقد سبقتم سبقا بعيدا فإن أخذتم يمينا وشمالا لقد ضللتم ضلالا بعيدا۔"(۳)

۲۔ قتل اولاد کے سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے: "ولاتقتلوا أولادكم خشية إملاق۔" (۴) یعنی "اور

(۱) الانعام: ۱۵۳
(۲) السنۃ للمروزی، ص: ۵، تحفۃ الاشراف لمعرفۃ الاطراف للمزی ۷/ ۲۵، ۴۹
(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۳/ ۲۵۰
(۴) الاسراء: ۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اپنی اولاد کو ناداری کے خدشہ سے قتل نہ کرو۔"

اسی طرح شرک اور زنا کو قرآن میں بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، پس ارشاد ہوتا ہے: "ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا يزنون۔" (۱) یعنی "اور جس شخص کے (قتل کو) اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے۔"

اور "يبايعنك على أن لايشركن شيئا بالله ولايسرقن ولايزنين ولايقتلن أولادهن۔" (۲) یعنی "آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئ کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی۔"

اور ﴿ولاتقربوا الزنىٰ إنه كان فاحشة وساء سبيلا﴾ (۳) یعنی "اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔"

اور ﴿يا بنيّ لا تشرك بالله إن الشرك لظلم عظيم﴾ (۴) یعنی "اے بیٹے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔"

اور ﴿ومايتبع الذين يدعون من دون الله شركاء﴾ (۵) یعنی "اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو پکارنے والے۔" اور ﴿لا تجعل مع الله إلها آخر فتقعد مذموما مخذولا﴾ (۶) یعنی "اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنا، ورنہ تو بدحال بے مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔"

اور ﴿ولا تجعل مع الله إلهاً آخر فتلقى في جهنم ملوما مدحورا﴾ (۷) یعنی" اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنا، ورنہ تو الزام خوردہ اور راندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔"

اور ﴿فلاتدع مع الله إلها آخرفتكون من المعذبين﴾ (۸) یعنی" پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا کہ مبادا تم پڑو عذاب میں۔"

اور ﴿الذي جعل مع الله إلها آخر فألقياه في العذاب الشديد﴾ (۹) یعنی "جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔"

مذکورہ بالا آیات میں جو مضمون مذکور ہے تقریباً وہی مندرجہ ذیل حدیث میں بھی مروی ہے:

"عن عبد الله بن مسعود قال قال رجل يا رسول الله ﷺ أى الذنب أكبر عندالله

---

(۱) الفرقان: ۶۸ (۲) الممتحنہ: ۱۲ (۳) الإسراء: ۳۲
(۴) لقمان: ۱۳ (۵) یونس: ۶۶ (۶) الإسراء: ۲۲
(۷) الإسراء: ۳۹ (۸) الشعراء: ۲۱۳ (۹) ق: ۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قال أن تدعو لله ندا وهو خلقك قال ثم أى قال أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك، قال ثم أي قال أن تزني حليلة جارك فأنزل الله تصديقها والذين لايدعون مع الله إلها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا يزنون۔" (۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ، اللہ تعالی کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے لئے شریک ٹھہراؤ حالانکہ وہ تیرا خالق ہے۔اس شخص نے پوچھا پھر کون سا گناہ؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس اندیشہ سے قتل کرو کہ وہ کھانے میں تمہارے ساتھ شریک ہوگی۔اس نے پوچھا: پھر کون سا گناہ؟ آپؐ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرو۔ ان ارشادات نبوی کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی: اور جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ تعالی نے حرام ٹھہرایا ہے الا یہ کہ کسی حق کی بنا پر اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔''

۳-قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:﴿لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾(۲) یعنی ''آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔'' تقریبا یہی مضمون ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے: کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔''

۴-قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾(۳) یعنی ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' ٹھیک یہی مضمون حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں یوں مروی ہے: "من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله۔" (۴) یعنی ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کی ایک طویل حدیث میں بھی مروی ہے:"والداعي محمد ﷺ، فمن أطاع محمدا ﷺ فقد أطاع الله ومن عصى محمداً ﷺ فقد عصى الله۔" (۵)

۵-اسی طرح سورۂ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ ''صحیح البخاری'' کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

اگر قرآنی آیات سے مطابقت رکھنے والی اس نوع کی احادیث تلاش کی جائیں تو حدیث کی امہات الکتب (کی کتاب الایمان، کتاب النفاق اور کتاب الکبائر وغیرہ) میں ایسی روایات کی کافی تعداد بآسانی مل جائے گی۔

---

(۱) متفق علیہ (۲) النساء:۲۹ (۳) النساء:۸۰
(۴) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۳/۱۱۱ (۵) نفس مصدر ۱۳/۲۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب خالد مسعود صاحب کی تقسیم کے مطابق یہ حدیث کی دوسری قسم ہے۔ایسی روایات کے متعلق آں جناب اپنے ایک مضمون: ''حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج '' میں جناب حمیدالدین فراہی صاحب کا نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

''سورۂ نساء کی آیت ۔۱۰۵ ﴿إنا أنزلنا إليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما أراك الله﴾ کی روشنی میں مولانا فراہی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس معاملہ میں کوئی حکم موجود ہوتا نبی ﷺ مامور تھے کہ اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتے۔یہ جائز نہ تھا کہ آپ کتاب اللہ کی رہنمائی کے بغیر کوئی فیصلہ صادر کردیں۔چنانچہ احکام کی بہت سی حدیثیں آیات قرآنی سے ماخوذ ومستنبط ہیں۔وہ قرآن پر اضافہ نہیں کرتیں بلکہ کسی ایسے گہرے معاملہ کی تصریح کردیتی ہیں جو اگرچہ قرآن کی آیت میں موجود تھا لیکن تدبر نہ کرنے والے پر مخفی رہ سکتا تھا ....... مولانا پورے اطمینان سے لکھتے ہیں کہ مجھے احکام کی بیشتر احادیث کی بنیادیں قرآن میں تلاش کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔اس کی مزید وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ بسا اوقات حضورؐ خود اس بات کی تصریح فرمادیا کرتے کہ میرا یہ حکم فلاں آیت سے ماخوذ ہے ۔جہاں آپ نے اس طرح کی تصریح نہیں فرمائی وہاں غور وتدبر سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ نے کن آیات کی روشنی میں کوئی حکم دیا الخ۔''(۱)

## ۲-قرآنی آیات کی شارح احادیث

ایسی احادیث جو قرآنی اجمال کی تفصیل وتشریح ، اس کے عموم کی تخصیص ، اس کے مطلب ومعنی کی تعیین اور واقعاتی پس منظر کی وضاحت کرتی ہیں۔ان احادیث میں قرآنی آیات سے زائد مضمون پایا جاتا ہے ، مثلاً:

۱-﴿إن الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتاً﴾(۲) یعنی''مومنوں پر مقررہ اوقات پر نماز پڑھنا فرض ہے'' ــــ اس آیت میں صرف مقررہ اوقات پر نماز پڑھنے کی فرضیت بیان ہوئی ہے لیکن ان مقررہ اوقات کی تفصیل وکیفیت نامعلوم ہے ، اس لئے لامحالہ ان احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جن میں نماز کے اوقات وغیرہ کی تفصیلات مذکور ہیں۔یہ تفصیل قرآن کے احکام سے زائد کوئی چیز نہیں بلکہ اس اجمال کی شرح ہے۔

۲-﴿أقيموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة﴾(۳) یعنی''نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو'' ــــ قرآن کا یہ حکم بھی مجمل ہے۔نماز قائم کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟ رکعات کی تعداد کتنی ہے ؟ اس کے وظائف وآداب کیا ہیں؟ اس کے اوقات کیا ہیں ؟ اور اس کی کیفیت کیا ہو؟ اسی طرح زکوۃ کس پر فرض ہے؟ کس طرح ، کس کو اور کتنی ادا کی

---

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۳۷،ص:۳۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء　　(۲) النساء:۱۰۴

(۳) البقرہ:۴۳، ۸۳، ۱۱۰، النساء:۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائے؟ان سب چیزوں کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ہے۔

۳- ﴿كتب عليكم الصيام......﴾(۱) اور ﴿كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود﴾(۲) میں روزہ اور سحور کے جملہ احکام ومسائل کی تفاصیل مذکور نہیں ہیں۔

۴- ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا......﴾(۳) ﴿فمن فرض فيهن الحج﴾(۴) اور ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾(۵) میں حج کے احکام ومسائل کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

۵- ﴿انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا بأموالكم وأنفسكم في سبيل الله ......﴾ (۶) اور ﴿إن الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويقتلون وعدا عليه حقا في التوراة والإنجيل والقرآن﴾ (۷) میں جہاد کی جزئیات کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

اس بارے میں مشہور محدث امام مروزیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے تمام اصول فرائض، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور جہاد کو پایا ہے کہ ان کی تفسیر کا جاننا یا ان کو ادا کرنا یا ان پر عمل کرنا ناممکن ہے الا یہ کہ ان کی تفسیر اور کیفیت نبی ﷺ کے ذریعہ معلوم ہو۔''(۸)

لہذا تفاصیل کی حامل ایسی تمام احادیث کو آیت: ﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ (۹) کے تحت ''قرآنی آیات کی شارح احادیث'' کی قسم کے تحت ہی شمار کیا جائے گا۔ یہ احادیث ان احکام قرآن کی کیوں کر شارح ہیں، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ علامہ عبدالرحمان مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ:

''آیت: ﴿وأنزلنا إليك الذكر الخ﴾ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ مجملات قرآن کے مبین اور اس کی مشکلات کے مفسر تھے۔ آپ کا بیان اور آپؐ کی تفسیر صرف احادیث کی صورت ہی میں موجود ہے، لہذا ہر حدیث جو نماز کے بارے میں وارد ہے، وہ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿وأقيموا الصلوٰة﴾ کی تفسیر ہے، اسی طرح ہر حدیث جو زکوۃ کے بارے میں وارد ہے وہ ارشاد الہی: ﴿وآتوا الزكوٰة﴾ کا بیان اور اس کی تفسیر ہے اور ہر وہ حدیث جو روزہ کے بارے میں وارد ہے وہ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿ثم أتموا الصيام إلى الليل﴾ کا بیان وتفسیر

(۱) البقرۃ:۱۸۳ (۲) البقرۃ:۱۸۷ (۳) آل عمران:۹۷
(۴) البقرۃ:۱۹۷ (۵) الحج:۲۹ (۶) التوبۃ:۴۱
(۷) التوبۃ:۱۱۱ (۸) کتاب السنۃ للمروزی، ص:۱۳۱ ملخصا
(۹) النحل:۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے، اور ہر وہ حدیث جو حج کے بارے میں وارد ہے وہ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿وأتموا الحج والعمرة لله﴾ کا بیان وتفسیر ہے ۔۔۔ پس معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا مجملات قرآن کا بیان اور اس کی مشکلات کی تفسیر کو قبول کرنا اور اس کے مقتضی کے بموجب عمل کرنا ہم پر واجب ہے۔ پس احادیث نبوی واجب الأخذ والعمل قرار پائیں کیونکہ وہ تمام کی تمام کتاب اللہ تعالی کا بیان وتفسیر ہی تو ہیں۔"(۱)

ذیل میں "قرآنی آیات کی شارح" بعض احادیث کی مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱- قرآن کریم میں حکم ہے: "إذا قمتم إلى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق."(۲) یعنی "جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔" اس آیت میں وضو کا حکم مذکور ہے لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس بات کی قطعی صراحت نہیں کرتے کہ نماز پڑھنے سے قبل ہر نمازی وضو کرے خواہ وہ پہلے سے باوضو ہی ہو یا صرف بے وضو شخص ہی وضو کرے۔ لیکن اس بارے میں وارد حدیث اس مجمل قرآنی حکم کی یوں شرح کرتی ہے کہ باوضو شخص کے لئے تجدید وضو ضروری نہیں، لیکن کر لینا اضافی اجر کا سبب ہے۔ اس آیت کے متعلق قاضی ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"ظاهر الآية يقتضي وجوب الطهارة بعد القيام إلى الصلاة."(۳)

یعنی "اس آیت کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ جب نماز کے لئے اٹھے تو وضو کرے۔"

لیکن یہ عمومی حکم اس بارے میں وارد خبر واحد کی بنا پر خاص ہو گیا کہ اگر سو کر اٹھے، یا بے وضو ہو اور نماز کا ارادہ رکھتا ہو تو ایسی حالتوں میں وضو کرے۔ اگر پہلے سے وضو کیا ہوا ہو تو دوبارہ وضو کرنا باتفاق ائمہ اربعہ ضروری نہیں ہے۔

قاضی ابوبکر نہایت صراحت کے ساتھ مزید فرماتے ہیں:

"إنه بمنزلة المجمل المفتقر إلى البيان لا يصح الاحتجاج بعمومه الخ."(۴)

یعنی "یہ آیت بمنزلۂ مجمل ہے جو محتاج بیان ہے، اس کے عموم سے استدلال صحیح نہیں ہے۔"

۲- ارشاد ہوتا ہے: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾(۵) یعنی "پس اگر طلاق دے دے تو وہ عورت دوبارہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ ایک اور خاوند سے نکاح نہ کر لے۔" اس آیت میں طلاق کے بعد عورت کے دوبارہ اسی مرد کے لئے حلال ہونے کی شرط تو مذکور ہے، لیکن اس امر کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ محض ایجاب وقبول سے ہی اس نکاح کی شرط پوری ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ۔۔۔ مگر اس بارے میں جو حدیث وارد ہے وہ اس امر کی تعیین کرتی ہے کہ اس نکاح سے مراد زوجین کا

---

(۱) مقدمۃ تحفۃ الأحوذی للمبارکپوری، ص:۲۲ (۲) المائدہ:۶ (۳) احکام القرآن للجصاص:۲/۴۰۲
(۴) نفس مصدر ۲/۴۰۵ (۵) البقرہ:۲۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آپس میں جنسی تعلق بھی قائم کرنا ہے چنانچہ اس قسم کے ایک واقعہ میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا: "حتی یذوق عسیتلها کما ذاق الأول۔"(۱)

۳- اسی طرح قرآن کی آیت: ﴿عبس وتولى أن جاء ه الأعمى﴾(۲) یعنی "پیشانی پر بل ڈالے اور رخ پھیرلیا، اس بنا پر کہ اس کے پاس نابینا آیا تھا" میں یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ کس نے پیشانی پر بل ڈالے اور رخ پھیرلیا؟ اور آنے والا نابینا شخص کون تھا حالانکہ حدیث نبوی میں ان چیزوں کی پوری تفصیل موجود ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نابینا صحابی (حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ) کی مداخلت پر اس ناگواری کا اظہار فرمایا تھا۔

۴- قرآن کی آیت: ﴿وعلى الثلاثة الذين خلفوا﴾(۳) یعنی "اور ان تینوں شخصوں کے معاملہ پر بھی توجہ کی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ رکھا تھا"۔ میں اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ وہ تین اشخاص کون تھے؟ کس باعث ان کا معاملہ ملتوی چھوڑ رکھا تھا؟ اور کس نے ان پر توجہ کی؟ وغیرہ ـــــ لیکن ان تمام چیزوں کے واقعاتی پس منظر ہمیں حدیث میں مل جاتے ہیں۔

۵- قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب أليم﴾ (۴) یعنی "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔" ـــــ اس آیت میں لغوی اعتبار سے کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی کہ وہ مقدار تھوڑی ہے یا زیادہ، لیکن جب حضرت عمرؓ نے یہ سوال نبی ﷺ سے کیا، تو آپؐ نے فرمایا: ﴿ما بلغ أن تؤدى زكوته فليس بكنز." (۵) یعنی "جس مال کی زکوۃ ادا کردی جائے وہ کنز شمار نہیں ہوگا۔" ایک اور حدیث میں یہ بات یوں مروی ہے: "إن الله لم يفرض الزكوة إلا ليطيب بها ما بقي من أموالكم۔" (۶) یعنی "اللہ تعالیٰ نے زکوۃ صرف اس لئے ہی فرض کی ہے کہ اس کے ذریعہ تمہارے باقی ماندہ اموال کو پاک کردے۔"

۶- ارشاد ہوتا ہے: ﴿وإذ يعدكم الله إحدى الطائفتين أنها لكم وتودون أن غيرذات الشوكة تكون لكم ويريد الله أن يحق الحق بكلماته ويقطع دابر الكافرين﴾ (۷) یعنی "اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائیگی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۹/۳۶۲ (۲) عبس: ۱،۲ (۳) التوبہ: ۱۱۸
(۴) التوبہ: ۳۴ (۵) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۴
(۶) نفس مصدر ۲/۵۰، المستدرک للحاکم ۴/۳۳۳ وصححہ الذھبی (۷) الأنفال: ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اوران کافروں کی بنیادوں کو کاٹ ڈالے"۔اس آیت میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے لیکن اس بارے میں مفصل معلومات حدیث ہی میں مذکور ہیں۔

۷-﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾(۱) یعنی "اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصہ کے برابر"۔لیکن حدیث میں احکام وراثت کے بارے میں یہ مزید وضاحت ملتی ہے کہ اختلاف مذہب اورقتل موانع ارث میں سے ہیں چنانچہ ارشاد نبوی ہے: ﴿لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم﴾(۲) یعنی "مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔" اسی طرح باپ کا قاتل بھی میراث کا حقدار نہیں ہے: "لا میراث لقاتل."

۸-﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أیدیهما جزآء بما کسبا نکالامن الله﴾ (۳) یعنی "جومرداور عورت چوری کرے ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے۔"اس آیت میں قطع ید کا حکم عام ہے لیکن کتنی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے؟ اورکس قدر کاٹا جائے؟ اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، لیکن حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نے اس عام حکم کی یوں تخصیص وتحدید کردی ہے:"تقطع ید السارق فی ربع دینار فصاعداً". (۴) یعنی "چور کا ہاتھ ربع دینار یا اس سے زیادہ مالیت کی چوری پر کاٹا جائے۔"اسی طرح حقیقی مفسر قرآن آں ﷺ نے مطلق "ہاتھ" کو دائیں ہاتھ کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔علامہ شاطبیؒ "ید" کے معنی اور مال مسروق کی مقدار وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:"فذلك هو المعنی المراد من الآیة لا أن نقول إن السنة أثبتت هذه الأحکام دون الکتاب۔"(الموافقات ۴/۷) یعنی "سنت کی یہ تشریح درحقیقت آیت کا مفہوم ومدعا ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ سنت نے یہ احکام قرآن کے علاوہ دیئے ہیں۔"

۹-﴿ فما لهم لایؤمنون و إذا قرئ علیهم القرآن لایسجدون﴾ (۵) یعنی "پس انہیں کیا ہوگیا کہ وہ ایمان نہیں لاتے، جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے"۔ بظاہر یہ آیت اس امر کی متقاضی ہے کہ جب بھی قرآن کی تلاوت کی جائے تو سننے والا خواہ جنبی ہو یا بے وضو، حمام میں ہو یا مسجد میں یا کہ بازار میں، بہرحال سجدہ کرے، مگر بالاتفاق اس آیت کا یہ عمومی حکم احادیث کی بنا پر خاص ہے۔قاضی ابو بکر الجصاص فرماتے ہیں:

---

(۱)النساء:۱۱ (۲)صحیح البخاری مع فتح الباری۱۲/۵۰ (۳)المائدہ:۳۸

(۴)صحیح البخاری مع فتح الباری۱۲/۹۶، سنن ابی داؤد مع عون المعبود۳/۸۴، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/۳۳۰، الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب ،ص:۱۴ وغیرہ

(۵)الانشقاق:۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"ظاهره يقتضي إيجاب السجود عند سماع سائر القرآن إلا إنا خصصنا منه ما عدا مواضع السجود۔"(۱)

یعنی ''اس آیت کا ظاہر سارے قرآن کو سننے کے وقت سجدہ کو واجب قرار دیتا ہے لیکن ہم اس سے مواضع سجود کو خاص کرتے ہیں۔''

اور امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "فإن هذه الآية تأمر بالسجود إذا قرئ عليه أو غيرها۔" (۲) یعنی ''یہ آیت سجدہ کا حکم دیتی ہے کہ جب یہ آیت پڑھی جائے یا اس کے علاوہ اور کوئی آیت پڑھی جائے۔''

پس حکم سجدہ کی اس آیت میں خبر واحد سے عمومی حکم کی تخصیص معلوم ہوئی۔

۱۰- ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والأرض منها أربعة حرم﴾ (۳) یعنی ''یقیناً مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ (قمری) مہینے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے) ان میں سے چار ماہ حرام ہیں۔'' بظاہر اس آیت میں ان چار ماہ کا ذکر اجمالاً آیا ہے، جن میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ قرآن کریم میں نہ تو تمام مہینوں کے نام مذکور ہیں اور نہ ہی ان حرام چار ماہ کی تفصیل موجود ہے، البتہ اس کی تفصیل احادیث میں ضرور ملتی ہے، لہٰذا وہ حدیث اس آیت کی شارح ہوئی۔

جناب خالد مسعود صاحب کی تقسیم کے مطابق غالباً حدیث کی یہ تیسری قسم ہے، لیکن ہم آں موصوف بلکہ حلقۂ فراہی کے جملہ وابستگان سے یہ ضرور پوچھیں گے کہ حدیث کی اس تیسری قسم کہ ''جن کے متعلق قرآن میں کوئی صریح نص وارد نہیں'' ہوئی ہے، کے متعلق یہ کس طرح فیصلہ کیا جائیگا کہ اس قسم کے احکام کی تفصیلات یا شرح اور اضافوں کا قرآن ''متحمل ہے'' بھی یا نہیں؟ کیا محض ظن وتخمین اور مقتضائے عقل وطبائع (بالفاظ دیگر اٹکل وقیاس) کی بنیاد پر یہ طے کیا جائے گا یا اس کے لئے ان حضرات کے پاس کوئی ٹھوس دلیل اور اصول وضوابط بھی موجود ہیں؟

## ۳- قرآن سے زائد احکام ومضامین والی احادیث

ایسی احادیث جو مستقل ہیں اور کسی قرآنی آیت کی شرح وتفسیر یا تائید وحمایت میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔ یہ احادیث قرآن سے زائد مضمون اور احکام پر مشتمل ہیں اور بظاہر قرآن ان سے خاموش ہے۔ سنت سے ثابت شدہ ان احکام کے بارے میں یہ کہنا بجا اور قطعی طور پر درست ہے کہ ان کی کوئی نہ کوئی اصل قرآن کریم میں ضرور موجود ہے خواہ ہم اپنی کم علمی کی بنا پر اس پر مطلع نہ ہو سکیں۔

---

(۱) أحكام القرآن للجصاص ۳/۵۸۰ (۲) مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام ۲۳/۱۵۴ (۳) التوبہ: ۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


علامہ شاطبیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''سنت معنوی اعتبار سے کتاب اللہ کی طرف ہی راجع ہے۔ دراصل یہ ''الکتاب'' کے اجمال کی تفصیل، اس کی مشکلات کا بیان اور اس کے اختصار کا بسط ہے۔ چونکہ سنت قرآن کی شرح وتفسیر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ لہٰذا سنت میں ایسی کوئی چیز نہ ملے گی جس کے معنی پر قرآن اجمالاً یا مفصلاً دلالت نہ کرتا ہو۔''(۱)

امام شافعیؒ بصراحت فرماتے ہیں:

"ما سن رسول الله ﷺ فيما ليس فيه نص كتاب فمنهم من قال : جعل الله له بما افترض من طاعته وسبق فى علمه من توفيقه لرضاه : أن يسن فيما ليس فيه نص كتاب ومنهم من قال: لم يسن سنة قط إلا ولها أصل فى الكتاب كما كانت سنته لتبيين عدد الصلاة وعملها على أصل جملة فرض الصلاة وكذلك ما سن من البيوع وغيرها من الشرائع لأن الله قال:﴿ لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ وقال: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ فما أحل وحرم فإنما بين فيه عن الله كما بين الصلاة ومنهم من قال: بل جاء ته به رسالة الله فأثبتت سنته بفرض الله ومنهم من قال: ألقى فى روعه كل ما سن وسنته الحكمة: الذى ألقى فى روعه عن الله فكان ما ألقى فى روعه سنته۔" (۲)

آں رحمہ اللہ اس سے ذرا پہلے فرما چکے ہیں:

"وماسن رسول الله ﷺ فيما ليس لله فيه حكم فبحكم الله سنه وكذلك أخبرنا الله فى قوله: ﴿وإنك لتهدى إلى صراط مستقيم صراط الله –﴾الآية– وقد سن رسول الله ﷺ مع كتاب الله وسن فيما ليس فيه بعينه نص كتاب وكل ما سن فقد ألزمنا الله اتباعه وجعل فى اتباعه وفى العنود عن اتباعها معصيته التى لم يعذربها خلقا ولم يجعل له من اتباع سنن رسول الله مخرجا لما وصفت وما قال رسول الله ﷺ أخبرنا سفيان عن سالم أبو النصر مولى عمر بن عبيد الله سمع عبيد الله بن أبى رافع يحدث عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمرى مما أمرت به أونهيت عنه فيقول لا أدرى ما وجدنا فى كتاب الله اتبعناه۔"(۳)

---

(۱) الموافقات للشاطبی ۴/۹ (۲) الرسالۃ للإمام الشافعی ص:۹۲ (۳) نفس مصدر ص:۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر مزید فرماتے ہیں:

"كل ما سن رسول الله ﷺ مع كتاب الله من سنة فهى موافقة كتاب الله فى النص بمثله، وفى الجملة بالتبيين عن الله، والتبيين يكون أكثر تفسيراً من الجملة. وماسن مما ليس فيه نص كتاب الله فبفرض الله طاعته عامة فى أمره تبعناه۔"(۱)

امام شافعیؒ کے اس موقف کو حافظ محمد گوندلویؒ (۲) نے بھی بہت تفصیل کے ساتھ تو قیر انقل کیا ہے۔ کچھ مزید تفصیل "اعلام الموقعین "(۳) لابن قیمؒ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

ذیل میں قرآن سے زائد احکام پر مشتمل چند احادیث کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱-قرآن میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن لفظ "خمر" سے بظاہر شراب کی اتنی ہی مقدار کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نشہ آور ہو، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء فى الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة ﴾(۴) یعنی "شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے۔" لیکن حدیث میں اس پر یہ زائد حکم بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے، "ما أسكر كثيره فقليله حرام۔"(۵)

۲-آیت:﴿وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما﴾(۶) یعنی "اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں ہو۔" سے معلوم ہوتا کہ محرم کے لئے شکار مطلقا حرام ہے لیکن قرآن اس پر بالکل خاموش ہے کہ جو شخص غلطی سے حالت احرام میں شکار کر لے اس کی جزا کی نوعیت کیا ہوگی؟ مگر حدیث بتاتی ہے کہ عمداً اور سہواً دونوں صورتوں میں جزا یکساں ہوگی۔

۳- قرآن کریم میں ہے :﴿وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما أمسكن عليكم﴾(۷) یعنی "اور جن شکاری کتوں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ"___اس آیت سے پتہ چلا کہ اگر کتا باقاعدہ شکار کے لئے سدھایا ہوا نہ ہو تو اس کا شکار حلال نہیں ہے، لیکن قرآن اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے کہ اگر سدھایا ہوا کتا شکار میں سے کچھ کھا لے تو یہ شکار حلال

---

(۱) الرسالۃ للإمام الشافعی، ص:۲۱۲ (۲) بغیۃ الفحول بشرح مختصر الأصول، ص:۸۳ (۳) اعلام الموقعین لابن قیم ۱/۴۱

(۴) المائدہ:۹۱ (۵) سنن أبی داؤد مع عون المعبود ۳/۳۶۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/۱۰۴، سنن نسائی کتاب الأشربہ نمبر ۲۵، مسند احمد ۲/۹۱، ۱۶۷ وغیرہ (۶) المائدہ:۹۶ (۷) المائدہ:۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگا یا نہیں؟ مگر حدیث بتاتی ہے کہ یہ شکار بھی حرام ہے۔(۱)

۴- قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:﴿وأن تجمعوا بين الأختين﴾(۲) یعنی ''اور (تمہارے لئے یہ حرام کیا گیا ہے کہ) تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو''۔ لیکن حدیث اس کے ساتھ خالہ و بھانجی اور پھوپھی و بھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع کرتی ہے۔ بظاہر اس اضافہ کی کوئی بنیاد قرآن میں موجود نہیں ہے، لیکن اگر "وأن تجمعوا بين الأختين" کی علت پر غور کیا جائے تو نبی ﷺ کے اس ارشاد کی اصل معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی جس طرح دو بہنوں کو سوکنوں کی شکل میں رکھنا ان کے رشتہ اخوت کو قطع کرنے کے مترادف ہے اسی طرح خالہ و بھانجی اور پھوپھی و بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی اسی علت کا حامل ہے۔ ایک دوسرے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا بھی ہے: "وإذا فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم۔" یعنی ''اور جب تم یہ کرو گے تو اپنی قرابتیں کاٹ ڈالو گے۔''(۳)

۵- قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:﴿حرمت عليكم ....... وأمهاتكم اللاتى أرضعنكم وأخواتكم من الرضاعة﴾(۴) یعنی ''تم پر حرام کی گئی ہیں ........ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔'' اس آیت میں صرف دو رضاعی رشتے حرام قرار دیئے گئے ہیں حالانکہ حدیث میں ان کے علاوہ بھی متعدد رشتے رضاعت کی بنا پر حرام ہیں۔''(۵)

۶- قرآن مجید میں ایک واضح اصول کے تحت نواقض وضو کا ذکر کیا گیا ہے لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نواقضات کے علاوہ ریاح خارج ہونا اور نیند آ جانا بھی نواقض وضو میں شامل ہیں۔

اب ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں قرآن کے ظاہری مفہوم کو حدیث کی روشنی میں ترک کر دیا جاتا ہے:

۱-﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص فى القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى﴾ (۶) یعنی ''اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں۔'' اس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر ڈالے تو وہ مرد قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ قرآن اس بارے میں ساکت ہے لیکن حدیث میں یہ اضافی حکم موجود ہے کہ

---

(۱) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/ ۶۸ (۲) النساء: ۲۳ (۳) صحیح البخاری مع فتح الباری ۹/ ۱۶۰
(۴) النساء: ۲۳ (۵) صحیح البخاری مع فتح الباری ۹/ ۱۳۹
(۶) البقرہ: ۱۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قصاص کے معاملہ میں تمام مسلمان یکساں ہیں۔ "تتکافؤ دماؤھم" اس لئے مقتولہ کے عوض میں قاتل کو قتل کیا جائے گا۔" (۱)

۲-﴿لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء إن اردن تحصنا﴾(۲) یعنی "اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں۔" اس آیت میں "إن أردن تحصنا" سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ لونڈیاں عفت اور پاکبازی کی زندگی گزارنے کے بجائے کسی اور سبب سے زنا پر آمادہ نہ ہوں تو ان کو بدکاری کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہاں "تحصنا" کی قید اتفاقی اور اظہار واقعہ کے لئے ہے، احترازی نہیں ہے۔ (۳)

۳-﴿حرمت علیکم ......... وربائبکم التی فی حجورکم﴾(۴) یعنی "تم پر حرام کی گئی ہیں......... تمہاری بیویوں کی (پہلے خاوند سے) وہ بیٹیاں جو تمہاری زیر پرورش رہتی ہوں" — لیکن حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ربیبہ لڑکیاں خواہ زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں بہر حال حرام ہیں۔ اس آیت میں "فی حجورکم" کی قید کسی قانونی پابندی کے اضافہ کے لئے نہیں بلکہ صرف اظہار واقعہ کے لئے ہے۔" (۵)

۴-﴿إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البیت أو اعتمر فلاجناح علیه أن یطوف بھما﴾(۶) یعنی "بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں، اگر وہ ان دونوں نشانیوں کا طواف کرے" — اس آیت سے بظاہر صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے حالانکہ حدیث کی روشنی میں یہ سعی واجب ہے۔ (۷)

۵-﴿فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوة إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا﴾(۸) یعنی "پس اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا اگر تم نماز کو کم کردو، اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تم کو پریشان کریں گے"۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دشمن سے خوف کی حالت ہی میں نماز قصر کی جا سکتی ہے، حالانکہ حدیث بتاتی ہے کہ حالت سفر میں خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو نماز قصر کی جا سکتی ہے، بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک تو حالت سفر میں نماز قصر کرنا واجب ہے۔

قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ایسی احادیث نبوی کے یقینی طور پر واجب العمل ہونے کی دلیل محی السنہ

---

(۱) کمافی تفسیر ابن کثیر ۱/۲۱۰ (۲) النور: ۳۳ (۳) کمافی تفسیر ابن کثیر ۳/۲۸۹

(۴) النساء: ۲۳ (۵) کمافی تفسیر ابن کثیر ۱/۴۷۱، صحیح البخاری مع فتح الباری ۹/۱۵۷

(۶) البقرہ: ۱۵۸ (۷) کمافی تفسیر ابن کثیر ۱/۱۹۹، صحیح البخاری مع فتح الباری ۳/۴۹۷

(۸) النساء: ۱۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"ومثال الثاني آية الوضوء وإنها مدنية إجماعا وفرضه كان بمكة مع فرض الصلوة وكآية الجمعة فإنها مدنية والجمعة فرضت بمكة، قيل والحكمة في ذلك تأكيد الحكم السابق بالآية المتلوة." (۱)

یعنی ''دوسری مثال یہ ہے کہ وضو کی آیت متفقہ طور پر مدنی ہے حالانکہ وضو نماز کے فرض ہونے کے ساتھ مکہ میں فرض ہوا تھا۔ اسی طرح جمعہ کی آیت بھی مدنی ہے جبکہ جمعہ مکہ میں فرض ہوا تھا، چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سابقہ حکم کو آیت نازل کر کے مؤکد کر دیا جائے''

ان دونوں واقعات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ آیات وضوو جمعہ نازل ہونے سے قبل بھی ان پر عمل کیا جاتا تھا، حالانکہ ان آیات کے نزول سے قبل تک ان احکام کا قرآن میں کوئی اشارہ تک موجود نہ تھا، پس معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں قرآن سے زائد احکام پر سنت نبوی کے مطابق مسلسل آٹھ سال عمل ہوتا رہا جو اثبات حکم میں سنت پر قطعی اعتماد کی واضح دلیل ہے، خواہ اس کا مضمون قرآن سے زائد ہی ہو۔ حضرت مقدامؓ بن معدیکرب سے مروی یہ حدیث بھی اس امر کی تائید کرتی ہے:

"قال رسول الله ﷺ ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه ، ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وإنما حرم رسول الله ﷺ كما حرم الله." (۲)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مثل ایک اور چیز۔ عنقریب ایک سیر شکم آدمی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے یوں گویا ہوگا کہ قرآن کا دامن تھامے رکھو، جو چیز اس میں حلال ہو اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو۔ لیکن خبردار رہو کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو وہ بھی اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی طرح حرام ہے۔''

قرآن سے زائد احکام پر مشتمل احادیث کے متعلق جناب حمید الدین فراہی صاحب کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے فراہی مکتب فکر کے ترجمان جناب خالد مسعود صاحب اپنے ایک مضمون: ''حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج'' میں لکھتے ہیں:

(۱) أبجد العلوم للنواب ۲/ ۶۳۷

(۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/ ۳۲۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۳۷۴، سنن ابن ماجہ ۱/ ۶، سنن الدارمی ۱/ ۱۴۴، مسند احمد ۴/ ۱۳۰، ۱۳۲، الکفایہ للخطیب، ص: ۸، تفسیر القرطبی ۱/ ۳۷-۳۸، جامع بیان العلم ۲/ ۱۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''اس کے بعد مولانا فراہی یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ اگر کسی حکم کا ماٴخذ قرآن میں متعین نہ کیا جا سکے اور حدیث کا حکم قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس پر اضافہ ہو تو یہ اضافہ اس بنا پر قبول کر لیا جائے گا کہ وہ اس نور و بصیرت کا نتیجہ ہے جو حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خاص عطا ہوئی تھی۔ ایسے احکام کو سنت میں مستقل اصل قرار دیا جائے گا کیونکہ ہمیں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے الخ۔'' (۱)

## ۴- مخالف قرآن احادیث

ایسی احادیث جو بظاہر قرآنی احکام سے متصادم معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ تعارض حقیقی نہیں ہوتا بلکہ معمولی فکر و تدبر سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ حدیث نبوی قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ سے ظاہر ہے، اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ یہ بیان و تبیین من جانب اللہ ہی بذریعہ وحی انجام پائی تھی، پس جب قرآن اور اس کی شرح، دونوں چیزیں ہی من جانب اللہ ہیں تو ان دونوں کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا عقلاً محال ہوا۔ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ولوكان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا﴾ (۲)

یعنی ''اگر یہ کلام غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سارے اختلافات پاتے۔''

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"نحن نقول قولا كليا نشهد الله وملائكته أن ليس في حديث رسول الله ﷺ ما يخالف القرآن ولا مايخالف العقل الصريح بل كلامه بيان للقرآن وتفسير له وتفصيل لما أجمله وكل حديث من رده بزعمه أنه يخالف القرآن فهو مطابق للقرآن وغايته أن يكون زائدا على ما في القرآن وهذا الذي أمر رسول الله ﷺ بقبوله۔" (۳)

یعنی ''ہم اللہ عز وجل اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کلی طور پر یہ کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قرآن یا عقل صریح کے مخالف ہو، بلکہ آں ﷺ کا کلام قرآن کی تبیین، اس کی تفسیر اور اس کے اجمال کی تفصیل ہے۔ جس حدیث کو کسی نے یہ سمجھ کر رد کیا ہے کہ وہ مخالف قرآن ہے تو درحقیقت وہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی احادیث قرآن سے زائد مضمون پیش کرتی ہیں اور ان روایات کو قبول کرنے کا خود رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔''

حافظ ابن قیمؒ سے بہت قبل امام شافعیؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب ''الرسالہ'' (۴) میں اس موضوع پر

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۳۷، ص: ۳۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۲) النساء: ۸۲

(۳) الصواعق المرسلہ لابن قیم ۲/۵۲۹

(۴) الرسالہ للامام الشافعی ص: ۸۴، ۸۶، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۷۲-۱۷۳، ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۵۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


انتہائی بسط سے روشنی ڈالی ہے اور بدلائل قوی یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث محدثین کی شرط پر صحیح ہو تو کبھی بھی قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ بخوف طوالت ہم یہاں امام شافعیؒ کے تمام دلائل پیش کرنے کی بجائے صرف ان کے حوالہ جات اور اس ایک مختصر عبارت کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں:

"ولم نجد عنه حديثين مختلفين إلا ولهما مخرج أوعلى أحدهما دلالة بأحد ما وصفت إما بموافقة الكتاب أو غيره من السنة أو بعض الدلائل."(۱)

حافظ الکندیؒ امام ابن خزیمہؒ سے نقل فرماتے ہیں:

"لا أعرف أنه روى عن النبي ﷺ حديثان بإسنادين صحيحيين متضادين فمن كان عنده فليأتني به لأولف بينهما." (۲)

''مجھے کسی دو ایسی حدیثوں کا علم نہیں ہے جو نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں اور باہم متضاد ہوں۔ اگر کسی شخص کے پاس ایسی کوئی چیز ہو تو اسے میرے پاس لائے تاکہ میں ان کے مابین جمع وتطبیق پیدا کردوں۔''

اور ابن جبیر سے مروی ہے:

"ما بلغني حديث على وجهه إلا وجدت مصداقه في كتاب الله تعالى." (۳) ''میرے پاس ایسی کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے کہ جس کا مصداق مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ مل پایا ہو۔''

اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے تخریج فرمائی ہے:

"إذا حدثتكم بحديث أنبأتكم بتصديقه من كتاب الله ." (۴) ''جب میں تم کو کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو تم کو کتاب اللہ سے اس کی تصدیق بھی بتا دیتا ہوں۔''

امام ابن حزم اندلسیؒ نے بھی اس بارے میں کافی مفید بحث درج فرمائی ہے، چنانچہ محمد بن عبداللہ بن میسرہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

''حدیث کی تین قسمیں ہیں: ۱- جو کچھ قرآن میں ہے، اس کے موافق حدیث ــــــ اس کا اخذ کرنا فرض ہے، ۲- جو کچھ قرآن میں ہے، اس پر زائد حدیث ــــــ پس یہ حدیث مضاف الی مافی القرآن ہے، اس کا اخذ کرنا بھی فرض ہے، اور ۳- جو کچھ قرآن میں ہے، اس کے مخالف حدیث ــــــ پس یہ مطرح ہے۔''(۵)

---

(۱) الرسالۃ، ص: ۲۱۶ (۲) الکفایۃ للخطیب، ص: ۴۳۲-۴۳۳، الاجوبۃ الفاضلۃ، ص: ۱۸۴-۱۸۵
(۳) قواعد التحدیث للقاسمی، ص: ۵۹ (۴) نفس مصدر
(۵) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم، ص: ۱۹۷-۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پھر اس قول کی زبردست تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی خبر صحیح کے احکام قرآن کے خلاف موجود ہونیکی اصلاً کوئی سبیل نہیں ہے۔ ہر خبر شریعت ہے ......... ولاسبیل إلی وجہ ثالث۔"(۱)

اور جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے استاذ جناب حمید الدین فراہی صاحب بھی جزوی طور پر اسی فکر کے قائل ہیں، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید پیش کیا کرتا ہوں۔ پہلے آیت کی تاویل مماثل آیات سے کرتا ہوں، اس کے بعد تبعاً احادیث صحیحہ کا ذکر کرتا ہوں تاکہ ان منکرین کو معارضہ کی راہ نہ ملے جنہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔"(۲)

اوپر ہم نے جناب حمید الدین فراہی صاحب کے متعلق "جزوی طور پر اسی فکر کے قائل" ہونے کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ آں موصوف کے نزدیک جو حدیث بظاہر مخالف قرآن وارد ہو وہ اصلاً صحیح ہو ہی نہیں سکتی، اگرچہ وہ اصولاً صحیح قرار پاتی ہو، لہٰذا اسے قبول نہیں کیا جائیگا۔ تعارض کے حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہونے کی آں موصوف کے نزدیک، غالباً کوئی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"...... احکام کی ایسی روایات جنکی بنیاد، نہ قرآن میں ملتی ہو اور نہ اس اضافہ کا قرآن متحمل ہوتا ہو اور وہ قرآن کے نصوص کے خلاف ہوں یا ان کے ماننے سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہو ان کو ترک کرنا ضروری ہوگا کیونکہ ان کی نسبت نبی ﷺ کے ساتھ درست نہیں۔ ان احکام کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔"(۳)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"بعض روایات ایسی بھی نقل ہوگئی ہیں جو قرآن مجید کی اصل کو ڈھانے والی ہیں۔ ایسی روایات کو قبول کرنا خود قرآن کا انکار کرنا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کو اس کی اصل سے پھیر دیں گے لیکن روایت کی تاویل کی جرأت نہیں کریں گے۔ اس کی خاطر بسا اوقات وہ صرف آیت کی غلط تاویل ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ اس کے نظام کی قطع و برید بھی کر ڈالتے ہیں، حالانکہ جب اصل و فرع میں تعارض ہو تو کاٹنے کی چیز فرع ہوتی ہے نہ کہ اصل۔"(۴)

ذیل میں ہم اس قسم کی بعض احادیث اور ان کے مخالف قرآن ہونے کی حقیقت پر تبصرہ پیش کرتے ہیں:

---

(۱) الإحکام في أصول الأحکام لابن حزم، ص:۲۰۱

(۲) رسالہ "تدبر" لاہور عدد ۳۲، ص:۳۷ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

(۳) نفس مصدر، ص:۳۶

(۴) نفس مصدر، ص:۳۴ (بحوالہ مقدمہ نظام القرآن للفراہی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# ۱- حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ کی حقیقت

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ﴿واذکر فی الکتاب ابراھیم إنه کان صدیقا نبیا﴾ (۱) یعنی "حضرت ابراہیم علیہ السلام انتہائی راست باز نبی تھے" ـــــ لیکن ایک صحیح حدیث میں مروی ہے: "لم یکذب ابراھیم علیه السلام إلا ثلاث کذبات۔" (۲) یعنی "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین مواقع پر جھوٹ سے کام لیا تھا۔" بظاہر یہ حدیث قرآن سے متصادم نظر آتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیر مطالعہ حدیث قرآن سے کسی طرح متعارض نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں جو تین کذب مذکور ہیں ان میں سے دو وقائع کا تذکرہ تو خود قرآن میں موجود ہے اور تیسرے واقعہ کا ذکر بائیبل (۳) کے علاوہ کتب حدیث میں ہے، پس ان وقائع کا انکار کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ جہاں تک "توریہ" وغیرہ کے ساتھ اس کی تاویل کا تعلق ہے تو یہ اطلاق کذب کو مانع نہیں ہے، نہ اس سے کوئی محذور شرعی لازم آتا ہے اور نہ کسی اصول متفق علیہا کا خلاف ثابت ہوتا ہے، چونکہ "توریہ" و "تعریض" اصل واقعہ کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوتا ہے لہذا شرعاً جائز ہے۔ "توریہ" پر کذب کا اطلاق اس لحاظ سے درست ہے کہ واقع کے مطابق مخاطب کو اصل مقصود باور کرانا نہیں ہوتا۔ لہذا اس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عصمت قطعاً داغدار نہیں ہوتی، جیسا کہ آگے واضح کیا جائیگا۔

غالباً امام رازی وہ پہلے شخص ہیں جن کو یہ حدیث پہلی بار کھٹکی تھی اور انہوں نے دبے الفاظ میں اس کے انکار کی کوشش کی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں:

"انبیاء کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنے سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ اس روایت کے راویوں کی طرف اسے منسوب کیا جائے۔" (۴)

اور

"جب نبی اور راوی میں سے کسی ایک کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا پڑ جائے تو ضروری ہے کہ اسے نبی کے بجائے راوی کی طرف منسوب کیا جائے۔" (۵)

لیکن آں رحمہ اللہ نے اس چیز پر غور نہ فرمایا کہ جن رواۃ سے یہ حدیث مروی ہے، انہی رواۃ سے اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں۔ جس عیب کی بنا پر زیر مطالعہ حدیث کو رد کیا جائے گا لامحالہ اس کا اثر ان کی

---

(۱) المریم: ۴۱
(۲) صحیح البخاری مع فتح الباری ۶/ ۳۸۸
(۳) کتاب پیدائش باب ۱۲
(۴) تفسیر الکبیر للرازی ۶/ ۱۱۳
(۵) نفس مصدر ۷/ ۱۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



باقی تمام احادیث پر بھی پڑے گا، اس لئے یہ انکار باعتبار نتائج آسان نہیں بلکہ انتہائی خطرناک ہے۔

امام رازیؒ کے بعد علامہ قسطلانیؒ نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ ان علماء کی رائے سے موافقت رکھنے والے علماء کا خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ اخبار آحاد ہیں اس لئے جرأت کے ساتھ کہہ دینا چاہیئے کہ اگرچہ یہ روایتیں صحیحین کی ہیں اور اس لئے مشہور کی حد تک پہنچ گئی ہیں مگر راوی کو ان روایات میں سخت مغالطہ ہوا ہے، لہذا ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ایک نبی کی جانب کذب کی نسبت کے مقابلہ میں راویوں کی غلطی کا اعتراف بدرجہا بہتر اور صحیح طریق کار ہے۔

متأخرین علماء میں مشہور مصری عالم عبدالوہاب نجار نے ''قصص الانبیاء'' میں امام رازیؒ کی رائے کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے کافی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے، اور حضرت ابراہیمؑ وسارہ کے واقعہ سے انکار کیا ہے۔

جناب حمید الدین فراہی صاحب بھی ''مقدمہ نظام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''بعض لوگ ایسی روایات تک کو قبول کر لیتے ہیں جو نصوص قرآنی کی تکذیب کرتی ہیں، مثلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے کی روایت یا آنحضرت ﷺ کے خلاف وحی قرآن پڑھ دینے کی روایت۔''(۱)

امام رازی، عبدالوہاب نجار اور حمید الدین فراہی صاحبان وغیرہ کی اتباع میں بعض دوسرے علمائے حنفیہ نے بھی ان صحیح روایات کو رد کرنے کے لئے انتہائی مضحکہ خیز اور لایعنی احتمالات پیش کیے ہیں۔ ذیل میں ایسی ہی کوششوں سے متعلق بعض مشہور حنفی علماء کی کتب سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

جناب حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحب لکھتے ہیں:

''لہذا ازبس ضروری ہے کہ ایسی روایت یا روایت کے جملہ کو جو اپنی لفظی اور ظاہری تعبیر میں مسلم عقیدہ کے بارے میں ایہام پیدا کرتا ہو صحیح اور مقبول، مشہور اور متواتر روایات حدیثی کے انکار پر حجت ودلیل قائم نہ کرلیں اور اس کو انکار حدیث کا ذریعہ بنا کر قرآن عزیز کو ایک ایسی اجنبی کتاب نہ بنا دیں جس کی تعبیر کے لئے نہ کسی پیغمبر کے تفسیری اقوال ہیں اور نہ تشریحی اعمال......... البتہ اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ تمام احادیث رسول روایت باللفظ نہیں ہیں بلکہ بعض روایات بالمعنی ہیں یعنی یہ نہیں ہے کہ رسول پاکؐ نے جو بھی الفاظ زبان مبارک سے فرمائے ہوں راوی نے ایک ایک لفظ اسی طرح نقل کر دیا ہو بلکہ معنی ومفہوم کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اس روایت کے الفاظ راوی کی اپنی تفسیر ہوتے ہیں، پس ان اہم اور بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب مسئلہ زیر بحث کو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ بخاری کی احادیث کو بلاشبہ تلقی بالقبول حاصل

---

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۳۷، ص:۳۴ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے اور یہ بھی تسلیم کہ یہ کتاب جرح ونقد پر کسے جانے اور پرکھے جانے کے بعد امت میں شہرت وقبولیت کا وہ درجہ رکھتی ہے کہ کتاب اللہ کے بعد اس کو اصح الکتب کہا جاتا ہے تاہم یہ ممکن ہے کہ روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے اس کی کسی روایت میں راوی سے لفظی تعبیر میں سقم پیدا ہو گیا ہو اور روایت اگرچہ اپنے سلسلۂ سند اور مجموعہ متن کے اعتبار سے اصولاً قابل تسلیم ہو مگر اس جملہ کی تعبیر کو سقیم سمجھا جائے اور اصل روایت کو رد کرنے کے بجائے صرف اس کے سقم کو ظاہر کر دیا جائے......... بغیر کسی شک اور تردد کے یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ سے متعلق یہ (طویل روایات) روایت بالمعنی کی قسم میں داخل ہیں، اور یہ دعوی ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ الفاظ اور جملوں کی پوری نشست نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست ہے بلکہ آپ کے مفہوم اور معنی کو ادا کرتی ہیں، لہذا ہوسکتا ہے کہ (ہر دو روایات میں) بیان کردہ واقعات کی صحت کے باوجود زیر بحث الفاظ سلسلۂ سند کے کسی راوی کے اختلال لفظی کا نتیجہ ہوں اور اس سے یہ تعبیری سقم پیدا ہو گیا ہو۔ خصوصا جب کہ اس کے لئے یہ قرینہ بھی موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ وسارہؑ اور شاہ مصر کا یہ واقعہ توراۃ میں بھی مذکور ہے اور وہاں اس قسم کے غیر محتاط جملے بکثرت موجود ہیں، لہذا یہ ممکن ہے کہ راوی سے اس اسرائیلی روایت اور صحیح روایت کے درمیان تعبیر میں خلط ہو گیا ہو اور اس لئے اس نے معاملہ کی تعبیر زیر بحث الفاظ سے کردی ہو۔'' (۱)

عبدالوہاب نجار، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ابوالکلام آزاد، حمیدالدین فراہی، شبلی نعمانی، امین احسن اصلاحی، سید ابوالاعلی مودودی اور حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی صاحبان وغیرہم نے بھی اس صحیح حدیث کا انکار کیا ہے۔ یہاں ان تمام حضرات کے طویل اقتباسات نقل کرنے اور ان پر تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا ذیل میں ہم صرف جناب سید ابوالاعلی مودودی اور حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی صاحبان کے اعتراضات نقل کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کریں گے۔ جناب شبلی نعمانی صاحب کے اعتراضات کے جواب کے لئے ''حسن البیان'' مؤلفہ جناب محمد عبدالعزیز محمدی رحیم آبادیؒ (م ۱۳۳۸ھ) (۲) وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ جناب امین احسن اصلاحی کے اعتراض کا جائزہ ان شاء اللہ آگے باب ہشتم (''حدیث کے غث وسمین میں امتیاز کے لئے اصلاحی صاحب کی اساسی کسوٹیوں کا جائزہ'') کے تحت مختصراً پیش کیا جائیگا۔ باقی حضرات کے اعتراضات کے جوابات بھی ان بحثوں میں آجاتے ہیں۔

جناب سید ابوالاعلی مودودی صاحب نے اس حدیث پر ''رسائل ومسائل'' اور ''تفہیم قرآن'' میں کلام کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

---

(۱) قصص القرآن لسیوھاری ۱/ ۱۹۹-۲۰۸ (طبع چہارم)　　(۲) حسن البیان لعبدالعزیز رحیم آبادی، ص: ۱۳۲، ۱۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''حضرت ابراہیمؑ نے بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کہی تھی کہ وہ لوگ جواب میں خود اقرار کریں کہ ان کے یہ معبود بالکل بے بس ہیں اور ان سے کسی فعل کی توقع تک نہیں کی جاسکتی، ایسے موقع پر ایک شخص استدلال کی خاطر جو خلاف واقعہ بات کہتا ہے اس کو جھوٹ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ نہ وہ خود جھوٹ کی نیت سے ایسی بات کہتا ہے اور نہ اس کے مخاطب ہی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں، کہنے والا اسے حجت قائم کرنے کے لئے کہتا ہے اور سننے والا بھی اسے اسی معنی میں لیتا ہے۔

بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آ گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ ان میں سے ایک ''جھوٹ'' تو یہ ہے (کہ اس بڑے بت نے کیا ہے) اور دوسرا جھوٹ سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم کا قول ''اِنی سقیم'' اور تیسرا ''جھوٹ'' ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ بلکہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کی چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ اس ایک روایت کو......لے کر پورے ذخیرۂ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ساری ہی حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو کیونکہ ان میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں اور نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کا ملتزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی کریم ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر متن میں کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ حدیث جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین ''جھوٹ'' بیان کئے گئے ہیں صرف اسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں ہے کہ یہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے بلکہ اس بنا پر غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں۔ ان میں سے ایک ''جھوٹ'' کا حال ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ کوئی معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی اس سیاق و سباق میں حضرت ابراہیمؑ کے اس قول پر لفظ ''جھوٹ'' کا اطلاق نہیں کر سکتا۔ کجا کہ ہم نبی ﷺ سے ۔معاذ اللہ۔ اس سخن شناسی کی توقع کریں۔ رہا ''اِنی سقیم'' والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اس وقت بالکل صحیح وتندرست تھے اور کوئی ادنی سی بھی شکایت ان کو نہ تھی۔ یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیر بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔

اب رہ جاتا ہے بیوی کو بہن قرار دینے کا واقعہ تو وہ بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں ہوسکتا۔ قصہ اس وقت کا بتایا جاتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ مصر گئے ہیں۔ بائبل کی رو سے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۷۵/ اور حضرت سارہ کی عمر ۶۵/ برس سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اور اس عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ شاہ مصر اس خوبصورت خاتون کو حاصل کرنے کی خاطر مجھے قتل کردیگا۔ چنانچہ وہ بیوی سے کہتے ہیں کہ جب مصری تمہیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے لگیں تو تم بھی مجھے اپنا بھائی بتانا اور میں بھی تمہیں اپنی بہن بتاؤں گا تاکہ میری جان تو بچ جائے (پیدائش باب۱۲)

حدیث کی زیر بحث روایت میں تیسرے ''جھوٹ'' کی بنیاد اسی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لئے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے؟ اسی طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہونچادیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کررہے ہیں۔''(۱)

ایک اور مقام پر جناب ابوالاعلی مودودی صاحب رقمطراز ہیں:

''میں نے وہ دلائل بھی بیان کردیئے ہیں جن کی بنا پر میں اس روایت کے مضمون کی صحت تسلیم کرنے میں متأمل ہوں۔ اگر میرے ان دلائل کو دیکھ کر آپ کا اطمینان ہوجائے تو اچھا ہے اور نہ ہو تو جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں اسی کو صحیح سمجھتے رہیں۔ اس طرح کے معاملات میں اگر اختلاف رہ جائے تو آخر مضائقہ کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حدیث کا مضمون اس لئے قابل قبول ہے کہ وہ قابل اعتماد سندوں سے نقل ہوئی ہے اور بخاری، مسلم، نسائی اور متعدد دوسرے اکابر محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک وہ اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اس میں ایک نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ چند راویوں کی روایت پر اسے قبول کرلیا جائے ...... مگر میں اس روایت کے ثقہ راویوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے جھوٹی روایت نقل کی ہے بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔ اس لئے اسے نبی ﷺ کا قول قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ محض سند کے اعتماد پر ایک ایسے

(۱) تفہیم القرآن للمودودی ج۳، ص:۱۶۷، رسائل ومسائل ج۲، ص:۳۵-۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مضمون کو آنکھیں بند کر کے ہم کیسے مان لیں جس کی زد انبیا علیہم السلام کے اعتماد پر پڑتی ہے؟ الخ۔"(۱)

اور انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان کے مؤسس جناب حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی صاحب، جناب سید ابوالاعلی مودودی صاحب کے منقولہ بالا اقتباسات کو تائیداً نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ تو علامہ مودودی مرحوم کا بیان تھا لیکن محدثین کے یہاں حدیث کی ایک اصطلاح ادراج ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی صحیح روایت میں راوی کے الفاظ داخل کر دیئے جائیں اور اس راوی کے الفاظ کو غلطی سے حدیث سمجھ لیا جائے تو ہوسکتا ہے راوی نے بطور تشریح اسرائیلی روایت بیان کی ہو اور بعد کے راوی نے اسے حدیث رسول سمجھ لیا ہو اور پھر حدیث رسول کہہ کر بیان کر دیا ہو۔ ایسی حدیث کو مدرج بولتے ہیں۔ یہاں مدرج کی تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ ہم اس کی تفصیل پیش کر دیتے۔"(۲)

ہماری شدید خواہش ہے کہ جناب حفظ الرحمٰن سیوھاروی، سید ابوالاعلی مودودی اور حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی وغیرہ صاحبان کے مذکورہ بالا احتمالات کا تفصیلی جواب پیش کریں، لیکن بخوف طوالت اور موضوع سخن سے براہ راست متعلق نہ ہونے کے باعث ان منقولہ عبارتوں کی صرف چند واضح اغلاط کی نشاندہی پر ہی اکتفا کرتے ہیں، کبھی اللہ تعالی نے مہلت اور توفیق بخشی تو ان شاءاللہ اس موضوع پر مفصل بحث بھی کی جائیگی۔ فی الحال منقولہ اقتباسات کی چند واضح اور اہم اغلاط ملاحظہ فرمائیں:

۱- جناب سیوہاروی صاحب کے انکار کی بنیاد کسی ٹھوس دلیل پر نہیں بلکہ فقط اس احتمال پر ہے کہ: "یہ ممکن ہے کہ روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے اس کی کسی روایت میں راوی سے لفظی تعبیر میں سقم پیدا ہو گیا ہو۔" اور "یہ دعوی ہر گز نہیں کیا جاسکتا کہ الفاظ اور جملوں کی پوری نشست نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست ہے"۔۔۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جناب سیوہاروی صاحب کو اس روایت کے باللفظ نہ ہونے کا علم کیوں کر ہوا؟ اگر یہ قیاس ہے، اور یقیناً قیاس ہے جیسا کہ الفاظ "یہ ممکن ہے کہ" سے مترشح ہے تو محض ایک بلا دلیل قیاس کی بنیاد پر کسی صحیح حدیث کو رد کرنا کسی صحیح الذہن شخص کے نزدیک درست نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ دعوی نہیں کیا جاسکتا کہ "الفاظ اور جملوں کی پوری نشست..... الخ" تو آخر یہ دعوی کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ الفاظ اور جملوں کی پوری نشست نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست نہیں ہے؟

۲- جناب مودودی صاحب کے انکار کی بنیاد یہ چند وجوہ ہیں: (الف) بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آ گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ (ب) حضرت

---

(۱) رسائل ومسائل: ۳/۶۱، ۶۲ (۲) مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت للکاندھلوی ۲/۴۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابراہیمؑ کے قرآن میں مذکورہ اقوال پر لفظ جھوٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔(ج) یہ روایت ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔(د) اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں۔(ھ) جس وقت شاہ مصر کا حضرت سارہ کو چھیننے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۷۵/ اور حضرت سارہ کی عمر ۶۵ سال تھی، چنانچہ اس عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف لاحق ہونا بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ہر شخص اس کو سن کر ماننے سے انکار کردے گا۔(و) سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے ایسے اسباب ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے۔(ز) اس طرح کے معاملات میں اگر اختلاف ہو بھی جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور (ح) کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ جاننی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ ''بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں''مذکور نہیں، بلکہ صرف ''صحیح البخاری'' میں ہی ان کذبات کا تذکرہ تقریباً پانچ مقامات پر مذکور ہے، کہیں پورا متن ہے، کہیں مختصر، کہیں تعلیقا اور کہیں مرفوعا۔ البتہ ''کتاب الانبیاء'' میں یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔اس کے علاوہ احادیث شفاعت میں بھی ان کذبات کا ذکر ہے، چنانچہ مروی ہے کہ قیامت کے دن جب میدان حشر میں لوگ پریشان ہوکر مختلف انبیاء کے پاس جائیں گے اور تعجیل و تسہیل حساب کے لئے اللہ تعالی سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء کرام شفاعت کرنے سے انکار کردیں گے اور اپنے انکار کی مختلف وجوہ بیان کریں گے۔اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے ان تینوں کذبات کا یوں ذکر کرتے ہوئے معذرت فرمائیں گے: "إني قد كذبت ثلاث كذبات". واضح رہے کہ میدان حشر سے متعلق یہ حدیث صحیح البخاری کے علاوہ صحیح مسلم، جامع الترمذی، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، المستدرک للحاکم، معجم الطبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند ابو عوانہ میں بھی مختلف اصحاب رسولؐ سے مروی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ''کذبات ثلاثہ'' کے متعلق روایات کے لئے ''صحیح البخاری''(۱)، ''صحیح مسلم''(۲)، ''جامع الترمذی''(۳)، ''سنن ابی داؤد''(۴)، اور ''مسند احمد''(۵) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں حضرت ابراہیمؑ کے اقوال ''انی سقیم'' اور ﴿بل فعله كبيرهم هذا﴾ وغیرہ پر ''کذب'' کا جو اطلاق کیا گیا ہے وہ لغۃً ہے اصلاً وہ کذب شرع میں محرم نہیں ہے۔ خود مودودی صاحب

---

(۱) ۳۸۸/۶، ۱۲۶/۹ (۲) کتاب الفضائل باب: ۱۵۴ (۳) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۱۴۸/۴
(۴) سنن أبي داؤد مع عون المعبود ۲۳۳/۲ (۵) ۴۰۳/۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے اس جملہ میں کہ ''حضرت ابراہیمؑ نے بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔'' اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آں علیہ السلام نے اگرچہ ایک خلاف واقعہ بات کہی تھی لیکن ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔ دراصل جناب مودودی صاحب یا دیگر منکرین نے حدیث میں وارد لفظ ''کذب'' کو شرع میں محرم ''جھوٹ'' پر محمول کرلیا ہے، حالانکہ عربی لغت میں کذب جھوٹ سے کہیں زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ہے۔ مثلا ''كذبته نفسه" سے مراد یہ ہے کہ ''اسے اس کے نفس نے ترغیب دلائی۔'' جوہری اور فراء کے قول کے مطابق کذب، بمعنی وجوب کے بھی ہیں۔(۱) کبھی کذب، لزوم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلا یہ بولا جاتا ہے کہ "كذب عليكم الحج والعمرة۔" یعنی ''تم پر حج اور عمرہ لازم ہوگیا۔'' اسی طرح کذب غلطی اور خطا کے لئے بھی بولا جاتا ہے، مثلا: "كذب ابو محمد" یعنی ''(صحابی رسول) ابومحمد (سعود بن زیدؓ) نے غلطی کی۔'' اجتہادی خطا پر بھی کذب کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ نے تابعی نوف بقالی کے متعلق فرمایا تھا "كذب عدو الله" یعنی ''اللہ کے دشمن (نوف) نے غلطی کی۔'' اسی طرح عربی شاعر ذوالرمہ کا قول ہے: "مافی سماعه كذب" یعنی ''اس کے سماع میں غلطی نہیں ہے۔'' کبھی کذب کا اطلاق تعریض وتوریہ پر بھی ہوتا ہے یعنی جب متکلم خبر واقعہ اور مخبر عنہ کے مطابق دے لیکن امر واقعہ اور حقیقت کو مخاطب سے مخفی رکھنا چاہے۔ توریہ وتعریض حقیقت میں سچ ہوتا ہے لیکن سامع کی فہم کے اعتبار سے اسے کذب بھی کہا جاسکتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

"والتعريض كلام له وجهان من صدق و كذب أو ظاهر وباطن، قال:﴿ فيما عرضتم به من خطبة النساء۔﴾(۲) یعنی ''تعریض ایسی گفتگو ہوتی ہے جس کے دو پہلو ہوتے ہیں: صدق وکذب یا ظاہر وباطن جیسے "فيما عرضتم به من خطبة النساء۔" سے واضح ہے۔''

علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں:

"إن الكذب ضد الصدق وإن افترقا من حيث النية والقصد لأن الكاذب يعلم أن ما يقوله كذب والمخطئ لايعلم۔" (۳)

اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی ﷺ کے غزوات وغیرہ میں بھی ملتی ہیں، چنانچہ مروی ہے: "الحرب خدعة" (۴) یعنی ''جنگ میں دھوکہ درست ہے۔'' اسی طرح سفر ہجرت میں جب کسی شخص نے حضرت ابوبکرؓ سے نبی ﷺ کے متعلق دریافت کیا کہ ''یہ آپ کے رفیق کون ہیں؟'' تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا تھا: "رجل

---

(۱) النہایہ لابن الأثیر ۴/۱۲-۱۳
(۲) المفردات للراغب الاصفہانی، ص: ۱۰۲
(۳) النہایہ لابن أثیر ۴/۱۳
(۴) صحیح مسلم ۲/۸۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یهدینی السبیل۔ "یہ وہ شخص ہیں جو میری رہنمائی کرتے ہیں۔" لوگ حضرت ابوبکرؓ کے جواب سے دنیاوی رہبری مراد لیتے حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کی مراد آخرت کی رہنمائی تھی۔ کیا زیر مطالعہ حدیث کے منکرین اس جواب کی روشنی میں انہیں "کاذب" کہنے کی جسارت کریں گے؟ حالانکہ آں رضی اللہ عنہ کا لقب ہی "الصدیق" تھا۔ اگر نہیں، تو پھر اس قول کو تعریض پر ہی محمول کرنا پڑے گا، پس اگر ایک صحابیٔ رسول کے لئے تعریض کا استعمال ممکن ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے مقام نبوت کے پیش نظر ان کے اقوال کو تعریض سے تعبیر کرنا بدرجہا اولی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث زیر مطالعہ میں "کذب" کو تعریض پر اس طرح محمول کرنا کہ "سقیم" سے دو معنی مراد ہیں: جسمانی مریض اور روحانی مریض (اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے)، "کبیرھم" سے بھی ذو معنی مراد ہیں: بڑا بت اور اللہ تعالیٰ (یہاں حضرت ابراہیمؑ کی مراد دوسرے معنی سے ہے) اور "اختی" کے معنی بھی نسبتی اور دینی بہن کے ہیں (یہاں بھی دوسرا معنی مراد ہے) گویا حضرت ابراہیمؑ نے تعریض وتوریہ کے ذریعہ اپنے مخاطبین کو ظاہری معانی میں الجھا دیا اور خود اس کا مخفی معنی مراد لیا ــــ ایک بالکل صحیح اور معقول توجیہ ہے۔ اس سے نہ حضرت ابراہیمؑ کی عصمت ونبوت پر کوئی "زد" پڑتی ہے اور نہ ہی "کذبات ثلاثہ" والی روایت، قرآن کی آیت: ﴿إنه كان صديقا نبيا﴾ کے خلاف باقی رہتی ہے۔ واضح رہے کہ اس توجیہ میں جناب مودودی صاحب کے اس اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ "رہا "انی سقیم" والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اس وقت بالکل صحیح وتندرست تھے اور کوئی ادنی سی بھی شکایت ان کو نہ تھی۔"

اس تعریض وتوریہ کے متعلق حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"الكلام له نسبتان نسبة إلى المتكلم وقصده وإرادته ونسبة إلى السامع وإفهام المتكلم اياه مضمونه فإذا أخبر المتكلم بخبر مطابق للواقع وقصد إفهام المخاطب إياه صدق بالنسبتين فإن المتكلم إن قصد الواقع وقصد إفهام المخاطب فهو صدق من الجهتين وإن قصد خلاف الواقع وقصد مع ذلك إفهام المخاطب خلاف ما قصد بل معنى ثالثا لا هو الواقع ولا هو المراد فهو كذب من الجهتين بالنسبتين معاً وان قصد معنى مطابقا صحيحا وقصد مع ذلك التعمية على المخاطب وإفهامه خلاف ما قصده فهو صدق بالنسبة إلى قصده كذب بالنسبة إلى إفهامه ومن هذا الباب التورية والمعاريض وبهذا أطلق عليها ابراهيم الخليل ﷺ اسم الكذب مع أنه الصادق فی خبره ولم يخبر إلا صدقا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فتأمل هذا الموضع الذی اشکل علی الناس وقد ظهر بهذا أن الکذب لا یکون قط إلا قبیحا وإن الذی یحسن و یحب إنما هو التوریة وهی صدق وقد یطلق علیه الکذب بالنسبة إلی الإفهام لا إلی العنایة ۔"(۱)

یعنی" کلام وگفتگو کی دو نسبتیں یا حیثیتیں ہوتی ہیں:۱- متکلم کے قصد وارادے کے لحاظ سے، ۲- سامع کے اعتبار سے، یعنی متکلم سامع کے ذہن میں کیا بات اتارنا چاہتا ہے۔ ان دونوں نسبتوں کے لحاظ سے کلام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:۱- متکلم اصل واقعہ کے مطابق خبر دے اور اس کی نیت بھی یہی ہو کہ صحیح صورت حال سے مخاطب آگاہ ہوجائے ۔ یہ صورت مذکورہ بالا دونوں نسبتوں کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوگی۔۲- دوسری صورت یہ ہے کہ خلاف واقعہ خبر دی جائے اور جو متکلم کا مقصود ہے وہ بھی مخاطب پر ظاہر نہ ہونے دیا جائے بلکہ کوئی تیسرا مفہوم مخاطب کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جائے جو نہ واقع کے بیان کے مطابق ہو اور نہ متکلم کا مطمح نظر ہو، اس صورت کو دونوں نسبتوں کے لحاظ سے کذب (جھوٹ) مانا جائے گا۔۳- تیسری شکل یہ ہے کہ متکلم کا پیش نظر واقع کے مطابق صحیح خبر دینا ہی مقصود ہوتا ہے، لیکن وہ گفتگو کا اسلوب ایسا اختیار کرتا ہے کہ مخاطب کا ذہن متکلم کے اصل مقصد کو سمجھنے کے بجائے ایسے امر کی طرف منتقل ہوجائے جو متکلم کا منشا نہیں ہے۔ یہ صورت اصل واقعہ کے لحاظ سے صدق ہے لیکن مخاطب کے فہم کے اعتبار سے اس پر کذب کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔ اس قسم کے اسلوب کلام کو توریہ اور تعریض کہا جاتا ہے۔ اس پہلو کے پیش نظر حضرت ابراہیمؑ پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے، ۔ ورنہ اصل واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت ابراہیمؑ اس گفتگو میں سچے ہیں۔"

امام ابن تیمیہؒ نے بھی خبر کے صدق وکذب کے متعلق نہایت نفیس بحث فرماتے ہوئے تقریباً وہی بات فرمائی ہے جس کی تفصیل علامہ حافظ ابن قیمؒ کی مندرجہ بالا عبارت میں گزر چکی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والخبر تارة یکون مطابقا لمخبره کالصدق المعلوم أنه صدق وتارة لایکون مطابقا لمخبره کالکذب المعلوم أنه کذب وقد تکون المطابقة فی عنایة المتکلم وقد یکون فی إفهام المخاطب وإذا کان اللفظ مطابقا لما عناه المتکلم ولم یطابق إفهام المخاطب فهذا أیضا قد یسمی کذبا وقد لا یسمی و منه المعاریض لکن یباح للحاجة ۔" (۲)

امام نوویؒ شرح "صحیح مسلم" میں فرماتے ہیں:

"بعض علماء مثلاً طبری وغیرہ کا قول ہے کہ کذب کسی بھی بارے میں اصلاً جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے

(۱) مفتاح دار السعادۃ ومنشور العلم والارادۃ لابن قیم ۲/۳۹ (۲) الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح لشیخ الاسلام ۴/۲۸۸ (ملخصا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہیں کہ کذب کی اباحت کے متعلق حضرت ابراہیم و یوسف علیہما السلام کے واقعات میں جو کچھ وارد ہے اس سے مراد توریہ و معاریض کا استعمال ہے نہ کہ صریح کذب کا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات کو ادا کیا جائے جس سے مخاطب متکلم کے اصل منشا کو سمجھنے کے بجائے وہ مطلب سمجھے جو اصلاً اس کا مقصد نہیں ہے۔ یہ معاریض مباح ہیں، پس یہ تمام وقائع جائز و درست ہیں۔ ان علماء نے حضرت ابراہیم و یوسف علیہما السلام کے واقعات کی معاریض کے طریقہ پر تاویل فرمائی ہے۔"(۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) زیر مطالعہ حدیث پر شیعوں کے طعن کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس روایت میں لفظ کذب کا تعریض کے معنی میں ہے کہ بحسب ظاہر جھوٹ معلوم ہو اور بتحقیق سچ ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی خوش طبعیوں میں منقول ہے: "العجائز لايدخلن الجنة وإني حاملك على ولد ناقة وإن في عين زوجك بياضا۔" اور مثل ان کے علیٰ ہذا حضرت امیرؓ (علی بن ابی طالبؓ) سے بھی ایسی تعریضیں بہت مروی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ اسی قسم سے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے جو اپنی بیوی کو بخوف ایک جبار کے خواہر بتایا مراد اس سے اخوت اسلامی رکھی ہے۔ اور یہ جو باوصف صحت انی سقیم (یعنی میں روگی ہوں) اس سے بے مزگی اور کدورت روحانی کہ مرض جسمانی سے بڑھ کر ہے ارادہ کی ہے، بل فعله كبيرهم هذا (یعنی بلکہ یہ کام اس نے کیا ہے جو ان سب میں بڑا ہے) یہ واسطے حیلے اور کفار کے نہیں ہے بلکہ ایک فرضی طور پر کہا ہے بس اطلاق کذب کا ان امور پر بسب مشاکلت اور مشابہت کے ہے اور یہ بھی بنظر مصلحت ضروری کے ایک جباری سے اپنے آپ کو بچانا تھا، حالانکہ ایسے مواقع پر جہاں اندیشہ مال اور جان اور ناموس کا ہو اگر صریح جھوٹ بھی ہو تو وہ بھی حلال ہے نہ کہ تعریضات۔ وہ جو کفار کو الزام دیا اور بتوں کی عبادت کا دیکھنا گوارا نہ کیا تو یہ سب درکنار الثار روایات صحیح المضامین کو محل طعن بنانا اور اپنی روایتوں کو صریح دلالت برے برے واقعات پر جو انبیاء اور رسل کی نسبت لکھے ہیں اور کرتے ہیں بھول جانا پرلے درجے کی بے حیائی ہے الخ۔"(۲)

اور جناب مفتی محمد شفیع صاحب" معارف القرآن "میں "حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول جھوٹ نہیں بلکہ ایک کنایہ تھا، اس کی تفصیل و تحقیق" اور "حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کرنے کی حقیقت" کے زیرعنوان تحریر فرماتے ہیں:

"......اس کے جواب کے لئے حضرات مفسرین نے بہت سے احتمالات بیان فرمائے ہیں ان میں سے

---

(۱) کمافی تحفۃ الأحوذی للمبارکپوری ۳/ ۱۲۷

(۲) ہدیۃ مجیدیۃ ترجمۃ تحفۃ اثناعشریہ لشاہ عبدالعزیز، مترجم عبدالمجید خان، باب دوم، ص: ۱۶۷ طبع میر محمد کراچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ایک وہ بھی ہے جس کو خلاصہ تفسیر بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بطور فرض کے تھا یعنی تم یہ کیوں نہیں فرض کر لیتے کہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہوگا اور بطور فرض کے کوئی خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ میں داخل نہیں ..... لیکن بے غبار اور بے تاویل وہ توجیہ ہے جس کو بحر محیط، قرطبی، روح المعانی وغیرہ میں اختیار کیا ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے جو کام ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا اس کو بڑے بت کی طرف بطور اسناد مجازی کے منسوب کر دیا...... یہ ایک اسناد مجازی ہے جیسے عربی کا مشہور مقولہ: "أنبت الربيع البقلة" اس کی معروف مثال ہے (یعنی موسم ربیع کی بارش نے کھیتی اگائی ہے) کہ اگر چہ اگانے والا در حقیقت حق تعالی ہے مگر اس کے ایک ظاہری سبب کی طرف منسوب کر دیا گیا اور اس کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کی طرف اس فعل کو عملاً اور قولاً منسوب کر دینا جھوٹ ہرگز نہیں ـــــ یہ اسناد مجازی کے طور پر فرمایا تو اس میں کوئی جھوٹ اور خلاف واقعہ کا شبہ نہیں رہتا صرف ایک قسم کا توریہ ہے۔"(۱)

اور

"...... اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ کی نسبت صراحۃً کی گئی ہے جو شان نبوت و عصمت کے خلاف ہے مگر اس کا جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے وہ یہ کہ دراصل ان میں سے ایک بھی حقیقی معنی میں جھوٹ نہ تھا یہ توریہ تھا جو ظلم سے بچنے کے لئے جائز و حلال ہوتا ہے وہ جھوٹ کے حکم میں نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل خود حدیث مذکور میں یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا تھا کہ میں نے تمہیں اپنی بہن بتلایا ہے، تم سے پوچھا جائے تو تم بھی مجھے بھائی بتلانا اور بہن کہنے کی وجہ بھی ان کو بتلا دی کہ ہم دونوں اسلامی برادری کے اعتبار سے بہن بھائی ہیں، اسی کا نام توریہ ہے کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جن کے دو مفہوم ہو سکیں، سننے والا اس سے ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم کی ہو اور ظلم سے بچنے کے لئے یہ تدبیر توریہ کی باتفاق فقہاء جائز ہے....... توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس معنی سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح اور سچ ہوتے ہیں، جیسے اسلامی برادری کے لحاظ سے بھائی بہن ہونا، یہ وجہ تو خود حدیث مذکور کے الفاظ میں صراحۃً مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ درحقیقت کذب نہ تھا بلکہ ایک توریہ تھا، ٹھیک اسی طرح کی توجیہ پہلے دونوں کلاموں میں ہو سکتی ہے، "بل فعله كبيرهم" کی توجیہ ابھی اوپر لکھی گئی ہے کہ اس میں بطور اسناد مجازی اس فعل کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا ہے، اسی طرح "إني سقيم" کا لفظ ہے کیونکہ سقیم کا لفظ جس طرح ظاہری طور پر بیمار کے معنی میں آتا ہے اسی طرح رنجیدہ و غمگین اور مضمحل ہونے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے انی سقیم فرمایا تھا۔ مخاطبوں نے اس کو بیماری کے معنی میں سمجھا، اور

---

(۱) معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ۶/ ۱۸۵-۱۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اسی حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ ان تین کذبات میں دو اللہ کی ذات کے لئے تھے یہ خود قرینہ تو یہ اس کا ہے کہ یہ کوئی گناہ کا کام نہ تھا ورنہ گناہ کا کام اللہ کے لئے کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا اور گناہ کا کام نہ ہونا جبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ حقیقۃً کذب نہ ہو بلکہ ایسا کلام ہو جس کے دو معنی ہو سکتے ہوں، ایک کذب اور دوسرا صحیح ہو۔" (۱)

اوپر واضح ہو چکا ہے کہ کذب بہر حال قبیح ہے لیکن بوقت ضرورت توریہ وتعریض قابل قبول ہو سکتا ہے کیونکہ توریہ اصل واقعہ کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوتا ہے، اس پر کذب کا اطلاق اس لحاظ سے کر دیا جاتا ہے کہ واقعہ کے مطابق اصل مقصود مخاطب کو باور کرانا مطلوب نہیں ہوتا۔ تعریضات کی راہ زندگی کا ایسا لازمہ ہے کہ اس سے بچنا سخت دشوار ہے، چنانچہ علم بدیع کی اصطلاح معاریض فصحاء و بلغاء کے کلام میں بکثرت رائج ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ کے متعلق بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ جھوٹ ہر حال میں حرام نہیں ہوتا بلکہ بعض مخصوص حالات میں شرع نے ضرورۃً اس کی اجازت بھی دی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:
"ليس الكاذب الذي يصلح بين الناس." (۲) "وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لئے جھوٹ بولے۔"

بعض دوسری روایات میں مذکور ہے :" لايحل الكذب إلا في ثلاث يحدث الرجل امرأته ليرضيها والكذب في الحرب والكذب ليصلح بين الناس." (۳) یعنی "جھوٹ بولنا صرف تین صورتوں میں جائز ہے: (۱) جبکہ مرد اپنی ناراض بیوی کو رضامند کرنے کے لئے جھوٹ بولے، (۲) بحالت جنگ جھوٹ بولا جائے، اور (۳) لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لئے جھوٹ بولا جائے۔"

لہذا اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان تینوں وقائع کو کذب پر محمول کیا جائے تو بلاشبہ یہ کذبات، کذب مباح کی قبیل ہی سے ہوں گے۔ علامہ ابن حزم اندلسیؒ کا رجحان اسی طرف ہے۔ بعض روایات میں تو اس مصلحت کی تصریح بھی موجود ہے کہ " ما منها كذبة إلا ما حصل بها عن دين الله." یعنی "ابراہیمؑ کے ان تینوں جھوٹ میں سے ہر ایک صرف اللہ تعالی کے دین کی مدافعت وحمایت کے لئے ہی بولا گیا ہے۔"

امام نوویؒ شرح "صحیح مسلم" میں فرماتے ہیں:

"قاضیؒ کا قول ہے کہ ان صورتوں میں کذب کے جواز کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ کذب مباح سے مراد کی تعیین میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ جو اس کے اطلاق کا قائل ہے، اس نے

---

(۱) ھدیہ مجیدیہ، ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ: ۶/ ۱۸۷، ۱۸۸ (۲) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۱۲۸، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/ ۴۳۳
(۳) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/ ۱۲۷، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/ ۴۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حدیث بالا میں مذکورہ تینوں مواضع کے علاوہ مصلحت کے متقاضی ہونے کی صورت میں کذب کو جائز قرار دیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ کذب مذموم وہ ہے جس میں مضرت پائی جاتی ہو۔ یہ لوگ حضرات ابراہیم ویوسف علیہما السلام کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اس بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی ظالم شخص کسی کو قتل کرنے کا قصد کرلے تو اس پر جھوٹ بول کر اپنی جان بچانا واجب ہے۔ بعض دوسرے علماء مثلاً طبری وغیرہ کا قول ہے کہ کذب اصلا کسی بارے میں بھی جائز نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی اباحت کے بارے میں جو کچھ وارد ہے اس سے مراد توریہ ومعاریض کا استعمال ہے نہ کہ صریح کذب، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات ادا کرے جس سے مخاطب، متکلم کے اصل مطلب کو سمجھنے کے بجائے وہ مطلب سمجھے جو اس کا منشا نہیں ہے۔ یہ معاریض مباح ہیں، پس یہ تمام وقائع جائز ودرست ہیں۔ ان علماء نے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے قصص کی معاریض کے اسی طریقہ پر تاویل کی ہے۔"(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن عقیل سے نقل فرماتے ہیں:

"دلالة العقل تصرف ظاهر إطلاق الكذب على ابراهيم وذلك أن العقل قطع بأن الرسول ينبغي أن يكون موثوقا به ليعلم صدق ما جاء به عن الله، ولاثقة مع تجويز الكذب عليه فكيف مع وجود الكذب منه وإنما أطلق عليه ذلك لكونه بصورة الكذب عند السامع وعلى تقديره فلم يصدر ذلك من إبراهيم عليه السلام إلا فى حال شدة الخوف لعلو مقامه وإلا فالكذب المحض فى مثل تلك المقامات يجوز وقد يجب لتحمل أخف الضررين دفعا لأعظمهما وأما تسميته إياها كذبات فلايريد أنها تذم فإن الكذب وإن كان قبيحا فحلا لكنه قد يحسن في مواضع وهذا منها۔" (۲)

اور شیخ حسن احمد خطیب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

" ومن ذلك إباحتهم الكذب إذا ترتب على الصدق مفسدة عظيمة وقد فصل الحموى فى الإشباه الكلام فى ذلك فقال ما خلاصته إن الكذب يجوز فى ثلثة مواضع فى الإصلاح بين الناس وفى الحرب وعلى الزوجة لإصلاحها الخ، ويراد بذلك استعمال المعاريض لاالكذب الصريح ونقل أن الكذب يباح لإحياء حق الخ ۔" (۳)

واضح رہے کہ اس طرح کی تاویلات کی گنجائش خود امام رازی اور حمید الدین فراہی صاحب کے منقولہ

---

(۱) کما فی تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۳/ ۱۲۷
(۲) فتح الباری لابن حجر ۶/ ۳۹۲
(۳) الفقہ الإسلامی للشیخ حسن أحمد، ص: ۲۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کلام میں بھی موجود ہے، لہذا حدیث زیر بحث کو بہر اعتبار صحیح ہی قرار دیا جائیگا۔اس بارے میں صحیحین کی روایات تلقی بالقبول کی وجہ سے صحت اور شہرت کے اس درجہ اور مرتبہ پر پہنچی ہوئی ہیں جنہیں محض اخبار آحاد کہہ کر مردود قرار نہیں دیا جاسکتا، لہذا متقدمین فقہائے سنت حتی کہ مشہور معتزلہ اور متکلمین میں سے بھی کسی نے فنی طور پر اس پر نہ کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی اس پر اشتباہ کا اظہار کیا تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ راوی کو جھوٹا کہنا نبی کو جھوٹا کہنے سے بہتر ہے تو یہ بات بھی نہایت سطحی ہے کیونکہ نبی کو جھوٹا کہنا تو باعث کفر ہے۔ محدثین کرام جنہوں نے اس حدیث کی صحت بیان کی ہے وہ نبی کو جھوٹا کس طرح کہہ سکتے ہیں جبکہ ان کا تمام تر انحصار ہی نبوت اور نبی ﷺ کے ارشادات کی صداقت وحقانیت پر ہوتا ہے۔

محض احتمال کی بنیاد پر یہ سمجھ لینا کہ ''راوی سے لفظی تعبیر میں سقم پیدا ہوگیا'' ہوگا یا یہ ''کسی راوی کے اختلال لفظی کا نتیجہ ہو'' یا ''کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔'' وغیرہ، انتہائی لغو اور بے اصولی کی بات ہے۔ محدثین میں سے آج تک کسی سے بھی ایسی جرح منقول نہیں ہے۔ فن جرح وتعدیل کے اعتبار سے کسی راوی کو مجمل طور پر ضعیف کہہ دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ضعف کا سبب مفصل، صریح اور غیر مبہم (مفسر) ہونا ضروری ہے۔ عقل بھی اس احتمال کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے مختلف اصحاب کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے ان ''کذبات'' کا تذکرہ کیا ہو، پھر ان سب صحابہ سے جن جن لوگوں نے سنا اور آگے اپنے تلامذہ کو منتقل کیا ہو۔ بیک وقت ان سب کو سننے یا سمجھنے یا نقل کرنے میں سہو یا ''بے احتیاطی'' یا ''تعبیری سقم'' یا ''اختلال لفظی'' لاحق ہوا ہو۔۔۔۔پس اس قسم کے احتمالات نہ عقلاً درست ہیں اور نہ نقلاً، بلکہ انہیں بے اصولی اور بے ضابطگی کی زندہ مثال کہا جاسکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے تیسرے کذب کے متعلق جناب مودودی صاحب کا قول ہے کہ اس کا ''ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے''، گویا جو چیز قرآن میں مذکور نہیں وہ آں محترم کی نگاہ میں معتبر نہیں ہے، حالانکہ دین کا ایک بڑا حصہ قرآن میں مذکور نہیں بلکہ احادیث کے ذریعہ ہی ہم تک پہنچا ہے۔ اگر مودودی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جن چیزوں کا تذکرہ قرآن میں نہیں بلکہ بائیبل اور احادیث کی کتب میں موجود ہے تو وہ چیزیں اصلا بائیبل ہی سے منتقل ہوکر کتب احادیث میں جگہ پا گئی ہیں۔ ایک انتہائی خطرناک اور مہلک سوچ ہے۔

اگر اس واقعہ کا انکار محض اس بنیاد پر کیا جاسکتا ہے کہ اس کا تذکرہ ''قرآن میں نہیں بائیبل میں آیا ہے'' تو میں پوچھتا ہوں کہ سفر مصر کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ کی عمروں کے متعلق جو کچھ آں موصوف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے تحریر فرمایا ہے وہ بھی تو ''قرآن میں نہیں بلکہ بائیبل ''ہی میں مذکور ہے، پھر یہ چیز کس طرح آپ کے نزدیک لائق حجت ہوگئی؟ جبکہ ان کی عمروں کا تذکرہ ذخیرۂ احادیث میں کہیں نہیں ملتا، برخلاف اس کے اس واقعہ کا تذکرہ بائیبل کے علاوہ کتب احادیث میں بھی پوری شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے۔ پس ان واقعات کا کتب احادیث کے علاوہ بائیبل میں بھی موجود ہونا اس وقوعہ کو مزید مؤکد کرتا ہے۔

جہاں تک قول: ''سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہوجاتا ہے'' کا تعلق ہے تو یہ موقع اس موضوع پر بحث کرنے کا نہیں ہے، ان شاء اللہ اس پر تفصیلی گفتگو باب چہارم کے تحت ہوگی۔

محترم مودودی صاحب کا یہ قول بھی درست نہیں ہے کہ ''اس طرح کے معاملات میں اگر اختلاف رہ جائے تو آخر مضائقہ کیا ہے؟'' یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو علم حدیث سے کچھ زیادہ ممارست نہ ہو بلکہ بس ایک واجبی سا ہی تعلق رہا ہو۔ جو لوگ علوم حدیث پر گہری بصیرت رکھتے ہیں وہ اس چیز کو کوئی معمولی بات نہیں سمجھتے کیونکہ یہ صرف ایک حدیث کا ہی انکار نہیں ہے بلکہ اس کا اثر براہ راست ان تمام احادیث پر بھی پڑتا ہے جو ان رواۃ سے مروی ہیں۔

جہاں تک جناب حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب کے احتمال کا تعلق ہے تو جاننا چاہیئے کہ ''ادراج'' بھی محض دعوی یا احتمال کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا، اس کے اثبات کے لئے کسی ٹھوس دلیل کا موجود ہونا شرط ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "الإدراج لا يثبت بمجرد الدعوى والاحتمال۔"(۱) آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "الأصل ما كان فى الخبر فهو منه حتى يقوم دليل على خلافه والأصل عدم الإدراج ولا يثبت إلا بدليل۔" (۲)۔ (مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' (عنوان: ''اثبات ادراج کے لئے دلیل کا ہونا شرط ہے'') کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔)

اگر دیکھا جائے تو زیر مطالعہ حدیث میں ادراج کی مندرجہ ذیل علامات میں سے کوئی بھی علامت موجود نہیں ہے:

۱۔کسی دوسری روایت میں اس ادراج کو الفاظ حدیث سے علیحدہ کر کے بیان کیا گیا ہو، ۲۔بعض باخبر اور ماہر ائمۂ حدیث کی اس ادراج پر صراحت موجود ہو، ۳۔خود راوی کا اعتراف یا تصریح کرنا کہ اس نے اس کلام کو حدیث میں شامل کیا ہے، اور ۴۔مدرج کلام کی نوعیت ایسی ہو کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے اس کا

---

(۱) فتح الباری ۲/۹۱، ۳/۹۶، ۵/۳۸، ۱۱/۱۹۹، ۹۰، ۴۸۶ (۲) نفس مصدر ۲/۸۳، ۴/۱۹۶، ۴۳۷، ۷/۳۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صدور محال ہو۔

پس جناب حبیب الرحمٰن صاحب کا دعوی بھی اصولاً باطل اور علوم حدیث سے ان کی بے بضاعتی کا مظہر ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی ''کذبات ثلاثہ'' سے متعلق حدیث قطعاً صحیح اور ہر اعتبار سے معقول ہے۔امام رازیؒ سے قبل صدیوں تک ان روایات پر محدثین ،فقہاء اور علماء اصول میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔جن لوگوں نے اس کو آیت "کان صدیقا نبیا۔" کے خلاف سمجھا ہے،انہوں نے خطا کی ہے،بلکہ جناب مفتی محمد شفیع صاحب تو ایسا سمجھنے کو ''جہالت'' سے تعبیر فرماتے ہیں،چنانچہ لکھتے ہیں:

''حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام کو غلط قرار دینا جہالت ہے: مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مغلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو باوجود صحیح السند ہونے کے اس لئے غلط اور باطل کہہ دیا کہ اس سے حضرت خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور سند کے سارے راویوں کو جھوٹا کہہ دینا اس سے بہتر ہے کہ خلیل اللہ کو جھوٹا قرار دیا جائے کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہے اور پھر اس سے ایک کلیہ قاعدہ یہ نکال لیا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو خواہ وہ کتنی ہی قوی اور صحیح اور معتبر اسانید سے ثابت ہو وہ غلط قرار دی جائے۔یہ بات اپنی جگہ تو بالکل صحیح اور ساری امت کے نزدیک بطور فرض محال کے مسلم ہے مگر علماء امت نے تمام ذخیرہ احادیث میں اپنی عمریں صرف کر کے ایک ایک حدیث کو چھان لیا ہے جس حدیث کا ثبوت قوی اور صحیح اسانید سے ہو گیا ان میں ایک بھی ایسی نہیں ہوسکتی کہ جس کو قرآن کے خلاف کہا جا سکے بلکہ وہ اپنی کم فہمی یا کج فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس حدیث کو رد اور باطل کرنا چاہا اس کو قرآن سے ٹکرا دیا،اور یہ کہہ کر فارغ ہو گئے کہ یہ حدیث خلاف قرآن ہونے کے سبب غیر معتبر ہے،جیسا کہ اسی حدیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ الفاظ کذبات سے توریہ مراد ہونا خود حدیث کے اندر موجود ہے،رہا یہ معاملہ کہ پھر حدیث میں توریہ کو کذبات کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ تو اس کی وجہ وہی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بھول اور لغزش کو عصیٰ اور غویٰ کے الفاظ سے تعبیر کرنے کی ابھی سورۂ طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکی ہے کہ مقربان بارگاہ حق تعالیٰ کے لئے ادنیٰ کمزوری اور محض رخصت اور جائز پر عمل کر لینا اور عزیمت کو چھوڑ دینا بھی قابل مواخذہ سمجھا جاتا ہے اور ایسی چیزوں پر قرآن میں حق تعالیٰ کا عتاب انبیاء کے بارے میں بکثرت منقول ہے الخ۔''(۱)

## ۲- تعذیب المیت ببکاء أهله

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ولا تزر وازرۃ وزر اخری﴾(۲) یعنی ''اور کوئی دوسرے کا

(۱)معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ۶/ ۱۸۸

(۲)الأنعام:۱۶۴،الإسراء:۱۵،فاطر:۱۸،الزمر:۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بوجھ نہ اٹھائے گا۔“لیکن آیت سے بظاہر متعارض حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک مرفوع حدیث میں مروی ہے:

"إن الميت ليعذب ببكاء أهله عليه۔"(۱)”بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی بنا پر عذاب دیا جاتا ہے۔“

حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سہو،نسیان اور خطاءفہم پر محمول کیا ہے، چنانچہ فرماتی ہیں:

"يغفر الله لأبي عبدالرحمن أما إنه لم يكذب ولكنه نسي أو أخطأ۔"(۲)یعنی”اللہ تعالی ابوعبدالرحمٰن کو معاف فرمائے ،اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا ہے، البتہ وہ بھول گئے ہیں یا ان سے خطا ہو گئی ہے۔“

پھر اس حدیث کا پس منظر یوں بیان فرماتی ہیں:

"إنما مر رسول الله ﷺ على يهودية يبكي عليها أهلها فقال إنهم ليبكون عليها وإنها تعذب في قبرها۔"(۳)

یعنی”ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک یہودیہ کی قبر کے پاس سے ہوا جس کے اہل خانہ اس پر نالہ وشیون بپا کئے ہوئے تھے تو آں ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ اس پر ماتم کر رہے ہیں حالانکہ وہ اپنی قبر میں مبتلائے عذاب ہے۔“بظاہر حضرت عائشہؓ کی اس صراحت کے بعد حدیث اور قرآن میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، لیکن چونکہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی نہیں بلکہ دوسرے کئی صحابہ سے بھی مروی ہے۔(۴) لہذا امام بخاریؒ اس کی یہ توجیہ فرماتے ہیں:

"يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته لقوله تعالى: قوا أنفسكم وأهليكم نارا،(۵) وقال النبي ﷺ: كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته فإذا لم يكن من سنته فهو كما قالت عائشة لا تزر وازرة وزر أخرى وهو كقوله : وإن تدع مثقلة إلى حملها لا يحمل منه(۶) شيء۔" (۷)

یعنی”میت کو گھر والوں کے ماتم کی بنا پر عذاب اس وقت ہوگا جب کہ نوحہ وماتم خود اس کا طریق کار رہا ہو، کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد الہی ہے: اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اسی طرح

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۳/۱۵۱ (۲) صحیح مسلم مع شرح النووی ۶/۲۳۴

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری ۳/۱۵۲ (۴) سبل السلام ۲/۱۵۳

(۵) التحریم:۶ (۶) فاطر:۱۸ (۷) صحیح البخاری مع فتح الباری ۳/۱۵۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ارشاد نبوی ہے: تم میں سے ہر ایک راعی اور نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ پس اگر اس کی زندگی میں نوحہ اس کا طرز عمل نہ تھا تو اس شکل میں حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق آیت ﴿لا تزر وازرة وزر أخرى﴾ کا اس پر اطلاق ہوگا اور دوسری آیت میں ہے: اگر گناہوں سے بوجھل کوئی شخص اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے کسی دوسرے شخص کو بلائے گا تو اس کا بوجھ اٹھایا نہ جائیگا۔''

جمہور اہل علم نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اس قسم کے طرز عمل سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتا تھا بلکہ خود اسے اختیار کرتا تھا یا مرتے وقت اس نے اپنے اہل خانہ کو سینہ کوبی اور نوحہ کرنے کی وصیت کی تھی تو وہ حدیث مذکورہ بالا کے مطابق عذاب کا مستحق ہوگا، چنانچہ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

''اگر مرنے والا شخص ان کو اپنی زندگی میں نوحہ سے منع کرتا تھا لیکن پھر بھی لوگ اس کے مرنے کے بعد ایسا کریں تو اس پر اس کا عذاب (عقاب) نہ ہوگا۔''(۱)

واضح رہے کہ دور جاہلیت میں اس قسم کی وصیت کا رواج عام تھا (۲)۔

محمد بن جریر الطبری وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ:

''حدیث میں ''یعذب'' سے مراد یہ ہے کہ مردہ جب اپنے اہل خانہ کو روتے اور سینہ کوبی کرتے ہوئے سنتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس سے غمگین وملول ہوتا ہے۔ یہ عالم برزخ کی کیفیت ہے یوم قیامت کی نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ وغیرہ نے اس رائے کو پسند کیا ہے اور فرماتے ہیں:

''اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ عزوجل زندوں کی آہ وبکا سے اس پر عقاب کرتا ہے۔ عذاب عقاب سے زیادہ عام لفظ ہے جیسا کہ ''السفر قطعة من العذاب'' (یعنی سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے) سے ظاہر ہے اور یہ عقاب اس کے گناہ پر نہیں بلکہ یہ تعذیب وتألم کی کیفیت ہے۔''(۳)

اور امام قرطبیؒ نے اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ: ''آیت "ولا تزر وازرة وزر أخرى" کا تعلق قیامت کے دن سے ہے جبکہ حدیث میں مذکور عذاب کا تعلق برزخی زندگی سے ہے جو یک گونہ دنیاوی احوال کے مشابہ ہے۔''

۳- اللہ تعالی قرآن میں فرماتا ہے ﴿حرمت علیکم المیتة والدم﴾ (۴) یعنی ''تم پر مردار اور خون حرام قرار دیا گیا ہے۔'' یہاں ''المیتة'' ہر نوع کے مردار پر عام ہے لیکن بعض مرفوع وموقوف احادیث میں

---

(۱) کمافی عمدۃ القاری ۴/۷۹ — (۲) کمافی جواہر الأدب للہاشمی ۲/۴۳۵

(۳) مجموعۃ الرسائل المنیریۃ ۲/۲۰۹، والتھذیب لابن قیم ۴/۲۹۰-۲۹۳ — (۴) المائدہ: ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مردہ مچھلی اور ٹڈی نیز خون بہ شکل جگر اور کلیجی کو استثناء حلال قرار دیا گیا ہے جو کہ بظاہر خلاف قرآن ہے لیکن در اصل اس استثناء اور عموم قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض﴾ (۱) یعنی "یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔" جبکہ "صحیح البخاری" کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: "لا تفضلوا بين أنبياء الله." یعنی "اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو" بظاہر یہ حدیث مذکورہ آیت کے خلاف ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس موقع پر نبی ﷺ نے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے وہ یہ تھا کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا: "والذي اصطفى موسى على العالمين." یعنی "اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو تمام عالم پر فضیلت بخشی۔" مسلمان نے بھی جواباً کہا: "والذي اصطفى محمدا على العالمين." غصہ نے جب بڑھ کر زدوکوب کی صورت اختیار کی تو اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا: "لا تفضلوا بين أنبياء الله." آں ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ بحیثیت نفس رسالت تمام انبیاء برابر ہیں اور یہی ﴿لا نفرق بين أحد من رسله﴾ (۲) کا مفہوم بھی ہے۔ فضیلت دینے میں کسی ایک نبی کی کم قدری کرنا درست نہیں ہے کہ یہ مقام ادب ہے۔ قرآن کریم نے اجمالاً بعض کی بعض پر فضیلت بیان کی ہے لیکن کوئی شخص محض اپنے قیاس سے یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں نبی کو فلاں نبی پر فضیلت حاصل ہے، بالخصوص اس طرح کہ فلاں فلاں بات میں یا ہر طرح اور ہر بات میں۔ چنانچہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں کسی نبی کی کم قدری اور اس بارے میں قیاس آرائی کرنے سے منع فرمایا تھا، تو حدیث و قرآن کے مابین ظاہری تعارض رفع ہو گیا۔

اگر کوئی پھر بھی حدیث اور قرآن کے ان یا ان جیسے دوسرے تعارضات کو پیش کرے اور اس بارے میں کسی قسم کی تاویلات قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو ہم جواباً اس کے سامنے قرآن کی آیات کے مابین تعارضات کو پیش کریں گے۔ جب قرآن کی آیات کے مابین تعارضات کو حل کرنے کے لئے تاویلات پیش کی جا سکتی ہیں تو آخر احادیث کے تعارض کو حل کرنے کے لئے تاویلات کا سہارا کیوں ممنوع ہے؟

منہال بن عمرو الاسدی نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ:

"مجھے قرآن میں کچھ چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جو میرے لئے ایک دوسرے کے خلاف ہیں مثلاً: ﴿فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتسآء لون﴾ (۳) یعنی "پس ان میں جو باہمی رشتے ناطے تھے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔" جبکہ ﴿وأقبل بعضهم على بعض يتسآء لون﴾ (۴) یعنی "اور وہ ایک

---

(۱) البقرہ: ۲۵۳ (۲) البقرہ: ۲۸۵ (۳) المؤمنون: ۱۰۱ (۴) الصافات: ۲۷، ۵۰، الطور: ۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال جواب کرنے لگیں گے۔" اسی طرح ﴿ولا یکتمون الله حدیثا﴾ (۱) یعنی "اور اللہ تعالی سے کسی بات کا اخفاء نہ کرسکیں گے۔" جبکہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿والله ربنا ما کنا مشرکین﴾ (۲) یعنی "قسم اللہ کی اے ہمارے رب! ہم مشرک نہ تھے۔" (اس آیت میں مشرکین کے کتمان کا تذکرہ ہے) اور ﴿أم السماء بناها رفع سمکها فسواها وأغطش لیلها و أخرج ضحٰها والأرض بعد ذلك دحٰها﴾ (۳) یعنی "(بھلا تمہیں دوسری بار پیدا کرنا زیادہ سخت ہے) یا آسمان کا کہ جس کو اللہ نے بنایا، اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔" اس آیت میں آسمان کو زمین سے قبل پیدا فرمانے کا ذکر ہے جبکہ ﴿قل أئنکم لتکفرون بالذی خلق الأرض فی یومین وتجعلون له أندادا ذلك رب العالمین وجعل فیها رواسی من فوقها وبارك فیها و قدر فیها أقواتها فی أربعة أیام سوآء للسائلین ثم استوی إلی السماء وهی دخان فقال لها وللأرض ائتیا طوعا او کرها قالتا أتینا طائعین﴾ (۴) یعنی "آپ فرمایئے کیا تم لوگ ایسے اللہ کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا، اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی سارے جہانوں کا رب ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں پورے ہیں، پوچھنے والوں کے لئے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔" اس آیت میں زمین کو آسمان سے قبل پیدا فرمانے کا تذکرہ ہے۔ بظاہر ان تینوں آیات میں ان کے ساتھ لکھی جانے والی آیات کے ساتھ تعارض ہے۔ لیکن ابن عباسؓ نے ان کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ "فلا أنساب بینهم" والی آیت نفخۂ اولی کے بارے میں ہے جبکہ آیت: "أقبل بعضهم علی بعض" دوسرے نفخہ کے بعد کی کیفیت بیان کرتی ہے۔ اور مشرکین قیامت کے ابتدائی مرحلہ میں "والله ربنا ما کنا مشرکین" ہی کہیں گے لیکن جب ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء گواہی دینے لگیں گے تو اس حالت کے لئے "ولا یکتمون الله حدیثا" بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح دو دنوں میں زمین کو پیدا فرمایا پھر آسمان کو تخلیق فرمایا پھر آسمان پر مستوی ہوا پھر آخری دو دنوں میں زمین کو بچھایا اور اس کو بچھا کر اس میں سے پانی وغیرہ کو نکالا اور جبال و جمال اور جو کچھ ان کے مابین ہے ان سب کو انہی آخری دو دنوں میں پیدا فرمایا الخ۔" (۵)

---

(۱) النساء: ۴۲ — (۲) الأنعام: ۲۳ — (۳) النازعات: ۲۷ تا ۳۰
(۴) فصلت: ۹ تا ۱۱ — (۵) صحیح البخاری مع فتح الباری ۸/ ۵۵۵-۵۵۶ (ملخصا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان چند مثالوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کوئی بھی صحیح السند حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ اگر کہیں قرآنی آیت اور حدیث کے درمیان بظاہر تعارض محسوس بھی ہوتا ہے تو معمولی غور وفکر سے اس کو رفع کیا جاسکتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآنی آیات کے باہمی تعارض واختلاف کو بآسانی دور کیا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ اوپر بیان کی گئی تیسری اور چوتھی اقسام کی احادیث جناب خالد مسعود صاحب کی تقسیم کے اعتبار سے حدیث کی چوتھی اور پانچویں قسم ہیں جن کے متعلق آں جناب فرماتے ہیں کہ یہ ''آخری دونوں قسمیں فرضی ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں کیونکہ ان سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہے۔'' یہاں ہم آں موصوف سے یہ پوچھیں گے کہ ان دونوں اقسام کی احادیث کے ''فرضی'' اور درحقیقت ان کے عدم وجود پر آں محترم کے مطلع ہونے کا ذریعہ کیا ہے؟ پھر آں جناب کے پاس ایسا کون سا پیمانہ ہے جس سے ناپ کر یقینی طور پر یہ علم ہوسکے کہ کتاب اللہ سے زائد احکام والی فلاں احادیث کا قرآن متحمل ہے اور فلاں کا نہیں؟ نیز یہ کہ جب منِ جانب اللہ واضح طور پر اطاعت الٰہی کے ساتھ مکمل اطاعت رسول کا حکم بھی دیا گیا ہے، خواہ آپؐ کا وہ حکم کتاب اللہ میں صراحۃً مذکور ہو یا نہ ہو، تو ان احادیث کے متعلق اطاعت رسول سے انکار آخر کس بنیاد پر ہے؟ جب یہ بات بھی ہر خاص وعام کے علم میں ہے کہ نبی ﷺ قرآن کے شارح ومبین تھے تو جس آیت کے جو معنی بھی آں ﷺ بیان فرمائیں اسے بلا ردوقدح اور بلا چوں وچرا قبول کر لینے میں یہ اعتراض کیسا کہ جو حکم قرآن سے زائد یا بظاہر مخالف نظر آئے وہ فرضی ہے یا درحقیقت اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے؟ ایک مزید سوال یہ بھی ہے کہ جب ایک مومن سے دین وایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ دیں اسے لے لے اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز آجائے اور جس معاملہ میں آپ کوئی فیصلہ فرمادیں اسے بخوشی قبول کرنے میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کرے تو پھر ان اضافی احکام پر مبنی یا بظاہر خلاف قرآن احادیث سے انکار کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا صحیح احادیث نبوی سے قرآن کا نسخ ہوسکتا ہے یا نہیں تو اس کا تفصیلی جواب ان شاءاللہ آگے مناسب مقام پر پیش کیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بعض احادیث اپنے مضمون کے اعتبار سے بعض اوقات قرآن کے ظاہری مفہوم کے خلاف نظر آتی ہیں، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ صرف قرآن سے موافقتِ رکھنے والی احادیث کو ہی قبول کیا جائے، اور باقی کورد کیا جائے کیونکہ یہ خیال امت کے متفقہ تعامل، کہ جسے قرآن نے سبیل المومنین بتایا ہے، سے یکسر انحراف ہوگا جس پر عذاب جہنم کی وعید شدید بیان کی گئی ہے۔

اگر صرف قرآن سے موافقت رکھنے والی احادیث کو ہی قبول کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ جب قرآن میں ان احادیث کے ہم معنی احکام موجود ہیں تو پھر ان احادیث کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قبول کرنے یا نہ کرنے سے اصلاً کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر قرآن کی شرح بیان کرنے والی یا قرآن سے زائد حکم بیان کرنے والی یا بظاہر مخالف قرآن احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے تو امت کے لئے قرآن کے صحیح مفہوم کو سمجھنا محال ہو کر رہ جائے گا، جو یقیناً ایک بڑا دینی خسارہ ہوگا۔

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

''اگر بظاہر (اس لئے کہ حقیقی تعارض تو ممکن نہیں) دو آیتیں یا دو صحیح حدیثیں یا ایک آیت اور ایک حدیث باہم متعارض معلوم ہوں تو دونوں پر عمل کرنا واجب ہے اس لئے کہ دونوں اطاعت کے اعتبار سے مساوی الدرجہ ہیں، لہذا جب تک ممکن ہو دوسری کی خاطر ایک کو نظر انداز کرنا روا نہیں ہے اور اس پر عمل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ قلیل المعانی آیت یا حدیث کو کثیر المعانی آیت وحدیث سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جو آیت یا حدیث کسی زائد حکم پر مشتمل ہو اس پر عمل کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وجوب مبنی بر یقین ہے اور یقین کو ظن کی بنا پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالی نے اپنے دین کی وضاحت وصراحت کر دی ہے، لہذا اس میں کسی پیچیدگی کا احتمال نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم﴾ (۱) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا، نیز فرمایا: ﴿تبيانا لكل شيء﴾ (۲) اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔'' (۳)

☆☆☆

# نسخ قرآن کا مسئلہ

## نسخ کی لغوی تعریف

لغت میں ''نسخ'' کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے ''ازالہ'' یعنی زائل کر دینا، اسی سے یہ محاورہ مستعمل ہے: "نسخت الشمس الظل." یعنی سورج نے سایہ کو زائل کر دیا۔ دوسرا معنی ہے نقل کرنا یا تحویل، جیسا کہ محاورہ ہے: "نسخت الكتاب" یعنی میں نے کتاب نقل کر لی، گویا ناسخ یعنی نقل کرنے والے نے منسوخ کو یعنی جس سے اس نے نقل کی، ختم کر کے رکھ دیا یا اسے کوئی اور شکل دیدی۔ اسی طرح بولا جاتا ہے "مناسخات فی المواریث." یعنی وارث سے دوسرے کو مال منتقل کرنا اور "نسخت ما في الخلية من العسل والنحل إلى أخرى." وغیرہ۔ (۴)

(۱) المائدہ: ۳ (۲) النحل: ۸۹ (۳) المحلی لابن حزم مترجم غلام احمد حریری ۱/ ۹۵-۹۶
(۴) فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۴۶، فتح المغیث للعراقی، ص: ۳۳۰، تیسیر مصطلح الحدیث للدکتور محمود الطحان مترجم، ص: ۶۱-۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# نسخ کی اصطلاحی تعریف

نسخ کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے - علامہ زین الدین عراقی وسخاوی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

"اصطلاحا هو رفع الشارع ﷺ الحكم السابق من أحكامه بحكم من أحكامه لاحق۔"(۱) یعنی ''اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ شارع ﷺ نے پہلے کوئی حکم دیا، پھر بعد میں دوسرا حکم دے کر اس پہلے حکم کو ختم یا زائل کر دیا۔''

پھر اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والمراد بارتفاع الحكم قطع تعلقه بالمكلفين وإلا فالحكم قديم لايرتفع۔"(۲) یعنی ''حکم کے رفع ہونے سے مراد مکلفین کا اس حکم سے تعلق کٹ جانا ہے ورنہ قدیم حکم رفع نہیں ہوگا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "نسخ هو بيان انتهاء الحكم۔"(۳) یعنی ''انتہاء حکم کے بیان کو نسخ کہتے ہیں۔'' آں رحمہ اللہ نے ایک اور مقام پر نسخ کو ''رفع الحکم ''(۴) سے تعبیر کیا ہے۔ آمدی کا قول ہے: "النسخ عبارة عن خطاب الشارع المانع من استمرار ما ثبت من حكم خطاب شرعی سابق۔" (الأحکام للآمدی ۳/۱۵۵) یعنی ''نسخ شارع کا وہ خطاب ہے جس کے ذریعہ سابقہ خطاب شرعی سے ثابت حکم کا استمرار ختم کر دیا جاتا ہے۔''

علامہ ابن حزم اندلسیؒ کا قول ہے:

''یہ کہنا کہ ایک حکم نے دوسرے حکم کو منسوخ کر دیا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہوگی کہ ایک حکم کے بعد دوسرا حکم نازل ہوا۔''(۵)

علامہ محمد بن حمزہ الفناریؒ فرماتے ہیں:

''نسخ ایک ایسی شرعی دلیل سے عبارت ہے جس سے سابقہ شرعی حکم کے عرصہ بعد دوسرا نیا اور آخری حکم ثابت ہوتا ہو۔''(۶)

---

(۱) فتح المغیث للعراقی، ص:۳۳۰، فتح المغیث للسخاوی ۴/۴۶ وکما فی تقریب النواوی مع تدریب ۲/۱۹۱، مقدمہ ابن الصلاح، ص:۲۳۹، التقیید والإیضاح للعراقی، ص:۲۳۹، شرح نخبۃ الفکر، قواعد التحدیث للقاسمی، ص:۳۱۶، تحفۃ اہل الفکر، ص:۱۶، تیسیر مصطلح الحدیث للطحان مترجم، ص:۶۱-۶۲

(۲) فتح المغیث للعراقی، ص:۳۳۰، فتح المغیث للسخاوی ۴/۴۶-۴۷

(۳) فتح الباری لابن حجر ۵/۲۸۱

(۴) نفس مصدر ۱۳/۴۸۶

(۵) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم ۴/۵۹

(۶) فصول البدائع فی أصول الشرائع ۲/۹-۱۰ (طبع استانبول ۱۲۸۹ھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابوبکر الجصاص حنفیؒ کا قول ہے:

''نسخ کا مطلب حکم یا تلاوت کی مدت بیان کر دینا ہے۔''(۱)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''قرآن کی کسی آیت پر جب نسخ کا حکم لگایا جاتا ہے تو اس سے مراد آیت کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ مدعا یہ ہوتا ہے کہ آیت پر جو حکم لگا ہے یا لگا تھا وہ اس وقت کے زمانہ کے اعتبار سے تھا- حالات کے بدل جانے پر کسی طرح بھی وہ حکم مطلقاً ممنوع نہیں ہوتا۔''(۲)

علامہ تاج السبکیؒ کا قول ہے: "أنه رفع الحكم الشرعي بخطاب۔" آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "إنه أقرب الحدود۔"(۳)

اور حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''نسخ سے مراد کسی تخصیص یا شرط کی بنا پر ظاہری معنی کو ترک کر دینا یا اسے اختیار کر لینا ہے۔''(۴)

نسخ کی مزید لغوی و اصطلاحی تحقیق نیز دوسرے مباحث کے لئے الصحاح للجوہری (۵)، القاموس المحیط للفیروزآبادی (۶)، لسان العرب لابن منظور الأفریقی (۷)، مجمل اللغۃ (۸)، مقیاس اللغۃ (۹)، التبصرہ فی أصول الفقہ للشیرازی (۱۰) المستصفی من علم الأصول للغزالی (۱۱)، الفقیہ والمتفقہ للبغدادی (۱۲)، شرح اللمع للشیرازی (۱۳)، أدب القاضی للماوردی (۱۴)، التمہید لابی الخطاب الحنبلی (۱۵)، البرہان (۱۶)، قواعد الأصول (۱۷)، احکام الفصول للباجی (۱۸)، الأحکام فی أصول الاحکام للآمدی (۱۹)، الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم (۲۰)، المسودہ فی أصول الفقہ لآل تیمیہ (۲۱)، التقیید والإیضاح للحافظ عراقی (۲۲)، فتح

---

(۱) أحکام القرآن للجصاص ۱/۹۷ طبع قسطنطنیہ ۱۳۳۸ھ

(۲) نفس مصدر ج تفسیر سورۃ البقرہ-۱۰۸ (۳) کمافی فتح المغیث للسخاوی ۴/۴۸

(۴) اعلام الموقعین لابن قیم ۱/۲۹ (۵) ۱/۴۳۳

(۶) ۱/۲۷۱ (۷) ۳/۶۱ (۸) ۴/۴۰۰

(۹) ۳/۴۲۴-۴۲۵ (۱۰) ۲۵۱ (۱۱) ۱/۱۰۷

(۱۲) ۱/۸۰ (۱۳) ۱/۴۸۱ (۱۴) ۱/۳۳۳

(۱۵) ۳/۳۳۳ (۱۶) ۲/۱۲۹۳ (۱۷) ص:۱۱۴

(۱۸) ۱/۳۸۹-۳۹۰ (۱۹) ۳/۱۴۶-۱۵۶ (۲۰) ۴/۵۹-۶۱

(۲۱) ص:۱۹۵ (۲۲) ص ۳۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



المغیث للعراقی (۱)، فتح المغیث للسخاوی (۲)، علوم الحدیث (۳)، فصول البدائع فی أصول الشرائع (۴)، میزان الأصول (۵)، تفسیر الکبیر للرازی (۶)، منتہی الأصول والأمل (۷)، الناسخ والمنسوخ لعبدالقاہر للبغدادی (۸)، الناسخ والمنسوخ لابن الجوزی (۹)، الناسخ والمنسوخ لأبی جعفر النحاس (۱۰)، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الأخبار للحازمی، (۱۱) الناسخ والمنسوخ لابن حزم، الناسخ والمنسوخ لہبۃ اللہ، اور جامع الأصول لابن الأثیر، (۱۲) وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## نسخ کی حکمت

علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں:

''جس طرح ایک معالج اپنے مریض کے نسخے میں حسب حالات تغیر وتبدل کرتا رہتا ہے، اسی طرح حاکم حقیقی بھی مصلحت اور اقتضاء وقت کے لحاظ سے اپنے احکام بدلتا رہتا ہے۔'' (۱۳)

علامہ ابن خلدونؒ نے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف وکرم اور باعتبار مصالح شریعت میں تخفیف فرمانے کو نسخ کی حکمت قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ ناقل ہیں:

"قد ثبت فی شریعتنا جواز النسخ ووقوعه لطفا من الله بعباده وتخفيفا عنهم باعتبار مصالحهم التي تكفل لهم بها قال تعالى ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو مثلها الخ۔" (۱۴)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر آنے والی نبوت اور ہر نازل ہونے والی کتاب نے سابقہ نبوت وکتاب کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کئے، اور بعض اوقات ایک ہی نبوت وشریعت میں کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا پھر اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، چنانچہ ''صحیح مسلم'' وغیرہ میں ہے:

"لم تكن نبوة قط إلا تناسخت۔" (۱۵) یعنی'' کبھی کوئی نبوت ایسی نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور رد وبدل نہ کیا ہو۔''

---

(۱) ص۳۳۰-۳۳۲ (۲) ۴/۴۶-۴۹ (۳) ص:۲۵۰
(۴) ۲/۱۳۱ (۵) ص:۶۹۷ (۶) ۱/۶۵۷-۶۵۸
(۷) ص:۱۵۳-۱۵۴ (۸) ص:۳۹، ۴۲ (۹) ص:۹۰
(۱۰) ص:۷-۸ (۱۱) ص:۷-۸ (۱۲) ۱/۱۴۵
(۱۳) تفسیر المنار ۱/۴۱۶، طبع مصر ۱۳۷۳ھ
(۱۴) کما فی مقدمۃ تحفۃ الأحوذی ص:۴۴! (۱۵) صحیح مسلم کتاب الزہد، باب:۱۴، مسند احمد ۴/۱۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


علامہ شوکانیؒ نے اس سنت الٰہی سے نسخ کے وجود پر یوں استدلال فرمایا ہے:

"إن وجود نسخ الشرائع القديمة دليل وجوده فی شريعة الإسلام۔"(۱)

یعنی "قدیم شریعتوں میں نسخ کا وجود شریعت اسلام میں بھی اس کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔"

اس بارے میں مزید کچھ وضاحت ان شاءاللہ آگے پیش کی جائے گی۔

## نسخ کی اقسام

امام نوویؒ نے نسخ کی تقسیم اس طرح بیان کی ہے:

"والنسخ ثلاثة أنواع أحدها ما نسخت حكمه وتلاوته كعشر رضعات والثانی ما نسخت تلاوته دون حكمه كخمس رضعات وكالشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما والثالث ما نسخ حكمه وبقيت تلاوته وهذا هوالأكثر ومنه قوله تعالى: الذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا وصية لأزواجهم (۲) الخ۔"(۳)

یعنی "نسخ کی تین قسمیں ہیں۔ایک تو وہ جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہیں جیسے رضاعت میں دس گھونٹ دوسری قسم وہ کہ جس کی تلاوت منسوخ ہو لیکن حکم باقی ہو جیسے رضاعت میں پانچ گھونٹ اور اگر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے اور تیسری قسم یہ کہ جس کا حکم باقی نہ ہو لیکن اس کی تلاوت باقی ہو اور نسخ کی یہی قسم زیادہ ہے، مثلاً اللہ تعالی کا ارشاد کہ: وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا کر بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جایا کریں۔"

### پہلی قسم

امام نوویؒ نے نسخ کی پہلی قسم (یعنی حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہونے) کے بارے میں یہ حدیث بطور مثال نقل کی ہے۔

"عن عائشة رضی الله عنها أنها قالت كان فيما أنزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن ثم نسخت بخمس معلومات فتوفی رسول اللهﷺ وهی فيما يقرأ من القرآن۔ الخ"(۴) "حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قرآن میں تھا کہ اگر کوئی دس گھونٹ دودھ پی لے تو یہ حرمت میں

---

(۱) إرشاد الفحول للشوکانی، ص:۶۲ (۲) البقرہ:۲۴۰

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی ۴/ ۴۶۸ طبع أصح المطابع دہلی ۱۳۷۶ھ إفادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، ص:۹ للنواب صدیق حسن خاں مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۴ھ، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۲/ ۱۹۹، عون المعبود للعظیم آبادی ۲/ ۱۸۲ ملخصا

(۴) شرح صحیح مسلم للنووی ۱/ ۴۶۸-۴۶۹، تحفۃ الأحوذی ۲/ ۱۹۹، موطأ إمام مالک ۲/ ۴۵، سنن النسائی ۲/ ۷۳، الناسخ والمنسوخ لابی جعفر النحاس، ص:۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



داخل ہے پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ گھونٹ پینا موجب حرمت ٹھہرا پس رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور یہ چیز قرآن میں تلاوت کی جاتی تھی الخ۔''

## دوسری قسم

نسخ کی دوسری قسم (یعنی تلاوت منسوخ لیکن حکم باقی) کے متعلق یہ مشہور حدیث بطور مثال پیش کی جاسکتی ہے:

"عن عبدالله بن عباس ان عمر يعني عمر بن الخطاب خطب فقال إن الله بعث محمدا ﷺ بالحق وأنزل عليه الكتاب فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها ورجم رسول الله ﷺ ورجمنا من بعده وإني خشيت إن طال بالناس الزمان أن يقول قائل ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله الخ." (۱) یعنی ''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ بے شک اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو جو کچھ اللہ نے آپ پر نازل کیا اس میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے اس آیت کی تلاوت کی اور اس کو محفوظ کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود رجم فرمایا اور ہم نے بھی آپؐ کے بعد رجم کیا لیکن مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زیادہ زمانہ گزر جائے گا تو کہنے والا یہ نہ کہے کہ کتاب اللہ میں ہمیں آیت رجم نہیں ملتی اس طرح وہ اللہ تعالی کے نازل کردہ اس فریضہ کو ترک کرکے ضلالت وگمراہی میں جا پڑیں گے۔

بعض منکرین نسخ نے ان احادیث کا انکار کیا ہے، چنانچہ علامہ زرکشیؒ نے قاضی ابوبکر باقلانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''قاضی ابوبکر آیت رجم اور دیگر (منسوخ التلاوۃ) آیات کو قرآن کا حصہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ "لا يجوز القطع على إنزال قرآن ونسخه بأخبار آحاد لاحجة فيها." (یعنی اخبار آحاد کے ذریعہ انزال قرآن اور اس کے نسخ کو قطعی سمجھنا جائز نہیں ہے کہ اس میں کوئی دلیل نہیں ہوتی)۔'' (۲)

علامہ ابوعبداللہ بن ظفر الصقلیؒ (۵۶۸ھ) نے بھی اپنی کتاب ''الینبوع'' میں بطریق آحاد مروی ہونے

---

(۱) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/۲۵۰-۲۵۱، صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/۱۴۴، صحیح مسلم، باب رجم الثیب ۱۶۹۱، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/۳۲۲، الموطأ ۲/۸۲۴، مسند احمد ۱/۲۳، مصنف عبدالرزاق ۷/۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۸۳۳، الکفایۃ للخطیب: ص ۱۱، المغنی: ۸/۱۵۷-۱۵۸

(۲) البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ۲/۴۰ طبع عیسی البابی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کے باعث آیت رجم کو جزو قرآن تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔(۱)

لیکن ان کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

"قد قال قوم فی آیة الرجم إنها لم تكن قرآنا وفی آیات الرضعات كذلك ونحن لانأبی هذا ولانقطع أنها كانت قرآنا متلوا فی الصلوات ولكنا نقول۔"(۲) یعنی ''بعض لوگوں کا آیت رجم کے متعلق کہنا ہے کہ یہ قرآن کا جزو نہ تھی اوراسی طرح آیات رضعات بھی قرآن کا حصہ نہ تھیں ہم نہ ان کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے جزو قرآن ہونے کی قطعیت کے قائل ہیں اس طرح پر کہ نمازوں میں ان آیات کی تلاوت بھی کی جاتی ہو لیکن (احادیث واردہ کی روشنی میں) ہم ایسا ہی کہتے ہیں۔''

بعض معتزلہ یا اعتزال سے متأثر فقہاء نے منسوخ التلاوۃ لیکن باقی الاحکام آیات کی اس تقسیم پر بھی اعتراضات کئے ہیں چنانچہ ابواسحاق شیرازیؒ کا قول ہے:

"وقالت طائفة لایجوز نسخ التلاوة مع بقاء الحكم لأن الحكم تابع التلاوة فلایجوز أن یرتفع الأصل ویبقی التابع۔"(۳) یعنی ''ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ تلاوت تو منسوخ ہو لیکن حکم باقی ہو کیونکہ حکم تلاوت کے لئے تابع کی حیثیت رکھتا ہے، پس یہ جائز نہیں ہے کہ اصل تو رفع ہو جائے لیکن تابع باقی رہ جائے۔''

اور صدر الشریعہ کا قول ہے:

"لأن النص بحكمه والحكم بالنص فلا انفكاك بینهما۔"(۴) یعنی ''نص اپنے حکم کے ساتھ ہی نص ہے اور حکم نص کے ساتھ، لہٰذا ان دونوں میں تفریق ممکن نہیں ہے۔''

مصطفیٰ خفاجی بعض معتزلہ کے اس انکار کی دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بأن رفع التلاوة دون الحكم ورفع الحكم دون التلاوة إیقاع فی الجهالة لأن الأصل فی بقاء التلاوة بقاء حكمها وفی رفعها رفع حكمها۔"(۵) یعنی ''کیونکہ تلاوت کے منسوخ ہونے اور حکم کے باقی رہنے یا حکم کے رفع ہو جانے اور تلاوت کے باقی رہنے سے (اللہ تعالیٰ کا) جہالت میں واقع ہونا لازم آتا ہے (فنعوذ بالله من ذلك) کیونکہ تلاوت کو محفوظ رکھنا دراصل حکم کو محفوظ رکھنا ہے اور اس کا نسخ اس کے حکم کا بھی نسخ ہے۔''

امام ابن حزمؒ نے ان تمام اعتراضات کے خوب تفصیلی جوابات رقم فرمائے ہیں لیکن بخوف طوالت ہم

---

(۱) البرهان فی علوم القرآن: ۲/ ۳۶ (۲) الإحكام ۴/ ۲۹ (۳) اللمع فی أصول الفقه، ص: ۳۸

(۴) التوضیح ۲/ ۲۶ (۵) صفوة الكلام فی اصول الاحكام، ص: ۱۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہاں ان اعتراضات اور ان کے جوابات کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں، مختصراً یہ سمجھ لیں کہ:

"إن هذا لهوا الضلال البعيد والعناد الشديد والجهل والقحة الزائدة۔"(۱) یعنی ''(جو لوگ نسخ قرآن کے بارے میں مختلف وسواس کا شکار ہیں) وہ انتہا درجہ گمراہی، شدید عناد، جہالت اور خرافات میں مبتلا ہیں۔''

کیونکہ اللہ عزوجل کے متعلق ہر ذی عقل اس حقیقت کا معترف ہے کہ "لا يسئل عما يفعل" یعنی ''اللہ عزوجل اپنے ہر فعل کیلئے غیر مسئول ہے۔'' علامہ ابن حزم رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وما ههنا شيء أصلا إلا أن الله تعالى أراد أن يحرم علينا بعض ما خلق مدة ثم أراد أن يبيحه وأراد أن يبيح لنا بعض ما خلق مدة ما ثم أراد أن يحرمه علينا ولا علة لشيء من ذلك كما لا علة لبعثه عليه الصلوة والسلام في العصر الذى بعثه دون أن يبعثه في العصر الذى كان قبله وكما لا علة لكون الصلوة خمسا لاسبعا ولا ثلاثة۔"(۲) یعنی ''(یہاں ان تمام اعتراضات کے بارے میں) اصل چیز یہ ہے کہ (یہ اللہ عزوجل کا ہی منشا و مصلحت تھی) کہ اس نے جس چیز کو ہمارے لئے کچھ مدت تک حرام بنائے رکھا پھر اسے ہی مباح کر دیا اور اسی طرح اپنی پیدا کردہ بعض اشیاء کو ایک مدت تک ہمارے لئے مباح رکھا پھر اسے ہمارے لئے حرام کر دیا۔ ان چیزوں کی کوئی علت اور وجہ نہیں بیان کی جاسکتی ہے جس طرح کہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ نبی ﷺ جس خاص زمانے میں مبعوث فرمائے گئے اس سے قبل کے زمانہ میں کیوں نہ مبعوث کئے گئے؟ یا اسی طرح اس کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں بتائی جاسکتی ہے کہ نماز پانچ اوقات ہی کی کیوں فرض ہے؟ سات یا تین وقتوں کی کیوں نہیں ہے وغیرہ۔''

ان شاء اللہ آگے کسی بھی مناسب موقع پر اس بارے میں مزید تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

## تیسری قسم

نسخ کی تیسری قسم (یعنی تلاوت باقی اور حکم منسوخ) کے بارے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱- آیت: ﴿لكم دينكم ولى دين﴾ (۳) یعنی ''تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے''___ لیکن سورۃ الکافرون کا یہ جزء منسوخ الحکم ہے، اگر چہ اس کی تلاوت باقی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین عرب کو دعوت اسلام دینے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے نہ کہ ان کے اپنے دین پر قائم رہنے پر اپنی رضامندی کے اظہار کے لئے۔ پس ایک خاص حالت میں جبکہ مشرکین غالب تھے اور انہوں نے نہ صرف دعوت الٰہی کا انکار کیا بلکہ تمسخر بھی اڑایا تو اللہ عزوجل کی جانب سے یہ کہا گیا کہ اے رسول! ''آپ ان کافروں

(۱) الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۳۲ (۲) نفس مصدر ۴/۵۹ (۳) الکافرون: ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے صاف صاف فرما دیجئے کہ اے کافرو! میں نہ تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے۔ پس تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔"

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"كلا فإنه عليه السلام ما بعث إلا للمنع فكيف يأذن فيه ولكن المقصود منه أحد أمور، أحدها: أن المقصود التهديد كقوله: اعملوا ما شئتم." الخ (۱) یعنی "ایسا مفہوم ہرگز نبی ﷺ کا نہیں ہوسکتا۔ آپ کفر کی چھوٹ کیوں نکر دے سکتے تھے۔ جب کہ آپ کو صرف اس سے روکنے کے لئے ہی مبعوث کیا گیا تھا۔ لیکن اس سے مقصد ان امور میں سے کوئی ہوسکتا ہے پہلا یہ کہ یہ الفاظ تہدید کے طور پر استعمال ہوئے ہوں جیسے کہ "اعملو ا ما شئتم" کے الفاظ میں فرمایا گیا ہے الخ۔"

۲- دوسری مثال سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت ہے:

﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا وصية لأزواجهم متاعا إلى الحول غير إخراج فإن خرجن فلا جناح عليكم فيما فعلن فى أنفسهن من معروف﴾ (۲)

یعنی "اور جو لوگ تم میں سے وفات پا کر بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں، وہ اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی وصیت کر جایا کریں اس طرح کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس بارے میں کہ جس کو وہ اپنے بارے میں معروف طریقہ پر کریں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس آیت میں مذکور بیوگی کی مدت (ایک سال) کو مندرجہ ذیل آیت نے منسوخ کر کے چار ماہ دس دن کر دیا ہے:

﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرا﴾ (۳)

یعنی "اور جو لوگ تم میں سے وفات پا کر بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن (نکاح کے بغیر) روکے رکھیں۔"

اور بیوہ کی اس ایک سال مدت کفالت کے حکم کو ترکہ میں حصہ دار بنا کر مندرجہ ذیل آیت نے منسوخ کر دیا ہے:

﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (۴)

---

(۱) تفسیر الکبیر للرازی ۳۰/ ۱۴۷ (۲) البقرہ: ۲۴۰

(۳) البقرہ: ۲۳۴ (۴) النساء: ۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## نسخ قرآن پر تمام اہل شرائع کا اتفاق

متقدمین علماء ہوں یا متأخرین تمام وقوع نسخ کے قائل چلے آئے ہیں۔ باوجود تھوڑے بہت اختلاف کے وقوع نسخ کا سوائے احناف وحنابلہ کی ایک جماعت کے کسی نے بھی انکار نہیں کیا ہے۔ ان منکرین کا کہنا ہے کہ "إذا انتفى الحكم فلا فائدة فى التلاوة۔"(۱) یعنی ''جب حکم کی نفی ہوگئی تو تلاوت کے باقی رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے'' ـــ لیکن اس کے برخلاف نسخ کے وجود ووقوع کے متعلق صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور محدثینؒ ومفسرینؒ کے اس قدر آثار واقوال موجود ہیں کہ ان کا یہاں نقل کرنا محال ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں درست فرمایا ہے کہ: "واتفقت أهل الشرائع على جواز التنسيخ ووقوعه۔" یعنی ''تمام اہل شرائع کا نسخ کے جواز اور وقوع دونوں پر اتفاق ہے۔''

## نسخ قرآن کا انکار ایک جدید فتنہ ہے

ماضی قریب میں مفتی محمد عبدہ مصری (۱۹۰۵ء)، سرسید احمد خاں (۱۸۹۸ء)، تمنا عمادی مجیبی پھلواروی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق (صاحب دو اسلام)، جناب عمر احمد عثمانی بن ظفر احمد تھانوی عثمانی (صاحب فقہ القرآن)، جناب رحمۃ اللہ طارق (صاحب تفسیر منسوخ القرآن)، جناب غلام اللہ خاں اور جناب حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی (صاحب مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت) وغیرہم نے قرآن کے ہر قسم کے نسخ کا انکار کیا ہے، حتی کہ ان کے نزدیک قرآن کا قرآن سے نسخ بھی جائز نہیں ہے۔ یہاں ان تمام حضرات کے اقوال واقتباسات نقل کرنا طول محض کا سبب ہوگا لہٰذا ذیل میں صرف ایک اقتباس بطور مثال پیش خدمت ہے:

جناب سرسید احمد خاں فرماتے ہیں:

''ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم وکاست موجودہ قرآن میں جو درحقیقت آنحضرت ﷺ کے زمانۂ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے اور نہ ہی قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے۔''(۲)

اور محمد عبدہ مصری کی رائے کے لئے ''تفسیر المنار''(۳) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ لیکن ہمارے نزدیک ان حضرات کے دلائل (جو دراصل دینی دلائل سے زیادہ مغالطات وشبہات ہیں) اس قدر قوی نہیں ہیں کہ جس قدر اس بارے میں ان لوگوں کو اصرار ہے۔ چونکہ یہ ایک علیحدہ اور مستقل موضوع ہے، لھذا ہم یہاں اس بحث سے صرف نظر کرتے ہیں۔

---

(۱) إرشاد الفحول للشوکانی، ص: ۱۸۹ — (۲) تفسیر القرآن از سرسید احمد خاں ۱/۱۷۶، ۲۲۱ طبع لاہور ۱۸۹۱ء

(۳) تفسیر المنار ۱/۴۱۷، ۲/۱۳۶-۱۳۸، طبع اول مصر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## ناسخ ومنسوخ کے علم کی ضرورت واہمیت

صحیح فہم قرآن کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق قرآن میں جس قدر احکام آئے ہیں، ان سب کو یکجا کر کے پتہ لگایا جائے کہ کون سا حکم کس زمانہ کے لئے تھا؟ اور کون سا کس زمانہ کیلئے ہے؟ اس کا مورد ومحل کیا ہے؟ اور دوسرے کا کیا؟ قرآن کی کون سی آیت محکم ہے؟ اور کون سی نہیں؟ اسی طرح کون سی آیت ناسخ ہے؟ اور کون سی منسوخ؟

اس علم کی معرفت کی ضرورت واہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خاص اس موضوع پر محدثین کرام نے مستقل تصانیف مرتب کی ہیں۔ صاحب ''کشف الظنون'' نے دس اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے چودہ ایسی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔(۱)

جو شخص احکام متنوعہ کے ان باہمی فرق کو نظر انداز کر کے ان میں خاص توازن، ترتیب وتناسب پیدا کرنے کی سعی پیہم نہیں کرتا اس کو قدم قدم پر مشکلات پیش آتی ہیں، شاید اسی باعث حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ ''جو شخص بھی ناسخ ومنسوخ کا علم نہیں رکھتا اسکا رجوع الی القرآن باعث ہلاکت ہے۔''(۲)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی مشکلات کے پیش نظر عام مستشرقین قرآن میں تضاد بیانی اور سوئے ترتیب کا شکوہ کیا کرتے ہیں:

## بلا دلیل کسی آیت یا حدیث کو منسوخ یا مؤول کہنا درست نہیں ہے

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

''کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی آیت یا حدیث صحیح کے بارے میں یہ بات کہے کہ یہ منسوخ یا مخصوص ہے، یوں کہنا بھی درست نہیں کہ فلاں نص قابل تاویل ہے اور اس کا وہ مفہوم نہیں جو اس کے ظاہری الفاظ سے متبادر ہے..... جب تک کسی دوسری نص یا اجماع سے ثابت نہ ہو کہ یہ نص منسوخ یا مؤول ہے یا کوئی حسی ضرورت اس کی داعی ومحرک ہو - ان باتوں کی موجودگی میں نسخ یا تاویل کا دعوی کرنے والا جھوٹا ہے......

آیت کریمہ ﴿وماأرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾ (۳) یعنی ''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔'' سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے فرمودہ تمام اوامر میں آپ کی اطاعت واجب ہے اور آیت کریمہ: ﴿أطيعو الله﴾ قرآن کی اطاعت کو واجب ٹھہراتی ہے۔ جو شخص کسی آیت یا حدیث کے منسوخ ہونے کا مدعی ہو گویا وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو

---

(۱) تحفۃ الأحوذی للمبارکپوری، ص:۱۴۴-۱۴۵  (۲) الاعتبار للحازمی، ص۳  (۳) النساء:۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ساقط کرنے کا مرتکب ہوتا ہے، اوراس طرح اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اورآیت کریمہ: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبين لهم﴾ (۱) یعنی ''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتا دے۔'' سے عیاں ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی ہر نص سے اس کا ظاہری مفہوم مراد لینا چاہیئے۔ لہذا جو شخص اس سے وہ مفہوم مراد نہیں لیتا جس کے لئے وہ عربی زبان میں بولا جاتا ہے وہ اللہ تعالی کے قول اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا اور اس پر افتراء پردازی کرتا ہے، جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ فلاں نص سے وہ پورا مفہوم مراد نہیں جو عربی زبان میں اس کے لئے مقرر ہے، بلکہ اس کے مفہوم کا کچھ حصہ مراد ہے وہ اپنے جھوٹے دعوی کی اساس پر حکم ربانی کی اطاعت کو ساقط کرنے والا ہے، اور اس کا یہ قول افتراء علی اللہ بھی ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کسی آیت سے پورے ظاہری مفہوم کی نسبت اس کے ایک جزو کو مراد لینا اَولی واَفضل ہو الخ۔'' (۲)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "النسخ لا يثبت إلا بدليل۔" (۳) یعنی ''نسخ بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا۔'' اور فرماتے ہیں:

"رفع تعلق حكم شرعي بدليل شرعي متأخر عنه۔" (۴)

اور علامہ سخاویؒ، حافظ رحمہ اللہ کا آخر الذکر قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "لكون الرفع لا يكون إلا بعد الثبوت خرج بيان المجمل والاستثناء والشرط ونحوها مما هو متصل بالحكم مبين لغايته لا سيما مع التقييد بالسابق الخ۔" (۵)

## کیا حدیث وسنت قرآن کی ناسخ ہو سکتی ہیں؟

قرآن سے قرآن کا نسخ بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''بالاتفاق جائز ہے۔'' (۶) جو لوگ صرف قرآن سے قرآن کے نسخ کے قائل ہیں ان کے دلائل ان شاء اللہ آگے ''امام شافعیؒ کی رائے'' کے تحت پیش کئے جائیں گے، جہاں تک سنت سے قرآن کے نسخ کا تعلق ہے تو یہ علماء کے درمیان ایک مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے۔ اس بارے میں علماء کے عموماً تین قسم کے اقوال ملتے ہیں:

### (الف) امام شافعیؒ وغیرہ کی رائے:

امام شافعیؒ اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں سنت سے نسخ القرآن کے مطلقاً عدم جواز کی طرف گئے ہیں چنانچہ

---

(۱) ابراہیم: ۴
(۲) المحلی لابن حزم مترجم غلام احمد حریری ۱/۱۰۰، ۱۰۱
(۳) فتح الباری لابن حجر ۱۳/ ۳۱۶
(۴) نزھۃ النظر ص: ۵۸، فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۴۷
(۵) فتح المغیث للسخاوی ۴/ ۴۷
(۶) فتح الباری ۳/ ۴۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لکھتے ہیں:

"إن السنة لاناسخة لكتاب وإنما فى تبع للكتاب بمثل ما نزل نصا ومفسرة معنى ما أنزل الله منه جملا قال الله ﴿وإذا تتلى عليهم آياتنا بينات قال الذين لايرجون لقاء نا ائت بقرآن غيرهذا أوبدله قل ما يكون لى أن ابدله من تلقآئ نفسى إن اتبع إلا ما يوحى إلىّ إنى أخاف إن عصيت ربى عذاب يوم عظيم﴾ الآية (۱) فأخبر الله أنه فرض على نبيه اتباع ما يوحى إليه ولم يجعل له تبديله من تلقاء نفسه وفى قوله ما يكون لى أن أبدله من تلقاء نفسى بيان ما وصفت من أنه لاينسخ كتاب الله إلا كتابه كما كان المبتدئ لفرضه فهو المزيل المثبت لما شاء جل ثناؤه ولايكون ذلك لأحد من خلقه ــــ"(۲) یعنی "بے شک سنت قرآن کی ناسخ نہیں ہے کیونکہ وہ تو خود کتاب اللہ کے تابع ہے، لہذا اس کا کام نازل شدہ نصوص اور منزل من اللہ جملوں کی تفسیر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وإذا تتلى عليهم الخ یعنی" اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے، کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں ترمیم کر دیجئے (لیکن اے رسولؐ آپ) کہہ دیجئے کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں میں تو بس اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس بذریعہ وحی پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرنی کروں تو مجھے ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا خوف ہے" ــــ اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ پر جو کچھ وحی بھیجی ہے اس کی اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے اور انہیں اپنے نفس یا مرضی کے مطابق اس میں ردوبدل کا مختار نہیں بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی میں ہے: ما یکو ن لی الخ ــ اس آیت میں آں ﷺ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ آپؐ کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کرسکتے۔ اسے تو صرف کتاب اللہ ہی منسوح کرسکتی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کسی چیز کو فرض کیا تو وہی اپنی مرضی کے مطابق اس کو زائل کرنے یا قائم رکھنے کا مختار ہے۔ اس کا اختیار اسکی مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔"

امام رحمہ اللہ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

"وفي كتاب الله دلالة عليه قال الله ﴿ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو أو مثلها ألم تعلم أن الله على كل شيء قدير﴾ الآية(۳) فأخبر الله أن نسخ القرآن وتأخير إنزاله لايكون إلا بقرآن مثله۔"(۴)

(۱) یونس:۱۵

(۲) الرسالۃ للإمام الشافعی مع تعلیق احمد شاکر، ص:۱۰۶-۱۰۷، طبع اول حلبی ۱۹۴۰ء

(۳) البقرہ:۱۰۶

(۴) الرسالۃ للإمام شافعی، ص:۱۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''کتاب اللہ میں اس پر دلالت موجود ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: "ما ننسخ من آية" الخ یعنی ''ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں۔'' پس اس آیت میں اللہ عز و جل نے یہ خبر دی ہے کہ نسخ قرآن اور اس کی تنزیل میں تاخیر قرآن جیسی چیز کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام شافعیؒ کے اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام شافعیؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قرآن سنت سے منسوخ نہیں ہوسکتا۔''(۱)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ فرماتے ہیں:

"قال الشافعي لاينسخ الكتاب بالسنة المتواترة واستدل بهذه الآية: ماننسخ الخ." (۲) یعنی ''امام شافعیؒ کا قول ہے کہ سنت متواترہ سے قرآن منسوخ نہیں ہوسکتا، اس پر انہوں نے آیت'' مانسخ'' سے استدلال کیا ہے۔''

اور علامہ حازمیؒ فرماتے ہیں:

''متقدمین کی ایک جماعت اور متأخرین میں سے بعض علماء کی یہی رائے ہے کہ سنت کتاب اللہ کی ناسخ نہیں بن سکتی۔''(۳)

علماء کی اس جماعت میں امام شافعیؒ کے اکثر اصحاب، اکثر اہل ظاہر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ شامل ہیں، چنانچہ مرتبین ''دائرۃ المعارف الإسلامیہ'' نے مادہ ''سنت'' کے تحت لکھا ہے، امام شافعی کا عقیدہ ہے کہ قرآن کو سنت منسوخ نہیں کرسکتی۔ علامہ آمدی نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ نہ صرف امام شافعیؒ بلکہ آپ کے اصحاب اور اہل ظاہر کی اکثریت اس بات کی قائل تھی کہ وحی الہی کو سنت متواترہ بھی منسوخ نہیں کرسکتی اور یہی مذہب امام احمد بن حنبلؒ کا بھی تھا۔''(۴) اوپر امام احمد بن حنبلؒ کو امام شافعی کا مطلقاً ہم خیال بیان کیا گیا ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ اس بارے میں امام احمد بن حنبلؒ سے دو مختلف اقوال منقول ہیں۔ جو قول امام شافعیؒ کے موقف کی حمایت میں ملتا ہے، اس کی روایت امام ابوداؤد السجستانیؒ نے یوں کی ہے:

"سمعت أحمد بن حنبل وسئل عن حديث السنة قاضية على الكتاب قال لاأجترئ أن أقول فيه ولكن السنة تفسر القرآن ولاينسخ القرآن إلا القرآن."(۵) یعنی ''میں نے امام احمد

---

(۱) فتح الباری ۵/۲/۳۷۲

(۲) فتح البیان فی مقاصد القرآن ۱/۱۶۱، طبع بھوپال ۱۲۹۱ھ

(۳) الاعتبار للحازمی، ص: ۲۷

(۴) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (عربی ایڈیشن) ۱۲/۲۸۴ طبع قاہرہ

(۵) الاعتبار للحازمی، ص: ۲۷ طبع منیر دمشق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بن حنبلؒ کو اس سوال کے بارے میں کہ آیا سنت کتاب اللہ پر حاکم کا درجہ رکھتی ہے یا نہیں؟ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتا، البتہ سنت قرآن کی تفسیر ہے اور قرآن کو صرف قرآن ہی منسوخ کرسکتا ہے۔"

اس موقف کے بعض دوسرے مشہور علماء میں علامہ ابوالفرج مالکیؒ، ابواسحاق شیرازی، قاضی ابوطیب اور صدرالشریعہ حنفی وغیرھم کا شمار ہوتا ہے، چنانچہ امام قرطبیؒ، علامہ ابوالفرج مالکیؒ کے متعلق بیان کرتے ہیں،

"وہ امام شافعیؒ کی طرح کتاب اللہ کو سنت کے ذریعہ منسوخ کرنے کے منکر تھے۔"(۱)

علامہ ابواسحاق شیرازیؒ کا قول ہے:

"ہمارے نزدیک سماعی طور پر یہ جائز نہیں ہے کہ بذریعہ سنت کتاب اللہ کو منسوخ کیا جائے۔ ہمارے اکابرین شافعیہ نے سمعی و عقلی ہر دو طرح اس کا انکار کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ سمعی طور پر ایسا اس لئے درست نہیں ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو مثلها﴾ لیکن سنت نہ تو قرآن کے مثل ہے اور نہ ہی اس سے بہتر۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سنت کی تلاوت پر ثواب نہیں ملتا جس طرح کہ قرآن کی تلاوت پر ملتا ہے ــــ اور نہ ہی سنت کے الفاظ میں قرآن کے الفاظ کی طرح اعجاز موجود ہے۔ پس یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سنت نہ اعجاز میں قرآن کے مثل ہے اور نہ ہی ثواب تلاوت میں۔"(۲)

قاضی ابوطیبؒ نے "الکفایۃ" کی شرح میں سنت کے ذریعہ قرآن کے نسخ کا انکار کرتے ہوئے یہ سبب بیان کیا ہے:

"لأن القرآن يقيني فلا ينسخه مظنون كالحديث."(۳) یعنی "کیونکہ قرآن یقینی ہے پس اس کو حدیث کی طرح کوئی مظنون شئ منسوخ نہیں کرسکتی۔"

علامہ صدرالشریعہ حنفیؒ فرماتے ہیں:

"امام شافعیؒ کے نزدیک کتاب اللہ کو سنت کے ذریعہ اور سنت کو کتاب اللہ کے ذریعہ منسوخ کرنا فاسد ہے کیونکہ اگر کتاب اللہ کو بذریعہ سنت منسوخ کیا جائے تو غیر مسلم یہ کہیں گے آں ﷺ نے جس کلام کو وحی کی صورت میں پیش کیا تھا خود ہی اس کی تردید کردی اور اگر سنت کو کتاب اللہ کے ذریعہ منسوخ کیا جائے تو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے جس کو نبی مقرر فرمایا تھا خود ہی اس کی تکذیب کردی، پس اس پر ایمان لانا واجب نہ رہا ــــ لہذا بقول امام شافعیؒ کتاب وسنت میں سے ایک دوسرے کو منسوخ کرنے سے بہتر ہے کہ

---

(۱) تفسیر جامع الاحکام للقرطبی ۲/۱۹۵، طبع دار الکتب المصریہ
(۲) اللمع فی أصول الفقہ، ص: ۱۳۸-۱۳۹ طبع مصر
(۳) إرشاد الفحول، ص: ۱۶۶-۱۶۸ ملخصا
(۴) التوضیح، ص: ۳۴ طبع مصر، اللمع فی أصول الفقہ، ص: ۱۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان کے مابین جمع وتطبیق کی سعی کی جائے۔''(۴)

علامہ حمزہ فناریؒ فرماتے ہیں:

"إن السنة لا تصلح ناسخة نظم الكتاب لتقوم مقامه فی الإعجاز وصحة الصلوة وغيرهما۔"(۱) یعنی''سنت نظم قرآن کے نسخ کے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ اعجاز اور صحت نماز وغیرہ میں اس کا مقام (قرآن سے فروتر ہے)۔'' لیکن خود شوافع میں سے علامہ سبکیؒ وغیرہ نے امام شافعیؒ کے قول سے اختلاف کیا ہے اور یہ تاویل پیش کی ہے کہ امام شافعیؒ کی ہرگز یہ مراد نہ تھی کہ حدیث کی حیثیت بالکل ثانوی ہے یا سنت نسخ قرآن کے باب میں قطعاً غیر مؤثر ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے یہ تاویل پیش کی ہے کہ:

"إن السنة لا تنسخ الكتاب إلا ومعها كتاب يؤيدها۔" یعنی سنت صرف اس وقت کتاب اللہ کو منسوخ کر سکتی ہے جبکہ قرآن کی کسی دوسری آیت سے اس کی تائید ہو سکتی ہو۔ لیکن فقہائے حنفیہ میں سے ابن ہمام اور امیر بادشاہ وغیرھما نے علامہ سبکیؒ وغیرہ کی اس تاویل پر یوں کلام کیا ہے:

"إن الشافعی منعه قولا واحدا وما صح من تأويل السبكی لعبارته باطل۔"(۲) یعنی'' امام شافعیؒ نے نسخ قرآن سے بیک قول منع کیا ہے۔ ان کی عبارت کے متعلق علامہ سبکیؒ کی بیان کردہ تاویل غیر صحیح اور باطل ہے۔''

علامہ کیا الهراسیؒ نے امام شافعیؒ کے اس موقف پر بہت کھلے الفاظ میں تردید کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "هفوات الكبار علی أقدارهم۔" (۳) یعنی'' بڑے لوگوں کی ہفوات بھی ان کی طرح قدآور ہوتی ہیں۔''

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

''علماء کی ایک بڑی جماعت نے امام شافعیؒ کے اس مسلک کا شدت سے انکار کیا ہے۔''(۴)

اور نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالیؒ فرماتے ہیں:

"وليس بصحيح والحق جواز نسخ الكتاب بالسنة۔"(۵) یعنی'' امام شافعیؒ کی رائے درست نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ سنت سے نسخ الکتاب جائز ہے۔''

خلاصہ یہ کہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال حضرات اپنے موقف پر جن آیات سے استدلال کیا کرتے

---

(۲) فصول البدائع ۲/۱۲۵ (۲) تیسیر التحریر ۲/۲۰۳ طبع مصطفیٰ حلبی

(۳) إرشاد الفحول ص:۱۹۱ (۴) نفس مصدر، ص:۱۹۱

(۵) فتح البیان فی مقاصد القرآن للنواب صدیق حسن خان ۱/۱۶۱ طبع بھوپال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱-﴿ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو مثلها﴾(۱)(ترجمہ: ''جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مثل ہی (کوئی دوسری چیز) لے آتے ہیں۔'')

۲-﴿وإذا بدلنا آية مكان آية﴾ (۲)(ترجمہ: ''اور جب ہم ایک آیت کو بدل دیتے ہیں دوسری کی جگہ''۔

(نوٹ: واضح رہے کہ امام فخر الدین رازیؒ بھی اثبات نسخ کے لئے اس آیت کو ہی قابل رجوع سمجھتے ہیں)۔(۳)

۳-﴿قل ما يكون لي أن أبدله من تلقآئ نفسى إن أتبع إلا ما يوحى إلىّ﴾ (۴)
(ترجمہ: ''(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرے لئے نہیں کہ میں بدل دوں اس (قرآن) کو اپنی طرف سے، میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو کہ مجھ پر بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے)''۔

(ملاحظہ: واضح رہے کہ جو بعض لوگ نسخ قرآن، صرف قرآن سے ہی جائز سمجھتے ہیں وہ بھی انہی آیات سے احتجاج کرتے ہیں)۔

## (ب) متکلمین، اشاعرہ و معتزلہ اور بعض فقہاء کی رائے:

جمہور متکلمین، اشاعرہ و معتزلہ اور فقہاء میں سے امام مالک و امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ سنت متواترہ سے نسخ القرآن عقلا جائز ہے، لیکن اس کے وقوع کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔(۵)

علامہ ابن الفورک نے ''مقالات الأشعریین'' کی شرح میں لکھا ہے:

''قرآن کے واضح احکام کو سنت متواترہ سے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے شیخ ابوالحسن اشعری اسی طرف گئے ہیں۔''(۶)

علماء کے اس طبقہ کی رائے کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے یوں بیان کیا ہے:

''(ان کے نزدیک) سنت مشہورہ سے نسخ قرآن جائز ہے۔''(۷) لیکن ''خبر واحد سے نسخ الکتاب جائز نہیں ہے۔''(۸)

---

(۱) البقرہ:۱۰۶ (۲) النحل:۱۰۱ (۳) تفسیر الکبیر للرازی ۳/۱۵۶ طبع قاہرہ ۱۹۳۵ء
(۴) یونس:۱۵ (۵) الاحکام فی اصول الأحکام للآمدی ۲/۱۵۳
(۶) إرشاد الفحول ص:۱۹۱ (۷) فتح الباری لابن حجر ۱۲/۱۲۰ (۸) نفس مصدر ۶/۲۰۸، ۱۲/۱۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور صاحب ''شرح المنار'' وغیرہ اپنے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس خبر واحد کو رد کردینا جس میں نص قرآنی سے زائد کوئی حکم آیا ہو کیونکہ اس طرح حدیث قرآن کی ناسخ بن جائیگی، حالانکہ سنت قرآن کی ناسخ نہیں ہے۔''(۱)

جو لوگ سنت متواترہ سے مع عدم الوقوع، نسخ الکتاب کے جواز کے قائل ہیں، وہ قرآن کریم کی ان عمومی آیات سے استدلال کرتے ہیں جن سے سنت کی قطعیت وحجیت کے اثبات پر احتجاج کیا جاتا ہے۔ یہاں عدم الوقوع سے مراد احکام میں سنت متواترہ کا عدم وجود ہے- ان علماء کے نزدیک ''نسخ قرآن کے لئے سنت ناسخہ کا متواتر ہونا اس لئے شرط ہے کہ قرآن متواتر اللفظ ہے لہذا کسی قطعی السند متواتر شئ کے نسخ کے لئے اسی کے مثل متواتر شئ کا موجود ہونا لازم ہے۔''(۲)

## (ج) امام ابن حزمؒ اور عام مفسرین کی رائے:

امام ابن حزمؒ اور عام مفسرین ہر سنت سے نسخ قرآن کے مطلقا جواز کی طرف گئے ہیں، خواہ وہ سنت بتواتر منقول ہو یا اخبار آحاد کی قبیل سے ہو-(۳) چنانچہ فرماتے ہیں:

''قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرسکتی ہے۔ سنت، قرآن کریم اور سنت دونوں کو منسوخ کرسکتی ہے۔''(۴)

محدثین میں سے امام مروزی، امام قرطبی، امام نووی، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام ابن کثیر، امام ابن حجر عسقلانی، امام سخاوی، امام منذری، امام شوکانی، علامہ امیر صنعانی، علامہ نواب صدیق حسن خاں، علامہ شمس الحق عظیم آبادی اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری وغیرہم رحمہم اللہ کی رائے بھی امام ابن حزم اندلسیؒ کی رائے کے موافق ہے۔ عام حنفیہ مثلا علامہ ابوبکر الجصاص، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ملا علی قاری، شاہ ولی اللہ دہلوی، (۵)، شاہ عبدالعزیز دہلوی (۶)، جناب ثناء اللہ پانی پتی، جناب اشرف علی تھانوی اور جناب مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہم کی رائے بھی یہی ہے ''بشرطیکہ وہ سنت مشہور ہو۔''

علماء کا یہ طبقہ جو اس بات کا قائل ہے کہ ہر صحیح سنت کتاب اللہ کو منسوخ کرسکتی ہے ان کا کہنا ہے کہ اللہ عزوجل نے پہلے اپنی کتاب میں کوئی حکم نازل فرمایا تھا بعد میں اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی اس حکم کے

---

(۱) شرح المنار، ص: ۶۴۷، الاحکام ۲/۶۱۱ (۲) الاحکام للآمدی ۲/۱۵۳

(۳) الاحکام لابن حزم، ص: ۴۷۷، المحلی ۱/۱۱، طبع اول (۴) المحلی لابن حزم مترجم ۱/۹۸

(۵) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب کے متعلق جناب عبیداللہ سندھیؒ کا یہ قول عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ''شاہ ولی اللہ صاحب نے صرف ان پانچ آیات کو بھی صرف اس لئے منسوخ مانا ہے تاکہ علمائے وقت انہیں معتزلی ہونے کا فتوی نہ دیدیں۔''

(۶) ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی فارسی، ص: ۴۸۸ مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۴ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خلاف کوئی دوسرا حکم نازل فرما کر پہلے حکم کی منسوخی سے مطلع فرمادیا، تو اس میں حیرت یا دوسرے حکم کو قبول نہ کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ کیا محض اس لئے کہ اس بارے میں اللہ عزوجل نے ایسی کوئی آیت نازل نہیں فرمائی کہ جس کی تلاوت کی جاتی، انسانوں پر نبی ﷺ کے اس قول کی تصدیق واطاعت اور آں ﷺ کے اس نئے حکم کو قبول کرنا لازم نہ ہوگا؟ چونکہ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی ﷺ کتاب اللہ میں نازل کردہ کسی چیز کو اس وقت تک منسوخ نہیں فرماسکتے جب تک کہ آپؐ کو بذریعہ وحی اس کا حکم نہ دیا جائے، خواہ وہ حکم قرآن کریم کا قابل تلاوت جزء ہو یا نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے:

﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾(۱) ''اور نہ وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش نفسانی سے کچھ بولتے ہیں، ان کا ارشاد تو نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔''

اور

﴿إن أتبع إلا ما يوحى إليّ﴾ (۲) ''میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے، اس کا اتباع کرتا ہوں۔''

پس وحی وہ بھی ہوسکتی ہے جو قرآن کا باقاعدہ جزو نہ ہو، چنانچہ جناب مفتی محمد شفیع صاحب، امام قرطبیؒ سے نقل فرماتے ہیں:

''یہ بات علماء امت میں متفق علیہ ہے کہ جب کوئی حکم رسول کریم ﷺ کی زبانی یقینی طور پر معلوم ہوجائے جیسے خبر متواتر، مشہور وغیرہ میں ہوتا ہے تو وہ بالکل بحکم قرآن ہے۔ اور وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے۔ اس لئے ایسی حدیث سے کسی آیت قرآن کا منسوخ ہوجانا کوئی محل شبہ نہیں الخ۔''(۳)

امام ابن حزم اندلسیؒ نسخ القرآن بالسنۃ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نسخ صرف بعض أزمان کی حکم وارد کے ساتھ تخصیص ہے، سارے ازمان کی نہیں ہے۔ تمام علماء، سنت کے ساتھ بعض اعیان کی تخصیص کو جائز قرار دیتے ہیں، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد: "لا قطع إلا في ربع دينار فصاعدا" یعنی ''ربع دینار سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا'' وغیرہ۔ پس سنت سے بعض اعیان کی تخصیص کے جواز اور سنت سے ہی بعض ازمان کی تخصیص کے جواز کے مابین کیا فرق ہوسکتا ہے؟ بلکہ جو چیز واجب الممانعت ہونے کی بدرجہا مستحق تھی وہ تو موجود ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ تخصیص نسخ کے مانند نہیں ہے، کیونکہ تخصیص نص کے لئے باعث رفع نہیں ہوتی جبکہ نسخ پوری نص کے لئے موجب رفع ہوتا ہے، تو ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جب سنت سے نص کے بعض کا رفع (نسخ)

(۱) النجم:۳،۴ (۲) الأنعام:۵۰ (۳) معارف القرآن ۱/۳۸۴-۳۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرنا جائز ہے، حالانکہ نص کا بعض خود بھی نص ہی ہوتی ہے تو خواہ نص کے کچھ حصہ کا رفع ہو یا تمام نص کا، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا- یہ دونوں یکساں اور برابر ہیں، لہذا ان کے مابین کسی چیز میں کوئی تفریق نہیں ہے۔"(۱)

## منکرین نسخ کے بعض دلائل اور ان کا جائزہ

امام مروزی اور امام ابن حزم رحمہما اللہ نے امام شافعیؒ کے مندرجہ بالا دلائل کا خوب تفصیلی تعاقب کیا ہے۔ یہاں ان کی پوری بحث نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں البتہ کچھ مفید اقتباسات ہدیہ قارئین ہیں:

امام مروزیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل نے قرآن میں "ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها۔"(''یعنی جس آیت کو ہم منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر (کوئی دوسرا حکم) لے آتے ہیں'') فرمایا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ "نأت بآية خير منها ولابقرآن خير منها" (یعنی اس سے بہتر'' آیت '' یا اس سے بہتر ''قرآن'' لے آتے ہیں)۔ پس یہاں ''اس سے بہتر'' یا ''اسی کے مثل'' سے مراد دوسرا حکم ہے، جو متلو وغیر متلو دونوں ہوسکتا ہے۔

سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اس آیت کی قرات کی تو مجھے اس کی معرفت تامہ حاصل نہ ہوئی، میں کہتا تھا کہ یہ بھی قرآن ہے اور وہ بھی قرآن، تو اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے کس طرح بہتر ہوسکتا ہے؟ حتی کہ اس آیت کی تفسیر مجھ پر یوں عیاں ہوئی کہ اس سے ہم تمہارے لئے بہتر شئ لاتے ہیں جو تمہارے لئے پہلے سے زیادہ آسان، زیادہ خفیف اور اھون ہوتی ہے۔"(۲)

اور امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں ان کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے کیونکہ قرآن کا بعض حصہ اس کے دوسرے حصص سے بہتر اور باعث خیر نہیں ہے، لہذا اس آیت "نأت بخير منها أو مثلها" کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تمہارے لئے ''اس سے بہتر'' یا ''اسی کے مثل'' چیز یا حکم لاتے ہیں ـــ اور بلاشبہ ناسخ پر عمل کرنا منسوخ پر عمل سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ناسخ پر عمل کا اجر تنسیخ سے قبل منسوخ پر عمل کے اجر کے مثل ہی ہوتا ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ہو۔"(۳)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''وہ لوگ اللہ تعالی کے ارشاد: "وإذ بدلنا آية مكان آية والله أعلم بما ينزل۔" سے بھی احتجاج

(۱) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم ۴/۱۲۳ (۲) السنۃ للمروزی، ص:۲۶

(۳) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم ۴/۱۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کرتے ہیں، لیکن اس آیت میں بھی ان کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی نے ہرگز یہ نہیں فرمایا ہے کہ: ''میں ایک آیت کو صرف دوسری آیت کی جگہ ہی بدلتا ہوں''، بلکہ اس آیت میں ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی ایک آیت (یعنی اپنے حکم) کو دوسری آیت (یا دوسرے حکم) کی جگہ بدل دیتا ہے ــــ ہم اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کا اثبات ہی کرتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کبھی ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدل دیتا ہے اور کبھی اس کے علاوہ بھی تبدیلی فرماتا ہے اور یہ تبدیلی اس آیت کی جگہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہوتی ہے۔''(۱)

اور فرماتے ہیں:

''یہ لوگ اللہ تعالی کے ارشاد: "قل ما يكون لي أن أبدله من تلقآئ نفسي۔" سے بھی حجت پکڑتے ہیں حالانکہ اس آیت میں بھی ان کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازخود یا اپنی مرضی کے مطابق اس کو بدل دیا ہے، بلکہ ایسا کہنے والا تو بلاشبہ کافر ہے۔ ہمارا کہنا تو فقط یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ وحی کے مطابق بدل دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے آپؐ کو برملا یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا تھا:

"إن أتبع إلا ما يوحى إلي ــــ" پس اس سے نصاً وحی کا وحی کے ساتھ جواز نسخ ثابت ہوا - اور چونکہ سنت بھی وحی ہے، لہٰذا قرآن کا سنت کے ساتھ نسخ جائز ہوا۔''(۲)

ایک حدیث میں بھی اس امر کی صراحت یوں ملتی ہے:

"أن النبي ﷺ أخذ وبرة من بعيرة وقال: أيها الناس إنه لا يحل لي بعد الذى فرض الله لي ولا لأحد من مغانم المسلمين ما يزن هذه الوبرة۔"(۳)

حافظ ابن عساکرؒ ''اطراف'' میں فرماتے ہیں:

''اس کو ایک جماعت مثلاً: ھمام، حجاج بن ارطاۃ، عبدالرحمٰن المسعودی، حسن بن دینار، لیث بن ابی سلیم اور ابوبکر الھذلی نے قتادۃ سے اور مطر الوراق نے شہر سے روایت کیا ہے۔ مطر الوراق کی حدیث کی تخریج عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں اور لیث بن ابی سلیم کی حدیث کی تخریج ابن ھشام نے اواخر ''السیرۃ'' میں عن ابن اسحاق عنہ عن شہر عن عمرو بن خارجہ کی ہے۔''(۴)

جہاں تک سنت میں قرآن جیسا اعجاز نہ ہونے اور اس کی تلاوت پر قرآن جیسا اجر نہ ہونے کا تعلق ہے تو

---

(۱) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم: ۴/۱۲۰ (۲) نفس مصدر ۴/۱۱۹ (۳) معجم الطبرانی
(۴) کما فی نصب الرایہ للزیلعی ۴/۴۰۳-۴۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان چیزوں کا کوئی بھی مدعی نہیں ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت-۱۰۶ میں مذکور ''اس سے بہتر یا اسی کے مثل''، ناسخ باعتبار اعجاز اور ثواب تلاوت نہیں بلکہ باعتبار تحکیم شریعت ہے، پس علامہ ابواسحاق شیرازیؒ اور علامہ فناریؒ وغیرہما کا یہ اعتراض بے محل ثابت ہوا۔

علامہ صدر الشریعہؒ کا غیر مسلموں کے اعتراضات کے احتمال کے پیش نظر نسخ القرآن بالسنہ کا انکار کرنا بھی خلاف حق ہے، کیونکہ غیر مسلموں کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی کسی خاص مصلحت کے تحت پہلے ایک حکم نازل فرمایا تھا، کچھ عرصہ بعد اپنے اسی نبیؐ کے ذریعہ اپنے سابقہ حکم کی جگہ ایک نیا حکم بھیج دیا تو اس سے وحی الٰہی کی تردید کیوں کر لازم آئی؟ کیا اللہ عزوجل نے قرآن نازل فرمانے سے پہلے بنی نوع انسان کو اس بات سے باخبر فرما دیا تھا کہ قرآن میں جو کچھ نازل کیا جائے گا وہ خود اس کے لئے ناقابل تنسیخ ہے؟ غیر مسلموں کے دوسرے اعتراض کا جواب چونکہ تفصیل کا محتاج ہے، لہٰذا بخوف طوالت ہم اس سے یہاں گریز کرتے ہیں۔

قاضی ابو طیب، علامہ باقلانی اور صقلی وغیرہ نے سنت سے نسخ قرآن کا، قرآن کے قطعی ہونے کے مقابلہ میں سنت کے مظنون ہونے کی بنا پر، جو انکار کیا ہے تو وہ بھی قطعی بے وزن اور ناقابل التفات ہے لیکن اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے باب ششم کے تحت بیان کی جائیگی۔

نسخ القرآن بالسنۃ کے بعض منکرین اپنے موقف کی تائید میں ایک موضوع حدیث بھی پیش کیا کرتے ہیں، جو حسب ذیل ہے:

"قال رسول الله ﷺ : كلامي لا ينسخ كلام الله وكلام الله ينسخ كلامى وكلام الله ينسخ بعضه بعضا۔"(۱)

یعنی ''میرا کلام، اللہ تعالیٰ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام اللہ کا بعض حصہ دوسرے حصہ کو منسوخ کرتا ہے۔''

مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کسی قرآنی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی لیکن کسی آیت سے حدیث رسول کا نسخ ممکن ہے۔ اسی طرح قرآن کی بعض آیات بھی دوسری آیات کے لئے ناسخ ہو سکتی ہیں ــــ بظاہر یہ حدیث انکار نسخ سے متعلق مذکورہ بالا تینوں آیات سے مستفاد و ماخوذ نظر آتی ہے لیکن کسی خبر کا موافق قرآن ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابن عدی نے ''الکامل فی الضعفاء'' میں جبرون بن واقد کے زیر ترجمہ بطریق محمد

(۱) اخرجه الدارقطنی ۱/۱۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بن احمد بن الحسن قال نا محمد بن داؤد القنطری قال نا جبرون بن واقد قال نا سفیان بن عیینه عن أبی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله ﷺ به وارد کیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ''یہ باطل موضوع ہے۔'' امام ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''العلل المتناهية فی الأحادیث الواهیة'' میں وارد کیا ہے اور فرماتے ہیں: "هذا حديث منكر "(۱) امام ذہبی اور علامہ برھان الدین الحلبی رحمہما اللہ نے بھی جبرون بن واقد کو متہم قرار دیتے ہوئے اس حدیث کو ''موضوع'' قرار دیا ہے۔(۲) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی جبرون بن واقد کو متہم اور ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔(۳) پس ثابت ہوا کہ نسخ القرآن بالسنۃ کا انکار نہ قرآنی آیات سے ثابت ہے اور نہ ہی احادیث نبوی سے، واللہ اعلم۔

## قرآن میں منسوخ آیات کی تعداد

آیات منسوخہ کی تعداد کی تحدید وتعیین کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام مفسرین کا خیال ہے کہ موجودہ قرآن میں ۲۰۱؍آیتیں اب بھی بالاتفاق منسوخ ہیں اور ۳۶۳؍وہ آیات منسوخہ ہیں جو قرآن میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تقریباً بیس آیات کو منسوخ قرار دیا ہے جبکہ شاہ ولی اللہ دہلوی صرف پانچ آیات کو ہی منسوخ قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قلت وعلى ما حررنا لا يتعين النسخ إلا فی خمس آيات."(۴) یعنی ''میں کہتا ہوں کہ ہماری تحریر کے مطابق نسخ صرف پانچ آیات میں ہے۔''

## بعض آیات قرآن جن کا نسخ امت کے نزدیک سنت سے ثابت ہے

ذیل میں ان چند آیات قرآن کی مثالیں پیش ہیں جن کا نسخ امت کے نزدیک سنت سے ثابت ہے:

### ۱۔ پہلی مثال

ارشاد ہوتا ہے:

﴿كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين﴾(۵) یعنی ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آجائے، اگر وہ دولت چھوڑتا ہو تو وہ والدین اور اقارب کے لئے وصیت کر جائے۔''

---

(۱) العلل المتناهية فی الأحادیث الواهیة لابن الجوزی ۱/۱۲۵

(۲) میزان الاعتدال للذھبی ۱/۳۸۷-۳۸۸، کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث حلبی ص: ۱۲۱-۱۲۲

(۳) لسان المیزان لابن حجر ۲/۹۴

(۴) الفوز الکبیر لشاہ ولی اللہ ص: ۳۸، ۴۱، طبع دہلی ۱۹۶۳ء

(۵) البقرہ: ۱۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیکن تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اقربین میں سے ہر وارث کے لئے ایجاب وصیت منسوخ ہے، لیکن اس آیت کی ناسخ کی تعیین کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''ناسخ آیت: "الوصية للوالدين والأقربين" کی تعیین کے متعلق اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت فرائض اس کی ناسخ ہے اور بعض لوگ حدیث: "لا وصية لوارث" کو اس کی ناسخ بتاتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی دلیل متعین نہ ہوسکتی ہوتو اجماع امت ہی اس آیت کے نسخ پر دلالت کرتا ہے۔''(۱)

علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں:

"فأما الآية فقال ابن عباس نسخها قوله سبحانه: للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون، وقال ابن عمر: نسختها آية الميراث وبه قال عكرمة ومجاهد ومالك والشافعي وذهب طائفة ممن يرى نسخ القرآن بالسنة إلى أنها نسخت بقول النبي ﷺ: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث الخ۔"(۲)

یعنی ''حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ایجاب وصیت کی اس آیت کو اللہ تعالی کے ارشاد "للرجال نصيب ـــــ والأقربون" نے منسوخ کردیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا قول بھی یہی ہے کہ اسے آیت میراث نے منسوخ کیا ہے۔ عکرمہ، مجاہد، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے اقوال بھی اسی کے موافق ہیں لیکن ایک جماعت جو سنت سے نسخ قرآن کی قائل ہے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کے اس ارشاد: "إن الله قد ـــــ فلا وصية لوارث" سے منسوخ ہوئی ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

"إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين فكانت الوصية كذلك حتى نسختها آية الميراث۔" (۳) لیکن امام منذریؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس روایت کی سند میں راوی علی بن حسین بن واقد ''مقال'' یعنی قوی نہیں ہے۔''(۴)

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

''یہ وصیت آیت مواریث کے نزول سے قبل اقرباء کے لئے واجب تھی جیسا کہ اللہ تعالی کے اس حکم میں مذکور ہے: "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين۔"

---

(۱) فتح الباری ۵/۳۷۳
(۲) المغنی لابن قدامہ ۶/۲
(۳) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/۷۳
(۴) عون المعبود ۳/۷۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


پھر اس حکم کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا۔‘‘(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

’’جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ وصیت میت کے والدین اور اقرباء کے لئے اوائل اسلام میں واجب تھی ــــــ پھر یہ آیت فرائض سے منسوخ ہوئی۔‘‘(۲)

تفسیر جلالین میں ہے:

"وهذا منسوخ بآية الميراث وبحديث لاوصية لوارث. رواه الترمذي۔" (۳) یعنی ’’یہ آیت، آیت میراث اور حدیث" لاوصية لوارث "ہی سے منسوخ ہے۔‘‘

علامہ سرخسیؒ کا قول ہے:

’’ آیت میراث میں وصیت کے جواز کی نفی مذکور نہیں ہے، سرف وجوب کی نفی ہے۔ وصیت کے جواز کو جس چیز نے منسوخ کیا وہ حدیث "لا وصية لوارث" ہی ہے۔‘‘(۴)

امام ابن حزمؒ کا خیال بھی یہی ہے کہ ’’وصیت کے وجوب کو آیت میراث کے بجائے حدیث "لا وصية لوارث" نے ہی منسوخ کیا ہے۔‘‘(۵)

علامہ امیر یمانیؒ ’’سبل السلام‘‘ میں فرماتے ہیں:

حدیث "فلا وصية لوارث"، وارث کے لئے وصیت کی ممانعت پر دلیل ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے لیکن علامہ ھادی اور ایک جماعت اس کے جواز کی طرف گئی ہے، وہ آیت ﴿كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت﴾ سے اس پر استدلال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وجوب کا نسخ اس کے جواز کی نفی نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اس حدیث کو رد نہیں کرتے تو یہ حدیث اس کے وجوب کی نفی کے ساتھ اس کے جواز کی نفی بھی کرتی ہے۔ آیت المواریث سے اس کا منسوخ ہونا معلوم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے:

"كان المال للولد والوصية للوالدين فنسخ الله سبحانه من ذلك ما أحب فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر(٦) والربع۔"(۷)

---

(۱) عون المعبود: ۳/۳۷ (۲) فتح الباری ۵/۳۷۳ (۳) تفسیر جلالین علی ھوامش المصحف الشریف، ص: ۳۷

(۴) التوضیح مع التلویح ۲/۳۵ (۵) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم ۴/۱۱۳

(۶) صحیح البخاری مع فتح الباری ۵/۳۷۲ (۷) تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۳/۱۸۹، بحوالہ سبل السلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہبۃ اللہ کا قول ہے:

''زیر بحث آیت کو سورۃ النساء کی آیت :۱۱ نے منسوخ کردیا ہے۔ وجہ تنسیخ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کرنا واجب بتایا گیا ہے لیکن النساء کی آیت نے ورثاء بمع والدین کا حصہ مقرر کر کے اس وجوب کو معطل کردیا ہے الخ۔''(۱)

جناب مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

''ان تین احکام میں سے پہلا حکم (یہ کہ مرنے والے کے ترکہ میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں ہیں، ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد پر ہوگا) تو اکثر صحابہ وتابعین کے نزدیک آیت میراث سے منسوخ ہوگیا۔

ابن کثیرؒ نے بتصحیح حاکمؒ وغیرہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اس حکم کو آیت میراث نے منسوخ کردیا یعنی ﴿للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والأقربون مما قل منه أو كثر نصيبا مفروضا﴾(۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں اس کی یہ تفصیل ہے کہ آیت میراث نے ان لوگوں کی وصیت کو منسوخ کردیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے۔ دوسرے رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ نہیں ان کے لئے وصیت اب بھی باقی ہے۔ (جصاص، قرطبی) لیکن باجماع امت یہ ظاہر ہے کہ جن رشتہ داروں کا میراث میں کوئی حصہ مقرر نہیں ان کے لئے میت پر وصیت کرنا کوئی فرض ولازم نہیں۔ اس کے لئے فرضیت وصیت ان کے حق میں بھی منسوخ ہی ہوگئی۔ (جصاص، قرطبی)۔''(۳)

یہاں ابوالحسن اشعریؒ کا وہ قول نقل کرنا بے سود نہ ہوگا جسے آں رحمہ اللہ سے ان کے تلمیذ علامہ ابن فورکؒ نے یوں نقل کیا ہے:

"وكان يقول أن ذلك وجد في قوله تعالى كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت ــــ الآية ـ فإنه منسوخ بالسنة المتواترة وهي قوله : لا وصية لوارث، لأنه لايمكن أن يجمع بينهما."(۴) یعنی ''ابوالحسن اشعریؒ فرمایا کرتے تھے کہ سنت متواترہ سے قرآن کا نسخ خود قرآن میں پایا جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد: کتب علیکم الخ (آیت)، سنت متواترہ سے منسوخ ہے۔ وہ سنت یہ (ارشاد نبوی) ہے: لاوصية لوارث ، کیونکہ اس آیت اور سنت کے درمیان جمع وتطبیق کی کوئی صورت ممکن

---

(۱) الناسخ والمنسوخ لھبۃ اللہ، ص:۱۶
(۲) النساء:۷
(۳) معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ۱/۳۸۳-۳۸۴
(۴) کمافی إرشاد الفحول للشوکانی، ص:۱۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نہیں ہے۔''

راقم الحروف کے نزدیک زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت:۱۸۰ کو فرائض مواریث نے نہیں بلکہ نبی ﷺ کے ارشادگرامی: "لا وصية لوارث" نے ہی منسوخ کیا ہے۔ کیونکہ جب اللہ عزوجل نے مواریث کو فرض فرمایا تو اس کیساتھ یہ وضاحتی حکم بھی نازل فرمادیا تھا کہ مواریث کو وصایا کے بعد ہی فرض کیا گیا ہے چنانچہ فرائض مواریث کے عقب میں ارشاد ہوتا ہے:

"من بعد وصية يوصى بها أو دين ۔"(۱) یعنی ''(تقسیم ترکہ بہر صورت) وصیت کہ میت جس کی وصیت کر جائے یا قرض کی ادائیگی کے بعد ہے۔''

لہذا بظاہر آیت لازم ہوتا کہ اگر میت نے اپنے والدین یا دوسرے لواحقین کے حق میں اپنے ورثہ میں سے کچھ یا تمام ترکہ تقسیم کرنے کی وصیت چھوڑی ہو تو پہلے انہیں وصیتوں کے اعتبار سے ترکہ دیا جائے، بعد ازاں اگر کچھ بچے تو ورثاء کو ان کے حقوق وراثت ملیں ـــــ کیونکہ مواریث کو وصایا کے بعد ہی فرض قرار دیا گیا ہے ـــــ لیکن یہ تو سراسر ورثاء کی حق تلفی ہوتی اور اسلام تو عدل وانصاف کا سرچشمہ ہے، لہذا اگر سنت نبوی کو اس ظاہر کتاب کے مقابلہ میں نظر انداز کر دیا جائے تو شریعت کے تمام تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوسکتے۔ لہذا لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر نبی ﷺ یہ حکم نہ فرماتے کہ وصیت ایک تہائی ترکہ سے زیادہ جائز نہیں ہے تو وصیت وارث وغیر وارث کی تمیز کے بغیر ظاہر الکتاب اور اس کے عموم کے مطابق ایک تہائی سے زیادہ بھی جائز ہوتی۔ لیکن یہاں سنت نے آکر پہلی وضاحت تو یہ کی کہ ''وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں'' پھر دوسری اہم چیز مقدار وصایا کی تحدید بھی فرمادی، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے:

"عادني النبي ﷺ في حجة الوداع في مرض أشفيت منه على الموت فقلت يا رسول الله بلغ بي ما ترى من الوجع وأنا ذومال وليس يرثني إلا ابنة لي واحدة أفأتصدق بثلثي مالي قال : لا، قلت : أفأتصدق بشطره قال: لا ، الثلث والثلث كثير۔"(۲)

جناب مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی حدیث: "لا وصية لوارث" کو ہی ایجاب وصیت کی ناسخ قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''دوسرا حکم وصیت کا فرض ہونا: یہ بھی باجماع امت منسوخ ہے اور ناسخ اس کا وہ حدیث ہے جس کا

---

(۱) النساء:۱۱

(۲) صحیح البخاری مع فتح الباری ۵/۳۶۳، ۳۶۳، ۹/۴۹۷، ۱۰/۱۲۳، ۱۲/۱۴، صحیح مسلم: نمبر ۱۶۲۸، الموطأ (الوصیۃ) ۲/۷۶۳، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی: ۳/۱۸۷، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/۷۱، سنن النسائی (فی الوصایا) ۶/۲۴۱، ۲۴۳، السنۃ للمروزی، ص: ۶۹، بدایۃ المجتہد لابن رشد ۲/۳۳۵، المغنی لابن قدامہ ۶/۱، نصب الرایہ للزیلعی ۴/۴۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اعلان رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:"إن الله أعطى لكل ذى حق حقه ، فلا وصية لوارث ، أخرجه الترمذى وقال هذا حديث حسن صحيح۔"اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دے دیا ہے۔اس لئے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں بروایت ابن عباسؓ یہ الفاظ بھی منقول ہیں:"لا وصية لوارث إلا أن تجيزه الورثة (جصاص) کسی وارث کے لئے وصیت اس وقت تک جائز نہیں جب تک باقی سب وارث اجازت نہ دیں۔"(۱)

## حدیث"لا وصية لوارث" کی تحقیق

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے ۱۹۶۲ء میں ایک کتاب بعنوان ''تفسیر منسوخ القرآن'' ترتیب دی تھی جو بڑی تقطیع کے تقریباً ۹۰۶ صفحات پر محیط ہے -اس کتاب میں آں جناب نے یہ جداگانہ موقف اختیار کیا ہے کہ قرآن کریم میں کوئی حکم یا آیت سرے سے منسوخ ہی نہیں ہے۔اس ضمن میں آنجناب نے بزعم خود کبار ائمہ ومحدثین مثلاً امام ابن حزم ظاہری، امام ابن کثیر، امام نووی، امام ابن حجر عسقلانی اور قاضی شوکانی وغیرہم رحمہم اللہ کی اغلاط کی نشان دہی کی ہے اور اپنے اس موقف کی تائید میں اکثر وبیشتر تفسیر المنار، ابو مسلم اصفہانی، امام رازی، فناری اور سرسید احمد خاں وغیرہم کی کتب پر ضرورت سے زیادہ اعتماد وانحصار کیا ہے۔اس کتاب میں آں موصوف نے اپنی عام روش کے مطابق ورثاء کے حق میں بھی فرضیت وصیت کے بارے میں جمہور علماء امت کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔اور حدیث "لا وصية لوارث" کی ۳۴ سندوں کے رواۃ پر صرف جارحین کے اقوال جرح، جو اکثر حالات میں غیر مفسر ہیں، نقل کرتے ہوئے انہیں ''صفریں'' ثابت کیا ہے، اور بقول آں محترم:

''اکیلی صفر ایک ہو چاہے لاکھ وہ صفر ہی رہے گی، ہندسے کا کام نہیں دے سکتی۔ صفر مستقل بالذات وجود کی حامل نہیں ہوتی، ہندسہ ہے تو صفر بھی کام دے سکتی ہے اور ہندسہ نہیں تو خالی صفر سے کوئی کام نہیں چل سکتا۔''(۲)

افسوس کہ آنجناب کو ان میں سے بعض رواۃ کے متعلق ائمہ تعدیل کے تحسین وتوثیق کے کلمات نظر نہ آئے۔کسی انسان کے محاسن وتوثیق سے چشم پوشی کر کے صرف اس کے متعلق جرح (عیوب) کو اجاگر کرنا علمی تحقیق اور انصاف کے تقاضوں کے صریح خلاف ہے۔پھر جرح بھی ایسی کہ جو غیر مفسر ہو علماء کے نزدیک قطعاً ناقابل اعتماد ہوتی ہے۔ کون ایسا شخص ہوگا جس میں کچھ خوبیوں کے ساتھ کچھ عیوب بھی نہ ہوں، لیکن ہر انسان

(۱) معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ۱/۳۸۴-۳۸۵

(۲) تفسیر منسوخ القرآن، ص:۱۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پر اس کی حسنات وسیئات کے غالب عنصر کو ہی مدنظر رکھ کر کوئی حکم لگایا جاتا ہے، چنانچہ سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ کا مشہور قول ہے:

"ليس من شريف ولاعالم ولاذى فضل إلا وفيه عيب ولكن من الناس من لاينبغى أن تذكر عيوبه فمن كان فضله أكثر من نقصه وهب نقصه لفضله۔"(۱)

لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔اس بارے میں مزید معلومات کے لئے ذیل التبر المسبوک للسخاوی۔(۲) مجموع الفتاوى لابن تيمية(۳)اللباب فى تهذيب الأنساب (۴)سير أعلام النبلاء للذهبى(۵)قاعدة فى الجرح والتعديل (۶)شروح البخارى(۷)الرفع والتكميل لعبد الحى لكهنوى(۸)مقدمة ابن الصلاح (۹)اور کتاب ابن قتیبہ للدکتور عبدالحمید سندالجندی (۱۰)وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

چونکہ یہ مختصر بحث جناب رحمت اللہ طارق صاحب کی علمی لغزشات بیان کرنے کی قطعی متحمل نہیں ہوسکتی لہذا ہم اپنی گفتگو کو حدیث زیر بحث کی مختصر تحقیق تک ہی محدود رکھیں گے۔

علامہ جمال الدین زیلعیؒ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث حضرت ابو امامہ الباہلی، عمرو بن خارجہ، انس، ابن عباس، عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ، جابر، زید بن ارقم، براء، علی بن ابی طالب اور خارجہ بن عمرو الجمحی سے مروی ہے۔''(۱۱)

ذیل میں علامہ زیلعیؒ کے بیان کردہ اس حدیث کے جملہ طرق اور ان کا جائزہ پیش خدمت ہے:

## ۱۔حضرت ابوامامہؓ کی حدیث کی تخریج

امام ابو داؤد (۱۲)، امام ترمذی (۱۳) اور امام ابن ماجہ (۱۴) نے بطریق اسماعیل بن عیاش عن شرحبیل بن مسلم عن ابی امامہ یوں کی ہے:"أن النبیﷺ خطب فقال: إن الله تعالى قد أعطى كل ذى حق حقه فلاوصية لوارث۔" امام ترمذیؒ کا قول ہے:''یہ حدیث حسن ہے۔'' امام احمدؒ نے بھی اسے اپنی ''مسند'' (۱۵) میں روایت کیا ہے۔ صاحب ''التنقیح'' کا قول ہے کہ امام احمد، امام بخاری اور محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اسماعیل بن عیاش جس حدیث کو شامیوں سے روایت کرتا ہو، وہ صحیح ہے اور جس کو حجازیوں سے روایت کرتا ہو تو

---

(۱) ذیل التبر المسبوک للسخاوی، ص:۴ (۲) نفس مصدر، ص:۴ (۳) ۱۱/۶۶-۶۷

(۴) ۱/۹ (۵) ۵/۲۷۹ (۶) ص:۱۰ (۷) ص:۱۱

(۸) ص:۶۵-۶۷ (۹) ص:۱۷۷ (۱۰) ۳،۷ (۱۱) نصب الرایہ ۴/۴۰۳

(۱۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/۷۳ (۱۳) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/۱۸۹

(۱۴) ۲/۸۳ (۱۵) ۵/۲۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وہ غیر صحیح ہے۔ یہاں اس حدیث کی اس نے ایک ثقہ شامی سے ہی روایت کی ہے۔"(۱)

جہاں تک اس حدیث کی تخریج کا تعلق ہے تو اسے سعید بن منصور (۲)، دارقطنی (۳)، اور بیہقی (۴)، نے اپنی "سنن" میں اور ابن حبانؒ نے "المجروحین" (۵) میں بھی روایت کیا ہے۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں:

"اس کی تخریج امام ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کی تحسین فرمائی ہے، لیکن اس کی اسناد میں اسماعیل بن عیاش ہے جس کی حدیث سے احتجاج کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کہتے ہیں کہ اس کی وہ احادیث جو اہل حجاز اور اہل عراق سے ہوں وہ قوی نہیں ہیں لیکن شامیوں سے اس کی روایت اصح ہے اور اس کی یہ روایت اہل شام سے ہے۔"(۶)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"اس کی اسناد میں اسماعیل بن عیاش ہے جو کہ اگر شامیوں سے روایت کرتا ہو تو ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو قوی بتایا ہے۔ ان ائمہ میں امام احمد اور امام بخاری وغیرہما شامل ہیں۔ اس کی یہ روایت شامیوں سے ہے کیونکہ اسے اس نے شرحبیل بن مسلم سے روایت کیا ہے جو کہ ثقہ راوی ہے۔"(۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "التلخیص الحبیر" (۸) میں اس حدیث کی "تحسین" فرمائی ہے۔ علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ نے امام ترمذیؒ کی تحسین کو توقیراً نقل کیا ہے۔(۹) علامہ شیبانیؒ اور علامہ محمد اسماعیل عجلونیؒ فرماتے ہیں:

"حدیث "لا وصیه لوارث" کو امام احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی نے ابو امامہ الباھلی کی مرفوع حدیث کی تحسین فرمائی ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن جارود نے بھی اسے قوی بتایا ہے۔"(۱۰)

پس یہ حدیث باتفاق محدثین "حسن" درجہ کی ہوئی، واللہ اعلم۔ اس حدیث کے راوی اسماعیل بن عیاش کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱۱) کے تحت درج کردہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

---

(۱) نصب الرایہ للزیلعی ۴/۴۰۳ — (۲) ص: ۴۲۷ — (۳) ۴/۴۰-۴۱

(۴) ۶/۲۶۴ — (۵) المجروحین لابن حبان ۱/۲۱۵

(۶) کمانی عون المعبود ۳/۷۳ — (۷) فتح الباری ۵/۳۷۲

(۸) ۳/۹۲ — (۹) المغنی ۶/۱

(۱۰) تمییز الطیب من الخبیث للشیبانی ص: ۲۱۵، کشف الخفاء ومزیل الالباس للعجلونی ۲/۴۹۶-۴۹۷، المنتقی لابن جارود، ص: ۴۲۴

(۱۱) تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۳۶، التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۳۶۹-۳۷۰، التاریخ الصغیر للبخاری ۲/۲۲۶، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۱/۸۸، بقیہ اگلے صفحہ پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## ۲-عمرو بن خارجہؓ کی حدیث کی تخریج

امام ترمذی (۱)، امام نسائی (۲) اور امام ابن ماجہ (۳) نے عن قتادة عن شهر بن حوشب عن عبد الرحمن بن غنم عن عمرو بن خارجة عن النبی ﷺ نحوه کی ہے، امام ترمذیؒ کا قول ہے: ''حدیث حسن صحیح'' امام ترمذیؒ نے بطریق ابوعوانہ عن قتادہ، نسائی نے عن شعبۃ عن قتادہ اور ابن ماجہ نے عن سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ اسے روایت کیا ہے امام احمد (۴)، بزار، ابویعلی الموصلی اور حارث بن ابی اسامہ نے بھی اپنی ''مسانید'' میں اس کی روایت کی ہے، لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: "فلا يجوز لوارث وصية۔" (۵)

واضح رہے کہ اس حدیث کی تخریج امام بیہقی (۶)، ابویعلی الموصلی (۷)، اور دارمی (۸) رحمہم اللہ نے بھی کی ہے۔ اس حدیث کے راوی شہر بن حوشب کے متعلق امام نسائیؒ کا قول ہے کہ ''قوی نہیں ہے'' امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: "کان یروی عن الثقات المعضلات۔" لیکن امام احمد بن حنبل اور یحیی رحمہما اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ یعقوب بن ابی شیبہؒ کا قول بھی ہے کہ ''ثقہ ہے'' امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: "لا بأس به" یعنی ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' امام عجلیؒ نے بھی اس کی ''توثیق'' کی ہے۔ امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ ''علمائے تابعین میں سے تھا۔'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''صدوق، کثیر الإرسال والأوهام'' ــــ پس اس طریق میں شہر بن حوشب کی موجودگی کچھ زیادہ مضر نہیں۔ یہ حدیث بھی ''حسن'' درجہ کی ہے۔ امام ذہبیؒ نے ''دیوان الضعفاء'' میں اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔ (۹)

---

بقیہ پچھلے صفحہ کا: الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم ۲/ ۱۹۱، الکامل لابن عدی ۱/ ۲۸۸، میزان الاعتدال للذہبی ۱/ ۲۴۰، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/ ۲۳۷، الضعفاء والمتروکین للنسائی ۳۳، المجروحین لابن حبان ۱/ ۱۲۴، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۱/ ۱۱۸، الکاشف ۱/ ۱۲۷، سؤالات ابن ابی شیبہ لعلی بن المدینی، ص: ۱۶۱، تہذیب التہذیب ۱/ ۳۲۱-۳۲۶، معرفۃ الرواۃ للذھبی، ص: ۷۰، تغلیق التعلیق لابن حجر ۱/ ۲۶۶-۲۷۰، تعریف اہل التقدیس، ص: ۸۲، العلل لاحمد بن حنبل ۱/ ۶۰، الکنی للدولابی ۲/ ۲۵، سؤالات السجزی للحاکم ق ۹ أ، تاریخ بغداد للخطیب ۶/ ۲۲۷، تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی ۱/ ۹۲، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر ۳/ ۴۲، التحقیق لابن الجوزی ۱/ ۴۰، ۱۰۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۳۲۷، ۳۵۱، السنن الکبری للبیہقی ۱/ ۸۹، ۱۴۲، ۲۴۰، ۲/ ۲۵۶، ۳/ ۱۳۸، ۴/ ۱۵۰، ۵/ ۳۳۳، ۶/ ۴۸، ۹/ ۳۲۶، سنن الدارقطنی ۱/ ۶۵، ۴/ ۱۱۸، ۲۳۰، الاعتبار للحازمی، ص: ۹، فتح الباری ۵/ ۲۲۱، ۳۷۵، ۹/ ۶۶۵، ۱۳/ ۱۶۴، ۳۷۴، ۵۴۵، مجمع الزوائد للہیثمی ۱/ ۱۶، ۱۲۲، ۳/ ۲۵، ۶۰، ۴/ ۳۸، ۶/ ۲۸۱، ۹/ ۲۸۵، نصب الرایہ للزیلعی ۱/ ۳۹، ۸۰، ۱۰۳، ۱۹۵، ۲/ ۴۱۴، ۱۶۷، ۳۱۰، ۳۲۹، ۳/ ۳۵، ۴/ ۵۸، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۹۵، ۳۲۹، ۳۴۰، ۴۰۳، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۱/ ۱۲۳، ۳/ ۱۹۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی، ص: ۲۴۱ وغیرہ

(۱) حدیث: ۲۱۲۱
(۲) سنن النسائی مع التعلیقات السلفیۃ ۲/ ۱۲۱
(۳) سنن ابن ماجہ ۲/ ۸۳
(۴) مسند احمد ۴/ ۱۸۶، ۲۳۸
(۵) نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۴۰۳، کنز العمال للمتقی الھندی ۴/ ۱۸۶
(۶) السنن الکبری ۶/ ۲۶۴
(۷) مسند ابویعلی ۱۵۰۸
(۸) سنن الدارمی ۲/ ۴۱۹
(۹) دیوان الضعفاء والمتروکین للذہبی، ص ۱۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شہر بن حوشب کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## ۳۔حضرت انسؓ کی حدیث کی تخریج

ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' (۲) (الوصایا) میں بطریق هشام بن عمار عن محمد بن شعیب عن عبد الرحمن بن یزید عن سعید عن أنس عن النبی ﷺ قال:"إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه ألا لاوصیة لوارث۔" فرمائی ہے۔صاحب ''التنقیح'' کا قول ہے کہ حضرت انس کی یہ حدیث ابن عساکر اور علامہ مزی نے ''الأطراف'' میں سعید المقبری کے ترجمہ میں ذکر کی ہے۔لیکن یہ خطاء ہے، یہ سعید المقبری نہیں بلکہ سعید الساحلی ہے کہ جس کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہے۔اس روایت کو ولید بن مزید البیروتی نے عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر عن سعید بن ابی سعید شیخ بالساحل قال حدثنی رجل من أهل المدینة قال: إنی لتحت ناقة رسول الله ﷺ فذکر الحدیث کے سلسلہ سے روایت کی ہے۔'' (۳)

اس حدیث کی تخریج امام بیہقی نے ''السنن الکبری'' (۴) میں اور امام دارقطنی نے اپنی ''سنن (۵) (کتاب الفرائض)'' میں بھی کی ہے، بوصیری نے ''مصباح الزجاجۃ'' (۶) میں اس کی سند کو ''صحیح'' اور اس کے تمام رواۃ کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ علامہ ابن الترکمانی نے بھی ''الجوہر النقی'' میں اس سند کو ''جید'' بتایا ہے، مگر بوصیری اور ابن ترکمانی کے مذکورہ اقوال اسی وقت درست ہو سکتے ہیں جبکہ سعید بن ابی سعید ''المقبری'' ہو۔دار قطنیؒ کے ایک طریق میں سعید الساحلی ہونے کی صراحت موجود ہے۔اور سعید بن ابی سعید الساحلی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ''مجہول'' ہے۔ (۷)۔پس اگر یہ راوی سعید الساحلی ہو تو اصولاً یہ طریق نا قابل

---

(۱) تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۲۶۰، التاریخ الکبیر للبخاری ۴/ ۲۵۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۳۸۲، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۴/۱۳۵۴، میزان الاعتدال للذہبی ۲/۲۸۳، الضعفاء والمتروکین للنسائی ۲۹۴، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/۴۳، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲/ ۱۹۱، المجروحین لابن حبان ۱/ ۳۶۱، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر ۶/ ۳۴۶، معرفۃ الثقات للعجلی ۱/ ۴۶۲، سیر أعلام النبلاء للذہبی ۴/ ۳۴۷، معرفۃ الرواۃ للذہبی ص: ۱۱۸، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/ ۳۵۵، تہذیب التہذیب لابن حجر ۴/ ۳۶۹، سنن الدارقطنی ۱/ ۱۰۳، ۱۰۴، فتح الباری لابن حجر ۶/ ۳۲۵، ۱۱/ ۲۰۲، ۲۰۳، نصب الرایہ للزیلعی ۱/ ۱۸، ۲/ ۳۷۲، ۴۷۵، ۴/ ۱۵، ۱۸۹، مجمع الزوائد للہیثمی ۱/ ۲۷، ۵۴، ۱۸۴، ۲۱۳، ۳/ ۱۲۵، ۱۶۸، ۱۸۱، ۴/ ۵۱، ۲۱۷، ۲۹۴، ۵/ ۱۴۷، ۲۶۱، ۶/ ۲۲۸، ۱۰/ ۶۳، ۶۴، ۲۲۱، ۲۴۰، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۱/ ۴۷، ۹۶، ۱۸۳، ۲۷۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص: ۲۶۲، ۲۶۳ وغیرہ

(۲) سنن ابن ماجہ ص: ۱۹۹

(۳) نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۴۰۴

(۴) سنن الکبری للبیہقی ۶/ ۲۶۴-۲۶۵

(۵) سنن الدارقطنی ۲/ ۴۵۴-۴۵۵

(۶) مصباح الزجاجۃ للبوصیری: ۹۶۴

(۷) تقریب التہذیب لابن حجر ۱/ ۲۹۷، تہذیب التہذیب لابن حجر ۴/ ۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



احتجاج ہوگا لیکن بقول علامہ ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادیؒ:

''اس حدیث کو طبرانیؒ نے ''مسند الشامیین'' میں بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سعید ''المقبری'' ہونے کی صراحت موجود ہے۔''(۱)، واللہ أعلم۔

## ۴- حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی تخریج

امام دار قطنیؒ نے اپنی ''سنن''(۲) میں "عن یونس بن راشد عن عطاء عن عکرمة عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال، کے مرفوع طریق سے یوں فرمائی ہے: "لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة۔" ابن قطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: ''یونس بن راشد قاضی خراسانی ہے۔'' ابوزرعہ کا قول ہے کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں''، امام بخاری کا قول ہے کہ ''مرجئ تھا۔'' اس کی حدیث ان کے نزدیک ''حسن'' ہے۔ اس حدیث کو امام دار قطنیؒ نے عن عطاء عن ابن عباس بھی مرفوعاً روایت کیا ہے، لیکن عطاء خراسانی نے ابن عباسؓ کو نہیں پایا تھا۔ علامہ عبدالحق ''الأحکام'' میں فرماتے ہیں: "وقد وصله يونس بن راشد فرواه عن عطاء عن عكرمة عن ابن عباس۔" (۳)

یونس بن راشد کے متعلق امام نسائی فرماتے ہیں کہ ''مرجیہ کے دعاۃ میں سے تھا۔''(۴) حافظ ابن حجر کا قول ہے: "صدوق رمی بالإرجاء۔"(۵) مزید تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۶) ملاحظہ کریں۔

اس حدیث کو امام ذہبیؒ نے ''میزان الاعتدال''(۷) میں وارد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''التلخیص الحبیر'' میں اس کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث "لا وصية لوارث" کی تخریج اپنی ''جامع الصحیح'' کی کتاب ''الوصایا'' کے ترجمۃ الباب کے تحت بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اگرچہ لفظاً موقوف ہے لیکن چونکہ یہ نزول قرآن سے ماقبل حکم کی خبر اور اس کی تفسیر سے متعلق ہے لہٰذا مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔''(۸)

## ۵- حضرت عمرو بن شعیبؒ کی حدیث کی تخریج

بھی امام دار قطنیؒ (۹) نے عن سهل بن عمار ثنا الحسين بن الوليد ثنا حماد بن سلمة

---

(۱) التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی ۲/۴۵۵
(۲) سنن الدار قطنی ۲/۴۵۴
(۳) نصب الرایہ للزیلعی ۴/۴۰۴
(۴) میزان الاعتدال للذہبی ۴/۴۸۰
(۵) تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۳۸۴
(۶) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۹/۲۳۹، التاریخ الکبیر للبخاری ۸/۴۱۲ وغیرہ
(۷) میزان الاعتدال للذہبی ۴/۴۸۱
(۸) فتح الباری لابن حجر ۵/۳۷۲ وکذا فی تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۳/۱۸۹
(۹) سنن الدار قطنی ۲/۴۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عن حبيب بن الشهيد عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده یوں کی ہے:"أن النبیﷺ قال فی خطبته يوم النحر: لاوصية لوارث إلا أن تجيز الورثة۔" لیکن سہل بن عمار کی امام حاکمؒ نے تکذیب فرمائی ہے۔امام ابن عدیؒ نے اس کی روایت ''الکامل'' میں عن حبيب المعلم عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده۔ کی ہے، لیکن اس میں"إلا أن تجيز الورثة "کے الفاظ نہیں ہیں۔نیز یہ کہ آں رحمہ اللہ نے اس حبیب کو''لین''یعنی لچکدار قرار دیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں:"أرجو أنه مستقيم الرواية۔"(۱)

راوی سھل بن عمار کے متعلق امام ابو عبداللہ الحاکمؒ کا قول اوپر گزر چکا ہے جسے آں رحمہ اللہ نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے۔امام ذہبی بھی فرماتے ہیں کہ متہم ہے۔ مزید تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۲) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔لیکن جہاں تک اس کے دوسرے راوی حبیب المعلم کا تعلق ہے تو اسے امام ذہبیؒ نے ''ثقہ حجۃ'' قرار دیا ہے۔اگرچہ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ'' قوی نہیں ہے۔'' اور یحییٰؒ القطان کا قول ہے کہ :"لا يحتج به ـــ"لیکن ابن معین ، عجلی ،احمد بن حنبل اورابو زرعہ جیسے دقیق النظر ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے۔امام ابن حبان نے کتاب ''الثقات'' میں اس کو ذکر کیا ہے۔امام بخاریؒ نے اس سے تین حدیثیں متابعات میں روایت کی ہیں۔امام ابن عدیؒ کا قول ہے:"ولحبيب أحاديث صالحة وأرجوا أنه مستقيم الحديث۔"مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ (۳) کی طرف رجوع کریں۔

## ۶- حضرت جابرؓ کی حدیث کی تخریج

بھی ابن عدیؒ نے عن أحمد بن محمد بن صاعد عن ابی موسی الهروی عن ابن عيينة عن عمروبن دينارعن جابرعن النبی ﷺ أنه قال: "لا وصية لوارث۔" فرمائی ہے ۔اور اسے راوی احمد بن محمد بن صاعد کے باعث معلول کیا ہے۔ یہ یحیی بن محمد بن صاعد کا بڑا بھائی ہے،اس نے اس سے پہلے وفات پائی تھی اورضعیف ہے۔''(۴)

اس حدیث کے مجروح راوی احمد بن محمد بن صاعد کے متعلق امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں:''میں نے اہل

---

(۱) نصب الرایہ للزیلعی ۴/۴۰۴

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ۲/۲۴۰، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/ ۲۹، تلخیص المستدرک للذہبی ۳/ ۲۱۵، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص:۲۶۲

(۳) الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۲/ ۸۱۷، تہذیب التہذیب لابن حجر ۲/۱۹۴، میزان الاعتدال للذہبی ۱/ ۴۵۶، معرفۃ الرواۃ للذہبی ص:۸۵، الکاشف ۱/۲۰۴، ھدی الساری لابن حجر ص:۳۹۵، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۲/ ۱۱۱، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص:۲۴۸

(۴) نصب الرایہ للزیلعی ۴/۴۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عراق کو اس کے ضعف پر متفق دیکھا ہے۔'' امام دارقطنیؒ کا قول بھی یہی ہے کو ''قوی نہیں ہے۔'' لیکن علامہ خطیب بغدادیؒ نے اسے ''قوی'' بتایا ہے۔ مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت مذکورہ کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(ملاحظہ: محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ نے امام دارقطنیؒ کی تخریج کردہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے طریق کو ''صحیح'' (۲) قرار دیا ہے)۔

## ۷- حضرت براء بن ارقم رضی اللہ عنہما کی احادیث کی تخریج

بھی امام ابن عدیؒ نے عن موسیٰ بن عثمان الحضرمی عن ابی اسحاق عن زید بن ارقم والبراء یوں فرمائی ہے:

"قال كنا مع النبي ﷺ يوم غديرخم ونحن نرفع غصن الشجرة عن رأسه فقال إن الصدقة لا تحل لي ولا لأهل بيتي ، لعن الله من ادعى إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه ، الولد للفراش وللعاهرالحجر وليس لوارث وصية." اس حدیث کو امام ابن عدیؒ نے راوی موسیٰ بن عثمان الحضرمی کے باعث معلول کیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ''اس کی حدیث غیر محفوظ ہوتی ہے۔'' (۳)

موسیٰ بن عثمان الحضرمی کے متعلق یحییٰؒ کا قول ہے: ''لیس بشئ''، یعنی ''دھیلہ کے برابر بھی نہیں ہے۔'' ابوحاتم رازیؒ نے اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''تشیع میں غلو کرتا تھا۔'' مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ (۴) کی طرف رجوع فرمائیں۔

## ۸- حضرت علیؓ کی حدیث کی تخریج

بھی امام ابن عدیؒ نے عن ناصح بن عبد الله الكوفي عن ابي إسحاق عن الحارث عن علي قال قال رسول الله ﷺ یوں فرمائی ہے: "لاوصية لوارث ، الولد لمن ولد على فراش أبيه وللعاهر الحجر." پھر راوی ناصح بن عبداللہ الکوفی کی امام نسائیؒ سے تضعیف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "إنه ممن يكتب حديثه." ابن عدیؒ نے اس حدیث کی تخریج عن یحییٰ بن ابی انیسہ عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرۃ عن علی، کے طریق سے مرفوعاً یوں بھی کی ہے: "الدين قبل الوصية ولا وصية لوارث." پھر امام بخاری، امام نسائی، امام ابن المدینی، امام ابن معین اور ان کے موافقین سے یحییٰ بن ابی انیسہ کی تضعیف نقل فرمائی ہے۔'' (۵)

---

(۱) لسان المیزان لابن حجر ۱/ ۲۶۷، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۱/ ۲۰۲، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۱/ ۸۶، میزان الاعتدال للذہبی ۱/ ۱۴۰

(۲) صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للألبانی ۲/ ۱۲۵۶ (۳) نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۴۰۵

(۴) الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۶/ نمبر ۲۳۴۸، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳/ ۱۴۷، میزان الاعتدال للذہبی ۴/ ۲۱۴، الجوہر النقی لابن الترکمانی ۴/ ۴۰۵، مجمع الزوائد للہیثمی ۵/ ۱۵

(۵) نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۴۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حضرت علیؓ کی اس مرفوع حدیث کی تخریج امام دار قطنیؒ (۱) نے بھی کتاب ''الفرائض'' میں بطریق عاصم بن ضمرہ عن علی کی ہے۔

اول الذکر حدیث کے مجروح راوی ناصح بن عبداللہ الکوفی کو امام دارقطنی اور امام نسائی نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ یحییٰؒ کا قول ہے: "لیس بثقة "یعنی'' ثقہ نہیں ہے۔'' ایک موقع پر آں رحمہ اللہ نے ناصح کے متعلق "لیس بشئی "(یعنی ''دھیلہ کے برابر بھی نہیں ہے'') بھی فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ اسے ''منکر الحدیث'' قرار دیتے ہیں۔ امام عمرو بن علیؒ نے اسے ''متروک الحدیث'' بتایا ہے۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: "ینفرد بالمناکیر عن المشاهیر فاستحق الترك." مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ (۲) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اور آخر الذکر حدیث کے مجروح راوی یحییٰ بن ابی انیسہ کو اس کے بھائی زید بن ابی انیسہ نے ''جھوٹا'' بتایا ہے۔ امام احمد، امام نسائی اور امام علی بن جنید کا قول ہے کہ ''متروک الحدیث ہے۔'' علی بن المدینیؒ کا قول ہے: "لا یکتب حدیثه." یحییٰ بن معین نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے، اور کہتے ہیں کہ ''اس کی روایت کا کچھ بھی مقام نہیں ہوتا۔'' لیکن عمرو بن علیؒ کا قول ہے کہ ''صدوق تھا مگر اس کو وہم ہو جایا کرتا تھا۔'' امام ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ''اسانید کو الٹ پلٹ کر دیتا اور مراسیل کو مرفوع بنا دیتا تھا۔ اس کے ساتھ احتجاج بہر حال درست نہیں ہے۔'' مزید تفصیلی کوائف کے لئے حاشیہ (۳) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## ۹۔ حضرت خارجہ بن عمرو کی حدیث کی تخریج

طبرانی نے اپنی معجم میں عن عبدالملک بن قدامہ الجمحی عن ابیہ عن خارجۃ بن عمرو الجمحی رضی اللہ عنہ یوں کی ہے: "أن رسول اللهﷺ قال یوم الفتح وأنا عند ناقته: "لیس لوارث وصیة، قد أعطی

---

(۱) سنن الدار قطنی ۲/۴۵۴، ۴۵۵

(۲) تاریخ یحییٰ بن معین ۳/۲۶۳، ۲۸۱، ۴/۹۷، التاریخ الکبیر للبخاری ۴/۱۲۲، التاریخ الصغیر للبخاری ۲/۲۲۰، الضعفاء الصغیر للبخاری ۱۱۶، الضعفاء والمتروکین للنسائی ۵۸۴، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ۵۳۷، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳/۱۵۶، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۳۱۱، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۵۰۲، المجروحین لابن حبان ۳/۵۴، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۷/نمبر ۲۵۱۰، میزان الاعتدال للذہبی ۴/۲۴۰، تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۰/۴۰۲، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۲۹۴، فتح الباری لابن حجر ۱۱/۳۴۳، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۳/۱۳۱، نصب الرایہ للزیلعی ۲/۲۶۱، ۴/۴۰۵ وغیرہ

(۳) الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳/۱۹۱، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۳۹۲، المجروحین لابن حبان ۳/۱۱۰، میزان الاعتدال للذہبی ۴/۳۶۴، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۳۴۳، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۷/نمبر ۲۶۴۴، التاریخ الکبیر للبخاری ۸/۲۶۲، تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۶۴۰، سنن الدارقطنی ۱/۱۲۱، ۲/۱۰۸، ۱۸۶، ۲۸۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ۶/۲۶۷، ۲۶۸، ۷/۳۹۷، ۹/۲۵۶، ۱۰/۲۹۳، العلل المتناہیۃ لابن الجوزی ۱/۱۴۸، ۳۶۵، مجمع الزوائد للہیثمی ۲/۴/۴/۲۶۶، نصب الرایہ للزیلعی ۲/۲۶۸، ۳/۲۱۲، ۴/۲۴۹، ۴/۴۲، ۱۵۲، ۲۰۳، ۳۴۱، ۳۷۷، ۴۰۵، الجوہر النقی لابن الترکمانی ۴/۴۰۵، تحفۃ الأحوذی ۲/۲۵۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص: ۳۰۴ وغیرہ......

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الله عز وجل كل ذی حق حقه و للعاهر الحجر، من ادعى إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجعمين ، لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا يوم القيامة۔" (۱)

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی سند میں عبدالملک بن قدامہ الجمحی ہے، جس کی ابن معینؒ نے توثیق کی ہے لیکن دوسرے لوگوں نے اسے ضعیف بتایا ہے۔'' (۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''طبرانیؒ نے اس کی تخریج دوسرے طریق سے یوں بھی فرمائی ہے: ''عن خارجة بن عمرو۔'' لیکن یہ مقلوب ہے۔'' (۳)

اس حدیث کے مجروح راوی عبدالملک بن قدامہ الجمحی کے متعلق امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ''قوی نہیں ہے۔'' امام عجلی نے ''ثقہ'' اور یحییٰ نے ''صالح'' بتایا ہے۔ ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: ''غیر قوی، ضعیف الحدیث اور ثقات کی طرف سے منکرات بیان کرنے والا ہے۔'' امام ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ''فحش خطا کرتا ہے اور بکثرت واہمہ کا شکار ہوتا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہے۔'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''ضعیف ہے۔'' مزید تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۴) کی طرف رجوع فرمائیں۔

### ۱۰- اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کی تخریج

حارث بن ابی اسامہ نے اپنی ''مسند'' میں بطریق اسحاق بن عيسى بن نجيح الطباع ثنا محمد بن جابر عن عبد الله بن بدر قال: "سمعت ابن عمر يقول قضى رسول اللهﷺ بالدين قبل الوصية وأن لا وصية لوارث ـــــ" کی ہے۔ (۵)

اس طریق میں اسحاق بن عیسی بن نجیح الطباع کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''صدوق تھا'' (۶) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی اس کے متعلق یہی کچھ بیان کیا ہے۔ (۷)

---

(۱) نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۴۰۵ (۲) مجمع الزوائد للہیثمی ۴/ ۲۱۴ (۳) الدرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ لابن حجر، ص: ۳۷۸

(۴) تاریخ یحییٰ بن معین ۲/ ۳۷۴، التاریخ الکبیر للبخاری ۳/ ۱، ۴۳۶، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۳/ ۳۰، الضعفاء والمتروکین للنسائی ۳۸۲، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/ ۱۵۲، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۵/ نمبر ۱۹۴۶، المجروحین لابن حبان ۲/ ۱۳۵، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۵/ ۳۶۲، میزان الاعتدال للذہبی ۲/ ۶۶۱، معرفۃ الثقات للعجلی ۲/ ۱۰۵، سؤالات البرقانی، ص: ۱۳۰ تقریب التہذیب لابن حجر ۱/ ۵۲۱، تہذیب التہذیب لابن حجر ۶/ ۴۱۵، مجمع الزوائد للہیثمی ۴/ ۲۵۳

(۵) نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۴۰۵

(۶) تقریب التہذیب لابن حجر ۱/ ۶۰ (۷) تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۳/ ۱۷۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام بیہقیؒ نے زیر مطالعہ حدیث کو بطریق امام شافعیؒ(۱) عن مجاہد مرسلا بھی تخریج کیا ہے۔(۲)

یہاں ہم انہی طرق کی تحقیق پر اکتفا کرتے ہیں، مزید تحقیق کے لئے الجامع الصغیر (۳)، مسند الطیالسی (۴)، سنن سعید بن منصور (۵)، إرواء الغلیل للالبانی (۶)، سبل السلام لأمیر الیمانی، بلوغ المرام لابن حجر اور التلخیص الجبیر لابن حجر وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''التلخیص'' میں اس حدیث کو ''حسن'' علامہ محمد ناصر الدین الألبانی رحمہ اللہ نے ''صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ'' (۷) میں ''صحیح'' اور دنیائے حنفیت کے محقق شیخ محمد زاہد الکوثری نے ''سنداً صحیح'' قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "أنه حديث صحيح سندا فانظره۔"(۸)

علامہ محمد درویش حوت البیروتیؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو نسائیؒ کے علاوہ تمام اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اس کے متعدد طرق ہیں: جن میں کچھ حسن اور کچھ ضعیف ہیں۔ دار قطنیؒ نے مرسلاً اس کی تصویب کی ہے۔''(۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''اس باب میں عمرو بن خارجہ کی حدیث کی تخریج امام ترمذی ونسائی نے کی ہے، حضرت انس کی ابن ماجہ نے، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی دار قطنی نے، جابر کی بھی دار قطنی نے (اور کہا کہ صواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے) اور حضرت علی کی ابن ابی شیبہ نے تخریج کی ہے۔ اگرچہ ان تمام احادیث کی اسانید میں سے کوئی بھی سند مقال (یعنی غیر قوی) رواۃ سے خالی نہیں ہے(۱۰)، لیکن ان سب کا مجموعہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے، بلکہ امام شافعیؒ نے کتاب ''الأم'' میں یہاں تک فرمایا ہے کہ ''یہ متن متواتر ہے۔'' آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ ''ہم نے اہل الفتیا اور ان سے نقل کرنے والے حفاظ نیز قریش وغیرہ

---

(۱) الرسالۃ للإمام الشافعی، ص:۱۴۰، کتاب الأم للإمام الشافعی ۴/۳۶، ۴۰

(۲) سنن الکبری للبیہقی ۶/۲۶۴، وکذا فی کشف الخفاء ومزیل الإلباس للعجلونی ۲/۴۹۶

(۳) الجامع الصغیر: ۹۹۳۳

(۴) مسند الطیالسی: نمبر ۱۱۲۷

(۵) سنن سعید بن منصور: نمبر ۴۲۷

(۶) إرواء الغلیل للألبانی: نمبر ۱۶۵۵

(۷) صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للألبانی ۲/نمبر ۱۲۵۶

(۸) المقالات للکوثری، ص: ۶۵، ۶۷

(۹) أسنی المطالب للحوت البیروتی، ص: ۳۵۴

(۱۰) حافظ ابن حجرؒ کے اس قول کے متعلق علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں: ''ومنازعة الفخر ليست مبنية إلا على الاحتمالات العقلية ولم يحقق المسئلة على قواعد الفن الصحيحة۔'' (تعلیق احمد شاکر علی الرسالۃ للإمام الشافعی، ص: ۱۴۲) یعنی ''فخر الدین رازی کا اس بارے میں نزاع صرف عقلی احتمالات پر مبنی ہے۔ اس بارے میں جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ صحیح فنی قواعد کی رو سے تحقیق کر کے نہیں کہا گیا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


میں سے مغازی کے علماء کو پایا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے سال" لا وصية لوارث " فرمایا تھا۔ پھر جن صحابہ نے نبی ﷺ سے سن کر اس کو یاد رکھا یا روایت کی پھر ان سے ملاقات کرنے والے اہل علم تابعین نے نقل کیا پھر کافۃ عن کافۃ یہ حدیث نقل ہوتی رہی، پس یہ نقل واحد سے زیادہ قوی تر ہوئی۔'' فخر رازی نے اس حدیث کے متواتر ہونے سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ان کے اس قول کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ کم از کم ''مشہور'' ضرور ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق قرآن سنت سے منسوخ نہیں ہوتا، لیکن یہاں اس حدیث کے مقتضی پر اجماع امت حجت ہے جیسا کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے صراحت فرمائی ہے۔''(۱)

علامہ ابو محمد علی بن حزمؒ فرماتے ہیں:

"لأن الكواف نقلت أن رسول الله ﷺ قال لا وصية لوارث۔"(۲)

یعنی ''چونکہ تمام لوگوں نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لا وصية لوارث، لہذا یہ چیز نقلی تواتر کی حامل ہے۔''

جناب مفتی محمد شفیع صاحب، علامہ ابوبکر الجصاصؒ سے نقلاً بیان کرتے ہیں کہ:

''یہ حدیث ایک جماعت صحابہ سے منقول ہے اور فقہائے امت نے باتفاق اس کو قبول کیا ہے اس لئے یہ بحکم متواتر ہے جس سے آیت قرآن کا نسخ جائز ہے۔''(۳)

ایک اور مقام پر مفتی رحمہ اللہ، علامہ قرطبیؒ سے نقلاً فرماتے ہیں:

''اگرچہ یہ حدیث ہم تک خبر واحد ہی کے طریق پر پہونچی ہے مگر اس کے ساتھ اس پر اجماع صحابہ اور اجماع امت نے یہ واضح کر دیا کہ یہ حدیث ان حضرات کے نزدیک قطعی الثبوت ہے ورنہ شک وشبہ کی گنجائش ہوتے ہوئے اس کی وجہ سے آیت قرآن کے حکم کو چھوڑ کر اس پر اجماع نہ کرتے۔''(۴)

اجماع امت کے متعلق علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر نیشاپوریؒ (۳۱۸ھ)، ''الأوسط'' اور ''الإجماع'' میں فرماتے ہیں:

"وأجمعوا أن لا وصية لوارث، إلا أن يجيز الورثة ذلك۔"(۵)

---

(۱) فتح الباری ۵/۳۷۲ وکذا فی تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۳/۱۹۰
(۲) المحلی لابن حزم الأندلسی ۹/۳۱۶
(۳) معارف القرآن للمفتی ۱/۳۸۴-۳۸۵
(۴) نفس مصدر ۱/۳۸۴-۳۸۵
(۵) الإجماع لابن المنذر ص: ۷۹، طبع دائرۃ المعارف الإسلامیۃ آسیاباد والأوسط لابن المنذر مصورۃ بالجامعۃ الاسلامیۃ ورقہ ۱۵۵ (ألف)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں:

"وأما الموصى له فإنهم اتفقوا على أن الوصية لا تجوز لوارث لقوله عليه الصلاة والسلام لا وصية لوارث۔"(۱)

علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں:

"ولاوصية لوارث إلا أنْ يجيز الورثة ذلك"......قال ابن المذر وابن عبدالبر أجمع أهل العلم على هذا وجاء ت الأخبار عن رسول الله ﷺ يقول: إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث" رواه ابوداؤد وابن ماجة والترمذى ولأن النبى ﷺ منع من عطية بعض ولده وتفضيل بعضهم على بعض الخ۔"(۲)

مشہور حنفی عالم شیخ محمد زاہد الکوثری اپنے ''مقالات''میں فرماتے ہیں:

"نقل فيه إجماع العلماء على العمل به كما نقل أيضا أنه حديث صحيح سندا(۳) فانظره۔"(۴)

اور جناب انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

"هذا الحديث ضعيف بالاتفاق مع ثبوت حكمه بالإجماع۔" (۵)

یعنی ''یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے لیکن ساتھ ہی اس کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔''

اب جب کہ اس حدیث پر اجماع امت ثابت ہو چکا تو جاننا چاہیئے کہ محدثین بالخصوص امام خطیب بغدادی وغیرہؒ کے نزدیک اجماع امت سے نسخ قرآن جائز ہے، چنانچہ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"وممن جوز كون الإجماع ناسخا للسنة والكتاب الحافظ البغدادى فى كتاب الفقيه والمتفقه۔"(۶)

یعنی ''جن لوگوں نے اجماع کو کتاب وسنت کے نسخ کے لئے جائز قرار دیا ہے ان میں حافظ خطیب بغدادی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''الفقہ والفقیہ'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے شرح ''نظم الدرر'' المسمی بہ ''البحر الذی زخر'' میں، علامہ سخاویؒ نے ''فتح المغیث بشرح ألفیۃ الحدیث للعراقی'' میں اور جناب ابو الحسنات عبد الحی لکھنویؒ نے ''الأ جوبہ

---

(۱) بدایۃ المجتهد لابن رشد ۲/۳۳۴ (۲) المغنی لابن قدامہ ۶/۶

(۳) واضح رہے کہ حدیث زیر بحث کے سنداً صحیح ہونے کا یہ دعویٰ محل نظر ہے۔

(۴) المقالات للکوثری، ص: ۶۵، ۶۷ (۵) فیض الباری علی صحیح البخاری ۳/۴۰۹

(۶) إرشاد الفحول للشوکانی، ص:۱۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


الفاضلۃ'' (۱)میں امت کے نزدیک زیر مطالعہ حدیث کوتلقی بالقبول کادرجہ حاصل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔محدثین میں سے امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح ''میں " لا وصیة لوارث"(۲)،امام ترمذیؒ نے اپنی ''جامع '' (۳)میں ''باب ماجاء لا وصیۃ لوارث''اورامام نسائیؒ نے اپنی ''سنن''میں باب ابطال الوصیۃ للوارث''(۴)، کے عنوانات سے مستقل ابواب قائم کئے ہیں جوامت کے نزدیک اس کی اہمیت اورتلقی بالقبول ہونے کی شہادت دیتے ہیں ، پس جناب رحمت اللہ طارق صاحب کا اس حدیث کوبحیثیت مجموعی ''صفر''، ''ضعیف'' اور ''نا قابل اعتماد'' قرار دینا، یابقول جناب خالد مسعود صاحب ، جناب فراہی صاحب کا اپنی مستقل تصنیف ''أحکام الأصول ''میں ''ترکہ میں وصیت کا حکم باقی ''(۵)ہونے کا دعوی کرنا اصول اورانصاف سے بعید ہے ، واللہ أعلم۔

مقام حیرت تو یہ ہے کہ جناب خالد مسعود صاحب خودہی اپنے ایک مضمون:''احکام رسول کاقرآن مجید سےاستنباط''میں اس حدیث کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

"حدیث لا وصیۃ لوارث"(وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہوسکتی)احکام میراث سے مستنبط ہے۔وارثوں کے حصے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہواہے: تلك حدود الله (یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ) اس آیت سے احکام میراث میں ہرکمی وبیشی کی نفی ہوتی ہے۔لہذا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہوسکتی۔اس کے حق میں جووصیت ہے وہ خدا نے بیان کردی اورپھر تصریح فرمادی کہ یہ خدا کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص ان سے تجاوز کرے گا اسے عذاب دیاجائے گا۔''(۶)

## ۲-دوسری مثال

نسخ قرآن کی دوسری مثال اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:

"إذا قمتم إلى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين ."(۷)یعنی''جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونےلگو تو اپنے چہروں کودھوؤ اوراپنے ہاتھوں کوبھی کہنیوں تک اورمسح کرو اپنے سروں پر اوراپنے پیروں پربھی ٹخنوں تک۔''

___ لیکن پیروں پرمسح کرنے کا حکم اس سنت سے منسوخ ہوا کہ جس میں پیروں کوبھی دھونے کا حکم

(۱)الأجوبۃ الفاضلۃ للکنوی،ص:۵۱،۵۲

(۲)صحیح البخاری مع فتح الباری۵/۳۷۲

(۳)جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی۳/۱۸۹

(۴)سنن النسائی مع التعلیقات السلفیۃ۲/۱۲۱

(۵)رسالہ''تدبر''لاہور،عدد۳۷،ص:۳۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

(۶)نفس مصدر عدد ۱۳ص۱۶مجریہ ماہ فروری ۱۹۸۵ء

(۷)المائدہ:۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مذکور ہے۔صحابہ کرامؓ کے اقوال اس پر شاہد ہیں کہ اس حکم ثانی سے پہلے صحابہ کرام اپنے پیروں پر وضو کے دوران مسح ہی کیا کرتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ویل للأعقاب والعراقیب من النار۔"(۱)

حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ: "أنزل القرآن بالمسح۔"(۲) یعنی ''قرآن، پاؤں پر مسح لیکر نازل ہوا تھا۔''

مزید تفصیلات کے لئے ''عون المعبود(۳) للعظیم آبادیؒ اور تحفۃ الأحوذی''(۴) للمبارکفوریؒ وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## ۳- تیسری مثال

نسخ قرآن کی تیسری مثال اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿واللاتی یأتین الفاحشة من نساء کم فاستشهدوا علیهن أربعة منکم فإن شهدوا فأمسکوهن فی البیوت حتی یتوفٰهن الموت﴾(۵) یعنی ''تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں بدکاری کا ارتکاب کریں تو تم اپنوں میں سے چار گواہ کرلو۔ پس اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے۔''

——— اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نے منسوخ کردیا کہ ''اگر غیر شادی شدہ مرد وعورت زنا کے مرتکب ہوں تو انہیں سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کی مدت کے لئے جلاوطن کیا جائے، لیکن اگر وہ شادی شدہ ہوں تو انہیں کوڑے کے ساتھ سنگسار بھی کیا جائے۔''(۶)

ہم یہاں صرف انہی چند مثالوں کو پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ ہمارے موقف کو بخوبی ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ امام مروزیؒ نے کتاب ''السنۃ''(۷) میں امام ابن حزمؒ نے ''الإحکام فی اصول الأحکام''(۸) میں، ابوجعفر النحاس، ہبۃ اللہ اور حازمی وغیرہم نے ''الناسخ والمنسوخ'' نیز ''الاعتبار'' میں اور علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ نے ''إفادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ'' میں نسخ القرآن بالسنۃ کی بحث کے تحت سنت سے نسخ قرآن کی اور بہت سی مثالیں پیش کی ہیں اور منکرین نسخ جو تاویلات پیش کیا کرتے ہیں ان پر لائق مراجعت مناقشہ کیا ہے، فجزاھم اللہ أحسن الجزاء۔ ☆☆☆

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱/۱۴۳، ۱۹۸، ۲۶۵، ۲۶۷، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب: ۲۵، ۲۸، ۳۰، جامع الترمذی ۱/۵۰ وغیرہ

(۲) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم ۴/۱۱۳ (۳) ۱/۵۹

(۴) ۱/۹۶-۹۷ (۵) النساء: ۱۵

(۶) تفسیر ابن کثیر ۱/۴۶۲، والناسخ والمنسوخ لھبۃ اللہ، ص: ۳۳، تفسیر الطبری ۴/۲۹۴

(۷) ص ۶۶ ومابعدھا (۸) ص ۴۷۷-۴۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# تقیید مطلق اور تخصیص عموم القرآن کا مسئلہ

تخصیص عام اور تقیید مطلق کو عموماً ''زیادت علی الکتاب'' بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وحافظ ابن قیمؒ وغیرہ ـــــ ''متقدمین کی اکثریت تخصیص پر نسخ کا اطلاق کیا کرتی تھی'' (۱)۔ لہذا بعض علماء کو تخصیص عام اور تقیید مطلق کے بارے میں بھی نسخ کا شبہ ہوا ہے، لیکن ''تخصیص'' اور ''نسخ'' دو مختلف نوعیت کی چیزیں ہیں جیسا کہ باب ششم (اخبار آحاد کی حجیت، چوتھا حنفی اصول) کے تحت مفصل بیان کیا جائیگا۔

سنت متواترہ سے عموم قرآن کی تخصیص جائز ہونے کے بارے میں جمہور علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اگر سنت کا تعلق اخبار آحاد سے ہو تو اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''عموم قرآن کی بعض خبر آحاد سے تخصیص کے بارے میں اختلاف ہے۔'' (۲)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''کوفیوں کے نزدیک سنت عموم قرآن کی تخصیص نہیں کرتی۔'' (۳) بعض فقہاء حنفیہ کی کتب میں تعارض کے وقت عام کو خاص پر مقدم کر دینا یا خبر واحد کے ذریعہ عموم قرآن کی تخصیص کا جائز نہ ہونا بصراحت مذکور ہے۔ (۴) اسی طرح بعض لوگوں نے تخصیص کا مطلقاً انکار بھی کیا ہے، لیکن ان کے مابین بھی تفصیل کا اختلاف ہے۔ فقہائے حنفیہ میں سے قاضی عیسی بن ابان (ت ۲۲۱ھ) کا موقف یہ ہے کہ اگر قرآن کی تخصیص مقطوع بہ دلیل کے ساتھ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ مشہور حنفی فقیہ عبیداللہ بن الحسین ابو الحسین الکرخی (ت ۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

''اگر تخصیص اپنے مخصص کے ساتھ منفصل، یعنی دور دور ہو تو جائز ہے ورنہ متصل ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔''

ـــــ جبکہ قاضی محمد بن طیب بن محمد بن جعفر ابوبکر اشعری (۴۰۳ھ) اس بارے میں توقف کو ترجیح دیتے ہیں۔

## تخصیص ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''جمہور عموم قرآن کی خبر آحاد سے تخصیص کے جواز کے قائل ہیں۔'' (۵)

---

(۱) فتح الباری لابن حجر: ۸/ ۲۰۷، ۴۹۶، اعلام الموقعین لابن القیم: ۱/ ۳۹ (۲) فتح الباری: ۸/ ۱۹۱ (۳) نفس مصدر ۱۲/ ۲۰۰

(۴) شرح المنار ص: ۲۸۹، ۲۹۴، ارشاد الفحول ص: ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴ (۵) فتح الباری ۵/ ۲۸۱، ۹/ ۱۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ آمدیؒ نے بھی ''الإحکام في أصول الأحکام۔'' (۱) میں ائمہ اربعہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں،

"السؤال الثالث وهو المعتمد أن تقول الفقهاء أجمعوا على أنه يجوز تخصيص عموم القرآن بخبر واحد فهب أن عموم قوله تعالى: وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا ، يوجب سكوت المأموم عند قرأة الإمام إلا أن قوله عليه الصلاة والسلام : لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ، أخص من ذلك العموم وثبت أن تخصيص عموم القرآن بخبر الواحد لازم فوجب المصير إلى تخصيص هذه الآية بهذاالخبر و هذا السؤال حسن۔"(۲)

یعنی ''تیسرا سوال یہ ہے اور یہی معتمد ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خبر واحد سے قرآن کے عمومی حکم کی تخصیص جائز ہے۔ پس آیت :"وإذا قرئ القرآن۔" الخ کا عموم امام کی قرأت کے وقت مأموم (یعنی مقتدی) پر سکوت کو واجب قرار دیتا ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ،تو یہ ارشاد نبوی اس عام حکم سے زیادہ خاص ہے، اور یہ چیز ثابت ہے کہ عموم قرآن کی خبر واحد سے تخصیص لازم ہے، پس اس آیت کی بھی اس خبر کے ساتھ تخصیص واجب ہے، اور یہ سوال بہتر ہے۔''

تفسیر نیشاپوری میں ہے:

"وقد سلم كثير من الفقهاء عموم اللفظ إلا أنهم جوزوا تخصيص عموم القرآن بخبرالواحد وذلك ههنا قوله ﷺ : لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب ۔"(۳)

علامہ ابن الحاجب ''مختصر الأصول'' اور اس کی شرح میں باختصار فرماتے ہیں:

"إن تخصيص عام القرآن بالمتواتر جائز اتفاقا وأما بخبر الواحد فقال بجوازه الأئمة الأربعة وقال ابن أبان من الحنفية إنما يجوز إذا كان العام قدخص من قبل بدليل قطعي منفصلا كان أو متصلا وقال الكرخي إنما يجوز إذا كان العام قد خص من قبل بدليل منفصل قطعيا كان أو ظنيا ۔" (۴)

جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی صاحب فرماتے ہیں:

"وأما بخبر واحد فقال بجوازه الأئمة الأربعة۔"(۵) یعنی ''خبر واحد سے عام کی تخصیص

(۱) الاحکام للآمدی ۲/۲۲
(۲) تفسیر الکبیر للرازی ۴/۵۰۱
(۳) تحقیق الکلام للمبارکفوری ۲/۵۹ بحوالہ تفسیر نیشاپوری
(۴) کما فی غیث الغمام للکنوی ص:۲۰۵
(۵) غیث الغمام للکنوی ص:۲۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔''

اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

''الحاصل آیت: "وإذا قرئ القرآن" عندالحنفیہ بلاشبہ عام مخصوص منہ البعض ہے پس حدیث متفق علیہ: "لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب" سے اس آیت کی تخصیص کی جائے گی اور اس آیت کے حکم سے قرأت فاتحہ خلف امام خارج کی جاوے گی اور اگر فرض کیا جاوے کہ یہ آیت عندالحنفیہ عام مخصوص البعض نہیں ہے تو بھی اس کی تخصیص احادیث قرأت خلف امام سے کی جاوے گی کیونکہ عامہ فقہاء اور ائمہ اربعہؒ کے نزدیک کتاب اللہ کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔''(۱)

## برائے تخصیص عموم چند مفید باتیں

۱-''ظاہر عموم پر عمل لازم ہے حتی کہ دلیل اس کی تخصیص پر دلالت کرتی ہو۔''(۲)

۲-ابن حاجب نے مخصص پر بحث ونظر سے قبل عموم پر عمل کرنے کی ممانعت پر اجماع نقل کیا ہے لیکن اس پر یوں تعقب کیا گیا ہے کہ ''ابواسحاق اسفرائینی اور ابواسحاق شیرازی نے اس قول کے خلاف حکایت کی ہے۔ حنفیہ عموم کے لئے بہرحال وجوب انقیاد کے قائل ہیں۔ ابن شریح، ابن خیران اور قفال کا قول ہے کہ اس پر بحث واجب ہے۔''(۳)

۳-''تخصیص احتمال سے ثابت نہیں ہوتی۔''(۴)

۴-''تخصیص نسخ کے دعوی سے اولی ہے۔''(۵)

۵-''عموم پر بقا اصل ہے حتی کہ خصوص ثابت ہو جائے۔''(۶)

۶-''اگر دلیل اجازت دیتی ہو تو تخصیص عموم غیر مستنکر ہے۔''(۷)

۷-''منطوق قرآن کے خصوص سے عموم مفہوم سنت کی تخصیص جائز ہے۔''(۸)

۸-''بعض کے نزدیک عموم متواتر کی عموم آحاد سے تخصیص محل نظر ہے۔''(۹)

۹-''بعض کے نزدیک عموم کی قیاس سے تخصیص اصول میں جائز عمل ہے۔''(۱۰)

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نکاح میں ولی کی شرط کے اصلاً قائل نہیں ہیں اور عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر

---

(۱) تحقیق الکلام للمبارکفوری ۲/ ۵۸-۵۹ (۲) کمافی فتح الباری ۶/ ۶۵، ۱۴۸، ۱۲/ ۲۶۱، معالم السنن ۱/ ۳۸۹
(۳) کمافی فتح الباری ۱۲/ ۱۸ (۴) نفس مصدر ۲/ ۷۵، ۵/ ۱۹۱، ۱۹۲ (۵) نفس مصدر ۲/ ۵۶، ۵۹
(۶) نفس مصدر ۱/ ۵۶، ۸۹، ۵/ ۳۴۶ (۷) نفس مصدر ۵/ ۷ (۸) نفس مصدر ۱/ ۵۰
(۹) نفس مصدر ۴/ ۳۴۳ (۱۰) نفس مصدر ۹/ ۱۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خود شادی کرلینا جائز سمجھتے ہیں، اور اسے بیع پر قیاس کرکے احتجاج کرتے ہیں۔ اشتراط ولی کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں مثلاً "لا نکاح إلا بولی" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد) یعنی ''جس نکاح میں ولی نہ ہو وہ نکاح ہی نہیں ہے۔ اور "أیما امرأة نکحت نفسها بغیر إذن ولیها فنکاحها باطل، فنکاحها باطل، فنکاحها باطل الخ۔" (ابوداؤد، احمد، الدارمی) یعنی ''جو عورت بغیر ولی کے اپنا نکاح خود کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔'' وغیرہ، تو امام رحمہ اللہ انہیں چھوٹی بچی کے نکاح پر محمول کرتے ہیں۔ اس طرح یہاں قیاس سے عموم حدیث کی تخصیص ہوئی جو کہ عندالحنفیہ اصولاً درست ہے۔

۱۰۔ ''عموم کی قرائن کے ساتھ تخصیص جائز ہے۔'' (۱)

۱۱۔ ''منصوص کا حکم خاص، ظاہر وعام سے ارجح ہے۔'' (۲)

۱۲۔ ''عام پر عطف خاص، اہتمام بالخاص کا فائدہ دیتا ہے۔'' (۳)

۱۳۔ ''خصائص قیاس سے ثابت نہیں ہوتے۔'' (۴)، چنانچہ امام رازی اپنی ''تفسیر الکبیر'' میں آیت "فلا وربك لایؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی أنفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔" کے تحت فرماتے ہیں:

''ظاہراً آیت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نص کی قیاس کے ساتھ تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی ﷺ کے قول اور حکم کی علی الاطلاق متابعت واجب ہے اور اس سے کسی دوسری طرف عدول جائز نہیں ہے...... اور یہ آیت عموم قرآن اور خبر کی قیاس پر تقدیم کو واجب قرار دیتی ہے، الخ۔'' (۵)

۱۴۔ '' گو علمائے حنفیہ بالعموم خبر واحد سے عام کی تخصیص کو جائز نہیں سمجھتے مگر یہ بات تو ان کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ جب عام کی تخصیص ثابت ہو جائے تو عام قطعی نہیں رہتا۔'' (۶)

۱۵۔ ''علمائے حنفیہ کے برخلاف نص قرآنی یا سنت قطعیہ پر زیادت ہونا خبر صحیح کے لئے مضر نہیں ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خبر زیادت کے ساتھ وارد ہو تو اس سے نسخ لازم آتا ہے لہٰذا غیر مقبول ہے۔ لیکن اس کا قبول کرنا حق ہے کیونکہ زیادت مزید (علم) کے لئے غیر منافی ہے، چنانچہ مقبول ہے۔ اسی طرح بعض حنفیہ کے برخلاف اگر کوئی خبر کتاب یا سنت کے عموم کی تخصیص میں وارد ہو تو وہ بھی مقبول ہے اور اسی طرح اگر کوئی خبر کتاب یا سنت متواترہ کے مطلق علم کی تقیید میں وارد ہو تو وہ بھی مقبول ہے۔'' (۷)

---

(۱) فتح الباری: ۹/۲۱۱ (۲) نفس مصدر ۶/۶۵ (۳) نفس مصدر ۲/۴۱۶

(۴) نفس مصدر ۳/۳۹۹ (۵) کما فی مقدمہ تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری، ص: ۲۴

(۶) غیث الغمام لأبی الحسنات عبدالحیٔ اللکنوی، ص: ۲۷۷-۲۷۸

(۷) حصول المأمول من علم الأصول للنواب صدیق حسن خاں، ص: ۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## بصورت ''زیادت علی الکتاب''، خبر واحد کو رد کرنے کے بطلان پر محققین کے دلائل

حافظ ابن قیمؒ نے بصورت ''زیادت علی القرآن'' خبر واحد کو رد کرنے والوں کی زبردست تردید فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ وغیرہما نے ان تمام دلائل کو اپنی کتب میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے، جس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے:

''قرآن کے ساتھ سنت تین طرح کی ہو سکتی ہے: ایک وہ جو ہر اعتبار سے قرآن کے موافق ہو، دوسری وہ جو کہ قرآن کی مراد کی تبیین کرتی ہو، اور تیسری وہ جو ان احکام پر دلالت کرتی ہو جن پر قرآن کریم ساکت ہے۔ اور یہ تیسری قسم نبی ﷺ کی طرف سے احکام پر مشتمل ہیں، لہٰذا ان کی اطاعت بھی واجب ہے۔ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صرف انہی معاملات میں کرے جو قرآن کے موافق ہوں تو آپؐ کی خاص اطاعت کا کوئی مطلب ہی باقی نہ رہا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿من یطع الرسول فقد أطاع الله﴾ یعنی ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ قرآن سے زائد صرف انہی احکام کو قبول کرے گا جو متواتر یا مشہور ہوں تو وہ اس حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے، حالانکہ وہی لوگ کسی عورت کے ساتھ اس کی عمہ (پھوپھی) اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت، رضاعی نسبت سے حرام رشتوں کی تحریم، خیار شرط، شفعہ، حضر میں رھن، دادی کی میراث، تخییر الأمة، حائضہ کے لئے صوم وصلاۃ کی ممانعت، رمضان میں روزہ دار کے جماع کر لینے پر کفارہ کے وجوب، وفات پر معتدہ کا وجوب احداد، کھجور کی نبیذ سے وضو کا جواز، ایجاب الوتر، کم از کم دس درہم مقدار مہر کی تعیین، پوتی کا بیٹی کے ساتھ وراثت میں چھٹا حصہ، مجوس سے جزیہ لینا، دوسری بار چور کا پیر کاٹنا، استبراء المسبیہ بحیضة وغیرہ کے قائل ہیں حالانکہ یہ تمام احادیث آحاد ہی تو ہیں بلکہ اُن میں سے بعض ثابت اور بعض غیر ثابت بھی ہیں الخ۔'' (۱)

## علمائے حنفیہ کے نزدیک تخصیص معتبر ہونے کی چند مثالیں

اس بارے میں متعدد مثالیں حافظ ابن قیمؒ کے مندرجہ بالا اقتباس میں گزر چکی ہیں، مزید چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مشہور حنفی عالم ملا جیون قرآن کریم کی آیت ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ (۲) کو عند الحنفیہ عام مخصوص منه البعض بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری لابن حجر ۱۳/ ۲۳۸-۲۳۹ (ملخصا) وقواعد التحدیث للقاسمی، ص: ۱۴۹-۱۵۰

(۲) الاعراف: ۲۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"لا يقال إن قوله تعالى: وإذا قرئ القرآن، لما كان عاما بين الصلوة وخارجها فاختصاصه فى حق الصلوة والمؤتم تخصيص للعام فيكون مخصوص البعض وهو ظني فكيف يتمسك به لأنه لما كان ظنيا خرج عن الفرضية بمعنى أنه لا يكفر جاحده فبقى الوجوب وهو كالفرض فى حق العمل۔"(۱)

تخصیص کا یہ دعوی ''السراج المنیر''(۲) للعلامہ شربینی خطیب، ''خیر الکلام''(۳) للحافظ محمد گوندلوی اور ''تحقیق الکلام''(۴) للمحدث المبارکفوری وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے ایک فتوی میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''وحال آیۂ کریمۃ "وإذا قرئ القرآن "الآیۃ ایں است کہ ہرگاہ امام ایمان سورۂ دیگر ضم کند مقتدی خاموش گرویدہ سماعت کند کہ برائے سورۂ فاتحہ کہ ام الکتاب است مستثنیٰ است از مفہوم بعض احادیث صحیحہ وعلماء محققین ومحدثین ومفسرین دریں باب بسیار گفتگو کردہ اند الخ۔''(۵)

یعنی '' آیت کریمہ :"وإذا قرئ القرآن " کا حال یہ ہے کہ جب امام کوئی دوسری سورت تلاوت کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور اسے سنیں، لیکن سورۂ فاتحہ کہ جو ام الکتاب ہے بعض احادیث صحیحہ کے مفہوم کے مطابق اس عام حکم سے مستثنیٰ ہے۔ علمائے محققین اور مفسرین نے اس باب میں بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔''

۲- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ چند اور مثالوں کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

''بعض لوگ ان اخبار آحاد کو رد کرتے ہیں جن میں قرآن سے زائد احکام مذکور ہوتے ہیں مگر ان پر تعقب اس طرح کیا گیا ہے: خود وہ لوگ وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونا قبول کرتے ہیں، حالانکہ یہ بھی زائد حکم ہے اور اس کے عموم کا حصول بھی نصاب سرقہ کی طرح خبر واحد سے ہی ہے۔''(۶)

## اخبار آحاد سے ''زیادت علی الکتاب'' کے متعلق امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ کے مابین ہونے والا مناظرہ

مشہور ہے کہ:

''ایک مرتبہ امام محمدؒ علمائے مدینہ طیبہ پر طعن کر رہے تھے کہ مدینہ والے جس مقدمہ میں دو گواہ نہیں

---

(۱) تفسیر احمدی للملا جیون، ص: ۴۲۵ و تحقیق الکلام للمبارکفوری ۲/ ۵۷، ۵۸

(۲) السراج المنیر ۱/ ۵۵۱

(۳) خیر الکلام للحافظ گوندلوی، ص: ۴۰۴، ۴۰۶

(۴) تحقیق الکلام للمبارکفوری ۲/، ص: ۵۹

(۵) کمانی توضیح الکلام ۲/ ۱۱۹

(۶) فتح الباری ۱۳/ ۲۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوتے اس میں ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرتے ہیں۔امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے اس طعن سے پہلے تو بیزاری اس طرح ظاہر کی کہ تم اس شہر کو برا کہتے ہو؟ یا اس شہر کے رہنے والوں کو؟ اگر شہر کو برا کہتے ہو تو یہ شہر مہبط وحی وجبریلؑ ہے، اور اگر اس شہر والوں کو برا کہتے ہو تو یہاں کے شہری مہاجرین وانصار ہیں۔امام محمدؒ کو امام شافعیؒ کے اس جواب سے عبرت ہوئی تو امام شافعیؒ نے ان کے طعن کا سبب دریافت کیا۔امام محمدؒ نے فرمایا: علمائے مدینہ ایک گواہ اور قسم کی بنا پر اخبار آحاد سے فیصلہ جائز رکھتے ہیں حالانکہ قرآن میں اللہ تعالی نے دو گواہوں کی شہادت کا حکم بیان فرمایا ہے، امام شافعیؒ نے پوچھا کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہوسکتی؟ امام محمدؒ نے جواب دیا: ہاں یہ زیادتی نہیں ہوسکتی۔امام شافعیؒ گویا ہوئے کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنے سے آپ منع کرتے ہیں اور اسے زیادت علی الکتاب کہتے ہیں تو قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے، آپ خبر واحد (حدیث لا وصیۃ لوارث) کی بنا پر وارث کے لئے وصیت کو کیوں ناجائز قرار دیتے ہیں؟ یا اثاث البیت کے مقدمہ میں اگر مرد اور عورت دونوں مدعی ہوں اور کوئی گواہ موجود نہ ہو تو آپ کیوں کر فیصلہ کرتے ہیں؟ امام محمدؒ نے جواب دیا کہ عورت کی مخصوص چیزیں عورت کو دلاتے ہیں اور مرد کی مخصوص چیزیں مرد کو، تو امام شافعیؒ نے کہا کہ اس بارے میں تو کوئی خبر واحد بھی موجود نہیں ہے، تو آپ نے قرآن پر زیادتی کیوں کی؟ یہ سن کر امام محمدؒ لاجواب ہوگئے۔"(۱)

پس اس بارے میں پسندیدہ مذہب وہی ہے جسے ائمہ اربعہ نے اختیار کیا ہے۔امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں "انواع بیان" میں سے "سنت سے بیان القرآن" کے ضمن میں ایک مستقل باب اس عنوان کے ساتھ باندھا ہے:" باب ما نزل عاما دلت السنة خاصة على أنه يراد به الخاص ."اور اس میں بتایا ہے کہ "انواع بیان" میں سنت سے بیان القرآن دراصل سنت سے عموم قرآن کی تخصیص ہے۔"(۲)

حافظ ابن حزمؒ نے بھی "الاحکام" میں اسی رائے کو درست قرار دیا ہے اور سنت سے تخصیص قرآن کے جواز پر متعدد مثالوں سے استدلال کیا ہے۔(۳)

## تخصیص عموم قرآن پر جمہور کی حجت

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے:

---

(۱) تاریخ ابن خلکان ۱/ ۴۳۹، الطبقات الکبری للسبکی ۱/ ۲۵۳، مناقب الامام الشافعی للبیہقی، الانصاف مع الکشاف لشاہ ولی اللہ، ص: ۲۸، حجۃ اللہ البالغۃ لشاہ ولی اللہ ۱/ ۱۴۶

(۲) الرسالۃ للامام الشافعی، ص: ۶۴، ۷۳ (۳) الاحکام لابن حزم، ص: ۱۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"أيحسب أحدكم متكئا على أريكته قد يظن أن الله لم يحرم شيئا إلا مافي هذا القرآن ألا وإني والله قد أمرت ونهيت ووعظت عن أشياء إنها مثل القرآن أو أكثر۔"(۱)

ہم بخوبی یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن وسنت میں سے ہم پر دونوں چیزوں کی اطاعت کے وجوب میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے:

﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾(۲) "اور نہ وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ان کا ارشاد تو نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔"

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾(۳) "تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔"

اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا﴾(۴) "اور اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔"

ان آیات میں اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو واضح طور پر اس بات کی اطلاع دی ہے کہ اس کے نبی کا کلام اس کے رب کی مراد کے عین موافق ہے، ان کے درمیان نہ کسی قسم کا تعارض ہے نہ اختلاف، اور نہ ہی کوئی سنت رسول باعتبار اہمیت ووجوب قرآن سے کسی طرح کم تر ہے۔اس سے ان لوگوں کا بطلان ظاہر ہے جو سنت سے قرآن کی تخصیص کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

## تخصیص عموم قرآن کی چند مثالیں

قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن کی سنت آحاد کے ذریعہ تخصیص پر علماء امت کا اتفاق ہے مثلاً:

۱-اللہ تعالی نے نکاح میں محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا ہے:﴿وأحل لكم ما ورآء ذلكم﴾(۵) یعنی "اور تمہارے لئے ان عورتوں کے سوا باقی عورتیں حلال کی گئی ہیں"___ لیکن امام نووی "حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث کہ "نهي النبي ﷺ أن تنكح المرأة على عمتها والمرأة على خالتها۔" یعنی

(۱) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/ ۱۳۵، الاحکام لابن حزم، ص: ۱۸۹ (۲) النجم: ۳-۴
(۳) الأحزاب: ۲۱ (۴) النساء: ۸۲ (۵) النساء: ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''نبی ﷺ نے پھوپھی کے ساتھ بھتیجی اور خالہ کے ساتھ بھانجی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے''(۱)۔۔۔۔۔ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"احتج الجمهور بهذه الأحاديث وخصوا بها عموم القرآن فی قوله تعالی (وأحل لكم ماوراء ذلكم) وقد ذهب الجمهور إلى جواز تخصيص عموم القرآن بخبر الآحاد الخ۔"(۲)

بقول جناب خالد مسعود صاحب، جناب حمید الدین فراہی صاحب نے اپنی مستقل کتاب ''أحکام الأصول'' میں یہ دکھایا ہے کہ ''خالہ اور پھوپھی کے محرمات میں ہونے کی احادیث قرآنی نصوص سے کس طرح مستنبط ہیں۔''(۳)

۲-آیت قرآن:"يوصيكم الله فی أولادكم۔" (۴) یعنی ''اللہ تعالی تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔۔۔۔'' کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد" لايرث القاتل شيئا "(۵) یعنی'' قاتل کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

(ملاحظہ: اگرچہ ترمذی کی سند میں راوی اسحاق بن ابی فروۃ متروک ہے لیکن بیہقی نے حضرت عمرو بن عباس وغیرہما سے ایسے آثار نقل کئے ہیں جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ قاتل کے لئے وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے)

اور ایک دوسری حدیث:"لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم۔"(۶) یعنی ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔''

نیز ارشاد نبوی:"لا نورث ما تركناه صدقة۔"(۷)۔۔۔۔ کے ساتھ متفقہ طور پر مخصص قرار دیا ہے۔

۳-اس کی تیسری مثال قرآن کریم کی آیت:"والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما۔" (۸) ہے یعنی ''اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔۔۔۔'' اگر رسول

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۹/۱۶۰، صحیح مسلم کتاب النکاح: نمبر ۱۴۰۸، موطأ ۲/۵۳۲، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۱۸۳، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/۱۸۹-۱۹۰، سنن النسائی کتاب النکاح ۶/۹۶-۹۸

(۲) فتح الباری ۹/۱۶۲ (۳) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۷، ص ۳۷ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

(۴) النساء:۱۱ (۵) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/۱۸۴، سنن ابن ماجہ: نمبر ۲۶۴۵، ۲۷۳۵

(۶) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/۵۰، صحیح مسلم کتاب الفرائض: نمبر ۱۶۱۴، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/۸۴، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۳/۱۸۲، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص:۱۳، موطأ کتاب الفرائض ۲/۵۱۹

(۷) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/۶، صحیح مسلم کتاب الجہاد: نمبر ۱۷۶۰، ۱۷۶۱ (۸) المائدہ:۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اللہ ﷺ کی سنت کلام اللہ کی شارح ومبین نہ ہوتی تو اس آیت کے مطابق ہر چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا خواہ اس نے چھوٹی چوری کی ہو یا بڑی کیونکہ اس آیت میں اللہ عز وجل نے ہر سارق وسارقہ کا حکم مطلق وعام رکھا ہے، لیکن تمام اہل علم حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی سنت میں اس امر کی وضاحت فرمادی تھی، جو بلاشبہ تخصیص کے حکم میں ہی داخل ہے، کہ چور کا ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹا جائیگا جب تک کہ وہ ایک مقررہ قیمت سے زیادہ کی چوری کا مرتکب نہ ہوا ہو۔

اگرچہ نصاب سرقہ کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن صحیح روایات کے بموجب نصاب چوتھائی دینار یا چوتھائی دینار کی قیمت کے مساوی ہے۔(۱) چنانچہ حضرت عائشہؓ اور عمرؓ نے فرمایا ہے کہ: ''اگر سارق نے چوتھائی دینار کے مساوی شئے چرائی ہو تو اس پر قطع ید ہے۔''(۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ نصاب سرقہ پانچ درہم ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمرؓ رضی اللہ عنھما نے ڈھال کی چوری پر قطع ید کی سزادی تھی- راوی بیان کرتا ہے کہ ''میں نے پوچھا کہ ڈھال کی قیمت کیا ہوتی تھی؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ پانچ درہم۔''(۳)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ''حضرت ابوبکرؓ نے ایسی ڈھال چرانے پر بھی ہاتھ کاٹنے کی سزادی تھی جس کی قیمت تین درہم نہ تھی یا جسے میں تین درہم میں خریدنا پسند نہ کروں۔''(۴) (یہاں واضح رہے کہ اس دور میں ایک دینار کی قیمت ۱۲ درہموں کے مساوی ہوتی تھی،(۵) پس ربع دینار تین درہم کے مساوی مالیت ہوئی۔)

حضرت ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ''ہاتھ پانچ درہم مالیت کی چیز چوری کرنے پر قطع کیا جائے گا، اس سے کم پر نہیں۔''(۶)

چونکہ عہد رسالت کے بعد درہم کی قیمت گر گئی تھی لہذا ابن مسعودؓ وغیرہ دس درہم یا ایک دینار کے سرقہ پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا کرتے تھے۔(۷) حضرت عمرؓ کے پاس بھی ایک چور لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔ آپؓ

---

(۱) صحیح البخاری مع الفتح ۱۲/ ۹۶، سنن ابی داوٗد مع العون ۳/ ۸۴، جامع الترمذی مع التحفۃ ۲/ ۳۳۰

(۲) مصنف عبدالرزاق ۱/ ۲۲۳، ۲۳۵، تفسیر القرطبی ۶/ ۱۶۰، المغنی لابن قدامہ ۸/ ۲۴۲

(۳) السنن الکبری للبیہقی ۸/ ۲۶۰، المغنی لابن قدامہ ۸/ ۲۴۲

(۴) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۴، السنن الکبری للبیہقی ۸/ ۲۵۹، کنز العمال للمتقی الہندی ۸/ ۵۳

(۵) تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۲/ ۳۳۱

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۴، تفسیر القرطبی ۶/ ۱۶۱، المغنی لابن قدامہ ۸/ ۲۴۲، کنز العمال للمتقی ۸/ ۱۳۹

(۷) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۴، السنن الکبری للبیہقی ۸/ ۲۶۰، کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۲۰۱، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۵۶، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، ص: ۱۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگاؤ۔ انہوں نے اس کی قیمت کا اندازہ آٹھ درہم لگایا تو آپ نے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا۔(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ اولاً حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ''اس کی چوری دس درہم کے برابر نہیں ہے تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کی قیمت لگائی جائے، چنانچہ اس کی قیمت آٹھ درہم لگائی گئی تو آپؓ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔''

نصاب سرقہ کی تعیین وتفصیلات کے لئے حاشیہ (۲) کے تحت بیان کی گئی کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

۴- اس کی چوتھی مثال یہ حکم الٰہی ہے: "وأمهاتكم اللاتى أرضعنكم وأخواتكم من الرضاعة." (۳) یعنی ''(تم پر حرام کی گئی ہیں) تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں''۔۔۔۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے رضاعی ماں اور رضاعی بہن کے رشتوں کو حرام قرار دیا ہے، لیکن رضاعت کی مقدار بیان نہیں کی ہے، لہٰذا اگر ظواہر کتاب اور اس کے عموم کو لیا جائے تو قلیل رضاعت بھی اسی طرح موجب حرمت قرار پائے گی جس طرح کہ کثیر رضاعت، مگر علماء میں سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ " لاتحرم المصة ولا المصتان." (۴) تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے تحریم بالرضاعۃ کی تخصیص ''مصۃ'' یا ''مصتان'' (ایک یا دو گھونٹ) سے زیادہ دودھ پینے کے ساتھ فرمائی ہے۔

۵- اس کی پانچویں مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "حرمت عليكم الميتة." (۵) ظاہر ہے کہ یہ حکم تمام اجزائے میت پر شامل ہے، لیکن اس آیت کی تخصیص رسول اللہ ﷺ کے اس قول مبارک سے ہوتی ہے: "هلا استمتعتم بإهابها؟ لوگوں نے کہا: "إنها ميتة."، تو آپ نے فرمایا: "إنما حرم أكلها." (۶)

☆☆☆

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۸/۲۶۰

(۲) فتح الباری لابن حجر ۱۲/۹۶، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۲/۳۳۰، تفسیر ابن کثیر ۲/۵۵، معالم السنن للخطابی ۳/۳۰۳، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد لابن رشد ۲/۳۷۳، شرح عمدۃ الرعایۃ للکنوی ۴/۱۲۷-۱۲۹، التعلیقات السلفیۃ للفوجیانی علی سنن النسائی ۲/۲۵۳-۲۵۴

(۳) النساء:۲۳

(۴) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، ابواب: ۱۷، ۲۰، ۲۳، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۱۸۲، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/۱۹۸، سنن النسائی، کتاب النکاح، باب: ۵۱، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب: ۳۵

(۵) المائدہ:۳

(۶) فتح الباری لابن حجر ۹/۶۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# قرآن وسنت کا باہمی تعلق، اصلاحی صاحب کی نظر میں

زیر تبصرہ باب "مبادئ تدبر حدیث" میں دوسرے نمبر پر ہے۔ کتاب میں اس کا عنوان "قرآن اور حدیث وسنت کا باہمی تعلق" ہے۔ حسب سابق یہ بھی جناب امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک مستقل مضمون ہے جو رسالہ "تدبر" (۱) لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مضمون میں آنجناب نے "قرآن اور حدیث وسنت کا باہمی تعلق" اور "پیغمبر ﷺ بحیثیت معلم شریعت" کے عنوانات کے تحت جو کچھ لکھا ہے عمومی طور پر اس کے مندرجات پر ہمیں کوئی خاص اعتراض نہیں ہے۔ "حدیث" و "سنت" کے مابین آں محترم نے جو تفریق بیان کی ہے اس پر بحث سابقہ باب کے تحت گزر چکی ہے، لہٰذا ان چیزوں سے صرف نظر کرتے ہوئے بعض دوسرے امور کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

جناب اصلاحی کا یہ قول ہمارے لئے باعث کھٹک ہے کہ:

"یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہر حکم کے فہم کے لئے سنت کی ضرورت ہے لیکن یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی پہلو سے ایک حکم کی توضیح کی ضرورت پڑے گی تو حدیث وسنت بھی ممد ومعاون بنیں گی۔" (۲)

میں کہتا ہوں کہ جناب اصلاحی صاحب ایسے چند احکام ہی بیان کر دیں جن کا سنت نبوی کی مدد کے بغیر پوری طرح سمجھنا ممکن ہو۔ ایمان، غسل وطہارت، وضو وتیمم، نماز وروزہ، تراویح واعتکاف، جمعہ وعیدین، حج وعمرہ، زکوۃ وصدقہ، دیات وحدود، نکاح وطلاق، ولادت وجنائز، فرائض (مواریث) ووصایا، رضاع ونفقات، اکل وشرب، اضاحی وعقیقہ، خراج وامارۃ، بیوع، خصومات، ھبہ، لباس، جہاد، عتاق اور لعان وغیرہ ـــــ غرض کون سا ایسا دینی یا دنیوی معاملہ ہے جس کا انسانی زندگی یا عبادات یا مسلم معاشرہ سے تعلق ہو اور اس کی جزئیات پوری طرح سے قرآن کریم میں مذکور ہوں، یا اس کے "فہم کے لئے سنت" سے بے نیازی کا دعوی کیا جا سکے۔

جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کے اگلے قول کا تعلق ہے کہ "اگر کسی پہلو سے ایک حکم کی توضیح کی ضرورت پڑے گی تو حدیث وسنت بھی ممد ومعاون بنیں گی" ـــــ تو اس بارے میں راقم یہ عرض کرنا چاہے گا کہ "کسی پہلو سے" نہیں بلکہ ہر پہلو سے، "ایک حکم کی توضیح کی ضرورت" نہیں بلکہ ہر حکم کی توضیح اور رہنمائی کے لئے، اور "حدیث وسنت بھی ممد ومعاون بنیں گی" نہیں بلکہ صرف حدیث وسنت ہی کی طرف رجوع کیا جائیگا۔

---

(۱) رسالہ "تدبر" لاہور عدد ۶، ص: ۳۰-۳۹ مجریہ ماہ فروری ۱۹۸۳ء

(۲) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب ''قرآن اور حدیث وسنت کے بارے میں غیر متوازن خیالات کا آغاز کس طرح ہوا'' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''قرآن اور حدیث وسنت کا فطری تعلق یہی ہے، لیکن صدر اول میں روایت حدیث کی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے جب لوگوں نے بلا تحقیق حدیثیں بیان کرنا شروع کردیں تو ضعیف احادیث کے توغل نے بعض محتاط لوگوں کے اندر حدیث بیزاری کا رجحان پیدا کیا اور انہوں نے اس طریقے کی باتیں کہنا شروع کردیں کہ بھئی دیکھو جو کچھ بیان کرنا، خدا کے واسطے، قرآن ہی سے متعلق بیان کرنا۔ اس سلسلے میں روایات بہت ہیں ہم صرف ایک جامع روایت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث وسنت کے بارے میں غیر متوازن خیالات کا آغاز کس طرح ہوا:

"عن الحسن أن عمران بن حصين كان جالسا ومعه أصحابه فقال رجل من القوم: لا تحدثونا إلا بالقرآن۔ قال : فقال له: أدنه فدنا ، فقال : أرأيت لو وكلت أنت وأصحابك إلى القرآن ، أكنت تجد فيه صلاة الظهر أربعا، وصلاة العصر أربعا ، والمغرب ثلاثا ، تقرأ فى اثنتين ، أرأيت لو وكلت أنت وأصحابك إلى القرآن أكنت تجد الطواف بالبيت سبعا والطواف بالصفاء والمروة ، ثم قال: إى قوم ، خذوا عنا ، فإنكم والله إن تفعلوا لتضلن۔"

ترجمہ: حسن سے روایت ہے کہ عمران بن حصین اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا یہاں کوئی شخص ہمارے سامنے جو کچھ بیان کرے بس قرآن سے بیان کرے۔ عمران بن حصین نے فرمایا: ذرا ان کو میرے قریب کرو۔ وہ قریب آئے تو عمران نے ان سے فرمایا: فرض کرو کہ تمہیں تنہا قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پاسکتے ہو کہ ظہر چار رکعت عصر چار رکعت، اور مغرب تین رکعت ہے اور اس کی دو رکعتوں میں تمہیں قرأت کرنی ہے؟ اسی طرح کیا تم قرآن میں پاسکتے ہو کہ بیت اللہ کا سات بار طواف کرنا ہے اور صفاومروہ کا بھی طواف ہے۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا: اے لوگو! ہم سے سیکھو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو گمراہ ہوجاؤ گے۔

بعض دوسری روایات میں یہی مضمون اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے مطابق عمران نے بعض تعزیرات کو لے کر کے ان کے متعلق وضاحت کی کہ تم ان کے تفصیلی احکام کیسے جان سکتے ہو۔''(۱)

ان سطور میں جناب اصلاحی صاحب کا یہ فرمانا تو درست ہے کہ صدر اول یعنی دور صحابہ ہی میں لوگوں نے بلا تحقیق حدیثیں بیان کرنا شروع کردی تھیں، چنانچہ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ:

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۵، ۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"جاء بشير العدوى إلى ابن عباس فجعل يحدث ويقول قال رسول اللهﷺ فجعل ابن عباس لا يأذن لحديثه ولاينظر إليه فقال يا ابن عباس مالى لا أراك تسمع لحديثي أحدثك عن رسول اللهﷺ ولا تسمع فقال ابن عباس إنا كنا إذا سمعنا رجلا يقول قال رسول اللهﷺ ابتدرته أبصارنا وأصغينا إليه بآذاننا فلما ركب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس إلا ما نعرف۔"(۱)

یعنی ''بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیثیں بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا اور یہ فرمایا لیکن حضرت ابن عباس نے ان کی بات پر نہ کان دھرا اور نہ ہی نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ چنانچہ بشیر عدوی نے کہا: اے ابن عباس! کیا معاملہ ہے؟ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں لیکن آپ کو اپنی حدیث سنتے ہوئے نہیں دیکھتا، آپ توجہ بھی نہیں دیتے۔ تو ابن عباسؓ نے کہا: ہمارا یہ حال تھا کہ جب ہم کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنتے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور کان اس کی طرف لگ جاتے تھے لیکن جب لوگوں نے رطب ویابس بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم صرف وہی روایت قبول کرتے ہیں جس کو ہم جانتے ہوں۔''

اس روایت سے دور صحابہ میں حدیث کے نام پر غیر صحابی لوگوں کا رطب ویابس بیان کرنا اور صحابہؓ کرام کا اس بارے میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرنا تو ثابت ہے، لیکن حدیث نبوی سے ''بیزاری کا رجحان'' ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ ان واقعات سے ''حدیث بیزاری'' کے رجحان کا نتیجہ صرف وہی شخص اخذ کرسکتا ہے جو خود دماغی طور پر اس قدر مریض ہو کہ اگر ڈاکٹر اس مریض کو یہ مشورہ دے کہ ''تم صرف وہی غذائیں کھانا جو تمہیں بہ آسانی ہضم ہوسکتی ہوں، ثقیل اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کرنا'' ___ تو وہ ڈاکٹر کے اس مشورہ سے مطلق فاقہ کشی کا نتیجہ اخذ کرلے۔

جہاں تک حضرت عمران بن حصینؓ سے متعلق منقولہ روایت میں ایک قوم کے کسی فرد کے اس قول کا تعلق ہے کہ "لا تحدثونا إلا بالقرآن" تو اس سے بھی جناب اصلاحی صاحب کے موقف کو تقویت نہیں پہنچتی کیونکہ بنیادی طور پر اس روایت میں حضرت عمران بن حصینؓ نے اس شخص کے قول پر سخت نکیر فرمائی ہے اور بدلائل یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کی مدد کے بغیر احکام قرآن کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ اس واقعہ سے حدیث نبوی سے بیزاری کے رجحان کا اظہار نہیں بلکہ اس فکر کا شدید ابطال ہوتا ہے۔ پھر جناب حسنؓ سے ہی مروی ایک دوسری روایت کے مطابق اس شخص نے "لاتحدثونا إلابالقرآن" نہیں بلکہ "ما هذه

---

(۱) مقدمہ صحیح مسلم بشرح النووی ۱/۸۱، مقدمہ فتح الملہم ۱/ ۱۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الأحاديث التی تحدثونا وترکتم القرآن؟" (۱)(یعنی "یہ احادیث کیا بلا ہیں جو تم قرآن چھوڑ کر ہمیں سناتے ہو؟") کہا تھا۔ اور امام ابوداؤد السجستانیؒ کی روایت کے مطابق اس شخص کے الفاظ یہ تھے: "یا أبانجید إنکم لتحدثونا بأحادیث ما نجد لھا أصلا فی القرآن۔" (۲)(یعنی اے ابو نجید (عمران بن حصین کی کنیت)! آپ تو ہم سے ایسی حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جن کی ہمیں قرآن میں کوئی اصل نہیں دکھائی دیتی)۔

اگر کچھ وقت کے لئے یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ شخص احادیث نبوی سے بیزار یا احادیث کا منکر تھا تو بھی اس واقعہ سے جناب اصلاحی صاحب کے موقف کو تقویت نہیں پہنچتی کیونکہ وہ سائل کسی قوم کا ایک بے عقل گنوار تھا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبرؒ کی ابو نضرہ عن عمران بن حصین کی اس روایت سے واضح ہوتا ہے:

"آں رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے کسی بارے میں سوال پوچھا، آپؓ نے اسے بتادیا تو اس شخص نے کہا: "حدثوا عن کتاب اللہ ولا تحدثوا عن غیرہ۔" یعنی "کتاب اللہ کے مطابق جواب دو، اس کے سوا کسی چیز سے جواب نہ دو۔" یہ سن کر حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا: "إنك امرؤ أحمق الخ۔" (۳)

خود جناب اصلاحی صاحب کی نقل کردہ روایت میں "فقال رجل من القوم" کے الفاظ موجود ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص کوئی ذی علم یا آں رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے نہ تھا بلکہ کسی قوم کا ایک عامی سائل تھا پس ایسے بے علم، احمق اور گنوار شخص کے قول سے کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ جناب اصلاحی صاحب اوپر فرما چکے ہیں کہ "ضعیف احادیث کے توغل نے بعض محتاط لوگوں کے اندر حدیث بیزاری کا رجحان پیدا کیا الخ" (۴) یعنی "حدیث بیزاری کا رجحان" بقول اصلاحی صاحب "بعض محتاط لوگوں میں" پیدا ہوا تھا، اور بلاشبہ اس مجہول سائل یا معترض کا شمار "محتاط" اصحاب علم میں نہیں ہوسکتا یہاں اس سائل کے متعلق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید جناب اصلاحی صاحب کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی ہے کہ وہ شخص حضرت عمران بن حصینؓ کے اصحاب میں سے رہا ہوگا، حالانکہ یہ ایک خلاف واقعہ بات ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ کے اصحاب و تلامذہ میں زرارہ بن اوفی، حسن، محمد بن سیرین، زھدم الجرمی، عامر الشعبی، ابن بریدہ، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اور ابو رجاء العطاردی وغیرہم جیسے کبار تابعین کا شمار ہوتا ہے (۵) ــــــ اور بظاہر ان محدثین تابعین میں سے کسی سے بھی زیر بحث احمقانہ قول منقول نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ وہ شخص مستقل اصحاب عمران میں سے نہیں بلکہ کوئی راہ نورد سائل تھا، واللہ اعلم۔ جناب اصلاحی صاحب کی اس غلط فہمی کا باعث خود آں محترم کا بیان کردہ

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص: ۱۵ (۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳/۴ (۳) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ۲/۱۹۱
(۴) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۶ (۵) تذکرۃ الحفاظ للذھبی ۱/۲۹-۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس روایت کا اردو ترجمہ ہے، چند ابتدائی سطور ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں: ''حسن سے روایت ہے کہ عمران بن حصین اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا الخ۔'' گویا وہ حاضرین مجلس (اصحاب عمران) میں سے تھا۔

اگر اس سائل کو جاہل، احمق اور گنوار نہیں بلکہ ایک صاحب علم اور محتاط رویہ کا مالک فرض کر لیا جائے تو بھی اس غیر صحابی کی بات حضرت عمران بن حصین بن عبید بن خلف الخزاعی ابو نجید رضی اللہ عنہ (۵۲ھ) جیسے محتاط، ذی علم اور جلیل القدر صحابیٔ رسول اللہ ﷺ کے قول کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتی ہے؟ کہ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی تعلیم و رہنمائی کے لئے بصرہ قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا، اور جن کے متعلق امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:

"لم يكن تقدم على عمران أحد من الصحابة ممن نزل البصرة۔" یعنی ''بصرہ تشریف لانے والے صحابہ میں، کسی کا مقام عمران بن حصین سے بڑھ کر نہیں ہے۔''

اسی طرح حسنؒ، حلفیہ فرماتے ہیں:

"أنه ما قدم البصرة والسرو خير لهم من عمران۔"

اور ابو عمرؒ کا قول ہے:

"كان من فضلاء الصحابة وفقهائهم۔"(۱) یعنی ''آپ فضلاء اور فقہائے صحابہ میں سے تھے۔''

پھر جناب اصلاحی صاحب کے موقف کی تردید کے لئے ہماری سب سے بڑی دلیل خود اس سائل کا یہ قول ہے: "أحييتني أحياك الله۔" (۲) یعنی ''آپ نے یہ بصیرت افروز بات کہہ کر مجھے حیات نو اور روشنی عطا کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو حیات دراز عطا فرمائے''۔۔۔۔ واضح رہے کہ یہ بات اس شخص نے حضرت عمران بن حصینؓ کے سمجھانے کے بعد اپنے موقف کی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے خود کہی تھی۔ یہاں اس شخص کا خود اپنی غلطی تسلیم کر لینا گویا اپنے قول سے رجوع کر لینا ہے، پس اس کے قول سے استدلال باطل ہوا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ''صدر اول'' یا دور صحابہؓ میں حدیث نبوی سے ''بیزاری کا رجحان'' قطعاً پیدا نہیں ہوا تھا، اور نہ ہی ''بعض محتاط لوگوں'' نے اس طریقے کی باتیں کہنا شروع کر دی تھیں کہ ''بھئی دیکھو جو کچھ بیان کرنا خدا کے واسطے قرآن ہی سے متعلق بیان کرنا۔'' یہ دعوی قطعی باطل اور انتہائی گمراہ کن ہے۔ آگے چل کر جناب

(۱) الإصابہ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر ۳/ ۲۷، الاستیعاب علی ھوامش الاصابۃ ۳/ ۲۲-۲۳، تقریب التھذیب لابن حجر ۲/ ۸۲، تھذیب التھذیب لابن حجر ۸/ ۱۲۵، معرفۃ الثقات للعجلی ۲/ ۱۸۹، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/ ۲۹-۳۰، مجمع الزوائد للہیثمی ۹/ ۳۸۱، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۴/ ۲۵۴

(۲) لسان المیزان لابن حجر ۱/ ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اصلاحیؔ صاحب نے یہ دعوی بھی فرمایا ہے کہ ''اس سلسلے میں روایات بہت ہیں الخ۔'' ہم آں محترم سے درخواست کریں گے کہ اس سلسلہ میں آں محترم کے پاس جو بہت سی روایات موجود ہیں، ان میں سے چند ہی ایسی روایات پیش کرنے کی زحمت فرمائیں جو صریحاً ان کے مذکورہ موقف کی مؤید ہوں۔

آگے چل کر جناب اصلاحیؔ صاحب فرماتے ہیں:

''حدیث بیزاری کا ردعمل، دوسری طرف، ایک گروہ پر، قرآن بیزاری کی شکل میں ہوا اور اس کے اندر، حدیث کے غلو نے یہ شکل اختیار کر لی کہ بعض لوگوں نے اعلانیہ اس کو قرآن پر ترجیح دینی شروع کر دی۔ چنانچہ مکحول کا ایک قول منقول ہے کہ: "القرآن أحوج إلى السنة من السنة إلى القرآن۔" یعنی ''سنت جتنی قرآن کی محتاج ہے اس سے زیادہ قرآن سنت کا محتاج ہے۔'' اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک سنت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا کہ قرآن سنت کا محتاج ہے۔ یہ صاف صاف ترجیح دینے کی بات ہے اور ظاہر ہے کہ مبالغہ آمیز ہے۔

یہ لَے بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ گئی کہ ایک بزرگ، یحیی بن کثیر کا قول نقل ہوا ہے کہ: "السنة قاضية على الكتاب، ليس الكتاب قاضيا على السنة۔" یعنی ''سنت حاکم ہے کتاب اللہ پر، کتاب اللہ سنت پر حاکم نہیں ہے۔'' گویا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ــ العیاذ باللہ ــ رسول اللہ، اللہ تعالی پر حاکم ہیں، اللہ تعالی رسول کے اوپر حاکم نہیں، یہ بھی بات کہنے ہی کی غلطی ہے، غلو سے غلو پیدا ہوتا ہے اور غلطی سے غلطی۔

یعنی ایک چیز کی مارکیٹ میں مانگ بڑھی تو رطب و یابس، ہر چیز آنے لگی۔ لوگوں نے اس کے خلاف بیزاری کا جو اظہار کیا تو اس کے جواب میں ردعمل کے طور پر اس کی حمایت کا غلو پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں یعنی قرآن اور حدیث و سنت ایک دوسرے کی حریف، ایک دوسرے کے مقابل میں لا کر رکھ دی گئیں۔''(۱)

ان منقولہ سطور سے قبل بدلائل واضح کیا جا چکا ہے کہ ''صدر اول'' میں ''حدیث بیزاری'' کے رجحان کا لوگوں میں سرے سے کوئی وجود نہ تھا پس ''قرآن بیزاری کی شکل'' میں رونما ہونے والا مزعومہ ''حدیث بیزاری کا ردعمل'' بھی منطقی اعتبار سے جناب اصلاحیؔ صاحب کے ذہن کی پیداوار ثابت ہوا۔ ہمارے علم کے مطابق کسی دور میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حدیث نبوی کے بعض شیدائیوں نے خفیہ یا اعلانیہ طور پر ''سنت کو قرآن پر ترجیح دینی شروع کر دی'' ہو کیونکہ قرآن و سنت، دونوں میں بلا ترجیح بیک وقت دونوں چیزوں کی پابندی کا تاکیدی حکم مذکور ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے۔ حدیث کا وہ شیدائی ہی کیا جو خود احادیث میں مذکور اس تاکیدی حکم سے روگردانی کرے؟ ــ جناب اصلاحیؔ صاحب نے اپنے اس مفروضہ کی تائید میں امام مکحول دمشقیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "القرآن أحوج إلى السنة من السنة إلى القرآن۔" یعنی ''قرآن سنت کا

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۷، ۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



زیادہ حاجت مند ہے بہ نسبت اس کے کہ جتنی سنت کو قرآن کی حاجت ہے۔'' اور فرماتے ہیں کہ: ''یہ صاف صاف ترجیح دینے کی بات ہے اور ظاہر ہے کہ مبالغہ آمیز ہے۔'' لیکن حق یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب امام رحمہ اللہ کے اس قول کی روح تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اس قول کو ''سنت کو قرآن پر ترجیح دینے'' پر محمول کرنا یا ''مبالغہ آمیز'' کہنا دراصل اصلاحی صاحب کا قصور فہم ہے، ورنہ امام ممدوح رحمہ اللہ کے اس قول کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ سنت محتملات قرآن کا فیصلہ، مجملات قرآن کی تفسیر وتبیین، عموم قرآن کی تخصیص اور اس کے مطلقات کی تقیید کرتی ہے، لہذا سنت کی رہنمائی کے بغیر کتاب اللہ کے اصل مقصد ومنشا کو سمجھنا محال ہے۔ اگر یہ بات درست ہے اور یقیناً درست ہے تو کیا از خود یہ واضح نہ ہوا کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے جس قدر سنت کی ضرورت ہے اس قدر سنت کو سمجھنے کے لئے قرآن کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ سنت قرآن کی طرح مجمل نہیں، بلکہ مفسر ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی امام مکحولؒ کے اس قول کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ: "يريد أنها تقضي عليه وتبين المراد منه۔" (۱)

امام ممدوحؒ کے اس قول کو ۱۳۵ھ کے بعد سے آج تک نہ کسی نے ''مبالغہ آمیز'' اور ''ترجیح کا معاملہ'' قرار دیا اور نہ ہی اسے ''قرآن بیزاری''، ''حدیث بیزاری کا ردعمل'' اور ''غلو'' پر محمول کیا ہے، ورنہ امت کے صلحاء سے یقیناً اس پر بکثرت نکارت منقول ہوتی۔ یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ امام مکحولؒ سے زیر بحث قول کے ناقل مشہور محدث امام اوزاعیؒ ہیں جن کی امامت، جلالت، علو مرتبت، کمال فضیلت، وسعت علم، تفقہ وفصاحت اور حق گوئی وبیباکی کا لوہا ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ اگر امام مکحولؒ کے قول میں ذرہ برابر بھی قرآن بیزاری کے رجحان یا غلو یا مبالغہ کی آمیزش ہوتی تو کم از کم امام اوزاعیؒ اس کو خود نقل نہ فرماتے بلکہ اس پر شدید گرفت فرماتے۔ مگر ایسے کسی قول کا موجود نہ ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امت نے امام ممدوحؒ کے قول کو بلا نکارت قبول کر کے اس کا وہی معنی ومطلب سمجھا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی وہ بات نہ آئی ہوگی جو جناب اصلاحی کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہے۔

امام رحمہ اللہ کے اس قول کی اہمیت وصداقت کو سمجھنے کے لئے صاحب قول اور اس کے ناقل کی شخصیات نیز امت کی نگاہ میں ان کے مقام ومرتبہ کے متعلق جاننا بہت ضروری ہے، لہذا ذیل میں ہم ہر دو اماموں کا مختصر ترجمہ وتعارف پیش کرتے ہیں:

## امام مکحولؒ الدمشقی (م ۱۳۵ھ)

کی کنیت ابو عبد اللہ اور والد کی کنیت ابو مسلم الھذلی تھی۔ امام ذہبی نے انہیں ''عالم أهل الشام'' اور

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


’’الفقیہ الحافظ‘‘ کے القاب سے ذکر کیا ہے۔ آپ نے ابوامامہ الباھلی، واثلہ بن الأسقع، انس بن مالک، محمود بن ربیع، عبدالرحمٰن بن غنم، ابو ادریس خولانی، ابو سلام ممطور اور ایک خلق کثیر مثلاً عقبہ بن ابی سفیان اور عبیداللہ ابن محیریز وغیرہ سے روایت کی ہے۔ آپ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ایوب بن موسیٰ، علاء بن حارث، زید بن واقد، ثور بن یزید، حجاج بن ارطاۃ، اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور بہت سے دوسرے محدثین مثلاً عکرمہ بن عمار، محمد بن اسحاق اور یزید الحمصی وغیرہ ہیں۔

ابن اسحاقؒ بیان کرتے ہیں کہ ’’میں نے مکحولؒ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے علم کی تلاش میں اس روئے زمین کا چکر لگایا ہے۔‘‘ امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ: ’’علمائے حدیث چار ہیں‘‘ (اور ان میں ایک مکحول کو بھی ذکر کیا ہے۔) امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: ’’شام میں مکحول سے زیادہ کوئی فقیہ میرے علم میں نہیں ہے "ما أعلم بالشام أفقه من مكحول۔" سعید بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: "كان مكحول أفقه من الزهری۔" (یعنی مکحول امام زہری سے زیادہ فقیہ تھے) خود امام مکحولؒ کا قول ہے: "ما استودعت صدری شيئا إلا وجدته حين أريد۔" امام عجلیؒ کا قول ہے کہ ’’آپ ثقہ تابعی تھے۔‘‘ امام ذہبیؒ بیان کرتے ہیں "صدوق، إمام، موثوق لكن ضعفه ابن سعد" آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: وہ اہل دمشق کے مفتی اور ان کے عالم تھے۔ متعدد ائمہ نے ان کو ثقہ بتایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے انہیں ’’الفقیہ المشہور تابعی‘‘ اور ’’ثقۃ فقیہ، کثیر الإرسال، مشہور‘‘ بتایا ہے، امام ابن حبان نے ان میں تدلیس کا وصف بیان کیا ہے، ابی بن کعب، عبادہ بن صامت اور عائشہ صدیقہ اور دیگر کبار صحابہ مثلاً ابی ثعلبہ الخشنی، ابوھریرۃ، ثوبان اور ام ایمن سے روایت میں ارسال کرتے تھے۔ ابن خراش نے انہیں ’’صدوق‘‘ قرار دیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

## امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ)

امام ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد الدمشقیؒ جو امام اوزاعیؒ کے نام سے معروف ہیں مشہور تبع تابعی تھے۔ آپ نے عطاء بن ابی رباح، قاسم بن مخیمرہ، شداد ابی عمار، ربیعہ بن یزید، زہری، محمد بن ابراہیم تیمی، محمد بن

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۱۰۷-۱۰۸، معرفۃ الثقات للعجلی ۲/۲۹۶، میزان الاعتدال للذہبی ۴/۱۷۷، معرفۃ الرواۃ للذہبی، ص:۱۷۹، سیر أعلام النبلاء للذہبی ۵/۱۵۹، طبقات الحفاظ للسیوطی، ص:۴۲، تعریف اہل التقدیس لابن حجر، ص:۱۱۳، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۲۷۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۰/۲۸۹، سنن الدارقطنی ۱/۲۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۲/۵۷، السنن الکبری للبیہقی ۱/۳۲۶، ۲/۱۶۵، ۴/۱۹، ۷/۳۶۱، ۸/۱۸۵، ۱۰/۲۷۱، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳/۱۳۸، فتح الباری لابن حجر ۲/۳۹۵، ۶/۵۶، ۶۱، المحلی لابن حزم ۷/۳۷، مجمع الزوائد للہیثمی ۵/۶۱، ۲۴۲، نصب الرایہ للزیلعی ۲/۲۷، ۳/۱۵۱، ۳۴۳، ۴۳۱، ۴۹۲ اور تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۱/۲۷۴، ۷/۲۰۷، ۱۰/۶۱، ۶۲ وغیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سیرین، یحیی بن ابی کثیر، اور ایک خلق کثیر سے حدیث کا سماع کیا ہے: آپ کے تلامذہ میں شعبہ، ابن مبارک، ولید بن مسلم، ہقل بن زیاد، یحیی بن حمزہ، یحیی القطان، ابو عاصم، ابوالمغیرہ، محمد بن یوسف الفریابی اور ایک کثیر خلق کا شمار ہوتا ہے۔

آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ امام ابن کثیرؒ کے بیان کردہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ''جب امام اوزاعیؒ حج کے لئے تشریف لے گئے تو امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہ ائمہ آپ کے استقبال کے لئے نکلے۔(۱) امام سفیان ثوریؒ نے آپ کی سواری کی باگ ڈور پکڑ رکھی تھی اور امام مالکؒ سواری کو پیچھے سے ہانکتے جاتے تھے۔ خانۂ کعبہ کے قریب لاکر آپ کو ان حضرات نے سواری سے اتارا، پھر خانہ کعبہ کے پاس بٹھا کر اطمینان سے ان حضرات نے ان سے علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا۔''(۲)

آپ اس قدر وسیع علم کے جامع و حافظ تھے کہ امام زہری اور قتادہ وغیرہ جو امام اوزاعیؒ کے اساتذہ تھے، خود ان کے خوشہ چیں بن گئے تھے، حالانکہ امام اوزاعی تبع تابعی ہیں اور یہ حضرات کبار تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔''(۳)

محدثین امام اوزاعیؒ کے کثرت حافظہ کو دیکھ کر کہا کرتے تھے: "أي شيء كان لا يحفظ الأوزاعي۔"(۴) یعنی ''کون سی چیز ایسی ہے جو اوزاعی کو یاد نہیں۔'' ہقلؒ فرماتے ہیں کہ ''امام اوزاعی نے پیش آمدہ ستر ہزار حوادث و مسائل کے متعلق فتاوی لکھے تھے۔''(۵) اسماعیل بن عیاش کا قول ہے کہ "الأوزاعي اليوم عالم الأمة۔" یعنی ''اوزاعی آج امت کے عالم ہیں۔'' اسی طرح خریبی کا قول ہے کہ "كان الأوزاعي أفضل أهل زمانه۔" یعنی ''اوزاعیؒ اپنے ہمعصروں میں سب سے برتر تھے۔'' امام مالکؒ اور امام ذہبیؒ کا قول ہے: "وكان يصلح للخلافة۔" (۶) یعنی آپ مسلمانوں کی امارت و خلافت کے منصب پر سرفراز کئے جانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔'' ابواسحاق فرازی کا قول ہے: "لو خيرت لهذه الأمة لاخترت لها الأوزاعي۔"(۷) امام حاکمؒ فرماتے ہیں: "الأوزاعي إمام عصره عموما وإمام أهل الشام خصوصا۔"(۸) امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ''علم حدیث کے چار امام ہیں جن میں اول امام اوزاعی،

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ا/۱۷۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۲/۲/ص:۲۶۶

(۲) مرآۃ الجنان للیافعی ا/۳۴۴، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۰/۱۱۶، تہذیب الأسماء ا/۲۹۹، تقدمۃ الجرح والتعدیل، ص:۲۰۸

(۳) مقدمہ صحیح مسلم، ص:۱۱، تہذیب الأسماء ا/۲۹۹ (۴) تقدمۃ الجرح والتعدیل، ص:۲۰۴

(۵) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ا/۱۷۹، مقدمۃ صحیح مسلم، ص:۱۱

(۶) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ا/۱۷۹، تقدمۃ الجرح والتعدیل، ص:۲۰۳، تہذیب الأسماء ا/۲۹۹

(۷) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ا/۱۷۹ (۸) نفس مصدر ا/۱۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دوم امام مالک، سوم سفیان ثوری اور چہارم حماد بن سلمہ ہیں۔"(۱) امام ذہبیؒ نے آپ کو "شیخ الاسلام"، "حافظ" اور "امام ثقۃ" لکھا ہے۔(۲) امام عجلی فرماتے ہیں: "ثقة من خيار الناس" امام ابن حجرؒ کا قول ہے: "ثقة جليل." اور امام نوویؒ فرماتے ہیں: "قد انعقد الإجماع على إمامته وجلالته وعلو مرتبته وكمال فضيلته وكثرة حديثه وفقهه وفصاحته."(۳) یعنی "امام اوزاعیؒ کی امامت، جلالت، علو مرتبت، کمال فضیلت، کثرت حدیث، تفقہ اور فصاحت پر سب علماء کا اتفاق و اجماع ہے" مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ (۴) کے تحت درج کردہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

افسوس کہ جناب اصلاحی صاحب نے اس بلند پایہ امام ہمام کا تذکرہ اس انداز پر کیا ہے کہ گویا وہ کوئی غالی، قرآن سے بیزار اور قابل نفرت شخصیت ہوں، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے امام یحیی بن ابی کثیرؒ کا یہ قول کہ "السنة قاضية على الكتاب، ليس الكتاب قاضيا على السنة." یعنی "سنت (احکام) قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے، قرآن سنت کا فیصلہ کرنے والا نہیں ہے" ـــــ بھی بعض لوگوں میں "حدیث بیزاری کے ردعمل"، "قرآن بیزاری" قرآن پر سنت کی ترجیح کے رجحان، غلو اور مبالغہ آمیزی کے وجود پر استدلال کے لئے نقل کیا ہے، اور انتہائی خفگی کے ساتھ اس قول کی مراد یوں بیان فرماتے ہیں:

" گویا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ـــ العیاذ باللہ ـــ رسول اللہ، اللہ تعالی پر حاکم ہیں، اللہ تعالی رسول کے اوپر حاکم نہیں الخ۔"

جناب اصلاحی صاحب نے یہاں امام مکحولؒ کے قول کی طرح امام یحیی بن ابی کثیرؒ کے مذکورہ قول کا مطلب و مقصد سمجھنے میں بھی خطا کی ہے، اور الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ اس کا جو من مانا مطلب و منشا بیان کیا ہے وہ اس قدر کریہہ المعنی ہے کہ اسے پڑھنے والے کی روح تک کانپ اٹھتی ہے اور وہ نادانستہ طور پر امام ممدوح کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے ـــــ لیکن مشہور فارسی مقولہ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق امام ممدوحؒ کے اس قول کا صحیح مطلب و مقصد بھی علم قرآن و حدیث دونوں پر گہری بصیرت رکھنے والے اصحاب دانش و بینش ہی جانتے ہیں، جناب اصلاحی صاحب اور ان کے ہم فکر اصحاب کا یہ مقام ہی نہیں کہ وہ ان جیسے گراں بہا اقوال کا مطلب بخوبی سمجھ سکیں یا ان کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔

---

(۱) تہذیب الأسماء ۱/۳۰۰، الجرح والتعدیل ۱/۱ ص: ۲۲ (۲) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۱۷۸، میزان الاعتدال ۲/۵۸۰

(۳) مقدمۃ صحیح مسلم، ص: ۱۱

(۴) معرفۃ الثقات للعجلی ۲/۸۳، تہذیب الأسماء والصفات ۱/ص: ۲۹۸، الفہرست لابن ندیم ۱/۲۲۷، حلیۃ الأولیاء لابی نعیم ۶/۱۳۵، تہذیب التہذیب لابن حجر ۶/۲۳۸، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۴۹۳، فتح الباری لابن حجر ۲/۲۶۳، ۵۱۹، تحفۃ الأحوذی ۱/۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام یحییٰ بن ابی کثیرؒ کے اس قول کا بھی سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کی بعض آیات دو یا دو سے زیادہ امور و مطلب پر محتمل ہوتی ہیں لیکن سنت ایسی آیات کے تمام محتملات میں سے کسی ایک محتمل کی تعیین کر کے اس آیت کا اصل مطلب و مقصد متعین کرتی ہے۔ یہی اس آیت کے بارے میں سنت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس قول سے امام ممدوح کا مقصد و منشا دراصل لوگوں کو اس بات کی تنبیہ کرنا تھا کہ قرآن کریم کے معانی و مطالب أعلم الخلق رسول اللہ ﷺ سے بہتر کون جان سکتا تھا، پھر آں ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ بھی مبنی بر وحی ہوتا تھا، لہٰذا قرآن کی کسی آیت کے متعلق خود کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟ کہ آپؐ کے ہر فیصلہ اور ہر حکم پر عمل کرنا اصلاً قرآن کے ہی فیصلہ و حکم پر عمل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن ابی کثیرؒ کے قول کی جو ترجمانی جناب اصلاحی صاحب نے فرمائی ہے وہ قطعاً ناقابل قبول ہے۔ اس قول پر تفصیلی بحث زیر مطالعہ باب کے اوائل میں ''کتاب اللہ پر سنت کے قاضی ہونے کا مطلب'' کے زیر عنوان گزر چکی ہے، ہم قارئین کرام کو دوبارہ اس بحث کو ملاحظہ فرمانے کا مشورہ دیں گے۔

راقم کا ذاتی خیال ہے کہ جناب اصلاحی صاحب کو ان کبار ائمہ حدیث کے بارے میں ''غلو'' وغیرہ کا جو شبہ پیدا ہوا ہے وہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور اس کے ہم مشرب و ہمنوا لوگوں کی اس فکر سے ماخوذ ہے:

''ہمارے بعض علماء تو عشق حدیث میں یہاں تک کھو چکے ہیں کہ اللہ کے کلام کو نہ صرف احادیث کا محتاج ٹھہراتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہوئے بھی سنے جاتے ہیں کہ اگر اللہ کا کوئی قول رسول کے قول سے متصادم ہو جائے تو قول خدا کو منسوخ سمجھو۔ یعنی اللہ کے جاری کردہ احکام کو اللہ کی مرضی کے بغیر ایک حدیث بھی منسوخ کر سکتی ہے۔ احادیث کی سینہ زوری اور قرآن کی بیچارگی کا تماشہ کیجئے۔''(۱)

جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعویٰ بھی قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ ''یہ دونوں چیزیں یعنی قرآن اور حدیث و سنت ایک دوسرے کی حریف اور ایک دوسرے کے مقابل میں لا کر رکھ دی گئیں'' — کیونکہ جب دور صحابہ میں حدیث کے کلام پر رطب و یابس بیان کرنے کی ابتدا ہوئی تو تمام اصحاب علم نے قبول روایات میں حد درجہ حزم و احتیاط کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ ان کی اس احتیاط کو حدیث کے خلاف بیزاری کے اظہار پر ہرگز محمول نہیں کیا جا سکتا کہ جس کے ''جواب میں رد عمل کے طور پر اس کی حمایت کا غلو پیدا ہوا'' اگر جناب اصلاحی صاحب کی بات کو بفرض محال تسلیم کر لیا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ دور صحابہ ہی میں نہ صرف قرآن و حدیث کے متعلق غیر متوازن خیالات کا آغاز ہو چکا تھا بلکہ نبی ﷺ کی وفات کو تقریباً سوا سو سال بھی نہ گزرے تھے کہ قرآن و حدیث ایک دوسرے کی حریف اور ایک دوسرے کے مقابل لا کر رکھ دی گئی تھیں۔

---

(۱) دو اسلام از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص: ۱۲۷، طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی ۱۹۸۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جب اس دور سعید کی اس قدر مختصر مدت میں شریعت کے بنیادی مآخذ ومصادر کا یہ حشر ہوا تو آج چودہ سو سال بعد تو شریعت کو سرے سے محفوظ اور باقی ہی نہیں رہنا چاہیئے تھا، مگر ایسا نہ ہوا۔ الحمد للہ آج بھی شریعت جوں کی توں محفوظ ہے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت اسی طرح محفوظ وباقی رہے گی کہ اس کے تحفظ کا وعدہ خود اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔

اب ہم جناب اصلاحی صاحب کی بعض دوسری عبارتوں پر تبصرہ پیش کریں گے۔

## مسئلہ نسخ قرآن کے متعلق فراہی مکتب فکر کے نظریات کا جائزہ

نسخ قرآن کے مسئلہ کی سابقۃ الذکر وضاحت کی روشنی میں ہم جناب اصلاحی صاحب اور ان کے پیر ومرشد جناب حمید الدین فراہی صاحب وغیرہما کے افکار ونظریات کا جائزہ لیں گے تا کہ پورے مکتب فراہی کا موقف قارئین کے سامنے آسکے۔

جناب حمید الدین فراہی صاحب ''أحکام الأصول'' میں فرماتے ہیں:

''امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور محدثین بالعموم حدیث کو قرآن کے لئے ناسخ نہیں مانتے اگرچہ حدیث متواتر ہو۔ جب یہ ائمہ جو حدیث کے معاملہ میں صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں، اس بات کے قائل نہیں ہوئے تو ہم اس کے خلاف فقہاء ومتکلمین کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ یہ ماننا کہ رسول، اللہ کے کلام کو منسوخ کرسکتا ہے، ایک فتنہ ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ اس طرح کے مواقع میں تمام تر دخل راویوں کے وہم اور ان کی غلطی کو ہے۔''(۱)

جناب اصلاحی صاحب کے تلمیذ خاص جناب خالد مسعود صاحب اپنے ایک مضمون: ''حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج'' کے تحت روایت کو رد یا قبول کرنے میں جناب فراہی صاحب کے پیش نظر رہنے والے اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''۷- خبر اگرچہ متواتر ہو، قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتی۔ ظن کی بنیاد پر نسخ کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ کرنے کا اصل کام قرآن کے ساتھ سنت کی تطبیق ہے۔''(۲) اسی طرح آں موصوف کے ایک شاگرد جناب جاوید احمد غامدی صاحب فرماتے ہیں:

''......رہے دوسرے قسم کے معاملات، یعنی وہ جن میں قرآن مجید نے کوئی حکم یا قاعدہ بیان فرمایا ہے، تو ان کے بارے میں یہ بات بالکل قطعی ہے کہ سنت نہ قرآن مجید کے کسی حکم اور کسی قاعدے کو منسوخ کرسکتی ہے اور نہ اس میں کسی نوعیت کا کوئی تغیر وتبدل کرسکتی ہے۔ سنت کو یہ اختیار قرآن مجید نے نہیں دیا ہے۔'' الخ (میزان ۱/۸۰-۸۱)

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد ۳۷، ص: ۳۵ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۲) نفس مصدر، ص: ۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اورخود جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"**حدیث وسنت قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتیں**: اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ امت مسلمہ میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے غالی فتنہ پردازوں کے مقابل میں امت کی ہمیشہ صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ اس مرحلے میں بھی جب یہ فتنہ اٹھا توسب سے زیادہ خوبی کے ساتھ جس شخص نے اپنا فرض ادا کیا ہے وہ حدیث کے سب سے بڑے راز داں اورسب سے بڑے خادم، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس قسم کے مبالغہ آمیز اقوال جب ان کے سامنے آئے تو انہوں نے صحیح نقطہ نظر واضح فرمایا، جس کی روایت فضل بن زیاد کے حوالے سے یوں ہوئی ہے: "قال سمعت أحمد بن حنبل وسئل عن الحديث الذی روی، أن السنة قاضية علی الكتاب قال: ما أجسر علی هذا أن أقوله ولكن السنة تفسر الكتاب وتعرف الكتاب وتبينه۔" (كتاب الكفاية فی علم الرواية باب تخصيص السنن لعموم محكم القرآن وذكر الحاجة فی المجمل إلی التفسير والبيان) ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا اور ان سے سوال کیا گیا تھا اس قول (حدیث) کے بارے میں جس کی روایت ہوئی کہ السنة قاضية علی الكتاب (سنت کتاب اللہ پر حاکم ہے) تو انہوں نے فرمایا کہ بھئی یہ کہنے کی میں جسارت نہیں کرسکتا۔ سنت تو قرآن کی تفسیر کرتی، اس کی تعریف کرتی اوراس کی مجمل باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔

یعنی سنت قرآن مجید کی تفسیر، تعریف اور تبیین کا کام کرتی ہے۔ یہ سوال بالکل خارج از بحث ہے کہ کوئی حدیث یا سنت قرآن کی ناسخ ہوسکے۔ سنت اور حدیث کی اہمیت مسلم ہے لیکن ان کے قرآن پر حاکم ہونے کا دعوی باطل ہے۔

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں ضعف کے اتنے پہلو ہیں کہ ان کا قرآن جیسی قطعی الدلالۃ چیز کو منسوخ کردینا بالکل خلاف عقل ہے۔ ان پہلوؤں کی طرف ہم، حدیث اور سنت میں فرق، کے تحت اشارہ کرچکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ سنت اگرچہ ان کمزوریوں سے محفوظ ہوتی ہے، لیکن وہ قرآن کے کسی حکم کی ناسخ اس وجہ سے نہیں ہوسکتی کہ پیغمبر ﷺ کو یہ حق سرے سے حاصل ہی نہیں تھا کہ آپ قرآن کے کسی حکم میں سر مو تبدیلی کرسکیں۔ چنانچہ قریش نے جب یہ مطالبہ کیا کہ جب تک آپ قرآن میں تبدیلی نہیں کریں گے اس وقت تک وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ان کو آپ کی زبانی یہ جواب دلوایا گیا: ﴿قل ما يكون لی أن أبدله من تلقائ نفسی﴾ (یونس۔۱۵)" کہہ دو مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنے جی سے ترمیم کردوں۔ قرآن مجید خدا کی طرف سے آیا ہے تو اس میں تبدیلی کا حق اسی کو ہے۔ اس کے کسی حکم کو تبدیل کیا ہے تو اللہ تعالی ہی نے کیا ہے اور ناسخ ومنسوخ دونوں قرآن میں موجود ہیں۔ پیغمبر خدا کی طرف سے مامور ہے کہ اس کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خدا کی طرف سے جو بتایا جائے وہ ٹھیک ٹھیک اس کے بندوں کو پہنچا دے اور پھر بندوں کی ضرورت کے لحاظ سے اس کی تفسیر اور تبیین کر دے۔ اس میں وہ سرمو کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس کو اس کا کوئی حق نہیں ہے چاہے ساری خدائی اس کی دشمن بن جائے۔ جب پیغمبر ﷺ کا یہ مقام ہی نہیں ہے کہ وہ قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کر سکیں تو ان کی طرف منسوب کسی سنت یا حدیث کو آپ یہ درجہ کس طرح دے سکتے ہیں کہ وہ قرآن میں کوئی تبدیلی کر سکتی ہے۔''(۱)

مندرجہ بالا ہر چہار اقتباسات کی روشنی میں یہ بات قطعی طور پر واضح ہو چکی ہے کہ مکتب فراہی سے وابستہ افراد کے نزدیک بالاتفاق سنت، قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ پہلے ہم جناب حمید الدین فراہی اور جناب خالد مسعود صاحبان کی عبارتوں کا جائزہ لیں گے پھر جناب اصلاحی صاحب کے طویل کلام پر نظر ڈالیں گے۔

ہمارے نزدیک جناب حمید الدین فراہی صاحب کا یہ قول کہ ''امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور محدثین بالعموم حدیث کو...... الخ''، کلی طور پر مبنی بر صحت نہیں ہے کیونکہ محدثین میں سے صرف امام شافعیؒ سے بصراحت سنت سے نسخ القرآن کا مطلقاً عدم جواز منقول ہے۔ مگر آں رحمہ اللہ کے اس شاذ موقف کی حیثیت ایک اجتہادی خطا سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جہاں تک امام احمد بن حنبلؒ کا تعلق ہے تو ان سے اس معاملہ میں دو مختلف نوعیت کی روایتیں آئی ہیں جن میں سے بلاشبہ ایک روایت کے مطابق آں رحمہ اللہ سنت سے نسخ قرآن کے قائل نظر نہیں آتے۔ لیکن جب آں رحمہ اللہ سے دو مختلف نوعیت کے اقوال منقول ہیں تو ان میں سے صرف ایک خاص نوعیت کی روایت کے مدلول کو ترجیح دینے کی کوئی لائق ترجیح وجہ نظر نہیں آتی۔ پھر جن لوگوں کی نگاہ امام احمد بن حنبلؒ کے عمومی طرز عمل پر ہے وہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ آں رحمہ اللہ ان تمام روایات کی صحت و حجیت کے قائل ہیں جو قرآن کے ظاہری حکم پر نسخ کا حکم رکھتی ہیں، لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

جناب فراہی صاحب نے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ دیگر محدثین کو بھی اسی فکر کا حامل بیان کیا ہے جو سراسر خلاف واقعہ بات ہے۔ جناب فراہی صاحب تو اب اس دنیا میں باقی نہیں رہے البتہ ان کے تلامذہ اور اخلاف ضرور موجود ہیں، پس ان پر یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ آں موصوف کے اس دعویٰ کو بدلائل ثابت کر دکھائیں۔

جناب فراہی صاحب کا یہ قول بھی کہ ''یہ ماننا کہ رسول، اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے الخ'' دراصل آنجناب کی منصب رسالت کے فرائض، اختیارات، طریقۂ کار اور سنن نبوی کی حقیقت سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ کوئی شخص نہ یہ کہتا ہے اور نہ ہی مانتا ہے کہ کوئی رسول ازخود یا اپنی مرضی کے مطابق کلام اللہ کو منسوخ کر سکتا

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۹-۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ اگر واقعی کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو جمہور علماء کے نزدیک بلاشبہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، برخلاف اس کے سلف سے خلف تک تمام اہل علم وحی سے نسخ وحی کے قائل رہے ہیں۔ اور چونکہ سنت بھی ایک قسم کی وحی ہوتی ہے لہٰذا سنت سے قرآن کا نسخ فی الحقیقت وحی سے وحی کا نسخ ہوا جو کہ بالاتفاق جائز ہے۔

اب ہم جناب خالد مسعود صاحب کے قول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو کہ اس بارے میں ان کے استاذ الأستاذ کے موقف کا ترجمان ہے۔ آں جناب کا یہ دعوی کہ خبر اگرچہ متواتر ہو قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی بلا دلیل ہونے کے ساتھ قطعی بے بنیاد اور دین اسلام کے عمومی مزاج کے خلاف بھی ہے۔ یہ بات ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ قرآن متواتر اللفظ ہے لیکن اس کے نسخ کے لئے اسی کے مثل کسی متواتر شئ کا ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اتباع رسول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ سنت رسول خواہ متواتر ہو یا آحاد کی قبیل سے، بہر حال ناسخ قرآن ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں اصل اور قابل لحاظ شئ صرف صحت روایت ہے، کیونکہ متواتر وآحاد کے مابین صرف کثرت وقلت طرق کا ہی تو فرق ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک علیحدہ موضوع بحث ہے اس لئے ہم اس پر آگے کسی مناسب جگہ گفتگو کریں گے۔

جناب خالد مسعود صاحب کا خبر متواتر سے بھی قرآن کے نسخ کا قائل نہ ہونا باعث حیرت ہے کیونکہ جس طرح قرآن متواتر اللفظ ہے اسی طرح بتواتر منقول ہونے والی خبر بھی قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔ پس ان دونوں میں مغایرت کیسی؟ یہاں ایک اور حیرت انگیز انکشاف جناب خالد مسعود صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ خبر متواتر ظن کا فائدہ دیتی ہے جیسا کہ آں محترم کے قول: ''ظن کی بنیاد پر نسخ کا فیصلہ نہیں ہوسکتا'' سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ جملہ محدثین فقہاء اور اصولیین بلکہ پوری امت کے نزدیک خبر متواتر یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتی ہے۔ کسی نے بھی خبر متواتر پر ظنی ہونے کا شبہ ظاہر نہیں کیا ہے۔ البتہ اخبار آحاد کے متعلق بعض علماء نے ظنی ہونے کا دعوی کیا ہے، لیکن اس کی تفصیل بھی ان شاء اللہ آگے باب ششم (''اخبار آحاد کی حجیت'') کے تحت بیان کی جائے گی۔

اب ہم جناب اصلاحی صاحب کے طویل اقتباس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس میں آں محترم نے اپنے استاد جناب حمید الدین فراہی صاحب کی ہی اتباع کی ہے۔ لیکن نہ معلوم آنجناب نے سنت سے نسخ قرآن کے مانعین میں جناب فراہی صاحب کی طرح امام شافعیؒ اور دیگر ''محدثین'' کا تذکرہ نہیں فرمایا، صرف امام احمد بن حنبلؒ کا ہی ذکر کیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آں محترم پر جناب فراہی صاحب کے دیگر محدثین کی جانب نسخ القرآن بالسنہ کے عدم جواز کو منسوب کرنے کے دعوی کی غلطی منکشف ہوگئی ہو ـــــ لیکن امام شافعیؒ، جو کہ اس فکر کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں، کو سنت سے نسخ قرآن کے مانعین میں ذکر نہ کرنا باعث تعجب ضرور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''جب یہ فتنہ اٹھا تو سب سے زیادہ خوبی کے ساتھ جس شخص نے اپنا فرض ادا کیا وہ ...... امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔'' تو اس کی حقیقت اوپر جناب فراہی صاحب کے قول پر ہمارے تبصرہ کے تحت بیان کی جا چکی ہے۔ آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق فضل بن زیاد کی جو روایت ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' سے نقل کی ہے اس سے امام رحمہ اللہ کے نزدیک سنت سے نسخ قرآن کے عدم جواز پر استدلال قطعی بے محل ہے کیونکہ اس روایت میں تو امام رحمہ اللہ نے عمومات قرآن کی سنن نبوی سے تخصیص کے متعلق ایک زبان زد قول "السنة قاضية على الكتاب" کے بارے میں اپنی محتاط رائے کا اظہار فرمایا ہے، اس پر نکارت نہیں فرمائی۔ اس قول سے اگرچہ عقلاً اور امام ابو داؤدؒ کی روایت سے نقلاً سنت سے نسخ قرآن کا مفہوم بھی مراد لیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ روایت زیر بحث میں سائل نے امام رحمہ اللہ سے عمومات قرآن کی تخصیص بالسنن کے ضمن میں اس قول کی حقیقت دریافت کی تھی لہٰذا امام رحمہ اللہ کے جواب کو بھی صرف تخصیص سے متعلق ہی سمجھا جائیگا۔ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی امام رحمہ اللہ کے اس قول کو اپنی کتاب "الكفاية فى علم الرواية" کے باب "تخصيص السنن لعموم محكم القرآن وذكر الحاجة فى المجمل إلى التفسير والبيان"(۱) کے تحت ہی ذکر فرمایا ہے۔ پس جناب اصلاحی صاحب کا مذکورہ روایت سے احتجاج بے محل ثابت ہوا۔

پھر سب سے قابل گرفت چیز تو اس روایت کی ترجمانی یا اس سے مستفاد اصلاحی صاحب کے یہ جملے ہیں: ''یہ سوال بالکل خارج از بحث ہے کہ کوئی حدیث یا سنت قرآن کی ناسخ ہو سکے۔ سنت اور حدیث کی اہمیت مسلم ہے لیکن ان کے قرآن پر حاکم ہونے کا دعوی باطل ہے''۔۔۔ امام رحمہ اللہ کی منقولہ عبارت میں تو صرف اس قدر مذکور ہے کہ ''میں یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ سنت کتاب اللہ پر حاکم ہے۔'' نسخ کتاب کا تو سرے سے اس میں کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ پس اس سیدھی سادی عبارت سے جو مخصوص اور من چاہا فائدہ جناب اصلاحی صاحب نے اخذ کیا ہے وہ آں موصوف کا ہی خاصہ ہے، کوئی ہوش مند سے ہوش مند اور دانشور سے دانشور شخص بھی ایسا کرنے سے قاصر رہے گا۔

جناب اصلاحی صاحب نے آگے چل کر ''حدیث'' اور ''سنت'' کے مابین تمیز و تفریق کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ''جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں ضعف کے اتنے پہلو ہیں کہ ان کا قرآن جیسی قطعی الدلالہ چیز کو منسوخ کر دینا بالکل خلاف عقل ہے۔'' اس بارے میں ہم پہلے یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ جناب اصلاحی صاحب نے حدیث میں ضعف کے جن احتمالات کی طرف نشاندہی فرمائی ہے ان کا مفصل جواب اوپر

---

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص: ۱۴، ۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


دیا جاچکا ہے۔ کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے ابواب میں بھی آئیگی، لہذا یہاں اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔اس سلسلہ میں دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ جب کوئی معقول شخص کسی ضعیف حدیث سے بہر صورت احتجاج درست نہیں سمجھتا تو اس سے نسخ قرآن کو کیوں کر جائز سمجھے گا؟ مزید یہ کہ جب تمام دینی معاملات میں استدلال و احتجاج کے لئے بنیادی شرط حدیث کا ''صحیح'' ہونا ہے تو معیار صحت پر پوری اترنے والی حدیث نسخ قرآن کے معاملہ میں کیوں ناقابل استدلال اور غیر مؤثر قرار پائے گی؟ اس سلسلہ میں ایک آخری بات یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ احادیث کی مدد سے قرآن کے مختلف احکام کو منسوخ کرنے کا بارآج اصلاحی صاحب یا کسی اور شخص کے کاندھوں پر نہیں ہے بلکہ اس بارے میں ہر چیز پوری طرح صاف اور واضح ہے کیونکہ اللہ تعالی کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فریضہ اپنی حیات طیبہ کے دوران خود ہی انجام دیا تھا۔تمام صحابہؓ نے آپؐ سے ان منسوخ اور ناسخ احکام کو جانا اور بلا تردد تسلیم کیا تھا۔پھر آپ کے عدول صحابہ سے وہ علم بواسطہ تابعین و تبع تابعین نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔علم کے اسی ذریعۂ انتقال کو آپ روایت حدیث کا نام دے سکتے ہیں۔پس حدیث بالفعل قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کرتی بلکہ اس کے نسخ کی حکایت یا شہادت کا نام ہے اور جس حکایت کے بیان کرنے والے یا جس امر کی شہادت دینے والے نہایت اعلی کردار، صادق اللسان، متقی و متقن اور اعلی حافظہ کے مالک ہوں انکی حکایت یا شہادت پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ ''سنت اگرچہ ان کمزوریوں سے محفوظ ہوتی ہے لیکن وہ قرآن کے کسی حکم کی ناسخ اس وجہ سے نہیں ہوسکتی کہ پیغمبر ﷺ کو یہ حق سرے سے حاصل ہی نہیں تھا کہ آپ قرآن کے کسی حکم میں سرمو تبدیلی کرسکیں الخ'' ــــــ حدیث و سنت میں مذکورہ فرق سے قطع نظر جناب اصلاحی صاحب کی طرح تمام امت بھی اس بات پر متفق ہے کہ قرآن کریم اللہ عزوجل کی جانب سے آیا ہے، لہذا اس میں تبدیلی کا حق بھی صرف اسی کو ہے، اگر اس میں کسی حکم کو تبدیل کیا گیا تو اسے اللہ تعالی نے ہی تبدیل کیا ہے نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو سرے سے یہ حق حاصل نہ تھا کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق کتاب اللہ میں کوئی ترمیم کرسکیں ــــ لیکن ان متفق علیہ امور سے یہ سمجھ لینا قطعاً غلط ہے کہ اگر کسی صحیح اور ثابت سنت نبوی میں قرآن کے کسی حکم کے منسوخ ہونے کی اطلاع دی گئی ہو تو وہ من جانب اللہ نہیں من جانب رسول اللہ یا کم از کم آپ کی طرف منسوب ایک غیر واقعی امر ہے، کیونکہ اگر وہ نسخ من جانب اللہ ہوتا تو یقیناً قرآن میں موجود ہوتا اور چونکہ نبی ﷺ کو اس چیز کا اختیار نہ تھا لہذا ایسی حدیث یا سنت متروک قرار دی جائے گی۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ جانی چاہیئے کہ خود بقول جناب اصلاحی صاحب جب ''پیغمبر ﷺ کو یہ حق سرے سے حاصل ہی نہیں تھا کہ آپ قرآن کے کسی حکم میں سرمو تبدیلی کرسکیں''، ''پیغمبر خدا کی طرف سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مامور ہے کہ اس کو خدا کی طرف سے جو بتایا جائے وہ ٹھیک ٹھیک اس کے بندوں کو پہنچا دے۔'' اور ''اس میں وہ سر مو کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اس کو اس کا کوئی حق نہیں ہے'' ـــــ تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ نبی ﷺ نے جو کچھ بھی اس بارے میں ارشاد فرمایا اس کی ہدایت بھی آں ﷺ کو یقیناً من جانب اللہ عز و جل بذریعہ وحی ہی ملی ہوگی ، اور سنت کا وحی ہونا تو خود جناب اصلاحی صاحب بھی چند صفحات قبل تسلیم کر چکے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ نے فرمایا: "ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه"، (الكفاية فى علم الرواية، باب ما جاء فى التسوية بين حكم كتاب الله وحكم سنة رسول الله ﷺ في وجوب العمل ولزوم التكليف) ترجمہ: دیکھو، مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے مثل اور بھی ـــــ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثل قرآن ہے۔ سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایۂ قرآن ہے۔ اس لئے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے ہم ان دونوں کو مقدم و مؤخر نہیں کر سکتے اور کسی کو ادنی و اعلی نہیں قرار دے سکتے الخ۔''(۱)

پس جب اصلاحی صاحب کے نزدیک سنت نبوی قرآن کے مثل وحی الٰہی ، ہم پایۂ قرآن اور بتواتر ثابت ہے، نیز قرآن و سنت میں سے آں موصوف کے نزدیک کسی کو مقدم و مؤخر یا ادنی و اعلی بھی قرار نہیں دیا جا سکتا تو پھر سنت سے قرآن کا نسخ درحقیقت وحی الٰہی سے وحی الٰہی کا ہی نسخ ہوا اور کتنی ہی سنت ایسی ہیں کہ جن کا باوجود وحی الٰہی اور ہم پایۂ قرآن ہونے کے قرآن کریم میں ذکر نہیں ہے۔ پس جناب اصلاحی صاحب کا اعتراض خود ان کی دلیل سے رفع ہوا، فالحمد للہ علی ذلک۔

## تخصیص عموم قرآن کے متعلق اصلاحی صاحب کے نظریات کا جائزہ

جناب اصلاحی صاحب زیر تبصرہ باب کے ذیلی عنوان ''کیا قرآن کے کسی حکم کی تخصیص حدیث و سنت سے ہوسکتی ہے؟'' کے تحت سنت نبوی سے عموم قرآن کی تخصیص کے جزوی طور پر قائل معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''اب رہا یہ سوال کہ نسخ نہ سہی، لیکن حدیث و سنت سے قرآن کے کسی حکم کی تخصیص ہوسکتی یا نہیں؟ یعنی قرآن کے کسی عام حکم کو حدیث و سنت سے خاص کر دیا جائے اسکے جواب میں تھوڑی سی تفصیل ہے:

(أ) اگر تخصیص کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے قرآن کا کوئی عموم اس طرح محدود و ممیّز ہو جائے کہ کسی ایسی چیز کے اس عموم میں شامل ہونے کی راہ مسدود ہو جائے جس کا شامل ہونا لفظ کے مفہوم اور آیت کے منشا کے خلاف ہے تو یہ تخصیص نہ صرف حدیث و سنت کے ذریعے سے بلکہ ہمارے نزدیک قیاس و اجتہاد کے

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ذریعہ سے بھی ہوسکتی ہے۔

(ب) اور اگر اس تخصیص سے قرآن کے عموم کے اندر سے کوئی ایسی چیز نکل جاتی ہے جو لفظ کے مفہوم میں واضح طور پر شامل ہے اور اس کے لئے قرآن کے حکم سے بالکل الگ حکم بیان ہوتا ہے جو قرآن کے حکم سے بھی اشد ہے تو یہ تخصیص نہیں بلکہ نسخ ہے اور قرآن کی کسی چیز کے منسوخ کرنے کا اختیار پیغمبر ﷺ کو بھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا نہیں ہے، چہ جائیکہ حدیث وسنت کو یہ درجہ دیا جائے۔"(۱)

سطور بالا میں محترم اصلاحی صاحب نے تخصیص کی پہلی قسم کے متعلق اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ اگر تخصیص کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے عموم قرآن "اس طرح محدود وممیّز ہو جائے کہ کسی ایسی چیز کے اس عموم میں شامل ہونے کی راہ مسدود ہو جائے جس کا شامل ہونا لفظ کے مفہوم اور آیت کے منشا کے خلاف ہے تو یہ تخصیص نہ صرف حدیث وسنت کے ذریعے سے بلکہ ہمارے نزدیک قیاس واجتہاد کے ذریعہ سے بھی ہوسکتی ہے۔"—— لیکن آں محترم کا یہ قول بوجوہ متعددہ درست نہیں ہے کیونکہ:

۱- قیاس واجتہاد سے عموم قرآن کی تخصیص کی صورت میں یقینی طور پر ہرگز یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ تخصیص صواب بھی ہے یا نہیں، کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد میں مصیب ومخطی دونوں ہوتا ہے۔ پھر اجتہاد محل خطا ہونے کے علاوہ صرف عند المحظورات ہی مقبول ہے، اور وہ بھی صرف بقدر ضرورت، کیونکہ محظورات کے لئے معروف کلیہ یہ ہے کہ "ما أبیح للضرورة یقدر بقدرها۔" (۲)—— اور ظاہر ہے کہ عموم قرآن کی تخصیص کو محظورات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

۲- قرآن کریم اللہ عزوجل نے نازل فرمایا ہے، لہٰذا اس کی تخصیص وتنسیخ کا حق بھی صرف اسی باری تعالیٰ کو ہے، کسی بشر کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کلام اللہ میں اپنی طرف سے اپنی ناقص عقل کو استعمال کر کے قیاساً تخصیص وتنسیخ کرے۔ جہاں تک نبی ﷺ کے ذریعہ بعض عموم قرآن کی تخصیص وتنسیخ فرمانے کا تعلق ہے تو اسے آیت: "وماینطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ۔" کی روشنی میں من جانب اللہ ہی سمجھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی مثال پیش کر کے ہر کس وناکس کو کتاب اللہ پر طبع آزمائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۳- کسی آیت کے نزول کا مقصود ومنشا شارح ومفسر قرآن حضرت محمد ﷺ سے بہتر اور کون سمجھ سکتا ہے؟ پس جب ہمارے پاس سنت نبوی کے علاوہ ایسا کوئی دوسرا قابل اعتماد مأخذ نہیں ہے کہ جس سے قرآن مجید کے کسی خاص لفظ یا آیت کا صحیح اور یقینی مفہوم ومنشا متعین کیا جاسکے تو سنت کی رہنمائی کے بغیر یہ کیوں کر معلوم

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص:۴۱ (۲) فتح الباری ۱۰/۱۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کیا جا سکتا ہے کہ جو تخصیص بذریعہ قیاس واجتہاد کی گئی یا کی جارہی ہے وہ قرآن کے اصل مفہوم ومنشا کے خلاف تو نہیں ہے؟

خلاصہ یہ کہ بذریعہ قیاس واجتہاد عموم قرآن کی تخصیص کا بطلان واضح ہوا، فالحمدللہ علی ذلک۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے حدیث سے عموم قرآن کی تخصیص کی مثال کے طور پر آیت: "والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزآء بما كسبا نكالا من الله." اور اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث: "تقطع يد السارق فی ربع دينار فصاعدا." نیز وراثت کے بارے میں سورۂ نساء کی آیت: ۱۱، اور حضرت اسامہ کی موانع ارث والی حدیث کو نقل کیا ہے۔(۱)

اس کے بعد اجتہاد سے تخصیص کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم عام میں ایک تخصیص اپنے اجتہاد سے بھی کی وہ یہ کہ قحط کے سال میں قطع ید کا حکم ملتوی کر دیا کہ اضطرار کا اندیشہ ہے۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے کہ یہ تخصیص ایک مجتہد کے اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے، اگرچہ اس کی حیثیت ایک امر اجتہادی کی ہو گی الخ۔''(۲)

بلاشبہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص اپنی اونٹنی کے بارے میں جو ذبح کر لی گئی تھی حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

''کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ ہم تمہیں دو موٹی تازی اور تر و تازہ دودھ دینے والی اونٹنیاں دیدیں کیونکہ ہم قحط کے زمانہ میں قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔'' اس شخص نے حضرت عمرؓ کی پیش کش کو قبول کر لیا تھا۔(۳)

لیکن خلافت راشدہ کے اس اکیلے واقعہ کو سورۃ المائدہ کی ایت: ۳۸ کی تخصیص کے لئے بطور دلیل نہیں پیش کیا جا سکتا، کیونکہ:

۱- حضرت عمرؓ نے کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بذریعہ اجتہاد سورۃ المائدہ کی محولہ آیت کی تخصیص فرما رہے ہیں۔

۲- حضرت عمرؓ کے نزدیک شدید بھوک اور پیاس ایک طرح کے اکراہ(۴) واضطرار کی کیفیت

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۲، ۴۳، ۴۴ (۲) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۳

(۳) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۰ ب، المحلی لابن حزم ۱۱/۳۴۳، المغنی لابن قدامہ ۸/۲۷۸

(۴) کسی انسان کو جبراً کسی فعل کرنے پر آمادہ کرنا یا زبردستی کسی کام سے روکنا جو نا قابل برداشت مار پیٹ، بھوکا رکھنے، قید کرنے، ڈرانے دھمکانے یا اسی طرح کے دیگر امور سے وجود میں آتا ہے ''اکراہ'' کہلاتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ذریعہ سے بھی ہوسکتی ہے۔

(ب) اور اگر اس تخصیص سے قرآن کے عموم کے اندر سے کوئی ایسی چیز نکل جاتی ہے جو لفظ کے مفہوم میں واضح طور پر شامل ہے اور اس کے لئے قرآن کے حکم سے بالکل الگ حکم بیان ہوتا ہے جو قرآن کے حکم سے بھی اشد ہے تو یہ تخصیص نہیں بلکہ نسخ ہے اور قرآن کی کسی چیز کے منسوخ کرنے کا اختیار پیغمبر ﷺ کو بھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا نہیں ہے، چہ جائیکہ حدیث وسنت کو یہ درجہ دیا جائے۔"(۱)

سطور بالا میں محترم اصلاحی صاحب نے تخصیص کی پہلی قسم کے متعلق اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ اگر تخصیص کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے عموم قرآن "اس طرح محدود و ممیز ہو جائے کہ کسی ایسی چیز کے اس عموم میں شامل ہونے کی راہ مسدود ہو جائے جس کا شامل ہونا لفظ کے مفہوم اور آیت کے منشا کے خلاف ہے تو یہ تخصیص نہ صرف حدیث وسنت کے ذریعے سے بلکہ ہمارے نزدیک قیاس واجتہاد کے ذریعہ سے بھی ہوسکتی ہے۔"—— لیکن آں محترم کا یہ قول بوجوہ متعددہ درست نہیں ہے کیونکہ:

۱- قیاس واجتہاد سے عموم قرآن کی تخصیص کی صورت میں یقینی طور پر ہرگز یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ تخصیص صواب بھی ہے یا نہیں، کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد میں مصیب ومخطی دونوں ہوتا ہے۔ پھر اجتہاد محل خطا ہونے کے علاوہ صرف عندالمحظورات ہی مقبول ہے، اور وہ بھی صرف بقدر ضرورت، کیونکہ محظورات کے لئے معروف کلیہ یہ ہے کہ "ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها۔" (۲)—— اور ظاہر ہے کہ عموم قرآن کی تخصیص کو محظورات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

۲- قرآن کریم اللہ عز وجل نے نازل فرمایا ہے، لہٰذا اس کی تخصیص وتنسیخ کا حق بھی صرف اسی باری تعالیٰ کو ہے، کسی بشر کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کلام اللہ میں اپنی طرف سے اپنی ناقص عقل کو استعمال کر کے قیاساً تخصیص وتنسیخ کرے۔ جہاں تک نبی ﷺ کے ذریعہ بعض عموم قرآن کی تخصیص وتنسیخ فرمانے کا تعلق ہے تو اسے آیت: "وماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ۔" کی روشنی میں من جانب اللہ ہی سمجھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی مثال پیش کر کے ہر کس وناکس کو کتاب اللہ پر طبع آزمائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۳- کسی آیت کے نزول کا مقصود ومنشا شارح ومفسر قرآن حضرت محمد ﷺ سے بہتر اور کون سمجھ سکتا ہے؟ پس جب ہمارے پاس سنت نبوی کے علاوہ ایسا کوئی دوسرا قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے کہ جس سے قرآن مجید کے کسی خاص لفظ یا آیت کا صحیح اور یقینی مفہوم ومنشا متعین کیا جاسکے تو سنت کی رہنمائی کے بغیر یہ کیوں کر معلوم

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص:۴۱ (۲) فتح الباری ۱۰/۱۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کیا جاسکتا ہے کہ جو تخصیص بذریعہ قیاس واجتہاد کی گئی یا کی جارہی ہے وہ قرآن کے اصل مفہوم ومنشا کے خلاف تو نہیں ہے؟

خلاصہ یہ کہ بذریعہ قیاس واجتہاد عموم قرآن کی تخصیص کا بطلان واضح ہوا، فالحمدللہ علی ذلک۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے حدیث سے عموم قرآن کی تخصیص کی مثال کے طور پر آیت: "والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزآء بما كسبا نكالا من الله." اور اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث: "تقطع يد السارق فی ربع دينار فصاعدا." نیز وراثت کے بارے میں سورۂ نساء کی آیت: ۱۱، اور حضرت اسامہ کی موانع ارث والی حدیث کو نقل کیا ہے۔(۱)

اس کے بعد اجتہاد سے تخصیص کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس حکم عام میں ایک تخصیص اپنے اجتہاد سے بھی کی وہ یہ کہ قحط کے سال میں قطع ید کا حکم ملتوی کردیا کہ اضطرار کا اندیشہ ہے۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے کہ یہ تخصیص ایک مجتہد کے اجتہاد سے بھی ہوسکتی ہے، اگرچہ اس کی حیثیت ایک امر اجتہادی کی ہوگی الخ۔''(۲)

بلاشبہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص اپنی اونٹنی کے بارے میں جو ذبح کرلی گئی تھی حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا:

''کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ ہم تمہیں دو موٹی تازی اور تروتازہ دودھ دینے والی اونٹنیاں دیدیں کیونکہ ہم قحط کے زمانہ میں قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔'' اس شخص نے حضرت عمرؓ کی پیش کش کو قبول کرلیا تھا۔(۳)

لیکن خلافت راشدہ کے اس اکیلے واقعہ کو سورۃ المائدہ کی ایت: ۳۸ کی تخصیص کے لئے بطور دلیل نہیں پیش کیا جاسکتا، کیونکہ:

۱- حضرت عمرؓ نے کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بذریعہ اجتہاد سورۃ المائدہ کی محولہ آیت کی تخصیص فرمارہے ہیں۔

۲- حضرت عمرؓ کے نزدیک شدید بھوک اور پیاس ایک طرح کے اکراہ(۴) واضطرار کی کیفیت

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۲، ۴۳، ۴۴ (۲) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۳

(۳) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۰ اب، المحلی لابن حزم ۱۱/۳۴۳، المغنی لابن قدامہ ۸/۲۷۸

(۴) کسی انسان کو جبراً کسی فعل کرنے پر آمادہ کرنا یا زبردستی کسی کام سے روکنا جو نا قابل برداشت مار پیٹ، بھوکا رکھنے، قید کرنے، ڈرانے دھمکانے یا اسی طرح کے دیگر امور سے وجود میں آتا ہے ''اکراہ'' کہلاتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تھی۔اس بارے میں حضرت عمرؓ کا مشہور قول ہے کہ کوئی "شخص اپنے آپ کو دیانتدار نہیں رکھ سکتا اگر اسے بھوکا رکھا جائے یا باندھ دیا جائے یا مارا جائے۔"(۱) اور چونکہ قحط سالی کے زمانہ میں شدید بھوک کی وبا عام تھی کہ جس سے مجبور ہوکر وہ اونٹنی ذبح کر لی گئی تھی، لہذا اس موقع پر آں رضی اللہ عنہ کے پیش نظر حالت اضطرار کا مخصوص فقہی کلیہ: "الضرورات تبیح المحظورات۔"(۲) یعنی "ضرورتیں محظورات کو جائز کر دیتی ہیں" (کہ جو آیت: ﴿فمن اضطر غیر باغ ولاعاد فلاإثم علیه إن الله غفور رحیم﴾ (۳) یعنی "جو شخص مجبور ہو جائے اور وہ اس کا خواہشمند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ تعالی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" سے ماخوذ ہے) ہی اس حد کے اسقاط کا محرک بنا تھا۔

اس اسقاط حد کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ حالت اضطرار میں جو چیز بقدر ضرورت (۴) مباح ہو جاتی ہے اس پر حرام کا اطلاق نہیں ہوتا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "ما أبیح للضرورة لا یسمی حراما وقت تناوله۔"(۵) پس مضطر کے لئے جو چیز حرام ہی نہ ہو اس پر حد قائم کرنے کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟

واضح رہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بصورت اکراہ اسقاط حد کی یہ اکیلی مثال نہیں ہے بلکہ شدید پیاس (اکراہ) کی صورت میں اسقاط حد کی ایک اور مثال وہ واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس ایک ایسی عورت لائی گئی جسے صحراء میں جب کہ وہ شدید پیاسی تھی ایک چرواہا ملا۔ عورت نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے اسے پانی دینے سے انکار کیا سوائے اس صورت کے کہ وہ اسے اجازت دے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کرے۔ عورت نے اسے اللہ تعالی کا واسطہ دیا مگر وہ نہ مانا۔ جب عورت کی قوت برداشت جواب دے چکی تو اس نے اس شخص کو اپنے آپ پر قدرت دیدی۔ حضرت عمرؓ نے اضطرار کی اس حالت کی بنا پر اس عورت پر سے حد ساقط کر دی تھی۔"(۶)

اسی طرح بھوک کے باعث اکراہ ہونے کی ایک اور مثال حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں کا واقعہ ہے کہ انہوں نے مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا لی تھی اور اسے ذبح کر لیا تھا تو حضرت عمرؓ نے حاطب سے کہا کہ "اگر مجھے یہ علم نہ ہو جاتا کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو اور اس بھوک سے مجبور ہو کر انہوں نے اس حرام کام کا ارتکاب کیا ہے تو میں ان کے ہاتھ کاٹ دیتا۔" پس حضرت عمرؓ نے ان غلاموں کا ہاتھ نہیں کاٹا اور حاطب سے کہا کہ اب میں تم پر

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۴۱۱، ۱۰/ ۱۹۲، الخراج لابی یوسف ص: ۲۰۹، المغنی لابن قدامہ ۷/ ۱۱۹، ۸/ ۱۹۶، المحلی لابن حزم ۱۰/ ۲۰۲، السنن الکبری للبیہقی ۷/ ۳۵۹

(۲) فتح الباری ۶/ ۸۰

(۳) البقرہ: ۱۷۳

(۴) ماثبت بالضرورۃ یقدر بقدرھا (نصب الرایہ للزیلعی ۳/ ۳۸۷

(۵) فتح الباری ۱/ ۳۳۸

(۶) عبدالرزاق ۷/ ۴۰۴، السنن الکبری للبیہقی ۸/ ۲۳۶، المغنی لابن قدامہ ۸/ ۱۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سخت تاوان عائد کروں گا۔آپ نے اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت تھی؟ اس نے کہا کہ چار سو میں فروخت کرنے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔آپؓ نے حاطب کو کہا کہ اسے آٹھ سو ادا کر دو۔"(۱)

بصورت اکراہ سرقہ اور بدفعلی کے اور بھی کئی واقعات پر آں رضی اللہ عنہ کا حد ساقط فرمانا کتب حدیث وسیر میں بالتفصیل مذکور ہے جن کا یہاں تذکرہ طول محض کا باعث ہوگا، پس ہمارا موقف بدلائل ثابت ہوا، فالحمد للہ علی ذلک۔

۳-اگر حضرت عمرؓ کے اس فعل کو تخصیص آیت پر محمول کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دوران قحط یا اضطرار کے اندیشہ کی موجودگی میں جو مال چوری ہو جائے، مالک کو بیت المال سے اس کا دوگنا مال ادا کیا جائے گا، لیکن اس کا کوئی قرینہ نہ تو کتاب اللہ میں موجود ہے اور نہ ہی سنت نبوی میں، پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اونٹنی کے اس مالک کو اضافی مال دے کر اسے اپنے فیصلہ پر رضامند کرنے کی کوشش کی تھی نیز یہ کہ اس فیصلہ کا تعلق سورۃ المائدہ کی آیت سرقہ کی تخصیص سے قطعاً نہ تھا، واللہ اعلم۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب تخصیص کی دوسری قسم جو کہ بقول ان کے "نسخ کے حکم میں داخل ہے" کی ایک مثال یوں بیان فرماتے ہیں:

"دوسری تخصیص، جو نسخ کے حکم میں داخل ہے، کی مثال وہ ہے جو سورۂ نور کے حکم الزانية والزاني ....... الآية میں کی گئی ہے کہ بعض روایات کی بنا پر اس کو غیر شادی شدہ کے لئے خاص کر دیا گیا ہے اور شادی شدہ کو اس سے الگ کر کے ایک مستقل حکم، اس سے بھی زیادہ سخت بیان کیا گیا ہے، حالانکہ الفاظ اور آیت کے اندر اس امتیاز کے لئے کوئی قرینہ واشارہ نہیں ہے۔آیت ملاحظہ ہو: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ (النور-۲۴:۲) "زانی عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔"

اب بھلا بتایئے جب "الزانية والزاني" کہا جائے تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی تصور کہاں حائل ہوتا ہے کہ اس سے شادی شدہ مراد نہیں ہو سکتا۔دونوں پر اس کا اطلاق ہونا چاہیئے۔اس لئے کہ وہ تمام شرائط جو زنا کے ہیں وہ وہاں بھی پائے جاتے ہیں۔کوئی قرینہ بھی پہلے سے ایسا موجود نہیں ہے جو یہ بتاتا ہو کہ یہاں شادی شدہ کو الگ کر کے اس کو رجم کیا جائے۔یہ تخصیص نہیں ہے بلکہ یہ نسخ ہے اور نسخ کے متعلق وہی حکم ہوگا جو بیان کیا جا چکا ہے۔"(۲)

اسی طرح جناب اصلاحی صاحب کے تربیت یافتہ ماہنامہ "اشراق" لاہور کے مدیر جناب جاوید احمد غامدی

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی ۸/ ۲۷۸، الموطأ ۲/ ۷۴۸، مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۹، المحلی لابن حزم ۸/ ۱۵۷، ۱۱/ ۳۲۴، ۳۴۳

(۲) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''صاحب تدبر قرآن کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ اس کی اصل سزا تو سورۂ نور میں قرآن کے صریح حکم کی بنا پر سو کوڑے ہی ہے۔ لیکن مجرم، اگر زنا بالجبر کا ارتکاب کرے یا بدکاری کو پیشہ بنا لے یا کھلم کھلا اوباشی پر اتر آئے یا اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی یا جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت و ناموس کے لئے خطرہ بن جائے یا مردہ عورتوں کی نعشیں قبروں سے نکال کر ان سے بدکاری کا مرتکب ہو، یا اپنی دولت اور اقتدار کے نشے میں غرباء کی بہو بیٹیوں کو سر بازار برہنہ رے یا کم سن بچیاں بھی اس کی درندگی سے محفوظ نہ رہیں تو مائدہ کی آیت محاربہ کی رو سے اسے رجم کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔''(۱)

میں پوچھتا ہوں کہ اوپر جناب اصلاحی صاحب نے جو سورۃ النسآء کی آیت وراثت کی تخصیص حدیث "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم۔" سے بیان کی ہے تو کیا اس سے مسلم کی وراثت کو صرف مسلم کے لئے ہی خاص نہیں کیا گیا؟ اور غیر مسلم کو اس حکم وراثت سے الگ کر کے ایک مستقل حکم (مانع ارث) نہیں بیان کیا گیا؟ حالانکہ آیت کے اندر اس امتیاز کے لئے کوئی قرینہ و اشارہ نہیں ہے۔ آیت مذکورہ اور اس کا ترجمہ جناب اصلاحی صاحب کی زبانی ہی ملاحظہ فرمائیں:

﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین فإن کن نسآء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک وإن کانت واحدة فلها النصف ولأبویه لکل واحد منهما السدس مما ترک إن کان له ولد فإن لم یکن له ولد وورث أبواه فلأمه الثلث فإن کان له إخوة فلأمه السدس من بعد وصیة یوصی بها أو دین الخ﴾(۲)

''اللہ تمہاری اولاد کے باب میں تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے زائد ہیں تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر اکیلی ہے تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کا چھٹا حصہ ہے، جو مورث نے چھوڑا، اگر میت کے اولاد ہو اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد ہیں جو وہ کر جاتا ہے الخ۔''(۳)

خود جناب اصلاحی صاحب نے اس آیت کے متعلق اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ:

---

(۱) ''رجم کی سزا''، ماہنامہ ''اشراق'' لاہور ماہ جون ۱۹۹۰ء بحوالہ ماہنامہ ''اشراق'' ج ۵ عدد ۴، ص: ۶ مجریہ اپریل ۱۹۹۳ء

(۲) النساء: ۱۱ (۳) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۳-۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''آیت کے حکم کی عمومیت کا ظاہر تقاضا تو یہ ہے کہ ہر باب اپنے بیٹے کا اور ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو۔''(۱)

ـــــ اب بھلا بتائیے کہ جب ﴿یوصیکم الله فی أولادکم﴾ کہا جائے تو اختلاف مذہب کا ''کوئی تصور کہاں حائل ہوتا ہے'' کہ اس سے غیر مسلم مراد نہیں ہوسکتا؟ مسلم وغیر مسلم ''دونوں پر'' اس کا یکساں'' اطلاق ہونا چاہیے، اس لئے کہ وہ تمام شرائط'' جو وراثت کے ہیں ''وہ وہاں بھی پائے جاتے ہیں، کوئی قرینہ بھی پہلے سے ایسا موجود نہیں ہے جو یہ بتاتا ہو کہ یہاں'' غیر مسلم'' کو الگ کرکے اس کو'' حق وراثت سے محروم کردیا جائے۔ پس جناب اصلاحی صاحب کی اس فکر اور تقریر کے مطابق یہ بھی ''تخصیص'' نہیں بلکہ ''نسخ'' ہونا چاہیے اور نسخ کے متعلق آں محترم کے نزدیک ''وہی حکم ہوگا جو بیان کیا جاچکا ہے۔''

یعنی جب تک قرآن کی کسی دوسری آیت سے آیت زیر مطالعہ کا نسخ ثابت نہ ہو کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے، خواہ اس بارے میں کوئی قوی سے قوی تر حتی کہ متواتر سنت ہی کیوں نہ موجود ہو۔

کیا جناب اصلاحی صاحب کے پاس ان کی بیان کردہ تخصیص کی اس مثال پر ان کے ہی نقوش قدم پر چلتے ہوئے ہمارے ان اعتراضات کا کوئی معقول جواب موجود ہے؟ ہوسکتا ہے آں محترم یہ فرمائیں کہ:

''اس (آیت) کے اندر یہ تخصیص مضمر ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہے گا بلکہ یہ چیز توارث میں مانع ہوجائیگی۔ اس مضمر حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے یوں کھول دیا الخ۔''(۲)

ـــــ تو ہم پوچھیں گے کہ اگر آیت وراثت میں یہ تخصیص مضمر تھی تو آیت: "الزانیة والزانی" میں کیوں یہ تخصیص مضمر نہیں ہوسکتی؟ اگر ایک مقام پر آنحضرت ﷺ کی کھولی گئی مضمر حقیقت کو بسر وچشم تسلیم کیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر انہی آنحضرت ﷺ کی کھولی گئی مضمر حقیقت سے انکار کا کیا سبب ہے؟

اس تخصیص کو 'نسخ' کا نام دے کر یہاں اس سے انکار کا اصل سبب یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے اپنے استاذ جناب حمید الدین فراہی صاحب کے ذاتی مصحف میں سورۂ نور کے حاشیے میں یہ الفاظ درج پائے تھے: ''رجم تحت مائدہ''، جس سے آں موصوف کو یہ شبہ لاحق ہوا کہ:

''مجرم دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جن سے چوری یا قتل یا زنا یا قذف کا جرم صادر ہوجاتا ہے لیکن ان کی نوعیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ معاشرے کے لئے آفت اور وبال بن جائیں یا حکومت کے لئے لاء اور آرڈر کا مسئلہ پیدا کردیں۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جو اپنی انفرادی حیثیت میں بھی اور جتھا بنا کر بھی معاشرے اور حکومت دونوں کے لئے آفت اور خطرہ بن جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے مجرموں کے لئے قرآن میں معین حدود اور قصاص

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص: ۴۴ (۲) نفس مصدر، ص: ۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے احکام ہیں جو اسلامی حکومت انہی شرائط کے مطابق نافذ کرتی ہے جو شرائط قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے قسم کے مجرموں کی سرکوبی کے لئے احکام سورۂ مائدہ کی آیات نمبر: ۳۳ اور ۳۴ میں دیئے گئے ہیں۔"(۱)

آں محترم مزید فرماتے ہیں:

"یہ سزا (یعنی سنگسار) ہر قسم کے زانیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف ان زانیوں کے لئے ہے جو معاشرہ کی عزت وناموس کے لئے خطرہ بن جائیں۔ عام سزا زنا کی وہی ہے جو سورۂ نور کی زیر بحث آیت میں مذکور ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مرتکب جرم شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔"(۲)

یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ اس موضوع پر جناب اصلاحی صاحب کی اپنے استاذ (یعنی فراہی صاحب) سے نہ کوئی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی اور نہ ہی اس بارے میں انہوں نے اپنی تصانیف میں بصراحت کچھ لکھا ہے جیسا کہ محترم اصلاحی صاحب نے فراہی مکتب فکر سے ہی وابستہ اپنے ایک دیرینہ رفیق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (مؤسس انجمن خدام القرآن لاہور وامیر تنظیم اسلامی پاکستان) کے روبرو اعتراف کیا ہے۔(۳)

مگر جناب اصلاحی صاحب کے تلمیذ خاص جناب خالد مسعود صاحب کا دعوی ہے کہ جناب فراہی صاحب نے "أحکام الأصول" میں دکھایا ہے کہ: "حضورؐ نے ماعز اسلمی کو جو رجم کروایا تھا وہ سورۂ مائدہ کی آیت محاربہ سے مستنبط تھا۔"(۴) واللہ أعلم بالصواب۔

یہ بحث احادیث رجم کے انکار سے متعلق مخصوص اصلاحی نظریات پر کسی مفصل تبصرہ کی ہرگز متحمل نہیں ہوسکتی لیکن پھر بھی چاہوں گا کہ آں محترم کے اس انکار کی نوعیت پر مختصر اُروشنی ڈال دوں۔

پس جاننا چاہیئے کہ اسلامی قانون میں آزاد محصن زانی کے لئے رجم کی سزا کا بیان صراحت کے ساتھ تقریبا چالیس صحابہ سے مروی ہے جس کو بعد کے ہر دور میں کثیر التعداد ثقہ رواۃ نے روایت کیا ہے۔ فخر الدین رازی جیسے نسخ کے شدید منکرین نے بھی روایات رجم کے متواتر ہونے کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"واحتج الجمهور من المجتهدين على وجوب رجم المحصن لما ثبت بالتواتر أنه عليه الصلوة والسلام فعل ذلك قال أبو بكر الرازي روى الرجم ابو بكر وعمر وعلى وجابر

(۱) تدبر قرآن ۴/۵۰۴ (اس ضمن میں اصلاحی صاحب کے کچھ نظریات رسالہ "تدبر" لاہور، عدد شمارہ ۴۸ ص ۲۷-۳۴ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۴ء میں عنوان: "موطا امام مالک کی کتاب الحدود (ماجاء فی الرجم) کی روایات" کے تحت بھی دیکھے جاسکتے ہیں، اور جناب جاوید احمد الغامدی صاحب کے افکار کے لئے "میزان" ۱/۶۷-۲۱۱ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔)

(۲) نفس مصدر ۴/۵۰۵

(۳) ماہنامہ "میثاق لاہور" ج ۳۷ شمارہ ۲، ص: ۷۰-۷۱ ماہ فروری ۱۹۸۸ء

(۴) رسالہ "تدبر" لاہور عدد ۳۷، ص: ۳۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بن عبدالله وابوسعيد الخدرى و ابوهريرة وبريدة الأسلمى وزيد بن خالد فى آخرين من الصحابة وبعض هؤلاء الرواة ـــــ روى خبر اللخمية والغامدية۔"(۱)

یعنی "شادی شدہ کے لئے رجم کے وجوب حد پر جمہور مجتہدین کی دلیل وہ احادیث ہیں جو نبی ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کہ آپؐ نے ایسا کیا ہے۔ رجم کے متعلق حضرات ابوبکر، عمر، علی، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ، بریدہ اسلمی اور آخرین صحابہ میں سے زید بن خالد رضی اللہ عنھم نے روایت کی ہے۔ ان میں سے بعض رواۃ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک لخمی عورت اور غامدی عورت کے واقعہ کی روایت بھی کی ہے۔"

آگے چل کر آں موصوف مزید فرماتے ہیں:

"قلنا بل بالخبر المتواتر لما بينا أن الرجم منقول بالتواتر وأيضا قد بينا فى أصول الفقه أن تخصيص القرآن بخبر الواحد جائز۔"(۲)

یعنی "ہم کہتے ہیں خبر متواتر کے ساتھ (تخصیص قرآن جائز ہے) اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ رجم تواتر کے ساتھ مروی ہے اور ہم اپنی کتاب "أصول الفقه" میں بھی واضح کر چکے ہیں کہ خبر واحد کے ساتھ عموم قرآن کی تخصیص جائز ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"والرجم مما اشتهر عن النبی ﷺ فى قصة ماعز والغامدية واليهوديين وعلي ذلك جرى الخلفاء بعده فبلغ حد التواتر۔"(۳)

یعنی "نبی ﷺ کے عہد میں ماعز، غامدیہ اور یہودیوں کے رجم کے واقعات مشہور ہیں۔ آپؐ کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی اس سزا کو جاری رکھا، پس یہ روایات حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں۔"

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"وأما من كان محصنا من الأحرار فعليه الرجم بالسنة الصحيحة المتواترة۔" (۴) یعنی "اور جو آزاد مرد و عورت میں سے شادی شدہ زانی ہوں ان پر صحیح اور متواتر سنت کے مطابق سنگساری کی سزا ہے۔"

اور جناب حافظ ثناءاللہ پانی پتی (تلمیذ شاہ ولی اللہ دہلوی) فرماتے ہیں:

"قال علماء الفقه والحديث وقد جرى عمل الخلفاء الراشدين بالرجم مبلغ حد التواتر۔"(۵) یعنی "علمائے فقہ وحدیث کا قول ہے کہ خلفائے راشدین کا رجم پر عمل کرنا بھی حد تواتر کو پہنچا

---

(۱) تفسیر الکبیر ۲۳/۱۳۴ (۲) نفس مصدر ۲۳/۱۳۴-۱۳۵ ملخصا (۳) التلخیص الجبیر ۴/۵۲
(۴) فتح القدیر للشوکانی ۴/۳ (۵) التفسیر المظہری للفانی فتی ۶/۴۲۲ طبع دہلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہوا ہے۔"

کتب احادیث و تاریخ و سیر بتاتی ہیں کہ عہد نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے ادوار خلافت میں متعدد محصن زنا کے مرتکبوں کو رجم کی سزا دی جاتی رہی، پھر بعد کے تمام صحابہؓ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام مسالک کے شیعہ و سنی فقہاء و مجتہدین نے اس سزا کی تشریعی حیثیت پر اجماع و اتفاق کیا ہے، علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ لکھتے ہیں:

"تمام اہل علم کا اس امر پر اجماع ہے کہ رجم کی سزا صرف شادی شدہ زانیوں پر واجب ہے۔"(۱)

ایک اور مقام پر آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اخبار متواترہ کی روشنی میں سزائے رجم رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہے نیز یہ کہ حد رجم پر تمام اصحاب رسول کا اجماع بھی موجود ہے۔"(۲)

ابن بطالؒ کا قول ہے کہ:

"صحابہ اور ائمہ امصار کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر محصن عمداً، دانستہ اور مختار طریقہ پر زنا کا مرتکب ہو تو اس پر رجم کی سزا ہے صرف خوارج اور بعض معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ ابن عربی نے اہل مغرب کے کچھ طائفوں کے متعلق بھی رجم کا انکار نقل کیا ہے۔"(۳)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر (۳۱۸ھ) اپنی مشہور کتاب "الإجماع" میں فرماتے ہیں:

"وأجمعوا على أن الحر إذا تزوج حرة تزويجا صحيحا ووطئها فى الفرج أنه محصن يجب عليهما الرجم إذا زنيا۔"(۴) یعنی "اس بات پر اجماع ہے کہ اگر آزاد مرد، آزاد عورت سے نکاح صحیح کرے اور اس کے ساتھ باقاعدہ ہمبستری وقوع پزیر ہو تو وہ محصن ہے پس اگر ایسے شادی شدہ مرد و عورت زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو رجم کرنا واجب ہے۔"

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"أما الرجم فهو مجمع عليه.....فإنه قد يثبت بالسنة المتواترة المجمع عليها۔"(۵)
یعنی "رجم ایک اجماعی مسئلہ ہے .......کیونکہ یہ ایسی سنت متواترہ سے ثابت ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۸/۱۶۱ (۲) نفس مصدر ۸/۱۵۷
(۳) فتح الباری لابن حجر ۱۲/۱۱۸، عون المعبود للعظیم آبادی ۴/۲۴۸
(۴) الاجماع للإمام ابن المنذر، ص: ۱۳۲ (۵) نیل الأوطار للشوکانی ۷/۲۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"إذا كان الزاني والزانية محصنين يرجمان بإجماع الصحابة ومن بعدهم من علماء النصيحة وأنكره الخوارج لإنكارهم إجماع الصحابة وحجية خبر الآحاد الخ۔"(۱)

یعنی" اگر زانی مرد و عورت شادی شدہ ہوں گے تو انہیں رجم کیا جائیگا جو کہ صحابہ اور ان کے بعد آنے والے علمائے نصیحت کے اجماع کے مطابق ہے۔ صرف خوارج نے اس کا انکار کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اجماع صحابہ اور خبر واحد کی حجیت کے منکر ہیں الخ۔"

اور علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں:

"عہد نبویؐ اور ہر خلافت راشدہ میں اس حد پر عمل جاری رہنا جمہور کی دلیل ہے۔"(۲)

اس سزا کے متعلق صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے کہ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہو کہ قرن اول میں کسی فرد کو اس کے ثابت شدہ حکم شرعی ہونے سے انکار یا اس کی مشروعیت میں شک وشبہ تھا۔ اس سنت ثابتہ کی صحت کے اتنے قوی اور متواتر ثبوت موجود ہیں کہ کوئی صاحب علم اس کی مشروعیت سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ صرف خوارج، بعض معتزلہ (۳) اور عصر حاضر میں جناب اصلاحی صاحب نیز ان کے چند ارادت مند حضرات مثلاً جاوید احمد غامدی (مدیر ماہنامہ "اشراق" لاہور) اور خالد مسعود (مدیر رسالہ "تدبر" لاہور) وغیرہ اس کی مشروعیت کے منکر ہیں لیکن ان کے انکار کی وجہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ اس حکم کے ثبوت میں کسی کمزوری کی نشاندہی کر سکے ہوں بلکہ انکی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں حد رجم کا کہیں ذکر موجود نہیں ہے، لہذا وہ اس سزا کو کتاب اللہ کے خلاف یا صرف عادی مجرموں کے لئے بلا امتیاز احصان خاص سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک زنا کی عام سزا سورۂ نور کی آیت جلد (آیت:۲) کے مطابق صرف سو کوڑے ہے، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مرد وزن کے مابین کوئی تفریق نہیں ہے۔

جہاں تک حد رجم کا قرآن کریم میں موجود نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا ایک تاریخی خطاب موجود ہے جس میں آں رضی اللہ عنہ نے بعد کے زمانوں میں حد رجم کے منکرین کے متعلق اپنے خدشہ کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا:

"إن الله بعث محمدا ﷺ بالحق وأنزل عليه الكتاب فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها ورجم رسول الله ﷺ ورجمنا من بعده وإني خشيت إن طال بالناس الزمان أن يقول قائل ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها

(۱) التفسير المظہری للقاضی ثناء اللہ پانی پتی ۶/۴۲۲ (۲) عون المعبود للعظیم آبادی ۴/۲۴۸

(۳) تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری ۲/۳۲۲، عون المعبود للعظیم آبادی ۴/۲۴۸، المغنی لابن قدامہ ۸/۱۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الله فالرجم حق على من زنى من الرجال والنساء إذا كان محصنا الخ۔" (۱)

یعنی "بے شک اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو جو کچھ اللہ نے آپؐ پر نازل کیا اس میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے اس آیت کی تلاوت کی اور اس کو محفوظ کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود رجم فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا لیکن مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زیادہ زمانہ گذر جائے گا تو کہنے والا یہ نہ کہے کہ کتاب اللہ میں ہمیں آیت رجم نہیں ملتی۔ اس طرح وہ اللہ تعالی کے نازل کردہ اس فیصلہ کو ترک کر کے گمراہی میں جا پڑے گا۔ پس رجم حق ہے ان مردوں اور عورتوں پر جو شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کے مرتکب ہوں الخ۔"

حضرت عمرؓ نے اوپر خطبہ میں جس خدشہ کا اظہار فرمایا ہے وہ بعض دوسری روایات میں یوں بھی مذکور ہے:

"عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب قال رجم رسول الله ﷺ ورجم ابو بكر ورجمت ولو أني أكره أن أزيد في كتاب الله لكتبته في المصحف فإني قد خشيت أن يجئ أقوام فلا يجدونه في كتاب الله فيكفرون به۔"(۲)

یعنی "سعید بن المسیب نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا (پھر ان کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے سنگسار کیا اور میں نے بھی رجم کیا۔ اگر مجھے کتاب اللہ میں اضافہ کرنا ناپسند نہ ہوتا تو میں قرآن کریم میں (اس منسوخ التلاوہ آیت رجم کو) ضرور لکھ دیتا کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ (بعد میں) ایسی قومیں آئیں گی جو کتاب اللہ میں (آیت رجم کو) نہ پا کر حد رجم کا انکار کریں گی۔"

"عن ابن عباس أن عمر قال: سيجئ قوم يكذبون بالرجم۔" (۳) "حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ایک ایسی قوم آئے گی جس کے لوگ رجم کو جھٹلائیں گے۔"

اور

"إياكم أن تهلكوا عن آية الرجم أن يقول قائل لانجد حدين في كتاب الله فقد رجم رسول الله ﷺ ورجمنا۔"(۴) "خبردار! آیت رجم کے بارے میں کسی ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جانا۔ شاید کہ کوئی شخص یہ کہے کہ کتاب اللہ میں ہم دو سزاؤں کا ذکر نہیں پاتے (مگر) رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ہم لوگوں نے بھی رجم کیا۔"

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/۱۴۴، صحیح مسلم باب رجم الثیب ص: نمبر ۱۶۹۱، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/۲۵۰، ۲۵۱، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/۳۲۲، الموطأ ۲/۸۲۴، مسند احمد ۱/۲۳، مصنف عبدالرزاق ۷/۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۱۸۳۳ المغنی لابن قدامہ ۸/ ۱۵۷، ۱۵۸

(۲) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/۳۲۲

(۳) فتح الباری ۱۲/ ۱۴۸ بحوالہ عبدالرزاق والطبری

(۴) الموطأ ۲/۸۲۴، فتح الباری ۱۲/ ۱۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اور

"إن ناسا يقولون ما بال الرجم وإنما فی كتاب الله الجلد ألا قد رجم رسول الله ﷺ ۔"(۱)

اور

"وأيم الله لولا أن يقول الناس زاد عمر فی كتاب الله لكتبتها۔"(۲)

قرآن کریم کی وہ آیت رجم جس کی طرف حضرت عمرؓ نے اپنے اس خطاب میں اشارہ کیا ہے یہ ہے:

"الشيخ والشيخة إذا زنيا فأرجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم ۔"(۳)

امام مالکؒ نے اس آیت کے الفاظ "الشيخ والشيخة" کے معنی "الثيب والثيبة" بیان کئے ہیں جیسا کہ علامہ ابوالولید الباجی مالکیؒ اور علامہ زرقانیؒ وغیرہما نے لکھا ہے ۔(۴) ملا علی قاریؒ کا قول ہے کہ ''ان الفاظ کی کھلی تفسیر المحصن والمحصنۃ ہے۔''

امام نوویؒ نے ''صحیح مسلم'' کی شرح میں اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ قرآن کریم میں آیت رجم کی کتابت، قرأت وتلاوت منسوخ ہے لیکن اس کا حکم بدستور نافذ ہے جیسا کہ اوپر ''نسخ کی اقسام'' کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت عمرؓ کا صحابہ کرام کے درمیان مذکورہ خطاب فرمانا اور تمام سامعین کا اس پر سکوت اختیار کئے رہنا بذات خود حد رجم کے ثبوت بلکہ اس پر اجماع صحابہ کی واضح دلیل ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد مسعود میں حد رجم پر بلا توقف عمل کے ثبوت میں چند مزید روایات پیش خدمت ہیں:

"عن انس بن مالك قال رجم رسول الله ﷺ وأبوبكر وعمر وأمرهما سنة۔" (رواہ ابویعلی) ''حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے رجم کیا اور ان دونوں کا یہ امر سنت ہے۔''

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: ''انس بن مالک کی اس روایت کے تمام رجال ثقات ہیں۔''(۵) حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت کے دوران صرف غیر شادی شدہ زنا کے مرتکب ہونے والوں کو ہی کوڑے لگانے اور جلا

---

(۱) فتح الباری ۱۲/ ۱۴۸ (۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۴/ ۲۵۱، الموطأ ۲/ ۸۲۴

(۳) الاتقان للسیوطی ۱/ ۲۰، ۲/ ۲۵ طبع مصر، موطأ امام مالک ۲/ ۸۲۴، ۸۲۵، المغنی لابن قدامہ ۸/ ۱۵۸، فتح الباری ۱۲/ ۱۴۸، تحفۃ الأحوذی ۲/ ۳۲۲، عون المعبود ۴/ ۲۵۱ (۴) شرح الموطأ للباجی ۷/ ۱۴۰، شرح الموطأ للزرقانی ۴/ ۱۴۵

(۵) مجمع الزوائد للہیثمی ۶/ ۲۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


وطنی کی سزا دینے کے واقعات ملتے ہیں، تفصیل کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے دوران شادی شدہ زانیوں کو دی جانے والی سزائے رجم کے چند واقعات حاشیہ (۲) کے تحت درج شدہ کتابوں میں اور غیر شادی شدہ زنا کے مرتکبین کو جلد و جلا وطنی کی سزا دیئے جانے کے چند واقعات حاشیہ (۳) کے تحت درج شدہ کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے متعلق علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں:

"حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ وہ شادی شدہ زانیوں کو رجم کیا کرتے تھے، کوڑے نہیں لگواتے تھے۔" (۴)

اور خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بھی ایک زانیہ کو سزائے رجم دی گئی تھی جس کی تفصیل بعض روایات میں یوں مذکور ہے:

"حدثنا سلمة بن كهيل قال سمعت الشعبي يحدث عن علي رضى الله عنه حين رجم المرأة يوم الجمعة وقال قد رجمتها بسنة رسول الله ﷺ۔" (۵) "سلمۃ بن کہیل نے بیان کیا کہ میں نے شعبی کو حضرت علیؓ سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا کہ حضرت علیؓ نے جمعہ کے دن جس وقت ایک عورت کو رجم کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق رجم کیا۔"

علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

"روى أن عليا عليه السلام جلد شراحة الهمدانية ثم رجمها وقال جلدتها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله۔" (۶) "مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے شراحہ ہمدانیہ کو کوڑے لگوائے پھر اسے سنگسار کروایا اور فرمایا کہ میں نے اسے کتاب اللہ کے مطابق کوڑے لگوائے اور سنت رسول کے مطابق سنگسار کیا۔"

افسوس کہ یہ تمام نظائر و شواہد موجود ہونے کے باوجود جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے "تفسیر منسوخ القرآن" (۷) میں اور جناب اصلاحی صاحب نے "تدبر قرآن" میں حضرت عمرؓ کے خطاب والی متفق علیہ حدیث کا انکار کیا ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ لکھتے ہیں:

---

(۱) المحلی ۹/ ۴۷۶، ۱۱/ ۸۳، ۲۲۳، المغنی ۷/ ۶۰۳، ۸/ ۱۶۸، سنن البیہقی ۷/ ۱۵۵، ۸/ ۲۲۲، ۲۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۸، ۱۳۴، ۲۱۹، مصنف عبدالرزاق ۷/ ۲۰۴ کنز العمال ۵/ ۴۱۰، ۴۱۱

(۲) المحلی ۱۱/ ۲۳۳، المغنی ۸/ ۱۶۰، ۱۶۱، الاعتبار للحازمی، ص: ۲۰۲

(۳) سنن البیہقی ۸/ ۲۲۲، ۳۲۷، المحلی لابن حزم ۱۱/ ۲۳۲، ۱۸۳، المغنی ۸/ ۱۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۲ (ب)

(۴) المغنی لابن قدامہ ۸/ ۱۶۰

(۵) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/ ۱۱۷

(۶) التفسیر الکبیر للرازی ۲۳/ ۱۳۴، ۱۳۵

(۷) تفسیر منسوخ القرآن، ص: ۴۷-۵۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''یہ روایت کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور مقصود اسکے گھڑنے سے قرآن کی محفوظیت کو مشتبہ ٹھہرانا اور سادہ لوحوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرنا ہے کہ قرآن کی بعض آیات قرآن سے نکال دی گئی ہیں۔''(۱)

بلاشبہ یہ دعوی نہ صرف بلا دلیل ہے بلکہ احادیث پر سے'' سادہ لوحوں'' کا اعتبار واعتماد ختم کرنے کی ایک گھناؤنی سازش ہے۔صحابہؓ کرام، تابعین اور تبع تابعین وغیرھم کے واسطوں سے آنیوالی اس ہیرے جیسی آب وتاب رکھنے والی روایت کے انتہائی ثقہ، عادل وضابط راویوں میں سے کسی کو''منافق'' یا اس حدیث کو گھڑنے والا بتانا ایک بڑی جسارت ہے جو روز قیامت قابل مواخذہ ہوسکتی ہے۔ یہ بحث چونکہ یہاں ان حضرات کے مذکورہ بالا انکار کے تفصیلی جواب کی متحمل نہیں ہوسکتی لہذا ہم ان حضرات سے ان کے انکار کی دلیل طلب کرتے ہیں، هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين۔

جب اوپر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محصن زانی وزانیہ کے لئے حد رجم عہد رسالت کے علاوہ چاروں خلفائے راشدین کے عہدوں میں بالفعل رائج رہی ہے تو جناب اصلاحی کے لئے اس کے انکار کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا کیونکہ خود آں محترم ہی چند صفحات قبل یہ لکھ چکے ہیں کہ:

''یہ امر یہاں واضح رہے کہ ایک خلیفۂ راشد کے اجتہاد کی دین میں بڑی اہمیت ہے۔''(۲)

جب جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک کسی خلیفۂ راشد کے اجتہاد کی دین میں یہ قدر و قیمت ہے تو ان کی سنتوں کی قدر و قیمت بدرجہا اولی ہونی چاہیئے۔یہی بات آج سے تقریبا سینتیس سال قبل جناب اصلاحی صاحب اپنے ایک مضمون:''سنت خلفائے راشدین''میں بصراحت یوں فرما چکے ہیں:

''اب میں یہ بتاؤں گا کہ میں خلفائے راشدین کے اس طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں، میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے، جس میں نبی ﷺ نے خود خلفائے راشدین کی سنت کو سنت کا درجہ بخشا ہے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

۲-دوسری وجہ یہ ہے کہ اجماع ہمارے ہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور اجماع کی سب سے اعلی قسم اگر کوئی ہوسکتی ہے تو وہی ہوسکتی ہے جس کی مثالیں خلفائے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں۔اول تو یہ خیر القرون کے لوگوں کا اجماع ہے جن کی حق طلبی وحق کوشی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ثانیاً اسی مبارک دور میں عملاً یہ

---

(۱) تدبر قرآن ۴/۵۰۳ (۲) مبادئ تدبر حدیث، ص:۴۳، ومیزان مؤلفہ جاوید احمد غامدی ۱/۲/۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شکل اختیار کی جاسکی کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو اس میں وقت کے اہل علم اور صالحین کی رائیں معلوم کی گئیں اور پھر ایک متفق علیہ بات طے کر کے ایک خلیفہ راشد نے اس کو جاری و نافذ کیا اور سب نے اس پر بغیر کسی اختلاف واعتراض کے عمل کیا۔

۳- تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا سے خلفائے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجت کی حیثیت دی گئی ہے۔ سعید بن مسیّب کی فقہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کو ایک اصولی چیز کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم نخعی کی فقہ میں حضرت علیؓ کے فیصلوں کو ایک مستقل جگہ حاصل ہے۔ یہی اعتماد ہر مسلمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیصلوں پر ہے۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو فقہ مالکی ہو یا فقہ حنفی، ہر ایک کے اندر خلفائے راشدین کے تعامل کو سنت ہی کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔

۴- چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا مظاہرہ حضرات خلفائے راشدین کے ہاتھوں ہوا، انہی کے مبارک دور میں اسلام کے تمام ادیان پر غلبہ کا قرآنی وعدہ پورا ہوا اور اسلامی شریعت کے بہت سے احکام کا انطباق زندگی کے معاملات میں عملاً متعین ہوا۔ اس پہلو سے خلفائے راشدین کا دور گویا عہد رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لئے وہ پورا نظام ایک مثالی نظام ہے جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہو چکے ہیں وہ ہمارے لئے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے لئے ان سے انحراف جائز نہیں ہے۔ اس کلیہ سے اگر کوئی چیز مستثنیٰ ہوسکتی ہے تو صرف وہ چیز ہوسکتی ہے جو مجرد کسی وقتی مصلحت کے تحت انہوں نے اختیار فرمائی ہو۔(۱)

آں محترم اپنی دوسری تصنیف کے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''سلامتی کا راستہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ کتاب وسنت کی تعبیرات میں سلف وصالحین کی پیروی کی جائے الخ۔''(۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اپنی ہی ان تحریروں سے انحراف کیوں؟ کیا آں محترم کی نگاہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ، خلفائے راشدین کے حق نما فیصلے اور نظائر، صحابہؓ کرام وتابعین نیز دیگر اسلاف وصلحائے امت کا اجماع وتعمل ''شرعی حجت'' نہ رہا؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا اسے آں موصوف کے اعتزال

---

(۱) ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ص: ۳۸-۳۹ مجریہ ماہ فروری ۱۹۵۶ء

(۲) اسلامی قانون کی تدوین وتالیف، امین احسن اصلاحی، ص: ۱۳۵-۱۳۷ ملخصاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی طرف رجحان کی علامت نہ سمجھا جائے؟ کیونکہ بقول عبدالقاہر بغدادی:

''صرف معتزلہ ہی قانون اسلامی کے ماخذ میں سے حدیث اور اجماع کو قریب قریب ساقط کر دیتے تھے۔''(۱)

ذیل میں ہم رجم کی سزا کے لئے فقط ''احصان'' کا شرط ہونا مزید دلائل سے واضح اور مؤکد کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱-حضرت ماعز بن مالکؓ کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا تھا کہ ''کیا تو شادی شدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

ہاں! تو نبی ﷺ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا تھا پس وہ مصلی میں سنگسار کئے گئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"قال أحصنت قال نعم قال فأمر به النبی ﷺ فرجم فی المصلی۔"(۲)

پس معلوم ہوا کہ یہاں مناط حکم صرف ''احصان'' ہے

۲-ایک حدیث میں بصراحت مروی ہے: "لایحل دم امرئ مسلم إلا بإحدی ثلاث۔" یعنی کسی مسلم کا خون حلال نہیں ہے بجز ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے۔'' اور ان تین باتوں میں سے ایک "الثیب الزانی" یعنی ''زنا بعد احصان'' بھی ہے(۳)___ پس یہاں بھی مناط حکم احصان ہی ہوا۔

۳-شریعت میں کسی زانی کی حد رجم کے لئے بیان کی گئی فقہاء کی سات (۴) شرائط میں سے جن چار شرائط پر اجماع ہے وہ یہ ہیں: عقل، بلوغت، حریت اور نکاح صحیح کی اصابت۔(۵)

اس موضوع پر مزید تفصیلات کے لئے راقم کا مفصل مضمون ''فراہی مکتب فکر اور بعض احادیث رجم کی غلط تعبیر وتشریح''(۶) مقالات عزیری (۷)، ''عظمت حدیث''(۸) اور ''حد رجم کی شرعی حیثیت اور شبہات ومغالطات کا جائزہ''(۹) وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

---

(۱) الفرق بین الفرق لعبد القاہر، ص:۱۳۸-۱۳۹، مطبعۃ المعارف مصر

(۲) سنن ابی داؤد مع عون المعبود۴/ ۲۵۶، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی۲/ ۳۲۰-۳۲۱ وأخرجه الشیخان ایضاً

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری۱۲/ ۲۰۱، صحیح مسلم کتاب القسامہ ابواب: ۲۵، ۲۶، سنن ابی داؤد مع عون المعبود۴/ ۲۲۲-۲۲۳، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۲/ ۳۳۰، سنن النسائی کتاب التحریم ابواب: ۵، ۱۱، ۱۴، سنن الدارمی کتاب السیر باب: ۱۱، مسند احمد۱/ ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۴۲۸، ۴۴۴، ۴۶۵، ۶/ ۱۸۱، ۲۱۴

(۴) المغنی لابن قدامہ۸/ ۱۶۱-۱۶۳ (۵) شرح السنہ للبغوی وعون المعبود۴/ ۲۵۱

(۶) مطبوع در ماہنامہ ''محدث'' بنارس ج۵ عدد۹-۱۲ ج۶ عدد ا مجریہ ماہ ستمبر ۱۹۸۷ء تا جنوری ۱۹۸۸ء

(۷) مجموعہ مقالات عزیری (مخطوط) ۱/ ۵، ۳۱ (۸) عظمت حدیث مؤلفہ عبد الغفار حسن، ص: ۲۱۶، ۲۳۶

(۹) حد رجم کی شرعی حیثیت مؤلفہ حافظ صلاح الدین یوسف طبع لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''ماعز بن اسلمی کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے تحقیق میں جو اس قدر جزرسی سے کام لیا کہ فقہاء نے اس سے یہ حکم نکالا ہے کہ مجرم کی تحقیق میں عریاں زبان استعمال کی جاسکتی ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ لفظ ''زنا'' کے عموم سے جو اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے وہ دور ہو جائے اور یہ لفظ اپنے اس مفہوم میں متعین ہو جائے جو اس کو اصل سزا کا مستحق بناتی ہے۔''(۱)

ان سطور میں جناب اصلاحی صاحب نے حضرت ماعز بن مالکؓ کو ''ماعز بن اسلمی'' بتایا ہے حالانکہ تمام کتب حدیث وسیر کی روشنی میں ''اسلمی'' حضرت ماعزؓ کی ولدیت نہیں بلکہ ''مالک'' آپ کی ولدیت تھی، قبیلہ اسلم سے نسبت ہونے کے باعث انہیں ماعز اسلمی کہا جاتا ہے(۲) ۔۔۔ یہ ہے جناب اصلاحی صاحب کی کوتاہ علمی کی ایک زندہ مثال - اگرچہ ہماری گفتگو یہیں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن قبل از اختتام قرآن وحدیث کے خصوصی تعلق (مثلاً تخصیص عموم قرآن، قرآن سے زائد احکام پر مشتمل احادیث، صحیح احادیث کا خلاف قرآن نہ ہونا وغیرہ) اور نسخ قرآن سے متعلق جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے افکار ونظریات بھی (بلا تبصرہ) پیش خدمت ہیں۔ ان افکار ونظریات کی صحت وعدم صحتؓ کا فیصلہ قارئین محترم مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں خود بخود کر سکتے ہیں، فرماتے ہیں:

''آپ کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ ہر چیز جو قرآن سے زائد یا اس کے بیان سے مختلف حدیث میں نظر آئے وہ لازماً قرآن کے خلاف ہے اس لئے اسے رد کر دینا چاہیئے ۔ قرآن میں اگر کوئی حکم عموم کے انداز میں بیان ہوا ہو اور حدیث یہ بتائے کہ اس حکم عام کا اطلاق کن خاص صورتوں پر ہوتا ہے تو یہ قرآن کے حکم کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کی تشریح ہے - اس تشریح کو اگر آپ قرآن کے خلاف ٹھہرا کر رد کر دیں گے اور ہر حکم عام کو اس کے عموم ہی پر رکھنے کے لئے اصرار کریں گے تو اس سے بے شمار قباحتیں پیدا ہوں گی الخ۔''(۳)

اور فرماتے ہیں:

''قرآن میں کسی حکم کا نہ ہونا اور حدیث میں ہونا صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ حدیث قرآن سے زائد ایک حکم بیان کرتی ہے نہ یہ کہ حدیث قرآن کے مخالف حکم دے رہی ہے الخ۔''(۴)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص:۴۶

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر ۳/ ۳۱۷، الاستیعاب للقرطبی علی ھوامش الاصابۃ ۳/ ۳۱۸ وغیرہ

(۳) رسائل ومسائل للمودودی ۲/ ۶۰ (۴) نفس مصدر ۳/ ۲۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''قرآن کے خلاف ہونا یہ ہے کہ قرآن ایک چیز کا حکم دے اور حدیث اس سے منع کرے یا اس کے برعکس قرآن منع کرے اور حدیث اس کا حکم دے۔ ایسی کوئی مثال کسی صحیح حدیث میں نہیں پائی جاتی۔''(۱)

اور نسخ قرآن کے متعلق لکھتے ہیں:

''بلاشبہ فقہاء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ سنت قرآن کی ناسخ اور اس پر قاضی ہے، لیکن اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو الفاظ سے متبادر ہوتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبی ﷺ کی تشریح سے قرآن کا ایک خاص حکم عام ہوسکتا ہے، بالکل اسی طرح آپ کی قولی یا عملی تشریح یہ بھی بتاتی ہے کہ کسی خاص آیت کا حکم باقی نہیں رہا ہے۔ اس مفہوم کے علاوہ اگر اس اصول سے کوئی دوسرا مفہوم اخذ کیا گیا ہے تو وہ صحیح نہیں ہے۔''(۲)

اسی ضمن میں مزید فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو منسوخ التلاوہ ہو اور بس اس کا حکم باقی ہو۔ آیت رجم جس کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے، دراصل ایک دوسری کتاب اللہ یعنی تورات کی آیت تھی، نہ کہ قرآن کی۔ اس آیت کے نسخ سے مراد یہ ہے کہ جس کتاب میں یہ آیت تھی اس کتاب کو تو منسوخ کر دیا گیا مگر اس کے رجم کے حکم کو باقی رکھا گیا۔''(۳) ــــــ فإن لله وإنا إليه راجعون۔

☆☆☆

(۱) رسائل ومسائل: ۳/ ۲۳۸ بحوالہ ترجمان القرآن مجریہ ماہ فروری ۱۹۶۱ء

(۲) ترجمان القرآن مجریہ ماہ جون ۱۹۵۴ء، رسائل ومسائل ۲/ ۱۰۷-۱۰۸

(۳) رسائل ومسائل ۲/ ۱۰۷، ۱۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# استدراکات

[ پیش نظر باب کے عنوان: '' قرآن وسنت کا باہمی تعلق ـــــ اصلاحی صاحب کی نظر میں '' کے تحت ''مبادئ تدبر حدیث '' کی صرف وہی عبارتیں نقل کی گئی تھیں جن پر کہ راقم کو بحث کرنی مقصود تھی اور باقی عبارتوں کو قصداً چھوڑ دیا گیا تھا۔اگر چہ ایسا کتاب کو غیر ضروری طوالت سے بچانے کی غرض سے ہی کیا گیا تھا لیکن مراجعہ ومقابلہ کے دوران یہ خیال ذہن میں ابھرا کہ کہیں اس سے بعض قارئین کو یہ شبہ نہ گزرے کہ محترم اصلاحی صاحب کی عبارتوں کو سیاق وسباق سے کاٹ چھانٹ کر پیش کیا گیا ہے، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کسی قاری کے پاس سرے سے ''مبادئ تدبر حدیث '' کا کوئی نسخہ ہی موجود نہ ہو یا ہو بھی تو بار بار اس کی ورق گردانی میں دقت محسوس ہوتی ہو ، لہذا ذیل میں محترم اصلاحی صاحب کے مضمون کی باقی ماندہ عبارتیں بھی بطور '' استدراکات '' پیش خدمت ہیں۔قارئین کرام کی سہولت کے پیش نظر ہر عبارت کے شروع میں ان صفحات اور سطور کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے جن سے قبل یا بعد ان کو جوڑ کر بہ تسلسل پڑھا جا سکتا ہے۔]

۱-ص ۳۲۸ سطر ۶ ''......ہمیں کوئی خاص اعتراض نہیں ہے '' (سے آگے ملاحظہ فرمائیں) فرماتے ہیں:

'' قرآن اور حدیث وسنت میں نہایت گہرا باہمی تعلق ہے۔ان کا معنوی تعلق روح اور قالب کا اور ظاہری تعلق اجمال وتفصیل کا ہے۔دونوں دین کے قیام کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ہم ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔دونوں کا اتباع اور احترام یکساں واجب ہے۔

قرآن مجید نے زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کے صرف چاروں گوشے متعین کر دیئے ہیں، اس کے اندر رنگ بھرنے کا کام پیغمبر ﷺ پر چھوڑ دیا۔اس کو مثل اور مشکل کرنا سنت کا کام ہے۔قرآن نے دین کے کلیات اور اصول ومبادئ پر جامع بحث کی ہے، لیکن کسی باب میں بھی تفصیلات اس میں نہیں ملتیں۔ان کے لئے سنت اور حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔مثلاً عبادات میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔جہاں تک اس کے فلسفۂ دین میں اس کے مقام، اس کے بنیادی ارکان اور زندگی کے معاملات میں مختلف نوعیتوں سے اس کے دخیل ہونے کا تعلق ہے تو یہ چیزیں قرآن سے پوری طرح معلوم ہو جاتی ہیں، لیکن یہ کہ نماز کن اوقات میں پڑھی جائے، کس طرح پڑھی جائے، اس میں کیا پڑھا جائے، کن نمازوں کی حیثیت واجبات کی ہے، کن کی حیثیت نوافل کی ہے۔ان سب تفصیلات کو جاننے کے لئے ہمیں سنت اور حدیث کے علم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ان امور کے متعلق بس اشارات کی حد تک رہنمائی قرآن سے مل سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یہی حال دیگر عبادات، معاشی معاملات، معاشرتی مسائل، سیاسی امور اور حدود وتعزیرات وغیرہ کا بھی ہے۔شریعت کے احکام کو آپ قرآن کے فریم میں سمجھ سکتے ہیں، لیکن اس خاکے میں رنگ بھرنا سنت کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

مفرد احکام کی نوعیت قدرے مختلف ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہر حکم کے فہم کے لئے سنت کی ضرورت ہے۔لیکن یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی پہلو سے ایک حکم کی توضیح کی ضرورت پڑے گی تو حدیث وسنت بھی ممد ومعاون بنیں گی۔

## پیغمبر ﷺ بحیثیت معلم شریعت

قرآن مجید کی رو سے زندگی کے نقشے میں رنگ بھرنے کا کام نبی ﷺ نے محض بطور احسان کے نہیں کیا ہے، بلکہ بطور فریضۂ نبوت کے کیا ہے۔ یہ کام آپؐ کی نبوت کا جزو لاینفک ہے۔ آپؐ نے ایک معلم کی طرح پوری دلسوزی اور بے مثل شفقت کے ساتھ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی، آپؐ کا معلم ہونا آپؐ کے منصب رسالت ہی کا ایک پہلو ہے۔اس وجہ سے اپنی اس حیثیت میں آپؐ نے جو کچھ لوگوں کو بتایا اور سکھایا اس کو آپؐ کے فرائض نبوت سے نہ تو خارج کیا جاسکتا اور نہ اس کا درجہ اصل کتاب کے مقابل میں گرایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ آپ قرآن مجید کے صرف سنا دینے والے نہ تھے، جیسا کہ منکرین سنت کا گمان ہے، بلکہ اس کے معلم اور مبین بھی تھے، جیسا کہ قرآن کا بیان ہے:

﴿هو الذی بعث فی الأمین رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفی ضلال مبين﴾ (الجمعۃ-۶۲:۲) وہی خدا ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

جس طرح نبی ﷺ نے احکامی آیات کے اجمالات کی وضاحت فرمائی اسی طرح حکمت کے دقیق اشارات قرآن میں ہیں ان کی بھی وضاحت فرمائی۔ یہی چیز ہے جس کی بابت نبی ﷺ نے فرمایا:

"ألا إنی أوتيت القرآن ومثله معه " (الكفاية فی علم الرواية، باب ما جاء فی التسوية بين حكم كتاب الله تعالی وحكم سنة رسول الله ﷺ فی وجوب العمل ولزوم التكليف) دیکھو، مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے مثل اور بھی۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثل قرآن ہے۔سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایۂ قرآن ہے۔ اس لئے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے۔ ہم ان دونوں کو مقدم ومؤخر نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کر سکتے اور کسی کو ادنی و اعلی نہیں قرار دے سکتے - دونوں دین کے قیام کے لئے یکساں ضروری ہیں۔''(۱)

۲-ص ۳۳۳ سطر ۱۷''......مقابل میں لاکر رکھ دی گئیں۔''(سے آگے ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

''سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن نہ ہو تو سنت کیا کرے گی؟ اس کی عمارت کس چیز پر استوار ہوگی؟ سنت کی اساس تو بہرحال قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے بغیر سنت کھڑی نہیں ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میں روح اور قالب کا تعلق ہے۔ ان میں اجمال و تفصیل کا تعلق ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالی کی جانب سے ہیں۔ دونوں یک جان دو قالب ہیں اور ہم دونوں کے یکساں محتاج ہیں۔''(۲)

۳-ص ۳۴۶ سطر ۵''......دیا جائے۔''(سے آگے ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

''اس کو مثال سے سمجھ لیجئے:

پہلی تخصیص کی مثال یہ ہے کہ چوری پر قطع ید کے عام حکم کی تخصیص، مثلاً ربع دینار والی روایت سے کی گئی۔ یعنی قطع ید کا حکم صرف ان چوروں پر نافذ ہوگا جنہوں نے کم از کم ربع دینار کی چوری کی ہو۔ متعلقہ آیت یہ ہے:

﴿السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزآء بما كسبا نكالا من الله﴾ (المائدۃ-۵: ۳۸) اور چور مرد اور چور عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے کئے کی پاداش اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر۔

اس کو تخصیص کرنے والی روایت یہ ہے:

''عن عائشة عن النبى ﷺ قال: تقطع يد السارق فى ربع دينار فصاعدا" (سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی ما یقطع فیہ السارق) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار یا زیادہ مالیت کی چوری پر کاٹا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قطع ید کا حکم آیت میں تو عام ہے، لیکن حدیث نے اس کو یوں کر دیا کہ اس پر ربع دینار کی قید عائد کر دی۔ یعنی قطع ید کا حکم صرف ان چوروں پر نافذ ہوگا جنہوں نے کم از کم ربع دینار کی چوری کی ہو۔ یہ تخصیص لفظ ''سارق'' کے صحیح مفہوم کی، جو آیت سے مراد ہے، وضاحت ہے۔ اس لئے کہ ''سارق'' ہر چھوٹی موٹی چیز اٹھا لینے والے کو نہیں کہتے، بلکہ محفوظ مال سے کسی ایسی چیز کی چوری کو کہتے ہیں جس کی کچھ قدر و قیمت ہو۔ یہ گویا لفظ 'سارق' کے مفہوم کے مضمرات میں سے ہے جس کو حدیث نے واضح کر دیا۔ اس

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۳۳-۳۵

(۲) نفس مصدر، ص: ۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تخصیص سے آیت کا صحیح مفہوم معین ہوگیا اور اس کے الفاظ کے عموم سے جو التباس پیدا ہوسکتا تھا اسکی راہ مسدود ہوگئی۔اس کو تخصیص کہتے ہیں۔''(۱)

۴-ص ۳۴۷ سطر ۱۲ ''......ایک امر اجتہادی کی ہوگی'' (سے آگے ملاحظہ فرمائیں) لکھتے ہیں:

''یہ امر یہاں واضح رہے کہ ایک خلیفۂ راشد کے اجتہاد کی دین میں بڑی اہمیت ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہر عموم کے لئے کچھ فطری قیدیں اور تخصیصات ہوتی ہیں جو اس عموم کی مقترن اور ہمزاد ہوتی ہیں، مثلاً آیت توریث اپنے حکم میں عام ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین فإن کن نسآء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترك وإن کانت واحدة فلها النصف ولأبویه لکل واحد منهما السدس مما ترك إن کان له ولد فإن لم یکن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث فإن کان له إخوة فلأمه السدس من بعد وصیة یوصی بها أو دین اٰبآؤکم وأبنآؤکم لاتدرون أیهم أقرب لکم نفعا فریضة من الله إن الله کان علیما حکیما﴾ (النساء-۴:۱۱) اللہ تمہاری اولاد کے باب میں تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے برابر ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے زائد ہیں تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر اکیلی ہے تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کا چھٹا حصہ ہے۔ جو مورث نے چھوڑا، اگر میت کے اولاد ہو۔ اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد ہیں جو وہ کر جاتا ہے۔ تم اپنے باپوں اور بیٹوں کے متعلق یہ نہیں جان سکتے کہ تمہارے لئے سب سے زیادہ نافع کون ہوگا۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے۔ بے شک اللہ ہی علم وحکمت والا ہے۔

آیت کے حکم کی عمومیت کا ظاہر تقاضا تو یہ ہے کہ ہر باپ اپنے بیٹے کا اور ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو۔ لیکن اس کے اندر یہ تخصیص مضمر ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہے گا بلکہ یہ چیز توارث میں مانع ہوجائیگی۔اس مضمر حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے یوں کھول دیا:

''عن أسامة بن زید أن النبی ﷺ قال: لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم'' (صحیح البخاری: کتاب الفرائض، باب لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم وإذا أسلم قبل أن یقسم المیراث فلا میراث له) حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص:۴۱، ۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہی صورت چوری پر قطع ید کے حکم کے عموم کی ہے۔اس کا عموم تو بظاہر یہی ہے کہ ہر عمر، ہر حیثیت، ہر معیار عقل وفہم کی ہر چوری پر یہ سزا نافذ ہو۔لیکن اس عموم کے اندر یہ مضمر ہے کہ چور عاقل و بالغ ہو، اس کی دماغی حالت درست ہو، وہ مبتلائے اضطرار نہ ہو، شئ مسروقہ کی مقدار اتنی ہو کہ اس پر چوری کا اطلاق ہو سکے اور فعل کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں تعمد پایا جاتا ہو، یہ ساری باتیں اس عموم کے اندر روز اول سے مضمر ہیں جن کو روایات اور فقہاء کے اجتہادات نے واضح کر دیا۔"(۱)

۵-ص ۳۶۲ سطر ۵ "...... مستحق بناتی ہے" (سے آگے ملاحظہ فرمائیں) فرماتے ہیں:

فقہاء مخصص اور مخصص میں اقتران کی جو شرط لگاتے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے قرائن و آثار روز اول سے مخصص کے اندر موجود ہوتے ہیں۔اگر کوئی چیز اس طرح کے کسی قرینہ کے بغیر کسی حکم پر وارد ہو جائے تو وہ مخصص نہیں، بلکہ وہ ناسخ کہلائے گی اور قرآن میں نسخ کے لئے جو شرط ہے۔وہ اوپر وضاحت سے بیان ہو چکی ہے۔"(۲)

● ● ●

(۱) مبادئ تدبر حدیث، ص: ۴۳، ۴۵

(۲) نفس مصدر، ص: ۴۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

# انکارِ حدیث کا نیا رُوپ

## اصلاحی اُسلوبِ تدبّرِ حدیث

تألیف

غازی عُزیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# فہرست عنوانات

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|

## باب سوم



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۱۷ | کثرت سے احادیث روایت کرنے والے صحابہؓ | ۵۷ |
| ۱۸ | سب سے زیادہ فتاویٰ دینے والے صحابہؓ | ۵۸ |
| ۱۹ | عبادلہ کون صحابہؓ ہیں؟ | ۵۹ |
| ۲۰ | صحابہؓ کرام کی تعداد | ۶۱ |
| ۲۱ | طبقات صحابہؓ | ۶۱ |
| ۲۲ | صحابہؓ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ | ۶۳ |
| ۲۳ | آخری صحابی باعتبارِ عمر | ۶۳ |
| ۲۴ | آخری صحابی باعتبار فضائل | ۶۴ |
| ۲۵ | مقام صحابیت کی معرفت کا فائدہ | ۶۴ |
| ۲۶ | حیات صحابہ پر چند معروف تصانیف | ۶۵ |
| ۲۷ | ''صحابہؓ کرام اور شرف صحابیت، اصلاحی صاحب کی نظر میں'' | ۶۶ |
| ۲۸ | تعدیل صحابہؓ پر ایک موضوع حدیث سے استدلال | ۶۷ |
| ۲۹ | مشہور صحابی رسول (ابن عمرؓ) کی طرف ایک قول کی غلط نسبت | ۷۴ |
| ۳۰ | خلاصۂ کلام | ۸۳ |
| ۳۱ | حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کی صحابیت کا ثبوت | ۸۹ |
| ۳۲ | ''حنفی اصول فقاہتِ راوی'' پر اصلاحی صاحب کا بیجا اعتماد | ۹۱ |
| ۳۳ | فقہ الراوی اور مناظرہ بین امام ابوحنیفہ وامام اوزاعی رحمہا اللہ | ۹۷ |
| ۳۴ | حضرت ابو ہریرہؓ کی فقاہت کا ثبوت | ۱۱۵ |

## باب چہارم

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| | سند کی لازوال عظمت اور فن جرح وتعدیل کا تعارف | ۱۲۳ |
| ۳۵ | سند کی تعریف | ۱۲۳ |
| ۳۶ | سند کی اہمیت ازروئے قرآن | ۱۲۵ |

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
| --- | --- | --- |


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





● ● ●

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



باب سوم

# صحابۂ کرامؓ اور شرف صحابیت

اس باب کا آغاز ہم جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے ان زریں الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

''نبی ﷺ کے علم و عمل کے منتقل ہونے کا اولین ذریعہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم ہیں، اس وجہ سے امت میں ان کو اولیت و عظمت کا جو مقام حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ امت کے گل سرسبد وہی ہیں۔ یہ مقام وہ مقام ہے کہ جس کے بعد امت میں کسی اور کو وہ درجہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ساری دنیا کو دین انہی صحابہؓ کے ذریعہ سے ملا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے ان کو بڑا درجہ دیا ہے، پیغمبر ﷺ نے بھی ان کو بڑا درجہ دیا ہے اور ہمارے محدثین نے بھی ان کو جو درجہ دیا ہے خواہ ماثور اور منقول نہ ہو لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس سے اختلاف کیا جائے۔''(۱)

ان سطور میں جناب اصلاحی صاحب نے صحابۂ کرامؓ کے مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا، البتہ ان کی فضیلت کے جس اکلوتے سبب کو آں محترم نے بالجزم بیان کیا ہے اس کے بارے میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اللہ عز و جل اور رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو محض اپنی آنے والی نسلوں تک احکام دین منتقل کرنے کی بناء پر ہی یہ مقام عطا کیا ہے؟ نیز یہ کہ محدثین نے ان کو جو مقام دیا ہے، آیا وہ ماثور و منقول ہے یا نہیں؟ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات قارئین کرام کو ان شاء اللہ آگے آنے والی بحثوں میں از خود مل جائیں گے، لیکن پہلے ہم ذیل میں ''صحابی'' اور ''شرف صحابیت'' سے متعلق چند ضروری امور کا مختصر تعارف پیش کریں گے:

## ''صحابی'' کی لغوی تعریف

شیخ عبدالوہاب عبداللطیف اور ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

"الصحابة" لغة مصدر بمعنى "الصحبة" ومنه "الصحابي" و "الصاحب" ويجمع على "أصحاب" و "صحب" وكثر استعمال "الصحابة" بمعنى الجمع ."(۲)

یعنی ''لغوی اعتبار سے 'صحابہ' مصدر ہے جس کے معنی 'صحبت' کے ہیں۔ اسی سے لفظ 'صحابی' اور 'صاحب' ماخوذ ہے۔ اس کی جمع 'اصحاب' اور 'صحب' آتی ہے۔ 'صحابہ' کا بکثرت استعمال بمعنی جمع (اصحاب) ہوتا ہے۔''

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۷۶

(۲) حاشیہ بر تدریب الراوی: ۲/۲۰۶، تیسیر مصطلح الحدیث: ص ۱۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بظاہر لغوی اعتبار سے یہ لفظ کثرت ملازمت، مصاحبت طویل اور استمرار مجالست کا متقاضی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ محمد جمال الدین قاسمیؒ، محی السنہ علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی سے ناقل ہیں:

"وإن كانت اللغة تقتضى أن الصاحب هو من كثرت ملازمته" (۱)

امام ابن الجوزیؒ کا قول ہے:

"الصحبة تطلق ويراد مطلقها وهو المراد فى التعريف وتأكيدها بحيث يشتهر به وهى المشتملة على المخالطة والمعاشرة ۔ فإذا قلت فلان صاحب فلان لم ينصرف يعنى عرفا إلا للمؤكدة كخادم فلان" ۔(۲)

اور امام سخاویؒ، ابوعبداللہ ابن رشید ایضاح سے ناقل ہیں:

"وهو لغة يقع على من صحب أقل ما يطلق عليه اسم صحبة فضلا عمن طالت صحبته وكثرت مجالسته۔"(۳)

لیکن علامہ خطیب بغدادیؒ، علامہ زین الدین عراقیؒ اور علامہ سخاویؒ وغیرھم نے "صحابی" کی لغوی تحقیق کے سلسلہ میں قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"لا خلاف بين أهل اللغة فى أن القول، "صحابى" مشتق من "الصحبة" وأنه ليس بمشتق من قدر منها مخصوص بل هو جار على كل من صحب غيره قليلا كان أو كثيرا كما أن القول مكلم ومخاطب وضارب مشتق من المكالمة والمخاطبة والضرب وجار على كل من وقع منه ذلك قليلا كان أو كثيرا وكذلك جميع الأسماء المشتقة من الأفعال وكذلك يقال صحبت فلانا حولا ودهرا وسنة وشهرا ويوما وساعة فيوقع اسم المصاحبة بقليل ما يقع منها وكثيره وذلك يوجب فى حكم اللغة إجراء هذا على من صحب النبى ﷺ ولو ساعة من نهار، هذا هو الأصل فى اشتقاق الاسم، ومع ذلك فقد تقرر للأئمة عرف فى أنهم لايستعملون هذه التسمية إلا فيمن كثرت صحبته واتصل لقاؤه ولا يجرون ذلك على من لقى المرء ساعة ومشى معه خطى وسمع منه حديثا فوجب لذلك أن لايجرى هذا الاسم فى عرف الاستعمال إلا على من هذه حاله الخ۔" (۱)

---

(۱) حصول المأمول للنواب: ص ۶۵، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۰

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۸

(۳) نفس مصدر: ۴/ ۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''اہل لغت کے مابین اس قول کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے کہ 'صحابی'، 'صحبۃ' کے مادہ سے مشتق ہے، یہ صحبت کی کسی خاص مقدار سے مشتق نہیں ہے، بلکہ اس کا اجراء ہر اس شخص پر یکساں ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے ساتھ صحبت اختیار کرے، خواہ اس صحبت کی مدت کم ہو یا زیادہ جس طرح کہ اقوال: 'مکلم'، مخاطب' اور 'ضارب'، 'المکالمۃ'، المخاطبۃ' اور 'الضرب' سے مشتق ہیں اور ان کا اجراء ان امور (مکالمہ، مخاطبہ، ضرب) میں واقع ہونے والے پر بلا تمیز قلت و کثرت مقدار کیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ افعال سے مشتق ہونے والے تمام دوسرے اسماء کا بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''میں نے فلاں کے ساتھ ایک حول (بارہ ماہ) ایک طویل مدت، ایک سال، ایک ماہ، ایک دن، ایک گھنٹہ کی صحبت اختیار کی ہے۔'' پس مصاحبت کا اسم قلیل و کثیر دونوں مصاحبتوں پر یکساں واقع ہوتا ہے، لہذا الغت کے حکم میں یہ چیز ہر اس شخص پر اسم 'صحابی' کے اجراء کی موجب ہے جس نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی ہو خواہ اس صحبت کی مدت دن کی ایک ساعت ہی ہو۔ اور یہ چیز ہی اشتقاق الاسم میں اصل ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ائمہ (اصول) کے نزدیک یہ بات معروف قرار پا چکی ہے کہ وہ لوگ اس تسمیہ کا استعمال صرف اس شخص ہی پر کرتے ہیں جس نے نبی ﷺ کی بکثرت صحبت اٹھائی ہو اور جس کی نبی ﷺ سے ملاقات کا سلسلہ متصل رہا ہو۔ یہ ائمہ اسم صحابی کا اجراء اس شخص پر نہیں کرتے جو کبھی ایک ساعت آپؐ سے ملاقی ہوا ہو یا کچھ دور آپؐ کے ساتھ چلا ہو یا آپؐ سے کوئی حدیث سن لی ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ عرف الاستعمال میں اس اسم (صحابی) کا اجراء نہ کیا جائے مگر اس صورت میں جو اوپر مذکور ہو چکی ہے الخ۔''

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطیؒ اصحاب اصول کی رائے نقل کرنے بعد گویا ہوتے ہیں:

"قالوا وذلك معنى الصحابى لغة، ورد بإجماع اللغة على أنه مشتق من الصحبة لا من قذر منها مخصوص وذلك يطلق على كل من صحب غيره قليلا كان أو كثيرا، يقال صحبت فلانا حولا وشهرا و يوما وساعة" (۲) مزید تفصیل کے لئے ''لسان المیزان'' لجمال الدین محمد بن مکرم بن منظور (ج۱ ص۹۱۵)، ''تاج اللغۃ'' لاسماعیل بن حماد الجوہری (ص۱۶۱-۱۶۲) ''تاج العروس'' لمحمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی (ج۳ ص۱۸۶)، ''مختار الصحاح'' لابی بکر الرازی (ص۳۵۶) اور ''القاموس المحیط'' للفیروزآبادی مجدی بن محمد یعقوب وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## ''صحابی'' کی اصطلاحی تعریف

'صحابی' کے اصطلاحی معنی کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ عموماً اس بارے میں علماء کے چھ مشہور

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص۵۱، فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۵، التقیید والایضاح للعراقی: ص۲۵۶، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۴-۸۵

(۲) تدریب الراوی للسیوطی: ۲/۲۱۰-۲۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اقوال ملتے ہیں، جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:

## ۱- پہلا قول

جو کہ جمہور محدثین کے نزدیک معروف ہے، حافظ زین الدین عراقیؒ کے اس مصرعہ کے مصداق ہے ۔

"رأى النبي مسلما ذو صحبة" (۱)

اس مصرعہ میں ''رائی''،''رأی''، سے اسم فاعل ہے، ''النبی'' ﷺ مضاف الیہ، ''مسلما'' اسم فاعل کا حال، اور ''ذو صحبۃ'' خبر مبتدا ہے۔ بالفاظ دیگر اس مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ: "من رأى النبي ﷺ في حال إسلامه". یعنی وہ شخص جس نے نبی ﷺ کو حالت اسلام میں دیکھا وہ صحابی ہے۔ جمہور محدثین اور اصولیین وغیرہم اسی طرف گئے ہیں۔ شرف صحابیت کے لئے مجرد رؤیت کو کافی سمجھا گیا ہے، خواہ ایک لمحہ کے لئے ہی ہو اور اگرچہ اس کے ساتھ نہ مجالست واقع ہوئی ہو نہ مماشاۃ (یعنی آپؐ کے ساتھ چلنے) اور مکالمہ کا شرف ہی حاصل ہوا ہو جیسا کہ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"ذهب إليه الجمهور من المحدثين والأصوليين وغيرهم، اكتفاء بمجرد الرؤية ولو لحظة وإن لم يقع معها مجالسة ولا مماشاة ولا مكالمة لشرف منزلة النبي ﷺ". (۲)

لغوی اعتبار سے تو مجرد ''رؤیت'' کے لئے اسلام شرط نہیں ہے لیکن متفقہ طور پر اسم ''صحبت'' میں کفار داخل نہیں ہیں اگرچہ کہ انہیں بھی نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ہو، لہذا علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"إلا أن الإسلام لا يشترط في اللغة والكفار لا يدخلون في اسم الصحبة بالاتفاق وإن رأوه ﷺ". (۳)

کبار محدثین میں سے امام احمد بن حنبلؒ ''صحابی'' کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

"من صحبه سنة أو شهرا أو يوما أو ساعة أو راٰه فهو من أصحابه".(۴)

یعنی ''جس نے ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک ساعت بھی آپؐ کی صحبت پائی یا آپ کو دیکھا، وہ آپ کے اصحاب میں سے ہے۔''

---

(۱) الفیۃ الحدیث للعراقی: ص ۴۵

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ج ۴ ص ۷۷

(۳) نفس مصدر: ۴/ ۷۸

(۴) نفس مصدر: ۴/ ۷۷، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام ابن الجوزیؒ وغیرہ نے امام احمد بن حنبلؒ کا ایک تفصیلی قول یوں نقل کیا ہے:

''امام احمد بن حنبلؒ عشرۂ مبشرہ، مہاجرین اور انصار کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان سب کے بعد افضل الناس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں یہ وہ قرن (زمانہ) ہے کہ جس میں ان کے درمیان نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔ جس نے آں ﷺ کی ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک ساعت بھی صحبت اٹھائی یا فقط آپ کو دیکھ ہی لیا تو وہ آپؐ کے اصحاب میں سے ہے۔ اس کی صحابیت اس کی صحبت کی مقدار کے مطابق ہی ہے جس کو آپؐ کے ساتھ سابقہ پڑا یا جس نے آپؐ سے کچھ سنا، یا جس نے آپؐ کی طرف ایک نظر دیکھ ہی لیا تو باعتبار صحبت وہ صحابہؓ کرامؓ میں ادنی درجہ کا ہونے کے باوجود بھی اس زمانہ کے لوگوں سے بہر حال افضل ہے جنہوں نے کہ آں ﷺ کو نہیں دیکھا ہے الخ۔'' (۱)

امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں:

"من صحب النبی ﷺ أو رآه ولو ساعة من نهار فهو من أصحاب النبی ﷺ". (۲)

یعنی ''جس نے نبی ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپؐ کو دیکھا خواہ دن کی ایک ساعت ہی ہو تو وہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ہے۔''

امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ فرماتے ہیں:

"الصحابی من صحب النبی ﷺ أو رآه من المسلمین". (۳)

یعنی ''مسلمانوں میں سے جس نے نبی ﷺ کی صحبت پائی ہو یا آپؐ کو دیکھا ہو۔''

''صحیح البخاری'' کے مشہور شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے صحابی کی تعریف میں اپنے شیخ امام علی بن المدینیؒ کے کلام پر جزم کیا ہے۔'' (۴)

جبکہ علامہ سخاویؒ بیان کرتے ہیں کہ صحابی کی تعریف میں امام بخاریؒ نے اپنے شیوخ میں سے امام علی بن المدینیؒ کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ کی اتباع بھی کی ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں: "وتبعهما تلمیذهما البخاری (فقال به)". (۱)

---

(۱) مناقب الامام احمد لابن الجوزی: ص ۱۶۱، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۹-۱۰۰، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص ۵۱

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ج ۴ ص ۷۷، فتح الباری لابن حجر: ج ۷ ص ۵ بحوالہ المستخرج لابی القاسم ابن مندہ

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری: ج ۷ ص ۳، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص ۵۱، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۵۱

(۴) فتح الباری لابن حجر: ۷/ ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمان المعروف بابن الصلاح الشہر زوریؒ (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ اہل علم حضرات کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ صحابی کس کو کہتے ہیں، لیکن محدثین کے معروف طریقہ کے مطابق ہر وہ مسلم جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو وہ صحابی ہے۔(اختلف أهل العلم فی أن الصحابی فی المعروف من طریقة أهل الحدیث أن کل مسلم رأی رسول الله فهو من أصحابه). (۲)امام ابن تیمیہؒ نے اس بارے میں امام مالکؒ کا قول یوں نقل کیا ہے:"من صحب رسول الله ﷺ سنة أو شهرا أو یوما أو رآه مؤمنا به فهو من أصحابه، له من الصحبة بقدر ذلك". (مجموعہ فتاوی: ج۲۰ص۲۹۸)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"الصحابی کل مسلم رأی النبی ﷺ ولو ساعة، هذا هو الصحیح فی حده وهو قول أحمد بن حنبل والبخاری فی صحیحه والمحدثین کافة". (۳)

یعنی ''صحابی ہر وہ مسلمان ہے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا، خواہ ایک ساعت ہی کے لئے دیکھا ہو۔ یہ حد صحابیت کے لئے صحیح تر بات ہے۔امام احمد بن حنبل اور امام بخاریؒ (کا ان کی الجامع الصحیح میں) نیز محدثین کافہ کا یہی قول ہے۔''

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں:

"اختلف فی حد الصحابی فالمعروف عند المحدثین أنه کل مسلم رأی رسول الله ﷺ". (۴)

حافظ ابن تیمیہؒ حضرت ابوسعید خدریؓ کی صحیحین میں مروی ایک حدیث سے فائدہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"وقد بین فی هذا الحدیث أن حکم الصحبة یتعلق بمن رآه مؤمنا به فإنه لابد من هذا" (مجموع فتاوی: ج۲۰ص۲۹۸)

شیخ عبدالقادر قرشی حنفیؒ فرماتے ہیں:

"اختلف فی حد الصحابی فالمعروف عند المحدثین أنه کل مسلم رأی النبی

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۷

(۱۲) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۵۱

(۳) ما تمس حاجۃ القاری لیہ صحیح الامام البخاری للنووی: ص ۱۰۳، التعلیقات الأثریۃ علی المنظومۃ البیقونیۃ للشیخ علی حسن علی عبد الحمید: ص ۲۱ (طبع اردن)

(۴) تقریب مع تدریب الراوی: ۲/ ۲۰۸-۲۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صلى الله عليه وسلم ". (۱)

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا قول ہے:

"اختلف فی حد الصحابی فالمعروف عند المحدثین أنه کل مسلم رأی رسول الله صلى الله عليه وسلم کذا قال ابن الصلاح ونقله عن البخاری وغیره" . (۲)

یعنی ''صحابی کی تحدید کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، پس محدثین کے نزدیک معروف بات یہ ہے کہ صحابی ہر وہ مسلم شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، جیسا کہ حافظ ابن الصلاحؒ نے فرمایا اور امام بخاریؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔''

اب جب کہ رؤیت ہی مدار صحابیت قرار پائی تو اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات اور ان کے جوابات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(الف) کیا اہل کتاب میں سے وہ مومن شخص کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت شریفہ سے قبل دیکھا ہو، صحابہ میں داخل ہے؟ مثلاً زید بن عمرو بن نفیل کہ جس کے متعلق حسب روایت امام نسائیؒ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "إنه یبعث یوم القیامة أمة وحده" ـــــ تو ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الإصابة فی تمییز الصحابة'' کے مقدمہ میں اس بات کی نفی پر جزم اختیار کیا ہے، حالانکہ ابن مندہؒ نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اسکے ساتھ تعرض کیا ہو۔ (۳)

(ب) کیا صحابیت کے لئے یہ بات شرط ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قبل از بعثت ایمان لا چکا ہو اسے لازماً بعد از بعثت بھی آپ کی رؤیت کا شرف حاصل ہو؟ مثال کے طور پر بحیرا راہب وغیرہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پیش کرنے سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس بارے میں امام ابن حجر عسقلانیؒ کا موقف یہ ہے کہ: ''یہ محل احتمال ہے۔'' چنانچہ آں رحمہ اللہ نے قبل از بعثت ہونے کے سبب بحیرا راہب کا تذکرہ ''الإصابة'' میں ''القسم الرابع'' کے تحت کیا ہے جبکہ ورقہ بن نوفل کا ذکر ''القسم الاول'' کے تحت کرتے ہیں کیونکہ وہ بعد از بعثت لیکن قبل از دعوت اسلام آپؐ پر ایمان لایا تھا، باوجود اس کے آں رحمہ اللہ اس کی صحبت پر جزم اختیار نہیں فرماتے بلکہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الکتاب الجامع مع الجواہر المضیئة: ۲/ ۴۱۱ (۲) تدریب الراوی: ۲/ص ۲۰۸-۲۰۹

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۲، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۴، التقیید والایضاح للعراقی ص ۲۵۴، الإصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر: ۱/ ۱۰، تدریب الراوی للسیوطی: ۲/ ۲۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


"وفي إثباتها له نظر" یعنی ''اس کی صحابیت کا اثبات محل نظر ہے۔'' علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''اسی طرح ابن مندہؒ نے اس شخص کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے جس نے قبل از نبوت آں ﷺ کو دیکھا پھر بعثت کا زمانہ بھی پایا اور اسلام لے آیا لیکن بحالت اسلام آپ کو دوبارہ نہیں دیکھا۔'' حافظ عراقیؒ کا قول ہے: "ولم أر من تعرض لذلك" لیکن بعد نبوت رؤیت معتبر ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم اور عبداللہ کو صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے لیکن نبوت سے قبل آپؐ کے جو بچے فوت ہو گئے تھے مثلاً قاسم وغیرہ، ان کو صحابہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔(۱)

(ج) کیا وہ شخص دائرہ صحابیت میں داخل رہے گا جو اسلام قبول کرنے اور رؤیت حاصل ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے بحیثیت مومن آں ﷺ کو دیکھا، پھر مرتد ہو گیا اور اسلام کی طرف نہ لوٹا حتیٰ کہ اسی حالت ارتداد میں مر گیا تو ہرگز وہ صحابی نہیں ہے، اس بات پر سب کا اتفاق ہے، مثال کے طور پر عبداللہ بن جحش (کہ جو ام حبیبہ کا شوہر تھا اور ام حبیبہ کے ساتھ اسلام لایا تھا، پھر حبشہ ہجرت کی اور وہاں جا کر نصرانی ہو گیا اور نصرانیت پر ہی مرا)، ربیعہ بن امیہ، مقیس بن صبابۃ اور عبداللہ بن خطل وغیرہ۔ لیکن جو شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے لیکن اسلام کی طرف لوٹنے کے بعد دوبارہ اسکو نبی ﷺ کی رویت نہ ہو، تو بھی صحیح اور معتمد بات یہ ہے کہ وہ صحابہ میں ہی شمار ہوگا جیسا کہ محدثین نے اشعث بن قیس اور قرہ بن ھبیرہ وغیرھما کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صحاح و مسانید میں انکی احادیث کی تخریج کی ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس سے اپنی بہن کی شادی بھی کی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "وهذا التعريف مبنى على الأصح المختار عند المحققين كالبخارى وشيخه أحمد بن حنبل وتبعهما". لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ صحابی شمار نہ یا جائے گا کیونکہ ارتداد سے صحبت نبوی اور اس کی فضیلت ساقط ہو گئی۔ حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں: ''انہیں صحابہ میں داخل کرنا محل نظر ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے: "إن الردة محبطة للعمل"، لیکن اس سے مراد بظاہر صحبت سابقہ کا زائل ہو جانا معلوم ہوتا ہے۔ بقول علامہ عراقی و سیوطیؒ وغیرھما: ''جو شخص نبی ﷺ کی زندگی میں ہی دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے مثلاً عبداللہ بن ابی سرح تو اس کے دخول فی الصحبة میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔''(۱)

(د) کیا اس شخص کو صحابی شمار کیا جائیگا جس نے نبی ﷺ کو آپ کی وفات کے بعد لیکن تدفین سے قبل

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۸۲/۴ (ملخصا)، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۴، الاصابۃ لابن حجر: ۱۰/۱، تدریب للسیوطی: ۲۰۹/۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیکھا ہو؟ جیسا کہ شاعر ابو ذؤیب الھذلی کا معاملہ ہے......تو اس کا جواب عز ابن جماعہ کے قول کے مطابق یہ ہے:"لا علی مشھور" لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:"إن صح محل نظر والراجح عدم الدخول"۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا قول ہے:"فإنه لا صحبة له"۔ حافظ عراقیؒ کا قطعی فیصلہ ہے کہ: "لیس بصحابی علی المشھور" حافظ رحمہ اللہ نے اس قسم کی رؤیت سے اثبات صحابیت کی نفی کی ہے، چنانچہ "التقیید والإیضاح" میں فرماتے ہیں:''رؤیت صرف اس وقت معتبر سمجھی جائے گی جب کہ وہ نبی ﷺ کی اس دنیاوی زندگی میں واقع ہوئی ہو۔ اس شرط کی وجہ خود ظاہر ہے، کہ نبوت تو نبی ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی منقطع ہو چکی تھی (فإنه قد انقطعت النبوة بوفاته ﷺ)"۔۔۔ لیکن حافظ علائیؒ کا قول ہے کہ نبی ﷺ کی قبل از تدفین رؤیت اور آپؐ پر نماز جنازہ پڑھنے کے شرف کے باعث اگر کسی شخص پر حکم صحبت لگایا جائے تو یہ بعید نہیں ہے، بلکہ آپ کے معاصرین جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا یا جو آپؐ کی حیات طیبہ میں پیدا تو ہوئے لیکن صغیر سن ہی تھے کہ آپ ﷺ وفات پا گئے، ایسے اشخاص کو جن علماء نے صحابہ میں شمار کیا ہے ان کی بات صحت سے زیادہ قریب تر ہے۔ علامہ بدر الزرکشیؒ کا قول بھی یہی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:''ہاں حافظ ابن عبد البرؒ کا ظاہر کلام درست ہے کیونکہ صحبت اس شخص کیلئے ثابت ہے جس نے آپؐ کی حیات طیبہ میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس کو آپؐ کی رؤیت کا شرف حاصل نہ ہوا تھا مگر قبل از تدفین اس نے آپ کا جسد مبارک دیکھ لیا تھا''۔

علامہ بلقینیؒ نے اس پر جزم اختیار کیا ہے کہ وہ آپؐ کی رؤیت کے حصول شرف کے باعث صحابی شمار کیا جائے گا اگرچہ کہ اس کو آپؐ سے سماع کا موقع نہ ملا ہو۔ آپ فرماتے ہیں:''امام ذہبیؒ نے ''التجرید'' میں ایسے لوگوں کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔'' لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے زرکشیؒ کے مذکورہ کلام کے برخلاف ایسے افراد کو حد صحابیت میں داخل نہ کرنے کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ آں رحمہ اللہ کا اس بارے میں فیصلہ انتہائی واضح ہے، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:"الظاھر أنه غیر صحابی" (بظاہر وہ غیر صحابی ہے)۔ آں رحمہ اللہ کا ''صحابی'' کی تعریف میں "قبل انتقاله من الدنیا" کے الفاظ کا اضافہ فرمانا بھی اسی موقف کا عکاس ہے۔(۱)

(ھ) کیا وہ شخص صحابی شمار ہوگا جس کو حالت کفر میں نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ہو مگر وہ آپؐ کی

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۳-۸۴ (ملخصا)، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۳، الاصابۃ لابن حجر: ۱/۱۱-۱۲، فتح الباری لابن حجر: ۷/۴، التقیید والایضاح للعراقی: ص ۲۵۱-۲۵۲، تدریب الراوی: ۲/۲۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


وفات کے بعد اسلام قبول کرے؟۔اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے آپؐ کو کفر کی حالت میں دیکھا ہو لیکن آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اسلام قبول کرے، مثال کے طور پر سفیر قیصر تو وہ ہرگز صحابی شمار نہ کیا جائیگا۔(۲)

(و) کیا وہ جنات بھی صحابہ میں شامل ہیں جنہوں بحالت اسلام نبی ﷺ کو دیکھا تھا؟۔۔اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ وہ جنات بھی صحابہ میں شامل ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا اور آپؐ پر ایمان لائے تھے، کیونکہ آں ﷺ قطعی طور پر ان کی طرف بھی مبعوث کئے گئے تھے اور انسانوں کی طرح جنات کو بھی مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ان میں گناہگار اور نیکوکار ہر دو طرح کے جن ہیں، چنانچہ امام ابن حزم اندلسیؒ اپنی مشہور کتاب ''المحلی'' کی کتاب الأقضیۃ میں فرماتے ہیں کہ ''جس نے جنات کے صحابی نہ ہونے پر اجماع کا دعوی کیا ہے، اس نے امت پر جھوٹ باندھا ہے کیونکہ ہمیں اللہ تعالی نے یہ علم عطا فرمایا ہے کہ جنوں میں سے ایک فرد ایمان لایا اور اس نے نبی ﷺ سے قرآن کریم سنا، پس وہ بھی فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ابوموسی المدینیؒ نے بعض جنات کو کہ جنہیں وہ جانتے تھے اپنی کتاب ''الصحابۃ'' میں تخریج فرمایا ہے۔علامہ ابن الاثیرؒ کا ابو موسی المدینی کی اس تخریج پر اس لئے نکارت فرمانا کہ اس دعوی کے قابل حجت ہونے کی کوئی سند نہیں ہوتی، ناقابل التفات ہے۔''(۳)

(ز) کیا وہ لوگ بھی صحابہ میں شمار ہوں گے جنہیں بحالت خواب یا بذریعہ کشف وکرامت نبی ﷺ کا دیدار ہوا ہے؟۔اسکا جواب یہ ہے کہ وہ اولیاء جن کو بذریعہ کشف وکرامت نبی ﷺ کا دیدار ہوا ہے وہ دائرہ صحابیت سے خارج ہیں۔(۴) اسی طرح وہ شخص بھی کہ جس نے خواب کی حالت میں آں ﷺ کا دیدار کیا صحابہ میں داخل نہیں ہے جیسا کہ علامہ بلقینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہما نے بالجزم بیان کیا ہے۔حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ''عالم شہادت میں رؤیت واقع ہونے کی شرط بھی ظاہر ہے۔''(۵)

(ح) کیا وہ ملائکہ اور انبیاء کرام بھی صحابہ کے حکم میں داخل ہیں جن کو شب معراج رسول اللہ ﷺ کی رؤیت ہوئی تھی؟۔اسکا جواب یہ ہے کہ علامہ بلقینیؒ نے شب معراج جن ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا تھا، انہیں صحابہ میں داخل نہیں کیا ہے کیونکہ اس رؤیت کا معاملہ عالم دنیا سے متعلق

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ج۴ ص۸۰-۸۱، فتح المغیث للعراقی ۳۴۴، فتح الباری لابن حجر: ۷/۴، الإصابۃ لابن حجر: ۱/۱۳، التقیید للعراقی: ص۲۵۴، تدریب الراوی: ۲/۲۰۹

(۲) فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۴، تدریب الراوی: ۲/۲۰۹

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۰، فتح الباری: ۷/۴، الإصابۃ: ۱/۱۰-۱۱، أسد الغابۃ: ۸/۱۹، کتاب الجامع مع الجواہر المضیۃ للقرشی: ۲/۴۱۴، المحلی لابن حزم: ۹/۳۶۵، التقیید للعراقی ص۲۵۴، تدریب الراوی: ۲/۲۱۰

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۰، فتح الباری: ۷/۴، الإصابۃ: ۱/۸

(۵) التقیید: ص۲۵۴، فتح الباری: ۷/۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


نہ تھا، البتہ وہ حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کو صحابہ میں داخل سمجھتے ہیں۔ امام ذہبیؒ نے بھی ''التجرید'' میں حضرت عیسی علیہ السلام کا تذکرہ صحابہ میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔ دوسرے تمام انبیاء سے ان کے اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا سے بحیات اٹھا لئے گئے تھے، دوبارہ پھر آپ زمین پر نازل ہوں گے، دجال کو قتل کریں گے اور حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق حکم دیں گے۔ ان تین وجوہ کی بناء پر آں علیہ السلام کو صحابہ کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے۔ حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں: ''جہاں تک ان انبیاء کو صحابہ میں شامل کرنے کا تعلق ہے کہ جنہوں نے نبی ﷺ کو شب معراج آسمانوں میں دیکھا تھا تو جاننا چاہئے کہ وہ سب انبیاء مثلاً حضرات ابراہیم و یوسف و موسی و ہارون و یحیی علیھم السلام وفات پا چکے ہیں، لہذا بلا شک وشبہ ان میں سے کسی پر صحبت نبوی کا اطلاق نہیں ہوسکتا کہ ان پر یہ رؤیت موت کے بعد واقع ہوئی ہے۔ پھر ان انبیاء کا مقام اکبر صحابہ کے رتبہ سے بھی بدرجہا عظیم واجل ہے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰؑ کا نبی ﷺ کو آسمان میں دیکھنے کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ آسمان نہ تو تکلیف کا محل ہے اور نہ ہی مکلفین پر جاری احکام کے اثبات کا، لہذا جس نے آں ﷺ کو آسمانوں میں دیکھا ان کے لئے اسم صحبت ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ آپ ﷺ کا حضرت عیسی علیہ السلام کو زمین پر دیکھنا صحیح مسلم کی حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث سے ثابت ہے جو اس طرح ہے...... اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آں ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کو بیت المقدس میں دیکھا تھا، اور اگر معاملہ ایسا ہو تو ان پر صحبت کے اطلاق میں کوئی مانع نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جب آں علیہ السلام دوبارہ نازل ہوں گے تو ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے پیروکار رہوں گے، نہ کہ اپنی سابقہ شریعت کے الخ۔''

اسی طرح بعض مصنفین نے ملائکہ کو بھی صحابہ میں داخل کیا ہے، جس کی بنیاد یہ سوال ہے کہ آں ﷺ کو فرشتوں کی طرف بھی مبعوث کیا گیا تھا یا نہیں؟ حلیمیؒ ملائکہ کی طرف آں ﷺ کے مبعوث نہ ہونے کی طرف گئے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے ''شعب الایمان'' میں اس کی توقیر کی ہے بلکہ فخر الدین رازیؒ نے ''أسرار التنزیل'' میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ برھان النسفیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس چیز کو بیان کیا ہے لیکن اس بارے میں ان دونوں نے نزاع کیا ہے۔ تقی السبکیؒ اس کے مقابل مسلک یعنی ملائکہ کی طرف آں ﷺ کے مرسل ہونے کو راجح بتاتے ہیں لیکن اس کی شرح و بیان محتاج طوالت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''ملائکہ کو اس اصل پر صحابہ میں داخل کرنے کی بناء کی صحت محل نظر ہے جو کہ پوشیدہ نہیں ہے۔'' یہاں جو کچھ آں رحمہ اللہ نے فرمایا، وہ ظاہر ہے لیکن ''فتح الباری'' میں آں رحمہ اللہ اس کے برخلاف مشار الیہ بناء کی طرف گئے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنے رسالہ: "تزيين الأرائك بإرساله عليه السلام إلى الملائك" اور اپنی کتاب ''الحبائک فی اخبار الملائک'' میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی ﷺ ملائکہ کی طرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی بحیثیت نبی مبعوث کیے گئے تھے، لیکن یہ ارسال تشریفی یا بطور تکلیف خاص تھا۔ علامہ زرقانیؒ نے بھی ''شرح المواھب الدینیۃ'' میں اس موقف کی تائید کی ہے،(۱) واللہ اُعلم بالصواب۔

(ط) کیا جو بچے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت صغیر سن تھے، صحابہ میں شمار ہوں گے یا نہیں ......اس سوال کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ جہاں تک ایسے چھوٹے بچوں کے صحابی ہونے کا تعلق ہے جو سن تمیز کو نہ پہنچے ہوں، مثلاً عبداللہ بن الحارث بن نوفل اور عبداللہ بن ابی طلحہ الانصاری وغیرھما کہ جن کی تحنیک رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور دعاء بھی فرمائی تھی اور محمد ابن ابی بکر الصدیق کہ جو نبی ﷺ کی وفات سے صرف تین ماہ کچھ دن قبل ہی متولد ہوئے تھے، پس اگر ان سب کی طرف نبی ﷺ کی رؤیت کی نسبت درست نہ ہو تو بھی یہ بات تو برحق ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تھا۔ پس وہ اس خاص حیثیت سے صحابی ہوئے۔ جن علماء اور محققین نے صحابہ کرامؓ کی تاریخ وسیر پر کتب تصنیف کی ہیں ان میں سے متعدد مصنفین اس طرف گئے ہیں، لیکن اس کے برخلاف علامہ سفاقسیؒ، شارح البخاریؒ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر کی حدیث، کہ جن کے چہرہ پر فتح مکہ کے سال نبی ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا، کے متعلق یوں لکھتے ہیں: "إن كان عبد الله هذا عقل ذلك أو عقل عنه كلمة كانت له صحبة وإلا كانت له فضيلة وهو فى الطبقة الأولى من التابعين". حافظ ابوسعید العلائیؒ بھی ''جامع التحصیل'' میں اسی طرف گئے ہیں چنانچہ بعض صغیر سن صحابہ مثلاً عبداللہ بن الحارث بن نوفل کے متعلق فرماتے ہیں: "لا صحبة له بل ولا رؤية مرسل قطعا وحديثه مرسل قطعا الخ". اسی طرح عبداللہ بن ابی طلحہ الانصاری کے متعلق لکھتے ہیں: "ولا يعرف له رؤية بل هو تابعي وحديثه مرسل".(۲)

حافظ عراقی اور سیوطی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: 'النکت' میں ہے کہ ائمہ میں سے یحییٰ بن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم، ابو داؤد اور ابن عبدالبر وغیرھم کا ظاہر کلام ہے کہ بوقت رؤیت عقل وتمیز کا ہونا صحابیت کے لئے شرط ہے، چنانچہ یہ ائمہ ان بچوں کے لئے صحبت کو ثابت نہیں سمجھتے جن کی کہ نبی ﷺ نے تحنیک فرمائی تھی یا جن کے چہروں پر اپنا دست مبارک پھیرا تھا، مثال کے طور پر محمد بن حاطب بن الحرث، عبدالرحمٰن بن عثمان التیمی، عبیداللہ بن معمر، محمود بن الربیع، عبداللہ بن الحارث بن نوفل، عبداللہ بن ابی طلحہ، محمد بن ثابت بن قیس بن شماس، یحییٰ بن خلاد بن رافع الزرقی، محمد بن طلحہ بن عبیداللہ، عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر، عبداللہ بن عامر بن

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۱-۸۲، الإصابۃ: ۱/ ۱۱، ۳/ ۵۱-۵۲، فتح الباری: ۷/ ۴-۵، التقیید والإیضاح: ص ۲۵۴-۲۵۵، شعب الایمان للبیھقی: ۱/ ۳۷۱، التجرید للذھبی: ۱/ ۴۶۲، المنھاج فی شعب الإیمان للحلیمی: ۱/ ۲۳۷، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۰

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۸-۷۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۴، التقیید الإیضاح ص ۲۵۲، تدریب الراوی: ۲/ ۲۰۹-۲۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کریز، عبدالرحمان ابن عبدالقاری اور یوسف بن عبداللہ بن سلام وغیرھم۔"(۱)

ذیل میں صغیر سن صحابہ کے متعلق ان ائمہ کے چند اقوال بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

محمد بن حاطب، جو کہ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، کے متعلق امام یحیی بن معینؒ فرماتے ہیں: "له رواية" لیکن ان کی صحبت کا تذکرہ نہیں کرتے۔ عبدالرحمان بن عثمان التیمی کے متعلق ابوحاتم الرازیؒ فرماتے ہیں:

"كان صغيرا له رؤية وليست له صحبة".

یعنی "وہ بہت چھوٹے تھے، ان کو رؤیت تو ہوئی لیکن صحبت کا موقع نہیں ملا"۔ محمود بن الربیع وفات النبی ﷺ کے وقت صرف پانچ سال کے تھے، چنانچہ ان کے متعلق امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: "له رؤية وليست له صحبة" عبیداللہ بن معمر کے متعلق حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: "بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کو صحبت حاصل ہے، لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ ان کو لڑکپن میں رؤیت کا موقع ملا تھا۔" عبداللہ بن الحارث بن نوفل اور عبداللہ بن ابی طلحہ کے متعلق حافظ ابوسعید العلائیؒ کا قول اوپر گزر چکا ہے۔ محمد بن ثابت بن قیس بن شماس کی بھی آپ ﷺ نے تحنیک فرمائی تھی اور محمد نام تجویز فرمایا تھا، علائیؒ فرماتے ہیں: "وليست له صحبة فحديثه مرسل" حالانکہ امام ابن حبانؒ نے ان کا تذکرہ صحابہ میں کیا ہے، یحیی بن خلاد بن رافع الزرقی کے متعلق حافظ ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ: "نبی ﷺ نے ان کی تحنیک فرمائی تھی اور ان کا نام یحیی رکھا تھا" لیکن علائیؒ فرماتے ہیں: "وهو تابعي لا تثبت له رؤية". محمد بن طلحہ بن عبیداللہ کو ان کے والد نبی ﷺ کی خدمت میں لائے تھے۔ آپؐ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، ان کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ علائیؒ فرماتے ہیں: "ولم يذكر أحد فيما وقفت عليه له رؤية بل هو تابعي". عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر کے متعلق امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: "انہوں نے صغرسنی میں نبی ﷺ کو دیکھا تھا۔" علائیؒ کا قول ہے کہ "جب نبی ﷺ نے وفات پائی اس وقت حضرت عبداللہ بن ثعلبہ کی عمر چار سال تھی۔ عبداللہ بن عامر بن کریز کو بھی نبی ﷺ کی خدمت میں اس وقت لایا گیا تھا جب کہ آپ بہت چھوٹے تھے۔ امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: "وما أظنه سمع منه ولا حفظ عنه بل حديثه مرسل". عبدالرحمان بن القاری کے متعلق امام ابوداؤدؒ کا قول ہے: "ان کو نبی ﷺ کے پاس اس وقت لایا گیا تھا جب کہ وہ ایک بچہ تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: "ليس له سماع ولا رواية عن النبي بل هو من التابعين". اور یوسف بن عبد اللہ بن سلام کے متعلق امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: "له رؤية ولا صحبة له". (۱)

لیکن اس بارے میں زیادہ قوی تر بات یہ ہے کہ ایسے صغیر سن تمام لوگ صحابہ ہی میں شمار ہوں گے

---

(۱) التقیید والایضاح للعراقی: ص۲۵۲، تدریب الراوی للسیوطی: ۲/۲۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔اس موضوع پر مزید کچھ بحث ان شاء اللہ آگے ''تیسرا قول'' کے تحت بھی بیان کی جائے گی۔ یہاں حافظ ابوسعید العلائیؒ وغیرہ کے مذکورہ بالا تمام اقوال کے متعلق شیخ محمود ربیع کا یہ قول نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ:

''بعض علماء نے تمیز کے شرط صحابیت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہر دو اقوال کے مابین یوں جمع وتطبیق پیدا کی ہے کہ تمیز فقط رسول اللہ ﷺ سے نقل روایت کے لئے شرط ہے۔ان کی فضیلت اور قرن اول میں ان کے شمار کے لئے تمیز کا ہونا شرط نہیں ہے۔''(۲)

مذکورہ بالا ان تمام بحثوں سے جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ: ''صحابی کی تعریف میں آزاد وغلام، مذکر ومؤنث (اور انسان وجنات ہر طرح کے مسلمان یکساں طور پر شامل ہیں کیونکہ اس کی تعریف میں اصلا رؤیت کی تعبیر غالب ہے (نہ کہ حریت اور جنس کی تعبیر۔) اسی طرح وہ تمام اشخاص جو بحیثیت مسلمان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن اپنی عدم بصارت کے باعث آپؐ کی رؤیت کے شرف سے محروم رہے، مثلاً ابن ام مکتوم وغیرہ تو وہ بھی (فاعل رؤیت کے حکم میں مانے جائیں گے، لہذا) بلا تردد واختلاف صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔اسی باعث متعدد محققین نے صحابی کے لئے رویت کے بجائے لقاء کو زیادہ معتبر بتایا ہے۔''(۳)

حافظ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: "وأورد عليه إن كان فاعل الرؤية الرائى الأعمى كابن أم مكتوم ونحوه فهو صحابى بلا خلاف ولا رؤية له". (۴)

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

"العبارة السالمة من الاعتراض أن يقال: الصحابى من لقى النبى ﷺ مسلما ثم مات على الإسلام". (۵)

یعنی ''تمام اعتراضات سے محفوظ عبارت یوں کہنا ہے کہ صحابی وہ شخص ہے جو نبی ﷺ سے مسلم کی حیثیت سے ملاقی ہوا، پھر اسلام ہی پر فوت ہوا۔''

علامہ عبدالقادر قرشی حنفیؒ فرماتے ہیں:

"وقال كثير من أصحاب الحديث أنه يقع على من لقى الرسول وسمع منه شيئا

---

(۱) التقیید والایضاح: ص۲۵۲-۲۵۳ ملخصا

(۲) حاشیہ بر فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۴

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۷۸ بتصرف یسیر

(۴) تدریب الراوی: ۲/۲۰۹

(۵) فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۳، التقیید والایضاح: ص۲۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ولو مرة". (۱)

یعنی ''اکثر محدثین کہتے ہیں کہ صحابی نام اس پر واقع ہوتا ہے جس کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو اور اس نے آپؐ سے سماع کیا ہو، خواہ ایک ہی بار ہو۔''

علامہ محمد جمال الدین قاسمی الدمشقیؒ (م ۱۳۳۲ھ) ''بیان معنی الصحابی'' کے زیر عنوان محی السنہ علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ سے نقل فرماتے ہیں:

"هو من لقى النبى ﷺ مؤمنا به ولو ساعة سواء روى عنه أم لا .......... فقد ورد ما يدل على إثبات الفضيلة لمن لم يحصل منه إلا مجرد اللقاء القليل والرؤية ولو مرة .......... ولا الرؤية لأن من كان أعمى مثل ابن أم مكتوم قد وقع الاتفاق على أنه من الصحابة الخ". (۲)

مشہور حنفی عالم شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی (م ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

"والصحابى من لقى النبى ﷺ مؤمنا به ومات على الإسلام ولو تخللت ردة الخ". (۳)

اور شیخ عبدالرحمان بن عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری فرماتے ہیں:

"من لقى النبى ﷺ مؤمنا به ومات على الإسلام ولو تخللت ذلك ردة فى الأصح ...... والمراد باللقى ما هو أعم من المجالسة والمماشاة والجلوس معه ﷺ قليلا أو كثيرا الخ". (۴)

یعنی ''صحابی وہ شخص ہے جس نے بحالت ایمان نبی ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی وفات پائی ہو، خواہ اسلام لانے اور مرنے کے درمیانی وقفہ میں وہ مرتد ہو گیا ہو۔ اور اس ملاقات کا مفہوم نبی ﷺ کے ساتھ مجالست، مماشاۃ اور جلوس سے زیادہ عام ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔''

## ۲۔ دوسرا قول:

اکثر فقہاء اور بعض علمائے اصول کے نزدیک صحابی وہ شخص ہے جس کو نبی ﷺ کی طویل صحبت، آپؐ

---

(۱) کتاب الجامع مع الجواہر المضیئۃ للقرشی: ۲/۴۱۱

(۲) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۰، حصول المأمول لصدیق حسن: ص ۶۵

(۳) قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۴۸

(۴) تحفۃ أھل الفکر فی مصطلح أھل الأثر: ص ۲۷-۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے ساتھ علی طریق التبع کثرت مجالست اور آپؐ سے اخذ کا موقع ملا ہو، چنانچہ علامہ سخاویؒ بیان کرتے ہیں:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابی ہونے کے لئے مجرد رؤیت کافی نہیں ہے بلکہ کوئی بھی شخص اس وقت تک صحابی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس نے نبی ﷺ کے ساتھ اپنی صحبت کو طول نہ دیا ہو اور آپؐ کی اتباع نیز آپؐ سے اخذ دین کے طریق پر آپؐ کے ساتھ کثرت مجالست نہ اختیار کی ہو۔''(۱)

علامہ ابن الصباغؒ نے اپنی کتاب ''العدۃ'' میں اس پر جزم اختیار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"الصحابی هو الذی لقی النبی ﷺ وأقام معه واتبعه دون من وفد علیه خاصة وانصرف من غیر مصاحبة ولا متابعة"۔ (۲)

یعنی ''صحابی وہ ہے جس کی نبی ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو، آپؐ کے ساتھ وہ ٹھہرا ہو اور اس نے آپؐ کی اتباع بھی کی ہو، نہ کہ وہ جو خاص وفد کی صورت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بغیر مصاحبت ومتابعت کے لوٹ گیا۔''

اسی طرح ابوالحسینؒ ''المعتمد'' میں فرماتے ہیں:

"هو من طالت مجالسته له علی طریق التبع له والأخذ عنه، أما من طالت بدون قصد الاتباع أو لم تطل کالوا فدین فلا"۔ (۳)

یعنی ''صحابی وہ ہے جو آپ کی اتباع کے طریق پر اور آپؐ سے اخذ شریعت کے لئے آپؐ کی طویل مجالست اختیار کرے، لیکن ایسا شخص جو اتباع کے قصد کے بغیر طویل مجالست اختیار کرے یا اپنی مجالست کو طول نہ دے مثال کے طور پر وفود میں آنے والے لوگ تو وہ صحابی نہیں ہیں۔''

حافظ ابن الصلاحؒ بیان کرتے ہیں کہ:

" بلغنا عن أبی المظفر السمعانی المروزی أنه قال أصحاب الحدیث یطلقون اسم الصحابة علی کل من روی عنه حدیثا أو کلمة ویتوسعون حتی یعدون من رآه رؤیة من الصحابة وهذا لشرف منزلة النبی ﷺ أعطوا کل من رآه حکم الصحبة وذکر أن اسم الصحابی من حیث اللغة والظاهر یقع علی من طالت صحبته للنبی ﷺ وکثرت مجالسته له علی طریق التبع له والأخذ عنه قال وهذا طریق

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۴

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۴، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵، التقیید: ص ۲۵۶

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الأصوليين". (۱)

یعنی ''ابوالمظفر سمعانی مروزیؒ کا یہ قول ہم تک پہنچا ہے کہ اصحاب الحدیث (محدثین) اسم صحابہ.. کا اطلاق ہر اس شخص پر کرتے ہیں جس نے نبی ﷺ سے کوئی حدیث یا کلمہ روایت کیا ہو اور اس میں اس قدر وسعت کرتے ہیں کہ جنہوں نے آپؐ کو ایک نظر دیکھا ہو انہیں بھی صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہ بات نبی ﷺ کے رتبہ ومقام کے شرف کے باعث ہے کہ ہر وہ شخص جس نے آپ کو دیکھا ہو اس پر صحبت کا حکم لگایا جائے۔ (پھر علامہ سمعانیؒ) فرماتے ہیں کہ اسم ''صحابی'' لغوی اور ظاہری اعتبار سے اس شخص پر واقع ہوتا ہے جس نے نبی ﷺ کے ساتھ اپنی صحبت کو طول دیا ہو اور علی طریق التبع آپؐ کے ساتھ بکثرت مجالست اختیار کی ہو اور آپؐ سے (علم دین) اخذ کیا ہو۔ (علامہ سمعانیؒ مزید) فرماتے ہیں کہ یہ علمائے اصول کا طریق ہے۔''

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"وذهب كثير من أهل الفقه والأصول إلى أنه من طالت صحبته له ﷺ". (۲)

یعنی ''اہل فقہ اور اصولیین میں سے بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ جو لمبے عرصہ تک نبی ﷺ کی صحبت میں رہا ہو وہ صحابی ہے۔''

اسی طرح ابن فورکؒ کا قول ہے:

"هو من أكثر مجالسته واختص به ولذلك لم يعد الوافدون من الصحابة". (۳)

یعنی ''صحابی وہ ہے جو بکثرت نبی ﷺ کی مجالست اختیار کرے اور اس کے لئے ہی خاص ہو کر رہے لہٰذا آں ﷺ کے پاس وفد کی صورت میں آنے والے اشخاص صحابہ میں شمار نہ ہونگے۔''

جہاں تک اوپر بیان کئے گئے امام نوویؒ کے قول کا تعلق ہے تو جاننا چاہیئے کہ یہاں "كثير من أهل الفقه والأصول" میں "أهل الأصول" سے مراد ''اکثر علمائے اصول'' نہیں بلکہ صرف ''بعض علمائے اصول'' ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر خود امام نوویؒ اور شیخ عبدالقادر قرشی حنفیؒ وغیرہما بیان کرتے ہیں:

"وعن أصحاب الأصول أو بعضهم أنه من طالت مجالسته على طريق التبع". (۱)

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ص۲۵۵-۲۵۶، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۵، فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۴-۳۴۵، التقیید والإیضاح: ص۲۵۵-۲۵۶

(۲) ماتمس إلیہ حاجۃ القاری لصحیح الامام البخاری للنووی: ص۱۰۳، شرح مسلم للنووی: ۱/ ۳۶

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۴-۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اور شارح ''تقریب النواوی'' علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وعن أصحاب الأصول أو بعضهم أنه من طالت مجالسته له على طريق التبع له والأخذ عنه بخلاف من وفد عليه وانصرف بلا مصاحبة ولا متابعة".(۲)

نیز فرماتے ہیں:

"وقول المصنف "أو بعضهم" من زيادته لأن كثيرا منهم موافقون لما تقدم نقله عن أهل الحديث" . (۳)

اور شیخ ابوالمظفر السمعانیؒ کے مذکورہ بالا قول کے متعلق حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

''ابن السمعانیؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ دو وجوہ کے باعث محل نظر ہے۔ پہلی وجہ تو یہ کہ انہوں نے جو کچھ اہل لغت سے حکایت کی ہے اس پر قاضی ابوبکر بن الباقلانی نے ان کے قول کے بر خلاف اہل لغت کا اجماع نقل کیا ہے۔ جسے علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ'' میں قاضی الباقلانی سے یوں نقل فرمایا ہے: (پھر آں رحمہ اللہ ''الکفایۃ'' کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں جو کہ اوپر ''صحابی کی لغوی تعریف'' کے تحت گزر چکی ہے)، دوسری وجہ یہ ہے کہ علامہ سمعانیؒ نے علمائے اصول سے اس کی جو حکایت کی ہے تو یہ اصولیین میں سے صرف بعض ائمہ کا قول ہے جیسا کہ آمدی نے امام احمد وغیرہ سے حکایت کی ہے کہ " ان الصحابی من رآه "یعنی'' صحابی وہ ہے جس نے آں ﷺ کو دیکھا ہو۔'' پھر فرماتے ہیں :"أنه الأشبه"اسی چیز کو ابن الحاجب نے بھی پسند کیا ہے (کیونکہ صحبت قلیل و کثیر دونوں کے لئے عام ہے) قاضی ابوبکر نے جو چیز پسند کی اور ائمہ سے نقل کی، وہ یہ ہے کہ حد صحابیت میں کثرت صحبت اور استمرار لقاء کا اعتبار ہوگا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی بعض علماء سے اسی طرح حکایت کی ہے الخ۔''(۴)

اسی طرح امام ابو عبداللہ السخاویؒ (م ۹۰۲ھ) بھی فرماتے ہیں:

''اور ابن السمعانیؒ نے جو علمائے اصول سے اس بات کی حکایت کی ہے تو یہ تمام علمائے اصول کا نہیں بلکہ ان میں سے صرف بعض اصولیین کا طریقہ ہے۔ جمہور اصولیین تو پہلے طریقہ (یعنی محدثین کے طریقہ) کے ہی قائل ہیں، اسی طرح ان کا یہ دعوی فرمانا بھی محل نظر ہے کہ ''یہ تعریف لغوی اعتبار سے ہے'' کیونکہ قاضی ابوبکر الباقلانیؒ نے اہل لغت سے بدون اختلاف جو حکایت نقل کی ہے وہ اس دعوی کی تردید کرتی

---

(۱) تقریب للنووی مع تدریب: ۲/۲۱۰، کتاب الجامع مع الجواهر المضیۃ للقرشی: ۲/۴۱۱

(۲) تدریب الراوی: ۲/۲۱۰-۲۱۱

(۳) نفس مصدر: ۲/۲۱۰-۲۱۱

(۴) التقیید والایضاح: ص ۲۵۶، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہے، آپ فرماتے ہیں:

"وذلك يوجب في حكم اللغة إجراء الصحبة على من صخب النبي ﷺ ولو ساعة من نهار هذا هو الأصل في اشتقاق الاسم ومع ذلك فقد تقرر للأئمة عرف في نهم لا يستعملون هذه التسمية إلا فيمن كثرت صحبته واتصل لقاؤه ولا يجرون ذلك على من لقي المرء ساعة ومشى معه خطى وسمع منه حديثا فوجب لذلك أن لا يجري هذا الاسم في عرف الاستعمال إلا على من هذه حاله"۔ (۱)

علامہ عراقی وسخاوی رحمہما اللہ مزید فرماتے ہیں:

'' آمدی کا قول ہے: "الأشبه أن الصحابي من رآه وحكاه عن أحمد وأكثر صحابنا واختاره ابن الحاجب أيضا لأن الصحبة تعم القليل والكثير فلو حلف أن لا صحبه حنث بلحظة". (۲)

اگر بغور دیکھا جائے تو طول صحبت اور کثرت مجالست کی یہ شرط کچھ زیادہ معقول نظر نہیں آتی، چنانچہ لامہ سخاویؒ بجا طور پر فرماتے ہیں:

'' پھر جو طول صحبت یا کثرت مجالست کے قائل ہیں ان میں سے کسی نے بھی اس طول کو (باضابطہ اور) ندر معین بیان نہیں کیا ہے جیسا کہ امام غزالیؒ وغیرہ نے صراحت کی ہے، لیکن شارح البزدوی نے ان میں سے بعض علماء سے چھ ماہ کی تحدید نقل کی ہے۔'' (۳)

یہاں بعض لوگ حضرت انسؓ کے اس قول سے وہم میں مبتلا ہو سکتے ہیں جسے ابن سعد نے '' الطبقات لکبری'' میں عن علی بن محمد عن شعبۃ عن موسی السیلانی یوں روایت کیا ہے:

"قال أتيت أنس بن مالك فقلت هل بقي من أصحاب رسول الله ﷺ أحد غيرك قال بقي ناس من الأعراب قد رأوه فأما من صحبه فلا". (۱)

یعنی '' میں حضرت انس بن مالک کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ کے علاوہ بھی رسول

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۵، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵، التقیید والإیضاح: ص ۲۵۶، علوم الحدیث: ص ۲۶۳، الإرشاد للنووی: ۲/ ۴۷۷، حکام للآمدی: ۲/ ۱۳۰، المسودۃ: ص ۲۹۲، المستصفی للغزالی: ۱/ ۱۶۵، التمهید لابی الخطاب: ۳/ ۱۷۳-۱۷۴

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص ۵۱، الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۳۰-۱۳۱، تلقیح فهوم أهل ثر: ص ۴۸، شرح مسلم للنووی: ۱/ ۳۵-۳۶، الإرشاد للنووی: ۲/ ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۷۹، تهذیب الأسماء: ۲/ اص ۱۷۳-۱۷۴، بیان المختصر: ۱/ ۷۱۴-۷۱۵، وم الحدیث: ص ۲۶۳، مقدمۃ أسد الغابۃ: ۱/ ۱۹، صحیح البخاری مع الفتح: ۷/ ۳، ۵، المسودۃ: ص ۲۹۲

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۶، المستصفی للغزالی: ۱/ ۱۶۵، التقریر والتحبیر: ۲/ ۲۶۱، جامع الأصول: ۱/ ۱۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی باقی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اعراب یعنی بدوؤں میں سے کچھ لوگ بچے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا مگر جن کو آپؐ کی صحبت حاصل تھی ان میں سے باقی نہیں ہے۔"

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ "یہ روایت باسناد جید مروی ہے۔ امام مسلم نے اسے امام ابوزرعہؒ کی موجودگی میں بیان کیا ہے۔" (۲) مگر حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ "اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات سے حضرت انس کی مراد ان اعراب کی محض صحبت نبوی کی نفی فرمانی نہیں بلکہ خصوصی صحبت نبوی کے اثبات کی تھی۔" (۳)

اسی طرح امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"وكان مستند ابن عبد البر قول أنس لمن سأله أأنت آخر الصحابة: قد بقي قوم من الأعراب فأما من أصحابه فأنا آخرهم ولكن قوله بخصوصه قابل للتاويل بحمله على صحبة خاصة أو إنه ذكر ما علمه كما يجاب به عن ابن عبد البر وقد أشرت إلى ذلك فى تعريف الصحابي". (۴)

محدثین میں سے امام ابو زرعہ الرازیؒ اور امام ابوداؤد وغیرہما کے کلام میں بھی بعض ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ آں رحمہما اللہ کے نزدیک صحبت مجرد رؤیت سے اخص تھی چنانچہ طارق بن شہاب کے متعلق ان کا قول مشہور ہے: "له رؤية وليست له صحبة"۔ (۵) اسی طرح عاصم الاحول سے منقول ہے: "قد رأى عبد الله بن سرجس رسول الله ﷺ غير أنه لم يكن له صحبة".......(۱) اور شعبہؒ سے منقول ہے: "كان جندب بن سفيان أتى البنى ﷺ وإن شئت قلت له صحبة". (۲) اور یعقوب کی روایت میں ہے: "قد كان جندب بن عبد الله العلقي أتى

---

(۱) اخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق: ۳/۱۷۶، وأورده المزی فی تهذیب الکمال ۳/۳۷۶

(۲) مقدمہ ابن الصلاح: ص ۲۵۸، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۵، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵، تدریب الراوی: ۲/۲۱۱

(۳) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵-۳۴۶، تدریب الراوی: ۲/۲۱۱

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۳۵، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵، ۳۴۶، التقیید والایضاح: ص ۲۷۰، علوم الحدیث: ص ۲۷۰، تلقیح فهوم أهل الأثر لابن الجوزی: ص ۲۲۸، الطبقات الکبری لابن سعد: ۷/۲۵-۲۶، الطبقات للخلیفة: ص ۹۱، التاریخ الکبیر للبخاری: ۱-۲ص ۲۷-۲۸، التاریخ الصغیر للبخاری: ص ۹۱، ۱۰۱، ۱۰۲، المعارف: ص ۱۳۴، مشاهیر علماء الأمصار: ۳۷، المستدرک للحاکم: ۳/۵۷۳، المعجم الکبیر: ۱/۲۲۲، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳/۱۵۲، ۱۵۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۸/۸۳۳، تهذیب الأسماء: ج ۱/ اص ۲۷-۲۸، تذکرة الحفاظ ج ۱ص ۴۴-۴۵، العبر ج ۱ص ۱۰۷-۱۰۸، سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۰۵، ۴۰۶، تهذیب التهذیب: ۱/۳۷۸

(۵) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۵، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۵، التقیید: ص ۲۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



النبی ﷺ وإن شئت قلت قد صحبه". (۳)......لیکن ان تمام اقوال کی مراد بھی وہی ہے جو کہ اوپر بیان ہو چکی ہے، یعنی عام صحبت کی نفی نہیں بلکہ صرف خصوصی صحبت کی نفی، چنانچہ حافظ عراقیؒ (۸۰۶ھ) اور حافظ سخاویؒ، امام ابوزرعہ اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ کے ان اقوال کے متعلق فرماتے ہیں:

"أراد أبو زرعة وأبو داؤد نفی الصحبة الخاصة دون العامة". (۴)

یعنی امام ابوزرعہ اور امام ابوداؤد کی مراد خاص صحبت کی نفی تھی نہ کہ عام صحبت کی نفی۔"

### ۳- تیسرا قول:

بعض علماء کا قول ہے کہ صرف وہ شخص صحابی شمار کیا جائیگا جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سال دو سال قیام کیا ہو اور آپؐ کی معیت میں ایک دو غزوات میں شریک ہوا ہو۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس قول کی تخریج حضرت سعید بن المسیبؒ سے بطریق ابن سعد عن الواقدی محمد بن عمر قال اخبرنی طلحه بن محمد بن سعید بن المسیب عن ابیه قال کان سعید بن المسیب یقول، یوں کی ہے:

"الصحابة لا نعدهم إلا من أقام مع رسول الله ﷺ سنة أو سنتين وغزا معه غزوة أو غزوتين". (۵)

حافظ ابن الصلاحؒ نے سعید بن المسیب کے اس قول کے متعلق "وقد روينا عن سعيد المسيب" لکھ کر گویا اس کو صحت کے ساتھ معلق کیا ہے، لیکن فرماتے ہیں:

"وكأن المراد بهذا إن صح عنه راجعٌ إلى المحكى عن الأصوليين ولكن فی عبارته ضيق يوجب أن لا يعد من الصحابة جرير بن عبد الله البجلی ومن شاركه فی فقد ظاهر ما اشترطه فيهم ممن لا نعلم خلافا فی عده من الصحابة"(۶)

اسی طرح امام نوویؒ سعید بن المسیب کے زیر بحث قول کے متعلق فرماتے ہیں:

"فإن صح عنه فضعيف فإن مقتضاه أن لا يعد جرير البجلی وشبهه صحابيا

(۱) الکفایۃ للخطیب: ص۵۰، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۵، فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۵

(۲) الکفایۃ للخطیب: ص۵۰ (۳) نفس مصدر: ص۵۰

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۵-۸۶، فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۶

(۵) الکفایۃ للخطیب: ص۵۰، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۶، فتح المغیث للعراقی: ص۳۶۴، التقیید والایضاح: ص۲۵۷، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۵۱-۲۵۶، فتح الباری لابن حجر: ۷/۴، تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۱۱-۲۱۲، اسد الغابۃ: ۱/ ۱۸، الارشاد للنووی: ۲/ ۴۷۷، تلقیح فہوم اہل الأثر: ص۴۸، الجامع مع الجواہر المضیئۃ للقرشی: ۲/ ۴۱۲

(۶) مقدمۃ ابن الصلاح: ص۲۵۶-۲۵۸، فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۶، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ولاخلاف أنهم صحابة". (۱)

یہاں امام ابن الصلاح اور امام نووی رحمہما اللہ کا سعید بن المسیبؒ کی طرف منسوب مذکورہ قول کی صحت پر کلام نہ کر کے صرف اس کے مدلول پر ہی کلام کرنا باعث حیرت ہے مگر علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا اس قول کی توجیہ وتشریح بیان کرنا تو اس سے بھی زیادہ قبیح بات ہے، آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی صحبت ایک عظیم شرف ہے، پس کسی شخص پر اس کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ آپ کے ساتھ اس کا اس قدر طویل اجتماع نہ ہوا ہو کہ اس شخص کے خلق پر آپؐ کے خلق کی چھاپ ظاہر ہونے لگے۔ مثال کے طور پر سفر پر مشتمل غزوات میں آپ کے ساتھ شرکت، اور سفر تو خود عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، اسی طرح سال کی چاروں فصلوں، کہ جن کا مزاج مختلف ہوتا ہے، میں آپ کے ساتھ مصاحبت۔'' (۲)

حق بات تو یہ ہے کہ سعید بن المسیب کی طرف اس قول کی نسبت ہی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی اسناد میں محمد بن عمر الواقدی قطعاً ناقابل اعتبار بلکہ کذاب راوی ہے۔ امام ابو حاتمؒ اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ: ''حدیث گھڑتا ہے۔'' ابن عدیؒ کا قول ہے: "أحاديثه غير محفوظة والبلاء منه". ابن المدینیؒ کا قول ہے کہ: ''واقدی حدیث وضع کرتا ہے'' ابن راھویہؒ کا قول ہے: کہ ''میرے نزدیک وہ حدیث گھڑنے والوں میں سے ہے۔'' امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''کذاب ہے، اخبار کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔'' یحییٰؒ کا قول ہے کہ: ''ثقہ نہیں ہے''، ایک مرتبہ آں رحمہ اللہ نے فرمایا: "ليس بشئ لا يكتب حديثه" امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''اس میں ضعف ہے۔'' امام بخاری، امام رازیؒ اور امام نسائیؒ نے واقدی کو ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔ امام ابن حبانؒ کا قول ہے: "وكان يروى عن الثقات المقلوبات وعن الإثبات المعضلات حتى ربما سبق إلى القلب أنه كان المتعمد لذلك". ابن المدینیؒ فرماتے ہیں: ''واقدی تیس ہزار غریب احادیث روایت کیا کرتا تھا۔ میں اس سے نہ حدیث میں، نہ انساب میں بلکہ کسی بھی چیز میں راضی نہیں ہوں۔'' امام بخاریؒ کا قول ہے: "سكتوا عنه ما عندى له حرف"، علامہ ھیثمیؒ نے بعض مقامات پر اسے ''ضعیف''، ''متروک'' اور ''ضعیف جدا'' بیان کیا ہے۔ لیکن دراوردیؒ کا قول ہے کہ ''واقدی حدیث کے معاملہ میں امیر المؤمنین ہے۔'' ابراہیم الحربیؒ فرماتے ہیں: "الواقدی أمين الناس على الاسلام، كان أعلم الناس بامر الإسلام" محمد بن اسحاق الصنعانیؒ کا قول ہے: ''قسم اللہ کی اگر وہ میرے نزدیک ثقہ نہ ہوتا تو

(۱) تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۱۱-۲۱۲

(۲) تدریب الراوی للسیوطی: ۲/ ۲۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


میں اس سے ہرگز روایت نہ کرتا۔'' مصعب فرماتے ہیں: '' ثقہ مامون تھا''، یزید بن ہارون اور ابوعبید رحمہما اللہ نے بھی واقدی کی توثیق کی ہے۔ لیکن اس بارے میں قطعی بے غبار بات وہ ہے جو امام ذہبیؒ نے یوں بیان کی ہے: "استقر الإجماع على وهن الواقدي". حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "متروك مع سعة علمه" واقدی کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اسی باعث حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

"ولا يصح هذا عن ابن المسيب ففي الإسناد إليه محمد بن عمر الواقدي ضعيف في الحديث". (۲)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر حافظ ابن الصلاحؒ کے کلام پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن المصنف علق القول بصحة ذلك عن سعيد بن المسيب وهو لا يصح عنه فإن في الإسناد إليه محمد بن عمر الواقدي وهو ضعيف في الحديث". (۳)

اسی طرح علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

''سعید بن المسیب کی اس روایت کی صحت پر توقف ظاہر ہے کیونکہ ابن سعد نے اس کی تخریج واقدی کے طریق سے کی ہے اور وہ حدیث روایت کرنے میں ضعیف ہے۔ پھر ابن سعد کی روایت میں ''او'' (بمعنی یا) کے ساتھ یہ الفاظ: "أو غزا معه غزوة أو غزوتين"...... دوسرے مذہب یعنی طول مصاحبت کی طرف ترجیع کے مشابہ ہیں۔ ابن سعد نے آں رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رأيت أهل العلم يقولون غير ذلك ويذكرون جرير بن عبد الله وإسلامه قبل وفاة النبي ﷺ بخمسة أشهر أو نحوها". (۱)

## ۴- چوتھا قول

بعض علماء کے نزدیک صحابی کے لئے طول صحبت کے ساتھ نبی ﷺ سے ''اخذ'' بھی شرط ہے،

(۱) الضعفاء والمتروکین للنسائی: ص ۵۳۱، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۳/ ۱۰۷، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: ص ۴۷۷، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۳/ ۸۷-۸۸، الکامل فی الضعفاء لابن عدی: ۶/ ۲۲۴۵، المجروحین لابن حبان: ۲/ ۲۹۰، الجرح والتعدیل لابن ابن حاتم: ۴/ ۲۰، تاریخ یحیی بن معین: ۳/ ۱۶۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ج ۱/ ص ۱۷۸، العلل المتناھیۃ لابن الجوزی: ۱/ ۲۲۱ ج ۲ ص ۱۶۴، ۲۵۹، الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی: ص ۳۹۶، ذیل طبقات الحفاظ: ص ۳۵۰، میزان الاعتدال للذھبی ۳/ ۶۶۲، تہذیب التھذیب لابن حجر: ۹/ ۳۶۸، تقریب التھذیب لابن حجر: ۲/ ۱۹۴، عیون الأثر لابن سید الناس: ۱/ ۸-۱۳، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/ ۱۱۱، السنن الکبیر للبیھقی: ۱/ ۳۸، ۳۸۲، ۵/ ۳۷، ۶/ ۲۲۱، ۸/ ۵۷، سنن الدارقطنی: ۲/ ۱۵۷، ۱۶۴، ۱۹۲، ۲۱۲، مجمع الزوائد للھیثمی: ۱/ ۲۰۵، ۱۰/ ۲۸۰، ۳۶۰، نصب الرایۃ للزیلعی: ۱/ ۱۱۴، ۱۳۳، ۱۷۰، ۲۴۴، ۲/ ۲۳۳، ۴۳۵، ۴۸۴، ۳/ ۱۷۰، ۲۱۳، ۳۶۸، ۳۷۲، ۴۱۵، ۴/ ۲۴، ۱۸۲

(۲) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۶ (۳) التقیید والایضاح للعراقی: ص ۲۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چنانچہ علامہ نسفیؒ ''کفایہ الفحول فی علم الأصول'' میں فرماتے ہیں:

"اسم الصحابی یقع علی من طالت صحبته مع النبی ﷺ وأخذ عنه وعلیه الجمهور وبه قال الجاحظ ونصره الشیخ أبو عبد الله". (۲)

یعنی ''صحابی نام اس پر واقع ہوتا ہے جس نے نبی ﷺ کے ساتھ طویل صحبت کا شرف پایا ہو اور ان سے اخذ کیا ہو۔ یہی جمہور کی رائے ہے جیسا کہ جاحظ اور شیخ ابوعبداللہ ابن رشید ایضاح نے کہا ہے۔''

آمدیؒ نے بھی عمرو بن یحیی سے اس قول کی حکایت کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمرو بن یحیی کوئی اور نہیں بلکہ ''جاحظ'' ہی ہے جو کہ ائمہ معتزلہ میں سے تھا۔ ثعلب کا اس کے بارے میں قول ہے کہ: "إنه غیر ثقة ولا مأمون" شیخ ابواسحاق ''اللمع'' میں فرماتے ہیں کہ اس کے والد کا نام یحیی بتایا جاتا ہے جو کہ وہم ہے، اس کا صحیح نام عمرو بن بحر ابوعثمان الجاحظ ہے۔ علامہ سخاویؒ وغیرہ فرماتے ہیں:

"ذهب عمرو بن یحيٰ إلی أن هذا الاسم (صحابی) إنما یسمی به من طالت صحبته للنبی ﷺ وأخذ عنه العلم".

ابن الحاجبؒ نے بھی ایسا ہی ایک قول کسی کی طرف منسوب کئے بغیر بیان کیا ہے، لیکن اس قول میں "الأخذ" کے بجائے "الروایة" ہے۔ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ قول عمرو بن یحیی کے علاوہ میں نے کسی سے منقول نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن الحاجب نے اس قول کو آمدی کے کلام سے ہی اخذ کیا ہے۔''(۳)

## ۵- پانچواں قول

بعض علماء رؤیت کے وقت عاقل و بالغ ہونے کی شرط لگاتے ہیں، چنانچہ واقدی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ: میں نے اہل علم حضرات کو دیکھا ہے، کہتے ہیں کہ:

"کل من رأی رسول الله ﷺ وقد أدرك الحلم فأسلم وعقل أمر الدین ورضیه فهو عندنا ممن صحب النبی ﷺ ولو ساعة من نهار".

لیکن حافظ زین الدین عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ بلوغت کی قید کو ''شاذ'' قرار دیتے ہیں۔ اس شرط سے محمود بن الربیع (کہ جن کی عمر پانچ سال تھی) اور ان جیسے بہت سے دوسرے صحابہ، صحابیت کی

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۶-۸۷

(۲) الکتاب الجامع مع الجوهر المضیئة: ۲/۴۱۱

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۸۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۶، الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۳۰، بیان المختصر: ۱/۷۱۴-۷۱۵، مختصر الوصول والأمل: ص ۱۱، لسان المیزان: ۴/ ۳۵۵، تدریب الراوی: ۲/۲۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


فہرست سے خارج ہوجاتے ہیں، حالانکہ ان میں سے بعض ممیّز بھی تھے۔''(۱)

حافظ عراقیؒ ''التقیید'' میں فرماتے ہیں:

''صحیح بات یہ ہے کہ 'بلوغ' حد صحابیت کے لئے شرط نہیں ہے ورنہ اس سے ایسے بہت سے صحابہ خارج ہوجائیں گے جن کے صحابی ہونے پر اجماع ہے مثلاً عبداللہ بن الزبیر اور حسن وحسین رضی اللہ عنھم۔''(۲)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ، نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ سے ناقل ہیں:

"ولا يشترط البلوغ لوجود كثير من الصحابة الذين أدركوا عصر النبوة ورووا ولم يبلغوا إلا بعد موته ﷺ". (۳)

یعنی صحابیت کے لئے بلوغ بھی شرط نہیں ہے کیونکہ صحابۂ کرام میں بہت سے ایسے افراد تھے جنہوں نے عہد نبوت پایا تھا اور نبی ﷺ سے روایت بھی کرتے ہیں لیکن نبی ﷺ کی وفات کے بعد بالغ ہوئے تھے''۔

اس شرط کے ناقابل قبول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ (بعض) اہل علم حضرات سے اس شرط کی حکایت کرنے والا راوی بھی وہی کذاب واقدی ہے، جس کا کہ مختصر تعارف وترجمہ اوپر ''تیسرا قول'' کے تحت گزر چکا ہے۔

## ۶- چھٹا قول:

یحیی بن صالح المصری کا قول ہے:

"هو من أدرك زمنه ﷺ مسلما وإن لم يره". (۴)

یعنی ''جس نے بحیثیت مسلم نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہو وہ صحابی ہے خواہ اس نے آپ کو دیکھا بھی نہ ہو۔''

## بعض اقوال:

حد صحابی کی تعیین کے ضمن میں مذکورہ بالا چھ اقوال کے علاوہ بعض اور اقوال بھی ملتے ہیں، مثال کے

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۴، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۶، التقیید والایضاح: ص ۲۵۲، ۲۵۴، الکفایۃ للخطیب: ص ۵۰، شرح جمع الجوامع للمحلی: ۳/۲۷۱-۲۷۴، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۱/۱۲، تعجیل المنفعۃ: ص ۱۲۶-۱۲۷، اسد الغابۃ: ۱/۱۹، نزھۃ النظر: ص ۱۰۰-۱۰۱، فتح الباری لابن حجر: ۷/۴، الأم: ۶/۱۵۶، تدریب الراوی: ۲/۲۱۲

(۲) التقیید والایضاح: ص ۲۵۴، تدریب الراوی: ۲/۲۱۰

(۳) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۰، حصول المامول للصدیق حسن خان: ص ۶۵

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۴۶-۳۴۷، تدریب الراوی: ۲/۲۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



طور پر علامہ ابوالحسین ابن القطانؒ کا قول ہے:

"هو من ظهر منه مع الصحبة الاتصاف بالعدالة فمن لم يظهر منه ذلك لايطلق عليه اسم الصحبة".(۱)

اور علمائے حنفیہ میں سے قاضی ابوعبداللہ الصمیری کا قول ہے:

"هو من رأى النبى ﷺ واختص به اختصاص الصاحب وإن لم يرو عنه ولم يتعلم منه". (۲)

اور ماوردی کے الفاظ میں شرط یہ ہے کہ:

"أن يتخصص بالرسول ويتخصص به الرسول ﷺ". (۳)

اور الکیا الطبریؒ فرماتے ہیں:

"هو من ظهرت صحبته لرسول الله صحبة القرين قرينه حتى يعد من أحزابه وخدمه المتصلين به". (۴)

لیکن اس آخرالذکر قول کے متعلق صاحب ''الواضح'' فرماتے ہیں :"وهذا قول شيوخ المعتزلة"(۵) یعنی'' یہ شیوخ معتزلہ کا قول ہے'' اور علمائے شیعہ کے نزدیک ''صحابی'' کی تعریف یہ ہے:"الصحبة تشمل كل من صحب النبى ﷺ أو رآه أو سمع منه فهى تشمل المؤمن والمنافق والعادل والفاسق والبر والفاجر...... فالصحبة ليست بمجردها عاصمة تلبس صاحبها إيراد العدالة وإنما تختلف منازلهم وتتفاوت درجاتهم بالأعمال". (نظرية عدالة الصحابة والمرجعية السياسية فى الاسلام للمحاسى ص۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''پہلا قول'' کے تحت بیان کردہ ''صحابی'' کی تعریف کے سوا باقی تمام اقوال وشرائط صحابیت کو بجا طور پر ''شاذ'' قرار دیا ہے، چنانچہ ''الإصابۃ فی تمیز الصحابۃ'' کے مقدمہ میں ''صحابی'' کی تعریف بیان کرنے کے بعد ان اقوال وشرائط پر تعاقب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ووراء ذلك أقوال أخرى شاذة كقول من قال لا يعد صحابيا إلا من وصف

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۸۸/۴
(۲) نفس مصدر: ۸۸/۴
(۳) تدریب الراوی: ۲۱۳/۲
(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۸۴/۴
(۵) نفس مصدر: ۸۴/۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بأحد أوصاف أربعة، من طالت مجالسته أو حفظت روايته أو ضبط أنه غزامعه أو استشهد بين يديه وكذا من اشترط فی صحة الصحبة بلوغ الحلم أو المجالسة ولو قصرت وأطلق جماعة: أن من رأى النبی ﷺ فهو صحابی وهو محمول علی من بلغ سن التمییز إذ من لم یمیز لا تصح نسبة الرؤیة إلیه، نعم یصدق أن النبی ﷺ راٰه فیکون صحابیا من هذه الحیثیة ومن حیث الروایة یکون تابعیا"۔ الخ (۱)

پس جملہ محققین کے نزدیک ''صحابی'' کی نہایت جامع اور مکمل اصطلاحی تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر'' اور ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' کے مقدمہ میں یوں بیان کی ہے:

" الصحابی ... هو من لقی النبی صلی الله علیه وعلی آله وصحبه وسلم مؤمنا به ومات علی الإسلام ولو تخللت ردة فی الأصح والمراد باللقاء أعم من المجالسة والمماشاة ووصول أحدهما الآخر سواء وإن لم یکالمه ویدخل فیه رؤیة أحدهما الآخر سواء کان ذلك بنفسه أو بغیره والتعبیر باللقی أولی من قول بعضهم الصحابی من رأی النبی ﷺ لأنه یخرج حینئذ ابن أم مکتوم ونحوه من العمیان وهم صحابة بلا تردد".(۲)

یعنی ''صحابی وہ شخص ہے جس نے بحالت ایمان حضور پاک ﷺ سے ملاقات کی ہو اگرچہ اسلام لانے اور مرنے کے درمیانی عرصہ میں وہ مرتد ہوگیا ہو اور ملاقات کا مفہوم عام ہے، چنانچہ جس کو حضور پاک کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہو یا ہم سفری نصیب ہو یا ایک دوسرے کو اتفاقاً یا ارادۃً دیکھنے اور باتیں کرنے کا موقع ملا ہو، ان تمام صورتوں کو حضور پاک کی ملاقات ہی تصور کیا جائے گا، اور بعض محدثین نے صحابی کی تعریف میں ملاقات کے بجائے ایک دوسرے کو دیکھنا ذکر کیا ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جیسے محروم بصارت بزرگ تعریف صحابی سے نکل جاتے ہیں حالانکہ وہ بلاشبہ صحابہ میں شامل ہیں۔''(۳)

اور

"أن الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به ومات علی الإسلام، فیدخل فیمن لقیه من طالت مجالسته له، أو قصرت، ومن روی عنه أو لم یرو، ومن غزا معه أو لم

---

(۱) الاصابۃ لابن حجر: ۱/۱۲-۱۳

(۲) شرح نخبۃ الفکر لابن حجر

(۳) تفہیمات اردو ترجمہ شرح نخبۃ الفکر للکاشمیری ص ۲۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يغز، ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه ولم يره لعارض كالعمى، ويخرج بقيد الإيمان من لقيه كافرا ولو أسلم بعد ذلك إذا لم يجتمع به مرة أخرى". (۱)

''صحابی وہ ہے جو نبی ﷺ سے بحالت ایمان ملاقی ہوا اور اسلام ہی پر مرا۔ پس آپؐ سے ملاقی ہونے والوں میں وہ سب داخل ہیں جن کو آپؐ کے ساتھ لمبی مدت تک مجالست کا موقع ملا ہو یا تھوڑی مدت تک، جنہوں نے آپؐ سے کسی حدیث کی روایت کی ہو یا کوئی روایت نہ کی ہو، جنہوں نے آپ کی معیت میں کسی غزوہ میں شرکت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یا جس کو آپ کی رؤیت کا شرف تو حاصل ہو مگر آپ کے ساتھ مجالست کا موقع نہ ملا ہو یا اندھے پن کے عذر کی وجہ سے آپ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکا ہو اور وہ کافر جو آپ سے ملنے کے بعد بقید ایمان نکلے اگر چہ وہ آپؐ سے ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ہی اسلام لائے اور دوبارہ آپ سے ملاقات کے لئے جمع نہ ہو۔''

●●●

(۱) الإصابۃ لابن حجر ج ۱ ص ۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# عدالت صحابہ

## عدالت صحابہ پر قرآن کریم کی شہادت:

قرآن کریم میں اللہ عزوجل نے متعدد مقامات پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل بیان فرمائی ہے۔اس ضمن میں چند آیات ذیل میں پیش خدمت ہیں:

۱ – ﴿كنتم خير أمة اخرجت للناس﴾. (۱)''تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔''

بہت سے مفسرین نے اس آیت کو امت محمد ﷺ کے لئے عام بتایا ہے لیکن بعض مفسرین اسے صحابۂ کرام کے لئے خاص بتاتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔لہذا اس آیت سے صحابہ کی تعدیل پر استدلال ظاہر ہے۔

سماک بن حرب عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:"هم الذين هاجروا مع محمد ﷺ إلى المدينة". (۲) یعنی''وہ لوگ جنہوں نے محمد ﷺ کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔'' علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:"وهذا اللفظ وإن كان عاما فالمراد به الخاص وقيل هو وارد فى الصحابة دون غيرهم". (۳) یعنی'' یہ لفظ اگر عام بھی ہو تو اسکی مراد خاص ہے۔بعض علماء کا قول ہے کہ یہ آیت صرف صحابہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اس میں صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگ شامل نہیں ہیں۔'' علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:"وقال بعض العلماء كنتم بمعنى انتم خير أمة وقيل كنتم فى علم الله ومعلوم أن مواجهة رسول الله ﷺ لأصحابه بأنتم خيرها إشارة بالتقدمة فى الفضل إليهم على من بعدهم والله أعلم". (۴) علامہ سخاوی وعراقی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:''بعض لوگ کہتے ہیں کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔''(۵) اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: کہ''اس میں موجودین یعنی صحابۂ کرام کے لئے

---

(۱) آل عمران:۱۱۰ (۲) الاستیعاب:۱/۵

(۳) الکفایۃ للخطیب:ص۴۶ (۴) الاستیعاب للقرطبی:۱/۵

(۵) فتح المغیث للعراقی:ص۳۴۹، فتح المغیث للسخاوی:۴/۹۴-۹۵، مقدمہ ابن الصلاح:ص۲۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خطاب ہے۔"(۱)

۲-﴿وكذلك جعلنا أمة وسطا لتكونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا﴾.(۲)"اوراسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کوایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہواور رسول تم پر گواہ ہو۔"

حافظ عراقی وسخاوی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:"یہ خطاب ان صحابہؓ کرام سے ہے جوکہ اس وقت موجود تھے۔"(۳) لیکن "یہ چیز ان صحابہ کے ساتھ دوسروں کے الحاق کونہیں روکتی بشرطیکہ وہ دوسرے لوگ اوصاف میں ان صحابہ کرام کے مشابہ ہوں۔"(۴)

۳-﴿لقد رضى الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما فى قلوبهم فانزل السكينة عليهم وأثابهم فتحا قريبا﴾.(۵)"اللہ تعالی ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے اوران کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالی نے ان میں اطمینان پیدا کردیا اوران کو لگے ہاتھ ایک فتح دے دی۔"

۴-﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾. (۶)"اور جو مہاجرین اورانصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اورمقدم ہیں اور باقی وہ تمام لوگ جوکہ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوااور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔"

۵-﴿يٰايها النبى حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين﴾. (۷)اے نبی! آپ کے لئے اللہ کافی ہےاورجن مومنین نے آپ کااتباع کیاوہ کافی ہیں۔"

۶-﴿للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون﴾ ﴿والذين تبوؤا الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولا يجدون فى صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون﴾ ﴿والذين جاءوا

---

(۱) تدریب الراوی:۲/۲۱۴ (۲) البقرۃ:۱۴۳

(۳) فتح المغیث للعراقی:ص۳۴۹، فتح المغیث للسخاوی:۴/۹۵، مقدمۃ ابن الصلاح:ص۲۶۰، تدریب الراوی:۲/۲۱۴

(۴) فتح المغیث للسخاوی:۴/۹۵ (۵) الفتح:۱۸

(۶) التوبۃ:۱۰۰ (۷) الانفال:۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤف رحيم﴾. (۱) ''اور جن حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کر دیئے گئے وہ اللہ تعالی کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان) کے سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (یہی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فئی میں حق ہے) جو ان کے بعد آئے جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ (پیدا) ہونے دے۔ اے ہمارے رب تو بڑا شفیق رحیم ہے۔''

۷-﴿لا يستوى منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئك أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنىٰ﴾. (۲)

''جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالی نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔''

۸-﴿حبب إليكم الإيمان وزينه فى قلوبكم وكره إليكم الكفر والفسوق والعصيان أولئك هم الراشدون﴾. (۳) ''اللہ تعالی نے تم کو ایمان کی محبت دی، اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی، ایسے لوگ راہ راست پر ہیں۔''

۹-﴿إن الذين سبقت لهم منا الحسنى أولئك عنها مبعدون﴾. (۴) ''اور جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے سے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس (جہنم) سے دور کر دیئے جائیں گے۔''

۱۰-﴿إنما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا وجاهدوا بأموالهم

---

(۱) الحشر: ۸-۱۰ (۲) الحدید: ۱۰
(۳) الحجرات: ۷
(۴) الأنبیاء: ۱۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وأنفسهم فی سبيل الله أولئك هم الصادقون﴾. (۱)

''پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستے میں محنت اٹھائی یہ لوگ سچے ہیں۔''

## تعدیل صحابہ ازروئے حدیث

صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی عدالت وفضائل کے متعلق کثیر تعداد میں احادیث نبوی موجود ہیں، جن میں سے چند ذیل میں سے پیش خدمت ہیں:

(۱)-"عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ الله الله فی أصحابی الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن أحبهم فبحبی أحبهم ومن أبغضهم فبغضبی أبغضهم ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه". (۲)

''عبداللہ بن مغفل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈر جاؤ (تین بار اسی طرح فرمایا) میرے بعد انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو میری دشمنی کی وجہ سے دشمنی کی۔ جس نے انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ستایا اور جس نے اللہ کو ستایا قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے۔''

(نوٹ: یہ حدیث ضعیف ہے)۔

(۲)-"عن أبی سعيد الخدری قال قال رسول الله ﷺ: والذی نفسی بیده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه".(۳)

یعنی: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا آدھے مد کے ثواب کو نہ پہنچے گا۔''

(۳)-"خير أمتی قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم". (۴)

یعنی ''میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے ہیں پھر وہ

---

(۱) الحجرات:۱۵

(۲) جامع الترمذی ۳۸۶۲، الصحیح لابن حبان ۷۲۱۷، الفتح الربانی:۲۲/۱۶۹، فتح المغیث للسخاوی:۴/۹۵، الاصابۃ لابن حجر:۱/۱۸

(۳) صحیح البخاری:۷/۲۱، صحیح مسلم:۴/۱۹۶۷، سنن ابی داوٗد:۲/۵۱۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی:۴/۳۵۹، الکفایۃ للخطیب:ص ۴۷-۴۸، الفتح الربانی: ۲۲/۷۰، ۱۶۹، فتح المغیث للسخاوی:۴/۹۵، الإصابۃ:۱/۲۱

(۴) صحیح البخاری:۷/۳، صحیح مسلم، الکفایۃ:ص ۴۷، فتح المغیث للسخاوی:۴/۹۶، الإصابۃ:۱/۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لوگ جوان کے بعد والے ہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں "خیر امتی" کے بجائے "خیر الناس" کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ: "اس حدیث میں قرن النبی ﷺ سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کہ صحابہؓ کرام تھے۔"(۱)

(۴)-" خیر ھذہ الأمة القرن الذین بعثت فیھم".(۲)

یعنی "اس امت کے بہترین لوگ اس زمانہ کے ہیں کہ جن کے درمیان مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔"

(۵)-"من سب أصحابی فعلیه لعنة الله والملئکة والناس أجمعین".(۳)

یعنی "جس شخص نے میرے صحابہ کو گالیاں دیں اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔"

(۶)-"لا تمس النار مسلما رآنی أو رأی من رآنی" (۴)

یعنی "اس مسلمان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا اسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔"

(۷)-"أکرموا أصحابی فإنھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب".(۵)

یعنی "میرے صحابہ کا احترام کرو، کیونکہ وہ تم سب سے بہتر لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے ہیں۔ ان کے بعد پھر جھوٹ عام ہو جائے گا۔"

(۸)-"یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤکم فإیاکم وإیاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم".(۶)

یعنی "آخری زمانہ میں کچھ جھوٹے دجال ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے کہ جو نہ تم نے سنی ہونگی اور نہ تمہارے آباء واجداد نے۔ اپنے آپ کو ان سے بچاؤ کہ وہ کہیں تمہیں گمراہ کر کے فتنوں میں مبتلا نہ کر دیں۔"

(۹)-"عن جابر قال قال رسول الله ﷺ إن الله اختار أصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین".(۷)

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۹۶ (۲) فتح الباری: ۷/۶ بحوالہ مسند احمد

(۳) صحیح الجامع الصغیر للألبانی ۱۶۸۵

(۴) جامع الترمذی مع تحفۃ الأحوذی: ۴/۳۵۸ (نقل الألبانی تحسینہ)

(۵) مشکوۃ المصابیح: ج ۳ (وصححہ الألبانی)

(۶) مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹، صحیح مسلم، التعلیق علی العقیدۃ الطحاویۃ فقرۃ ۳۱، صحیح الجامع الصغیر للألبانی: ۲/۱۳۵۴

(۷) مسند البزار، کشف الأستار ۲۷۶۳، مجمع الزوائد للھیثمی: ۱۰/۱۶، الإصابۃ لابن حجر: ۱/۲۱، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(۱۰)-"قال بهز بن حكيم عن أبيه عن جده عن النبی ﷺ: أنتم توفون سبعين أمة أنتم خيرها وأكرمها على الله عز وجل". (۱)

اور

(۱۱)-"عن واثلة مرفوعا: لا تزالون بخير ما دام فيكم من رآنی وصاحبنی والله لا تزالون بخير ما دام فيكم من رأى من رآنی وصاحبنی". (۲)

ان چند احادیث کے علاوہ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں، اگر ان سب کو یہاں نقل کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی، لہذا ہم انہیں چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

## صحابۂ کرام کی تعدیل و تفضیل کے بارے میں ائمہ حدیث اور علمائے امت کا موقف:

جب اللہ عز و جل اور رسول اللہ ﷺ نے خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی تعدیل فرما دی، تو اس بات کی کوئی حاجت باقی نہیں رہ جاتی کہ کسی امتی سے ان کی عدالت نقل کی جائے مگر پھر بھی اتمام حجت کے پیش نظر ذیل میں ہم چند ائمہ حدیث اور مشاہیر علمائے امت کے اقوال پیش کرتے ہیں:

۱-صحابہ کرام کی عدالت کے لئے امام ابن ابی حاتمؒ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث: "يكون فی آخر الزمان دجالون كذابون" الخ سے کیا خوب نتیجہ اخذ کیا ہے کہ: ''اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ دجال کذاب آخر زمانہ میں ہوں گے جو آپ ﷺ پر جھوٹ بولیں گے، پس معلوم ہوا کہ آپؐ کے اولین مخاطب یعنی صحابۂ کرامؓ اس جملہ سے خارج ہیں، چنانچہ کذب کی تہمت ان پر سے زائل ہوئی۔'' (۳)

۲-اسی طرح امام ابن حبان البستیؒ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث: "ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب". (۴) سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ: ''یہ حدیث اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام عدول ہیں، ان

(۱) مسند احمد: ۴/۴۴۷، ۵/۳، جامع الترمذی ۳۰۰۱، المستدرک للحاکم: ۴/۸۴، سنن ابن ماجہ ۴۲۸۷ - ۴۲۸۸، الإصابة لابن حجر: ۱/ ۲۱، فتح المغيث للسخاوی: ۴/ ۹۶

(۲) فتح الباری لابن حجر: ۷/ ۵ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبة وقال ابن حجر اسنادہ حسن

(۳) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۱/ ص ۱۴

(۴) فتح الباری: ۹/ ۱۷۱، صحیح مسلم: ۳/ ۱۳۰۶، جامع الترمذی: ۳/ ۱۶۵، سنن النسائی: ۵/ ۱۶۱، سنن الدارمی: ۱/ ۳۹۳، سنن ابن ماجہ: ۱/ ۸۵، الإلماع الی معرفة أصول الرواية وتقييد السماع للقاضی عیاض: ص ۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


میں سے نہ کوئی مجروح ہے اور نہ ضعیف۔ اگر ان میں کوئی مجروح، ضعیف یا غیر عدول ہوتا تو نبی ﷺ کے ارشاد میں اس کا استثناء ضرور موجود ہوتا اور آپ یوں فرماتے: "ألا ليبلغ فلان وفلان منكم الغائب ..." مگر چونکہ بعد میں آنے والوں کے لئے تبلیغ کے دیئے گئے اس امر میں ان سب کا بلاتخصیص ذکر ہے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ تمام صحابی بلا استثناء عدول تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا انکی تعدیل فرمانا کافی ہے۔"(۱)

۳- امام ابو محمد بن حزمؒ فرماتے ہیں: ''تمام صحابہ قطعی طور پر جنتی ہیں چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿لا يستوى منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئك أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنى﴾. (۲) (یعنی: جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا وہ برابر نہیں، ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور کفار سے جہاد کیا اور اللہ تعالی نے سب سے (ثواب) نیک کا وعدہ تو کیا ہے۔) اور ﴿إن الذين سبقت لهم منا الحسنى أولئك عنها مبعدون لا يسمعون حسيسها وهم في ما اشتهت أنفسهم خالدون لا يحزنهم الفزع الأكبر﴾ (۳) (یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے حتی کہ وہ اس کی آواز تک بھی نہ سن پائیں گے اور جو کچھ ان کا جی چاہے گا اس میں (یعنی ہر طرح کے عیش اور لطف میں) ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا۔) پس ثابت ہوا کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفید ہوا اس سے اللہ تعالی نے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور جس کے لئے اللہ کی طرف سے بھلائی مقرر ہو چکی ہو وہ جہنم سے دور رہے گا اور اس کی آواز بھی نہ سن سکے گا۔ جو کچھ اس کا دل چاہے گا (کھائے پیئے گا) اس دن کا بھاری خوف بھی اس کو غمزدہ نہیں کرے گا۔ پس جمیع صحابہ جنتی ہیں، ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ آیت سابقہ کے مخاطب ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ انفاق وقتال کے ساتھ اس امر کی تقیید ہے لہذا جن صحابہ میں یہ صفت نہ پائی جاتی ہو وہ اس خطاب سے خارج ہوں گے، اسی طرح ایک دوسری آیت میں احسان کی تقیید بھی مذکور ہے، چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾. (۴) (یعنی اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور وہ تمام لوگ جو کہ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے)، لہذا جو صحابی اس صفت سے متصف نہیں وہ بھی اس خطاب سے خارج ہو جائے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: "إن التقييدات المذكورة خرجت مخرج

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۱/۱۲۳

(۲) الحدید: ۱۰

(۳) الأنبياء: ۱۰۱-۱۰۳

(۴) التوبة: ۱۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الغالب وإلا فالمراد من اتصف بالإنفاق والقتال بالفعل أو القوه". علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''اور یہ وہی مقصود ہے کہ جس کی صراحت وارد ہے۔'' (۱)

۴- عبداللہ بن ھاشم الطوسیؒ نے وکیعؒ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے سفیان ثوریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى﴾ (۲) (یعنی آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اس نے منتخب کیا ہے)۔ سے مراد محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔'' (۳)

۵- سدی نے بواسطہ ابو مالک حضرت ابن عباسؓ سے بھی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿ قل الحمد لله الخ﴾ کی تفسیر میں ''اصحاب محمد ﷺ'' ہی نقل کیا ہے۔ (۴)

۶- عمر بن عبد العزیزؒ نے کیا ہی عمدہ بات کہی ہے کہ: "تلك دماء طهر الله منها سيوفنا فلا تخضب بها ألسنتنا". (۵)

۷- علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وإخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القرآن فمن ذلك قوله: ﴿كنتم خير أمة اخرجت للناس﴾ وقوله: ﴿وكذلك جعلناكم أمة وسطا﴾ وقوله: ﴿لقد رضى الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة﴾ وقوله: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾ وقوله: ﴿يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون﴾، في آيات يكثر ايرادها ويطول تعدادها ......... وجميع ذلك يقتضى طهارة الصحابة والقطع على تعديلهم ونزاهتهم فلا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله لهم، المطلع على بواطنهم، إلى تعديل أحد من الخلق له". (۶)

---

(۱) المحلی لابن حزم: ۱/ ۲۸، ۴۴، الاصابۃ لابن حجر: ۱/ ۱۹، البرہان: ۱/ ۶۳۲، فتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۹۷

(۲) النمل: ۵۹ (۳) الاصابۃ لابن حجر: ۱/ ۲۲

(۴) الاستیعاب: ۱/ ۶

(۵) الحلیۃ: ۹/ ۱۱۴، ۱۲۹، مناقب الامام الشافعی لابن ابی حاتم: ص ۳۱۴، مناقب الشافعی للرازی: ص ۱۳۶، جامع بیان العلم: ۲/ ۹۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۰۰

(۶) الکفایۃ للخطیب: ص ۴۶ - ۴۹ (ملخصا)، الاصابۃ: ۱/ ۱۷، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۳ - ۹۴، الباعث الحثیث: ص ۲۰۵، الارشاد للنووی: ۲/ ۴۸۱ - ۴۸۴، التقیید والایضاح: ص ۲۶۰ - ۲۶۲، بیان المختصر: ۱/ ۷۱۲ - ۷۱۴، احکام الفصول للباجی: ص ۳۷۴ - ۳۷۵، المستصفی: ۱/ ۱۶۴ - ۱۶۵، الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۲۸، ۱۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''صحابۂ کرام کا عدول ہونا خود نصوص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالی نے ان کی تعدیل وطہارت خود ہی بیان فرمادی ہے۔ ایک آیت میں صحابۂ کرام کو خیرامت بتایا گیا ہے، دوسری آیت میں امت وسط یعنی امت عادلہ بتایا گیا ہے، تیسری اور چوتھی آیات میں مہاجرین وانصار صحابیوں کے لئے اللہ تعالی نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے، پانچویں آیت میں صحابۂ کرام کو صدوق وعدول قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی آیات وارد ہیں۔ اور یہ سب چیزیں صحابۂ کرام کی طہارت، عدالت اور نزاہت کی متقاضی ہیں، پس جب صحابۂ کرام کی تعدیل خود اللہ تعالی نے فرمادی ہے تو اس کے بعد کسی مخلوق کی تعدیل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

۸- علامہ خطیب رحمہ اللہ صحابہ کرام کی تعدیل رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ووصف رسول الله ﷺ الصحابة مثل ذلك وأطنب في تعظيمهم وأحسن الثناء عليهم .......... والأخبار في هذا المعنى تتسع وكلها مطابقة لما ورد في نص القرآن". (۱)

۹- آگے چل کر آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ سے صحابۂ کرام کے متعلق ایسی کوئی چیز صریحا وارد نہ ہوتی جس کا کہ ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے تو بھی ان کی ہجرت، جہاد، نصرت اسلام، بذل المھج والأموال، مناصحت فی الدین، باپوں کا خود اپنے بیٹوں کو اور بیٹوں کا اپنے باپوں کو قتل کرنا اور ایمان ویقین کی قوت ایسی صفات ہیں جو قطعی طور پر ان کی تعدیل اور اعتقاد نزاہت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ بلاشبہ صحابۂ کرام اپنے بعد آنے والے تمام مزکین ومعدلین سے بدرجہا افضل ہیں:" وهذا مذهب كافة العلماء ومن يعتد بقوله من الفقهاء "(۲)

۱۰- حافظ ابن عبدالبرؒ نے مذکورہ بالا آیات کا تعلق براہ راست صحابۂ کرام سے ثابت کیا ہے اور اس سلسلہ میں مشاہیر امت کی تصریحات نقل کی ہیں، چنانچہ امام ابن سیرینؒ، امام شعبیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سعید بن المسیبؒ اور ابوالزبیرؒ کی تصریحات بقید سند روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فهم خير القرون وخير أمة أخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل عليهم وثناء رسوله عليه السلام ولا أعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية أفضل من ذلك ولا تعديل أكمل منها". (۳)

یعنی ''صحابۂ کرام تمام زمانوں کے لوگوں سے بہترین لوگ ہیں اور وہ بہترین جماعت ہیں کہ جس کو

---

(۱) الکفایۃ للخطیب: ص ۴۷-۴۸

(۲) الکفایۃ: ص ۴۹، الاصابۃ لابن حجر: ۱/ ۱۷-۱۸، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹

(۳) خطبۃ الاستیعاب: ۱/ ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔ ان سب کی عدالت اللہ عز وجل اور رسول اللہ ﷺ کی مدح وثنا کے ساتھ ثابت ہے۔ اس سے زیادہ عادل اور کون ہوسکتا ہے جس سے کہ اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کی صحبت ونصرت کے سبب راضی ہوا ہو؟ اس سے افضل نہ کوئی تزکیہ ہوسکتا ہے اور نہ اس سے اکمل کوئی تعدیل''۔

۱۱- امام ہیثمیؒ نے "باب لا تضر الجهالة بالصحابة لأنهم عدول" کے تحت ایک حدیث یوں نقل کی ہے:

"عن حميد قال كنا مع أنس بن مالك فقال والله ما كل ما نحدثكم عن رسول الله ﷺ سمعناه منه ولكن لم يكن يكذب بعضنا بعضا". (۱)

''حمید روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ تھے۔ آپؓ نے فرمایا قسم اللہ کی ہم تم سے جس قدر احادیث عن رسول اللہ ﷺ کے طریق سے روایت کرتے ہیں اس میں ساری کی ساری وہ نہیں ہوتیں جو ہم نے براہ راست آں ﷺ سے سنی ہوں، (بلکہ بعض احادیث ہمیں دوسرے صحابہ کے واسطہ سے ملی ہیں) لیکن چونکہ صحابۂ کرام کذب بیانی نہیں کرسکتے (لہذا ہم آپؐ سے نقل کردیتے ہیں)۔''

۱۲- قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ایک حدیث روایت کی، ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث خود سنی ہے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: ہاں، مجھے یہ حدیث ایک ایسے شخص نے بیان کی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا۔ قسم اللہ تعالی کی ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے بلکہ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ جھوٹ ہوتا کیا ہے؟۔''(۲)

۱۳- حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:

"ما كل الحديث سمعناه من الرسول ﷺ كان يحدثنا أصحابه عنه كانت تشغلنا عنه رعية الإبل". (۳)

یعنی ''ہم نے ہر حدیث رسول اللہ ﷺ سے براہ راست نہیں سنی ہے بلکہ جب ہم اپنے اونٹوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوتے تو آپؐ کے اصحاب آں ﷺ سے سن کر ہمیں بیان کردیتے تھے۔''

۱۴- امام حاکمؒ بیان کرتے ہیں:

"وأصحاب رسول الله ﷺ كانوا يطلبون ما يفوتهم سماعه من رسول الله ﷺ من أقرانهم وممن هو أحفظ منهم وكانوا يشددون على من يسمعون منه". (۴)

(۱) رواہ الطبرانی فی الکبیر وقال الہیثمی ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد: ۱/۱۵۳)
(۲) مفتاح الجناح للسیوطی: ص۱۲۵
(۳) رواہ احمد وقال الہیثمی ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد: ۱/۱۵۴)
(۴) معرفۃ علوم الحدیث: ص۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱۵- واقعہ یہ ہے کہ تمام اصحاب رسول اللہ پر ہمیشہ اس حدیث: "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" کا خوف طاری رہتا تھا، (یہ حدیث صحابۂ کرام میں سے باسٹھ(٦٢) (سے زیادہ) صحابیوں سے مروی ہے جن میں کہ عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں،)(۱) پس ان سے عمداً کذب بیانی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام اس درجہ عدول وصدوق ہیں کہ مشاجرت باہمی اور فتن کے مواقع پر بھی رسول اللہ ﷺ پر غلط کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ حافظ رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

"إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لابس الفتن منهم".(۲)

یعنی ''تمام امت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور وہ صحابہ بھی عدول ہیں جنہوں نے جنگی فتن اور باہمی مشاجرت میں شرکت کر لی تھی۔''

۱۶- حافظ زین الدین عراقیؒ اور سخاویؒ وغیرہما حافظ ابن عبد البرؒ سے صحابۂ کرام کے عدول ہونے کے متعلق ناقل ہیں:

"وحكى ابن عبد البر فی الاستيعاب إجماع أهل الحق من المسلمين وهم أهل السنة والجماعة عليه سواء من لم يلابس الفتن منهم أو لابسها إحسانا للظن بهم".(۳)

یعنی ''ابن عبد البرؒ نے ''الاستیعاب'' میں اس پر مسلمانوں میں سے اہل حق یعنی اہلسنت وجماعت کا اجماع نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام تمام کے تمام عدول ہیں، جو فتن ومشاجرات میں شریک ہوئے وہ بھی اور جنہوں نے اپنے آپ کو ان فتن سے بچائے رکھا وہ بھی۔''

(۱۷)- حافظ ابن عبد البرؒ مزید فرماتے ہیں:

"إنما وضع الله عز وجل أصحاب رسوله الموضع الذی وضعهم فيه بثنائه عليهم بالعدالة والدين والإمامة لتقوم الحجة على جميع أهل الملة بما أورده عن نبيهم من فريضة وسنة فنعم العون كانوا له على الدين فی تبليغهم عنه إلى من بعدهم من المسلمين".(۴)

یعنی ''اللہ تعالی نے اپنے رسول کے صحابیوں کو ایک بڑا رتبہ بخشا ہے اور انہیں اس رتبہ پر عدالت، تدین اور امامت کی مدح وثناء کے ساتھ فائز کیا ہے تا کہ نبی ﷺ سے فرائض وسنن کے متعلق ان کی روایات تمام اہل

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۲۷-۲۲۸

(۲) نفس مصدر مع التقیید: ص ۲٦٠

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۰۰، التقیید والإیضاح: ص ۲٦١، الاستیعاب: ۱/ ۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵٠، الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۲۹، منتھی الوصول والأمل: ص ۸٠، بیان المختصر: ۱/ ۷۱۳، التقریر والتحبیر: ۲/ ۲٦٠، شرح أصول الاعتقاد للالکائی: ۱/ ۱۵۹-۱٦٠

(۴) الاستیعاب: ۱/ ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ملت کے لئے سند ہوں اور مسلمانوں میں سے اخلاف کے لئے وہ نقل شریعت، تبلیغ وتحدیث میں بہترین معاون ومددگار ثابت ہوں۔"

۱۸- حافظ ابن الصلاحؒ مذکورۃ الصدر اجماع برعدالت صحابہ کی توجیہ بھی ان کا ناقل شریعت ہونا ہی بیان کرتے ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں: "وكان الله سبحانه أتاح الإجماع على ذلك لكونهم نقلة الشريعة" (۱) یعنی "اللہ تعالیٰ نے اس اجماع کو بحق صحابہ اسلئے مقدر فرمایا کہ وہ شریعت مطہرہ کے اولین ناقل ہیں۔"

۱۹- امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"وممن حكى الإجماع على القول بعدالتهم إمام الحرمين وقال لعل السبب فيه أنهم نقلة الشريعة فلو ثبت توقف فى روايتهم لا نحصرت الشريعة على عصر الرسول ﷺ ولما استرسلت على سائر الأعصار". (۲)

یعنی "صحابۂ کرام کی عدالت پر اجماع حکایت کرنے والوں میں امام الحرمینؒ بھی شامل ہیں، اور اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام ناقل شریعت ہیں، پس اگر ان کی روایت پر بھی توقف ثابت ہوجاتا، تو شریعت صرف عہد رسالت کے لئے ہی محدود ہوکر رہ جاتی، ہر زمانہ میں ہرگز نہ پہنچتی۔"

۲۰- حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ: "وھم عدول" (۳) یعنی "صحابۂ کرام سب کے سب عدول ہیں۔"

۲۱- امام سخاویؒ، حافظ عراقیؒ کے اس قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وهم رضى الله عنهم باتفاق أهل السنة عدول كلهم مطلقا كبيرهم وصغيرهم لابس الفتن أم لا وجوبا لحسن الظن ونظرا إلى ما تمهد لهم من المآثر من امتثال أوامره بعده ﷺ وفتحهم الأقاليم وتبليغهم عنه الكتاب والسنة وهداية الناس ومواظبتهم على الصلوات والزكوٰة وأنواع القربات مع الشجاعة والبراعة والكرم والإيثار والأخلاق الحميدة التى لم تكن فى أمة من الأمم المتقدمة". (۴)

یعنی "صحابۂ کرام سب کے سب باتفاق اہلسنت مطلقا عدول ہیں خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، خواہ کوئی فتن

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۶۰

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۶-۹۷

(۳) الفیۃ الحدیث للعراقی: ص ۴۵

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ومشاجرات میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔صحابہ کرام کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے ان کو عدول سمجھنا واجب ہے اوراس لئے بھی کہ نبی ﷺ کے بعد آپ کے احکام اور افعال کو جس طرح انہوں نے اپنے لئے نظیر بنایا پھر ان کا اقالیم کو فتح کرنا، کتاب وسنت کی تبلیغ کرنا، لوگوں کی رہنمائی کرنا، نماز وروزہ اور قربت الٰہی کے تمام امور پر مواظبت کرنا، پھر انکی شجاعت وبراعت، کرم وایثار اور اخلاق حمیدہ جو کہ سابقہ امتوں میں سے کسی بھی امت میں نہیں پائے جاتے اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان سب کو عدول سمجھا جائے۔"

۲۲-حافظ زین الدین عراقیؒ ایک اور مقام پر تمام صحابہؓ کرام کی عدالت کے متعلق فرماتے ہیں:

"والصحابة كلهم عدول قلت لا شك إن الصحابة الذين بينت صحبتهم كلهم عدول".(۱)

۲۳-امام نوویؒ اور علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به".(۲)

۲۴-حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے:

"اتفق أهل السنة على أن الجميع عدول ولم يخالف فى ذلك إلا شذوذ من المبتدعة".(۳)

یعنی" تمام اہلسنت کا اتفاق ہے کہ جمیع صحابہ عدول ہیں۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سوائے مبتدعین کے شذوذ کے۔"

۲۵-آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"الصحابة كلهم عدول ولا يحتاجون إلى تزكية ولا يقال بعد ثبوت صحبته أنه مجهول".(۴)

یعنی" صحابہؓ کرام سب کے سب عدول ہیں اور اس کے لئے وہ کسی تزکیہ کے محتاج نہیں ہیں۔ثبوت صحبت کے بعد ان میں سے کسی کو مجہول نہیں کہا جائے گا۔"

۲۶-امام ابو حامد غزالیؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۱۲۵

(۲) تقریب النواوی مع تدریب الراوی: ۲/۲۱۴، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۰

(۳) الإصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر: ۱/۱۷

(۴) فتح الباری: ۲/۱۸۱، ۱۰/۵۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''علام الغیوب سبحانہ وتعالی اور رسول اللہ ﷺ کی تعدیل جو کہ صحابہ کے حق میں وارد ہے، سے زیادہ صحیح اور کونسی تعدیل ہوسکتی ہے۔ اور اگر ان کی مدح وثناء وارد نہ ہوتی تب بھی ان کے احوال مثلاً ہجرت وجہاد، بذل مہج واموال، موالات رسول اللہ ﷺ میں اپنے آباء واہل کا قتل اور آپ ؐ کی نصرت وغیرہ ہی ان کی عدالت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔''(۱)

۲۷- ابن انباریؒ کا قول ہے:

''صحابہ کرام کی عدالت سے مراد ان کی عصمت کا اثبات نہیں ہے اور نہ ہی یہ کہ ان سے امور معصیت محال ہیں، بلکہ یہ ہے کہ ان کی روایات کو اسباب عدالت کی بحث کے تکلفات اور طلب تزکیہ کے بغیر قبول کرنا ہے، الا یہ کہ ارتکاب قادح ثابت ہوجائے جو کہ الحمد اللہ ثابت نہیں ہے۔''(۲)

۲۸- حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

"وإن كان الصحابة رضى الله عنهم قد كفينا البحث عن أحوالهم لإجماع أهل الحق وهم أهل السنة والجماعة على أنهم كلهم عدول فواجب الوقوف على أسمائهم والبحث عن سيرهم وأحوالهم ليهتدى بهديهم فهم خير من سلك سبيله واقتدى به".(۳)

۲۹- علامہ جلال الدین سیوطیؒ، امام الحرمینؒ سے صحابہ کرام کی عدالت کی عدم جانچ پڑتال کے اسباب بیان کرتے ہوئے موافق ومخالف ہر دو گروہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد مخالفین کے اقوال کی تغلیط فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والسبب فى عدم الفحص عن عدالتهم أنهم حملة الشريعة فلو ثبت توقف فى روايتهم لا نحصرت الشريعة على عصره ﷺ ولما استرسلت سائر الأعصار وقيل يجب البحث عن عدالتهم مطلقا وقيل بعد وقوع الفتن وقالت المعتزلة عدول إلا من قاتل عليا وقيل إذا انفرد وقيل إلا المقاتل والمقاتل وهذا كله ليس بصواب". (۴)

۳۰- امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"إذا قيل فى الإسناد عن رجل من الصحابة، كان حجة ولا تضر الجهالة بتعيينه لثبوت عدالتهم".(۵)

---

(۱) المستصفی للغزالی: ۱/۱۶۴
(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۰، حاشیہ تدریب الراوی: ۲/۲۱۵
(۳) الاستیعاب: ۱/۸
(۴) تدریب الراوی: ۲/۲۱۴
(۵) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی تابعی ''عن رجل من الصحابۃ'' کہے تو یہ حجت ہے۔تمام صحابہ کی عدالت کی تعیین کے باعث سند میں صحابی کا غیر موسوم ہونا مضر نہیں ہے۔''

۳۱-امام ھیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد'' میں اس بارے میں ایک مستقل باب یوں باندھا ہے: "باب لا تضر الجهالة بالصحابة لأنهم عدول". (۱)

۳۲-علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"فإذا قال الراوی: عن رجل من الصحابة ولم يسمه كان ذلك حجة ولا يضر الجهالة لثبوت عدالتهم على العموم". (۲)

یعنی ''اگر کوئی راوی ''عن رجل من الصحابۃ'' کہے اور اس صحابی کا نام نہ لے تو بھی اس کی یہ روایت حجت ہے۔صحابی کا غیر موسوم ہونا تمام صحابہ کی عمومی عدالت کے باعث صحت روایت کے لئے مضر نہیں ہے۔''

۳۳-حافظ عراقیؒ وغیرہ بیان کرتے ہیں:

"والذی عليه الجمهور كما قال الآمدی وابن الحاجب أنهم عدول كلهم مطلقا وقال الآمدی انه المختار" (۳)

یعنی ''اسی بات پر جمہور (متفق) ہیں جیسا کہ آمدی اور ابن الحاجب نے بیان کیا ہے کہ تمام صحابہ مطلقا عدول ہیں، بلکہ آمدی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہی چیز پسندیدہ اور مختار ہے۔''

واضح رہے کہ علامہ سخاویؒ نے یہاں ''جمہور'' سے مراد ''من السلف والخلف'' بیان کی ہے۔(۴)

۳۴-الکیا طبری کا قول ہے:

''ہمارے اصحاب میں سے بہت سوں کا موقف بھی (جمہور کے موافق) یہی ہے۔ قاضی عیاضؒ بھی فرماتے ہیں کہ: یہ تمام سلف اور جمہور خلف کا قول ہے۔'' (۵)

(۳۵)-حافظ ابوزرعہؒ کا مشہور قول ہے:

"إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق وذلك أن الرسول الله ﷺ حق والقرآن حق وما جاء به حق وإنما ادّى الينا ذلك كله

---

(۱) مجمع الزوائد: ۱/۱۵۳

(۲) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۰

(۳) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۰، التقیید للعراقی: ص ۲۶۱، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۰

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۰

(۵) نفس مصدر: ۴/۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الصحابة وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولى وهم زنادقة ".(۱)

یعنی ''اگرتم کسی شخص کو اصحاب رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ یہ اس لئے کہ اگر رسول اکرم ﷺ، قرآن مجید اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ سب چیزیں حق ہیں تو وہ ہمیں انہیں صحابہ کے ذریعہ پہنچی ہیں۔ دراصل یہ لوگ ہمارے شہود پر جرح کرنا چاہتے ہیں تا کہ کتاب وسنت کو باطل کر دیں، پس ان پر جرح کرنا اولی ہے اور وہ سب زندیق ہیں۔''

۳۶-شاہ عبدالعزیز اپنے والد شاہ ولی اللہ سے نقل کرتے ہیں:

" لقد تتبعنا سيرة الصحابة كلهم حتىٰ من دخل منهم فى الفتن والمشاجرات فوجدنا هم يعتقدون الكذب على النبى ﷺ أشد الذنوب ويحترزون عنه غاية الاحتراز كما لا يخفى على أهل السير". (۲)

یعنی'' ہم نے تمام صحابہؓ کرام کے حالات اور ان کی سیرت پر غور وتتبع کیا حتی کہ ان صحابیوں کے حالات کو بھی دیکھا جو باہمی مشاجرات وفتن میں شریک تھے، پس ہم نے ان تمام صحابہ کو اس حال میں پایا کہ وہ کذب علی النبی ﷺ کو سب سے بڑا گناہ تصور کرتے تھے اور تعمد کذب سے بعید اجتناب کرتے تھے، جیسا کہ اہل السیر سے مخفی نہیں ہے۔''

۳۷- علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کرام اپنی مسلمہ عدالت کے سبب کبھی اسناد میں زیر بحث نہیں آتے کیونکہ تمام صحابہ علی الاطلاق عدول ہیں، فتن اور باہمی جنگوں میں شریک ہونے والے صحابہ بھی عدول ہیں، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وكذلك جعلناكم أمة وسطا﴾ یعنی ''عدول''۔ آں رحمہ اللہ کے اس موقع پر الفاظ یہ ہیں:

"وأما الصحابى فإنه وإن كان من رجال الإسناد إلا أن المحدثين لم يعدوه منه لأن كلهم عدول على الإطلاق من خالط الفتن وغيرهم لقوله تعالَى وكذلك جعلناكم أمة وسطا أى عدولا".(۳)

---

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص۴۹، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر: ۱/ ۱۸، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۴

(۲) فتاوی عزیزی: ۲/ ۷۱، ظفر الأمانی للکنوی: ص۳۱۳

(۳) ظفر الأمانی للکنوی: ص۱۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۳۸-ملا طاہر پٹنیؒ فرماتے ہیں:

"ثم إنهم كلهم عدول كبيرهم وصغيرهم من لابس الفتن وغيرهم بالإجماع".(۱)

یعنی ''تمام صحابۂ کرام، ان کے چھوٹے اور بڑے فتن میں شریک ہونے والے اور ان کے سوا، سب کے سب بالاجماع عدول ہیں۔''

۳۹-ابولبابہ حسین اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:

"وقد أجمع سلف الأمة وجماهير الخلف على تعديل جميع الصحابة ومن لابس الفتن منهم".(۲)

یعنی ''اسلاف امتِ اور جمہور اخلاف کا تمام صحابۂ کرام کی تعدیل پر اجماع ہے حتیٰ کہ جو باہمی مشاجرات وفتن میں ملوث ہوئے وہ بھی عدول ہیں۔''

۴۰-ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

''تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم عادل ہیں خواہ وہ فتن میں ملوث ہوئے ہوں یا نہیں، اس پر معتبر علماء کا اجماع ہے اور ان کی عدالت کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے روایت میں دانستہ کذب کے ارتکاب سے احتراز واجتناب کیا ہے اور کسی بھی ایسی غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے جو ان سے روایت لینے میں مانع ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابۂ کرام سے کسی قسم کی بحث عدالت کے بغیر ہر قسم کی روایت لی جائیگی۔ ان میں سے جو صحابہ فتن میں ملوث ہوئے ہیں ان کے معاملہ کو ایسے اجتہاد پر محمول کیا جائے گا جس میں ان کے لئے بہر حال اجر موجود ہے تا کہ ان کے ساتھ ہمارا حسن ظن قائم رہے، اس لئے کہ ان کی حیثیت حاملین شریعت کی ہے اور ان کے زمانہ کو خیر القرون فرمایا گیا ہے۔''(۳)

''صحابہؓ کی عدالت کے بارے میں محدثین کی رائے'' کے زیر عنوان جناب اصلاحی صاحب بھی فرماتے ہیں:

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی اس عظمت واہمیت کے سبب سے نبی ﷺ کے علم وعمل کی روایت کے باب میں محدثین نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو جرح وتعدیل سے بالاتر قرار دیا۔ ان کے باب میں محدثین کا اصول یہ ہے کہ "الصحابة كلهم عدول" صحابہؓ بلا استثناء سب جرح سے بالاتر ہیں۔ ایک روایت کے رد وقبول

---

(۱) مجمع البحار للفتنی: ۳/۵۴۴

(۲) الجرح والتعدیل لابی لبابۃ: ص ۴۷

(۳) تیسیر مصطلح الحدیث للطحان: ص ۱۹۸-۱۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کے لئے دوسرے تمام راویوں کے خیر وشر کی تحقیق کی جائے گی اور صرف تحقیق کے بعد ہی ان کی روایت قبول ہوگی، لیکن صحابیؓ اس طرح کی تحقیق سے بالاتر ہوں گے۔"(۱)

لیکن جمہور امت کے اس اجماعی فیصلہ کے خلاف بعض اہل بدعت (بالخصوص معتزلہ) کے متعلق مشہور ہے کہ:

"وذهبت المعتزلة إلى تفسيق من قاتل علي بن أبي طالب منهم".(۲)(یعنی "معتزلہ ان صحابہ کی تفسیق کے قائل ہیں جو حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے قاتلوں میں سے تھے۔")"وقيل يرد الداخلون في الفتن كلهم لأن أحد الفريقين فاسق من غير تعيين".(۳)(یعنی "بعض لوگ کہتے ہیں کہ فتن میں ملوث ہونے والے تمام صحابہ کو رد کیا جائے گا کیونکہ (ان کے نزدیک) فریقین میں سے بلاتعیین ایک گروہ ضرور فاسق ہے۔")

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں: "ایک اور قول ہے: "إنهم عدول إلى وقوع الفتن فأما بعد ذلك فلا بد من البحث عمن ليس ظاهر العدالة".(۴)

(یعنی "صحابۂ کرام فتن کے واقع ہونے سے قبل تک عدول تھے لیکن فتن کے ظہور کے بعد جو ظاہر العدالت صحابی نہ ہوں ان پر بحث ضروری ہے۔") علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: "وذهبت طائفة من أهل البدع إلى أن حال الصحابة كانت مرضية إلى وقت الحروب التي ظهرت بينهم ......"(۵)

از علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: "آمدی اور ابن الحاجب نے ایک قول اس طرح نقل کیا ہے: "إنهم كغير هم في لزوم البحث عن عدالتهم مطلقا"(۶) (یعنی "عدالت کے متعلق بحث کے لزوم میں صحابۂ کرام بھی مطلقا دوسرے تمام لوگوں کی طرح ہی ہیں)۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس طرح کے چند خلاف اجماع اقوال نقل کرنے کے بعد نہایت فیصلہ کن انداز میں ان اقوال کی تغلیط فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "وهذا كله ليس بصواب"(۷) یعنی "یہ تمام چیزیں غیر صحیح ہیں۔"

☆☆☆

---

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث للاصلاحی: ص ۷۸
(۲) التقييد والإيضاح للعراقی: ص ۲۶۱
(۳) نفس مصدر: ص ۲۶۱
(۴) فتح المغيث للعراقی: ص ۳۵۰، تدريب الراوی للسیوطی: ۲/ ۲۱۴
(۵) الكفاية للخطيب: ص ۴۹
(۶) فتح المغيث للسخاوی: ۴/ ۹۷، منتهى الوصول والأمل: ص ۸۰، بیان المختصر ۱/ ۷۱۲، ۷۱۴، المستصفى للغزالی: ۱/ ۱۶۴، الكفاية للخطيب: ص ۴۹، المسودة: ص ۲۹۲، احكام الفصول: ص ۳۷۴-۳۷۵، روضة الناظر: ص ۶۰، التقييد والإيضاح للعراقی: ص ۲۶۱-۲۶۲، فتح المغيث للعراقی: ۳۵۰، الاحكام للآمدی: ۲/ ۱۲۸، اللمع: ص ۵۱، شرح اللمع: ۲/ ۶۳۴-۶۳۸، المنخول: ص ۶۲۶، تدريب الراوی: ۲/ ۲۱۴
(۷) تدريب الراوی للسیوطی: ۲/ ۲۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# مختصر کوائف واحوال صحابہؓ

## سبقت اسلام کے اعتبار سے چند اصحاب رسول اللہ

اس بارے میں اصحاب سیر وتاریخ کے مابین بہت اختلاف پایا جاتا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام کون لایا تھا، مگر عورتوں کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ پہلی مومنہ تھیں۔ ثعلبیؒ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ مشہور مورخ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہؓ کی تھی، پھر حضرت علی نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا پھر ان کے بعد حضرت زید، پھر حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ پھر اللہ تعالی سے دعاء فرمائی، چنانچہ آپکی دعاء سے حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ نے اسلام قبول کیا۔

یہ وہ آٹھ افراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں دوسرے تمام انسانوں کے مقابلہ میں سبقت کی ہے۔''(۱)

جبکہ ابوالحسن مسعودی نے بعض لوگوں سے حضرت بلال کا اسلام قبول کرنے والوں میں اولین شخص ہونا نقل کیا ہے۔ (۲) مسعودی ہی نے بعض دوسرے لوگوں سے حضرت خباب بن الأرت کو بھی اسلام قبول کرنے والوں میں پہلا شخص بیان کیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے اسلام کو ظاہر کرنے والے وہ پہلے شخص تھے۔ (۳)، لیکن بقول باوردیؒ: ''بسند صحیح مروی ایک مرسل حدیث کی روشنی میں حضرت خباب بن الأرت اولین چھ اسلام قبول کرنے والے اشخاص میں سے چھٹے تھے۔''(۴) حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ''اہل سیر کے نزدیک معروف ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔''(۵) حافظ ابن الصلاح بھی فرماتے ہیں کہ: ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس پہلے شخص نے اسلام قبول کیا وہ زید بن حارثہ

---

(۱) السیر والمغازی لابن اسحاق: ص ۱۳۹-۱۴۰، سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۹، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲۶، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۷

(۲) شرح مسلم للنووی: ۶/ ۱۱۵، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۸

(۳) الاستیعاب: ۲/ ۴۳۷، اسد الغابۃ: ۲/ ۱۱۴، الاصابۃ: ۱/ ۴۱۶، تہذیب التہذیب: ۳/ ۱۳۳، سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۲۴، تدریب الراوی: ۲/ ۲۸۸

(۴) المعجم للطبرانی: ۴/ ۶۲، الحلیۃ لابی نعیم: ۱/ ۱۴۳، الحاکم: ۳/ ۳۸۲ (۵) التقیید والایضاح: ص ۲۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تھے۔"(۱) جبکہ بعض دوسری روایات کی روشنی میں حضرت خالد بن سعید بن العاص کو بھی اسلام قبول کرنے والا پہلا شخص بتایا جاتا ہے۔(۲) لیکن حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں:"وينبغي أن يقال إن أول من اٰمن من الرجال ورقة بن نوفل لما ثبت في الصحيحين من حديث عائشة في قصة بدء الوحي ونزول ﴿اقرأ باسم ربك﴾ (۳) (یعنی "یہ کہنا چاہیئے کہ مردوں میں پہلا جو شخص ایمان لایا وہ ورقہ بن نوفل تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی حدیث درضمن قصہ ابتدائے وحی ونزول "اقرأ باسم ربك" سے ثابت ہے۔")...... اس قدر اختلاف رائے کے باوجود اس بارے میں امام حاکمؒ اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے علم نہیں کہ اصحاب التواریخ کا اس بارے میں کوئی اختلاف ہو۔ایک جماعت کے نزدیک عمرو بن عنبسہ کی حدیث کے پیش نظر صحیح تر بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بالغ مردوں میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔"(۴)

لیکن حافظ ابن الصلاحؒ ،امام حاکم کے اجماع کے اس دعوی پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واستنكر هذا من الحاكم" اسی طرح حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:"إن دعوى إجماع التورايخ على ذلك ليس بجيد"۔

امام ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ:"امام اسحاق بن راھویہ نے اس بارے میں تمام اختلافات نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"عورتوں میں اسلام لانے والی پہلی خاتون حضرت خدیجہ تھیں،مردوں میں اسلام لانے والے پہلے مرد حضرت ابوبکر تھے،موالی میں اسلام قبول کرنے والے حضرت زید اور بچوں میں اسلام قبول کرنے والے حضرت علی تھے۔"(۵)

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح ۲٦٦

(۲) تاریخ دمشق : ۵/ ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۲، الاستیعاب ۱/ ۴۲۱، الطبقات الکبری لابن سعد: ۴/ ۹۴، ۹۵، ۹٦، أسد الغابۃ: ۲/ ۹۷، الإصابۃ: ۱/ ۴۰٦، ۴۰۷، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۷، ۲۲۸، التقیید والإیضاح: ص ۲٦٦

(۳) التقیید والایضاح: ص ۲٦٦، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۸

(۴) معرفۃ علوم الحدیث: ص ۲۹، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲٦۵، ۲٦٦، التقیید والایضاح: ص ۲٦۵-۲٦٦، فتح المغیث للعراقی: ۳۵۸، اختصار علوم الحدیث: ص ۱۸۹

(۵) تفسیر القرطبی: ۸/ ۲۳۷، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام ابوحنیفہؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''پہلے مرد جنہوں نے اسلام قبول کیا حضرت ابوبکرؓ تھے، عورتوں میں سے پہلی خاتون حضرت خدیجہؓ اور بچوں میں سے حضرت علیؓ تھے''۔(۱)

اس بارے میں جو اختلاف ہے اس کے مابین حافظ ابن عبدالبرؒ نے یوں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے:

''یہ بات درست ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اسلام کا اظہار سب سے پہلے کیا تھا، پھر محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے اسلام کو اپنے والد ابوطالب سے مخفی رکھا تھا جبکہ حضرت ابوبکرؓ اپنے اسلام کا اعلان کر چکے تھے، اس وجہ سے لوگوں کو اس بارے میں اشتباہ ہوا ہے۔''(۲)

لیکن اس بارے میں زیادہ درست اور راجح تر بات وہ ہے جو کہ حافظ ابن الصلاحؒ نے یوں بیان فرمائی ہے:

''آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق، بچوں میں حضرت علی، عورتوں میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد، آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال بن رباح تھے۔''(۳)

لیکن حافظ عراقیؒ کے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ:

''حضرت علیؓ پہلے مرد تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا، یہ اکثر صحابہ مثلاً ابوذر، سلمان فارسی، خباب بن الارت، خزیمہ بن ثابت، زید بن ارقم، ابوایوب انصاری، مقداد بن الاسود، یعلی بن مرۃ، جابر بن عبداللہ، ابوسعید الخدری، انس بن مالک اور عفیف الکندی وغیرھم رضی اللہ عنھم کا قول ہے۔''(۴)

ابن خالویہ کا قول ہے کہ:

''حضرت خدیجہ کے بعد اسلام قبول کرنے والی دوسری خاتون لبابہ بنت الحارث، زوجہ عباس تھیں۔''(۵)

## کثرت سے احادیث روایت کرنے والے صحابہ:

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ سے بکثرت احادیث روایت کرنے والے صحابہ

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۳/ ۲۹، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲۶، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۸، فتح الباقی: ۳/ ۳۳

(۲) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۸، التقیید والإیضاح: ص ۲۶۹، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲۵، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۷

(۳) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۶۶، تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۲۸، الإرشاد للنووی: ۲/ ۴۹۲، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۸ - ۳۵۹، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲۶، الکتاب الجامع مع الجواھر المضیئۃ: ۲/ ۴۱۱

(۴) التقیید والإیضاح: ص ۲۶۶

(۵) تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چھ(۶) ہیں۔" ان مکثرین میں وہ صحابۂ کرام شامل ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے، ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱-حضرت ابوھریرہ: جن سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ:"حضرت ابو ھریرہؓ نبی ﷺ سے حدیث روایت کرنے والے صحابہ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے۔تقریبا آٹھ صد (۸۰۰) یا اس سے زیادہ صحابہ کرام نے آپ سے روایت کی ہے۔(۱) شیخین میں سے صرف امام بخاریؒ نے آپ کی ۳۹۰ اور امام مسلمؒ نے ۱۸۹ روایات لی ہیں جن میں سے ۳۲۵ متفق علیہ ہیں۔۔

۲-حضرت عبداللہ بن عمرؓ: جن سے ۲۶۳۰، احادیث مروی ہیں۔

۳-حضرت انس بن مالکؓ: جن سے ۲۲۸۶، احادیث مروی ہیں۔

۴-حضرت عائشہ صدیقہؓ: جن سے ۲۲۱۰، احادیث مروی ہیں۔

۵-حضرت عبداللہ بن عباسؓ: جن سے ۱۶۶۰، احادیث مروی ہیں۔

۶-حضرت جابر بن عبداللہؓ: جن سے ۱۵۴۰، احادیث مروی ہیں۔(۲)

لیکن حافظ زین الدین عراقیؒ نے اور ان کی اتباع میں حافظ ابن کثیرؒ نے بکثرت روایت کرنے والے ان صحابیوں کی فہرست میں ساتویں صحابی، حضرت ابوسعید الخدریؓ کا بھی اضافہ کیا ہے۔آپؓ سے ۱۱۷۰، احادیث مروی ہیں۔(۳) علامہ برھان الدین حلبیؒ نے بھی حضرت ابوسعید الخدریؓ کو مکثرین صحابہ میں ساتویں نمبر پر شمار کیا ہے۔امام ابن کثیرؒ نے تو حضرت ابن مسعود اور ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔کو بھی مکثرین صحابہ میں شمار کیا ہے حالانکہ ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ہزار احادیث سے کم (یعنی بالترتیب ۸۴۸، اور ۷۰۰) ہے۔(۴)

## سب سے زیادہ فتاوی دینے والے صحابہ

مسروق بن الاجدع کا قول ہے کہ:"میں نے پایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے علم کی انتہا چھ

---

(۱) الکتاب الجامع مع الجواھر المعنیۃ: ۴۱۲/۲

(۲) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۰، فتح المغیث للسخاوی: ۱۰۲/۴، مقدمہ ابن الصلاح: ص ۲۶۱، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۶ - ۲۱۸، الکتاب الجامع مع الجواھر المعنیۃ للقرشی: ۴۱۱/۲

(۳) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۰، فتح المغیث للسخاوی: ۱۰۲/۴، علوم الحدیث: ص ۲۶۵ - ۲۶۶، اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۵، ۱۸۸، شرح مسلم للنووی: ۶۷/۱، شرح المھذب: ۳۰۳/۱، الارشاد للنووی: ۴۸۳/۲ - ۴۸۵، تلقیح فھوم اھل الاثر: ص ۱۸۴، مقدمہ بقی بن مخلد: ص ۷۹، ۸۰، الاصابۃ: ۲۰۴/۴ - ۲۰۵، الفصل: ۱۳۸/۴، تدریب الراوی: ۲۱۸/۲

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۱۰۲/۴-۱۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پر ہوئی ہے یعنی حضرت ابوالدرداء، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم، پھر ان چھ اصحاب رسول کے علم کی انتہا حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما پر ہوئی ہے۔'' (۱)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

سب سے زیادہ فتاوی دینے والے صحابہ، سات ہیں: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ۔ امام ابن حزمؒ کا قول ہے کہ اگر ان صحابہ میں سے ہر صحابی کے فتاوی علیحدہ علیحدہ جمع کئے جائیں تو ضخیم جلدوں میں سمائیں گے۔ درحقیقت حضرت ابن عباسؓ تمام صحابہ میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فتاوی دینے والے صحابی تھے، حتی کہ کبار صحابہ آپ کی طرف فتاوی کے لئے رجوع کیا کرتے تھے۔'' (۲)

امام ابن حزمؒ مزید فرماتے ہیں

''ان سات مکثر مفتیان صحابہ کے بعد بیس ایسے صحابہ آتے ہیں کہ اگر ان میں سے ہر صحابی کے فتاوی علیحدہ علیحدہ جمع کئے جائیں تو چھوٹے چھوٹے اجزاء تیار ہو سکتے ہیں۔ یہ صحابہ: ابوبکر، عثمان، ابوموسی، معاذ، سعد بن ابی وقاص، ابوھریرۃ، انس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سلمان، جابر، ابوسعید، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابوبکرہ، عبادہ بن الصامت، معاویہ، ابن الزبیر اور ام سلمہ ہیں۔ ان کے بعد ایک سو بیس ایسے صحابہ ہیں کہ جن سے بہت قلیل مقدار میں یعنی ایک دو، یا تین فتاوی ہی منقول ہیں۔ یہ صحابہ: ابی بن کعب، ابو الدرداء، ابوطلحہ، مقداد وغیرھم ہیں......اگر ان تمام صحابہ کے فتاوی کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک چھوٹے حجم کا مجموعہ تیار ہو سکے گا۔'' (۳)

## عبادلہ کون صحابہ ہیں؟

'عبادلہ' سے مراد فی الحقیقت وہ صحابہ ہیں جن کے اسماء گرامی عبداللہ ہیں، ان کی تعداد بقول حافظ ابن الصلاح ونووی رحمھما اللہ ۲۲۰، بقول ابن فتحون وحافظ عراقی رحمھما اللہ تقریبا تین صد تک اور بقول امام سخاویؒ اس

(۱) مقدمہ ابن الصلاح: ص۲۶۲-۲۶۳، تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۱۸، فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۲، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۰۶

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۳، فتح المغیث للعراقی: ۳۵۰، الاحکام لابن حزم: ۵/۹۲، الارشاد للنوی: ۲/ ۴۸۵، علوم الحدیث: ص۲۶۶، الاصابۃ لابن حجر: ۱/۲۲، إعلام الموقعین لابن قیم: ۱/۱۲، الکتاب الجامع مع الجواھر المھیئۃ: ۲/۴۱۴-۴۱۵، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۹

(۳) الاحکام لابن حزم: ۵/۹۲-۹۳، جامع السیرۃ لابن حزم: ۳۱۹-۳۲۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۴، الاصابۃ لابن حجر: ۱/۲۲، کتاب الجامع مع الجواھر المضیئۃ: ۲/ ۴۱۵-۴۱۷، إعلام الموقعین: ۱/۱۲-۱۳، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے بھی بہت زیادہ ہے۔(۱) لیکن کتب حدیث میں 'عبادلہ' سے مراد مندرجہ ذیل چار صحابی لئے جاتے ہیں:

۱-عبداللہ بن عمر ۲-عبداللہ بن عباس

۳-عبداللہ بن الزبیر ۴-عبداللہ بن عمرو بن العاص

یہ سب صحابہ ایک عرصہ دراز تک بقید حیات رہے، لوگ بکثرت ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کے علم سے مستفید ہوتے تھے۔ جب کسی معاملہ میں یہ چاروں صحابی متفق ہوں تو کہا جاتا ہے کہ "یہ عبادلہ کا قول ہے"۔(۲)

منقول ہے کہ: "کسی شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ عبادلہ کون ہیں؟ آں رحمہ اللہ نے جواب دیا: عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمرو۔ سائل نے پھر پوچھا کہ ابن مسعود کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، وہ عبادلہ میں نہیں ہیں۔" امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ: "امام احمدؒ نے یہ اس وجہ سے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود بہت پہلے ہی وفات پا چکے تھے جبکہ مذکورہ لوگ ان کے بہت بعد تک بقید حیات رہے الخ۔"(۳)

امام نوویؒ نے بھی "تقریب" میں " ليس ابن مسعود منهم" لکھ کر حضرت ابن مسعودؓ کے 'عبادلہ' میں شامل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔(۴)

محدثین کی اس رائے کے برخلاف صاحب "الصحاح" الجوهری نے 'عبادلہ' کی تعداد چار کے بجائے تین بیان کی ہے اور مادہ 'عبد' کے تحت ابن عمر اور ابن عباس کے ساتھ ابن الزبیر کے بجائے ابن مسعود کا ذکر کیا ہے۔(۵) علامہ رافعیؒ نے "شرح الکبیر" (الدیات) میں، زمخشری نے "المفصل" (۶) میں، اور حنفیہ میں سے شارح البزدوی العلاء عبدالعزیز البخاریؒ نے بھی اسی طرح ابن الزبیرؓ کو ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنھما کے ساتھ شمار کیا ہے۔

علامہ عبدالعزیز البخاریؒ "التحقیق" میں فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۱، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۵، التقیید والایضاح للعراقی: ص۲۶۲، المعتبر ص۲۵۶، تہذیب الأسماء: ۱/۱ص۲۶۷، الاستیعاب: ۳/۸۶۵، ۱۰۰۴، علوم الحدیث: ص۲۶۶، اختصار علوم الحدیث: ۱۸۸، ۱۸۹

(۲) مقدمہ ابن الصلاح: ص۲۶۱، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۴-۱۰۵، فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۱، تدریب الراوی: ۲/۲۱۹-۲۲۰

(۳) مقدمہ ابن الصلاح: ۲۶۱، فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۱

(۴) تقریب النواوی مع تدریب: ۲/۲۱۹

(۵) الصحاح للجوهری: ۲/۵۰۵، ۶/۲۵۶۰، تاج العروس: ۸/۳۴۲-۳۴۳، لسان العرب: ۳/۲۷۹، القاموس المحیط: ۱/۳۱۲

(۶) المفصل للزمخشری: ص۹، شرح المفصل: ۱/۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



’’محدثین کے نزدیک عبادلہ میں ابن مسعود کے بجائے ابن الزبیر شامل ہیں لیکن ابن مسعود کو شمار کرنے والوں میں ابوالحسین ابن ابی الربیع القرشی، قاسم التجیبی (کہ جنہوں نے اپنے ’’فوائد‘‘ سفر میں تذکرہ کیا ہے) اور متاخرین میں سے ابن ھشام بھی ہیں جنہوں نے ’’التوضیح‘‘ میں ابن مسعودؓ کو ابن الزبیر کے مقام پر عبادلہ میں شمار کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کی دلیل ’’الھدایہ‘‘ کی یہ عبارت ہے: "قال العبادلة وابن الزبير أشهر الحج شوال وذوالقعدة وعشر من ذی الحجة" یہاں ابن الزبیر کو عبادلہ کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے، لیکن محدثین وغیرہ کے نزدیک معتمد اور مشہور چیز اول الذکر ہی ہے یعنی ابن مسعود کے بجائے ابن الزبیر کا عبادلہ میں شامل ہونا۔‘‘(۱)

مزید تفصیل کے لئے حاشیہ (۲) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## صحابۂ کرام کی تعداد

صحابۂ کرام کی صحیح اور قطعی اعداد و شمار کسی کو علم نہیں ہے، لیکن بعض محققین کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی۔ ان اقوال میں سب سے زیادہ مشہور قول امام ابوزرعہ کا ہے، جو کہ اس طرح منقول ہے:

’’رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ وصحابیات کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی کہ جن کو آپ کی رؤیت وسماع کا شرف حاصل تھا الخ۔‘‘(۳)

## طبقات صحابہ

طبقات صحابہ کی تعداد میں محققین کا اختلاف ہے۔(۴) بعض لوگ۔۔سبقت فی الاسلام یا ہجرت یا فضیلت والے مقامات میں ان کی حاضری کے اعتبار سے ان کو مختلف طبقات میں رکھتے ہیں۔(۵) چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"لا خفاء فی رجحان رتبة من لازمه ﷺ وقاتل معه أو قتل تحت رأيته على من

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۰۵

(۲) فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۰-۳۵۱، التقیید والایضاح: ص ۲۶۲، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۹-۲۲۰، الھدایہ للمرغینانی: ۱/ ۲۴۴، فتح القدیر: ۱/ ۵۱۲، التقریر والتحبیر: ۲/ ۲۵۰، الکتاب الجامع مع الجواھر المضیئۃ للقرشی: ۲/ ۴۱۳، أوضح المسالک: ۱/ ۱۸۴

(۳) الاستیعاب: ۱/ ۹، مقدمۃ ابن الصلاح: ۲۶۳، التقیید والایضاح: ص ۲۶۳-۲۶۴، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۰۹، الإصابۃ لابن حجر: ۱/ ۴، الکتاب الجامع مع الجواھر المضیئۃ: ۲/ ۴۱۳، تقریب مع تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۰

(۴) الارشاد للنووی: ۲/ ۴۸۷، علوم الحدیث للحاکم: ص ۲۹، ۳۰، ۳۶، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۳

(۵) مقدمہ ابن الصلاح: ص ۲۶۴، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لم يلازمه أو لم يحضر معه مشهدا و على من كلمه يسيرا أو ما شاه قليلا أو رآه على بعد أوفي حال الطفولية".(۱)

یعنی ''اس میں کوئی خفاء نہیں کہ جو صحابی آپؐ سے وابستہ رہا ہو اور آپ کے جیش میں شریک ہوا ہو یا آپ کے زیر علم شہید ہوا ہو بلا شبہ اس کا مقام اس صحابی سے بلند ہے جس کو آپؐ سے وابستگی نصیب نہیں ہوئی یا آپ کے ساتھ شریک معرکہ نہیں ہوا یا بہت کم گفتگو اور ساتھ چلنا نصیب ہوا یا آپ کو دور سے دیکھا یا بچپن میں دیکھا۔''

یعنی تفاوت درجات کے لحاظ سے ان میں بڑا فرق ہے، اگرچہ شرف صحبت کے اعتبار سے سب یکساں ہیں۔ صحابۂ کرام کے اسی تفاوت درجات کے پیش نظر ابن سعد رحمہ اللہ نے ان کو پانچ طبقات میں، امام ابن العربیؒ نے آٹھ طبقات میں اور امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوریؒ نے بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے(۲)۔ ابن سعدؒ کے بیان کردہ پانچ طبقات حسب ذیل ہیں:

''اول: بدری صحابی، دوم: وہ لوگ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور ان میں سے اکثر نے حبشہ ہجرت کی، سوم: وہ لوگ جو غزوۂ خندق کے موقع پر شریک غزوہ تھے، چہارم: جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور پنجم: وہ بچے جو کسی غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے''۔ (۳)

صحابہ کرام کے بارہ طبقات حسب تقسیم امام حاکمؒ مندرجہ ذیل ہیں:

''۱- جو مکہ میں قبل الہجرت مسلمان ہوئے (مثلاً خلفائے اربعہ)، ۲- اصحاب دار الندوہ، ۳- مہاجرین حبشہ (جو ماہ رجب ۵ نبوی میں ہوئی تھی)، ۴- اصحاب العقبۃ الاولی، ۵- اصحاب العقبۃ الثانیہ (جن میں اکثر انصار تھے)، ۶- اول مہاجرین جو مدینہ ہجرت کر کے نبی ﷺ سے اس وقت آ ملے تھے جب کہ آپؐ قباء ہی میں تھے، مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوئے تھے، ۷- اہل بدر، ۸- وہ مہاجرین جو غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے دوران مدینہ پہنچے، ۹- اہل بیعت رضوان، ۱۰- وہ مہاجرین جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے دوران مدینہ منورہ پہنچے (مثلاً خالد بن ولید اور عمرو بن العاص)، ۱۱- جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، اور ۱۲- وہ بچے جنہوں نے فتح مکہ یا حجۃ الوداع وغیرہ کے موقع پر نبی ﷺ کو دیکھا تھا۔'' (۴)

---

(۱) شرح نخبۃ الفکر: ص ۲۸، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۰، علوم الحدیث لصبحی صالح: ص ۴۵۰

(۲) الاحکام لابن العربی: ۲/۱۰۰۲

(۳) الجامع للخطیب: ۲/۲۹۲-۲۹۳، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۵۳-۳۵۴، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۱۲، تدریب الراوی: ۲/۲۲۱، اختصار علوم الحدیث: ص ۱۸۳، ۱۸۴

(۴) معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص ۲۹-۳۱، ۶۲۸، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۱۱-۱۱۲، فتح المغیث للعراقی: ۳۵۳-۳۵۴، تدریب الراوی: ۲/۲۲۱-۲۲۲، علوم الحدیث لصبحی صالح: ص ۴۵۱-۴۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## صحابۂ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟

ابومنصور عبدالقادر بغدادی التمیمیؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ صحابۂ کرام میں سب سے افضل چاروں خلفاء ہیں، پھر عشرۂ مبشرہ میں سے باقی چھ صحابی (یعنی حضرت طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنھم اجمعین)، پھر بدری صحابی، پھر غزوۂ احد میں شریک ہونے والے صحابہ، پھر حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ، (پھر انصار میں سے جس کو العقبۃ الاولی اور العقبۃ الثانیہ کا شرف حاصل ہوا یا جو مہاجرین وانصار میں سے السابقون الاولون میں سے تھے یا وہ جنہوں نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی ہے، ان کو دوسروں پر اضافی فضیلت حاصل ہے۔''(۱)

واضح رہے کہ خلفائے اربعہ میں بھی باجماع اہلسنت حضرت ابوبکر صدیقؓ علی الاطلاق سب سے افضل ہیں، پھر حضرت عمر بن الخطابؓ کا درجہ ہے۔ امام شافعیؒ نے اس پر صحابہ وتابعین کا اجماع نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابو العباس قرطبیؒ نے بھی شیخین کی تفضیل پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''اس بارے میں ائمہ سلف وخلف میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے''۔ پھر حضرت عثمانؓ بن عفان کی افضلیت پر اکثر اہلسنت کا اتفاق ہے جیسا کہ امام خطابیؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے لیکن بعض اہل کوفہ فضیلت کے اعتبار سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن یہ ان تمام تفصیلات کا موقع نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے حاشیہ (۲) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## آخری صحابی باعتبار عمر

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل بعد نماز عشاء یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ آج رات جو شخص روئے زمین پر بحیات ہے، سو سال کے سرے پر وہ باقی نہ رہے گا۔ اس موقع پر آپ کے الفاظ مبارک یہ تھے:

"أرأيتكم ليلتكم هذه، فإن رأس مائة سنة لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد".(۳)

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح: ص۲۶۴، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲۰، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۳-۲۲۴، الکتاب الجامع مع الجواھر المضیۃ: ۲/ ۴۱۲، علوم الحدیث: ص ۲۶۹، تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۲۲-۲۲۴، شرح مسلم للنووی: ۱۵/ ۱۴۸، الارشاد للنووی: ۲/ ۴۸۹، أصول الدین لأبي منصور التمیمی: ص۳۰۴، المنہل الروی: ص۱۱۲، فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۶

(۲) مقدمہ ابن الصلاح: ص۲۶۴، کتاب الجامع مع الجواھر المضیۃ: ۲/ ۴۱۱، فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۴-۳۵۶، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۱۲-۱۱۹، تدریب الراوی: ۲/ ۲۲۳، تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۲۲-۲۲۳، الاعتقاد للبیہقی: ص۱۹۴

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱/ ۲۱۱، ۲/ ۷۴-۷۵ وغیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آپ ؐکی یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ محدثین اور اصحاب تاریخ وسیر کا اتفاق ہے کہ باعتبار عمر وفات میں سب سے آخری صحابی علی الاطلاق حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثیؓ تھے۔ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ۱۰۰ھ میں ہوئی تھی، بعض نے اس سن وفات سے زیادہ یعنی ۱۰۲ھ، ۱۰۷ھ اور ۱۱۰ھ تک بھی بتایا ہے۔(۱) ابوالطفیلؓ سے قبل وفات پانے والے صحابی حضرت محمود بن الربیع تھے جن کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی تھی اور ان سے قبل حضرت انسؓ نے ۹۳ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی تھی۔(۲)

## آخری صحابی باعتبار فضائل:

بدری انصاری صحابیوں میں آخری وفات پانے والے صحابی حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ الساعدیؓ تھے، لیکن مدائنی اور ابوزکریا بن مندہ کا قول ہے کہ آخری انصاری بدری صحابی ابواسیدؓ تھے یا پھر ابوالیسر کعب بن عمرو،(۳) امام اسحاق اور ابن الجوزی کی تحقیق کے مطابق آخری بدری مہاجر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ عشرہ مبشرہ میں سے وفات پانے والے آخری صحابی بھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی تھے۔ اصحاب بیعت رضوان میں سے آخری صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، قبلتین کی طرف نماز پڑھنے والے صحابیوں میں سے آخری صحابی حضرت عبداللہ بن بسرؓ، اصحاب عقبہ میں سے آخر صحابی بقول امام بن الجوزی حضرت جابرؓ، موالی رسول اللہ ﷺ میں سے آخری صحابی حضرت سفینہؓ، ازواج مطہرات میں سے آخری زوجہ بقول واقدی وغیرہ حضرت میمونہؓ تھیں، لیکن بروایت یونس عن شہاب آخری زوجہ مطہرہ ام سلمہؓ تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس قول کو درست بتایا ہے۔(۴) صحیح مسلم(۵) کی روایت سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔(۶)

## مقام صحابیت کی معرفت کا فائدہ

صحابۂ کرام کی معرفت ایک فن جلیل ہے اور بہت عظیم فوائد کا حامل ہے۔ اس کے ذریعہ "مرسل" اور "متصل" احادیث کے درمیان امتیاز کیا جا سکتا ہے۔(۷)

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح: ص۲۷۰، فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۹، التقیید والایضاح: ص۲۷۰، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۲۸، الاصابۃ لابن حجر: ۴/۱۱۳، فتح الباری: ۷/ ۵، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۸-۲۱۹

(۲) فتح المغیث للعراقی: ص۳۵۹، التقیید والایضاح: ص۲۷۲، تدریب الراوی: ۲/ ۲۳۰

(۳) الاستیعاب للقرطبی: ۳/ ۱۳۵۲، ۴/ ۱۵۹۸، تہذیب الکمال: ۳/ ۱۲۹۹، تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۶، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۳/ ۳۴۴

(۴) الاصابۃ لابن حجر: ۴/ ۴۶۰ (۵) صحیح مسلم: ۴/ نمبر ۲۲۰۸-۲۲۰۹

(۶) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۱۴۳

(۷) الاستیعاب للقرطبی: ۱/ ۸، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۵، تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۲۰۶، مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ص۱۴۹، ماتمس الیہ حاجۃ القاری للنووی: ص۱۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# حیات صحابہ پر چند معروف تصانیف

ائمہ حدیث نے معرفت صحابہ کی اہمیت اور علمی فوائد کے پیش نظر ابتدا ہی سے اس فن پر متعدد کتب تصنیف کی ہیں۔ان ائمہ میں علی بن المدینی ، امام بخاری ، امام مسلم ، امام ترمذی ، امام ابوداؤد السجستانی ، مطین ، ابوبکر بن ابی داؤد، عبدان ، ابوعلی سعید بن عثمان بن السکن ، ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاھین (۳۸۵ھ)، ابومنصور الباوردی، ابوحاتم ابن حبان (ایک جلد)، ابوالعباس الدغولی، ابونعیم الأصبھانی، ابوعبداللہ ابن مندہ، ابوعمر بن عبد البر، ابوالحسن محمد بن صالح الطبری، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی، ابوالقاسم العثمانی، ابوالحسن، ابن قانع، ابوالقاسم الطبرانی (۳۶۰ھ)، ابوجعفر العقیلی محمد ابن عمرو بن موسی المکی، الأزرق، الدولابی، العزابوالحسن علی بن محمد الجزری ابن الاثیر، ابواحمد العسکری، ابوالقاسم عبدالصمد بن سعید الحمصی، محمد بن الربیع الجیزی، ابومحمد عبداللہ بن علی ابن الجارود، الحافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی، خلیفہ ابن خیاط، محمد بن سعد، ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفسوی (۲۷۷ھ)، ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ (۲۷۹ھ) اور ابن حجر عسقلانی وغیرھم رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ان مصنفین میں سے امام علی بن المدینی کی کتاب کا نام ''معرفۃ من نزل من الصحابۃ سائر البلدان'' ہے، یہ کتاب پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔محمد بن سعد کی کتاب ''الطبقات الکبری'' کے نام سے یورپ وغیرہ میں دس سے زیادہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ابوموسی المدینی نے ابوعبداللہ ابن مندہ کی کتاب پر ''ذیل'' مرتب کیا تھا۔حافظ طبریؒ کی کتب کا نام ''السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین'' اور ''الریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ'' ہے جو مصر سے طبع ہو چکی ہے۔ابوعمر ابن عبدالبرؒ کی کتاب کا نام ''الاستیعاب فی أسماء الاصحاب'' ہے۔ اس پر ''ذیل'' مرتب کرنے والوں میں ابی اسحاق ابن الامینؒ اور ابی بکر ابن فتحونؒ ہیں۔محمد بن یعقوب بن محمد بن احمد الخلیلیؒ نے ''الاستیعاب'' لابن عبدالبرؒ کا اختصار ''إعلام الإصابۃ بأعلام الصحابۃ'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔ العزابوالحسن علی بن محمد الجزری ابن الاثیرؒ کی کتاب کا نام ''اسد الغابۃ'' ہے۔امام نووی اور علامہ کاشغری رحمہما اللہ نے اس کا اختصار مرتب کیا ہے، امام ذہبیؒ نے بھی ''التجرید'' کے نام سے اس کی تجرید فرمائی ہے۔ ناظمؒ نے اس میں بہت سے اسماء صحابہ کا اضافہ کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب کا نام ''الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' ہے جو چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

☆☆☆

(۱) الاستیعاب للقرطبی المالکی: ۱/۱۰، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر: ۱/۳-۵، فتح المغیث للعراقی: ص۳۴۲-۳۴۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۷۵-۷۶، تدریب الراوی للسیوطی: ۲/۲۰۷-۲۰۸، مقدمۃ تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری: ۱۴۹-۱۵۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# صحابۂ کرام اور شرف صحابیت اصلاحی صاحب کی نظر میں

''صحابہ وصحابیت'' کے عنوان سے ''مبادیٔ تدبر حدیث'' کا یہ باب اصلاً جناب امین احسن اصلاحی صاحب کا وہ مضمون ہے جو شامل کتاب ہونے سے سات سال قبل رسالہ ''تدبر'' (۱) لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ محترم اصلاحی صاحب نے اس باب کی ابتدا انہی زریں سطور سے کی ہے جن کو راقم نے زیر مطالعہ باب کے آغاز میں درج کیا ہے۔ آگے چل کر آں محترم صحابۂ کرامؓ کو اللہ تعالی کے نزدیک ''امت کے ہراول دستہ اور شہداء اللہ فی الارض'' نیز ایک دوسرے مقام پر ''شہداء اللہ علی الناس'' یعنی ''پیغمبر ﷺ کے علم وعمل کے وارث اور گواہ'' بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحابہؓ کی تعدیل قرآن میں: اللہ تعالی نے صحابۂ کرامؓ کو امت کے ہراول دستہ اور 'شہداء اللہ فی الأرض' کا درجہ دیا ہے۔ فرمایا: ﴿وكذلك جعلنكم أمة وسطا لتكونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا﴾. (البقرہ-۲: ۱۴۳) ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بیچ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

اس آیت سے ایک تو یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالی نے اپنے دین حق کی تبلیغ ودعوت اور اقامت کی ذمہ داری جس طرح اپنے رسولؐ پر ڈالی اسی طرح سے یہ ذمہ داری رسولؐ کے بعد صحابہؓ پر عائد ہوئی اور یہ ذمہ داری ان کے اوپر مجرد ایک نفلی نیکی کی حیثیت سے نہیں بلکہ بحیثیت ایک فریضۂ منصبی کے ڈالی گئی۔

دوسری یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ صحابہؓ کو امت میں جو شرف حاصل ہے وہ 'شہداء اللہ علی الناس' یعنی 'پیغمبر ﷺ کے علم وعمل کے وارث اور گواہ ہونے کی بناء پر ہیز'۔(۲)

ان سطور کے متعلق راقم کو اس کے سوا کچھ عرض نہیں کرنا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی تعدیل کے متعلق اگر جناب اصلاحی صاحب کے پیش نظر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کے علاوہ وہ دوسری تمام آیات بھی ہوتیں، کہ جن کا

---

(۱) تدبر لاہور: عدد شمارہ ۵ ص ۱۷-۲۴ مجریہ ماہ اکتوبر ۱۹۸۲ء

(۲) مبادیٔ تدبر حدیث: ص ۷۶-۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تذکرہ ہم نے اوپر اس باب کے حصہ اول میں کیا ہے، تو یقیناً آں محترم صحابۂ کرامؓ کا عنداللہ وعندالرسول جو مقام ومرتبہ متعین ہے اسے بیان کرتے ہوئے صرف مذکورہ ایک ہی پہلو پر زور نہ دیتے۔

## تعدیل صحابہ پر ایک موضوع حدیث سے استدلال:

جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''صحابہؓ کی تعدیل حدیث میں: نبی ﷺ نے صحابہؓ کو جو درجہ دیا ہے وہ متعدد حدیثوں سے واضح ہے۔ ہم 'الکفایۃ فی علم الروایۃ' سے بطور مثال ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

"عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: مهما أو تيتم من كتاب الله فالعمل به، لاعذر لأحدكم فى تركه، فإن لم يكن فى كتاب الله، فسنة منى ماضية، فإن لم يكن سنة منى ماضية، فما قال أصحابى،إن أصحابى بمنزلة النجوم فى السماء فأيها أخذتم به اهتديتم (واختلاف أصحابى لكم رحمة).

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں کتاب اللہ میں سے ملا ہے اس پر عمل واجب ہے، اسکے ترک کے لئے تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں ہے پس اگر کتاب اللہ میں کوئی بات نہ ملے تو جو میری سنت چلی آ رہی ہو اس پر عمل کرو۔ اگر میری کوئی ماثور سنت نہ ہو تو جو میرے اصحاب نے کہا اس پر چلو۔ بے شک میرے اصحاب آسمان کے ستاروں کی منزلت میں ہیں، ان میں سے جس کو بھی اختیار کرو گے رہنمائی پاؤ گے، (اور میرے اصحاب کا اختلاف بھی تمہارے لئے باعث رحمت ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ نبی ﷺ کی سنت بتانے والے بھی ہیں اور خود بھی رہنمائی کے مینار ہیں۔ وہ نبی ﷺ سے علم و عمل کے منتقل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ نبی ﷺ نے ان کے شرف کی جو بنیاد خود بتائی وہ ان کا ذریعہ ہدایت ہونا ہے۔''(۱)

افسوس کہ جناب اصلاحی صاحب کو تعدیل صحابہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ثابت اور صحیح احادیث میں سے کوئی حدیث بھی نہ بھائی۔ اس سلسلہ میں آں محترم نے جو حدیث ''الکفایۃ'' کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ قطعاً ''خانہ ساز'' اور من گھڑت ہے، پھر دوسری افسوس ناک بات یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے منقولہ بالا حدیث کا آخری حصہ (جو اوپر بریکٹ کے درمیان لکھا گیا ہے، یعنی: "واختلافُ أصحابى لكم

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۷۷-۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رحمة"...... ''اور میرے اصحاب کا اختلاف بھی تمہارے لئے باعث رحمت ہے'') حذف کر دیا ہے۔اس قطع وبرید کو کسی بھی طرح محمود قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہرحال ذیل میں ہم اس روایت کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں:

اس روایت کی تخریج علامہ خطیب بغدادیؒ نے جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک اصول حدیث پرا کیلی قابل اعتماد اور مستند کتاب ''الکفایۃ فی علم الروایۃ''(۱) میں اور ابن عساکرؒ(۲) نے بطریق سلیمان بن ابی کریمہ عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس مرفوعاً کی ہے۔اس حدیث کو جویبر عن الضحاک عن ابن عباس کے اسی مرفوع طریق کے ساتھ دیلمیؒ نے بھی ''مسند الفردوس'' میں روایت کیا ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الأسرار المرفوعہ فی الأحادیث الموضوعۃ''(۳) میں بیان کیا ہے۔امام بیہقیؒ اور طبرانیؒ کے متعلق بھی اس حدیث کو روایت کرنا بیان کیا گیا ہے۔شیخ ابو حامد الغزالیؒ نے ''احیاء علوم الدین''(۴) میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''جزیل المواھب فی اختلاف المذاھب'' میں امام بیہقیؒ کی ''المدخل'' والی روایت کو وارد کیا ہے، مگر حافظ زین الدین عراقیؒ اس حدیث کے آخری حصہ کو ''تخریج الإحیاء'' میں وارد کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''وإسنادہ ضعیف''(۵)......لیکن حق بات یہ ہے کہ اس کی اسناد فقط ''ضعیف'' ہی نہیں بلکہ ''انتہائی ضعیف'' ہے، ابن عباسؓ اور ضحاک کے درمیان سلسلۂ روایت بھی منقطع ہے جیسا کہ امام سخاویؒ نے صراحت کی ہے۔(۶) پھر اس کے راویوں میں ایک راوی سلیمان بن ابی کریمہ ہے جس کے متعلق امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ ''وہ ضعیف الحدیث ہے''۔امام ابن عدیؒ کا قول ہے: ''عام طور پر اس کی احادیث مناکیر ہوتی ہیں'' امام عقیلیؒ فرماتے ہیں: "عن هشام بن حسان يحدث بمناكير ولايتابع على كثير من حديثه "، امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: ''امام ابو حاتمؒ اور ابن عدی نے اس کی تضعیف کی ہے''، ملا طاہر پٹنی نے بھی ابن ابی کریمہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ(۷) کے تحت درج شدہ کتب ملاحظہ فرمائیں۔

اس سند کا دوسرا مجروح راوی سلیمان بن ابی کریمہ الشامی کا شیخ جویبر ابن سعید الازدی ہے جو کہ عند

---

(۱) الکفایۃ للخطیب: ص ۴۸

(۲) ابن عساکر: ۷/۲ص ۳۱۵

(۳) الأسرار المرفوعۃ لملا علی القاری: ص ۵۲

(۴) احیاء علوم الدین للغزالی: ۱/ ۲۰۸

(۵) تخریج الإحیاء للعراقی: ۱/ ۲۵

(۶) المقاصد الحسنۃ للسخاوی: ص ۲۷

(۷) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/۱ص ۱۳۸، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲/ ۱۳۸، میزان الاعتدال للذھبی: ۲/ ۲۲۱، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲/۲۴، مجمع الزوائد للھیثمی: ۷/ ۱۱۹، ۱۰/ ۴۳، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۲۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


المحدثین ''متروک'' ہے۔ امام نسائی، علی بن الجنید اور دارقطنی نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔ یحیی بن معین کا قول ہے کہ ''کچھ بھی نہیں ہے۔''، امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''لا یشتغل بحدیثہ'' جوزجانیؒ کا قول بھی اسی طرح یہ ہے: ''لا یشتغل بہ''۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ''ضعیف ہے'' یحیی بن سعید القطان فرماتے ہیں: "كنت أعرفه بحديثين ثم أخرج هذه الأحاديث وضعفه جدا يروى عن الضحاك اشياء مقلوبة"— امام عقیلیؒ فرماتے ہیں: ''یحیی اور عبدالرحمٰن جویبر بن سعید سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے مگر سفیان اس سے حدیث روایت کرتے تھے۔'' امام دارمیؒ بیان کرتے ہیں کہ: ''میں نے یحیی بن معینؒ سے پوچھا کہ جویبر کی حدیث کیسی ہے؟ آں رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ضعیف'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''انتہائی ضعیف ہے''۔ علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: ''متروک ہے''۔ ابن عراق الکنانیؒ فرماتے ہیں کہ ''متروک ہے''، ابن الجوزیؒ نے اسے ''متہم بالکذب بیان کیا ہے''۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں: ''ضعیف متروک ہے''۔ اور ملا طاہر پٹنی نے بھی جویبر کو ''ضعیف، کذاب اور متروک'' قرار دیا ہے۔ تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اس سند کے ضعف کی تیسری علت ضحاک ابن مزاحم الھلالی کا حضرت ابن عباسؓ سے ملاقی نہ ہونا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ امام بیہقیؒ ''شعب الإیمان'' میں فرماتے ہیں کہ ''ضحاک کی ابن عباس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی (لم یلق ابن عباس)''۔ عبدالملک بن میسرہ کا قول ہے: "الضحاك لم يلق ابن عباس"، یحیی القطان فرماتے ہیں: "كان شعبة ينكر أن يكون الضحاك لقى ابن عباس قط". امام ابن ابی شیبہ اپنی ''مصنف'' میں فرماتے ہیں: "حدثنا أبو داود عن شعبة قال أخبرني مشاش قال سألت الضحاك: هل رأيت ابن عباس؟ فقال لا". حافظ ابوطاہر سلفی کا قول ہے: ''ضحاک بن مزاحم کا حضرت ابن عباسؓ سے سماع ثابت نہیں ہے''۔ ابوالفضل احمد بن عبداللہ بن نصر بن ھلال السلمی فرماتے ہیں: "سئل المؤمل بن أبي هلال عن الضحاك هل سمع من ابن عباس فقال: قد أدركه وما سمع منه، وإنما أحاديثه المسندات عن سعيد بن جبير عن ابن عباس" امام ابن عدیؒ

---

(۱) الضعفاء والمتروکین للنسائی: نمبر ۱۰۴، الضعفاء الصغیر للبخاری: نمبر ۲۷، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱/ ۲۰۵، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: نمبر ۱۴۷، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۱/ ۱۷۷، المجروحین لابن حبان: ۱/ ۲۱۷، الکامل فی الضعفاء لابن عدی: ۲/ ۵۴۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۱/ ۵۴۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ؛۲/ ۲۵۷، التاریخ الصغیر للبخاری: ۲/ ۱۰۷، تاریخ یحیی بن معین: ۳/ ۲۸۰، المعرفۃ والتاریخ للبسوی: ۳/ ۳۵، العلل لابن حنبل: ۱/ ۱۳۶، میزان الاعتدال للذھبی: ۱/ ۴۲۷، تہذیب التہذیب لابن حجر: ۲/ ۱۲۴، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/ ۴۶، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۲۴۷، مجمع الزوائد للھیثمی: ۴/ ۴۲، ۳۳۷، ۵/ ۲۹۶، نصب الرایہ للزیلعی: ۲/ ۶۰، ۴۵۵، ۳/ ۱۹۹، ۲۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا قول ہے کہ: "ضحاک بن مزاحم کی حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے روایات اور جو کچھ ان سے روایت کیا جاتا ہے وہ سب محل نظر ہیں"۔ علامہ زیلعیؒ نے بھی ضحاک کی ابن عباسؓ سے ملاقات نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ بلکہ علامہ طاہر پٹنی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ: "ضحاک، ابن عباس سے روایت کرنے میں ضعیف مجروح ہیں، انہوں نے ابن عباس سے سماع نہیں کیا ہے، وہ فی نفسہ صدوق ہیں لیکن ابن عباس سے ان کی روایت منقطع ہوتی ہے الخ۔" مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ(۱) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگر دیکھا جائے تو معنوی اعتبار سے بھی یہ روایت "انتہائی ضعیف" ہی نہیں بلکہ "خانہ ساز" اور "من گھڑت" معلوم ہوتی ہے جیسا کہ محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "سلسلۃ الأحادیث الضعیفہ والموضوعہ" (۲) میں صراحت کی ہے۔ اس حدیث کا متن بتاتا ہے کہ اس کے مخاطب صحابہؓ کرام نہیں بلکہ ان کے بعد کے لوگ ہیں، پھر اس حدیث کے آخری حصہ میں صحابہؓ کرام کے اختلاف کو غیر صحابیوں کے لئے باعث رحمت بتایا گیا ہے حالانکہ اختلاف تو ہمیشہ رحمت کے بجائے زحمت کا باعث ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ اسلام میں اختلاف وانتشار کے بجائے ہمیشہ اتحاد واتفاق پر ہی زور دیا گیا ہے، پس استثنائی طور پر اختلاف صحابہ کیونکر باعث رحمت ہوسکتا ہے؟

مزید تفصیلات کے لئے "تلخیص الحبیر" لابن حجر عسقلانی، (۳) "اتحاف السادہ المتقین" للزبیدی (۴) اور "کشف الخفاء ومزیل الإلباس" (۵) للعجلونی وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

واضح رہے کہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس ضمن میں ایک اور حدیث یوں روایت کی ہے:

"سألت ربی فیما اختلف فیه أصحابی من بعدی فأوحی الله إلی یا محمد إن أصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها أضوأ من بعض فمن أخذ بشیء مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی".(۶)

---

(۱) الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲/ ۲۱۸، میزان الاعتدال للذھبی: ۲/ ۳۲۶، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲/ ۶۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۲۶۴، معرفۃ الثقات للعجلی: ۱/ ۴۷۳، تہذیب التھذیب لابن حجر: ۴/ ۴۵۴، تقریب التھذیب لابن حجر: ۱/ ۳۷۳، نصب الرایہ للزیلعی: ۲/ ۴۵۵-۴۵۶، تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری: ۲/ ۲

(۲) ۱/ ۷۹-۸۰

(۳) ۴/ ۱۹۰

(۴) ۲/ ۲۲۳

(۵) ۱/ ۶۶

(۶) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص ۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یعنی ''میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالی نے میرے پاس وحی بھیجی کہ اے محمد! میرے نزدیک تیرے صحابہ آسمان میں ستاروں کی منزلت میں ہیں کہ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ روشن ہے، پس جس نے ان کے مختلف طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ کو اختیار کیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے''۔

خطیب بغدادی کے علاوہ اس حدیث کی تخریج ابن عساکر نے (۱)، ابن بطہ نے ''الابانۃ'' (۲) میں اور ضیاء المقدسی نے ''المنتقی عن مسموعاتہ بمرو'' (۳) میں بھی کی ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الجامع الصغیر'' (۴) میں وارد کر کے گویا اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن یہ حدیث بھی ''موضوع'' (یعنی ''خانہ ساز'') ہے کیونکہ یہ بطریق نعیم بن حماد عبدالرحیم بن زید العمی عن ابیہ عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ بہ مروی ہے، اور اس کا راوی نعیم بن حماد عندالمحدثین ''ضعیف'' اور اس کا شیخ عبدالرحیم بن زید العمی ''کذاب'' ہے ابن عساکرؒ نے اس کی تخریج کے بعد اس پر سخت کلام کیا ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ نے امام بزارؒ سے بھی اس حدیث میں نکارت نقل کی ہے۔ امام ابن الجوزیؒ نے ''العلل المتناھیۃ فی الأحادیث الواھیۃ'' (۵) میں اس حدیث کو غیر صحیح اور باطل قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ''میزان الاعتدال'' میں (۶) میں اسے غیر صحیح بتایا ہے علامہ مناویؒ نے بھی ''الجامع الصغیر'' کی شرح میں اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور زبان زد حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "أصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم" اس حدیث کو حافظ ابن عبدالبر نے ''جامع العلم'' (۷) میں اور امام ابن حزمؒ نے ''الاحکام'' (۸) میں نقل کیا ہے۔ علامہ شعرانیؒ نے ''المیزان الکبری'' (۹) میں اہل کشف کے نزدیک اس کی صحت بیان کی ہے

---

(۱) ۶/۱ص ۳۰۳
(۲) الابانۃ للسجزی: ۴/۲ص ۱۱
(۳) المنتقی لضیاء المقدسی: ۲/ ۱۱۶
(۴) الجامع الصغیر: ۲/ ۲۸
(۵) العلل المتناھیۃ: ۱/ ۲۸۲-۲۸۳
(۶) میزان الاعتدال للذھبی: ۲/ ۶۰۵
(۷) جامع العلم: ۲/ ۹۱
(۸) الاحکام لابن حزم: ۶/ ۸۲
(۹) المیزان للشعرانی: ۱/ ۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب اصلاحی صاحب نے اگلے باب میں اور جناب مودودی صاحب نے ''رسائل ومسائل'' (۱) میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ حدیث بھی ''موضوع ہے۔'' خود امام ابن عبدالبرؒ اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وهذا إسناد لا تقوم به حجة" امام ابن حزمؒ اس کو ''موضوع'' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "هذه رواية ساقطة". علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ ''المنتخب'' میں (۲) میں فرماتے ہیں: " لا يصح هذا الحديث ".

لیکن چونکہ جناب اصلاحی صاحب نے یہاں ان احادیث میں سے کسی کو دلیل نہیں بنایا ہے لہٰذا ان کے تفصیلی جائزہ سے ہم صرف نظر کرتے ہیں، البتہ یہ کہنے میں ہمیں قطعا کوئی تردد نہیں کہ جب جناب اصلاحی صاحب کی اس ضمن میں پیش کردہ اکلوتی دلیل ہی بے بنیاد اور ''من گھڑت'' ثابت ہوئی تو گویا آں محترم کے نزدیک از روئے حدیث نبوی تعدیل صحابہ کا اثبات ایک دشوار امر ہے۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب ایک نئی سرخی کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''**صحابہؓ کی عدالت کے بارے میں محدثین کی رائے**: صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی اس عظمت واہمیت کے سبب سے نبی ﷺ کے علم وعمل کی روایت کے باب میں محدثین نے ان کو یہ درجہ دیا ہے کہ ان کو جرح سے بالاتر قرار دیا۔ ان کے باب میں محدثین کا اصول یہ ہے کہ: "الصحابة كلهم عدول" صحابہؓ بلا استثناء سب جرح سے بالاتر ہیں۔ ایک روایت کے رد وقبول کے لئے دوسرے تمام راویوں کے خیر وشر کی تحقیق کی جائے گی اور صرف تحقیق کے بعد ہی ان کی روایت قابل قبول ہوگی، لیکن صحابیؓ اس طرح کی تحقیق سے بالاتر ہوں گے۔

روایت حدیث کے ضمن میں صحابۂ کرامؓ کی عدالت کے اس اصول سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'صحابی' کی تعریف کیا ہے؟ کیا وہ شخص جس نے نبی ﷺ کو محض ایک دو بار دیکھا تو ہو لیکن نہ کوئی خاص صحبت اٹھائی ہو اور نہ آپؐ سے تربیت پائی ہو، وہ بھی جرح وتعدیل سے بالاتر اور روشنی اور ہدایت کا مینار سمجھا جائے گا؟

محدثین میں اس سوال کے جواب میں اختلاف ہوا ہے اور یہ اختلاف قدرتی ہے۔ ان کو رائے کے اعتبار سے، ہم تین نمایاں گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں''۔ (۳)

محدثین کی نگاہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی مذکورہ بالا ''عظمت واہمیت'' بیان کرنے کے بعد جناب

(۱) رسائل ومسائل للمودودی: ۲/ ۳۳۹

(۲) المنتخب لابن قدامہ: ۱۰/۲ ص ۱۹۹

(۳) مبادئ تدبر حدیث: ص ۷۸-۷۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اصلاحی صاحب یوں رقم طراز ہوتے ہیں گویا انہیں محدثین کے متفقہ ومسلمہ اصول سے کلی طور پر اتفاق نہیں ہے، لیکن جہاں تک آں موصوف کے مندرجہ ذیل سوال کا تعلق ہے کہ:......

''روایت حدیث کے ضمن میں صحابۂ کرامؓ کی عدالت کے اس اصول سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'صحابی' کی تعریف کیا ہے؟ کیا وہ شخص جس نے نبی ﷺ کو محض ایک دو بار دیکھا تو ہو لیکن نہ کوئی خاص صحبت اٹھائی ہو اور نہ آپ سے تربیت پائی ہو وہ بھی جرح وتعدیل سے بالاتر اور روشنی وہدایت کا مینار سمجھا جائیگا؟''

......تو جاننا چاہیئے کہ اس کا مفصل جواب زیر مطالعہ باب کے حصہ اول میں گزر چکا ہے، لہٰذا تکرار کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ جناب اصلاحی صاحب محترم کا یہ دعوی صد فی صد خلاف واقعہ ہے کہ:

''محدثین میں اس سوال کے جواب (یعنی صحابی کی تعریف وتعیین) میں اختلاف ہوا ہے اور یہ اختلاف قدرتی ہے۔ ان کو رائے کے اعتبار سے ہم تین نمایاں گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں''۔

محدثین کے درمیان 'صحابی' کی تعریف وتحدید کے ضمن میں بنیادی طور پر از ابتدا تا انتہا قطعا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اگر کوئی فرق ہے بھی تو الفاظ اور تعبیر کے اس معمولی سے تغیر وتبدل کو ''اختلاف'' قرار دینا زیادتی ہے۔ ہم قارئین محترم سے درخواست کریں گے کہ زیر مطالعہ باب کے حصہ اول میں بیان کی گئی ''صحابی کی اصطلاحی تعریف'' (پہلا قول) ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں اور جناب اصلاحی صاحب کے اس قول پر غور فرمائیں، ان شاء اللہ اس دعوی کا بطلان وتلبیس خود بخود آپ پر آشکارا ہو جائیگی۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب بزعم خود محدثین کے پہلے گروہ کی رائے یوں بیان کرتے ہیں:

''پہلے گروہ کی رائے: اس ضمن میں پہلے گروہ، جس کے نمایاں آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، کی رائے ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے: "قال ابن عمر: ورأيت أهل العلم يقولون كل من رأى رسول الله ﷺ وقد أدرك الحلم وأسلم وعقل أمر الدين ورضيه فهو عندنا ممن صحب النبي ﷺ ولو ساعة من نهار، ولكن أصحابه على طبقاتهم وتقدمهم فى الإسلام"۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کے طبقات اگرچہ ان کے علم اور تقدم فی الاسلام کی بنیاد پر قائم ہیں، لیکن میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس نے بلوغ اور اسلام اور دین کے کچھ شعور کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، اگرچہ ایک گھڑی ہی کیلئے، اس نے ہمارے نزدیک نبی ﷺ کی صحبت اٹھائی۔

'تقدم فی الاسلام' سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ سب صحابہؓ ایک درجے کے نہیں ہیں۔ بہر حال ان میں مختلف طبقات ہیں۔ بعض بہت اونچے درجے کے ہیں، بعض متوسط درجے کے ہیں اور بعض نیچے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درجے کے ہیں''۔(۱)

## مشہور صحابیٔ رسول (ابن عمرؓ) کی طرف ایک قول کی غلط نسبت:

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے ''پہلے گروہ کی رائے'' کے زیر عنوان واقدی جیسے مشہور زمانہ کذاب کے قول کو ایک صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر دیا ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون ؎

چہ نسبت ایں ذرہ خاک بہ آفتاب را

جناب اصلاحی صاحب کی شان محدثیت اور علوم حدیث پر تدبر و تفکر کی اعلیٰ صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ اسی ایک مثال سے کیا جا سکتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کوئی شخص جو احادیث کے رجال میں تمیز و شناخت ہی سے کورا ہو وہ علوم حدیث کی کوئی قابل قدر خدمت انجام دے سکتا ہے۔ بہرحال ہم ذیل میں اس غلط نسبت کے اسباب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

جناب اصلاحی صاحب نے اس قول کو اپنی کتاب میں ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' کے باب: "القول فی معنی وصف الصحابی أنه صحابی والطريق إلى معرفة كونه صحابيا" کے حوالہ سے درج فرمایا ہے۔ مذکورہ باب کی طرف رجوع کرنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر آں محترم نے دانستہ طور پر ایسا نہیں کیا تو یقیناً آں موصوف کو خطیب بغدادیؒ کی عبارت میں "قال ابن عمر" دیکھ کر ہی یہ غلط فہمی لاحق ہوئی ہے۔ اگر جناب اصلاحی صاحب علامہ خطیب رحمہ اللہ کی عبارت پر ذرا غور و ''تدبر'' فرما لیتے تو آنجناب کے لئے اس عقدہ کی حقیقت تک پہنچنا کچھ دشوار نہ تھا۔ علامہ خطیب رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے:

"أخبرني الحسين بن أبي الحسن الوراق ثنا عمر بن أحمد الواعظ حدثنا محمد بن إبراهيم ثنا محمد بن يزيد عن الحارث عن ابن سعد عن الواقدي محمد بن عمر قال أخبرني طلحة بن محمد بن سعيد بن المسيب عن أبيه قال ......الخ"۔

پھر اسی پیراگراف میں مسلسل یوں لکھتے ہیں:

"قال ابن عمر ورأيت أهل العلم يقولون......"۔(۲)

اس عبارت میں ''ابن عمر'' سے علامہ خطیب کی مراد کوئی اور نہیں بلکہ محمد بن عمر الواقدی ہی ہے جو کہ اپنے ہم عصر بعض اہل علم حضرات سے اس قول کی حکایت کرتا ہے۔ جو لوگ علامہ خطیبؒ کے طرز نگارش سے واقف ہیں

---

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث: ص ۷۹-۸۰

(۲) الکفایۃ فی علم الروایۃ: ۵۰-۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہاں علامہ رحمہ اللہ کے پیش نظر واقدی کے علاوہ کسی اور کا قول نقل کرنا ہوتا تو یقیناً آں رحمہ اللہ حسب عادت اس قول کی تخریج بمع قید اسناد فرماتے، ویسے بھی ایک ہی پیراگراف میں مسلسل ومتصلاً بلا قید اسناد کسی دوسرے قول کو نقل کرنا عموماً اسی قائل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اگر پھر بھی جناب اصلاحی صاحب اپنے دعوی پر مصر ہوں کہ یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما'' ہی کا قول ہے تو ہم کہیں گے: یہ دعوی محتاج دلیل ہے، اس بات کو ناقابل قبول بنانے والے چند امور یہ ہیں: (۱)- اس قول کا بلا سند منقول ہونا، (۲)- آثار صحابہ پر جتنی بھی معروف ومستند کتب آج دنیا میں موجود ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی نہ ہونا، (۳)- صحابہ کرام میں سے مشہور اہل علم حضرات مثلاً حضرات علی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، عائشہ صدیقہ، ابوھریرہ، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، معاذ، سعد بن ابی وقاص، عبادہ بن الصامت، ابوموسی اشعری، ابن عمرو بن العاص، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، سلمان، ابن الزبیر، معاویہ اور مقداد وغیرھم رضی اللہ عنھم اجمعین میں سے کسی سے بھی یہ قول منقول نہیں ہے، (۴)- تمام محققین ومحدثین اس قول کو واقدی سے ہی منسوب کرتے آئے ہیں، لہٰذا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی طرف یہ دعوی قطعاً باطل ہے۔

پس جب یہ محقق اور معلوم ہو چکا کہ ''اھل علم حضرات'' سے اس قول کی حکایت کرنے والا شخص واقدی ہے، اور وہ اپنے کذب کے لئے مشہور بھی ہے جیسا کہ ''صحابی کی اصطلاحی تعریف'' (تیسرا قول) کے تحت اس کا ترجمہ وتعارف پیش کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس کے اور دوسرے اقوال کی طرح اس قول کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پھر اس ناقابل اعتبار حکایت کنندہ نے اس فکر کے قائل ''اہل علم حضرات'' کے اسماء کی تفصیل بھی پردۂ خفا میں رکھی ہے ورنہ بہ آسانی اس حکایت کی حقیقت بھی معلوم کی جا سکتی تھی کہ اس کے ہم عصر علماء میں سے کچھ لوگ واقعۃً اس فکر کے قائل تھے بھی یا نہیں؟ اور اگر تھے تو وہ کون لوگ تھے؟ واضح رہے کہ واقدی کے اس قول پر تفصیلی بحث اوپر رواں باب کے حصہ اول میں ''صحابی کی اصطلاحی تعریف'' (پانچواں قول) کے تحت گزر چکی ہے۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب بزعم خود محدثین کی رائے یوں بیان فرماتے ہیں:

''دوسرے گروہ کی رائے: اس کے مقابلے میں دوسرے گروہ کی رائے سعید بن مسیّبؒ کے الفاظ میں یہ ہے: "الصحابة لانعدهم إلا من أقام مع رسول الله ﷺ سنة أو سنتين وغزا معه غزوة أو غزوتين" سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ ہم صحابی صرف انہی کو شمار کرتے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سال دو سال قیام کیا ہو اور آپ کی معیت میں ایک دو غزوات میں شریک ہوئے ہوں۔" (۱)

افسوس کہ سعید بن المسیبؒ کی طرف اس قول کی نسبت بھی حسب سابق قطعا درست نہیں ہے کیونکہ اس کی حکایت کرنے والا راوی بھی وہی کذاب واقدی ہے۔ پس جب اس قول کی نسبت ہی سعید بن المسیبؒ کی جانب درست نہیں ہے تو کسی شخص کا نبی ﷺ کی معیت میں ایک دو سال مقیم رہنے یا ایک دو غزوات میں شریک ہونے کی شرط کیوں کر درست تسلیم کی جا سکتی ہے؟ پھر یہ قول محدثین کرام کی متفقہ رائے کے خلاف اصولیین کے قول کے مشابہ ہے اور یہ وہ چیز ہے جو اس قول کی آں رحمہ اللہ کی جانب نسبت کو مزید مشکوک بنا دیتی ہے۔ اس قول پر تفصیلی بحث باب رواں کے حصہ اول میں "صحابی کی اصطلاحی تعریف" (تیسرا قول) کے تحت گزر چکی ہے۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب بزعم خود محدثین کے تیسرے گروہ کی رائے یوں نقل فرماتے ہیں:

"تیسرے گروہ کی رائے: اس سلسلہ میں صاحب "الکفایۃ فی علم الروایۃ" نے ایک اور محقق کا قول بھی نقل کیا ہے، جس کی حیثیت ایک محاکمہ کی ہے، جس سے مسئلہ کی صحیح نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے: "لاخلاف بين أهل اللغة فى أن القول صحابى، مشتق من الصحبة، وأنه ليس بمشتق من قدر منها مخصوص، بل هو جار على كل من صحب غيره قليلا كان أو كثيرا ......... ومع ذلك فقد تقرر للأمة عرف فى أنهم لا يستعملون هذه التسمية إلا فيمن كثرت صحبته واتصل لقاؤه، ولايجرون ذلك على من لقى المرء ساعة ومشى معه خطى، وسمع منه حديثا، فوجب لذلك أن لا يجرى هذا الاسم فى عرف الاستعمال إلا على من هذه حاله، ومع هذا فإن خبر الثقة الأمين عنه مقبول ومعمول به، وإن لم تطل صحبته ولا سمع منه إلا حديثا واحدا......" اہل لغت میں اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ 'صحابی' 'صحبۃ' کے مادہ سے مشتق ہے اور اس میں صحبت کی کسی خاص مقدار کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ قلیل یا کثیر، دونوں قسم کی صحبت مراد ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے باعتبار لغت ہر وہ شخص صحابی سمجھا جا سکتا ہے جس کو نبی ﷺ کی صحبت حاصل ہوئی ہو، خواہ قلیل یا کثیر، لیکن اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس امت میں یہ بات عرف کی حیثیت حاصل کر چکی ہے کہ لفظ 'صحابی' اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جس نے پیغمبر ﷺ کی زیادہ صحبت اٹھائی ہو، جن کی ملاقات مسلسل رہی ہو۔ اس شخص کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا جو کبھی کچھ دیر کے لئے مل لیا ہو یا چند قدم ساتھ چل لیا ہو یا آپ سے کوئی بات سن

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لی ہو۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ اس لفظ کا استعمال اسی کے لئے ہو جس کے لئے فی الواقع موضوع ہے۔ اگرچہ ایک ثقہ اور امین کی روایت اس سے مقبول ہوگی اور اس پر عمل بھی ہوگا ہرچند اسکو طویل صحبت حاصل نہ ہوئی ہو، اور اس نے ایک ہی حدیث سنی ہو۔

اس اقتباس میں ان محقق کی بات کا پہلا حصہ کمزور ہے کہ 'صحبۃ' کے لفظ میں قلیل اور کثیر کا اعتبار نہیں ہے۔ 'صحبۃ' اس کو نہیں کہتے کہ اچانک آپ کی نظر کسی پر پڑ گئی یا چند قدم اس کے ساتھ ہو لئے۔ یہ لفظ خود کثرت ملاقات کے اوپر دلیل ہے۔ البتہ تحقیق کا دوسرا حصہ مضبوط ہے۔ اس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ امت کے اکابر اہل الرائے نے صحابیؓ ہونے میں بطور شرط اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ وہ خاصی مدت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہے ہوں اور اسلام کے لئے ان کی خدمات ہوں۔ اس تعریف کے مطابق صحابہؓ کے وہ تینوں منصب جو قرآن مجید اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں وہ ثابت ہوتے ہیں اور محدثین کے اس اصول کا صحیح محل بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جرح سے ماوراہیں''۔(۱)

محدثین کے مزعومہ تیسرے گروہ کی اس رائے کے متعلق پہلی قابل وضاحت چیز تو یہ ہے کہ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی صحیح تر عبارت میں: "ومع ذلك فقد تقرر للأمة" کے بجائے: "ومع ذلك فقد تقرر للأئمة" موجود ہے۔ ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' (مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد والمکتبہ العلمیہ، المدینۃ المنورہ) کے صفحہ ۵۱ پر ''للأئمۃ'' بسبب تصحیف ''للأمۃ'' ہو گیا ہے۔ راقم کو اس سلسلہ میں ''الکفایۃ'' کے جن قدیم مخطوط نسخوں یا ان کی مائیکروفلم دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ان میں سے بیشتر میں ''للأئمۃ'' ہی مذکور ہے۔ یہ بات اس طرح مزید مؤکد ہو جاتی ہے کہ محدثین میں سے حافظ زین الدین عراقیؒ (م ۸۰۶ھ) اور حافظ محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ (م ۹۰۲ھ) وغیرہما نے امام باقلانیؒ کا مذکورہ قول نقل کرتے ہوئے ''للأمۃ'' کے بجائے ''للأئمۃ'' ہی بیان کیا ہے۔(۲) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر ''الکفایۃ'' کے جو نسخ رہے ہوں گے وہ اس تصحیف سے پاک ہوں گے۔ یہی بات عین قرین عقل بھی ہے کیونکہ اس کے آگے جس رائے کو امت کے نزدیک ''عرف کی حیثیت'' سے بیان کیا گیا ہے وہ پوری امت میں کبھی بھی معروف نہ تھی۔ امت میں سے صرف علمائے اصول کا ایک طبقہ ہی اس بات کا قائل رہا ہے۔ امام باقلانیؒ نے یہاں "للأئمة" کہہ کر اصلاً انہی علمائے اصول کی طرف اشارہ کیا ہے، واللہ أعلم۔

اس رائے کے متعلق دوسری قابل وضاحت چیز جس کو جناب اصلاحی صاحب نے قصداً حذف کر دیا

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ۸۰-۸۲

(۲) التقیید والایضاح للعراقی: ص ۲۵۶، فتح المغیث للعراقی: ۳۴۵، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۸۴-۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے،حسب ذیل ہے:

"كما أن القول مكلم ومخاطب وضارب مشتق من المكالمة والمخاطبة والضرب وجار على كل من وقع منه ذلك قليلا كان أو كثيرا وكذلك جميع الأسماء المشتقة من الأفعال وكذلك يقال صحبت فلانا حولا ودهرا وسنة وشهرا ويوما وساعة فيوقع اسم المصاحبة بقليل ما يقع منها وكثيره وذلك يوجب فی حكم اللغة إجراء هذا على من صحب النبی ﷺ ولو ساعة من نهار، هذا هو الأصل فی اشتقاق الاسم".

یعنی ''جس طرح کہ اقوال ''مکلم''، ''اور مخاطب''، ''ضارب''، المکالمۃ''، ''المخاطبۃ'' اور ''الضرب'' سے مشتق ہیں اور ان کا اجراان امور (مکالمہ، مخاطبہ اور ضرب) میں واقع ہونے والے پر بلاتمیز قلت وکثرت مقدار کیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ افعال سے مشتق ہونے والے تمام دوسرے اسماء کا بھی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کے ساتھ ایک حول (بارہ ماہ) یا ایک طویل زمانہ یا ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک گھنٹہ کی صحبت اختیار کی ہے۔ پس مصاحبت کا اسم قلیل وکثیر دونوں مصاحبتوں پر یکساں واقع ہوتا ہے۔ پس لغت کے حکم میں یہ چیز ہر اس شخص پر اسم صحابی کے اجراء کی موجب ہے جس نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی ہو خواہ اس صحبت کی مدت دن کی ایک ساعت ہی ہو اور یہ چیز ہی اشتقاق الاسم میں اصل ہے''۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے قاضی ابوبکر بن الطیب الباقلانی کی عبارت سے مندرجہ بالا سطور کو محض اپنے موقف کی کمزوری چھپانے کے لئے حذف کر دیا ہے، — فإنا لله وإنا إليه راجعون —۔ ہوسکتا ہے کہ اس قطع وبرید کو ہی حلقۂ فراہی واصلاحی میں ''تدبر حدیث'' سے عبارت سمجھا جاتا ہو لیکن دنیا کا کوئی بھی منصف مزاج قاری اس حرکت کو علمی بددیانتی کے سوا کوئی دوسرا نام نہ دے سکے گا۔

اس رائے کے متعلق تیسری قابل غور چیز یہ ہے کہ قاضی ابوبکر الباقلانیؒ کے جس قول کو پہلے خود جناب اصلاحی صاحب نے ''ایک محقق کا قول'' قرار دیا ہے، جس کی حیثیت کو ''ایک محاکمہ'' سے تعبیر کیا ہے اور جس کی اہمیت میں یوں رطب اللسان ہیں کہ ''جس (اس) سے مسئلہ کی صحیح نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے''......آگے چل کر جب اسی ''محقق'' کے ''محاکمہ'' کی زد ان کے اپنے افکار ونظریات پر پڑتی ہے تو فوراً پہلو بدل کر یوں گویا ہوتے ہیں:

''اس اقتباس میں ان محقق کی بات کا پہلا حصہ کمزور ہے کہ ''صحبۃ'' کے لفظ میں قلیل اور کثیر کا اعتبار نہیں ہے۔ ''صحبۃ'' اس کو نہیں کہتے کہ اچانک آپ کی نظر کسی پر پڑ گئی یا چند قدم اس کے ساتھ ہو لئے۔ یہ لفظ خود کثرت ملاقات کے اوپر دلیل ہے الخ''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حالانکہ اگر کھلی آنکھ اور کھلے ذہن کے ساتھ دیکھا جائے تو جس چیز کو جناب اصلاحی صاحب نے ''محقق کی بات کا پہلا حصہ'' قرار دیا ہے وہ سرے سے محقق قاضی ابوبکر الباقلانی کی اپنی بات ہی نہیں بلکہ ''اہل لغت کا اجماع'' ہے، جیسے آں رحمہ اللہ نے پوری صراحت کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ پھر اس اجماع میں یہ بات ہرگز منقول نہیں ہے کہ ''صحبۃ'' اس کو کہتے ہیں کہ ''اچانک آپ کی نظر کسی پر پڑ گئی یا چند قدم اس کے ساتھ ہو لئے''......ہم قارئین کرام سے درخواست کریں گے کہ قاضی الباقلانی کا پورا کلام، جو ''صحابی کی لغوی تعریف'' کے زیر عنوان رواں باب کے حصہ اول میں گزر چکا ہے، ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیں اور خود فیصلہ کریں کہ کیا اس کلام کے کسی جملہ سے وہ معنی مستفاد ہوتے ہیں جو جناب اصلاحی صاحب نے بیان کئے ہیں؟ ان شاءاللہ جواب نفی میں ہی ہوگا۔

جہاں تک قاضی باقلانی کے نقل کردہ اجماع والے حصہ کے ''کمزور'' ہونے کا تعلق ہے تو ہم انتہائی ادب کے ساتھ جناب اصلاحی صاحب سے یہ دریافت کرنا چاہیں گے کہ کیا آپ کو اپنی عربی دانی پر اس قدر گمان ہو چلا ہے کہ اہل زبان ہی نہیں بلکہ ائمہ لغت کے اجماع کو بھی کسی خاطر میں نہیں لاتے؟ بہرحال ہمیں یہاں جناب اصلاحی صاحب کے زعم لغت دانی یا اس منقولہ اجماع پر بحث کرنا مطلوب نہیں، لہٰذا اپنی گفتگو کو دوبارہ اصل موضوع بحث پر ہی مرکوز کرتے ہیں۔

قاضی ابوبکر الباقلانی کے قول کی تائید میں امام سخاویؒ، خطیب بغدادیؒ سے ناقل ہیں:

"وكذا قال صاحبه الخطيب أيضا: لا خلاف بين أهل اللغة أن الصحبة التى اشتق منها الصحابى لا تحد بزمن بل يقول صحبته سنة وصحبته ساعة"(۱)

یعنی ''قاضی ابوبکر الباقلانی کے مصاحبین میں سے خطیب بغدادیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اس بارے میں اہل لغت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صحبت کہ جس سے صحابی مشتق ہوا ہے، کے لئے زمانہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ کہا جاتا ہے: سال بھر کی صحبت یا گھنٹہ بھر کی صحبت''۔

آگے چل کر آں رحمہ اللہ امام نوویؒ سے مقدمہ شرح مسلم کے حوالہ سے قاضی (ابوبکر کے کلام کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ اس سے قاضی ابوبکر اصلاً محدثین کے مذہب کی ترجیح پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ آں رحمہ اللہ نے اہل لغت سے اجماعاً نقل کیا ہے کہ اسم صحابی کا اطلاق گھنٹہ بھر یا اس سے زیادہ مدت کی صحبت سب پر یکساں ہوتا ہے اور یہی محدثین کا معروف مذہب بھی ہے، چنانچہ محدثین کے عرف اور لغت میں موافقت واضح ہوئی۔ اس موقع پر علامہ سخاویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"ولذا قال النووى فى مقدمة شرح مسلم عقب كلام القاضى ابى بكر: وبه

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يستدل على ترجيح مذهب المحدثين فإن هذا الإمام قد نقل عن أهل اللغة أن الأسم يتناول صحبة ساعة وأكثر و أهل الحديث قد نقلوا الاستعمال فى الشرع والعرف على وفق اللغة فوجب المصير إليه" .(۱)

قاضی ابوبکر الباقلانیؒ کے کلام کے آخری حصہ میں بعض ائمہ اصول کی جو رائے مذکور ہے اور بقول جناب اصلاحی صاحب ان محقق کی تحقیق کا جو ''مضبوط'' تر حصہ ہے اس پر تفصیلی بحث باب رواں کے حصہ اول میں ''صحابی کی اصطلاحی تعریف'' ( دوسرا قول ) کے تحت گزر چکی ہے، لہذا یہاں اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ اس فکر کے قائل جن اصحاب کو جناب اصلاحی صاحب نے ''امت کے اکابر اہل الرائے'' قرار دیا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ معدودے علمائے اصول ہیں ۔ جمہور محدثین ، اصحاب لغت اور بیشتر اصولیین کے مقابلہ میں ان چند لوگوں کو محض اس لئے ''امت کے اکابر اہل الرائے'' قرار دینا کہ ان کی رائے آنجناب کی رائے کے موافق ہے ایک غیر دانشمندانہ اقدام ہے ۔ یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ......جن کے متعلق جناب اصلاحی صاحب خود فرماتے ہیں: ''ہمارے سلف میں اصول حدیث پر خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ کو سند کی حیثیت حاصل ہے''(۲)۔شرف صحابیت کے لئے ''کثرت صحبت'' اور ''استمرار اللقاء'' کی شرائط کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسی متفقہ رائے کے قائل تھے جو کہ عام محدثین، اصحاب لغت اور جمہور علمائے اصول کی ہے، چنانچہ حافظ زین الدین عراقیؒ لکھتے ہیں:

"والظاهر أن هذا الكلام بقية كلام القاضى أبى بكر فإنه يشترط فى الصحابى كثرة الصحبة واستمرار اللقاء كما تقدم نقله عنه وأما الخطيب فلا يشترط ذلك على رأى المحدثين وعلى كل تقدير فلابد من تقييد ما أطلقه بأن يكون ادعاءه لذلك" .(۳)

میں پوچھتا ہوں کہ یہاں اصول حدیث پر اپنی ہی تسلیم شدہ اس اتھارٹی (سند) کی رائے سے بغاوت کیوں کی گئی ہے؟ شاید قارئین کرام کو اس سوال کا جواب حلقہ فراہی و اصلاحی کی جانب سے کبھی نہ مل سکے، لہذا ان کی اطلاع کے لئے عرض کئے دیتا ہوں کہ ''الکفایۃ'' میں ہر طرح کا مواد وافر مقدار میں موجود ہے۔ چونکہ علامہ رحمہ اللہ نے اس میں ہر طرح کی آراء کو بقید سند لیکن بلا تنقیح جمع کرنے کا اہتمام فرمایا ہے لہذا جب اصلاحی

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۷۸

(۲) مبادئ تدبر حدیث: ۵۷

(۳) التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۲۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صاحب کو اپنے کسی مخصوص شاذ نظریہ کی حمایت وتائید مطلوب ہوتی ہے تو ''الکفایۃ'' کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں اور ان کو وہ چیز جو دوسری کتب مصطلحات میں شاید بہ آسانی نہ مل سکتی ہو اس میں مل جاتی ہے۔ اسی لے ''الکفایۃ'' آں محترم کا اکلوتا اور محبوب ترین ماخذ ہے (۱) باوجود اس کے جب صاحب ''الکفایۃ'' کی کوئی رائے محترم اصلاحی صاحب کو اپنی مرضی ومنشا کے خلاف نظر آتی ہے تو اس سے یوں لاعلم اور دست کش ہو جاتے ہیں گویا کہ اس کا سرے سے ''الکفایۃ'' میں وجود ہی نہیں ہے۔ یہاں مذکورہ سبب بغاوت بھی یہی کچھ معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب ایک اور ذیلی سرخی کے تحت فرماتے ہیں:

''صحابیت از روئے قران: قرآن مجید میں صحابہؓ کی تعریف میں جو آیتیں وارد ہیں اور جن کا محدثین صحابہ کی تعدیل کے سلسلہ میں حوالہ دیتے ہیں ان سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن کے پیش نظر وہی لوگ ہیں جنہوں نے دین کے اختیار کرنے میں پیش قدمی کی ہے، عسر اور یسر میں پیغمر ﷺ کے ساتھ رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ اپنا مال کیا ہے، غزوات میں سرفروشیاں کی ہیں۔ وہ لوگ پیش نظر نہیں ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی کبھار دیکھ لیا ہے۔ اعراب کے منافقین کی تو قرآن نے اصل خرابی ہی یہی بتائی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی صحبت نہیں اٹھائی، اگرچہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کو دیکھا بھی اور اسلام کے بھی بڑی بلند آہنگی سے مدعی تھے۔

اس باب میں قرآن مجید کی آیات کا استقصاء کیجئے اور ان پر ایک نظر اس پہلو سے ڈالئے کہ ان میں صرف نبی ﷺ کی زیارت کے شرف کے پہلو کو کوئی اہمیت دی گئی ہے یا آپ ؐ کی معیت ورفاقت، نصرت وحمایت اور آپ ؐ سے اخذ وتلقی کو اصل اہمیت حاصل ہے۔

---

(۱) چنانچہ آں موصوف باب اول: ''حدیث اور سنت میں فرق'' میں ایک مقام پر حاشیہ کے تحت ''الکفایۃ'' کے متعلق رقمطراز ہیں: ''میں نے حوالہ کے لئے اس کتاب کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ یہ امہات فن میں شامل ہے جہاں تک مطالعہ کا تعلق ہے، میں نے دوسری ضروری کتابیں بھی پڑھ لی ہیں، لیکن میرے نزدیک اصول حدیث میں سب سے اہم کتاب یہی ہے، جہاں تک مجھے علم ہے، دوسرے اصحاب فن بھی اس کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔'' (مبادئ تدبر حدیث ص ۲۰) ___ بلاشبہ کثرت اطلاع کے اعتبار سے ''الکفایۃ'' کو اصول حدیث کی چند اہم اور بنیادی کتب میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اس کو ماخذ کے طور پر منتخب کرنے کی اصل وجہ جو راقم کی سمجھ میں آتی ہے وہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ جہاں تک اس فن کے متعلق دوسری ضروری کتابوں کے مطالعہ کا تعلق ہے تو معاف فرمائیں راقم کو جناب اصلاحی صاحب کے اس دعوی کو قبول کرنے میں بھی قدرے تأمل ہے۔ اگر آں محترم نے واقعۃً اس فن کے متعلق کچھ دوسری ضروری کتابیں، کہ جن کے اسماء آگے باب ہشتم کے تحت بیان کئے جائیں گے، بھی پڑھی اور سمجھی ہوتیں (یا کسی صاحب فن کی صحبت میں کچھ عرصہ رہ کر ہمہ دانی کے زعم کے ساتھ نہیں بلکہ ایک طالب علم کی حیثیت سے علوم حدیث کا باقاعدہ درس لیا ہوتا) تو آں محترم پر وہ فحش اغلاط ہرگز مخفی نہ رہتیں کہ جن کی کچھ نشاندہی گزشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے یا آئندہ صفحات میں کی جائے گی، إن شاء اللہ العزیز۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس سلسلے کی سب سے اہم آیت سورۂ بقرہ کی وہ آیت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اس میں صحابہؓ کا اصلی وصف نبی ﷺ کے علم وعمل کا حامل اور اس کا داعی ومبلغ ہونا بیان ہوا جو طول صحبت ورفاقت اور کمال اخلاص وفدویت کو مستلزم ہے۔

اس سلسلے کی دوسری آیت وہ ہے جسکا تعلق ان سرفروشوں سے ہے جنہوں نے گھر سے سینکڑوں میل دور عین دشمن کے شہر کی دیواروں کے نیچے نہتے ہونے کے باوجود، رسول اللہ ﷺ کی دعوت جہاد پر سر کٹانے کے لئے بیعت کی:

﴿لقد رضی الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فأنزل السكينة عليهم وأثابهم فتحا قريبا﴾۔ (الفتح-۴۸:۱۸) اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب کہ وہ تم سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا تو ان پر طمانیت اتاری اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا۔

یہ مضمون سورہ توبہ میں بھی بیان ہوا ہے: ﴿والسٰبقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه﴾ (التوبۃ-۹:۱۰۰) اور مہاجرین وانصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

صحابہ کرامؓ کے یہ اوصاف زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ حشر میں یوں بیان ہوئے ہیں: ﴿للفقراء المهٰجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصٰدقون والذين تبوؤ الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولايجدون فی صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ (الحشر-۵۹:۸-۹) یہ خاص طور پر ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی املاک سے نکالے گئے ہیں اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہوئے یہی لوگ اصل راست باز ہیں۔ اور جو لوگ پہلے سے ٹھکانے بنائے ہوئے اور ایمان استوار کئے ہوئے ہیں وہ دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ہجرت کر کے ان کی طرف آ رہے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا جا رہا ہے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں محسوس کر رہے ہیں اور وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں، اگرچہ انہیں خود احتیاج ہو۔

ان آیات پر تدبر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں صحابہؓ کی صرف تعدیل ہی نہیں، بلکہ دنیا وآخرت دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں ان کی جو تعظیم وتشریف بیان ہوئی ہے اس میں کوئی دوسرا گروہ ان کا شریک وسہیم نہیں۔ لیکن قرآن نے اس کا سبب یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے نبی (ﷺ) کی زیارت کی ہے، بلکہ یہ بتایا ہے کہ انہوں نے اسلام کی راہ میں سبقت کی ہے، اس کی خاطر ہجرت اور جہاد کی بازیاں کھیلی ہیں، اللہ کے دین اور اس کے رسول ؐ کی نصرت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا ہے اور انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں میں حصہ دار بنایا ہے۔

اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو ایک آدھ بار دیکھنے والوں کے متعلق حقیقت پسندانہ بیان ہمارے نزدیک وہ ہے جو عاصم احول ؒ سے منقول ہے: "انه قال: قد رأى عبد الله بن سرجس رسول الله ﷺ غير أنه لم يكن له صحبة"۔ انہوں نے کہا: عبداللہ بن سرجس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، لیکن ان کو صحبت نہیں حاصل ہوئی۔ ان کے نزدیک، گویا مجرد دیکھنے کو صحبت میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ حضور ؐ کو دیکھنے کے بارے میں ہم محتاط رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ وہ مسلک اختیار کر سکتے ہیں جو شعبہ ؒ سے منقول ہے: "قال: كان جندب بن سفيان أتى النبي ﷺ وإن شئت قلت له صحبة"۔ حضرت جندب بن سفیان ؓ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے اور کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ ان کو کچھ صحبت بھی حاصل ہوئی۔ اس بات کو بعض لوگوں نے یوں بھی کہا ہے کہ 'كان له رؤية ان کو ایک بار زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

## خلاصہ بحث

رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف اپنی جگہ بہت بڑا شرف اور ایک مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے، لیکن قرآن مجید نے محض اس زیارت کو اہمیت نہیں دی۔ قرآن مجید کی رو سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم کو جو عظمت و مرتبہ حاصل ہے اس کا تعلق تمام تر ان خدمات، سرفروشیوں اور جاں نثاریوں سے ہے جو انہوں نے اللہ کے رسول کی نصرت اور اس کے دین کی ترویج کے لئے دکھائیں۔ انہی خدمات کی کمی بیشی کے اعتبار سے ان کے طبقات و مدارج معین ہوئے۔ اگر مجرد رسول اللہ کو دیکھنا کوئی شرف ہوتا تو اس اعتبار سے مخلفین احزاب وتبوک، منافقین مدینہ واہل بدر اور بانیان مسجد ضرار کچھ کم اس شرف کے حق دار نہ تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہی نہیں بلکہ آپ کے ہمراہ بعض غزوات میں بھی شریک رہے، الٹے سیدھے انفاق بھی کرتے رہے۔ لیکن قرآن نے جس طریقہ سے ان کو لتاڑا ہے اسے سورہ منافقون، سورہ توبہ اور سورۂ انفال میں پڑھ لیجئے، الخ۔" (۲۵۷)

جناب اصلاحی صاحب کی اس تمام طویل تر بحث کا نچوڑ چند جملوں میں یہ ہے کہ:

۱۔ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی کوئی خاص صحبت نہ اٹھائی ہو، محض ایک دو بار دیکھا ہو یا کبھی کبھار

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث ص ۸۲-۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کچھ دیر کے لئے مل لیا ہو یا چند قدم آپؐ کے ساتھ چل لیا ہو یا آپؐ سے کوئی بات سن لی ہو وہ صحابئ رسول کہلانے کا مستحق نہیں ہے، چنانچہ ایسے افراد پر بھی جرح وتعدیل کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے، گویا مجرد آں ﷺ کی زیارت (رؤیت وملاقات) کو صحابیت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

۲-محدثین کے اس کلیہ کہ ' الصحابة كلهم عدول ' کا اطلاق صرف ان اصحاب رسول اللہ ﷺ پر ہوتا ہے جنہوں نے آپ کی زیادہ مدت تک صحبت اٹھائی ہو، جن کی ملاقات مسلسل رہی ہو، اسلام کی راہ میں ان کی بے مثال خدمات اور قربانیاں ہوں مثلاً اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت وحمایت کے لئے انہوں نے اموال خرچ کئے ہوں، اپنے آبائی وطن اور گھر کو خیر باد کہا ہو، غزوات میں سرفروشیاں کی ہوں، اسلام کی راہ میں سبقت کی ہو اور عسر ویسر میں آں ﷺ کے ساتھ رہے ہوں بلکہ صرف ایسے افراد ہی 'صحابی' کی تعریف میں داخل ہیں اور بجا طور پر جرح وتعدیل سے بالاتر ہیں۔

۳-قرآن کریم نے منافقین کی اصل خرابی ہی یہ بتائی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی صحبت نہیں اٹھائی تھی حالانکہ وہ نبی ﷺ کی زیارت کے ساتھ اسلام کے مدعی بھی تھے۔

جناب اصلاحی صاحب نے شرف صحابیت اور صحابہ کی عدالت کے بارے میں اوپر جو خامہ فرسائی فرمائی ہے وہ دراصل مختلف النوع مغالطات کا مکسچر ہے۔ ذیل میں ہم آں محترم کی ان مغالطات کی نشاندہی کریں گے:

اس سلسلہ میں پہلی بنیادی غلطی تو یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب اس شخص کو صحابی نہیں مانتے جس نے رسول اللہ ﷺ کو بحیثیت مسلمان دیکھا ہو یا آپؐ کے پاس کچھ دیر بیٹھا ہو یا آپؐ کے ساتھ کچھ دور چل لیا ہو یا آپؐ سے کوئی حدیث سن لی ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔ ایسے شخص کو شرف صحابیت سے محروم کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ جناب اصلاحی صاحب کا ایسے شخص کی صحابیت سے انکار کرنا جمہور محدثین، بیشتر اصولیین، جملہ اصحاب لغت اور تمام صلحائے امت کے متفقہ ومسلمہ موقف بلکہ سبیل المؤمنین سے کھلی بغاوت ہے۔ ایسی صورت میں آں محترم کی رائے کو ''شاذ'' سمجھ کر ترک کرنے کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

ہم یہاں نہایت خلوص کے ساتھ جناب اصلاحی صاحب کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیں گے جو کہ اوپر ''صحابی کی اصطلاحی تعریف'' (پہلا قول) کے تحت بیان کیا جاچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قارئین کرام کو ہماری یہ نصیحت کچھ عجیب اور بے محل سی محسوس ہو کیونکہ جب آں موصوف اس سلسلہ میں سرے سے محدثین کی رائے کو مانتے ہی نہیں تو پھر امام احمد بن حنبلؒ، کہ جو خود بھی ایک بلند پایہ محدث گزرے ہیں، کے قول کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دینا چہ معنی دارد؟ ــــ لیکن جاننا چاہیئے کہ جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک امام احمد بن حنبلؒ کی وہ حیثیت نہیں ہے جو دوسرے ائمہ حدیث کی ہے، لہٰذا ''مبادئ تدبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حدیث'' کے بعض مقامات پر تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث کے سب سے بڑے راز داں اور سب سے بڑے خادم حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں''۔(۱)

اور

''حدیث کے صاحب البیت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ''۔(۲)

دل یہ بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے کہ اس بارے میں جناب اصلاحی صاحب کی نظر سے امام رحمہ اللہ کا قول نہ گزرا ہوگا لیکن یہاں ''حدیث کے سب سے بڑے راز داں اور سب سے بڑے خادم'' بلکہ ''حدیث کے صاحب البیت'' کے قول کو صرف اس لئے بے وقعت سمجھا گیا ہے کہ وہ آں موصوف کے اپنے نظریات سے متصادم ہے۔ اسے بے اصولی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے کہ جب کسی امام کا کوئی قول اپنے موقف کے موافق مل جائے تو اس کی شان میں صدائے تحسین بلند کرتے زبان قلم نہ تھکے لیکن اگر کسی دوسرے موقع پر اسی امام کا قول اپنی سوچی سمجھی رائے کے خلاف ملے تو تجاہل عارفانہ کے طور پر بالکل چپ سادھ لی جائے۔

جناب اصلاحی صاحب کی اس رائے کے بطلان پر ایک اور دلیل خود ان کی کتاب کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

آں محترم نے ''صحابہؓ کی تعدیل حدیث میں'' کے زیر عنوان حضرت ابن عباسؓ سے منسوب ایک حدیث استدلالاً نقل کی ہے، گویا وہ آں محترم کے نزدیک درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے (حالانکہ اس کا مقام و مرتبہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے)، میں کہتا ہوں کہ اگر اصلاحی صاحب اپنی نقل کردہ اس حدیث کے ان الفاظ پر ہی غور فرما لیتے کہ: "فإن لم يكن سنة مني ماضية فما قال أصحابي" (اگر میری کوئی ماثور سنت نہ ہو تو جو میرے اصحاب نے کہا اس پر چلو)''۔(۳) تو اس کے معنی ہی آں موصوف کو مجبور کر دیتے کہ اس بارے میں جس صحابی کا قول بھی انہیں ملے بسر و چشم اسے قبول کر لیں۔ لیکن اس حدیث کو قابل حجت ماننے کے باوجود اگلے ہی صفحہ پر مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب (اگرچہ اس قول کی نسبت بھی آں رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں ہے) کو نقل کرتے ہیں مگر اسے لائق ترجیح نہیں سمجھتے بلکہ اپنی رائے کے مقابلہ میں ایک صحابی رسول کی رائے کو ہی نہیں بلکہ اگر وہ حدیث درست ہوتی تو فرمان رسول کو بھی بے وقعت سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، فانا لله وانا اليه راجعون۔

---

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث: ص ۳۹ (۲) نفس مصدر ۶۸

(۳) نفس مصدر ص ۷۷-۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


پس یہ بات قطعی طور پر طے پا چکی ہے کہ ہر وہ شخص جس نے بحیثیت مسلم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو، خواہ اسے یہ سعادت ایک دو بار ہی حاصل ہوئی ہو، یا کبھی کبھار آپؐ سے مل لیا ہو یا چند قدم آپ کے ساتھ چل لیا ہو یا آپ سے کوئی بات سن لی ہو اور اسلام کی حالت ہی پر مرا ہو تو اس کا شمار صحابی رسول ہی میں ہوگا، لہذا اس بات کا کوئی قضیہ ہی باقی نہیں رہ جاتا کہ اس پر محدثین کے کلیہ ''الصحابۃ کلھم عدول'' کا اطلاق ہوگا یا نہیں، کیونکہ جب وہ 'صحابی' ہوا تو اس کے لئے عدالت ثابت ہوئی۔ جناب اصلاحی صاحب نے عدالت صحابہ کے اس اصول کو فقط ان اصحاب رسول تک مقید و محدود کرنے میں بلاشبہ خطا کی ہے جنہوں نے زیادہ طویل مدت تک آپؐ کی صحبت اٹھائی ہو یا جن کی ملاقات مسلسل رہی ہو یا جن کی اسلام کی راہ میں بے مثال خدمات اور قربانیاں ہوں مثلاً اللہ کے دین اور اس کے رسول کی نصرت کے لئے انہوں نے اپنے اموال خرچ کئے ہوں، ہجرت کی ہو، غزوات میں سرفروشیاں کی ہوں، عسر و یسر میں آپ کے ساتھ ساتھ رہے ہوں، یا اسلام کی راہ میں سبقت کی ہو وغیرہ...... یہ فکر اصلاً علامہ مازریؒ کے قول سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے جسے آں موصوف نے ''شرح البرهان'' میں یوں درج فرمایا ہے:

"لسنا نعني بقولنا: الصحابة عدول، كل من رآه ﷺ يوما ما أوزاره أو اجتمع به لغرض وانصرف عن قريب وإنما نعنى به الذين لازموه وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذى أنزل معه".(۱)

یعنی ''جب ہم یہ کہتے ہیں کہ صحابہ عدول ہیں تو ہمارے اس قول سے مراد وہ تمام لوگ نہیں ہوتے جنہوں نے کہ نبی ﷺ کو کسی ایک دن دیکھ لیا، یا آپ کی زیارت کر لی یا کسی غرض سے آپ سے مل لیا یا آپ کے قریب سے لوٹ گیا، بلکہ اس سے ہماری مراد وہ اشخاص ہوتے ہیں جنہوں نے آپ کی باقاعدہ خدمت کی ہو، آپ کی نصرت وحمایت کی ہو اور آپ پر جو نور ہدایت نازل ہوا تھا اسکی اتباع کی ہو'' لیکن مازری کے اس قول پر تعاقب کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سخاوی وغیرہما فرماتے ہیں:

''اس بارے میں کسی نے مازری کی موافقت نہیں کی ہے بلکہ بیشتر لوگوں نے اس قول پر اعتراض کیا ہے شیخ صلاح الدین علائیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ قول غریب ہے۔ اس سے روایت وصحبت کے لئے مشہور بہت سے افراد عدالت کے حکم سے خارج ہو جاتے ہیں مثلاً: وائل بن حجر، مالک بن الحویرث، عثمان بن ابی العاص وغیرھم کہ جو نبی ﷺ کی خدمت میں بصورت وافدین حاضر ہوئے لیکن آں ﷺ کے پاس بہت کم وقت ٹھہرے اور اپنے اپنے قبیلوں میں لوٹ گئے۔ اسی طرح وہ صحابہ بھی عدالت کے حکم سے خارج ہو جاتے ہیں جو صرف ایک ہی حدیث کی

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۸، تدریب الراوی: ۲/ ۲۱۴-۲۱۶، قواعد التحدیث للقاسمی: ۲۰۰، الاصابۃ لابن حجر: ۱/ ۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایت کے سبب پہچانے جاتے ہیں یا جن کا عرب قبائل سے تعلق ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کے قیام کی مقدار نا معلوم ہے، پس تعمیم کا قول ہی کہ جس کی جمہور نے صراحت کی ہے، معتبر ہے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم"۔(۱)

آگے چل کر علامہ سخاویؒ مازری کے قول پر نہایت فیصلہ کن انداز میں مزید لکھتے ہیں:

"وبالجملة فما قاله المازري منتقد بل كل ما عدا المذهب الأول القائل بالتعميم باطل، والأول هو الصحيح بل الصواب والمعتبر وعليه الجمهور"۔(۲)

پس علامہ مازری کی اتباع میں جناب اصلاحی صاحب کا قول بھی "غریب" اور جمہور کے موقف ومذہب کے خلاف قرار پایا۔ اگر بفرض محال بقول جناب اصلاحی صاحب "الصحابۃ کلھم عدول" کا اصول فقط انہی جلیل القدر اصحاب رسول کے لئے درست مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ باقی تمام اصحاب رسول غیر عدول ہوئے، لہٰذا ان کے واسطے سے منقول ومروی روایات کے ذخیرہ کو مشتبہ اور پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دے دیا جائے۔ پھر اگر دین کے اس عظیم ذخیرہ سے کوئی شخص پوری طرح دست بردار نہ ہونا چاہے تو بھی اس کے ردوقبول کے لئے ہمیں اصحاب رسول پر جرح وتعدیل کا دروازہ کھولنا پڑے گا جو تمام اہل حق کے نزدیک متفقہ طور پر قطعاً مغلق ومسدود ہے۔ اگر ایک بار صحابہ کرامؓ پر جرح وتعدیل کا دروازہ کھول دیا گیا تو پھر یہ صرف طعن بر عدالت وصداقت صحابہ پر ہی منتہی نہ ہوگا بلکہ اس سے بڑے بڑے فتنے معرض وجود میں جائیں گے ـــــ اس مطالبہ کو تسلیم کرنے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس سے درپردہ سبائیت کی یک گونہ تائید ہوتی ہے کیونکہ اہلسنت اور اہل شیعیت کے مابین جوہری نقطۂ اختلاف ہی یہی ہے، چنانچہ محاسبی احمد حسین یعقوب لکھتے ہیں: "نقطة الخلاف الجوهرية: أهل السنة يقولون بعدالة كل صحابة المعنيين كذا اللغوي والاصطلاحي وأهل الشيعة يقولون بعدالة المتصف بالعدالة من الصحابة فقط"۔ (نظریۃ عدالۃ الصحابۃ والمرجعیۃ السیاسیۃ فی الاسلام للمحاسی: ص۶۰)

پس معلوم ہوا کہ صحابیٔ رسول ہونے کے لئے ان تمام شرائط میں سے کسی بھی شرط کا، کہ جن کا جناب اصلاحی صاحب نے ذکر فرمایا ہے، کسی فرد میں لازماً پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ پس "الصحابۃ کلھم عدول" کا ضابطہ ہر صحابیٔ رسول پر علی الاطلاق لاگو ہوگا خواہ وہ طبقات صحابہ میں سب سے ادنیٰ اور فروتر طبقہ سے ہی تعلق کیوں نہ

---

(۱) الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۲۸-۱۲۹، منتھی الوصول: ص۸۰، بیان المختصر: ۱/۷۱۳-۷۱۴، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۹۸-۹۹، التقیید والایضاح للعراقی: ۲۶۲، تدریب الراوی: ۲/۲۱۴-۲۱۶، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۱/ ۱۹-۲۰، قواعد التحدیث للقاسمی: ص۲۰۰

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رکھتا ہو۔اس کلیہ میں ''کلھم '' کی صراحت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس ضابطہ کا اطلاق صحابہ کے چھوٹے بڑے تمام طبقات پر یکساں ہو۔ جناب اصلاحی صاحب نے جن اوصاف کو صحت صحابیت کے لئے لازمی قرار دیا ہے وہ دراصل قرآن کریم میں مذکوراعلیٰ طبقہ کے جاں نثار اصحاب رسول ﷺ کے فقید المثال فضائل سے مستفاد ہیں مگر ان کو کسی بھی طرح صحابیت کے لئے شرط یا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ان اوصاف سے تو محض ان صحابہ کی فضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔لہذا اس ذیلی سرخی کا عنوان ''صحابیت از روئے قرآن'' کی بجائے ''فضائل صحابہ از روئے قرآن'' زیادہ موزوں تھا۔قرآن کریم میں مذکور صحابۂ کرام کے ان اوصاف پر غور کرنے سے زیادہ سے زیادہ جو بات علم میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام اپنی اپنی خدمات اور اسلام کی راہ میں دی گئی قربانیوں اور ایثار کے مطابق مختلف طبقات میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں جس کی کہ تفصیل باب رواں کے حصۂ اول میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک ''خلاصہ بحث'' کے تحت آں محترم کی منقولہ عبارت کا تعلق ہے تو جاننا چاہئے کہ جناب اصلاحی صاحب کو خود یہ اعتراف ہے کہ ''انہی خدمات کی کمی بیشی کے اعتبار سے ان (صحابۂ کرامؓ) کے طبقات و مدارج معین ہوئے'' ہیں پس جب ان کی ''تمام تر خدمات، سرفروشیوں اور جاں نثاریوں سے'' کہ جو انہوں نے اللہ کے رسول کی نصرت اور اس کے دین کی ترویج کے لئے دکھائیں'' کے ''اعتبار سے ہی ان کے طبقات و مدارج معین ہوئے'' ہیں تو جن لوگوں کی اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے خدمات، سرفروشیاں اور جاں نثاریاں دوسروں کے مقابلہ میں نسبتاً کم تھیں لازمی طور پر وہ ان سے پست درجہ یا ان کے بعد کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے، لیکن بہر حال، صحابی ہی قرار پائیں گے، اور بحیثیت صحابی ان کو بھی محل عدل وصدق تسلیم کیا جائے گا جیسا کہ اوپر بدلائل واضح کیا جاچکا ہے کہ صحابی خواہ درجہ میں چھوٹا ہو یا بڑا سب کی عدالت پر امت کا اجماع ہے۔لہذا بیک جنبش قلم ایسے اصحاب رسول ﷺ کے شرف صحابیت کا انکار نہ صرف ان کے اوپر صریح ظلم بلکہ منصفانہ تحقیق کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔

بظاہر جناب اصلاحی صاحب نبی ﷺ کی محض زیارت کے شرف کو باعتبار صحابیت کوئی اہمیت نہیں دیتے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آں محترم رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی کوئی معقول توجیہ پیش کر سکتے ہیں؟

۱-"لا تمس النار مسلما رآني أو رأى من رآني"(۱)

۲-"لا تزالون بخير ما دام فيكم من رآني وصاحبني والله لا تزالون بخير ما دام فيكم من رآى من رآني وصاحبني"(۲)

---

(۱) جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۳۵۸

(۲) مصنف ابن ابی شیبۃ کمافی فتح الباری: ۷/ ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


۳-"خير هذه الأمة القرن الذين بعثت فيهم"(۱)

۴-"خير أمتی قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم"(۲)

واضح رہے کہ یہ تمام احادیث ''حسن'' اور ''صحیح'' ہیں۔

## حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کی صحابیت کا ثبوت

جناب اصلاحی صاحب نے حضرت عبداللہ بن سرجسؓ المزنی حلیف بنی مخزوم کے متعلق عاصم الأحولؒ کا قول نقل کرتے ہوئے ان کی صحابیت کا انکار کیا ہے، حالانکہ یہ انکار درست نہیں ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ: ''عبداللہ بن سرجسؓ کو صحابہ میں ذکر کرنے کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اصحاب تاریخ وسیر کہتے ہیں کہ محدثین کے مذہب کے مطابق ان کو لقاء، رؤیت اور سماع کے باعث شرف صحابیت حاصل ہے۔ عاصم الأحول کے قول میں صحبت سے مراد وہ معروف اور خاص شرف صحابیت ہے جس کی طرف بعض تھوڑے سے علماء گئے ہیں''۔(۳)

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

''جہاں تک شیخ تاج الدین التبریزی کی اس تمثیل کا تعلق ہے کہ جسے انہوں نے حافظ ابن الصلاح کی کتاب کے اختصار میں یوں بیان کیا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کو کفر کی حالت میں دیکھے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام قبول کر لے، مثلاً عبداللہ بن سرجس اور شریح، تو یہ تمثیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن سرجس کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، ان کے ساتھ روٹی و گوشت کھایا، خاتم نبوت دیکھی اور اپنے لئے نبی ﷺ سے استغفار کی درخواست کی''۔(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''امام بخاری اور امام ابن حبان کا قول ہے کہ انہوں نے صحبت نبوی پائی تھی۔ نبی ﷺ سے انکی احادیث مسلم وغیرہ میں مروی ہیں۔ آپ نے حضرات عمر اور ابو ھریرہ رضی اللہ عنھما سے بھی روایت کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں قتادہ، عثمان بن حکیم، مسلم بن ابی مریم اور خود عاصم الأحول وغیرہ ہیں۔ امام بخاری اور امام ابن حبان رحمھما اللہ نے انہیں حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت کرنے والوں میں اور عثمان بن حکیم کو ان سے

---

(۱) مسند احمد کما فی فتح الباری: ۷/۶

(۲) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۷/۳، صحیح مسلم، الکفایۃ فی علم الروایۃ: ۴۷، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۹۶، الاصابۃ لابن حجر: ۱/۲۱

(۳) کما فی التقیید والإیضاح: ص ۲۵۳ والاستیعاب: ۲/۳۷۶

(۴) التقیید والایضاح للعراقی: ۲۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے اور پھر عثمان بن حکیم کو تابعی بیان کیا ہے۔"(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ" میں اور حافظ قرطبی مالکیؒ نے "الاستیعاب فی أسماء الأصحاب" میں حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کو وارد کر کے گویا ان کے صحابیٔ رسول ہونے کی تائید فرمائی ہے، بلکہ "فتح الباری" میں تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

"ان کا قول: "ان النبی ﷺ استغفر له" تو عاصم کی رائے کہ جس نے (آپ کو محض دیکھا نہ ہو بلکہ) آپ کی معروف صحبت اٹھائی ہو، کے مطابق بھی عبداللہ بن سرجسؓ کی صحابیت پر دلالت کرتا ہے"۔(۲)

پس معلوم ہوا کہ جناب اصلاحی صاحب کا عاصم الأحول کے قول کو حقیقت "پسندانہ" کہنا دراصل حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح حضرت جندب بن سفیانؓ کے متعلق جناب اصلاحی صاحب کا حضرت شعبہؒ کے اس قول کو نقل کرنا کہ "و إن شئت قلت له صحبۃ" تو اس سے ہمارے موقف کی ہی تائید ہوتی ہے۔ اگرچہ حضرت جندب بن عبداللہ بن سفیانؓ کی صحبت قدیم نہ تھی مگر ان کا ترجمہ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے "الإصابۃ"(۳) میں اور امام قرطبی المالکیؒ نے "الاستیعاب"(۴) میں وارد کر کے گویا ان کے صحابیٔ رسول ہونے کی توثیق فرمائی ہے۔ خود جناب اصلاحی صاحب نے بھی شعبہؒ کے قول کا اردو ترجمہ کرتے وقت حضرت جندب بن سفیان کے نام پر "رضؓ" کی دعائیہ علامت تحریر فرمائی ہے جو کہ عام طور پر صحابۂ کرام کے لئے ہی مستعمل ہے، گویا آں محترم بھی در پردہ حضرت جندبؓ کے صحابی ہونے کے معترف ہیں۔

عاصم الاحولؒ اور شعبہؒ کے زیر بحث اقوال کی مراد و منشا کی تفصیل باب رواں کے حصہ اول میں "صحابی کی اصطلاحی تعریف" (دوسرا قول) کے تحت بیان کی جا چکی ہے، چنانچہ یہاں اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

مذکورہ بالا دونوں صحابیوں کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے "أسد الغابۃ فی أسماء الصحابۃ" لابن الأثیر، "الطبقات الکبریٰ" لابن سعد اور "التجرید" للحافظ الذہبی وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

●●●

(۱) الإصابۃ لابن حجر: ۲/ ۳۰۸
(۲) فتح الباری لابن حجر: ۷/ ۴
(۳) الإصابۃ: ۱/ ۲۵۰
(۴) الاستیعاب للقرطبی: ۱/ ۲۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# حنفی اصول ''فقاہت راوی'' پر
## اصلاحی صاحب کا بیجا اعتماد

خلاصہ بحث کے اختتام پر جناب اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''......لہذا جہاں تک روایت حدیث کا تعلق ہے اس میں تو صحابہؓ کا ہر طبقہ اور گروہ یکساں طور پر شامل سمجھا جائے گا البتہ فہم حدیث میں انہی صحابہؓ کا علم انہی کی روایات کے الفاظ اور انہی کی تنقیدات قابل ترجیح ہوں گی جو تدبر حدیث کے نقطۂ نظر سے سب سے ممتاز ہیں، جیسے خلفائے راشدین، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنھم ۔ جو لوگ حدیث پر تدبر کریں گے ان کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث کے معاملے میں اہل تدبر کون لوگ ہیں''۔(۱)

اس عبارت میں جناب اصلاحی صاحب کا یہ قول کہ ''البتہ فہم حدیث میں انہی صحابہؓ کا علم انہی کی روایات کے الفاظ اور انہی کی تنقیدات قابل ترجیح ہوں گی جو تدبر حدیث کے نقطہ نظر سے سب سے ممتاز ہیں''۔۔۔ دراصل فقہائے حنفیہ کے اس اصول سے مستفاد ہے جسے ''فقاہت راوی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پھر اس اقتباس میں بیان کئے گئے چند ممتاز صحابہ کے اسمائے گرامی میں حضرت ابوھریرہ، انس بن مالک اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنھم، کہ جنہیں علمائے حنفیہ بزعم خود غیر فقیہ، غیر مجتہد اور اعرابی وغیرہ بتاتے ہیں، کے اسماء مبارکہ کو شامل نہ کرنا ہمارے اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر جناب اصلاحی صاحب کے اس اصول ''تدبر حدیث'' اور فقہائے حنفیہ کے اصول ''فقہ راوی'' کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ دونوں میں کوئی مغایرت نہیں بلکہ عین یکسانیت پائی جاتی ہے۔

ذیل میں ہم اس حنفی الاصل اصلاحی اصول ''تدبر حدیث'' کے پس و پیش منظر کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا بطلان واضح کریں گے:

تنقید روایات میں فقہائے حنفیہ اور ائمہ اصول کے نزدیک ''فقہ راوی'' کی شرط کافی مشہور ہے۔ پہلے پہل قاضی عیسی بن ابان (م ۲۲۱ھ) نے احادیث میں ترجیح کی اس شرط کو بیحد استعمال کیا۔ ان کے بعد ابوزید

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


دبوسی، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث البخاری (م ۴۲۲ھ) موفق المکی، علامہ سرخسی (م ۴۹۰ھ)، علامہ بزدوی، ملاعلی قاری، ابن ھمام، ابن امیر الحاج الحلبی، ملاجیون، بحر العلوم لکھنوی، ولی اللہ لکھنوی، ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی، شبلی نعمانی اور ظفر احمد عثمانی تھانوی وغیرھم تک تمام اکابر واصاغر حنفیہ نے اس شرط پر اعتماد کیا ہے، چنانچہ امام سخاویؒ ابوزید الدبوسی سے ناقل ہیں:

"المجهول من الصحابة خبره حجة إن عمل به السلف أو سكتوا عن رده مع انتشاره بينهم، فإن لم ينتشر فإن وافق القياس عمل وإلا فلا، لأنه فى المرتبة دون ما إذا لم يكن فقيها، قال ويحتمل أن يقال: إن خبر المشهور الذى ليس بفقيه حجة ما لم يخالف القياس وخبر المجهول مردود ما لم يؤيده القياس ليقع الفرق بين من ظهرت عدالته ومن لم تظهر"۔(۱)

مگر جملہ ائمہ حدیث اور فقہا محدثین حتی کہ قدمائے احناف کے نزدیک بھی نقد روایت یا ترجیح میں فقہ راوی کی کوئی اہمیت نہ تھی، چنانچہ شیخ عبدالعزیز بن احمد البخاریؒ (م ۷۳۰ھ) شارح ''اصول البزدوی'' فرماتے ہیں:

"اعلم أن ما ذكرنا من اشتراط فقه الراوى لتقديم خبره على القياس هو مذهب عيسى بن أبان واختاره القاضى الإمام أبو زيد وخرج عليه حديث المصراة وخبرا المصراة وخبر العرايا وتابعه أكثر المتاخرين"۔ (۲)

یعنی ''جان لو کہ فقہ راوی کی جو شرط ہم نے قیاس پر (فقیہ راوی) کی خبر کی تقدیم و ترجیح کے لئے ذکر کی ہے تو یہ عیسی بن ابان کا مذہب ہے جسے قاضی امام ابوزید دبوسی نے اختیار کیا اور اسی پر مصراۃ (۳) اور عرایا کی حدیثوں کو تخریج کیا۔ اکثر متاخرین نے اس کی ہی اتباع کی ہے''۔

اب بعض ائمہ اصول اور مشہور علمائے حنفیہ کے نزدیک تنقید و ترجیح حدیث میں ''فقہ راوی'' کی اہمیت اور اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

علامہ حازمیؒ کا قول ہے:

''تیئسویں (۲۳) وجہ یہ ہے کہ اگر دو (۲) حدیثوں کے رواۃ حفظ و اتقان میں مساوی ہوں: فقہاء

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۱، وراجع لذلک: التقریر والتحبیر: ۲/۲۵۰-۲۵۲، فصول البدائع: ۲/۲۲۲-۲۲۵، المسودۃ: ص ۲۳۹، بیان المختصر: ۱/۷۲۰، تغییر التنقیح: ص ۱۴۴-۱۴۵، المغنی فی اصول الفقہ: ص ۲۰۷-۲۱۳

(۲) کشف الأسرار: ۲/۷۰۳

(۳) ''حدیث مصراۃ'' پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ آگے باب ششم ''خبر آحاد کی حجیت'' (تقدیم قیاس کی چند مثالیں) کے تحت پیش کی جائے گی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مثمرات الفاظ کے اجتنائے احکام کو بخوبی جانتے ہیں پس فقہاء کی احادیث کی جانب استرواح اولی ہے۔علی بن خشرم نے حکایت کی ہے کہ ہم سے وکیع نے پوچھا کہ دو اسنادوں میں سے تم کو کون سی سند زیادہ محبوب ہے: ''الأعمش عن ابی وائل عن عبداللہ یا سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ؟ ہم نے جواب دیا: الأعمش عن أبي وائل عن عبداللہ۔ انہوں نے فرمایا: یا سبحان اللہ؛ اعمش شیخ، ابو وائل شیخ، سفیان فقیہ، منصور فقیہ، ابراہیم فقیہ اور علقمہ بھی فقیہ ہیں۔ مگر فقہاء کے نزدیک متداول حدیث شیوخ کے یہاں متداول حدیث سے بہتر ہے''۔(۱)

علی بن خشرم کی اس حکایت کو امام حاکمؒ نے ''معرفۃ الحدیث'' (۲) میں، ابن الاثیر نے ''جامع الأصول'' (۳) میں اور جناب محمد عبدالرشید نعمانی صاحب نے ''تعلیق علی دراسات اللبیب'' (۴) میں نقل کیا ہے۔ امام ابن اثیرؒ اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ فقہاء کے طریق سے ابن مسعود تک رباعی اور مشائخ کے طریقہ سے ثنائی ہے لیکن وکیعؒ نے رباعی کو رجال کے تفقہ کی بنا پر مقدم ٹھہرایا ہے''۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''(ترجیح کی) تیسری وجہ فقہ الراوی ہے، خواہ وہ حدیث بالمعنی مروی ہو یا باللفظ کیونکہ فقیہ اگر کوئی ایسی چیز سنتا ہے جو بظاہر اسکے تحمل میں مانع ہوتی ہے تو بخلاف ایک عامی کے اس پر بحث کرتا ہے حتی کہ اس چیز پر مطلع ہوجاتا ہے جس سے وہ اشکال زائل ہوجاتا ہے''۔(۵)

علامہ سرخسی حضرت میمونہؓ کے نکاح کے بارے میں یزید بن اصمؒ اور ابن عباسؓ سے وارد دو متعارض احادیث میں سے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو آں رضی اللہ عنہ کی فقاہت کی بنا پر ترجیح دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وهذا الترجيح ليس إلا بالاعتبار وتمام الضبط من الفقيه وكان المعنى فيه أن نقل الخبر بالمعنى كان مشهورا فيهم فمن لا يكون معروفا بالفقه ربما يقصر في

---

(۱) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ للحازمی: ص۱۶، الاجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ص۲۱۰، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص۲۹۷-۲۹۸

(۲) معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص۱۱

(۳) جامع الأصول لابن الأثیر: ۱/۶۲

(۴) تعلیق علی دراسات اللبیب: ص۲۰۷

(۵) تدریب الراوی: ۲/۱۹۸، الأجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ص۲۱۱، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ۲۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اداء المعنى بلفظه بناءً على فهمه ويؤمن مثل ذلك من الفقيه". (۱)

یعنی ''اور یہ ترجیح صرف اس اعتبار سے ہے کہ فقیہ، راوی کے مفہوم اور حدیث کے معنی کو باتمام ضبط کرسکتا ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ میں خبر کو بالمعنی نقل کرنا عام تھا پس جو شخص معروف فقیہ نہ ہو وہ اپنے قصور فہم کی بنا پر کبھی اپنے الفاظ میں (اس روایت کے) معنی کی ادائیگی سے قاصر رہتا ہے جب کہ ایک فقیہ اس چیز سے محفوظ و مأمون ہوتا ہے''۔

مسلم الثبوت میں مذکور ہے:

''سند میں فقہ الراوی، قوت ضبط اور ورع مطلوب ہے''۔ (۲)

جناب ولی اللہ لکھنوی ''مسلم الثبوت'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جان لو کہ فقاہت سے ترجیح کا حصول اس لئے ضروری ہے کہ فقیہ روایت میں جائز و ناجائز کی تمیز کرتا ہے، پس اگر وہ کوئی کلام سنتا ہے تو اس کے لئے بظاہر اسکا اجرا جائز نہیں ہوتا چنانچہ وہ کلام بیک نظر اس کی روایت میں جاری نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اس کے معنی کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور اس کے ورود کے اسباب کو تلاش کرتا ہے۔ جب وہ اس پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس کا اشکال رفع ہو جاتا ہے تو وہ اس کو نقل کرتا ہے، برخلاف اس کے ایک غیر فقیہ ان امور تحقیق پر قادر نہیں ہوتا لہذا وہ جس قدر سنتا ہے اسے نقل کر دیتا ہے۔ الغرض زیادہ فقاہت والا راوی کم درجہ والے فقیہ پر ترجیح کا متقاضی ہے، پس جو فقہی اعتبار سے اعلیٰ صلاحیت کا مالک ہو اس کی روایت ترجیح پائے گی اس شخص کی روایت پر جو اس مرتبہ کا حامل نہیں ہے''۔ (۳)

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"وأما رواية من لم يعرف بالفقه ولكنه معروف بالعدالة والضبط مثل أبي هريرة وأنس بن مالك فإن وافق القياس عمل به وإن خالفه لم يترك إلا بالضرورة". (۴)

یعنی ''ایسے راوی کی روایت جو فقاہت کے لئے معروف نہ ہو لیکن عدالت وضبط کے لئے مشہور ہو مثلاً ابو ہریرہؓ اور انس بن مالک تو اگر ان کی روایت قیاس کے مطابق ہو تو اس پر عمل کیا جائیگا لیکن اگر قیاس کے خلاف ہو تو اس کو ضرورۃ ترک کر دیا جائے گا''۔

---

(۱) أصول للسرخسی: ۱/۳۴۹

(۲) مسلم الثبوت: ۲/۲۰۶، الاجوبۃ الفاضلۃ: ص ۲۱۱

(۳) شرح مسلم الثبوت: ۲/۲۰۶، الأجوبۃ الفاضلۃ: ص ۲۱۱، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۲۹۸-۲۹۹

(۴) أصول الفقہ للبزدوی: ۲/۶۹۹، الأحکام للآمدی: ۲/۱۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اوراس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں:

"ووجه ذلك أن ضبط حديث النبی ﷺ عظيم الخطر وقد كان النقل بالمعنى مستفيضا فيهم فإذا قصر فقه الراوی عن درك المعانی لحديث النبی ﷺ وإحاطتها لم يؤمن أن يذهب عليه شیء من معانيه". (۱)

یعنی "اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی حدیث کے ضبط کا معاملہ نہایت پرخطر ہے۔ صحابۂ کرام میں نقل بالمعنی کا عام چلن تھا، پس اگر راوی کا تفقہ نبی ﷺ کی حدیث کے معانی کے ادراک اوراس کے احاطہ سے قاصر ہوتو خطرہ ہے کہ حدیث کے معنی کی ادائیگی میں کوئی لغزش ہوگئی ہو"۔

علامہ بزدوی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"قصرت رواية من لم يعرف بالفقه عند معارضه من عرف بالفقه فی باب الترجيح وهذا مذهبنا فی الترجيح". (۲)

اور "اصول الفقہ" للبزدوی کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

"فقہ الراوی سے عدم ترجیح کے متعلق محدثین کا مذہب قیاس پر مبنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک بالمعنی نقل حدیث اصلا درست نہیں ہے، چنانچہ نقل حدیث میں فقیہ وغیرفقیہ دونوں برابر ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اس ترجیح کا اعتبار بالمعنی مروی دوخبروں میں کیا جائے گا لیکن باللفظ روایت میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ ترجیح مطلقا واقع ہوتی ہے"۔ (۳)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک مذہب منصور: اکثریت نہیں افقہیت ہے"۔ (۴)

جناب بحرالعلوم لکھنوی صاحب "تنویرالمنار" میں فرماتے ہیں:

"وہ حدیث جس کے رواۃ افقہ ہوں، عمل کے معاملہ میں اس حدیث سے مقدم ہے جس کے رواۃ اس جیسے نہ ہوں"۔ (۵)

---

(۱) الأحکام للآمدی، اصول الفقہ للبزدوی: ۲/۶۹۹

(۲) نفس مصدر: ۲/۳۹۷

(۳) حاشیۃ اصول الفقہ: ۲/۳۹۷

(۴) شرح شرح نخبۃ الفکر لعلی القاری: ص۱۰۴

(۵) کمافی الاجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ص۲۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی صاحب (م ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

''جان لو کہ فقاہت کے اعتبار سے ترجیح مطلقا واقع ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ ترجیح دو بالمعنی خبروں میں معتبر ہے، باللفظ خبروں میں نہیں ہے''۔(۱)

پھر مختلف علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''علماء کی یہ تمام عبارتیں ترجیح بالفقہ کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس بارے میں تین مذاہب ہیں: (۱) اسکا مطلقا عدم اعتبار، (۲) اس کا مطلق اعتبار اور (۳) بالمعنی مروی احادیث میں اس کا معتبر ہونا باللفظ احادیث میں معتبر نہ ہونا ـــــ علمائے حنفیہ اور بعض محدثین نے اسی آخری مذہب کو اختیار کیا ہے''۔(۲)

جناب خلیل احمد سہارنپوری صاحب فرماتے ہیں:

"والأصل عند نا أن الراوی إن كان معروفا بالعدالة والضبط دون الفقه والإجتهاد مثل هريرة وأنس بن مالك فإن وافق حديثه القياس عمل به وإلا لم يترك إلا لضرورة وانسداد باب الرأی وتمامه فی أصول الفقه". (۳)

یعنی ''ہمارے نزدیک قاعدہ یہی ہے کہ اگر راوی عدالت، حفظ اور ضبط میں تو معروف ہو لیکن فقاہت واجتہاد کی دولت سے محروم ہو مثال کے طور پر حضرت ابوھریرہ اور حضرت انس بن مالک ہیں، تو اگر ان کی حدیث قیاس کے خلاف ہوگی تو بوقت ضرورت اس کو چھوڑ دیا جائے گا تاکہ رائے وقیاس کا دروازہ بند نہ ہو اور اس کی مکمل بحث اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے''۔

جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب نے بھی ''قواعد فی علوم الحدیث'' (۴) میں مختلف علماء وفقہاء کے اقوال نقل کرنے کے بعد حدیث کی ترجیح میں اپنے حنفی اصول ''فقہ الراوی'' کا اثبات کیا ہے۔ اسی طرح انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان کے مؤسس جناب حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی صاحب فرماتے ہیں:

''......امام ابوحنیفہ صحت روایت کے لئے راوی کا فقیہ ہونا شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ اکثر روایات بالمعنی مروی ہوتی ہیں اور معنی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے فقیہ ہونا ضروری ہے، واللہ اعلم''۔(۵)

(اس حنفی اصول کی مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ (۶) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی)۔

---

(۱) کمافی الأجوبة الفاضلة للكنوی: ۲۱۱-۲۱۲ (۲) نفس مصدر: ص ۲۱۵

(۳) حاشیہ بخاری شریف للسہارنفوری: ۱/ ۲۸۸ (۴) قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۲۹۷-۲۹۹

(۵) مذہبی داستانیں اور اس کی حقیقت: ۲/ ۴۲۶

(۶) فواتح الرحموت: ۲/ ۱۴۴-۱۴۵، شرح الکوکب المنیر: ۲/ ۴۱۷، نہایۃ السؤال: ۲/ ۱۱۶۔ المحصول: ۱/ ۲ص ۶۰۷-۶۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان تمام چیزوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اصولیین اور فقہائے حنفیہ کی شرط ''فقہ راوی'' نیز جناب اصلاحی صاحب کی وضع کردہ اصطلاحات ''فہم حدیث'' اور ''تدبر حدیث'' کے مابین اصولی اور فنی اعتبار سے کوئی فرق نہیں بلکہ عین مماثلت ہے۔

## فقہ الراوی اور مناظرہ بین امام ابی حنیفہ وامام اوزاعی رحمہما اللہ

'فقہ راوی'' کی مذکورہ بالا شرط کو مؤکد کرنے کے لئے عموماً علمائے حنفیہ کی جانب سے امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے مابین ہونے والے ایک مناظرہ کو بیان کیا جاتا ہے جو اس طرح ہے:

''امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ دار الحناطین (مکہ) میں جمع ہوئے تو امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا: تم لوگ نماز میں رکوع میں جاتے ہوئے اور اس کے بعد رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ اوزاعیؒ نے کہا: صحیح کس طرح نہیں ہے جبکہ مجھ سے زہریؒ نے عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ حدیث روایت کی ہے کہ آپ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مجھ سے حماد نے عن ابراھیم عن علقمۃ والأسود عن عبداللہ بن مسعود روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی افتتاح کے علاوہ رفع یدین نہیں فرماتے تھے اور نہ اس میں سے کوئی چیز دہراتے تھے۔ اوزاعیؒ نے کہا: میں آپ کو عن زہری عن سالم عن ابیہ کے طریق سے حدیث سناتا ہوں اور آپ مجھے عن حماد عن ابراہیم سے روایت بیان کرتے ہیں؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے، ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ اور علقمہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ فقیہ تھے۔ اگر ابن عمرؓ نے صحبت نبوی پائی ہے تو انہیں صحبت کی فضیلت ہے لیکن اسود کو تو بڑی فضیلت ہے اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ ہی ہیں۔ یہ سن کر اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔''(۱)

موفق بن احمد اس مناظرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أورد هذه الحكاية أبو المحاسن المرغينانى مرسلة فذكر عمر بن الخطاب رضى الله عنه مكان عبد الله بن مسعود وله وجه فإن عمر رضى الله عنه روى هذا الحديث". (۲)

---

(۱) فتح القدیر لابن ھمام: ۱/ ۲۱۹، عقود الجواھر المنیفہ للسید مرتضی الزبیدی: ۱/ ۶۰-۶۱، جامع المسانید للخوارزمی: ۱/ ۳۵۲، مناقب الامام الأعظم للموفق المکی: ۱/ ۱۳۰، المناقب للکردی: ۱/ ۱۷۴، المبسوط للسرخسی: ۱/ ۱۴، إعلاء السنن للتھانوی: ۳/ ۷۵، معارف السنن للبنوری: ۲/ ۴۹۹، الأجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ص ۲۱۳

(۲) مناقب الإمام الأعظم للموفق: ۱/ ۱۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''ابوالمحاسن مرغینانی نے اس حکایت کو مرسلا بیان کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن مسعود کی جگہ عمر بن الخطابؓ بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے''۔

علامہ ابن ھمامؒ فرماتے ہیں:

''امام ابو حنیفہؒ نے فقہ الرواۃ کو ترجیح دی جس طرح کہ امام اوزاعیؒ نے علو الاسناد کو ترجیح دی تھی اور ہمارے نزدیک یہی فقہ الرواۃ کامیاب مذہب ہے''۔(۱)

ابن امیر الحاج الحلبی نے بھی ''حلیۃ المجلی شرح منیۃ المصلی'' (۲) میں یہی بات لکھی ہے، لیکن علامہ محمد معین سندھیؒ اس مناظرہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن ھمام پر یوں تعاقب فرماتے ہیں:

''اغراب البدیع میں سے اکثر حنفیہ کا ابن عیینہؒ کی حکایت مناظرہ سے حدیث رفعات کا معارضہ: یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ دار الحناطین، مکہ میں جمع ہوئے ...... اس مناظرہ کے متعلق ابن ھمام کا یہ قول۔ امام ابو حنیفہؒ نے فقہ الرواۃ کو ترجیح دی جس طرح کہ اوزاعیؒ نے علو اسناد کو ترجیح دی تھی اور ہمارے نزدیک یہی کامیاب مذہب ہے۔ بوجوہ متعددہ غرائب میں سے ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حکایت سفیان بن عیینہ سے معلقا مروی ہے۔ میں نے کسی کو اس کی سند بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اگر کسی کے پاس اس کی سند ہو تو پیش کرے تاکہ ہم بھی اس کے رجال کو پرکھ سکیں۔ اس طرح کی معلقات کسی بھی چیز میں لائق احتجاج نہیں ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ حافظ زیلعیؒ نے محمد معین کہ جو احتجاج مسئلہ کے لئے ہر قوی وضعیف چیز کا اعتبار کرتے اور اس سے شواہد پیدا کرتے ہیں، تخریج ھدایۃ میں اس حکایت سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے الخ''۔(۳)

علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری اور علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہما اللہ نے شیخ سندھیؒ کے اس کلام کو توقیراً نقل کیا ہے، (۴) لیکن جناب ابو الحسنات عبدالحی لکھنویؒ، علامہ سندھیؒ پر نقد کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ یہ مناظرہ کہ جسکی کوئی سند موجود نہیں ہے نہ ''صحیح'' ہے اور نہ ''ضعیف'' حتی کہ صاحب ''الدراسات'' فرماتے ہیں: میں نے کسی کو اس حکایت کی سند بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اگر کسی کے پاس اس کی سند ہو تو لا کر پیش کرے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس مناظرہ کی سند ابو محمد عبداللہ بن محمد بن

---

(۱) فتح القدیر لابن ھمام: ۱/ ۲۱۹، الأجوبۃ للکنوی: ص ۲۱۲، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۲۹۹

(۲) کما فی الاجوبۃ: ص ۲۱۲ وقواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ۲۹۹

(۳) دراسات اللبیت فی الأسوۃ الحسنۃ بالحبیب للشیخ محمد معین السندی: ص ۲۰۵

(۴) مقدمۃ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری: ۱۶۱-۱۶۲، التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی للفوجیانی: ۱/ ۱۰۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الحارث الحارثی البخاری المعروف بالأستاذ، شاگرد ابی حفص الصغیر ابن ابی حفص الکبیر، شاگرد الامام محمد بن الحسن نے ''اپنی مسند'' میں اس طرح بیان کی ہے:"حدثنا محمد بن ابراهيم بن زياد الرازی حدثنا سليمان بن الشاذكونی قـــال سمعت سفيان بن عيينة يقول اجتمع ابو حنيفة والأوزاعی فی دار الحناطين بمكة ......الخ" سید مرتضی الزبیدی نے اپنی کتاب "عقود الجواهر المنيفة فی أدلة الإمام ابی حنيفة" میں نقل کیا ہے''۔(۱)

افسوس کہ شیخ لکھنوی، علامہ سندھی پر جوش تعاقب میں یہ بتانا بھول گئے کہ حارثی کا یہ طریق اسناد قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔ اس کی پہلی علت خود ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الخلیل الحارثی البخاری المعروف بالاستاذ کی شخصیت ہے، لیکن اسے علمائے حنفیہ کی بد ذوقی یا تحقیق کے نام سے چڑھ ہی کہیئے کہ اپنے مسلک کے دفاع کی خاطر تمام حقائق اور ائمہ فن کی آراء کو پس پشت ڈال کر اکثر حضرات حارثی کی مدح خوانی میں مصروف نظر آتے ہیں، چنانچہ مشہور حنفی عالم محمد عبد القادر قرشی (۵ے۷ھ) فرماتے ہیں:

''سمعانی نے حارثی کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ استاذ کے لقب سے مشہور تھے اور حدیث میں مکثر تھے۔ ابو عبد اللہ ابن مندہ نے ان سے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ غیر ثقہ تھے، ان کے پاس منکرات تھیں۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے ''کشف الآثار فی مناقب ابی حنیفہ'' اور ''مسند ابی حنیفہ'' نامی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ذہبی نے ''میزان'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ بخاری کا قول ہے کہ فقیہ تھے، ان سے اکثر ابن مندہ نے روایت کی ہے، وہ صاحب تصانیف تھے۔ ابن الجوزی سے منقول ہے کہ ابو سعید رواس نے انہیں حدیث گھڑنے کے لئے متہم کیا ہے۔ ذہبی نے بھی ''مؤتلف'' میں ذکر کیا ہے اور انہیں شیخ حنفیہ کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن محمد حارثی، امام ابن الجوزی اور ابو سعید رواس سے بڑھ کر اور جلیل القدر تھے''۔(۲)

اور عصر حاضر کے مشہور حنفی عالم عبد الفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں:

''الحارثی کبار فقہاء حنفیہ میں سے مشہور حافظ اور امام تھے۔ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' (۳) میں قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور فرماتے ہیں: ''۳۴۰ھ میں ماوراء النہر کے عالم و محدث امام علامہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری الملقب بالأستاذ جامع ''مسند ابی حنیفۃ الإمام'' کا انتقال ہوا، ان کی عمر ۸۲ سال تھی''۔(۴) لیکن جناب حسن نعمانی صاحب (محشی ''الجواهر

---

(۱) الأجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ص۲۱۳-۲۱۴

(۲) الجواهر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ للقرشی: ۱/۲۸۹-۲۹۰

(۳) تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ص۸۵۴

(۴) التعلیقات الحافلۃ علی الأجوبۃ الفاضلۃ لأبی غدۃ: ص۲۱۴، التعلیقات علی دراسات اللبیب للنعمانی: ص۲۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



المضیئۃ'') علامہ ابوالحسنات عبدالحئی لکھنویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''فوائد البہیۃ فی طبقات الحنفیۃ میں مذکور ہے کہ امام ابوزرعہ نے حارثی کو ''ضعیف'' بتایا ہے۔ امام حاکمؒ کا قول ہے: ''صاحب عجائبِ وافراد عن الثقات، سکتوا عنہ''، ''لسان المیزان'' میں ہے کہ: ''خلیلی کا قول ہے کہ استاذ کے لقب سے مشہور تھے اور ان کو اس لقب کے شایان شان معرفت حاصل تھی۔ وہ لین یعنی لچکدار تھے، انکی تضعیف کی گئی ہے''۔(۱)

اور حق یہی ہے کہ حارثی پر ائمہ جرح وتعدیل نے سخت کلام کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن الجوزیؒ کے حوالہ سے ابوسعید الرواسؒ کا قول اوپر گزر چکا ہے۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: ''وضاع'' تھا۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ: ''لایحتج بہ''، حمزہ السہمیؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابوزرعہ احمد بن الحسین الرازیؒ سے حارثی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ''ضعیف ہے'' احمد السلیمانیؒ کا قول ہے کہ: ''کسی سند کو دوسرے متن کے ساتھ اور کسی متن کو دوسری سند کے ساتھ بیان کر دیتا تھا اور یہ بھی وضع کی ہی ایک قسم ہے''۔ اور ملا طاہر پٹنی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ: ''حدیث گھڑنے کے لئے متہم ہے''۔ حارثی کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۲) کے تحت مندرجہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں''۔

اس سند کا دوسرا مجروح راوی محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی ہے جس کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: ''دجال، حدیث گھڑتا تھا'' آں رحمہ اللہ کا ایک قول ہے کہ ''متروک'' ہے۔ امام برقانیؒ کا قول ہے: ''بئس الرجل''، یعنی بہت ہی برا شخص ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام حاکمؒ نے بھی اس کی تضعیف فرمائی ہے اور فرماتے ہیں: "لو اقتصر علی سماعه" خطیب بغدادیؒ کے کلام سے بھی اس کا ''وضاع'' اور ''سارق الحدیث'' ہونا واضح ہوتا ہے۔ امام ذہبیؒ اس کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ''یہ باطل ہے''۔ محمد بن ابراہیم الرازی کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۳) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اس سند کا تیسرا مجروح راوی سلیمان بن داؤد ابوایوب المنقری الشاذکونی ہے جس کے متعلق امام یحیی بن معین فرماتے ہیں: ''کچھ بھی نہیں ہے'' ایک اور مرتبہ آں رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جھوٹ بولتا ہے اور حدیث گھڑتا

---

(۱) حاشیہ بر الجواہر المضیئۃ: ۱/۲۹۰

(۲) الکشف الحثیث للحلبی: ص ۲۴۸، تاریخ بغداد: ۱۰/ ۱۲۶، میزان الاعتدال للذھبی: ۲/ ۴۹۶، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲/ ۱۴۱، مجمع الزوائد للہیثمی: ۸/۱۶۴، المغنی فی الضعفاء للذھبی: ۲/ ۵۴۶، میزان الاعتدال: ۳/ ۴۴۸، لسان المیزان لابن حجر: تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/۷۵، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۲۷۴

(۳) الضعفاء والمتروکین للدارقطنی نمبر ۴۸۸، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳/ ۳۸، المغنی فی الضعفاء للذھبی: ۲/۵۴۶، میزان الاعتدال للذھبی: ۳/ ۴۴۸، لسان المیزان لابن حجر: ۵/۲۲، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/ ۹۹، تاریخ بغداد للخطیب: ۱/ ۴۰۱-۴۰۴، ۳/۲۴۲، ۱۱/ ۳۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے' 'امام بخاریؒ کا قول ہے کہ' 'وہ میرے نزدیک تمام ضعفاء سے زیادہ ضعیف ہے۔' 'امام رازیؒ کا قول ہے کہ ' 'کچھ بھی نہیں بلکہ متروک الحدیث ہے۔' 'امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: ' 'ضعیف ہے' '۔امام عقیلیؒ بیان کرتے ہیں کہ: ' 'یحیی بن سعید نے شاذکونی کا نام الخائب رکھا تھا' '۔امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ: ' 'ثقہ نہیں ہے' '۔صالح بن محمد الحافظؒ کا قول ہے کہ: ' 'میں نے شاذکونی سے زیادہ حافظہ والا کسی کو نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولتا تھا۔' ' امام ابن عدیؒ اس کی متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وللشاذ كوني حديث كثير مستقيم وهو من الحفاظ المعدودين ما أشبه أمره بما قال عبدان: معاذ الله أن يتهم وإنما كانت كتبه قد ذهبت فكان يحدث حفظا فيغلط". امام یحیی بن معینؒ سے کسی شخص نے شاذکونی کی عن حماد بن زید ایک حدیث بیان کی تو آں رحمہ اللہ نے فرمایا: ' 'کذاب، اللہ کا دشمن حدیث گھڑا کرتا تھا' '۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا قول ہے: ' 'فیہ نظر' '۔امام ہیثمیؒ نے شاذکونی کو ' 'ضعیف، متروک اور کذاب' ' قرار دیا ہے۔صاحب تنقیح فرماتے ہیں: ' 'اس کی تضعیف کی گئی ہے۔ابن معین وغیرہ نے اس کی تکذیب کی ہے' '۔امام ذہبیؒ اس کی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ' 'یہ حدیث انتہاء درجہ کی منکر ہے' '۔ملا طاہر پٹنی کا قول ہے: ' 'مجروح لیس بشیٔ۔' ' شاذکونی کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱) میں بیان کی گئی کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

مذکورہ بالا تین مجروح بلکہ ' 'کذب' ' اور ' 'وضع' ' کے لئے متہم رواۃ کی موجودگی کے علاوہ اس مناظرہ کی سند میں ایک تکنیکی سقم یہ بھی ہے کہ امام اوزاعی کا امام ابوحنیفہ سے سماع ثابت نہیں ہے، چنانچہ امام عبداللہ بن امام احمد بن حنبلؒ بیان کرتے ہیں:

"حدثنى أبى قال حدثنا مسكين قال حدثنا الأوزاعى قال سئل أبو حنيفة، قال ابى: لم يسمع الأوزاعى عن ابى حنيفة شيئا".(۲)

یعنی ' 'میرے والد نے مجھے بتایا، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے مسکین بن بکیر نے بیان کیا، اس نے کہا کہ مجھ سے اوزاعی نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا۔یہ سن کر میرے والد (امام احمد بن حنبلؒ) نے فرمایا

---

(۱) الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲/ ۱۲۸، الضعفاء والمتر وکون للدارقطنی: ۲۵۲، الکامل فی الضعفاء لابن عدی: ۳/نمبر ۱۱۴۲، المغنی فی الضعفاء للذھبی: ۲۵۸۱، الضعفاء والمتر وکین لابن الجوزی: ۲/ ۱۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/ ۱ص ۱۱۴ - ۱۱۵، میزان الاعتدال للذھبی: ۲/ ۲۰۵، الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی: ص ۱۹۹، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۲۶۰، تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ۲/ ۴۸۸ - ۴۸۹، طبقات الحفاظ: ۲۱۲ - ۲۱۳، لسان المیزان لابن حجر: ۳/ ۸۵ - ۸۸، اللباب: ۲/ ۳، شذرات الذھب: ۲/ ۸۰، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/ ۶۴، نصب الرایۃ للزیلعی: ۴/ ۱۵۱، مجمع الزوائد للھیثمی: ۵/ ۲۶۱: ۷/ ۱۷۰، ۹/ ۶۷، ۱۰/ ۲۸۶، تاریخ بغداد للخطیب: ۹/ ۴۰، التاریخ الصغیر للبخاری: ۲/ ۳۴۶

(۲) العلل ومعرفۃ الرجال: ۲/ ۲۰۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کہ امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہ سے کچھ بھی نہیں سنا ہے''۔

پس اس سند کا منقطع ہونا بھی واضح ہوا۔ امام رازیؒ نے اس مناظرہ کو سنداً حکایت کرنے سے گریز کیا ہے اور اس کی تغلیط یوں فرماتے ہیں کہ: ''حسی امور میں تفقہ کو کیا دخل ہے''۔ امام رازیؒ کے اس قول کی شرح فرماتے ہوئے جناب محمد عبدالعزیز محدث رحیم آبادی (۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

''امام رازیؒ نے تو اس قصہ کا غلط اور جعلی ہونا یوں کہہ دیا کہ یہ قصہ مہمل اور بے معنی ہے۔ غرض یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ایسے نہ تھے کہ ایسی مہمل بات کہتے اور امام اوزاعیؒ ایسے نہ تھے کہ ایسی مہمل بات پر چپ ہو جاتے الخ''۔ (۱)

خود سید مرتضی الزبیدی نے اس مناظرہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

''شاذ کونی حافظہ کے باوجود واہی ہے، مگر یہ قصہ مشہور ہے''۔ (۲)

محمد عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ فرماتے ہیں:

''اس فقہ راوی کی قید پر امام اوزاعیؒ اور امام ابوحنیفہ کا مناظرہ بنایا گیا ہے...... اس میں رفع الیدین نہ کرنے کی روایت کو اسی فقہ راوی کی بنا پر ترجیح دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ علقمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر فقیہ ہے''۔ (۳)

اس مناظرہ کی اسنادی کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ فرماتے ہیں:

''لیکن اکثر احناف علو اسناد کے باوجود اس حدیث (یعنی روایت عبداللہ بن عمرؓ) پر ابن مسعود کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی علت فقاہت رواۃ بتاتے ہیں۔ اس کی بنا امام ابوحنیفہ کے امام اوزاعی کے ساتھ ہونے والے مناظرہ کی حکایت پر ہے جسے ابن ہمام نے ابن عیینہ سے معلقاً روایت کیا ہے اور عصر حاضر کے علمائے حنفیہ نے اپنے حواشی میں اس کی اتباع کی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ حکایت ثابت نہیں ہے۔ "عقود الجواهر المنيفة فی أدلة مذاهب الإمام ابی حنيفة" (۴) میں مذکور ہے کہ حارثی نے اپنی مسند میں محمد بن ابراہیم ثنا سلیمان بن داؤد الشاذ کونی الخ سے روایت کی ہے۔ صاحب العقود کہتے ہیں: سلیمان الشاذ کونی حافظہ کے ساتھ واہی بھی ہے اگرچہ کہ یہ قصہ مشہور ہے۔ ابن الترکمانی حنفیؒ ''الجوہر النقی'' (۵) میں فرماتے ہیں:

---

(۱) حسن البیان لعبدالعزیز: ص ۶۰

(۲) عقود الجواہر المنیفۃ للزبیدی: ۱/۶۱

(۳) حسن البیان بجواب سیرۃ النعمان لعبدالعزیز رحیم آبادی: ص ۵۹

(۴) عقود الجواہر المنیفۃ: ۱/۴۴ کما فی التعلیقات السلفیۃ

(۵) الجواہر النقی لابن الترکمانی: ۲/۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رازی کا قول ہے کہ شاذکونی کچھ بھی نہیں، متروک الحدیث ہے، ابن معین کا قول ہے کہ جھوٹ بولتا تھا اور حدیث گھڑتا تھا۔ اسی طرح ''میزان'' میں بھی۔ حارثی صاحب مسند ابی حنیفہ جو ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی ہے، حدیث گھڑنے کے لئے متہم ہے۔ ایسا ہی ''میزان'' اور ''لسان'' میں ہے، پس یہ حکایت شاذکونی یا حارثی کے اختلاق کا نتیجہ ہے۔ اس حکایت پر علامہ محمد معین السندھی حنفیؒ نے ''دراسات'' (۱) میں نہایت مفید کلام کیا ہے۔ (پھر علامہ سندھیؒ کا کلام ملخصًا نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ فقہ راوی صحت روایت کے لئے بے اثر ہو۔ ثقات کی جانب سے اس کا نقل کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قول سلف صالح پر موضوع و مختلق ہے، جسے کہ متاخرین نے ایجاد کر کے ان کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ اس کی شہادت صاحب کشف و تحقیق فخر الاسلام شیخ عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ نے بھی دی ہے۔ ان کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ: ''اگر ہم تفقہ راوی کو (غیر فقیہ کی روایت کے مقابلہ میں فقیہ کی روایت کو) لائق ترجیح اور بااثر مان لیں تو بھی یہ نہیں مان سکتے کہ ابن عمر کی حدیث کے رجال فقہاء نہ تھے۔'' حاصل کلام یہ ہے کہ اس حکایت کے علل قادحہ پر دلائل قائم ہیں، پس جو اس کو محل احتجاج میں وارد کرے اور مقدم کرے تو یہ اقدام غریب ہے الخ''۔ (۲)

اور شیخ سید ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور جو امام ابوحنیفہؒ کا امام اوزاعیؒ کے ساتھ مناظرہ منسوب ہے کہ جس میں آں رحمہ اللہ ابن مسعودؓ کی روایت کو ابن عمرؓ کی روایت پر من حیث الفقہ ترجیح دیتے ہیں تو یہ قصہ جھوٹا ہے۔ اسے موفق بن احمد المکی نے ''مناقب الامام ابی حنیفہ'' (۳) میں اپنی سند کے ساتھ بطریق ابی محمد الحارثی انبأ محمد بن ابراہیم الرازی انبأ سلیمان الشاذکونی: سمعت سفيان بن عيينة يقول : اجتمع أبو حنيفة والأوزاعي في دار الحناطين (فساقها). وارد کیا ہے۔ یہ سلسلۂ روایت جھوٹا ہے۔ حارثی جس کا نام عبداللہ بن محمد بن یعقوب الاستاذ السبذمونی ہے اور اس کا شیخ بلکہ اس کے سب شیوخ کذاب ہیں جن کے تراجم میزان، لسان اور ضعفاء ابن الجوزی وغیرہ میں موجود ہیں۔ پس اس روایت پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اس میں نکارت بھی موجود ہے کہ جسے ہم نے اپنے رسالہ ''کحل العینین'' میں بیان کیا ہے، اور یہ تیسری وجہ ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کے ثبوت کو تسلیم کر لیں تو بھی ترجیح اس کے برعکس کے لئے ہی ثابت ہے کیونکہ خود شیخ عبدالحی لکھنوی اپنے امام کی ترجیح سے راضی نہ تھے جیسا کہ انہوں نے ''التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد'' (۴) میں لکھا ہے: "ألا إن ثبوته

---

(۱) دراسات اللبیب للسندی: ۱۷۷-۱۸۵
(۲) التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی للفوجیانی: ۱/۱۰۲
(۳) مناقب الإمام ابی حنیفہ لابن احمد المکی: ۱/۱۳۰
(۴) التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد للکنوی: ص ۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عن النبی ﷺ أكثر و أرجح". پھرانہوں نے حدیث رفع یدین کے متواتر ہونے کا اقرار بھی کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "لم يثبت الترك إلا عن ابن مسعود كما مر كلامه الخ". (۱)

امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مابین ہونے والے اس شہرت یافتہ مناظرہ کی اسنادی حیثیت جان لینے کے بعد بھی اگر کوئی اسکی صحت میں شک وشبہ کرے تو ہم اس کو اس مناظرہ کے جملہ مندرجات پر علامہ محمد بن عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ کا درج ذیل نفیس وناقدانہ تجزیہ مطالعہ کرنے کی دعوت دیں گے جسے آں رحمہ اللہ نے جناب شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرۃ النعمان'' پر تعقباً ترتیب دیا تھا، فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ ہر فقرے اس قصہ کے ایسے مہمل ہیں کہ تھوڑے شعور کا آدمی بھی اگر تامل کرے گا تو کہہ دے گا کہ یہ قصہ غلط اور مہمل ہے...... لہذا میں ''فتح القدیر'' ہی سے اس حکایت کا ہر ہر فقرہ نقل کر کے بحث کرتا ہوں۔

پہلا فقرہ اس حکایت کا یہ ہے کہ امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ اس فقرہ کو صاحب سیرۃ النعمان نے بھی صفحہ ۸۷ میں لکھا ہے۔ امام اوزاعی کے اس قول کا مطلب ہر عاقل یہی سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت کے علمائے حجاز (مکہ مدینہ) رفع یدین کرنے میں متفق تھے ورنہ امام اوزاعیؒ عراق والوں کے رفع یدین نہ کرنے پر تعجب نہ کرتے۔ اور انہیں کو اس کے نہ کرنے میں مخصوص نہ کہتے اور امام ابوحنیفہؒ بھی اس تخصیص کو مان نہ لیتے، بلکہ یوں کہتے کہ اہل عراق کی کیا تخصیص ہے؟ حرمین میں بھی فلاں فلاں رفع یدین نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت کے علمائے حرمین سب رفع یدین کے قائل تھے اور ان میں یہ مسئلہ بلا اختلاف جاری تھا اور حرمین میں اس وقت بڑے بڑے علماء اولاد صحابہ رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت نبی ﷺ موجود تھے۔ امام جعفر صادقؒ (جن کے فضل وکمال اور عظمت وشان کا صاحب سیرۃ النعمان کو بھی صفحہ (۴۵) میں اقرار ہے) بھی وہیں تھے۔ کیوں جناب امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں آپ کو امام جعفر صادقؒ کے نسبت یہ خیال نہیں آیا کہ أهل البيت أدرى بما فيه ابوحنیفہؒ نے اس کے جواب میں امام اوزاعی سے یہ کہا: "لأجل أنه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شيء"۔ یعنی باوجود اتفاق اہل حرمین کے ہم لوگ رفع یدین اس وجہ سے نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں ہے، غرض امام ابوحنیفہؒ نے اہل حرمین سے اپنی مخالفت کی وجہ کے بیان میں یہ دعوی کیا کہ رفع یدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں، حالانکہ موقع یہ تھا کہ عبداللہ بن مسعود والی

---

(۱) جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین للراشدی: ۱۱-۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایت امام ابوحنیفہ پیش کرتے کیونکہ عراق والوں کے رفع یدین نہ کرنے کی وجہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا ہونا ہے جیسا کہ کتب حنفیہ اور اسی مناظرہ کے پورے مضامین سے ثابت ہے نہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہ ہونا عراق والوں کے رفع یدین نہ کرنے کی وجہ تھی پس اگر قصہ صحیح مانا جاوے تو لازم آئے گا کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے ایک بات غلط کہی جس کا بطلان پھر خود ہی کر دیا۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت پیش کی۔

دوسرا فقرہ اس مناظرہ کا یہ نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جب یہ دعوی کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے رفع یدین کے بارے میں کچھ ثابت نہیں تب امام اوزاعی نے کہا: "كيف لم يصح وقد حدثني الزهري عن سالم عن ابيه عن رسول الله ﷺ كان يرفع يديه" الحديث یعنی کیونکر تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے رفع یدین کے بارے میں کچھ ثابت نہیں حالانکہ زہری نے سالم سے روایت کی اور انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ رفع یدین کرتے تھے۔ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہؒ کے دعوی کو یوں توڑا کہ یہ حدیث صحیح مع سند پڑھ دی کہ تم کہتے ہو کہ اس بارے میں کچھ ثابت نہیں حالانکہ یہ حدیث صحیح موجود ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کے جواب میں اپنے دعوی (کچھ ثابت نہیں ہے) کو یوں ثابت کیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت پڑھی، حالانکہ اس سے اثبات دعوی تو درکنار، ابطال دعوی ہوتا ہے کیونکہ دعوی امام ابوحنیفہؒ کا یہ تھا کہ کچھ ثابت نہیں حالانکہ رفع یدین کی حدیث کے ثبوت میں امام ابوحنیفہؒ نے کچھ کلام نہیں کیا بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے اس کا معارضہ کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر چند رفع یدین کی حدیث ثابت ہے مگر اسکے معارض موجود ہے اور اس معارض کو بسبب فقہ راوی کے ترجیح ہے اور یہ دعوی (کچھ ثابت نہیں) کی دلیل نہیں بلکہ اس کی مبطل ہے امام ابوحنیفہؒ کی شان سے نہایت بعید ہے کہ دعوی کچھ ہو دلیل کچھ اور۔

تیسرا فقرہ اس مناظرہ کا یہ نقل کیا گیا ہے کہ امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے اس جواب پر یہ کہا: "أحدثك عن الزهري عن سالم عن أبيه وتقول حدثني حماد عن ابراهيم". صاحب ''سیرۃ النعمان'' نے امام اوزاعیؒ کے اس قول کا صفحہ ۸۷ میں یہ ترجمہ کیا ہے (امام اوزاعیؒ نے کہا سبحان اللہ میں تو زہری سالم عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلہ میں حماد نخعی علقمہ کا نام لیتے ہیں)۔ میں کہتا ہوں کہ امام اوزاعیؒ کے اس قول کا صریح مطلب یہی ہے کہ زہری اور سالم کے مقابلہ میں حماد اور ابراہیم نام لینے کے قابل نہیں ہیں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے کہنے پر استبعاد اور تعجب سے کہا کہ زہری اور سالم کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نام کیوں کر لیا۔ لفظ سبحان اللہ کلمہ تعجب کہنے کا اور کیا مفاد ہو سکتا ہے۔ امام اوزاعیؒ کے کلام کا صریح مطلب یہی ہے کہ حماد و ابراھیم کی روایت قابل استدلال نہیں ہے، خصوصاً زہری اور سالم کے مقابلہ میں۔ اور یہ بات کتب اسماء الرجال میں طبقات رواۃ کے دیکھنے سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ حماد کی نسبت ''تقریب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



التہذیب'' (۱) میں یوں لکھا ہے: "حماد بن أبی سلیمان مسلم الأشعری مولاھم ابو اسماعیل الکوفی الفقیه صدوق له أوهام من الخامسة" یعنی حماد کوفہ کا فقیہ سچا تو ہے مگر وہمی ہے پانچویں طبقہ کا ہے۔ اور حافظ ذہبیؒ نے ''میزان الاعتدال'' (۲) میں اس وقت کے محدثین اور فقہاء کے اقوال حماد کے بارہ میں بہت نقل کئے ہیں، جن میں سے بطور نمونہ کے میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ "سمعت حماد بن سلمة قال کنت أسال حماد بن ابی سلیمان عن المسندات وکانوا یسئلونه عن رأیه وکنت إذا جئت قال لا جاء الله بك وعن الأعمش حدثنی حماد بحدیث عن ابراهیم وکان غیر ثقة وقال الأعمش مرة ثنا حماد وما کنا نصدقه" حماد بن سلمہ نے کہا کہ میں حماد بن ابی سلیمان سے حدیث پوچھتا تھا اور لوگ ان کی رائے پوچھتے تھے تو مجھ کو دیکھ کر گھبراتے اور کہتے کہ خدا نہ لاوے تجھ کو۔ امام اعمش نے کہا کہ مجھ سے حماد نے ایک حدیث ابراہیم کی روایت سے بیان کی اور وہ ثقہ نہ تھا۔ ایک دفعہ امام اعمش نے یوں کہا کہ حماد نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ہم لوگ اس کو سچا نہ جانتے تھے''۔ (صاحب سیرۃ النعمان نے امام اعمش کو امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ میں لکھا ہے یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ جس کو امام ابوحنیفہؒ کے استاذ جھوٹا کہیں اس کو خود زہری جیسے شخص پر ترجیح دیں)۔

اور زہری کا حال ''تقریب التہذیب'' (۳) میں یوں لکھا ہے: "محمد بن مسلم بن عبد الله بن عبد الله بن شهاب بن عبد الله ابن الحارث بن زهرة بن کلاب القرشی الزهری وکنیته ابو بکر الفقیه الحافظ متفق علی جلالته واتقانه وهو من رؤوس الطبقة الرابعة"۔ محمد بن مسلم زہری قرشی فقیہ اور حافظ الحدیث ہیں۔ ان کی عظمت شان اور اتقان پر اتفاق ہے یہ چوتھے طبقے والوں کے سرداروں میں سے ہیں ـــــ لوگ دونوں (حماد، زہری) کے مراتب ملاحظہ کریں حماد پانچویں طبقہ کے اور زہری چوتھے طبقہ والوں کے سردار اور ان کی صفت صرف فقیہ لکھی ہے اور ان کی صفت فقیہ اور حافظ (یعنی محدث) لکھی ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہم بہت ہوتا تھا اور اکابر ائمہ نے ان پر جرح کی اور غیر ثقہ کہا اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی عظمت شان اور ان کی روایت کی قوت متفق علیہ ہے۔ اسی واسطے امام اوزاعیؒ نے کہا کہ زہریؒ کے مقابلہ میں حماد کا کیا نام لیتے ہو یعنی حماد راوی مجروح وہمی ہے اسکی روایت مقبول نہیں خصوصا زہری جیسے شخص کے مقابلہ میں۔ اس موقع میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ جواب دینا کہ حماد زہری سے افقہ ہیں گویا سوال

(۱) تقریب التہذیب: ۱/ ۱۹۷

(۲) میزان الاعتدال: ۱/ ۵۹۵-۵۹۶

(۳) تقریب التہذیب: ۲/ ۲۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



از آسمان و جواب از ریسمان ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقاہت سبب ترجیح تو جب ہے کہ عدالت وضبط میں مساوات ہو اور جب عدالت وضبط ہی میں نقصان ہو تو فقاہت سبب ترجیح کیوں کر ہو سکتی ہے۔ امام اوزاعیؒ تو نقصان راوی کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بجائے دفع نقصان کے سبب ترجیح بیان کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ فقاہت سے امام ابوحنیفہؒ کی کیا مراد ہے؟ اگر مسائل فرعی کا زیادہ جاننا مراد ہے تو قطع نظر اس کے کہ یہ بات محض بے دلیل اور اثبات دعوی بہ دعوی ہے۔ بادی الرائے میں بھی محض مہمل ہے کیونکہ یہ اس قسم کی بات ہے کہ دو شخصوں نے کوئی خبر کہی تو ایک خبر کو بایں نوع ترجیح دی جاوے کہ اس کے راوی کو دس مسئلے معلوم ہیں اور دوسری خبر کے راوی کو آٹھ مسئلے معلوم ہیں کوئی عاقل ایسا کہہ سکتا ہے بھلا؟ مسئلہ دانی کی کمی بیشی کو کسی خبر کی صحت وعدم صحت میں کیا دخل ہے؟ چنانچہ اصول فقہ حنفیہ میں بھی فقہ راوی سبب ترجیح بایں معنی نہیں لکھا ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی یہ مراد ہے کہ حماد زہری سے زیادہ سمجھدار تھے یعنی مطالب حدیث کے زہری سے زیادہ سمجھتے تھے جیسا کہ اصول حنفیہ میں ہے کہ فقہ راوی سبب ترجیح اس وجہ سے ہے کہ سمجھی ہوئی بات زیادہ یاد رہتی ہے تو حماد کو بمقابلہ زہریؒ افقہ کہنا محض غلط ہی نہیں بلکہ روایت ودرایت دونوں کے خلاف ہے۔ زہریؒ مدینہ طیبہ کے عالم، اہل زبان، قرشی، اولاد صحابہ واہل بیت، علمائے حجاز اہل لسان کے شاگرد خود فقیہ ومحدث دونوں، اور حماد کوفہ کے رہنے والے، ابراہیم نخعی کوفی کے شاگرد نہ خود حجازی حجازی کے شاگرد بھلا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ حماد حدیث کے مطالب زہریؒ سے زیادہ سمجھتے تھے۔ ایسی لغو ومہمل باتوں کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کرنی مدح نہیں بلکہ ہجو ملیح اور نادان کی دوستی ہے۔

اب ابراہیم نخعی وسالم کا مقابلہ سنیئے۔ حافظ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (۱) میں ابراہیم نخعی کا حال لکھا ہے: "ابراهيم بن يزيد النخعی أحد الاعلام يرسل عن جماعة وقد رأى زيد بن أرقم وغيره ولم يصح له سماع من صحابی وقد قال فيه الشعبی ذاك الذی يروی عن مسروق ولم يسمع منه شيئا قلت وكان لا يحكم العربية ربما لحن ونقموا عليه قوله لم يكن ابو هريرة فقيها وقال يونس بن بكير عن الأعمش قال ما رأيت أحدا روى بحديث لم يسمعه من ابراهيم قلت استقر الأمر على أن ابراهيم حجة وأنه إذا أرسل عن ابن مسعود وغيره فليس ذلك بحسن"۔ ابراہیم نخعی ایک بڑے شخص ہیں، ایک جماعت سے مرسل طور پر روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے زید بن ارقم وغیرہ کو دیکھا تھا اور کسی صحابی سے سماع ان کا ثابت نہیں اور ان کے بارے میں امام شعبی نے کہا ہے کہ یہ مسروق سے روایت کرتا ہے، حالانکہ مسروق سے اس نے کچھ سنا نہیں ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی عربیت اچھی نہ تھی بیشتر عبارت میں غلطی کرتے تھے اور لوگوں

---

(۱) میزان الاعتدال للذھبی: ۱/۷۴-۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے ان کے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ ابوھریرہ فقیہ نہ تھے اور یونس بن بکیر نے امام اعمش سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابراہیم سے زیادہ بغیر سنے ہوئے روایت کرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: بات یہ ٹھہری کہ ابراہیم حجت تو ہیں مگر جب ابن مسعود وغیرہ سے روایت کریں تو وہ ٹھیک نہیں''۔

اور سالم کا حال ''تقریب التہذیب''(۱) میں یوں مذکور ہے:"سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب القرشي العدوي أبو عمر أو ابو عبد الله المدني أحد الفقهاء السبعة وكان ثبتا عابدا فاضلا كان يشبه بأبيه في الهدى والسمت من كبار الثالثة"۔ سالم عبداللہ کے بیٹے عمر فاروقؓ کے پوتے فقہائے سبعہ وفقہائے ناموران مدینہ میں سے ایک ہیں۔ ثقہ عابد فاضل تھے، طریقہ اور سیرت میں اپنے باپ کے مشابہ تھے، تیسرے طبقہ والوں میں بڑے درجہ کے ہیں''۔

اور ''خلاصۃ تذھیب التہذیب'' میں ہے:"سالم بن عبد الله بن عمر العدوي المدني الفقيه أحد السبعة عن أبيه وابي هريرة ورافع بن خديج وعائشةؓ قال ابن اسحق أصح الأسانيد كلها الزهري عن سالم عن أبيه وقال مالك كان يلبس الثوب بدرهمين وعن نافع كان ابن عمر يقبل سالما ويقول شيخ يقبل شيخا" ...... سالم عبداللہ ابن عمرؓ کے بیٹے عدوی مدینہ کے فقیہ فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔ اپنے والد اور ابوھریرہؓ اور رافع بن خدیج اور حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا کہ ساری سندوں سے بڑھ کر صحیح زہری کی سند۔ سالم سے اور ان کی اپنے باپ سے ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ سالم دو درہم کا کپڑا پہنتے تھے اور نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سالم کا بوسہ لیتے اور کہتے کہ بوڑھا بوڑھے (یعنی باعتبار فضل کے) کا بوسہ لیتا ہے۔

بھلا جو شخص آغوش عاطفت میں چند صحابہ رضی اللہ عنھم کے تربیت یافتہ ہوا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا سرفراز بیٹا ہو، عمر فاروقؓ کا پوتا ہو، جس کے گھر سے شریعت محمدی کی ترویج ہوئی ہو، جس کا علم وفضل اس وقت کے علمائے مدینہ میں مسلم ہو، جس کا فضل اقران تابعین میں مانا ہوا ہو اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کوفہ کا رہنے والا جس سے حدیث کی روایت مرفوعا کم، حجاز عرب کا رہنے والا نہیں، عربیت اس کی اچھی نہیں، مطالب حدیث کو زیادہ سمجھتا نہیں خاص کر ایسے امر (نماز میں رفع الیدین) کی نسبت جس میں تفقہ کو کچھ دخل نہیں، یہ کیسی ناحق پسندی اور واشگاف غلط بیانی ہے۔ ایسی باتوں کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کرنی مدح نہیں بلکہ سراسر قدح اور وہی نادان کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ علاوہ دو شخصوں کے فضل وکمال کا موازنہ تو وہ شخص کرسکتا ہے جس نے دونوں کی صحبت اٹھائی ہو اور دونوں کے علم وطباعی کے جانچ کا اس کو موقع ملا ہو جیسے امام محمد کہ ایک زمانہ تک امام

---

(۱) تقریب التہذیب لابن حجر: ۱/۴۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابوحنیفہؒ کی صحبت میں رہے اور ان سے پڑھا، پھر بعد ان کے امام مالک کی شاگردی کی اور ان سے مستفید ہوئے۔ انہوں نے دونوں کے علم وفضل کا موازنہ کیا اور امام شافعیؒ کے مناظرہ میں صاف کہہ دیا کہ امام مالکؒ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وغیرہ کا علم امام ابوحنیفہ سے زیادہ رکھتے تھے جیسا کہ صاحب ''سیرۃ النعمان'' کی محولہ کتاب سے ہم اوپر ثابت کر چکے خلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ کہ انہوں نے زہری اور سالم یا ابراہیم نخعی اور علقمہ کی صحبت نہیں اٹھائی، اور نہ ان لوگوں کے فضل وکمال کے جانچ کا ان کو موقع ملا، اور نہ کوئی ایسی صورت ہوئی جس سے وہ ان لوگوں کے قدر علم وتفقہ کا پتہ لگا سکتے۔ ایسی حالت میں امام ابوحنیفہؒ کا موازنہ کرنا لغو اور محض اپنے وہم خیال کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے؟ میرا حسن ظن اس سے آبی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایسا کہا ہو علاوہ ان سب باتوں کے سارے اہل اصول نے سبب ترجیح احدی الروایتین یہ لکھا ہے کہ ایک طرف راوی فقیہ ہو اور ایک طرف غیر فقیہ نہ یہ کہ دونوں طرف راوی فقیہ ہوں مگر ایک طرف کا راوی افقہ ہو چنانچہ صاحب ''سیر النعمان'' نے خود بھی یہی لکھا ہے۔

علاوہ یہ بھی اصول کا مسئلہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے کیونکہ نفی سہو اور عدم العلم پر محمول ہوسکتی ہے اور اثبات کا کوئی محمل صحیح نہیں ہے۔ پس زہری کی روایت میں فقہ راوی وعلو سند واثبات میں وجہ ترجیح موجود ہے اور حماد کی روایت میں کوئی سبب ترجیح نہیں ہے، راوی کا افقہ ہونا یہ اگر مان لیا جاوے تو سبب ترجیح نہیں ہے، اور اگر ہو تو یہ ایک وجہ تین سبب کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ان اصول درایت کے موافق یہ حکایت محض لغو ٹھہرتی ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ نے زہری وسالم کی فقاہت کا انکار نہیں کیا، اور کیونکر کرتے، ان لوگوں کی جلالت شان پر تو اتفاق تھا، پس امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مناظرہ کا قصہ قطع نظر روایت کے اصول درایت کے رو سے بھی محض غلط اور مہمل ٹھہرا۔ اس تحقیق وبیان سے روایت بالمعنی اور فقہ راوی کی قید کے متعلق باتیں خوب واضح ہوگئیں اور اس بنا پر مناظرہ امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کا قصہ جو صاحب ''سیرۃ النعمان'' نے لکھا تھا باطل وغلط ثابت ہوگیا۔ میں نے اس حکایت کی سند سے اسی وجہ سے بحث نہیں کی کہ جب مضمون ہی اس حکایت کے لغو اور مہمل ہونے پر دلالت کرتا ہے تو سند سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ بھی بات تھی کہ سند کے متعلق بحثیں بہت ہو چکی ہیں''۔(۱)

پس معلوم ہوا کہ فقاہت راوی کی بنیاد پر بعض صحابہ کی روایات کو راجح اور بعض کی روایات کو مرجوح قرار دینا ایک لغو اور مہمل اصول ہے۔ امام سخاویؒ اس اصول کی تردید فرماتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''ولا عبرة برد بعض الحنفية روايات سيدنا أبي هريرة رضي الله عنه

(۱) حسن البیان للعلامہ محمد عبدالعزیز محدث رحیم آبادی: ص ۶۰-۷۱ (ملخصاً)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


وتعليلهم بأنه ليس بفقيه"۔(۱)

یعنی ''بعض حنفیہ کا سیدنا ابوھریرہؓ کی روایات کو رد کرنا معتبر نہیں ہے۔حنفیہ اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ فقیہ نہیں تھے''۔علامہ شیخ محمد معین سندھی حنفیؒ نے حنفیہ کے نزدیک بھی ترجیح بالفقہ کے معتبر ہونے کا انکار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''سوم: فقہ الرواۃ کو صحت مروی میں کوئی اثر (یعنی دخل) نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار تو عدالت وضبط ہے، جسے سب نے صحت حدیث کے لئے شرط قرار دیا ہے۔قلت فقہ وثوق روایت کے ملتزمات اور اس کے شرائط تحمل کے لئے موجب وھن نہیں ہے۔اگر فقہ الرواۃ کا انکار کیا جائے تو ابن عمر کی حدیث کا علوء سند باقی رہ جاتا ہے جو صحت کے لئے ضروری اور کافی ہے۔حنفیہ بھی اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتے کہ راوی میں قلت فقہ اس کی روایت کے لئے باعث وہن ہے بلکہ وہ تو صحابہ میں سے جو قلیل الفقہ تھے ان کی صرف وہ روایات جو قیاس کے خلاف ہوں ان پر قیاس کو مقدم ٹھہراتے ہیں۔مگر ایسا کرنا ان کے نزدیک بسبب عدم فقہ راوی صحت روایت پر وہن نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ غیر فقیہ کی مرویات کے مقابلہ میں فقیہ کی مرویات کو باعتبار صحت زیادہ وثوق حاصل ہوتا ہے۔لہذا وہ ابوھریرہؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن سمرہؓ، کہ جو ان کے نزدیک صحابہ میں سے فقاہت میں قلیل تھے، کی احادیث پر قیاس کو مقدم ٹھہرانے کی جانب گئے ہیں۔حضرت ابوھریرہؓ پر انہوں نے قلت فقہ کا حکم لگایا ہے، لیکن اس سے تو ان صحابہ پر شدید طعن واقع ہوتا ہے۔اس قول سے انہوں نے صحابہؓ کی نسبت ایک عظیم جسارت کی ہے (طویل کلام کے بعد فرماتے ہیں:) جب یہ ظاہر ہو گیا کہ فقہ راوی صحت حدیث میں اور غیر فقیہ کی حدیث پر اس کی قوت کے لئے بے اثر ہے، اور یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب جو کثرت وقلت فقہ کے اثر کو بیان کرتے ہیں تو وہ ترجیح المروی کی وجہ سے نہیں بلکہ تقدیم قیاس کی وجہ سے ہے۔پس اس حکایت میں فقیہ کی روایت کی غیر فقیہ کی روایت پر ترجیح کے قول کی امام ابوحنیفہؒ کی جانب نسبت امارات اختلاق میں سے ہے''۔(۲)

علامہ محمد معین سندھیؒ کے اس مفید کلام کو محدث شہیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے ''مقدمہ تحفۃ الأحوذی'' کی فصل (۴۰) "في ذكر بعض الأصول التي ذكرها الحنفية أو غيرهم لرد الأحاديث الصحيحة والكلام عليها"۔(۳) میں مفصلا اور شیخ عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ نے ''التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی'' (۴) میں مختصراً نقل کیا ہے، مگر جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی، علامہ محمد معین سندھیؒ

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۰ (۲) دراسات اللبیب للسندی: ۲۱۱، الاجوبۃ الفاضلۃ: ۲۱۵-۲۱۶

(۳) مقدمۃ تحفۃ الأحوذی للمبارکفوری: ۱۶۲

(۴) التعلیقات السلفیۃ: ۱/۱۰۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے اس کلام کو محل نظر بتاتے ہوئے تعقباً لکھتے ہیں:

"یہ کلام محل نظر ہے اور یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں کیونکہ: اگر صاحب دراسات کا یہ قول درست ہو کہ صحت مروی کے لئے فقہ بے اثر ہے کیونکہ اس کا دار و مدار تو اس کی مذکورہ شرائط مثلاً عدالت وغیرہ پر ہوتا ہے اور یہ کہ قلت فقہ شرائط تحمل میں موجب وہن نہیں ہے اور یہ کہ جو لوگ عام انسانوں کے خلاف غیر فقیہ کی روایات کے عدم قبول کے قائل ہیں وہ صحابہ پر طعن کرنے کے مرتکب ہیں، ایسا حنفیہ کی صرف ایک جماعت کے نزدیک درست ہے۔ سب کے نزدیک نہیں، جیسا کہ "کشف الأسرار" (۱) شرح أصول البزدوی لعبد العزیز البخاری، "غایۃ التحقیق" (شرح "المنتخب" للحسامی)، "التلویح مع (۲) التوضیح لسعد التفتازانی اور "التحریر" لکمال بن الھمام بشرح تلمیذہ ابن امیر الحاج الحلبی (۳) وغیرہ میں مبسوط طریقہ پر مذکور ہے۔ لیکن انکا یہ قول درست نہیں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غیر فقیہ کی حدیث پر از روئے قوت حدیث، فقہ راوی بے اثر ہے اور یہ کہ علمائے حنفیہ اگر باعتبار فقہ ترجیح بیان کرتے ہیں۔ تو اس سے ان کی مراد یہ جہت نہیں بلکہ دوسری جہت ہوتی ہے۔ پس اصول حنفیہ کی کتب غیر فقہاء کی مرویات پر فقہاء کی مرویات کی ترجیح کے اعتبار پر وارد ہیں۔ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس کی نسبت بیان کرنے میں صرف ابن ھمام ہی متفرد نہیں ہیں بلکہ اس کی صراحت ان سے قبل اور ان کے بعد کی ایک جماعت نے کی ہے، یہ چیز ان لوگوں پر مخفی نہیں ہے جو اپنی آنکھیں کھلی اور نظر میں وسعت رکھتے ہیں۔

اس مقام پر اگر یہ کہا جائے کہ اصلاً حدیث میں فقہ بے اثر ہے، جو چیز اسکے ضعف یا قوت مین مؤثر ہے وہ شروط صحت میں راوی کا تفاوت درجات (نقصاناً وکمالاً) ہے اور فقہ وہ امر ہے کہ جس سے فقیہ، غیر فقیہ پر فی نفسہ فضیلت پاجاتا ہے، چنانچہ فقیہ کی حدیث کی غیر فقیہ کی حدیث پر ترجیح واقع نہیں ہوتی ـــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ میں تفاوت سے حدیث میں بھی تفاوت واقع ہوتا ہے...... اور یہ اس لئے بھی کہ صحابۂ کرامؓ کے مابین روایت بالمعنی شائع تھی۔ ان میں سے صرف چند لوگوں نے ہی اسے جائز نہ سمجھا تھا، پس اگر راوی فقیہ ہو تو حدیث کے الفاظ کے معانی سمجھنے میں اجتہاد اور اس کے ظاہر و پوشیدہ معانی میں تامل کرے گا، برخلاف ایک غیر فقیہ کے جو صرف ظاہری معانی کو ہی لے گا، بواطن مبانی تک اس کی رسائی نہ ہوگی۔ پس اس جہت سے پہلا شخص دوسرے شخص پر ترجیح پائے گا اور عند التعارض دوسرے شخص کو ترجیح نہیں ہوگی۔

---

(۱) کشف الأسرار: ۲/۳۸۳

(۲) التلویح مع التوضیح: ۲/۵

(۳) التحریر بشرح ابن امیر الحاج: ۲/۲۵۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہاں اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کرامؓ حدیث کے الفاظ بعینہ حفظ کرنے اور احادیث کو انہی کی اصل ھیئت پر تبلیغ کرنے میں بکثرت اعتناء کرتے تھے، چنانچہ ان سے بکثرت ایسا منقول ہے۔ جہاں تک دو لفظوں میں شک اور دو جملوں میں تردد کا تعلق ہے تو وہ اس پر شدید نکیر کیا کرتے تھے جو کسی خبر کے لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دے، خواہ اس سے معنی میں نہ کوئی فساد واقع ہوتا ہو اور نہ ہی اس سے معنی متغیر ہوتے ہوں، جیسا کہ ان تمام لوگوں میں سے کسی پر بھی مخفی نہیں ہے جو کتب فن پر نگاہ رکھتے ہیں اور سنن کی روایات پر تامل کرتے ہیں۔ پس یہ چیز ان سے مستبعد ہے کہ وہ الفاظ کو بدل دیں اور مواقع الفاظ پر تامل نہ کریں خواہ غیر فقیہ ہی ہوں ___ میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ ہی بکثرت صحابہؓ روایت للمبنی پر غیر ملتزم اور روایت بالمعنی پر مکتف تھے، پس اگر وہاں تفاوت بالفقہ ظاہر نہ ہوا ہو تو یہاں ظاہر ہے۔ اگر صحابہ میں روایت کے الفاظ کے ساتھ اعتناء کرنا موجود بھی ہو تو وہ ان کے بعد میں آنے والے رواۃ اور ائمہ میں مفقود ہو گیا تھا، پس انہوں نے اعتناء بالمبنی کے بغیر روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا اور یہی اکثر فقہاء و محدثین کا مذہب ہے، برخلاف فقہاء و محدثین کے ایک گروہ کے۔ پس ضروری ہے کہ فقہ میں ان کا تفاوت اور مقدار تأمل و انفہام کے لحاظ سے ترجیح کا اعتبار کیا جائے''۔(۱)

علامہ لکھنویؒ کے اس کلام میں کئی امور ایسے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، یا پھر حقائق کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن چونکہ یہاں ان سب چیزوں کا جواب دینا طول محض کا سبب ہوگا اس لئے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے علامہ محمد معین سندھیؒ کا ایک اور مفید و پر مغز اقتباس نقل کرتے ہیں۔ آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱- ''فقہ راوی کو تحمل اور صدق روایت میں کوئی اثر ہی نہیں، (۲) صحابہ میں یہ امکان ہی نہیں کہ روایت بالمعنی میں ایسی غلطی کریں کہ جس سے حدیث کا مقصود فوت ہو جائے، (۳) جو لوگ نبی ﷺ سے الفاظ ضبط کرنے کی کوشش فرماتے تھے، کیسے ممکن ہے کہ وہ معنی ادا کرنے میں غلطی کریں، (۴) وہ لوگ اہل زبان تھے، ان سے اداء معنی میں غلطی کا احتمال کس طرح ہو سکتا ہے؟، پھر ابو ھریرۃؓ جیسا دانشمند آدمی، کہ جس کی طرف بوقت ضرورت عبادلہ جیسے فقہائے صحابہ رجوع کیا کرتے تھے، (۵) نبی ﷺ نے ان کے حق میں حفظ کے لئے دعا فرمائی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ بقول حضرت ابو ھریرۃؓ اس کے بعد مجھے کبھی نسیان نہیں ہوا۔ پس اگر یہ حفظ بلا فہم ہو یا ان سے غلط فہمی ہو جانے کا امکان ہو تو پھر اس دعاء کا کیا فائدہ ہوا؟ (۶) جو لوگ صحیحین کے رجال کے خصائص سے واقف ہیں، انہیں معلوم ہے کہ ادنی اور معمولی آدمی بھی نبی ﷺ کے ارشاد کی غلط تعبیر نہیں کر سکتا۔ (پھر

(۱) الاجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ۲۱۷-۲۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فرماتے ہیں:)"ولهذا قال شيخ الحنفية صاحب الكشف والتحقيق فى التحقيق ولم ينقل عن أحد من السلف اشتراط الفقه من الراوى فثبت أنه قول مستحدث بمثل هذا لا ينسب إلى ابى حنيفة رحمه الله". یعنی شیخ حنفیہ علامہ عبدالعزیز البخاریؒ، صاحب "التحقیق" و "کشف الأسرار"، کتاب "التحقیق" میں اسی باعث فرماتے ہیں کہ فقہ راوی کی شرط ائمہ سلف میں کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ من گھڑت بات ہے، ایسی بات امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔"(۱)

یہاں "اصول البزدوی" کے شارح عبدالعزیز بن احمد البخاریؒ کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"فأما عند الشيخ ابى الحسن الكرخي ومن تابعه من أصحابنا فليس فقه الراوى بشرط لتقديم خبره على القياس بل يقبل خبر كل عدل ضابط اذا لم يكن مخالفا للكتاب والسنة المشهورة ويقدم على القياس قال أبو اليسر وإليه أكثر العلماء لأن التغيير من الراوى بعد ثبوت عدالته وضبطه موهوم". (۲)

"اور شیخ ابوالحسن کرخی اور ہمارے اصحاب میں سے ان کے اتباع کے نزدیک فقہ راوی قیاس پر خبر کی تقدیم کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ وہ ہر عادل ضابط کی روایت کو قبول کرتے ہیں بشرطیکہ ان کی روایت کتاب اور مشہور سنت نبوی کے خلاف نہ ہو، اور اسے قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ ابوالیسر کا قول ہے کہ اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں کیونکہ راوی کی عدالت وضبط کے ثبوت کے بعد اس کی طرف سے حدیث کے مفہوم میں تغیر وتبدل موہوم سی بات ہے"۔

مشہور حنفی عالم شیخ عبدالقادر قرشیؒ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

"مذهب عيسى بن أبان من أصحابنا اشتراط فقه الراوى لتقديم الخبر على القياس وخرج عليه حديث المصراة وتابعه أكثر المتاخرين فأما عند الشيخ أبى الحسن الكرخي ومن تابعه من الأصحاب فليس فقه الراوى شرطا فى تقديم الخبر على القياس بل يقبل خبر كل عدل ضابط اذا لم يكن مخالفا للكتاب أو السنة المشهورة يقدم على القياس. قال أبو اليسر وإليه مال أكثر العلماء قال فى التحقيق فى شرح

(۱) دراسات اللبیب: ص ۳۱۵-۳۱۶

(۲) کشف الأسرار لعبد العزیز البخاری: ۲/۳/۷۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الاخسيكثي للإمام عبد العزيز وقد عمل أصحابنا بحديث أبي هريرة رضي الله عنه إذا أكل أو شرب ناسيا وإن كان مخالفا للقياس حتى قال أبو حنيفة لولا الرواية لقلت بالقياس وقد ثبت عن ابي حنيفة رضي الله عنه أنه قال ما جاء نا عن الله و عن رسول الله ﷺ فعلى الرأس والعين ولم ينقل عن أحد من السلف اشتراط الفقه في الراوي فثبت أنه قول محدث". (۱)

''خبر کی قیاس پر تقدیم کے لئے فقہ الراوی کی شرط ہمارے اصحاب میں سے عیسی بن ابان کا مذہب ہے اور اسی پر حدیث مصراۃ کو تخریج کیا ہے۔ متاخرین میں سے اکثر نے اس کی اتباع کی ہے لیکن شیخ ابوالحسن کرخی اور اصحاب میں سے ان کے اتباع کے نزدیک قیاس پر خبر کی تقدیم کے لئے فقہ الراوی شرط نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر عادل ضابط کی روایت کو قبول کرتے ہیں، بشرطیکہ ان کی روایت کتاب اللہ اور مشہور سنت رسولؐ اللہ کے خلاف نہ ہو، اور اسے قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ ابوالیسر کا قول ہے کہ اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں۔ امام عبدالعزیز نے کتاب التحقیق فی شرح الاخسیکثی میں بیان کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کا حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث پر عمل ہے مثلاً اگر کوئی روزہ دار بھول کر کھا پی لے، اگر چہ کہ یہ خلاف قیاس ہے، حتی کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر اس بارے میں روایت موجود نہ ہوتی تو میں قیاس سے حکم دیتا۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ثابت ہے کہ آں رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو خبر بھی ہمارے پاس آئے وہ ہمارے سر وچشم پر ہے اور سلف میں سے کسی سے بھی فقہ الراوی کی شرط منقول نہیں ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ قول نوایجاد ہے''۔

اسی طرح صاحب ''قمر الاقمار'' رقمطراز ہیں:

''فقہ الراوی کی اشتراط فقط عیسی بن ابان کا مذہب ہے۔ متاخرین میں جو بھی اس کے قائل ہوئے ہیں اسی کی اتباع میں ہوئے ہیں۔ یہ مذہب نہایت کمزور ہے بلکہ مستحدث ہے۔ اس کے لئے قدماء سلف سے، راوی کی فقاہت کی وجہ سے (حدیث پر) قیاس کے مقدم ہونے کی شرط منقول نہیں ہے۔ اس کے برعکس ہمارے امام اعظم سے تو یہ منقول ہے کہ ہمارے پاس ہمارے اللہ اور رسول کی جو بات پہنچے گی وہ سر آنکھوں پر ہے۔'' (۲)

---

(۱) الکتاب الجامع مع الجواهر المضیئۃ للقرشی: ۲/ ۴۱۷-۴۱۸

(۲) قمر الأقمار شرح نور الانوار: ص ۱۷۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں:

''محققین کی یہ قوی رائے ہے کہ عدل وضبط کے بعد راوی کے لئے فقہ کی شرط صرف عیسی بن ابان کا مذہب ہے۔ بہت سے متاخرین بھی ان کے ساتھ ہیں۔ امام کرخی اس کے خلاف ہیں اور قدماء احناف سے بھی یہ مذہب منقول نہیں ہے۔ انکی رائے ہے کہ حدیث بہر حال مقدم ہے''۔(۱)

اور متاخرین میں سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"ولم ينقل عن احد من السلف اشتراط الفقه فى الراوى فثبت ان هذا القول مستحدث"(۲)

''راوی میں اشتراط فقہ سلف میں سے کسی سے منقول نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ قول نو ایجاد ہے''۔

## حضرت ابو ہریرہؓ کی فقاہت کا ثبوت

ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں جو صحابی فتوی میں مرجع انام تھے وہ یہ ہیں: ابن عباس، ابن عمر، ابوسعید الخدری، ابو ھریرۃ اور جابر رضی اللہ عنھم''۔(۳)

امام شافعیؒ نے اپنی ''مسند'' میں تخریج کی ہے کہ ''ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو آپؓ نے حضرت ابوھریرہؓ سے کہا: "أفته يا أبا هريرة" (اے ابو ھریرہ آپ فتوی دیجئے) پھر آپ نے جو فتوی دیا حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس کی موافقت فرمائی''۔(۴)

بلاذری لکھتے ہیں کہ ''حضرت عمرؓ نے حضرت ابوھریرہؓ کو بحرین نماز پڑھانے اور لوگوں کے جھگڑے وتنازعات کے فیصلے کرنے کے لئے بھیجا تھا''۔(۵) امام ابن حزم اندلسیؒ نے تیرہ متوسط درجہ کے مفتیین صحابہ میں چوتھے نمبر پر حضرت ابوھریرہؓ کا تذکرہ کیا ہے۔(۶) امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"ابو هريرة الدوسى اليمانى الحافظ الفقيه صاحب رسول الله ﷺ ...... وكان من أوعية العلم ومن كبار أئمة الفتوى مع الجلالة والعبادة والتواضع".(۷)

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ للدھلوی: ۱/۱۶۱

(۲) مقدمۃ فتح الملھم: ۱/۱۱

(۳) الطبقات الکبری لابن سعد: ۲/۳۷۲ (ملخصا)

(۴) مسند الإمام الشافعی ص ۲۷۲، البرھان: ۱/ ۶۲۸، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۱، مجموع الفتاوی: ۴/۵۳۲-۵۳۸

(۵) فتوح البلدان للبلاذری: ص ۹۲، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۱۰۰-۱۰۱

(۶) الاحکام فی أصول الاحکام لابن حزم: ۵/۹۲

(۷) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۲-۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یعنی ''حضرت ابو ہریرہ الدوسی الیمانی حافظ حدیث اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے......علم کا خزینہ اور کبار ائمہ فتوی میں سے تھے۔جلیل القدر، عابد اور منکسر المزاج تھے''۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہؓ حفظ حدیث اور ادائے حدیث میں سب سے فائق تھے''۔(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، قاضی عیاض اور ابو حامد غزالی رحمھما اللہ کے اس قول پر کہ ''حضرت ابوھریرہ مفتی نہیں تھے''، نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جو صحابہ کے دور میں فتوی دیتا رہا ہو اور اس کو اس سے روکا نہ گیا ہو تو وہ مجتہدین میں سے ہے''۔(۲)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام فتوی دیتے رہے۔ان میں سے جن کے فتاوی محفوظ ہیں ایک سو تیس سے زائد ہیں، پھر ان میں سے سات ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ہر ایک کے فتاوی جمع کئے جائیں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے، جبکہ بعض ایسے صحابہ بھی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاوی سے ایک چھوٹا مجموعہ (جزء) تیار ہو سکتا ہے......ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: ابوبکر صدیق، ام سلمہ، انس، ابو سعید، ابو ہریرہ، عثمان، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن زبیر، ابو موسی، سعد، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ اور معاذ بن جبل۔''(۳)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ اور کبار ائمہ فتوی میں سے تھے''۔(۴)

محدث مبارکپوریؒ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ سے ایک عبرت ناک واقعہ یوں نقل فرماتے ہیں:

''ابوھریرہؓ کو غیر فقیہ کہنا بہت بڑی جسارت اور دین کے ساتھ استہزاء ہے۔ابوھریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنھما بہت بڑے فقیہ تھے۔میں جامع منصور میں علی بن محمد الدامغانی، قاضی القضاۃ، کی مجلس میں بیٹھا تھا، ہمارے ایک ساتھی نے سنایا کہ ابو ھریرہ پر ایک شخص نے یہ طعن ہمارے سامنے کیا، کہ اچانک ایک بڑا سانپ مسجد کی چھت سے نیچے گرا اور اس شخص کا رخ کیا جو یہ بات کہہ رہا تھا۔لوگ اٹھ بھاگے اور سانپ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۹

(۲) المنخول من تعلیقات الأصول: ص ۴۰

(۳) إعلام الموقعین: ۱/ ۵

(۴) تحفۃ الأحوذی: ۱/ ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


وہیں کہیں گم ہوگیا۔ وہ شخص آئندہ اس قسم کی بات کہنے سے خوف زدہ ہوگیا۔"(۱)

علمائے احناف میں سے شیخ عبدالقادر قرشی (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

"قال عبد العزيز فى التحقيق كان ابو هريرة فقيها ولم يعدم شيئا من أسباب الاجتهاد وقد كان يفتي فى زمن الصحابة وما كان يفتي فى ذلك الزمان الا فقيه مجتهد انتهى. قلت ابو هريرة رضى الله عنه من فقهاء الصحابة ذكره ابن حزم فى الفقهاء من الصحابة وقد جمع شيخنا شيخ الإسلام تقى الدين السبكى جزء ا فى فتاوى ابى هريرة رضى الله عنه سمعته عليه". (۲)

یعنی "شیخ عبدالعزیز کتاب التحقیق میں فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ فقیہ تھے۔ ان میں اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز معدوم نہ تھی۔ وہ عہد صحابہ میں فتوی دیا کرتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں سوائے فقیہ مجتہد کے کوئی فتوی نہ دیتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ ابو ہریرہؓ فقہائے صحابہ میں سے تھے۔ ابن حزمؒ نے ان کا تذکرہ فقہائے صحابہ میں کیا ہے۔ ہمارے شیخ شیخ الاسلام تقی الدین السبکیؒ نے ابو ہریرہؓ کے فتاوی کو ایک مستقل جزء میں جمع کیا ہے، اس جزء کا سماع میں نے اپنے شیخ سے کیا ہے"۔

شیخ علاءالدین فرماتے ہیں:

"ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ابو ہریرہ فقیہ نہیں تھے بلکہ آپ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی شئی بھی ان میں ناپید نہ تھی۔ وہ عہد صحابہ میں فتوی دیا کرتے تھے اور اس زمانہ میں صرف فقیہ و مجتہد ہی فتوی دیتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے روزہ میں بھول کر کھا پی لینے والے کے بارے میں حدیث ابی ہریرہ پر عمل کیا ہے، حالانکہ وہ حدیث قیاس کے خلاف ہے۔ امام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں قیاس پر عمل کرتا"۔(۳)

ابن أمیر الحاج الحلبی لکھتے ہیں:

"اسباب اجتہاد میں سے کوئی بھی سبب ان میں معدوم نہ تھا۔ صحابہؓ کے زمانہ میں فتوی دیتے رہے اور اس زمانہ میں مجتہد ہی فتوی دیا کرتے تھے۔ آٹھ سو رواۃ صحابہؓ اور تابعین ان سے روایت کرتے ہیں کہ جن میں حضرت ابن عباس، جابر اور انس بھی ہیں"۔(۴)

---

(۱) تحفۃ الأحوذی بحوالہ عارضۃ الأحوذی بتصرف یسیر: ۱/۱۱

(۲) الکتاب الجامع مع الجواہر المضیۃ للقرشی: ۲/۴۱۸

(۳) المرجانی علی التوضیح للشیخ علاءالدین: ۳/۴۵

(۴) دفاع عن ابی ہریرۃ للشیخ عبدالمنعم صالح العلی: ۲۴۲، شرح علی التحریر لابن امیر الحاج: ۲/۲۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



محشی اصول الشاشی لکھتے ہیں:

''ابو ہریرہؓ فقیہ مجتہد تھے ،ابن الھمام نے ''التحریر'' میں ان کے فقیہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں بحرین کے قاضی تھے۔متن میں جو لکھا ہے کہ وہ غیر فقیہ تھے محققین علمائے احناف کے ہاں یہ ایک مرجوح بات ہے''۔(۱)

جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''ابو ہریرہؓ کو غیر فقیہ کہنا غلط بات ہے۔وہ ان فقہاء میں سے ہیں جو صحابہؓ کے دور میں فتوی دیتے تھے جیسا کہ ابن الھمام نے ''تحریر الأصول'' میں اور ابن حجرؒ نے ''الإصابۃ'' (۲) میں وضاحت کی ہے''۔(۳)

جناب عبدالجبار جے پوری صاحب ''فصول الحواشی شرح أصول الشاشی'' سے ناقل ہیں:

''ابوھریرہؓ فقیہ تھے۔اسباب اجتہاد میں سے کوئی بھی سبب ان میں مفقود نہیں تھا۔صحابہؓ کے زمانہ میں فتوی دیتے تھے اور اس زمانہ میں فقیہ مجتہد ہی فتوی دیتے تھے مومن مخلص تھے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ۔۔۔آپؐ نے ان کے لئے حفظ کی دعا کی تھی۔اللہ سبحانہ وتعالی نے آپؓ کے لئے دعاء حفظ قبول فرمائی اور دنیا میں ان کا نام مشہور ہوا(''(۴)

جناب سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اکابر صحابہ کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ،حضرت عبداللہ بن عباسؓ،حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ زیادہ تر یہی چار بزرگوار فقہ وفتاوی کی مجلس کے مسند نشین تھے''۔(۵)

علامہ شبیر احمد عثانی فرماتے ہیں:

"...... إنا لا نسلم أن أبا هريرة لم يكن فقيها بل كان فقيها ولم يعدم شيئا من اسباب الاجتهاد وقد كان يفتي في زمان الصحابة وما كان يفتي في ذلك الزمان إلا فقيه مجتهد وقد دعا النبي ﷺ له بالحفظ فاستجاب الله له فيه حتى انتشر في العالم ذكره وحديثه وقد روىٰ جماعة من الصحابة عنه فلا وجه لرد

(۱) أحسن الحواشی علی أصول شاشی: ص ۷۲ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) الإصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر: ۴/۲۰۰-۲۰۸

(۳) کمافی تحفۃ الأحوذی: ۱/۱۱ انقلا عن السعایہ شرح شرح الوقایہ للکنوی

(۴) ازالۃ الحیرۃ عن فقاہت ابی ھریرۃؓ للشیخ عبدالجبار جیفوری: ص ۴

(۵) سیرت عائشہ صدیقہ للسید سلیمان الندوی: ۲۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


حديثه بالقياس". (۱)

یعنی ''(راوی میں اشتراط فقہ کے مستحدث ثابت ہونے کی بناپر) ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ابوہریرہؓ فقیہ نہیں تھے بلکہ وہ فقیہ تھے۔ اسباب اجتہاد میں سے کوئی شئ ان کے اندر معدوم نہ تھی۔ وہ صحابہؓ کے زمانہ میں فتوی دیا کرتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں سوائے فقیہ مجتہد کے کوئی فتوی نہ دیتا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کے حافظہ کے لئے دعاء فرمائی تھی جسے اللہ تعالی نے ان کے حق میں قبول فرمایا تھا حتی کہ ان کا ذکر وا حادیث تمام دنیا میں پھیلیں اور صحابہ میں سے ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے، پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کی حدیث کو قیاس کے ساتھ رد کیا جائے''۔

شیخ عبدالمنعم صالح العلی، ابن الھمامؒ سے ناقل ہیں:

''راوی صحابی یا تو مجتہد ہے مثلاً خلفائے اربعہؓ اور عبادلہؓ پس ان کی روایت مطلقا قیاس پر مقدم ہے، اور یا عادل ضابط ہے مثلاً ابو ہریرہؓ، انسؓ، سلمانؓ اور بلالؓ وغیرہ تو ان کی روایت بھی مقدم ہوگی اِلا یہ کہ قیاس کے بالکل مخالف ہو۔ مگر یہ عیسی بن ابان اور قاضی ابوزید کا ہی قول ہے۔ ابو ہریرہؓ مجتہد ہیں۔ عیسی اور ابوزید کے علاوہ تمام فقہائے حنفیہ حدیث کو مطلقاً قیاس پر مقدم جانتے ہیں''۔ (۲)

پس حضرت ابو ہریرہؓ کا فقیہ و مجتہد ہونا محقق ہوا، فالحمد للہ۔

جناب محمد اسماعیل سلفیؒ نے صحت حدیث پرکھنے میں فقہ راوی کے عمل دخل کے متعلق کیا ہی عمدہ بات فرمائی ہے:

''حدیث کی صحت میں فقہ راوی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے لئے حفظ وضبط کے بعد صدق اور مروت کی ضرورت ہے۔ فقہ راوی کا مفہوم سے تعلق ہے، اگر حدیث کا متن مختلف الفاظ سے مروی ہو تو فقہ راوی کی بنا پر بعض الفاظ کو ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن فقہ راوی کی بنا پر نہ کوئی متن گھڑا جاسکتا ہے، نہ کسی صحیح متن کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ اس شرط سے شرح معانی میں کام تو لیا جاسکتا ہے لیکن اس کی بنا پر اقرار یا انکار حدیث کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ صحابہ کا مقام تو اس سے کہیں بلند ہے کہ قاضی عیسی بن ابان، سرخسی اور دبوسی ایسے عجمی حضرات ان کی زبان دانی پر بحث کریں الخ''۔ (۳)

---

(۱) فتح الملھم: ۱/۱۱

(۲) دفاع عن ابی ھریرۃ لعبدالمنعم صالح: ص ۲۴۳ نقلاعن التحریر لابن الھمام

(۳) مقدمہ حسن البیان مؤلفہ محمد اسماعیل سلفی: ص ۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ صالح علم الدین الفلانی المالکی الاثریؒ نے شیخ محمد حیات سندھی حنفیؒ سے نقلاً بیان کیا ہے کہ:

''یہ بات طے شدہ ہے کہ علماء کی اصطلاح میں تمام صحابۂ کرام مجتہد نہ تھے۔ ان میں قریوں (گاؤں) اور صحراء کے باشندے بھی تھے، اور ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف ایک ہی حدیث سنی یا ایک ہی مرتبہ ان کو آپؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ لیکن ان میں ایسا کوئی فرد نظر نہیں آتا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے یا آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنھم میں کسی سے آپؐ کی کوئی حدیث سنی تو وہ اس پر اپنی فہم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو، خواہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد۔ یہ بات بھی معروف نہیں ہے کہ ان میں سے غیر مجتہد صحابہ جو بھی حدیث سنتے تھے ان کو سمجھنے کے لئے مجتہد صحابہ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ ایسا نہ کبھی نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ہوا اور نہ ہی آپؐ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے دور میں۔ پس معلوم ہوا کہ غیر مجتہد کے لئے حدیث پر عمل کا جواز آں ﷺ کی تقریری حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے اجماع سے ثابت ہے۔ اگر معاملہ ایسا نہ ہوتا تو خلفاء نے صحابہ میں سے غیر مجتہدین یا کم از کم جو صحراء کے باشندے تھے ان کو اس بات کا ضرور حکم دیا ہوتا کہ وہ نبی ﷺ کی کسی حدیث پر جو ان تک کسی واسطہ سے پہنچی ہو اس وقت تک عمل نہ کریں جب تک کہ وہ اسے اپنے میں سے کسی مجتہد صحابی پر پیش کر کے اس کے مطالب ومفہوم کو بخوبی سمجھ نہ لیں، لیکن ایسی کوئی چیز ماثور و معین نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ طرز عمل اللہ تعالی کے اس ارشاد کہ: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾. (۱) (جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ) کے عین مطابق بھی ہے کیونکہ اس آیت میں کسی بھی حکم نبوی کو فقہاء کی فہم کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے...... پس اگر کوئی کہتا ہے کہ "لايجوز العمل قبل البحث عن المعارض والمخصص وإن ادعى عليه الإجماع" تو یہ بات معتبر نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی چیز لائق تسلیم ہے تو وہ صحابۂ کرام کے اجماع اور نبی ﷺ کی تقریر کا ان کے بعد کے لوگوں کے اجماع پر مقدم ہونا ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ جب بعد کے زمانہ والوں کا اجماع ان اولین چیزوں کے خلاف ہو، جیسا کہ علامہ زرکشیؒ نے الاصول میں بیان کیا ہے''۔ (۲)

مگر افسوس کہ مصطلح تفقہ راوی کی بنا پر متعدد ثقہ رواۃ حتی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو بھی غیر معتبر اور بیسیوں صحیح احادیث کو مسترد قرار دے دیا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک حضرات ابو ہریرہ، جابر بن سمرہ اور انس

---

(۱) الحشر: ۷

(۲) ایقاظ الھمم للفلانی: ص ۹۰ (ملخصاً) مطبع ریاض امرتسر ۱۹۲۸ء قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۹۶-۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بن مالک رضی اللہ عنھم جیسے جاں نثار ان رسول کے غیر فقیہ ہونے کا تذکرہ تو ہم اوائل بحث ہی میں کر چکے ہیں، اس کی چند مزید مثالوں میں امام ابوحنیفہؒ کو حضرت سلمان فارسیؓ (۱) پر اور علقمہ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر ترجیح دینا علمائے احناف کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔ (۲) اسی طرح مسئلہ رفع الیدین کے بارے میں حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث کا جواب دیتے ہوئے یہاں تک لکھا گیا ہے کہ وہ ایک بدو، جنگلی اور شرائع اسلام سے لاعلم تھے (اعرابی لایعرف شرائع الاسلام)۔ (۳) اور یزید بن الاصم، کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ (یعنی اگر انہیں صحابیت کا شرف حاصل نہ ہو تو بھی کبار تابعین میں سے ضرور ہیں)، کو علامہ سرخسی نے ''غیر فقیہ'' بتا کر غیر معتبر بنا دیا ہے، (۴) حالانکہ ابن سعدؒ وغیرہ نے انہیں: ''ثقة کثیر الحدیث قرار دیا ہے'' فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ روایت بالمعنی کی صورت میں فقہ راوی صرف ان احادیث میں سبب ترجیح ہوسکتا ہے کہ جن میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال مروی ہیں مگر جن احادیث میں آں ﷺ کے مختلف افعال واعمال کی کیفیات یا تقریر مروی ہیں، ان میں فقہ راوی یا روایت بالمعنی کی قید بے معنی ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں روایت باللفظ کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہے، یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آخر فقاہت راوی سے فقہائے حنفیہ کی کیا مراد ہے؟ اگر فقاہت سے ان کی مراد کسی راوی کا مسائل فرعیہ پر زیادہ مطلع ہونا ہے تو یہ بات محتاج دلیل ہونے کے ساتھ مہمل بھی ہے کیونکہ مسائل فرعیہ کی کثرت وقلت اطلاع کو کسی روایت کی صحت وعدم صحت میں کیا دخل ہوسکتا ہے؟

اختتام بحث پر ہم علمائے حنفیہ سے بالعموم اور جناب اصلاحی صاحب سے بالخصوص یہ پوچھنا چاہیں گے کہ (جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک) ''تدبر حدیث کے نقطۂ نظر سے'' ممتاز ہونے (اور فقہائے حنفیہ کے نزدیک فقہ راوی) سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ فلاں راوی زیادہ ذہین وفطین یا زیادہ غور وفکر کرنے والا ہے اور کسی بات کے معنی ومفہوم کو بمقابلہ دوسرے راویوں کے جلد اور زیادہ اچھی طرح سمجھ جاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اگر کسی شخص کو نہ صحابۂ کرام کے فضل وکمال کی جانچ پرکھ کا موقع ملا اور نہ ہی کوئی ایسی سبیل

---

(۱) شامی: ۱/۵۷

(۲) جامع المسانید: ۱/۳۵۳

(۳) نفس مصدر: ۱/۳۵۸

(۴) اصول سرخسی: ۱/۳۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پیدا ہوئی کہ جس سے ان کے تدبر حدیث میں امتیاز نیز ان کے قدر علم وتفقہ کا سراغ مل سکتا ہوتو ایسی حالت میں بزعم خود ان کا آپس میں ایک دوسرے سے موازنہ کرنا اور ایک کو دوسرے پر فضیلت یا ترجیح دینا قطعی لغو اور محض اپنے وہم وگمان کی پیروی کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر حدیث کے رد وقبول کے لئے جناب اصلاحی صاحب کے پاس ''تدبر وفہم حدیث'' (اور فقہائے حنفیہ کے پاس 'فقہ راوی') کی جانچ اور پرکھ کے لئے ایسا کون سا پیمانہ موجود ہے کہ جس کی بنیاد پر ایک راوی کو دوسرے راوی پر ترجیح دی جاسکے گی؟ شاید خود ان حضرات کو بھی یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہوگا کہ ''تدبر حدیث'' (یا ''فقاہت'') کی کتنی مقدار ان کو مطمئن کرسکتی ہے؟ پس جب اس چیز کی کوئی تعیین نہیں ہوسکتی تو پھر ایسی غیر معین چیز کو رد وقبول کے میزان کی حیثیت سے کیوں کر قبول کیا جاسکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے عیسی بن ابان اور ابوزید دبوسی وغیرہ کی اتباع میں اس مختلف فیہ حنفی اصول کو ایک نئے عنوان کے ساتھ پیش کرکے اعتزال کی طرف اپنے میلان کو ثابت کیا ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

والله المسئول ان يهدينا سواء الطريق وأن يسلك بنا مسالك التحقيق وأن يرزقنا التسديد والتوفيق وأن يجعلنا فى الذين أنعم عليهم مع خير فريق وأعلى رفيق آمين آمين.

●●●

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


## باب چہارم

# سند کی لازوال عظمت اور فن جرح وتعدیل کا تعارف

## سند کی تعریف:

بدر بن جماعہؒ اور طیبیؒ کا قول ہے:

"هو الإخبار عن طريق المتن – (قيل) فلان سند أى معتمد فسمي الإخبار عن طريق المتن سندا لاعتماد الحفاظ فى صحة الحديث وضعفه عليه وأما الإسناد فهو رفع الحديث إلى قائله قال الطيبي وهما متقاربان فى معنى اعتماد الحفاظ فى صحة الحديث وضعفه عليهما وقال ابن جماعة: المحدثون يستعملون السند والإسناد لشيء واحد ".(۱)

یعنی ''متن حدیث تک پہونچنے کے ذریعہ یا راستہ کی خبر کو سند کہا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: کہ فلاں سند ہے، یعنی معتمد ہے۔ پس طریق المتن کی خبر دینے کو سند اس لئے کہا جاتا ہے کہ حفاظ اس پر حدیث کی صحت یا ضعف کے فیصلہ کے لئے اعتماد کرتے ہیں جبکہ حدیث کو اس کے قائل تک رفع کرنا اسناد کہلاتا ہے۔ طیبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حدیث کی صحت اور ضعف کے فیصلہ کے لئے محدثین کے ان پر اعتماد کرنے کے اعتبار سے یہ دونوں چیزیں ہم معنی ہیں۔ ابن جماعہ کا قول ہے کہ محدثین 'سند' اور 'اسناد' ایک ہی چیز کے لئے استعمال کرتے ہیں''۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"والمراد بالطرق الأسانيد، والإسناد حكاية طريق المتن، والمتن هو غاية ما ينتهي إليه الإسناد من الكلام ".(۲)

یعنی ''طرق سے مراد اسانید ہیں اور اسناد متن حدیث کے طریق یا راستہ کی حکایت کو کہتے ہیں اور متن، حدیث کے ان الفاظ کو کہا جاتا ہے جہاں جا کر اسناد ختم ہو جاتی ہے''۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''سند طریق حدیث کا نام ہے، یعنی وہ لوگ جنہوں نے اسے روایت کیا۔ اسناد بھی اسی معنی میں ہے،

---

(۱) تدریب الراوی للسیوطی: ۱/۴۱-۴۲، قواعد التحدیث للقاسمی: ص۲۰۲

(۲) شرح نخبۃ الفکر لابن حجر: ص۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور کبھی یہ سند کے ذکر اور طریق متن کے ذکر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور متن وہ ہے جس پر سند کا سلسلہ منتہی ہو"۔(۱)

شیخ مصطفیٰ امین فرماتے ہیں:

"السند عند المحدثين هو معرفة الطريق الموصلة للمتن ويعنون بالطريق الراوين للحديث رجالا كانوا أو نسآء". (۲)

یعنی "محدثین کے نزدیک حدیث تک پہنچنے کے راستہ کی معرفت سند ہے اس سے ان کی مراد حدیث کے راویوں کا طریق ہوتی ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت"۔

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں:

"السند هو سلسلة الرواة الذين جاء تبليغ الحديث عن طريقهم".(۳)

ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

"السند : لغة : المعتمد وسمى كذلك لأن الحديث يستند إليه ويعتمد عليه واصطلاحا: سلسلة الرجال الموصلة للمتن". (۴)

یعنی "لغت میں سند، معتمد (سہارے اور قابل بھروسہ چیز) کو کہتے ہیں۔ سند کو اس لئے سند کہا جاتا ہے کہ اس سند کے ذریعہ جو حدیث مروی ہوتی ہے اس کی ثقاہت کا انحصار اسی سند پر ہوتا ہے۔ اصطلاح میں سند اس سلسلۂ رجال کو کہتے ہیں جو متن حدیث تک پہنچا دے"۔

جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

"الطريق الموصلة إلى المتن أى أسماء رواته مرتبة، والإسناد: حكاية طريق المتن وبهذا ظهر أن المتن هو غاية ما ينتهي إليه الإسناد من الكلام". الخ (۵)

جناب عبدالرحمٰن بن عبیداللہ رحمانی صاحب بیان کرتے ہیں:

"إسناد: حكاية طريق المتن أى رفع الحديث وعزوه إلى قائله. والسند:

---

(۱) مقدمہ در مصطلحات حدیث مع مشکوٰۃ (مترجم) ص ۲

(۲) محاضرات فی علوم الحدیث للشیخ مصطفیٰ امین: ۱/۱۷

(۳) مقدمہ منہاج الصالحین لعزالدین بلیق: ص ۵۳

(۴) تیسیر مصطلح الحدیث للدکتور محمود الطحان: ص ۱۶

(۵) قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۲۶، فتح الملہم: ۱/۱۱۳، تکملہ إکمال اکمال المعلم: ۱/۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بالتحريك، لغة: المعتمد، واصطلاحا: هو الطريق الموصلة إلى المتن أى سلسلة الرجال الموصلين إلى المتن وسمى بذلك لاعتماد المحدث فى صحة الحديث وضعفه عليه، فالسند رواة الحديث والإسناد فعل الرواة وقد يطلق الإسناد على السند أيضا فيكون الاسناد مرادفا للسند "۔ (۱)

اور جناب صہیب حسن بن شیخ عبدالغفار حسن رحمانی فرماتے ہیں:

"Isnad or sanad (chain of reporters): literally means: On which somthing is dependable. Because the authenticity of a Matn of Hadith was dependent upon the true knowledge of Sanad, the term Isnad became common. It is defined as "the way to Matn." (۲)

آں محترم ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

Isnad is the most important part of a Hadith as it is the bridge leading to the Hadith itsefl". (۳)

## سند کی اہمیت از روئے قرآن:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱-﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبإ فتبينوا أن تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين﴾(۴)

یعنی ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے''۔

۲-"﴿ وأشهدوا ذوى عدل منكم﴾(۵) یعنی ''اور اپنے میں سے دو منصف افراد گواہ کر لو''۔

اگر چہ ''شہادت'' و ''روایت'' میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے، لیکن کئی اعتبار سے ان دونوں میں مشابہت

---

(۱) تحفۃ أھل الفکر: ص ۲۶

(۲) Criticism of Hadith Among Muslims with Reference to Sunan Ibn Majah : p. 32

(۳) Ibid : p. 14

(۴) الحجرات: ۶

(۵) الطلاق: ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ومماثلت بھی ہے، لہذا جس طرح گواہ کے لئے عادل اور قابل اعتماد ہونا ضروری ہے اسی طرح راوی کا بنیادی وصف بھی سیرت کی پاکیزگی، حافظہ اور عدالت ہے۔

۳۔﴿قل أ رأيتم ما تدعون من دون الله أرونی ما ذا خلقوا من الأرض أم لهم شرك فی السموات إيتونی بكتاب من قبل هذا أو أثارة من علم إن كنتم صادقين﴾. (۱)

یعنی ''کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کی شرکت ہے۔ اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء) میں سے کچھ منقول چلا آرہا ہو تو اسے پیش کرو۔''

اس آیت میں "أثارة" کی اصل " أثر" ہے۔ اس کے تین مستعمل مصادر "أثرة"، "أثارة" اور "أثر" ہیں۔ مشہور کتب لغت میں ہے: "الأثرة المكرمة لمتوارثه كالمأثرة والبقية من العلم تؤثر كالأثرة والأثارة". (۲) یعنی ''اثرۃ'' اس وصف کو کہتے ہیں جو آباء واجداد کی جانب سے اولاد کی طرف منتقل ہوتا چلا آتا ہو۔ اسی طرح اس بقیہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہو جیسا کہ ''اثرۃ'' اور ''اثارۃ'' کا مفہوم ہے''۔

لفظ "أثارة" کی تفسیر میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"أصل الكلمة من الأثر وهی الرواية، يقال: أثرت الحديث وآثرة أثرة وأثارة وأثرا، إذا ذكرته عن غيرك، وقال عطاء: أو شئ تأثرونه عن نبی كان قبل محمد ﷺ، قال مقاتل: أو رواية من علم عن الأنبياء". (۳)

یعنی ''یہ لفظ اثر کے مادے سے ہے جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے اسی موقع پر کلمہ "آثرت الحديث" آثرۃ، اثرۃ، اثارۃً اور اثر بولا جاتا ہے۔ تابعی عطاء کہتے ہیں: یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو۔ مقاتل مفسر کہتے ہیں: یا علم الانبیاء میں سے کوئی روایت پیش کرو''۔

پس معلوم ہوا کہ اس لفظ ''اُثارۃ'' میں نقل اور روایت کا مفہوم داخل ہے اور چونکہ کسی قدیم علم یا چیز کی روایت راویوں کے سلسلہ کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتی، لہذا اس کے لئے سند کا اہتمام لازمی ہے۔ اسکے بغیر مروی ومنقول کلام کی صحت وضعف کا علم بعید از دسترس ہے۔ مطر الوراقؒ بھی سورۃ الاحقاف کی زیر مطالعہ آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ: ''اس سے مراد اسناد حدیث ہے''۔ (۴)

---

(۱) الأحقاف: ۴ (۲) قاموس: ۱/ ۳۶۲

(۳) تفسیر فتح القدیر للشوکانی: ۴/ ۱۳

(۴) تدریب الراوی للسیوطی: ۲/ ۱۶۰، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۱، شرح المواھب اللدنیہ للزرقانی: ۵/ ۴۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## سند کی اہمیت از روئے حدیث:

ذیل میں چند ایسی احادیث پیش خدمت ہیں جو دین میں سند کی ضرورت واہمیت پر دلالت کرتی ہیں:

۱-"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ يكون فى أخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم".(۱)

یعنی "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی روایات لائیں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دور رہنا، وہ تم کو ہرگز گمراہی اور فتنہ میں مبتلا نہ کرنے پائیں"۔

۲-"عن على قال قال رسول الله ﷺ لا تكذبوا عَلَيَّ فإنه من يكذب على يلج النار". (۲)

یعنی "حضرت علی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھ پر جھوٹ مت باندھو، اس لئے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ جہنم میں داخل ہو کر رہے گا"۔

۳- "عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله ﷺ بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار".(۳)

۴-"عن أبي قرصافة عن رسول الله ﷺ قال: حدثوا عني بما تسمعون ولا تقولوا إلا حقا ومن كذب عَلَيَّ أو قال عَلَيَّ غير ما قلت بني له بيت في جهنم يرتع فيه". (۴)

ان احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آگاہ فرمایا ہے کہ امت میں جھوٹے اور وضاع پیدا ہوں گے لہذا ان سے ہوشیار رہیں اور ان کی روایات قبول نہ کریں۔ ساتھ ہی یہ وعید بھی فرمائی ہے کہ آں ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی سزا کس قدر شدید ہے، لہذا ہم پر لازم ہے کہ ناقلین حدیث کے متعلق خوب اچھی طرح چھان بین کر کے اطمینان کرلیں اس چھان بین کا نام ہی تو "علم الإسناد" ہے۔

## سند کی اہمیت از روئے آثار صحابہؓ

إن شاء اللہ آگے "صحت حدیث کے لئے اسناد کی تلاش...... اسلاف کا منہج ہے" کے زیر عنوان بعض صحابہ

(۱) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۷۸ (۲) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۶۶، صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱/ ۱۹۹

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری: ج ۶ باب ۵۰، جامع ترمذی مع تحفۃ الأحوذی: ۳ باب نمبر ۱۳، مسند احمد: ۳/ ۱۵۹، ۲۰۲، ۲۱۴، ۲۱۴، مسند داری مقدمہ نمبر ۴۶

(۴) رواہ الطبرانی فی الکبیر ولکن قال الھیثمی: "وإسنادہ لم أر من ترجمھم" (مجمع الزوائد: ۱/ ۱۴۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے چند مشہور واقعات نقل کئے جائیں گے جن سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ عہد صحابہ میں سند کی ضرورت و اہمیت کو نہ صرف محسوس کیا جاتا تھا بلکہ اس کی تلاش و جستجو ان کا شعار تھی۔

## سند کی اہمیت وعظمت تابعین، تبع تابعین، محدثین اور علماء کی نظر میں:

چونکہ آگے ''صحت حدیث کے لئے اسناد کی تلاش......اسلاف کا منہج ہے'' کے زیر عنوان ان شاء اللہ عہد صحابہ کے بعد تابعین کے دور میں بھی 'سند' کی ضرورت و اہمیت اور اس کی تحقیق وتفتیش کے ضمن میں ان کی مساعی کا تذکرہ کیا جائے گا اس لئے یہاں ہم صرف تبع تابعین اور ان کے بعد کے محدثین وعلماء کے اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے، چنانچہ سفیان ثوریؒ کا قول ہے:

"الإسناد سلاح المؤمن فإذا لم يكن معه سلاح فبأى شيء يقاتل؟"۔(۱)

یعنی ''اسناد مومن کا ہتھیار ہے، اگر اس کے پاس اس کا ہتھیار ہی نہ ہو تو وہ آخر کس چیز سے جنگ لڑے گا؟''

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

"الإسناد من الدين ولو الإسناد لقال من شاء ما شاء"۔(۲)

یعنی ''اسناد دین کا ایک حصہ ہیں۔ اگر اسناد کا وجود نہ ہوتا تو جو شخص جو بھی چاہتا وہ کہتا''۔

آں رحمہ اللہ کا دوسرا قول ہے:

"مثل الذى يطلب أمر دينه بلا إسناد كمثل الذى يرتقى السطح بلا سلم"۔(۳)

آں رحمہ اللہ کا ایک اور قول اس طرح ہے:

---

(۱) شرف أصحاب الحديث للخطيب: ص۴۲، المدخل للحاكم: ص۳، المجروحين لابن حبان: ۱/ ۲۷، أدب الإملاء والاستملاء: ص۸، طبقات الشافعية لابن السبكی: ۱/ ۱۶۷، فتح المغيث للسخاوی: ۳/ ۳۳۳، الفهرسة لابن خير: ص۱۲، تدريب الراوی: ۲/ ۱۶۰، قواعد التحديث للقاسمی: ص۲۰۲

(۲) قواعد التحديث للقاسمی: ۲۰۱، مقدمہ صحیح مسلم: ج۱/ ۸۷، کتاب العلل للترمذی مع تحفة الأحوذی: ۴/ ۳۸۸، الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۱/ ۱ص ۱۶، المجروحين لابن حبان: ۱/ ۲۶، شرف أصحاب الحديث للخطيب: ص۴۱، الكفاية للخطيب: ص۳۹۳، الجامع للخطيب: ۲/ ۲۱۳، معرفة علوم الحديث: ص۶، طبقات الشافعية لابن السبكی: ۱/ ۱۸۷، فتح المغيث للسخاوی: ۳/ ۳۳۲، التمهيد لابن عبدالبر: ۱/ ۵۶، المحدث الفاصل للرامهرمزی: ص۲۰۹، الفهرسة لابن خير: ص۱۲، أدب الإملاء والاستملاء: ص۷، مقدمة ابن الصلاح: ص۲۱۵، الإلماع: ص۱۹۴، تذكرة الحفاظ للذهبی: ص۱۰۵۴، العلو والنزول: ص۴۴، تدريب الراوی: ۲/ ۱۶۰، شرح المواهب للزرقانی: ۵/ ۴۵۳، منهاج السنة لابن تيمية: ۴/ ۹۶، الصارم المنكی فی الرد علی ابن السبكی لابن عبدالهادی: ص۲۶۸

(۳) شرف أصحاب الحديث: ص۴۲، أدب الإملاء والاستملاء: ص۶، الكفاية: ص۳۹۳، فتح المغيث للسخاوی: ۳/ ۳۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"بيننا وبين القوم القوائم يعنى الإسناد".(۱)

فضل بن دکینؒ کا قول ہے:

"إنما هى شهادات وهذا الذى نحن فيه يعنى الحديث من أعظم الشهادات".(۲)

ابوغسان زنیجا بیان کرتے ہیں کہ میں نے بہز بن اسد کو سنا ہے کہ جب ان کے سامنے کسی صحیح سند کا ذکر ہوتا تو فرماتے: "هذه شهادات الرجال العدول بعضهم على بعض". اور اگر کوئی ایسی سند بیان کی جاتی جس میں کچھ ضعف ہوتا تو فرماتے: "هذا فيه عهدة".(۳)

امام شافعیؒ کا قول ہے:

"مثل الذى يطلب الحديث بلا إسناد كمثل حاطب ليل يحمل حزمة حطب وفيه أفعى وهو لا يدرى". (۴)

یعنی "بلا سند حدیث طلب کرنے والے کی مثال رات کو لکڑیاں چننے والے اس شخص کی سی ہے جو اپنی لکڑیوں کی گٹھری اٹھاتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ اس میں ایک سانپ بھی چھپا بیٹھا ہے"۔

محمد بن اسلم الطوسیؒ کا قول ہے: "قرب الإسناد قرب أو قربة إلى الله عز وجل".(۵)

علامہ سخاویؒ اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فان القرب من الرسل بلا شك قرب إلى الله". (۶)

ابوعلی الجیانیؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خاص عنایت کرتے ہوئے تین ایسی اشیاء عطا فرمائی ہے جو اس سے قبل کسی امت کو نہیں دی گئیں۔ وہ چیزیں یہ ہیں: اسناد، انساب اور اعراب"۔(۷)

---

(۱) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۸۸، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۳۳

(۲) الکفایۃ: ص ۷۷

(۳) نفس مصدر: ص ۷۷

(۴) المدخل للحاکم: ص ۲، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۳۳، شرح المواهب اللدنیۃ للزرقانی: ۵/ ۴۵۳، فیض القدیر للمناوی: ۱/ ۴۳۳

(۵) الجامع للخطیب: ۱/ ۱۲۳، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۱۶، الإرشاد للنووی: ۲/ ۴۲۴، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۰۹، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۳۵، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۰۲، تدریب الراوی: ۲/ ۱۶۰

(۶) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۳۵

(۷) شرف أصحاب الحدیث: ص ۴۰، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۳۲، المواهب اللدنیۃ للقسطلانی: ۵/ ۴۵۵، تدریب الراوی: ۲/ ۱۶۰، قواعد التحدیث: ص ۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ ابن الصلاحؒ کا قول ہے:

"أصل الاسناد أولا خصيصة فاضلة من خصائص هذه الأمة وسنة بالغة من السنن المؤكدة "۔(۱)

علامہ طیبیؒ کا قول ہے:

"الإسناد خصيصة من خصائص هذه الأمة وسنة من السنن البالغة وطلب العلو فيه سنة أيضا ولذلك استحبت فيه الرحلة "۔(۲)

یعنی ''اسناد اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت اور سنن بالغہ میں سے ایک بلیغ سنت ہے۔ علو اسناد کی طلب بھی سنت ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔

محمد بن ادریس ابو حاتم الرازیؒ کا قول ہے:

"لم يكن فى أمة من الأمم منذ خلق الله آدم أمناء يحفظون آثار نبيهم الا فى هذه الأمة". (۳)

یعنی ''جب سے اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا ہے اس وقت سے آج تک کسی بھی امت نے اپنے نبیوں کے آثار کی حفاظت نہیں کی سوائے اس امت کے''۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''اسناد کی اصل اس امت کے خصائص میں سے ایک فضیلت والی خصوصیت، سنن مؤکدہ میں سے ایک بلیغ سنت بلکہ فروض کفایہ میں سے ہے۔علو سند کی طلب امر مطلوب اور مرغوب فعل ہے''۔(۴)

مطر الوراقؒ آیت: "أو أثارة من علم".(۵) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الإسناد الحديث"۔(۶)

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ۲۱۵، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۱

(۲) خلاصۃ للطیبی کما فی الأجوبۃ: ۲۶

(۳) تاریخ لابن عساکر کما فی المواھب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی: ۵/۴۵۴، شرف أصحاب الحدیث: ۴۳، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۲، فیض القدیر للمناوی: ۱/۴۳۴

(۴) شرح شرح النخبۃ للقاری: ۱۹۴

(۵) الأحقاف: ۴

(۶) المدخل للحاکم: ص ۲، المحدث الفاصل للرامھرمزی: ص ۲۱۰، شرف أصحاب الحدیث للخطیب: ص ۳۹، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۳، شرح المواھب للزرقانی: ۵/۴۵۳، تدریب الراوی: ۲/۱۶۰، قواعد التحدیث: ص ۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بقیہ بن الولید الحمصی ابو یحمدؒ (م ۱۹۷ھ) بیان کرتے ہیں:

"ذاكرت حماد بن زيد بأحاديث فقال: ما أجودها لو كان لها أجنحة يعنى الأسانيد". (۱)

اسحاق بن ابراہیم الحنظلی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن طاہر اگر مجھ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتے تو میں اسے بلا اسناد بیان کر دیتا پھر وہ مجھ سے اس کی اِسناد دریافت کرتے اور فرماتے تھے:

"رواية الحديث بلا إسناد من عمل الزمنى فإن إسناد الحديث كرامة من الله لأمة محمد ﷺ". (۲)

ابوالعباس الدغولی (م ۳۲۵ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن حاتم بن مظفرؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"إن الله تعالى قد أكرم هذه الأمة وشرفها وفضلها بالإسناد وليس لأحد من الأمم كلها قديمها وحديثها إسناد موصول ، إنما هو صحف فى أيديهم وقد خلطوا بكتبهم أخبارهم فليس عندهم تمييز بين ما نزل من التوارة والإنجيل وبين ما ألحقوه بكتبهم من الأخبار التى أخذوها عن غير الثقات وهذه الأمة إنما تنص الحديث عن الثقة المعروف فى زمانه المشهور بالصدق والأمانة عن مثله حتى تتناهى أخبارهم ثم يبحثون أشد البحث حتى يعرفوا الأحفظ فالأحفظ والأضبط فالأضبط والأطول مجالسة لمن فوقه ممن كان أقل مجالسة ...... فهذا من أفضل نعم الله على هذه الأمة فنستوزع الله شكر هذه النعمة ". (۳)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"نقل الثقة عن الثقة يبلغ به النبى ﷺ مع الاتصال ، خص الله به المسلمين دون سائر الملل وأما مع الإرسال والإعضال فيوجد فى كثير من اليهود، ولكن لا يقربون فيه من موسى قربنا من محمد ﷺ ، بل يقفون بحيث يكون بينهم وبين موسى اكثر من ثلاثين عصرا وإنما يبلغون إلى شمعون ونحوه ...... وأما النصارى فليس عندهم من صفة هذا النقل إلا تحريم الطلاق فقط وأما النقل بالطريق المشتملة على كذاب أو مجهول العين

---

(۱) تاریخ بغداد للخطیب: ۷/۱۲۴، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۳، شرح المواہب اللدنیۃ للزرقانی: ۵/۴۵۳

(۲) أدب الإملاء والاستملاء: ص ۶، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۲، تاریخ الحاکم کما فی شرح المواہب اللدنیۃ للزرقانی: ۵/۴۵۳

(۳) شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ص ۴۰، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۱-۳۳۲، المواہب اللدنیۃ للقسطلانی: ۵/۴۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فكثير فى نقل اليهود والنصارى ...... وأما أقوال الصحابة والتابعين فلا يمكن اليهود أن يبلغوا إلى صاحب نبى أصلا ولا إلى تابع له ولا يمكن النصارى أن يصلوا إلى أعلى من شمعون وبولص الخ "۔ (۱)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"الإسناد خصيصة لهذه الأمة".(۲)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"الإسناد من خصائص هذه الأمة وهو من خصائص الإسلام ثم هو فى الإسلام من خصائص أهل السنة"۔(۳)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وعلم الإسناد والرواية مما خص الله به أمة محمد ﷺ وجعله سلما الى الدراية فأهل الكتاب لا إسناد لهم يأثرون به المنقولات وهكذا المبتدعون من هذه الأمة أهل الضلالات وإنما الإسناد لمن أعظم الله عليه المنة أهل الاسلام والسنة يفرقون به بين الصحيح والسقيم و المعوج والقويم وغيرهم من أهل البدع والكفار إنما عندهم منقولات يأثرونها بغير إسناد وعليها من دينهم الاعتماد وهم لا يعرفون فيها الحق من الباطل ولا الحالى من العاطل وأما هذه الأمة المرحومة وأصحاب هذه الأمة المعصومة فإن أهل العلم منهم والدين هم من أمرهم على يقين فظهر لهم الصدق من المين كما يظهر الصبح لذى عينين"۔ (۴)

شیخ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی حنفیؒ فرماتے ہیں:

''یہ تمام عبارتیں بصراحت یا بالاشارہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امور دین میں سے ہر معاملہ میں اسناد کا وجود اور ان پر اعتماد لازم ہے، خواہ وہ امور اخبار نبویہ کی قبیل سے ہوں یا احکام شرعیہ یا مناقب وفضائل کی قبیل سے، لیکن مغازی وسیر اور فواضل وغیرہ کہ جن کا تعلق شرع مبین اور دین متین سے نہیں ہوتا تو ان امور کی اگر اسناد سے تاکید نہ ہوتی ہو تو اسناد پر اعتماد ضروری نہیں ہے۔''(۵)

---

(۱) الفصل فی الملل والأھواء النحل لابن حزم: ۲/۸۱-۸۴ ملخصا، تدریب الراوی: ۲/۱۵۹، قواعد التحدیث: ص ۲۰۱

(۲) تقریب النواوی: ۲/۱۵۹ق

(۳) منھاج السنۃ النبویۃ لابن تیمیۃ: ۴/۱۱

(۴) مجموعۃ الفتاوی لشیخ الاسلام: ۱/۹

(۵) الأجوبۃ الفاضلۃ للکنوی: ص ۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اور ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' میں مذکور ہے: "البرهان على صحة الرواية".(۱)

پس معلوم ہوا کہ اسناد، حدیث نبوی کی رکن اور دینی امور میں سے ایک انتہائی ضروری امر ہے۔حدیث کے لئے اسناد کی اہمیت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ حدیث کی عمارت اسناد کی بنیادوں پر ہی قائم ہے۔اسناد کے بغیر حدیث کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔جس حدیث کی کوئی سند نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ بغیر بنیاد کے کوئی عمارت یا بغیر روح کے جسم۔اگر نقد حدیث اور اس کی تحقیق و تنقیح کے سلسلہ میں محدثین کے وضع کردہ اصول وقواعد پر نظر ڈالی جائے تو اسناد کی تہذیب کے کچھ آثار فوراً ہی نظر آ جاتے ہیں۔اسی کی مدد سے صحیح ومکذوب، موصول ومنقطع، مرفوع وموقوف ومقطوع اور مرسل وغیرہ کے درمیان تمیز ممکن ہوتی ہے۔دین میں اسناد کے مطلوب ہونے کے باعث ہی شرع متین کے جملہ ائمہ نے اس کو ہر دور میں مرغوب جانا ہے، اسے امت محمدیہ کے خصائص اور اللہ عزوجل کے انتہائی کرم وفضل سے عبارت سمجھا ہے اور اس کو دین مبین کی سنن بالغہ میں سے ایک اہم سنت کا درجہ دیا ہے۔

## سند کی فضیلت پر علامہ لکھنوی کا ایک موضوع حدیث سے استدلال:

افسوس کہ جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی حنفی صاحب نے اسناد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''الأجوبۃ الفاضلۃ'' میں ایک موضوع حدیث سے یوں استدلال فرمایا ہے:

"وفي شرح المواهب للزرقاني: أخرج الحاكم وأبو نعيم وابن عساكر عن علي مرفوعا إذا كتبتم الحديث فاكتبوه بإسناده فإن يك حقا كنتم شركاء في الأجر وإن يك باطلا كان وزره عليه. وفيه شرف أصحاب الحديث ورد على من كره كتابته من السلف والنهي عنه في خبر آخر منسوخ أو مؤول".(۲)

یعنی ''جب تم حدیث لکھو تو اس کی سند کے ساتھ لکھو پس اگر وہ حق ہوئی تو تم اجر میں شریک ہو گے اور اگر غلط وباطل ہوئی تو اس کا گناہ اسی ناقل پر ہوگا''۔

اس حدیث کو عثمان بن محمد مخمی نے اپنی کتاب ''الحدیث''(۳) میں بطریق عباد بن يعقوب قال ثنا سعيد بن عمرو العنبري عن مسعدة بن صدقة عن جعفر بن محمد عن أبيه عن علي بن الحسين عن ابيه عن جده مرفوعاً روایت کیا ہے۔حضرت علیؓ کی اس حدیث کی تخریج ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، امام حاکم نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں اور ابونعیم اصبہانی وغیرہ نے بھی کی ہے جیسا کہ علامہ زرقانی وغیرہ

---

(۱) دائرۃ المعارف الاسلامیۃ بترتیب محمد فرید وجدی: ۷/۳۳۱

(۲) الأجوبۃ الفاضلۃ: ص ۲۶-۲۷، شرح المواهب اللدنیۃ للزرقانی: ۵/۴۵۴

(۳) کتاب الحدیث للمخمی: ۱/۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے بیان کیا ہے۔علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الجامع الصغیر'' (۱) میں وارد کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس حدیث میں تمام آفت کی جڑ اس کا راوی مسعدہ بن صدقہ ہے۔امام ذہبیؒ نے اس حدیث کو مسعدہ کے ترجمہ میں وارد کرنے کے بعد اس پر ''موضوع'' (۲) کا حکم لگایا ہے۔علامہ مناویؒ علامہ سیوطی پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علامہ سیوطیؒ نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ فقط ضعیف نہیں ہے بلکہ میزان میں تو اسے موضوع کہا گیا ہے''۔(۳) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''لسان المیزان'' میں، علامہ محمد درویش حوت البیروتیؒ نے ''أسنی المطالب'' (۴) میں اور شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے ''سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'' (۵) اور ''ضعیف الجامع الصغیر'' میں امام ذہبیؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔مزید تفصیلات کے لئے راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' (۶) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## صحت حدیث کے لئے اسناد کی تلاش......اسلاف کا منہج ہے:

امام ذہبیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے حدیث کو قبول کرنے میں احتیاط فرمائی تھی۔ ابن شہاب نے قبیصہ بن ذویب سے روایت کی ہے کہ: ''کسی شخص کی دادی حضرت ابوبکرؓ کے پاس اپنی وراثت کے بارے میں سوال کرنے آئی تو آپؓ نے فرمایا:

مجھے تیرے لئے کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا اور نہ ہی مجھے علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں کوئی حکم فرمایا ہو۔

پھر آں رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں صحابہ سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا تیرے ساتھ کسی اور کو بھی یہ حدیث معلوم ہے؟ تو محمد بن مسلمہؓ نے اسی کے مثل شہادت دی پس حضرت ابوبکرؓ نے اس کے لئے اس حکم کو نافذ کیا''۔(۷)

اسی طرح جریری نے بطریق ابی نضرہ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ:

---

(۱) الجامع الصغیر حدیث نمبر: ۸۳۷

(۲) میزان الاعتدال: ۹۸/۴

(۳) فیض القدیر للمناوی: ۴۳۳/۱-۴۳۴

(۴) اسنی المطالب للحوت: ص ۴۸

(۵) سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للألبانی: ۲۲۵/۲

(۶) ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۱۴۴-۱۴۶ (طبع اول)

(۷) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱، سنن ابی داؤد مع عون المعبود: ۸۱/۳، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ۱۸۱/۳، الموطأ: ۵۱۳/۲، مصنف عبدالرزاق: ۲۷۴/۱۰، المحلی لابن حزم: ۲۷۸/۹، المغنی لابن قدامہ: ۲۰۶/۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''ایک مرتبہ ابوموسی اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو دروازہ کی اوٹ سے ملاقات کے لئے بطور اجازت سلام کیا۔ جب حضرت عمرؓ نے انہیں اجازت نہیں دی تو وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے کسی کو بھیج کر انہیں بلایا اور پوچھا کہ تم لوٹ کیوں گئے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "إذا سلم أحدكم ثلاثا فلم يجب فليرجع"۔ یعنی ''اگر تم میں سے کوئی کسی کو تین بار سلام کرے اور وہ جواب نہ دے تو سلام کرنے والا لوٹ جائے''۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس حدیث پر تم شہادت لاؤ ورنہ دیکھنا میں تمہارا کیا حال کرتا ہوں، یہ سن کر ابوموسی اشعری اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ ان کا رنگ فق پڑا ہوا تھا اور ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے ہمیں سارا ماجرا سنایا اور پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہاں، ہم نے اسے سنا ہے۔ پس ہم نے اپنے میں سے ایک شخص ان کے ہمراہ بھیجا جس نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر اس کی خبر دی''۔ (۱)

حضرت عمرؓ کی احتیاط کے بارے میں مزید کئی واقعات منقول ہیں مثلاً مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں کہ:

''حضرت عمرؓ نے املاص المرأۃ یعنی اگر کوئی شخص کسی حاملہ کے حمل کو ضرب پہنچا کر ساقط کر دے تو اس کی دیت کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا: "قضى رسول الله فيه بغرة"۔ یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں ایک غلام کا فیصلہ فرمایا ہے''۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: اگر تم سچے ہو تو کسی ایسے شخص کی شہادت لاؤ جو اس فیصلہ نبوی سے واقف ہو۔ پس محمد بن مسلمہ نے شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا''۔ (۲)

اور

''عبداللہ بن ابی بکر روایت کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قبلہ رخ حضرت عباسؓ کا مکان تھا، جب لوگوں کے لئے مسجد تنگ ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے مسجد کی توسیع کے لئے ان سے اس مکان کو فروخت کرنے کے لئے کہا۔ حضرت ابن عباس نے منع کر دیا۔ جب اس بارے میں حضرت ابی بن کعبؓ نے حدیث ذکر کی کہ: ''مالک مکان کی رضامندی کے بغیر اس پر قبضہ ممکن نہیں ہے''، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: اپنے اس قول پر کوئی گواہ پیش کرو۔ پھر وہ دونوں باہر گئے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا: ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کو سنا ہے تو حضرت عمرؓ

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۶، صحیح البخاری: ۷/ ۱۳۰، صحیح مسلم: ۳/ ۱۶۹۶، جامع الترمذی مع التحفۃ: ۳/ ۳۸۴، ترتیب المسند نمبر ۷ اص ۳۴۶، الرسالۃ للإمام الشافعی: ص ۴۳۴، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ۱/ ۳۲

(۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۷-۸، صحیح مسلم: ۳/ ۱۱، ۱۳، صحیح البخاری: ۱۲/ ۲۴۷، سنن أبی داود مع عون المعبود: ۴/ ۳۱۶، المغنی لابن قدامہ: ۷/ ۸۱۵، حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۱۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے فرمایا: ''میں تم پر تہمت نہیں لگاتا ہوں بلکہ اس بارے میں مزید توثیق وتثبت چاہتا ہوں''۔(۱)
ایک اور روایت میں اُمیہ الضمری سے مروی ہے:
"أن عمر بن الخطاب مر عليه وهو يساوم بمرط فقال ما هذا؟ قال أريد أن أشتريه وأتصدق به فاشتراه فدفعه إلى أهله وقال إني سمعت رسول الله ﷺ يقول ما أعطيتموهن فهو صدقة. فقال عمر: من يشهد معك؟ فأتى عائشة رضی اللہ عنہا فقام من وراء الباب فقالت: من هذا؟ قال عمر، وقالت: ما جاء بك؟ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما أعطيتموهن فهو صدقة ؟ قالت: نعم". (۲)
واقع بن سویدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: "إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم".(۳) لیکن یہ روایت بہت زیادہ ضعیف ہے۔(۴)
میمون بن مہرانؒ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم".(۵)
ابوسکینہ مجاشع بن قطبہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو کوفہ کی مسجد میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے:
"انظروا عمن تأخذون هذا العلم فانما هو الدين". (۶)
حضرت انسؓ سے بھی اس بارے میں ایک مرفوع حدیث یوں مروی ہے: "أن هذا العلم دين فلينظر أحدكم عمن يأخذ دينه". (۷) لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے۔
مغیثؒ، ضحاک بن مزاحم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذونه". (۸)
اشعث بن عبدالملکؒ، حسن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذونه".(۹)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۸، المحلی لابن حزم: ۸/۳۵۳، ۴۴۱، منتخب کنز العمال: ۳/۲۶۲
(۲) السنن الکبری للبیہقی: ۴/۱۷۸
(۳) المجروحین لابن حبان: ۱/۲۲، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۵۹
(۴) کمافی فیض القدیر: ۲/۵۴۶، ضعیف الجامع الصغیر: ۲/۲۰۲، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ نمبر ۲۴۸۱، مرعاۃ المفاتیح: ۱/۳۵۸
(۵) المجروحین: ۱/۲۱ (۶) الکفایۃ للخطیب: ص ۱۲۱
(۷) مقدمۃ الکامل: ص ۲۳۶، الکامل لابن عدی: ۱/۱۵۵، الجامع للخطیب: ۱/۱۲۹، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۵۹، العلل المتناھیۃ لابن الجوزی: ۱/۱۲۴
(۸) المجروحین: ۱/۲۲، الکفایۃ: ص ۱۲۱ (۹) المجروحین: ۱/۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مغیرہ بن مقسمؒ ، ابراہیم النخعی (م ۹۵ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "إن هذه الأحاديث دين فانظروا عمن تأخذون دينكم". (۱)

مالکؒ، زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: "إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم". (۲)

حضرت عاصمؒ، امام ابن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا:

"كان فى الزمن الأول لايسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة سألوا عن الإسناد لكى يأخذوا حديث أهل السنة ويدعوا حديث أهل البدعة". (۳)

یعنی "پہلے زمانوں میں محدثین اسناد کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ (شہادتِ عثمانؓ) واقع ہوا تو اسناد کے بارے میں دریافت کیا جانے لگا تا کہ اہل سنت کی حدیث کو لے لیں اور اہل بدعت کی حدیثوں کو چھوڑ دیں"۔

امام مسلمؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ کی روایت میں امام ابن سیرینؒ سے منقول ہے کہ فرمایا:

"لم يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم". (۴)

امام مسلم، خطیب بغدادی، رامہرمزی اور ابن عبدالبر وغیرھم نے امام ابن سیرین سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

"إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم". (۵)

حماد بن زیدؒ بیان کرتے ہیں کہ: "ہم امام انس بن سیرینؒ کے پاس ان کی بیماری کی حالت میں گئے تو آپ نے فرمایا:

"اتقوا الله يا معشر الشباب وانظروا عمن تأخذون هذه الأحاديث فإنها من دينكم". (۶)

---

(۱) نفس مصدر: ۱/۲۳ (۲) نفس مصدر: ۱/۲۱

(۳) کتاب العلل للترمذی مع تحفۃ الأحوذی: ۴/ ۳۸۸، الکفایۃ: ص ۱۲۶، میزان الاعتدال: ۱/۳

(۴) مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۸۴، المجروحین: ۱/۸۲، الجرح والتعدیل: ۱/ اص ۲۷

(۵) مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۸۴، الدارمی: ص ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۵، مقدمۃ الکامل: ص ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، الجرح والتعدیل: ۱/ اص ۱۵، التمہید لابن عبدالبر: ۱/ ۴۶، المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص ۲۰۸، ۴۱۴، الکفایۃ للخطیب: ص ۱۲۱، ۱۲۲، الجامع للخطیب: ۱/ ۱۲۹، الفقیہ والمتفقہ: ۲/ ۹۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۵۹، أحوال الرجال للجوزجانی: ص ۳۶، المجروحین: ۱/۲۱

(۶) الکفایۃ: ۱۲۲، المجروحین: ۱/۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''ایک شخص نے حسن بصری سے ان کی مراسیل کے متعلق دریافت کیا کہ اے ابوسعید! آپ یوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حالانکہ آپ نے نبی ﷺ کا زمانہ نہ پایا تھا۔ آں رحمہ اللہ نے جواب دیا: اے میرے بھتیجے! تو نے مجھ سے ایسی چیز کے متعلق پوچھا ہے جو تجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے نہ پوچھی تھی۔ پھر آپ نے اس کو بتایا کہ یہ حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے اور آں رحمہ اللہ نے اس کو سند حدیث کی چھان بین سے منع نہیں فرمایا الخ''۔(۱)

''امام شعبیؒ، ربیع بن خثیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيٰ ويميت وهو على كل شيء قدير'' کہے تو اس کو اتنا اور اتنا اجر ہے۔ شعبیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی ہے؟ انہوں نے فرمایا: عمرو بن میمون نے، پھر میں نے پوچھا: اور انہیں کس نے بیان کی؟ تو فرمایا کہ ابوایوب صحابی رسول اللہ ﷺ نے''۔(۲)

عتبہ بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ وہ امام اسحاق بن عبداللہ ابن ابی فروہ (م ۱۳۶ھ) کے پاس موجود تھے۔ امام زہریؒ (م ۱۲۵ھ) بھی ان کے پاس موجود تھے۔ ابن ابی فروہ نے کہنا شروع کیا: "قال رسول الله ﷺ"، تو امام زہریؒ نے فرمایا:

"قاتلك الله يا ابن أبي فروة، ما أجرأك على الله ما تسند حديثك، تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة". (۳)

ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ایک حدیث اس طرح آئی ہے: "ان من البر بعد البر أن تصلى لأبويك مع صلاتك وتصوم لهما مع صومك" تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: اے ابواسحاق! یہ حدیث کس سے منقول ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ شھاب بن خراش کی حدیث میں سے ہے، تو انہوں نے فرمایا: وہ تو ثقہ ہے، لیکن نقل کس سے کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: الحجاج بن دینار سے، انہوں نے فرمایا: وہ بھی ثقہ ہے، اور وہ کس سے نقل کرتا ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے، تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: "يا ابا إسحق إن بين الحجاج بن دينار وبين النبى ﷺ مفاوز تنقطع فيها أعناق المطى"۔ یعنی ''اے ابواسحاق! حجاج بن دینار اور نبی ﷺ کے درمیان اتنے بڑے میدان حائل ہیں کہ جس کے درمیان سواریوں کی گردنیں کٹ سکتی ہیں''۔(۴)

(۱) تہذیب التہذیب: ۲/۲۶۳ (۲) المحدث الفاصل: ص ۲۰۸

(۳) معرفۃ علوم الحدیث: ص ۶، الکفایۃ: ص ۳۹۱

(۴) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/۸۹، الکفایۃ للخطیب: ص ۳۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اعمشؒ (م ۱۴۷ھ) سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جالست ایاس بن معاویة فحدث بحدیث، فقلت عمن تذکر ھذا؟ فضرب لی مثل رجل من الخوارج فقلت: أنّی تضرب ھذا المثل ترید أن أکنس الطریق بثوبی فلا أدع بعرة ولا خنفساءة إلا حملتھا". (۱)

ابن ابی الزنادؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ھشام بن عروہ (م ۱۴۶ھ) نے کہا: "إذا حدثت بحدیث أنت منه فی ثبت فخالفك إنسان فقل: من حدثك بذا فإنی حدثت بحدیث فخالفنی فیه رجل، فقلت ھذا حدثنی به أبی فأنت من حدثك ؟ فجف". (۲)

اور خالد بن خداشؒ بیان کرتے ہیں: "لما ودعت مالك بن انس قال لی اتق الله وانظر ممن تأخذ ھذا الشأن". (۳)

## طلب حدیث اور علو سند کے شوق میں اسلاف کا طویل سے طویل سفر فرمانا:

چونکہ ائمۂ نقاد حدیث کے ذہنوں میں یہ بات رچ بس گئی تھی کہ اسناد روایت، حدیث کا جزء لا یتجزأ ہے لہذا جہاں وہ معین اسلوب کے مطابق اس کی خوب جانچ پڑتال کیا کرتے تھے، وہیں صحیح سنت نبوی کے حصول نیز علو سند کی طلب میں طویل سے طویل تر سفر بھی کیا کرتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صحیح سنت کے حصول میں سند کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور محدثین نے طول طویل مسافات کے اسفار کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، بعض بعض اوقات تو صرف ایک ہی حدیث کی تڑپ انہیں دور دراز مقام پر لے گئی ہے۔ عہد رسالت میں اطراف عرب سے مختلف قبائل کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ضروری تعلیم حاصل کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ عہد نبوی کے بعد بھی بارہا ایسے واقعات پیش آئے کہ ایک ایک حدیث کی خاطر صحابۂ کرام نے ایک ایک ماہ کی مسافت طے کر ڈالی ہے۔ محدثین نے ان اسفار کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی قابل قدر تصانیف میں اس عنوان پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں، مثلاً امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں اس بارے میں دو ابواب یوں قائم کئے ہیں: "باب الخروج فی طلب العلم"، اور "باب الرحلة فی المسئلہ النازلة"۔ (یعنی جو مسئلہ پیش آجائے اسے دریافت کرنے کے لئے سفر کرنا)۔ امام دارمیؒ نے اپنی سنن میں "باب الرحلة فی طلب العلم والعناء فیہ"۔ (یعنی طلب علم کی غرض سے سفر کرنا اور اس میں مشقت اٹھانی) کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے تو اس موضوع پر "الرحلة فی طلب العلم" نامی ایک مستقل رسالہ ہی تصنیف فرمایا ہے۔ ذیل میں

---

(۱) المحدث الفاصل: ص ۲۰۹، الکفایة فی علم الروایة: ص ۴۰۳

(۲) المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص ۲۰۹

(۳) الکفایة فی علم الروایة: ص ۱۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چند واقعات بطور مثال پیش خدمت ہیں:

امام بخاریؒ ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

"ورحل جابر بن عبد الله مسيرة شهر إلى عبد الله بن أنيس في حديث واحد". (۱)

یعنی ''حضرت جابر بن عبداللہؓ نے حضرت عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث سننے کی غرض سے ایک ماہ کا سفر کیا تھا''۔

اس واقعہ کی تفصیلات امام بخاریؒ نے اپنی دوسری کتاب ''الادب المفرد'' میں امام احمدؒ وامام ابویعلی الموصلیؒ نے اپنی اپنی مسانید میں بطریق عبداللہ بن محمد بن عقیل عن جابر بن عبداللہ اس طرح نقل کی ہے:

''مجھے ایک صحابی کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے میں نے فوراً اونٹ خریدا، اس پر کجاوہ کسا اور ان صحابی کی طرف ایک ماہ کا سفر طے کر کے ملک شام پہنچا۔ یہ صحابی عبداللہ بن انیسؓ تھے۔ میں نے ان کے دربان سے کہا کہ جا کر کہو کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہے۔ انہوں نے سنتے ہی پوچھا: کون؟ ابن عبداللہ؟ میں نے کہا ہاں، وہ فوراً باہر نکلے اور معانقہ کیا۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک حدیث کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں ڈرا کہ مجھے کہیں موت آجائے اور اس حدیث کے جاننے سے محروم رہوں، یہ سن کر عبداللہ بن انیسؓ نے وہ حدیث بیان کر دی''۔ (۲)

امام دارمیؒ نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ:

''ایک صحابی سفر کر کے حضرت فضالہ بن عبیدؓ کے پاس مصر پہنچے، اس وقت وہ اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہے تھے، ان کو دیکھتے ہی پکار اٹھے: ''مرحبا''۔ صحابی مذکور نے حضرت فضالہؓ سے کہا: "لم آتك زائرا". (میں آپکی زیارت کے لئے نہیں آیا ہوں) بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ میں نے اور آپ نے ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے علم میں ہوگی۔ حضرت فضالہ نے پوچھا: " ماهو ؟ " (وہ کونسی حدیث ہے؟) صحابی مذکور نے کہا: "كذا وكذا" (یعنی جس میں یہ یہ ہے) الخ''۔ (۳)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے متعلق مروی ہے کہ:

''ابوایوبؓ، حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے مصر تشریف لے گئے تھے:

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱/۱۷۳

(۲) فتح الباری: ۱/۱۷۴، جامع بیان العلم: ۱/۹۳، الأدب المفرد: ۲/۴۳۳، تعلیق التعلیق: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، الجامع للخطیب: ۲/۲۲۵، الکفایۃ: ۴۰۲، الرحلۃ: ۱۱۰-۱۱۸، المحدث الفاصل: ۲۲۳، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۲۷۹

(۳) سنن الدارمی: ۱/۱۴۲، فتح الباری: ۱/۱۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چنانچہ جب وہ مسلمہ بن مخلد انصاریؓ کے مکان پر پہنچے جو اس وقت مصر کے گورنر تھے اور ان کو اطلاع دی۔ مسلمہ جلدی سے باہر آئے، معانقہ کیا اور پوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا: ایک حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اب سوائے میرے اور عقبہ کے رسول اللہ ﷺ سے اس کا سننے والا اور کوئی باقی نہیں ہے، اس لئے کسی کو بھیج دو جو مجھے ان کا مکان بتادے۔ مسلمہ نے فوراً ایک آدمی ساتھ کر دیا۔ حضرت عقبہ کو اطلاع ہوئی تو جلدی سے نکل کر معانقہ کیا اور پوچھنے لگے: اے ابوایوب! کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا کہ مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں ایک حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ اب میرے اور تمہارے سوا آپؐ سے اس کا سننے والا اور کوئی باقی نہیں ہے۔ عقبہ بولے ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "من ستر علی مؤمن فی الدنیا علی خزیة ستره الله یوم القیامة" یعنی ''جو دنیا میں کسی رسوائی پر مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔ حضرت ابوایوبؓ نے سن کر فرمایا: تم نے سچ کہا۔ یہ کہہ کر سواری کا رخ کیا اور سوار ہوکر مدینہ طیبہ کو واپس ہو گئے۔ واپسی میں اتنی جلدی کی کہ حضرت سلمہؓ نے جو نظرانہ ان کو پیش کیا وہ بھی ان کو عریش مصر میں ملا''۔ (۱)

یہ دور صحابہ کے چند واقعات تھے جو بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد جب تابعین کا دور آیا تو اس سلسلہ کو اور ترقی ملی چنانچہ عبیداللہ بن عدیؒ سے روایت ہے کہ:

''مجھے ایک حدیث کی بابت پتہ چلا کہ وہ حضرت علیؓ کو معلوم ہے، ساتھ ہی یہ خدشہ گزرا کہ کہیں انکا انتقال ہو گیا تو پھر کسی اور سے وہ حدیث معلوم نہ ہو سکے گی، لہذا فوراً سفر پر نکل گیا اور آپ کی خدمت میں عراق جا پہنچا''۔ (۲)

کثیر بن قیس بیان کرتے ہیں کہ:

''میں مسجد دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں بیٹھا تھا، دفعۃً ایک شخص نے آکر ان سے عرض کیا اے ابوالدرداء! میں مدینۃ الرسول سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں، اور کسی حاجت کے لئے نہیں بلکہ صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے متعلق مجھے علم ہوا ہے کہ آپ اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء نے جب یہ سنا تو فضیلت علم کے بارے میں جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اس شخص کو بیان کی''۔ (۳)

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث: ص ۷، ۸، جامع بیان العلم: ۱/۹۴، الکفایۃ: ص ۴۰۲، فتح الباری: ۱/۱۷۵
(۲) فتح الباری: ۱/۱۷۵
(۳) مشکوۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسر بن عبید سے بسند صحیح مروی ہے کہ فرمایا:

''میں صرف ایک حدیث کی خاطر شہر شہر کا سفر کیا کرتا تھا''۔(۱)

ابو العالیہ سے منقول ہے کہ:

''ہم بصرہ میں صحابہ کی روایات سنتے تھے مگر جب تک مدینہ طیبہ جا کر خود ان کی زبانی نہ سن لیتے راضی نہ ہوتے تھے''۔(۲)

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

"وكان أصحاب عبد الله يرحلون من الكوفة إلى المدينة فيتعلمون من عمر ويسمعونه منه". (۳)

یعنی ''اصحاب عبداللہ کوفہ سے مدینہ کا سفر کرتے اور عمرؓ سے علم حدیث سیکھتے اور ان سے سماع کرتے تھے''۔

علامہ سخاویؒ امام احمد بن حنبلؒ سے نقل فرماتے ہیں:

''علقمہ اور اسود کو حضرت عمرؓ کی ایک حدیث پہنچی تو انہوں نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ وہ سفر پر نکلے اور علی وجہ الاستحباب اس حدیث کو خود حضرت عمرؓ سے سنا''۔(۴)

کبار تابعین میں سے سعید بن المسیب فرمایا کرتے تھے:

"إني كنت لأسافر مسيرة الأيام والليالي فى طلب الحديث الواحد". (۵)

یعنی ''میں ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دن اور کئی کئی رات کا سفر کیا کرتا تھا''۔

بعض دوسرے لوگوں سے بھی ایسے اقوال منقول ہیں (۶) حضرت شعبہ بن الحجاجؒ نے ''فضل الوضوء والذکر بعدہ'' کے متعلق حدیث کی اسناد کے واسطے سفر کیا تھا۔'' (۷) ابراہیم بن ادھم کا قول ہے:

"إن الله يدفع عن هذه الأمة البلاء برحلة أصحاب الحديث". (۸)

---

(۱) سنن الدارمی: ۱/۱۴۰

(۲) فتح الباری: ۱/۱۷۵، ۱۹۲، سنن الدارمی: ۱/۱۱۴، الرحلۃ للخطیب: ص ۹۳، الجامع للخطیب: ۲/۲۲۵، الکفایۃ: ص ۴۰۲، ۴۰۳، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۲۸۰

(۳) مناقب الإمام احمد لابن الجوزی: ص ۲۰۳، الجامع للخطیب: ۱/۱۲۳، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۳۶

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۲۷۸، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۱۰، الرحلۃ: ص ۲۸، الجامع للخطیب: ۲/۲۲۴، مسائل الامام احمد لابنہ: ص ۴۳۹

(۵) معرفۃ علوم الحدیث: ص ۸، المحدث الفاصل: ص ۲۲۳، جامع بیان العلم: ۱/۹۴، الکفایۃ: ص ۴۰۲، الرحلۃ: ص ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۴۴، الجامع للخطیب: ۲/۲۲۶، فتح الباری: ۱/۱۷۵

(۶) فتح الباری: ۱/۱۷۵

(۷) الرحلۃ فی طلب الحدیث: ص ۱۷

(۸) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۱۰، شرف أصحاب الحدیث: ۵۹، الرحلۃ: ص ۹۰، الإرشاد للنووی: ۲/۴۰۷، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۲۷۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۲۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''بے شک اللہ عز وجل طلب حدیث کی خاطر محدثین کے اسفار سے اس امت پر سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے''۔

ابوقلابہ کا قول ہے:

"لقد أقمت بالمدينة ثلاثة أيام ما لی حاجة إلا رجل عنده حديث يقدم فأسمعه منه" .(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مشہور قول ہے:

"لو أعلم أحدا أعلم بكتاب الله تعالى منى لرحلت إليه" . (۲)

فضل بن غانمؒ سے بعض احادیث کے متعلق منقول ہے کہ فرمایا:

"والله لو رحلتم فی طلبه إلى البحرين لكان قليلا " . (۳)

امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

''اسناد عالی کی طلب صحیح سنت ہے''۔ پھر حضرت انسؓ کی وہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ جس میں ایک اعرابی ضمام بن ثعلبہ کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر آپؐ سے بالمشافہ حکم نبوی سننے کا ذکر مروی ہے (يا محمد! أتانا رسولك فزعم كذا)، پھر فرماتے ہیں کہ: ''اگر علو اسناد کی طلب غیر مستحب ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ضمام کی آمد پر ضرور نکارت فرماتے''۔(۴)

لیکن حافظ علائی اور ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ: ''جو چیز انہوں نے ذکر کی ہے اس سے استدلال محل نظر ہے''۔(۵)

---

(۱) المحدث الفاصل: ص ۲۲۳، سنن الدارمی: ۱/ ۱۱۴، الرحلۃ: ص ۱۴۴-۱۴۵، الجامع للخطیب: ۲/ ۲۲۷، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۲۷۹-۲۸۰

(۲) صحیح البخاری: ۹/ ۴۷، صحیح مسلم: ۴ نمبر ۱۹۱۲، الکفایۃ: ۴۰۲، الرحلۃ: ص ۹۵، سیر أعلام النبلاء للذھبی: ۲/ ۴۷۱، ۴۷۳، فتح الباری: ۱/ ۱۷۵، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۲۸۰

(۳) تاریخ بغداد: ۱۲/ ۳۵۸، لسان المیزان: ۴/ ۴۴۶، العلل للدارقطنی: ۳/ ۱۰۶-۱۰۷، العلل المتناھیۃ لابن الجوزی: ۲/ ۳۵۳، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۲۷۹

(۴) معجم الطبرانی: ۸/ ۳۶۶-۳۶۷، صحیح مسلم بشرح النووی: ۱/ ۱۶۹، شرح شرح نخبۃ الفکر للقاری: ۱۹۴، تدریب الراوی: ۲/ ۱۶۰، فتح المغیث للعراقی: ص ۳۰۹، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۳۳-۳۳۴

(۵) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱/ ۱۴۸-۱۵۲، صحیح البخاری مع شرحہ للکرمانی: ۲/ ۱۸-۱۹، صحیح مسلم بشرح النووی: ۱/ ۱۷۰-۱۷۱، صحیح مسلم مع إکمال المکمل: ۱/ ۸۲-۸۳، سنن ابی داود مع عون المعبود: ۲/ ۱۵۱-۱۵۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۸/ ۳۶۶-۳۶۷، تھذیب الأسماء: ۱/ ۱۳۴، العلو والنزول: ۵۳-۵۴، تدریب الراوی: ۲/ ۱۶۰-۱۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام احمدؒ فرماتے ہیں:

"وطلب الإسناد العالی سنة عمن سلف"(۱)

یعنی ''عالی اسناد کی طلب سلف صالحین کی سنت ہے''۔

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"وقد رحل خلق من العلماء قديما وحديثا إلى الأقطار البعيدة طلبا للعلو" .(۲)

یعنی ''قدیم وجدید علماء میں سے ایک خلق کثیر نے علو اسناد کی طلب میں اقطار بعیدہ کا سفر کیا ہے''۔اسی طرح امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"ولم يزل السلف والخلف من الأئمة يعتنون بالرحلة" . (۳)

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الرحلۃ فی طلب الحدیث'' میں اور امام حاکم نیشاپوریؒ نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں عالی اسناد اور طلب حدیث میں کبار محدثین کے سفر فرمانے کے اور بھی متعدد واقعات نقل کئے ہیں جو لائق مراجعت ہیں۔

## فن جرح وتعدیل کی تعریف اور اس کی عظمت:

''جرح'' کے معنی ہیں زخم لگانا اور کاٹنا۔کچھ لغویوں کا خیال ہے کہ جُرح جیم کے ضمہ کے ساتھ جسم میں دھار دار چیز یا لوہا سے زخم لگانے کو کہتے ہیں اور جَرح جیم کے فتحہ کے ساتھ زبان سے عیب لگانے کو کہتے ہیں۔اور ''تعدیل'' کے لغوی معنی کسی چیز کو درست کرنا ہے۔کہا جاتا ہے:"وتعديل الشهود أن تقول أنهم عدول" . یعنی گواہوں کو عادل اور قابل قبول قرار دینے کو ''تعدیل'' شہود کہا جاتا ہے۔عدل کے لغوی معنی ہیں کسی پر پسندیدگی کا حکم لگانا، اسی طرح عدل، ظلم کے مقابلہ میں بطور ضد استعمال کیا جاتا ہے۔'جرح' کی لغوی تعریف کے لئے حاشیہ (۴) اور ''تعدیل'' کے لئے حاشیہ (۵) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح:ص ۲۱۶، الارشاد للنووی:۲/۴۲۳، الرحلۃ:ص ۸۹، الجامع للخطیب:۱/۱۲۳، مناقب الامام احمد لابن الجوزی:ص ۲۰۳، فتح المغیث للعراقی:ص ۳۰۹، فتح المغیث للسخاوی:۳/۳۳۵، شرح شرح النخبۃ للقاری:ص ۱۹۴، تدریب الراوی:۲/۱۶۰، قواعد التحدیث:ص ۲۰۲

(۲) الجامع للخطیب:۱/۲۱۶، فتح المغیث للسخاوی:۳/۳۳۶

(۳) فتح المغیث للسخاوی:۳/۲۸۰

(۴) لسان العرب لابن منظور:۲/۴۲۲-۴۲۳، تاج العروس:۶/۳۳۷، القاموس المحیط للفیروز آبادی:۱/۲۲۵، المصباح المنیر للفیومی:۱/۱۰۴، اساس البلاغۃ:ص ۸۸

(۵) لسان العرب لابن منظور:۱۱/۴۳۰-۴۳۲، القاموس المحیط للفیروز آبادی:۴/۱۳، المصباح المنیر للفیومی:۲/۴۴-۴۵، الصحاح للجوہری:۵/۱۷۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حاجی خلیفہؒ (م ۱۰۶۷ھ) حدیث کی اصطلاح میں ''جرح وتعدیل'' کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

''یہ وہ علم ہے جس میں رواۃ پر جرح اور انکی تعدیل کے لئے مخصوص الفاظ کے ساتھ بحث کی جاتی ہے''۔(۱)

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

''محدثین کی اصطلاح میں یوں راویوں پر عادل وضابط ہونے کے حکم لگانے کو تعدیل کہتے ہیں عادل اس راوی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر عدالت کی صفات پائی جاتی ہوں یعنی یہ کہ راوی مسلمان، عقلمند، بالغ، پرہیزگار، حسن اخلاق اور اچھے کردار کا حامل ہو، مغفل نہ ہو''۔(۲)

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

"فهو من أجل أنواع الحديث فإنه المرقاة إلى التفرقة بين صحيح الحديث وسقيمه". (۳)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"هذا من أجل نوع وأفخمه فإنه المرقاة إلى معرفة صحة الحديث وسقمه ولأهل المعرفة بالحديث". (۴)

ابوعبداللہ عبدالرحمان بن ابی حاتم الرازیؒ (م ۳۲۷ھ) نے یوسف بن الحسین الرازی الصوفی کے اس سوال پر کہ جرح وتعدیل کیا ہے؟ فرمایا تھا:

"أظهر أحوال أهل العلم من كان منهم ثقة أو غير ثقة". (۵)

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

"ومن علوم الأحاديث النظر فى الأسانيد ومعرفة ما يجب العمل به من الأحاديث بوقوعه على السند الكامل الشروط لأن العمل إنما وجب بما يغلب على الظن صدقه من أخبار رسول الله ﷺ فيجتهد فى الطريق التى تحصل ذلك الظن وهو بمعرفة رواة الحديث بالعدالة والضبط وإنما يثبت ذلك بالنقل عن أعلام الدين بتعديلهم وبراء تهم من الجرح والغفلة ويكون لنا ذلك دليلا على القبول أو الترك". (۶)

---

(۱) کشف الظنون: ۱/۵۸۲
(۲) مقدمۃ ابن الصلاح: ۹۴
(۳) فتح المغیث للعراقی: ص ۴۶۳
(۴) التقیید والإیضاح: ۳۸۹
(۵) الکفایۃ للخطیب: ص ۳۸، التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۳۹۰
(۶) المقدمۃ لابن خلدون: ص ۴۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"فهو من أهم انواع الحديث وأعلاها وأنفعها فإنه المرقاة تشبيها له بالآلة التى يعمل بها و بفتحها الدرجة للتفصيل بين الصحيح من الحديث والسقيم" . (۱)

محی السنہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ فرماتے ہیں:

''جرح وتعدیل اصطلاح حدیث میں ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں راویان حدیث کی حالت پر از روئے صحت وضعف مخصوص الفاظ سے بحث کی جائے اوران الفاظ کے مراتب کو سمجھا جائے''۔(۲)

شیخ عبدالوہاب عبداللطیف فرماتے ہیں:

''کسی حافظ متقن کی روایت کو علت قادحہ یا فسق یا تدلیس یا کذب یا شذوذ وغیرہ کے سبب رد کرنا جرح کہلاتا ہے۔اور تعدیل راوی کا وہ وصف ہے جو اس روایت کو قبول کرنے کا متقاضی ہو''۔(۳)

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں:

''جرح وتعدیل یا علم میزان الرجال وہ علم ہے جو رواۃ کے احوال، ان کی امانت، ان کے ضبط اور ان کی عدالت نیز ان کی دروغ گوئی یا غفلت اور نسیان وغیرہ سے بحث کرتا ہے''۔(۴)

ڈاکٹر ضیاء الرحمان اعظمی لکھتے ہیں:

''اصطلاح محدثین میں جرح راویوں کے ان عیوب کے بیان کرنے کو کہتے ہیں جن سے ان کی عدالت وثقاہت ختم ہوجاتی ہے اور وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں''۔(۵)

امام حاکم نیشاپوریؒ جرح وتعدیل کی معرفت کو اصول حدیث کا ''ثمرۃ'' بلکہ ''المرقاۃ الکبیرۃ منہ'' بتاتے ہیں اور انہیں دو مستقل علم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهما فى الأصل نوعان كل نوع منهما علم برأسه"(٦)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے ضعفاء پر جرح کو ''نصیحت'' سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ ایک باب یوں مقرر فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۳۵۲

(۲) الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ للبوفالی: ص۸۹

(۳) المختصر فی علم رجال الأثر لعبدالوھاب: ص۴۵

(۴) مقدمۃ منھاج الصالحین لعزالدین بلیق: ص۴۰-۴۱، ۵۲

(۵) دراسات فی الجرح والتعدیل للأعظمی: ص۴۵

(٦) معرفۃ علوم الحدیث: ص۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"بيان أن جرح الضعفاء من النصيحة"(۱)

برصغیر کے مشہور شاعر جناب الطاف حسین حالی اپنی ''مسدس'' میں فرماتے ہیں:

گروہ ایک جویا تھا علم نبیؐ کا — لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون — نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو — اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو — لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اسکو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر — دیا اور کو خود مزا اس کو چکھ کر
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا — مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا — ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا — نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا
رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر — گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساں یہ اک اہل دیں پر — وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے — بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

(مسدس حالی)

سید ابوالاعلی مودودی صاحب فرماتے ہیں:

(''محدثین کرام نے) رسالت سے اپنا اور مسلمانوں کا تعلق برقرار رکھنے کے لئے شب و روز محنتیں کیں۔ حدیثوں کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول بنائے۔ کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا۔ ایک طرف اصول روایت کے اعتبار سے حدیثوں کی تنقیح کی، دوسری طرف ہزاروں لاکھوں راویوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی، تیسری طرف درایت کے اعتبار سے حدیثوں پر نقد کیا۔ اور اس طرح سنت رسول کے متعلق ان لوگوں نے ایک ایسا ذخیرہ فراہم کر دیا جس کے برابر مستند اور معتبر ذخیرہ آج دنیا میں گزشتہ زمانے کے کسی شخص اور کسی عہد کے متعلق موجود نہیں ہے''۔(۲)

آں موصوف ایک اور مقام پر منکرین حدیث پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''...... اگر یہ لوگ حق پرست اور انصاف پسند ہوں تو انہیں نظر آئے کہ محدثین کرام نے عہد رسالت اور عہد صحابہ کے آثار و اخبار جمع کرنے اور ان کو چھانٹنے اور انکی حفاظت کرنے میں وہ محنتیں کی ہیں جو دنیا کے کسی گروہ نے کسی

---

(۱) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۸۸ — (۲) تفہیمات: ۱/۳۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دور کے حالات کے لئے نہیں کیں۔ انہوں نے احادیث کی تنقید و تنقیح کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ ایسے ہیں کہ کسی دور گزشتہ کے حالات کی تحقیق کے ان سے بہتر طریقے عقل انسانی نے آج تک دریافت نہیں کئے۔ تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب اس گروہ نے استعمال کئے ہیں اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی دور تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ درحقیقت یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالی ہی کی توفیق شامل حال رہی ہے، اور جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اسی نے اپنے آخری نبی کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے''۔(۱)

اور جناب امین احسن اصلاحی صاحب فن جرح و تعدیل اور محدثین کی خدمات جلیلہ کے متعلق ایک سائل کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

**محدثین کے کارنامے کی عظمت:** ائمہ محدثین نے حدیث کی جمع و ترتیب، رجال حدیث کی جرح و تعدیل اور اصول حدیث کی تحقیق و تدوین کے سلسلہ میں جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس کے بارے میں اس عاجز کی مختصر رائے اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو یہ ہے کہ اس کی تعریف میں جو کچھ بھی کہا جائے، میں بلا کسی تکلف کے اس کو قبول کرلوں گا۔ بس اگر مجھے کسی چیز کے قبول کرنے سے انکار ہوگا تو صرف ان کے لئے عصمت کے دعوے سے انکار ہوگا۔ اگر یہ دعوی نہ کیا جائے تو جس طرح سورج روشن ہے اسی طرح ہمارے محدثین کرام کے کارنامہ کی عظمت بھی روشن ہے۔ اس کارنامہ کی عظمت کا خاص پہلو جس نے ساری دنیا کو حیران کیا ہے یہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں اس طرح کے کام کی کوئی سابق نظیر موجود نہیں تھی اور اس کے بعد بھی کسی تاریخی شخصیت یا کسی دور تاریخ کے متعلق دنیا کا کوئی گروہ ایسا تحقیقی کام نہیں کرسکا ہے۔ اسلام کے بدتر سے بدتر مخالفین نے بھی محدثین کی اس بے مثال خدمت کی تحسین کی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں تمام اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں منکرین حدیث کے سوا مجھے کسی ایسے ناسپاس گروہ کا پتہ نہیں ہے جس نے محدثین کی خدمات کی تحقیر کی ہو''۔(۲)

## فن جرح و تعدیل کی عظمت کی ایک واضح دلیل:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وقال الذهبي، وهو من أهل الاستقرار التام فی نقد الرجال: لم يجتمع اثنان من

(۱) نفس مصدر: ۱/۳۵۴-۳۵۵ (اسلامک پبلیکیشنز مئی ۱۹۸۸ء)

(۲) توضیحات: ص ۸۸-۸۹ (اسلامک پبلیکیشنز جون ۱۹۸۵ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمآء هذا الشأن قط على توثيق ضعيف ولا على تضعيف ثقة" (۱)

یعنی ''امام ذہبیؒ جو کہ نقد رجال کے معاملہ میں اہل الاستقرار التام میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ کسی ضعیف راوی کی توثیق یا کسی ثقہ راوی کی تضعیف کے بارے میں کبھی دو محدثین نے اتفاق نہیں کیا ہے''۔

## فن جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت:

حدیث چونکہ شریعت کے دو بنیادی مآخذ میں سے ایک اہم ماخذ ہے، جیسا کہ اوپر سابقہ ابواب میں مذکور ہو چکا ہے، لہذا احتیاط کا تقاضہ ہے کہ ہر وہ چیز جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے پیش کیا جائے اسے یونہی بلاتحقیق جزو دین کے طور پر قبول نہ کیا جائے بلکہ ایسی جو چیز بھی حدیث کے نام پر ہم تک پہنچے اس کے متعلق مکمل طور پر چھان بین کرکے پہلے یہ یقین واطمینان کر لینا ضروری ہے کہ آیا وہ خبر قابل اعتماد بھی ہے یا نہیں؟ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿یاایها الذین اٰمنوا إن جاء کم فاسق بنبإ فتبینوا﴾ (۲)

یعنی ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی خوب اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو''۔

پس ایسی خبر کہ جس کی روایت کرنے والا غیر فاسق یعنی متقی، ثقہ، امین، حافظ اور ضابط ہو اسے درست، محفوظ، صحیح، ثابت اور قابل اعتماد نہ سمجھا جائے تو اور کیا سمجھا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ علمائے سلف وخلف صرف انہی اخبار کو احادیث نبوی کا درجہ دیتے ہیں جو کہ ثقہ راویوں سے مروی ہوں۔ امام مسلمؒ نے اس بارے میں ایک باب یوں معنون کیا ہے: "باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذابين والتحذير من الكذب على رسـول الله ﷺ" اور اس کے تحت فرماتے ہیں:

"اعلم وفقك الله أن الواجب على كل أحد عرف التمييز بين صحيح الروايات وسقيمها وثقات الناقلين لها من المتهمين أن لا يروى منها إلا ما عرف صحة مخارجه والستارة فی ناقليه وأن يتقى منها ما كان منها عن أهل التهم والمعاندين من أهل البدع". (۳)

یعنی ''جانیئے اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ ہر اس آدمی پر جو علم حدیث کے ساتھ تعلق رکھتا ہو یہ واجب ہے کہ وہ صحیح اور سقیم روایات میں فرق کر سکے اور ثقہ ناقلین کو متہم اور اہل بدع راویوں سے ممیّز کر سکے اور صرف اس

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳۶۴/۴، لقط الدرر بشرح متن نخبۃ الفکر: ص ۱۳۵، شرح شرح نخبۃ الفکر للقاری: ص ۲۳۷، تدریب الراوی: ۱/ ۳۰۸، الرفع والتکمیل لابی الحسنات: ۲۸۴-۲۸۶، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت لعبد العلی لکھنوی: ۲/ ۱۵۵، کوثر النبی لعبد العزیز الفرھاری: ۱۰۲-۱۰۳

(۲) الحجرات: ۶

(۳) مقدمۃ شرح مسلم: ۱/ ۶، مکمل الاکمال: ۱/ ۱۳، فتح الملہم: ۱/ ۱۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایت کونقل کرے جس کا مخرج صحیح ہو اور اس کے ناقلین جرح وغیرہ سے محفوظ ہوں اور ان روایتوں کے نقل سے پرہیز کرے جو متہمین یا مبتدعین معاندین سے مروی ہوں''۔

اسی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں ایک باب یوں مقرر کیا ہے: "باب ما جاء فی أن الحدیث عن رسول الله ﷺ لا یقبل إلا عن ثقة"(۱) اور اس کے تحت فرماتے ہیں:

عقبہ بن نافع القرشی نے اپنے آخری لمحات میں اپنی اولاد کو یوں وصیت فرمائی تھی:

"أوصیکم بثلاث، لا تأخذوا الحدیث عن رسول الله ﷺ إلا من ثقة ولا تدانوا وإن لبستم العباء ولا یکتب أحدکم شعرا لیشغل قلبه عن القرآن ".(۲)

ابن عیینہ، مسعر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابراہیم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"لا یحدث عن رسول الله ﷺ إلا الثقات"(۳)

اسی طرح امام ابن حبانؒ بہز بن حکیم بن معاویہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

"دین الله أحق من طلب له العدول" . (۴)

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ساتھ ہی غیر اثبات کی روایات کی مذمت کے بارے میں ایک عنوان یوں مقرر فرمایا ہے: "ذم الروایات عن غیر الأثبات"(۵) اور اس کے تحت مندرجہ ذیل روایات درج فرمائی ہیں:

مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"هلاك أمتی بالعصبیة والقدریة والروایة عن غیر ثبت" .(۶)

ابن سمعان عن عطاء عن ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

"إن أخوف ما أخاف علی أمتی العصبیة والقدریة والروایة عن غیر عدل"(۷)

اوزاعی عن یحیی بن کثیر عن عبداللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ کی مرفوع روایت میں ہے:

"هلاك أمتی فی ثلاث فی القدریة والعصبیة والروایة عن غیر ثبت"(۸)

اور محمد بن عبدالعزیز بن عبدالرحمان بن عوف نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمان کا قول نقل کیا ہے:

"ثلاث من تودیع الإسلام العصبیة والقدریة والروایة عن غیر ثقة " (۹)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۳۱-۳۲ (۲) نفس مصدر: ص ۳۲
(۳) نفس مصدر: ص ۳۲ (۴) المجروحین: ۱/۲۲
(۵) الکفایۃ: ۳۲-۳۳ (۶) نفس مصدر: ص ۳۳
(۷)(۸)(۹) نفس مصدر: ص ۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس معلوم ہوا کہ کسی روایت کی صحت اور اس کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لئے اس کے رواۃ کے کوائف واحوال کی مکمل معرفت کا حاصل کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ'' میں حدیث کے راویوں کے کوائف واحوال جاننے کے لئے چھان بین کرنا واجب قرار دیتے ہوئے ایک باب یوں مقرر کیا ہے: "باب وجوب البحث والسؤال للكشف عن الأمور والأحوال" (۱) اور اس کے تحت فرماتے ہیں:

''اہل علم حضرات کا اتفاق ہے کہ جس طرح گواہی صرف اس شاہد کی قبول کی جاتی ہے جو کہ عدل ہو، اسی طرح خبر بھی عدل سے متصف مخبر سے ہی قبول کی جائے گی۔ پس جب یہ بات طے پا گئی تو اگر شاہد یا مخبر کی عدالت کا علم نہ ہو تو اہل معرفت سے ان کے احوال کے متعلق استفسار کرنا واجب ہے۔'' (۲)

علامہ بغدادیؒ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ نے آگاہ فرمایا ہے کہ آپؐ کے بعد آپؐ کی امت میں جھوٹے پیدا ہوں گے، پس آپؐ نے ان سے ہوشیار رہنے اور ان کی روایات قبول کرنے سے منع فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ آں ﷺ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے جیسا (شدید) نہیں ہے پس احوال محدثین پر نظر اور امور ناقلین کی تفتیش دین میں احتیاط کا تقاضہ اور شریعت کو ملحدین کی تلبیس سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے۔'' (۳)

امام یحیی بن معینؒ کا مشہور قول ہے:

"آلة الحديث الصدق والشهرة بطلبه وترك البدع واجتناب الكبائر" (۴)

یعنی ''صدق شہرت طلب، ترک بدعت اور اجتناب الکبائر حدیث کا آلہ ہیں''۔

اور ظاہر ہے کہ کسی مخبر کی صداقت نیز بدعات و کبائر سے اس کے مجتنب رہنے وغیرہ پر مطلع ہونا بلا تحقیق و تفتیش کے ممکن نہیں ہے۔ حدیث کے راویوں کے جملہ احوال و کوائف کے متعلق چھان بین کر کے معتبر ذرائع سے وافر مقدار میں معلومات حاصل کرنا اور پھر فراہم شدہ تمام معلومات کی روشنی میں باعتبار عدالت وثقاہت اس پر کوئی حکم لگانا محدثین کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی تاریخ الامم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

## اصطلاح حدیث میں ''عدالت'' کا معنی:

علی بن ابراہیم مروزی بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے ابن مبارک سے عدل کے متعلق سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا:

''جس شخص میں یہ پانچ صفات موجود ہوں وہ عدل ہے: جماعت سے وابستہ ہو، شراب نہ پیتا ہو، اسکے

---

(۱) الکفایۃ: ص ۳۳ — (۲) نفس مصدر: ص ۳۴-۳۷

(۳) نفس مصدر: ص ۳۴

(۴) الکفایۃ: ص ۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دین میں کوئی خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو اور اس کی عقل میں کوئی خلل نہ ہو"۔(۱)

امام زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"ایسا کوئی شریف، عالم اور آمر نہیں ہے کہ جس میں قطعاً کوئی عیب نہ ہو، لیکن بہتر انسان وہ ہے جو اس کے عیوب کا تذکرہ نہ کرتا پھرے۔ جس کا فضل اس میں موجود نقص پر غالب ہو تو اسکا نقص اس کے فضل سے دور ہو جاتا ہے"۔(۲)

امام شافعیؒ کا قول ہے:

"میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے اطاعت الٰہی کو کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خلط نہ کیا ہو سوائے یحیی بن زکریا علیہ السلام کے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو جانتا ہوں جس نے اللہ کی نافرمانی کو کبھی اللہ کی اطاعت کے ساتھ خلط نہ کیا ہو۔ پس اگر اس میں طاعت کا عنصر اغلب ہو تو وہ معدل ہے اور اگر اس میں معصیت کا عنصر اغلب ہو تو وہ مجروح ہے"۔(۳)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اظہار اسلام کے ساتھ فسق ظاہر کا نہ ہونا ہی عدالت کے لئے کافی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس بارے میں ایک باب کا عنوان یوں مقرر فرمایا ہے: "باب الرد علی من زعم أن العدالة هي إظهار الإسلام وعدم الفسق الظاهر" اور اسکے تحت فرماتے ہیں:

"عدل معلوم کی معرفت کسی شخص کی عدالت و اسلام، حصول امانت ونزاہت اور استقامت طرائق پر منحصر ہے۔ اسکی معرفت کے لئے اس شخص کے احوال کی اچھی طرح جانچ پڑتال نیز اس کے افعال کے تتبع، کہ جن سے اس کی عدالت کا گمان غالب ہو، کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ مگر اہل عراق کا دعوی ہے کہ عدالت فقط اظہار اسلام اور مسلم کی فسق ظاہر سے سلامتی سے عبارت ہے، لیکن کسی شخص کے اس حال سے اس کا عدل ہونا کب واجب ہوتا ہے؟ ...... پس جس چیز کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ ثابت ہوئی اور وہ یہ کہ عدالت ظہور اسلام پر زائد شئی ہے اور اس کا حصول اختبار احوال اور تتبع افعال کا متقاضی ہے، واللہ اعلم"۔(۴)

اور علامہ سخاویؒ شروط عدالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معدل کے لئے پانچ شرائط سے متصف ہونا ضروری ہے: اول یہ کہ مسلم ہو، دوم صاحب عقل ہو، سوم بالغ ہو، چہارم امور فسق سے مجتنب اور سلیم الفعل ہو یعنی کبائر کا ارتکاب نہ کرے اور صغائر پر مصر نہ ہو اور پنجم ذو مروءة ہو"۔(۵)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۱۰۱ (۲)، (۳) نفس مصدر: ص ۷۹

(۴) نفس مصدر: ۸۱-۸۳ (ملخصا)

(۵) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۳-۴ (ملخصا)، وکذا فی فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۰، مقدمۃ ابن الصلاح: ۱۱۴، التقیید والإیضاح: ص ۱۱۴-۱۱۵، الأم للشافعی: ۷/ ۵۳، المحلی لابن حزم: ۹/ ۳۹۵، فتح الباری: ۵/ ۲۵۱، الأحکام للآمدی: ۲/ ۱۰۸-۱۰۹، المھذب مع شرحہ: ۲۰/ ۲۸، المستصفی للغزالی: ۱/ ۱۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


## جارح ومعدل ہونے کی شرائط:

جرح وتعدیل سے مترتب ہونے والے مادی، دینی اور ادبی نتائج کی اہمیت کے پیش نظر محدثین اور محققین نے کسی جارح یا معدل کے لئے تقوی کا وجوب، حدود اللہ کا التزام، وسعت علم، تعصب سے اجتناب، تحقیق کی جستجو، ورع، صدق، بصیرت، شجاعت، لومۃ لائم سے بے نیازی، اسباب جرح وتعدیل کی معرفت، حق گوئی و بے باکی اور تکریم انسانی سے متعلق اسلامی آداب کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے، چنانچہ جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

’’جارح اور معدل کے لئے علم، تقوی، ورع، صدق، تعصب سے اجتناب اور اسباب جرح وتزکیہ کی معرفت کی شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ جو ان صفات کا حامل نہ ہو اس کی نہ جرح مقبول ہے اور نہ اس کا تزکیہ‘‘۔(۱)

امام ذہبیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"فإن آنست يا هذا من نفسك فهما وصدقا ودينا وورعا وإلا فلا تتعن وإن غلب عليك الهوىٰ والعصبية لرأى ولمذهب فبالله لا تتعب" . (۲)

یعنی ’’اگر تم اپنے نفس کے اندر تقوی و پرہیز گاری اور سمجھ وصداقت محسوس کرتے ہو تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہارے اوپر نفسانیت یا مذہبی تعصب کا غلبہ ہو تو للہ جرح وتعدیل کے لئے ہرگز پریشانی نہ اٹھاؤ‘‘۔

آں رحمہ اللہ عثمان بن عبدالرحمٰن کے ترجمہ میں مزید فرماتے ہیں:

"والكلام فى الرجال لا يجوز إلا لتام المعرفة وتام الورع" .(۳)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"والكلام فى الرواة يحتاج إلى ورع تام وبراء ة من الهوى والميل وخبرة كاملة بالحديث وعلله ورجاله ". (۴)

علامہ تاج السبکی کا قول ہے:

’’جو شخص جرح وتعدیل کے اسباب کا عالم نہ ہو، محدثین اس کے کسی قول کو قبول نہیں کرتے، نہ مطلق اور نہ ہی کسی قید کے ساتھ۔‘‘(۵)

اسی طرح بدر بن جماعۃؒ کا قول ہے:

’’جو اسباب جرح وتعدیل کا عالم نہ ہو۔ اس کی نہ جرح قبول کی جائے گی اور نہ تعدیل نہ مطلق اور نہ ہی کسی

---

(۱) الرفع والتکمیل: ص ٦٧
(۲) تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ۱/۴
(۳) میزان الاعتدال: ۳/۴٦
(۴) الموقظۃ للذھبی کما فی التعلیقات علی الرفع والتکمیل لأبی غدہ: ص ٦٧
(۵) جمع الجوامع للسبکی: ۲/۱۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قید کے ساتھ"۔(۱)

اور جناب بحر العلوم عبد العلی پسر ملا نظام الدین لکھنوی فرماتے ہیں:

"مزکی کے لئے ضروری ہے کہ عادل ہو، اسباب جرح وتعدیل کو جانتا ہو، منصف مزاج اور ناصح ہو، متعصب اور اپنے نفس کو پسند کرنے والا نہ ہو، کیونکہ متعصب کا قول شمار نہیں کیا جاتا الخ"۔(۲)

## جرح کی حدود:

نبی ﷺ نے باطل طریقہ سے تناول اعراض المسلمین کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ یوم النحر کے خطبہ میں آں ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"...... فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا". (۳)

یعنی "......تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح تمہارے مابین تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں حرام ہیں"۔

اس حدیث کی روشنی میں چونکہ مسلمانوں کی آبرو کی حفاظت مقدسات اسلام میں سے ایک اہم اور مقدس چیز ہے، لہذا جرح وتعدیل سے ممارست رکھنے والے اصحاب کی تذکیر کے لئے علامہ ابن دقیق العیدؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

"أعراض المسلمين حفرة من حفر النار وقف على شفيرها طائفتان من الناس: المحدثون والحكام". (۴)

یعنی "مسلمانوں کی آبرو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے جس کے کنارہ پر لوگوں کے دو گروہ کھڑے ہیں: محدثین اور حکام"۔

لہذا رواۃ پر جرح، حقد وتشنیع یا تضلیل وتحقیر یا تشہیر کے لئے نہیں بلکہ دینی وجوب کی ادائیگی، مسلمانوں کی نصیحت اور انہیں مفاسد سے دور رکھنے کے لئے کی جاتی ہے۔ اللہ عزوجل نے اس فریضہ کی ادائیگی کیلئے ائمہ اہلحدیث

---

(۱) مختصر فی أصول الحدیث لبدر بن جماعة کما فی التعلیقات علی الرفع والتکمیل لأبی غدہ: ص ۶۸

(۲) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ۲/۱۵۴

(۳) صحیح البخاری مع الفتح: ۱/۱۵۸، ۱۹۹، صحیح مسلم: ۳ نمبر ۱۳۰۶، جامع الترمذی مع التحفۃ: ۴/۴۶۱، سنن ابن ماجۃ: ۲ نمبر ۱۰۱۵، سنن الدارمی: ۱/۳۹۳

(۴) قاعدۃ فی الجرح والتعدیل فی المورخین لتاج السبکی: ص ۱۲، الطبقات الکبری للسبکی: ۲/۱۲، ۱۸، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۰۷، ۴/۳۵۵، فتح المغیث للعراقی: ص ۴۶۳، الاقتراح: ص ۳۴۴، مقدمۃ اللسان: ۱/۱۶، الوافی بالوفیات: ۴/۱۹۶، توضیح الأنظار مع توضیح الأفکار: ۲/۲۳۶، تدریب الراوی: ۲/۳۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اورآثارنبویہ کےنقادوں کواپنےاس وعدہ "﴿وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم﴾(۱) کےمطابق پیدا کیاہےلیکن ان نقادوں نےاس کے لئے بھی چندضوابط، قیودوحدودمقرر کی ہیں جوحسب ذیل ہیں:

۱۔علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اگر جرح ادنی تصریح یاایسے اشارہ کےساتھ ممکن ہوکہ جس کامفہوم سمجھ میں آتاہوتواس سے زیادہ جرح جائزنہیں ہے کیونکہ امورمرخص صرف حاجت کے لئے جائز ہوتے ہیں،اس حاجت سے آگے بڑھنے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا''۔(۲)

آں رحمہ اللہ ایک اورمقام پرتحریرفرماتے ہیں:

"لا يجوز التجريح بشيئين إذا حصل بواحد" (۳) یعنی''اگرصرف ایک جرح سے مقصد جرح حاصل ہوتاہوتودوچیزوں سے جرح کرناجائزنہیں ہے''۔

عزبن عبدالسلامؒ کاقول ہے:

"إنه لا يجوز للشاهد أن يجرح بذنبين مهما أمكن الاكتفاء بأحدهما فإن القدح إنما يجوز للضرورة فليقدر بقدرها" (۴)

یعنی''شاہد کے لئے دوگناہوں کےساتھ جرح کرناجائزنہیں ہےجبکہ ان میں سےصرف ایک کاتذکرہ ہی کافی ہوکیونکہ قدح صرف ضرورت کے وقت جائزہے،لہذاجس قدراس کی ضرورت ہوصرف اسی قدرجرح پر اکتفاءکی جائے''۔

علامہ قرافیؒ نے''الفروق الفقہیہ''(۵) میں اورمحمدعلی المالکیؒ نے''تہذیب الفروق''میں عزالدین بن عبدالسلامؒ کےاس قول سےاتفاق کیاہے،چنانچہ''تہذیب الفروق''میں لکھتے ہیں:

"إن كفى قولك: لا يصلح لك ، لم تزد عليه وإن توقف على ذكر عيب وبيانه، ذكرته ولا تجوز الزيادة عليه أو على ذكر عيبين مثلا اقتصرت عليهما وهكذا لأن إباحة الغيبة هنا كإباحة الميتة للمضطر فلا يجوز تناول شيء منها إلا بقدر الضرورة "۔(۶)

---

(۱)النور-۵۵

(۲)إعلان بالتوبيخ عن ذم أهل التواريخ:ص۶۸-۶۹

(۳)فتح المغيث للسخاوى:۴/۳۶۴

(۴)نفس مصدر:۴/۳۶۴،الجرح والتعديل لابي لبابہ حسين:ص۴۸

(۵)الفروق الفقہيہ للقرافی:۴/۲۰۵

(۶)تہذيب الفروق للمالكی:۴/۲۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب ابوالحسنات عبدالحی لکھنوئیؒ فرماتے ہیں:

''جرح ضرورت شرعیہ کے لئے جائز ہے لہذا فوق الحاجت جرح جائز نہیں ہے''۔(۱)

اور جناب انور بدخشانیؒ فرماتے ہیں:

''جارح کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ صرف بقدر ضرورت جرح کرے کیونکہ یہ ضرورت کی بنا پر جائز سمجھی گئی ہے اور جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز ہوتی ہے وہ صرف بقدر ضرورت ہی جائز ہوتی ہے''۔(۲)

۲- علماء نے جرح وتعدیل کے وقت راوی کو اس کے لقب یا وصف یا نسب مثلاً اعمش، اعرج، احول، اعمی، اصم، اشرم، ابن علیہ وغیرہ سے پکارنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس سے مراد اس راوی کی تعریف ہو نہ کہ تنقیص، تحقیر، تذلیل وتشہیر۔ یہ بھی اسی طرح صرف حاجت کے لئے جائز ہے جس طرح کہ جرح حاجت کے لئے جائز کی گئی ہے''۔(۳)

۳- وہ اشخاص جن سے کوئی حدیث مروی نہ ہو تو وہ موجب جرح نہیں ہیں لہذا ناقدین کو شرعاً ان پر جرح سے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔(۴) چنانچہ ابن السمعانی سے بعض شعراء پر منقول قدح پر تعاقب کرتے ہوئے علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں:

"إذا لم يضطر إلى القدح فيه للرواية لم يجز". (۵)

۴- اگر کسی روای کے متعلق جرح وتعدیل دونوں قسم کے اقوال مروی ہوں تو امانت کا تقاضہ ہے کہ جرح نقل کرتے ہوئے تعدیل کے اقوال بھی ذکر کئے جائیں۔ تاکہ محدثین ان کے مابین ترجیحات کا فیصلہ کرسکیں''۔(۶)

## فن جرح وتعدیل کی نزاکت:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فن جرح وتعدیل کی نزاکت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وليحذر المتكلم فى هذا الفن من التساهل فى الجرح والتعديل فإنه إن عدل بغير تثبت كان كالمثبت حكما ليس بثابت فيخشى عليه أن يدخل فى زمرة من روى حديثا وهو يظن أنه كذب وإن جرح بغير تحرز أقدم على الطعن فى مسلم برئ من ذلك ووسمه بميسم

(۱) الرفع والتکمیل: ص ۵۷ — (۲) الشرح والتفصیل فی الجرح والتعدیل للبدخشانی: ص ۶۲

(۳) الجامع للخطیب: ۲/ ۷۲-۸۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۲۹۰-۲۹۱، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۲۶۲، تدریب الراوی: ۲/ ۱۳۷، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۹۹

(۴) الرفع والتکمیل: ص ۶۵ — (۵) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۳

(۶) مستفاد من میزان الاعتدال: ۱/ ۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


سوء يبقى عليه عاره أبدا والآفة تدخل فى هذا تارة من الهوى والغرض الفاسد وكلام المتقدمين سالم من هذا غالبا وتارة من المخالفة فى العقائد وهو موجود كثيرا قديما وحديثا ولا ينبغى اطلاق الجرح بذلك فقد قدمنا تحقيق الحال فى العمل برواية المبتدعة " .(۱)

یعنی ''جرح اور تعدیل کے معاملہ میں تساہل سے کام لینا بڑا خطرناک امر ہے کیونکہ اگر ثبوت کے بغیر کسی راوی کی توثیق کردی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک خلاف واقع چیز کو حکماً واقع کے مطابق کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ایسا کرنے میں اس بات کا خوف ہے کہ وہ راوی حدیث روایت کرنے والوں کے زمرہ میں داخل ہوجائے حالانکہ وہ کذاب ہے، اسی طرح اگر ثبوت کے بغیر کسی راوی کو مجروح قرار دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ایک پاکباز مسلمان پر ناروا الزام عائد کررہے ہیں اور اس کی عزت پر بدنامی کا ایسا دھبہ لگا رہے ہیں جو قیامت تک نہ مٹے گا۔ جرح وتعدیل کے معاملہ میں جب کوئی غیر منصفانہ فیصلہ کیا جاتا ہے تو عام طور پر یہ کسی بری خواہش اور فاسد نیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ متقدمین کا اکثر کلام اس عیب سے پاک تھا۔ بعض دفعہ کسی راوی کی عدالت وضبط پر اختلاف عقائد کی وجہ سے حملہ کیا جاتا ہے اور یہ قدیم وجدید ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ اس پر جرح کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر ہم روایت مبتدع کی فصل میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں''۔

حافظ سخاویؒ اپنے شیخ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اتباع میں فرماتے ہیں:

"فالجرح والتعديل خطر لأنك إن عدلت بغير تثبت كنت كالمثبت حكما ليس بثابت فيخشى عليك أن تدخل فى زمرة من روى حديثا وهو يظن أنه كذب وإن جرحت بغير تحرز أقدمت على الطعن فى مسلم برىء من ذلك ووسمته بميسم سوء يبقى عليه عاره أبدا وهو فى الجرح بخصوصه .. فإن فيه مع حق الله ورسوله حق آدمى" .(۲)

حافظ زین الدین عراقیؒ توثیق وتجریح رواۃ کی نزاکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وليحذر المتصدى لذلك من الغرض فى جانبى التوثيق والتجريح فالمقام خطر".(۳)

علامہ ابن دقیق العیدؒ کا ایک قول جو اوپر ''جرح کی حدود'' کے تحت گزر چکا ہے اس فن کی نزاکت کو بخوبی سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

## معدل کے تزکیہ کی کس کو حاجت ہے اور کس کو نہیں؟

اس بارے میں علامہ خطیب بغدادیؒ نے ایک باب یوں قائم کیا ہے: "باب فى المحدث المشهور

(۱) نزهة النظر: ۸۸، ۱۳۶ (۲) فتح المغيث للسخاوى: ۴/ ۳۵۴
(۳) فتح المغيث للعراقى: ۴۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بالعدالة والثقة والأمانة لا يحتاج إلى تزكية المعدل" یعنی ''ان محدثین کا باب جو عدالت، ثقاہت، اور امانت کے لئے مشہور ہیں اور کسی معدل کے تزکیہ کے محتاج نہیں ہیں'' اور اس کے تحت لکھتے ہیں:

''مثال کے طور پر مالک بن انس، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ بن الحجاج، ابوعمر، اوزاعی، لیث بن سعد، حماد بن زید، عبداللہ بن مبارک، یحیی بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مھدی، وکیع بن الجراح، یزید بن ھارون، عفان بن مسلم، احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحیی بن معین اور وہ تمام محدثین جنہوں نے ان کی نباہت ذکر، استقامت امر، شہرت صدق اور بصیرت فہم کو جاری رکھا، ان سب کی عدالت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ صرف ان کی عدالت کے بارے میں تحقیق کی جائے گی جو کہ مجہول شمار ہوتے ہوں یا جن کا معاملہ سمجھنا طلباء کے لئے دشوار ہو''۔(۱)

قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانیؒ فرماتے ہیں:

''شاہد اور مخبر دونوں کو تزکیہ کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب کہ وہ عدالت و رضاء کے لئے مشہور نہ ہوں اور ان کا معاملہ مشکل ملتبس ہو نیز ان کی عدالت وغیرہ میں ہر دو طرح کا امکان پایا جاتا ہو''۔(۲)

حنبل بن اسحاق ابن حنبل بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبداللہ یعنی احمد بن حنبلؒ کو سنا کہ آپ سے امام اسحاق بن راھویہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"مثل إسحاق يسأل عنه؟ إسحاق عندنا إمام من أئمة المسلمين" .(۳)

یعنی ''اسحاقؒ جیسے شخص کے لئے پوچھا جاتا ہے؟ اسحاقؒ تو ہمارے نزدیک مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں''۔

اور حمدان بن سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحیی بن معینؒ سے ابوعبید سے حدیث کے سماع اور حدیث لکھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

"مثلی يسأل عن ابی عبيد؟ أبو عبيد يسأل عن الناس" .(۴)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۸۶-۸۷، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۱۵، الجرح والتعدیل: ۴/۱ص ۲۰۶، التمہید لابن عبدالبر: ۱/۶۳، ۶۴، ۴۷، تہذیب الأسماء: ۱/۲ص ۷۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۱۰-۱۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۲

(۲) الکفایۃ: ص ۸۷، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۲، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۱۱، تدریب الراوی: ۱/۳۰۲، توضیح الأفکار: ۲/۱۲۶، إرشاد الفحول: ۶۷

(۳) الکفایۃ: ۸۷، الجرح والتعدیل: ۱/۱ص ۲۱۰، تاریخ بغداد: ۶/۳۵۰، طبقات الفقہاء للشیرازی: ص ۹۴، وفیات الأعیان: ۱/۲۰۰، تہذیب الکمال: ۲/۳۸۲، سیر أعلام النبلاء: ۱۱/۳۷۲، تہذیب: ۱/۲۱۷، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۲، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۱۱

(۴) الکفایۃ: ص ۸۷، تہذیب الأسماء: ۱/۱ص ۲۵۸، الطبقات الکبری للسبکی: ۲/۱۵۵، سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۵۰۳، تاریخ بغداد: ۱۲/۴۱۴، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۲، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## رواۃ حدیث کی توثیق وتضعیف اجتہادی امر نہیں ہے:

جارحین ومعدلین کے درمیان بعض رواۃ حدیث کے بارے میں اختلاف رائے دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ رجال کی توثیق وتضعیف بھی گویا کوئی اجتہادی امر ہے چنانچہ ابن الھمام حنفیؒ فرماتے ہیں:

"مدار الأمر فی الرواۃ علی اجتهاد العلماء فیهم وکذا فی الشروط الخ". (۱)

یعنی ''راویوں کے ثقہ وضعیف ہونے کا مدار علماء کے اجتہاد پر ٹھہرا اور ایسے ہی شرائط کے بارے میں بھی ہے۔'' اور جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

"إن تضعیف الرجال وتوثیقهم أمر اجتهادی". (۲)

حالانکہ تمام اصحاب نظر جانتے ہیں کہ جرح وتعدیل کی اصل بنیاد امور محسوسہ یعنی مشاہدات اور مسموعات پر ہے۔ ان مشاہدات ومسموعات نیز حدیث کے متن وسند کے خورد بینی جائزے اور اپنے تجربات کی روشنی میں ہی جارحین ومعدلین کسی راوی کے متعلق کسی عصبیت، حقد ومحابات، اور لومۃ لائم کے خوف کے بغیر غایت درجہ ورع وامانت کے ساتھ اپنا فیصلہ اور حکم صادر کرتے ہیں۔ اتصال سند، توثیق الرواۃ، انکا ضابط القلب اور جید الحافظہ ہونا، راوی اور مروی عنہ کی معاصرت اور آپس میں ان کی لقاء وسماع وغیرہ کی تحقیق محض جارحین ومعدلین کی شخصی آراء، تجویز، قیاس واجتہاد کا نتیجہ نہیں ہوسکتی نیز ان جارحین ومعدلین نے رواۃ کی نسبت جو کچھ ثقه، ثبت، ثقه ثقه، ثبت ثبت، حافظ، ثقه حافظ، ثقه ثبت، صدوق، شیخ، ضابط، عادل، حجة، جید الحدیث، حسن الحدیث، صویلح، رووا عنه، یکتب عنه، یکتب حدیثه، صدوق إن شاء الله، مقبول، صالح الحدیث، مقارب الحدیث، محله الصدق، أرجوأن لابأس به، لابأس به، لیس به بأس، مأمون، خیار، وسط، متقن، له اوهام، مضطرب، مضطرب الحدیث، صدوق تغیر، صدوق یهم، صدوق سئی الحفظ، صدوق رمی بالتشیع، الی الصدق ما هو، واهم، مجهول الحال، مجهول العین، مستور، لایعرف، ساقط، واه، واه جدا، هالك، دجال، متروك، کذاب، یکذب، متهم بالکذب، وضاع، متهم بالوضع، یضع، لا یساوی شیئا، لا یساوی فلسا، ضعفوه، ترکوه، متساهل، لین الحدیث، لیس بشی، له مناکیر، منکر الحدیث، تعرف وتنکر، رکن الکذب، اکذب الناس، الیه المنتهی فی الکذب، سئی الحفظ، تکلموا فیه، ذاهب الحدیث، لیس بالقوی، لیس بالمتین، سارق الحدیث، یسرق الحدیث، لیس بثقة، غیره أوثق منه، لا یحتج به، لیس بحجة، لیس بذاك، فیه مقال، رمی بالنصب، فیه تشیع، فیه الإرجاء، شیعی، شیعی جلد، زندیق، رافضی، قدری، من الخوارج، لایکتب حدیثه، لا تحل الروایة عنه، ضعیف جدا، واه

---

(۱) فتح القدیر لابن ہمام: ۱/ ۳۱۷

(۲) قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۴۹، ۵۲، ۵۴، ۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بمرۃ، اورتالف وغیرہ الفاظ جرح وتعدیل لکھے ہیں، ان سب کی بنیاد حس، تجربات، مسموعات، مشاہدات اور ان کی روایات کے باریک بین تجزیہ پر ہے، نہ کہ قیاس واجتہاد یا ظن وتخمین پر۔ اس موضوع پر کچھ بحث راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' (۱) میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

## ائمہ جرح وتعدیل کے مابین اختلاف رائے کی وجوہ:

ائمہ جرح وتعدیل کے درمیان بعض اوقات جو اختلاف رائے نظر آتا ہے وہ بھی شخصی رائے اور اجتہاد کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی راوی کے حالات میں تبدیلی واقع ہوجانے کے باعث، کبھی راوی کے احوال کی معرفت کے ذرائع مختلف ہونے کے سبب اور کبھی جارحین ومعدلین کی شرائط ومعیار جدا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۱- اس اختلاف کی پہلی وجہ کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی ایک امام نے جب کسی راوی کے حالات کا پتہ لگایا تو اس وقت اس میں کوئی امر قابل جرح نہ تھا، لہذا اس نے تعدیل بیان کی۔ بعد میں جب کسی دوسرے امام نے اسی راوی کے متعلق معلومات جمع کیں تو وہ راوی اپنی سابقہ حالت بدل چکا تھا، چنانچہ اس دوسرے امام نے اس پر جرح کرڈالی۔ ایسے رواۃ میں سے ایک مثال عبداللہ بن لھیعہ کی ہے جو سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں۔ ابتدائی ایام میں ثقہ تھے، لیکن جب ان کے کتب خانہ میں آگ لگ گئی اور تمام کتب نظر آتش ہوگئیں تو یہ مختلط ہوگئے۔ اسی طرح جابر الجعفی ابتدائی ایام میں ثقہ تھے، لیکن بعد میں خرابی عقیدہ کی وجہ سے رجعت پر ایمان لے آئے اور جھوٹ گھڑنا شروع کردیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے کوئی راوی قوی الحافظہ اور ضابط تھا لیکن بیماری یا کبیر سنی یا کسی حادثہ کے سبب بعد میں اس کا حافظہ کمزور ہوگیا اور اسکی حالت میں تغیر آگیا، جیسے سعید بن ایاس الجریری جو فی نفسہ ثقہ تھے لیکن اختلاط کی بنا پر ضعیف ہوگئے۔

۲- اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ کسی امام کو کسی راوی کا مفصل حال معلوم نہ ہوسکا۔ جہاں تک معلوم ہوا اس میں کوئی امر قادح نہ تھا، لہذا اس نے اس راوی کی تعدیل درج کی مگر کسی دوسرے امام نے جب اسکے متعلق بعض دوسرے ذرائع کو استعمال کیا اور مزید معلومات جمع کیں تو اس کے حالات کی تحقیق کے دوران اس راوی میں کچھ قابل جرح باتیں پائیں، پس آخر الذکر امام نے اس پر جرح درج کردی۔

۳- یہ ایک بدیہی امر ہے کہ سارے انسان یکساں نہیں ہوتے، حتی کہ انبیاء ورسل میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض﴾ (۲) چونکہ انسانی ذہن ودماغ مساوی نہیں ہوتے اس لئے لوگوں کی صلاحیتیں اور سوچنے سمجھنے کے انداز بھی مختلف ہوتے

---

(۱) ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۴۶-۴۷ (۲) البقرۃ: ۲۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین میں بھی ہر طرح کے لوگ موجود ہیں، کچھ متساہل، کچھ متسامح، کچھ معتدل اور کچھ متشدد، جنہوں نے اپنے گرد ماحول اور ضرورت کے پیش نظر جرح وتعدیل کے مختلف اصول اپنائے ہیں۔ مثال کے طور پر امام عجلی اور امام ابن حبان توثیق المجہولین کے معاملہ میں بہت زیادہ متساہل واقع ہوئے ہیں۔(۱) امام ترمذی اور امام حاکم تحسین رواۃ میں متسامح مانے جاتے ہیں جبکہ امام احمد، امام دارقطنی اور امام ابن عدی معتدل اور یحیی بن سعید القطان، ابوحاتم الرازی، ابن حبان، یحیی بن معین اور نسائی وغیرھم رواۃ پر جرح کرنے میں انتہائی متشدد اور محتاط رویہ کے لئے مشہور ہیں''۔(۲)

یہ تساہل، تسامح، اعتدال اور تشدد ان جارحین ومعدلین کے اپنے اپنے معیار وشرائط جدا ہونے کے سبب ہے۔لیکن محدثین اور اصولیین نے ان اختلافات یا تعارضات کو رفع کرنے کے لئے جرح مفسر ومبہم، تعدیل مفسر ومبہم اور اطلاع علی منہاج الجارح والمعدل وغیرہ جیسے رہنما اصول وضع کئے ہیں۔(۳) ذیل میں محدثین کے نزدیک ایسے تعارض کے حل کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(نوٹ: زیر مطالعہ موضوع پر کچھ بحث راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت''(۴) میں بھی دیکھی جا سکتی ہے)۔

## جرح وتعدیل میں تعارض اور اس کا حل:

اگر کسی راوی کے متعلق جارحین ومعدلین کا اختلاف ہو، یعنی بعض ائمہ نے اس پر جرح کی ہو اور بعض نے اس کی تعدیل بیان کی ہو تو اس بارے میں محدثین کی عام رائے تو یہی ہے کہ جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھا جائیگا، لیکن

(۱) لسان المیزان لابن حجر: ۱/۱۴، بمقدمۃ کتاب الثقات لابن حبان: ۱/۱۳، الرسالۃ المستطرفۃ للکتانی: ص ۱۱۰، الرد علی التعقیب الحدیث: ص ۱۸-۲۱، الجرح والتعدیل لابی لبابہ حسین: ص ۱۶۸، الأنوار الکاشفہ للیمانی: ص ۶۸، التنکیل بما فی تأنیب الکوثری للیمانی: ۱/ ۶۶، تعلیق الشیخ الیمانی علی الفوائد المجموعہ للشوکانی: ص ۱۰۷، ۴۸۵، مقالات الکوثری: ص ۶۵، ۳۰۹، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للألبانی: ۱/۳۲، ۳۳، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للألبانی: ۲/۱۸۲، ۲۱۹

(۲) إعلان بالتوبیخ لمن ذم التواریخ للسخاوی: ص ۱۶۷، ۲۱۷، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۶۴-۳۶۵، میزان الاعتدال: ۱/ ۲۹، ۴، ۲۷، ۳/ ۲۵۵، القول المسدد فی الذب عن مسند احمد لابن حجر: ص ۳۳، زہر الربی علی المجتبی للسیوطی: ۱/ ۱۰، تہذیب: ۲/ ۱۴۷، ہدی الساری: ص ۳۸۷، ۴۴۱، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۲۴/ ۳۴۹، تعلیق علی قاعدۃ فی الجرح والتعدیل للتاج السبکی: ص ۱۴، ۱۶، ۲۷، ۲۸

(۳) تفصیل کے لئے دیکھیں الخلاصۃ فی أصول الحدیث للطیبی: ص ۵۷، قاعدۃ الجرح والتعدیل للسبکی: ص ۵-۶، التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۱۳۸، تدریب الراوی: ۱/ ۳۰۵-۳۱۵، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۸۸-۱۹۰، الرفع والتکمیل لابی الحسنات: ص ۹۹، مختصر فی علم رجال الاثر لعبدالوہاب عبداللطیف: ص ۵۴، دائرۃ المعارف الاسلامیہ بترتیب محمد فرید وجدی: ۳/ ۳۷۵

(۴) ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۴۷-۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس بارے میں تین مختلف اقوال پائے جاتے ہیں:

۱- جرح کو مطلقا مقدم سمجھا جائے گا خواہ معدلین کی تعداد جارحین کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہو۔ خطیب بغدادیؒ اور ابن الصلاحؒ نے اس قول کو ''جمہور علماء سے'' نقل کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ جرح کو اولی سمجھنا ہی ''صحیح'' ہے۔ اصولیین میں سے فخر الدین اور آمدی وغیرہ نے اس قول کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ ابوعمرو بن الحاجب نے اسے ''عن الأکثر'' نقل کیا ہے۔ (۱) ابن عساکر دمشقیؒ اس پر اہل علم کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أجمع أهل العلم على تقديم قول من جرح راويا على قول من عدله واقتضت حكاية الاتفاق فی التساوی کون ذلك أولي فيما إذا زاد عدد الجارحين". (۲)

امام خطیب بغدادیؒ اس تقدیم کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کی علت یہ ہے کہ جارح اس امر باطن کی خبر دیتا ہے جس کا کہ اس کو علم ہوتا ہے۔ ساتھ ہی وہ معدل کے قول کی بایں طور تصدیق بھی کرتا ہے کہ راوی کی جس ظاہری حالت کا معدل کو علم ہے اسے وہ جارح بھی جانتا ہے لیکن بتفردہ (یعنی جارح) اس چیز کو بھی جانتا ہے جسے کہ معدل نہیں جانتا۔ چونکہ ظاہری عدالت کی جو خبر معدل دیتا ہے، جارح کے قول کی صداقت کہ جس کی وہ خبر دیتا ہے، کی نفی نہیں کرتی۔ لہذا واجب ہے کہ جرح تعدیل سے اولی ہو''۔ (۳)

لیکن امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

''جرح کی تقدیم کا حکم اس کے مفسر ہونے کے ساتھ مقید ہونا چاہیئے۔ اگر جرح غیر مفسر ہو تو تعدیل کو مقدم کیا جائیگا جیسا کہ علامہ مزیؒ وغیرہ کا قول ہے''۔ (۴)

۲- گر معدلین کی تعداد زیادہ ہو تو تعدیل معتبر سمجھی جائے گی کیونکہ کثرت، ظن کو تقویت دیتی ہے اور قوی ظن پر عمل واجب ہوتا ہے، جیسا کہ دو متعارض حدیثوں کے درمیان ظن غالب کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (۵) لیکن علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات خطا اور واھمہ سے عبارت ہے کیونکہ اگرچہ معدلین کثیر ہوں اس امر کے عدم

---

(۱) الکفایۃ: ص ۱۰۷، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۱۹-۱۲۰، المحصول لفخر الدین: ۲/ ۱ص ۵۸۸، الأحکام للآمدی: ۲/ ۱۲۴، مختصر الأصول بشرح القاضی عضد الملۃ: ۲/ ۶۴، تقریب مع تدریب: ۱/ ۳۰۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۵۱، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۳۰، ۳۱، قواعد التحدیث: ص ۱۸۸

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۳۱

(۳) الکفایۃ: ص ۱۰۶، الخلاصۃ فی أصول الحدیث للطیبی: ص ۵۷، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۵۱، فتح المغیث: ۲/ ۱۳۱، تدریب الراوی: ۱/ ۳۰۹

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۳۲، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ص ۱۳۷، دیباچہ لسان المیزان: ۱/ ۱۵

(۵) الکفایۃ: ص ۱۰۷، المحصول لفخر الدین: ۲/ ۱ص ۵۸۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۵۱، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۳۳، فتح الباقی: ۱/ ۳۱۴، تقریب مع تدریب: ۱/ ۳۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی خبر نہیں دیتے کہ جو جارحین کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، آپؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"وهذا أبعد ممن توهمه لأن المعدلين وإن كثروا ليسوا يخبرون عن عدم ما أخبر به الجارحون ولو أخبروا بذلك وقالوا نشهد أن هذا لم يقع منه لخرجوا بذلك من أن يكونوا أهل تعديل أو جرح لأنها شهادة باطلة على نفى ما يصح ويجوز وقوعه وإن لم يعلموه فثبت ما ذكرناه ".(۱)

۳-اگر جرح وتعدیل متعارض ہوں تو ان میں سے کسی قول کو ترجیح نہ دی جائے گی اِلا بمرجح۔ ابن الحاجب نے اس کی حکایت کی ہے۔(۲)

امام سخاویؒ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:

''معدل کے پاس بسبب کثرت، زیادہ قوت ہوتی ہے اور جارح اطلاع علی الباطن کے سبب زیادہ قوت کا حامل ہوتا ہے''۔(۳)

لیکن بقول حافظ عراقیؒ ''علامہ خطیب بغدادیؒ کا کلام اس تیسرے قول کی بھی نفی کا متقاضی ہے''۔(۴)

بعض علماء کا قول ہے کہ: ''ان میں سے جو اَحفظ ہو اس کو مقدم سمجھا جائے گا''۔(۵)

لیکن متاخرین علمائے حنفیہ ایسے مختلف فیہ راوی کی تحسین کے قائل ہیں چنانچہ بقول جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب:

''اگر کوئی راوی مختلف فیہ ہو یعنی بعض نے اسے ثقہ بتایا ہو اور بعض نے ضعیف تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے''۔(۶)

اس حنفی اصول پر مبنی تحسین رواۃ کی مثالیں دیکھنا مطلوب ہوں تو ''نصب الرایہ للزیلعی''، (۷)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۱۰۷، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۵۲، فتح الباقی: ۱/۳۱۴، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۳۳، تدریب الراوی: ۱/۳۱۰

(۲) المختصر لابن الحاجب: ۲/۶۶، الطبقات الکبری للسبکی: ۲/۲۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۵۲، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۳۳، نہایۃ السؤال: ۲/۱۱۵، تدریب الراوی: ۱/۳۱۰، ہامش شرح الکوکب المنیر: ۲/۴۳۱

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۳۳

(۴) فتح المغیث للعراقی: ص ۱۵۲

(۵) محاسن الاصطلاح للبلقینی ص ۲۲۴، تدریب الراوی: ۱/۳۱۰، فتح الباقی للزکریا الأنصاری: ۱/۳۱۴، ہامش الارشاد للنووی: ۱/۱۸۱

(۶) قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۷۶-۷۷

(۷) نصب الرایہ للزیلعی: ۱/۱۸، ۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''مرقاۃ السعود''، ''حاشیہ سنن ابی داؤد'' (۱)، ''فتح القدیر''، (۲) لابن ھمام، ''التعقبات'' (۳) للسیوطی اور ''إعلاء السنن''، للتھانوی اور'' ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' (۴) وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

لیکن حق یہ ہے کہ اول الذکر قول کے سوا باقی یہ تمام اقوال مرجوح ہیں۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن بعض متاخرین علماء مثلاً علامہ زرکشیؒ وغیرہ کے اس قول میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ:

''جرح وتعدیل میں تعارض اگر ایک ہی عالم کی جہت سے ہو تو ایسی صورت میں اگر یہ معلوم کیا جا سکے کہ کون سا قول متاخر ہے، تو جو قول متاخر ہوگا اس کو ترجیح دی جائے گی، اور اگر یہ چیز معلوم نہ ہو سکتی ہو تو توقف کرنا واجب ہے''۔ (۵)

## اسباب جرح:

اسباب جرح دس ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے اور پانچ کا تعلق اس کے ضبط سے ہے۔ متعلق بہ عدالت پانچ اسباب یہ ہیں: کذب، تہمت کذب، فسق، جہالت اور بدعت۔ متعلق بہ ضبط اسباب جرح یہ ہیں: فحش غلط، کثرت غفلت، وہم، مخالفت ثقات اور سوء حفظ۔ (۶)

صحیح البخاری کے بعض رجال پر جن لوگوں نے طعن کیا ہے تو ان کے نزدیک اسباب جرح مختلف ہیں اور ان کا مدار پانچ اشیاء پر ہے مثلاً: بدعت، مخالفت، غلط، جہالت اور سند میں انقطاع کا دعوی بایں طور کہ فلاں راوی تدلیس یا ترسیل کرتا ہے۔ (۷) لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے رجال الصحیح پر کئے گئے ہر ایک طعن کا خوب تسلی بخش جواب دیا ہے (۸)، فجزاہ اللہ أحسن الجزاء۔

---

(۱) مرقاۃ السعود: ۲/۲۵۳

(۲) فتح القدیر لابن ھمام: ۱/۶۷

(۳) التعقبات للسیوطی: ص ۵۴

(۴) ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۶۶ (نقش ثانی مخطوط)

(۵) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۳۲، ھامش تدریب الراوی: ۱/۳۰۹

(۶) نخبۃ الفکر لابن حجر، تحفۃ أھل الفکر: ص ۲۰-۲۱

(۷) ھدی الساری: ص ۳۸۴

(۸) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ھدی الساری لابن حجر: ۳۸۴، ۴۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## جرح وتعدیل کے چند رہنما اصول:

جرح وتعدیل کا علم جتنا حساس، پرخطر اور دشوار ہے اتنا شاید ہی کوئی دوسرا علم ہو کیونکہ اس میں فاحص اور مفحوص دونوں بشر ہوتے ہیں اور بشر میں محابات، مدارات اور دو مساوی چیزوں میں اسراف وتجاوز کی طرح خطاء، نسیان، غصہ، تعسف اور احکام میں جور کے جذبات بھی موجود ہوتے ہیں، چنانچہ اس علم کو ان تمام عوامل کے اثرات سے پاک رکھنے کے لئے علماء نے کچھ قواعد وضوابط وضع کئے ہیں تا کہ ان کے سبب صدق ونزاہت نیز اس علم کی افادیت ہر ممکن حد تک حاصل ہو سکے۔ یہ اصول حسب ذیل ہیں:

۱- ہر جارح ومعدل پر لازم ہے کہ کسی راوی کے متعلق اپنا حتمی حکم جاری کرنے سے قبل تمام اقوال اور شہادات کی خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کر لے تا کہ اس کا حکم تمام اجحاف سے مبری ہو۔ بعض اوقات کسی راوی کے متعلق وارد جرح وتعدیل میں سے کسی ایک امام کے قول پر اعتماد کرنا تحقیق کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے، مثلاً جابر الجعفی کہ جس کے متعلق اکابر ائمہ سے جرح اور تعدیل کے متضاد اقوال منقول ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: "ما رأیت أحدا أکذب من جابر الجعفی"۔ (یعنی میں نے جابر جعفی سے زیادہ کوئی جھوٹا نہیں دیکھا) جبکہ امام وکیعؒ فرماتے ہیں: "لو لا جابر الجعفی لکان أھل الکوفة بغیر الحدیث"۔ (۱) (یعنی اگر جابر جعفی موجود نہ ہوتے تو اہل کوفہ علم حدیث سے محروم رہ جاتے) اور شعبہؒ کا قول ہے: "إذا قال جابر حدثنا فھو أوثق الناس"۔ (۲) اسی طرح صاحب مغازی محمد بن اسحاق مدنی کو امام مالکؒ نے "دجال من الدجاجلة" (۳) کہا ہے جبکہ شعبہؒ نے انہیں "أمیر المؤمنین فی الحدیث" (۴) بتایا ہے۔

امام ذہبیؒ، ابان بن یزید کے ترجمہ میں راوی کے متعلق اقوال توثیق سے امام ابن الجوزیؒ کی چشم پوشی کرنے اور صرف اس کے عیوب کو ہی بیان کرنے پر کس قدر وجیہ تنقید فرماتے ہیں: "یسرد الجرح ویسکت عن التوثیق"۔ (۵) اسماء الرجال کی کتب دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے جلیل القدر منصف مزاج علماء ایسے بھی گزرے ہیں جو اگر کسی راوی پر جرح کرتے ہیں تو اس کے فضائل ومحاسن بیان کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتے، مثال کے طور پر ابومعشر السندی کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول ملاحظہ فرمائیں:

---

(۱) کتاب العلل للترمذی: ۷۴۱/۵ (۲) میزان الاعتدال للذھبی: ۳۷۹/۱

(۳) نفس مصدر: ۴۶۹/۳

(۴) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۴/اص۱۹۲، الثقات لابن حبان: ۳۸۳/۷

(۵) میزان الاعتدال للذھبی: ۱۶/۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"له مكان في العلم والتاريخ وتاريخه احتج به الأئمة وضعفوه في الحديث". (۱)
یعنی "علم اور تاریخ میں اس کا اپنا ایک مقام ہے، ائمہ نے اس کی تاریخ سے احتجاج کیا ہے لیکن حدیث کے بارے میں اس کی تضعیف کی ہے"۔

یا اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ نے عباد بن کثیر کی دینداری کی تعریف کرتے ہوئے سفیان ثوریؒ سے ان کی تضعیف یوں نقل کی ہے:

"إن عباد بن كثير من تعرف حاله وإذا حدث جاء بأمر عظيم". (۲)
یعنی "عباد بن کثیر کا حال تو آپ جانتے ہی ہیں (کہ عبادت وزہد میں بہت آگے ہیں) لیکن جب یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو ایک بڑی بات (یعنی جھوٹ) لاتے ہیں"۔

پس جو علماء راویوں پر جرح تو نقل کرتے ہیں لیکن ان کے محاسن کا تذکرہ نہیں کرتے ان کے اقوال سے علم کی راہ میں بہت سے اوہام پیدا ہو جاتے ہیں، چنانچہ لازم ہے کہ جن رواۃ پر جرح نقل کی گئی ہو ان کے متعلق مزید بحث وتحقیق کرنی چاہیئے تاکہ قطعی طور پر واضح ہو سکے کہ وہ اقوال جرح واقعۃً درست بھی ہیں یا نہیں۔ علامہ محمد جمال الدین قاسمی نے اس سلسلہ میں ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ آں رحمہ اللہ نے پچیس ایسے رواۃ کے احوال کی جانچ پڑتال کی ہے جن پر شیعیت کا الزام تھا مگر شیخین نے صحیحین میں ان سے احتجاج کیا ہے۔ نتیجۃً آں رحمہ اللہ کو صرف دو ایسے راوی ملے جن کا تذکرہ شیعہ مسلک کی کتب رجال میں موجود تھا، باقی تیئیس رواۃ کہ جن کو شیعہ بتایا گیا ہے خود شیعہ حضرات کے نزدیک غیر معروف ہیں"۔ (۳)

۲۔ اگر جرح محض اختلاف عقائد کی بنا پر ثابت ہو تو مردود ہے۔ کبھی کبھی تو عقیدہ کا اختلاف اور اس بارے میں تعصب انسان کو کذب اور وضع تک لا کھڑا کرتا ہے چنانچہ ہم غلاۃ شیعہ کو رسول اللہ ﷺ کے اکثر اصحاب پر بلادریغ طعن وتشنیع کرتے ہوئے پاتے ہیں۔

عقائد میں اختلاف کے باعث پیدا ہونے والے تعصب نے بعض ائمہ کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے چنانچہ ان میں سے بعض کو ہم ایک دوسرے پر طعن کرتے ہوئے پاتے ہیں، بلکہ بعض نے تو اس بارے میں مجسم تہمت کو مباح کر لیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"واعلم أنه قد وقع من جماعة الطعن في جماعة بسبب اختلافهم في العقائد

---

(۱) المغازی الأولی ومؤلفوها للمستشرق یوسف هوروفتش ترجمہ حسین نصار مصطفیٰ الحلبی: ص ۹۹
(۲) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۷، وفتح الملہم: ۱/ ۲۴
(۳) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فينبغي التنبه لذلك وعدم الاعتداد به إلا بحق". (۱)

علامہ سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) اپنے شیخ امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی عقیدہ کے بارے میں عصبیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اشاعرہ قیامت کے دن آں رحمہ اللہ کے شدید دشمن ہوں گے، فرماتے ہیں: "عند من لعل أدناهم عنده أوجه منه". (۲)

علامہ سبکیؒ کا خیال ہے کہ امام ذہبیؒ اشاعرہ پر اعتماد کو جائز نہیں سمجھتے تھے چنانچہ بیان کرتے ہیں:

"وعنده على أهل السنة (أشاعرة) تحامل مفرط فلا يجوز أن يعتمد عليه". (۳)

لیکن علامہ سبکیؒ کا امام ذہبیؒ جیسے جلیل القدر محدث اور نقاد پر مذکورہ بالا اعتراض غیر درست اور انصاف سے بعید ہے کیونکہ آں رحمہ اللہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "أهل الاستقرار التام في نقد الرجال". (۴) ہیں۔

اسی طرح دوسرے مذاہب مثلاً خوارج وشیعہ وغیرہ کے متعلق علماء کی جرح برائے تعصب بھی غیر معتبر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"التشيع لا يضر إذا كان الراوي ثبت الأخذ والأداء لا سيما ولم يكن داعية إلى رأيه". (۵)

اور خوارج کے متعلق فرماتے ہیں:

"الصحيح عند الأكثرين أن الخوارج لا يكفرون ببدعتهم". (٦)

اس بارے میں مزید اصول وقواعد کی تفصیلات ان شاء اللہ آگے "مبتدعین کی روایات کا حکم" کے زیر عنوان بیان کی جائیں گی۔ مختصراً یہ سمجھ لیں کہ "اگر کسی ثابتِ عدالت شخص کے متعلق کوئی ایسی جرح ملے جس کے بارے میں قرائن سے پتہ چلتا ہو کہ یہ جرح مذہبی تعصب یا اختلاف عقائد کی بنا پر ہے تو اس کی طرف التفات نہ کیا

---

(۱) ھدی الساری: ص ۳۸۵

(۲) قاعدۃ فی الجرح والتعدیل للسبکی بتحقیق عبدالوھاب: ص ۱۴-۱۵

(۳) نفس مصدر: ص ۱۳

(۴) نزھۃ النظر: ص ۱۳۵، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳٦۴

(۵) ھدی الساری: ص ۴۰۰، فتح الباری: ۱۰/۱۸۲

(٦) فتح الباری: ۱۰/۴٦٦

(۷) قاعدۃ فی الجرح والتعدیل للسبکی بتحقیق عبدالوھاب عبداللطیف: ص ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائے گا''۔ (۷) اس سلسلہ میں علماء و محققین نے آنکھیں کھلی رکھنے اور ایسی جرح پر اعتبار نہ کرنے کے بارے میں متنبہ فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام میں گزر چکا ہے۔

۳- وہ جرح قبول نہ کی جائے گی جو فقہی مسالک کے اختلاف یا فقہی گروہ بندی اور تعصب کے باعث منقول ہو مثلاً امام ابن معینؒ کا امام شافعیؒ کے متعلق یہ فرمانا: ''لیس بثقۃ'' (۱)

۴- صوفیاء کی محدثین پر جرح مردود ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وكذا عاب جماعة من الورعين جماعة دخلوا فى أمر الدنيا فضعفوهم لذلك ولا أثر لذلك التضعيف مع الصدق والضبط". (۲)

یعنی ''اسی طرح متورع حضرات (صوفیاء) کی ایک جماعت نے ان لوگوں کی تضعیف کی ہے جو لوگ (شرعاً جائز) امور دنیا میں دخیل تھے، حالانکہ فی الحقیقت صدق وضبط کے اعتبار سے یہ تضعیف بے اثر ہے''۔

صوفیاء کے علاوہ بعض محدثین مثلاً مکحول، وھیب، زائدہ، ابن سیرین، شعبہ، احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ سے بھی اس بارے میں بعض رواۃ پر جرح منقول ہے، مثال کے طور پر زائدہؒ نے حمید الطّویل کو عمل سلطان میں سے کسی چیز میں دخول کے سبب ترک کیا تھا۔ ابن سیرینؒ، حمید بن ھلال سے دخول فی العمل کے باعث راضی نہ تھے۔ اور شعبہؒ نے خالد بن مہران پر دخول فی العمل کے باعث ہی کلام کیا ہے۔ (۳) اس طرح کی ایک اور مثال امام مکحولؒ کا امام زہریؒ پر یہ کلام ہے:

"أي رجل الزهرى لولا أنه أفسد نفسه بصحبة الملوك". (۴)

امام مالکؒ بھی سلطان اور اس کے اصحاب کے سایہ سے فقیہ کا دور رہنا مستحسن سمجھتے تھے۔ (۵) چنانچہ ذکوان ابوالزناد کے متعلق امام مالکؒ سے عمل سلطان میں دخول کے سبب کراہت منقول ہے۔ (۶)

براعظم افریقہ کے بعض مالکی صوفیاء کا خیال ہے کہ جو شخص سلطان کی ملازمت یا اس کے ساتھ کام کرنا اختیار کرتا ہے وہ مریض القلب ثقیل المکان ہے، چنانچہ فقہائے قیروان نے ابوالقاسم خلف بن البراذعی کے متعلق رفض کا

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۹۶، قاعدۃ فی الجرح والتعدیل للسبکی مع تعلیقات عبدالفتاح: ص ۱۴، ۱۶، ۲۷، ۲۸

(۲) ھدی الساری: ص ۳۸۵

(۳) نفس مصدر: ص ۴۶۱

(۴) المغازی الأولی ومؤلفوھا للمستشرق ھوروفتش (مترجم): ص ۶۲

(۵) مقدمۃ ریاض النفوس فی طبقات علماء القیروان وافریقیہ وزھادھم وعبادھم ونساکھم لابی بکر عبداللہ ابن ابی عبداللہ المالکی: ص ۱۳

(۶) ھدی الساری: ص ۴۶۲

(۷) معالم الإیمان فی معرفۃ أھل القیروان لعبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ الدباغ الأنصاری: ۳/ ۱۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فتوی دیا اور سلطان کی خدمت بجالانے اور اس کے ہدایا قبول کرنے کے باعث اس کی قرأت کو ترک کر دیا تھا۔(۷)

۵- امراء کی مجالس میں شریک ہونا اور ان سے انعامات و ہدایا قبول کرنا امر تجریح نہیں ہے۔ امام زہری اور عکرمہ ابوعبداللہ مولی ابن عباس کا امراء سے جوائز قبول کرنا ثابت ہے، لیکن کسی نے اس باعث ان کی روایات کو ترک نہیں کیا ہے، پس جوائز کا قبول کرنا روایات کے مقبول ہونے میں مانع نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وأما قبول الجوائز فلا يقدح أيضا إلا عند أهل التشديد وجمهور أهل العلم على الجواز". (۱)

۶- اگر جارح خود مجروح ہو تو اس کی جرح بالخصوص صحیحین کے رجال کے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی وہ تعدیل معتبر ہوگی جس کی موافقت کوئی دوسرا معدل نہ کرتا ہو۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

"ومن المحال أن يجرح العدل بكلام المجروح". (۲) یعنی ''مجروح کے کلام سے عدل پر جرح قائم کرنا محال ہے''۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ ابن خراش کے کلام پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابن خراش مذكور بالرفض والبدعة فلا يلتفت إليه". (۳)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"ولا عبرة بقول الأزدي لأنه هو ضعيف فكيف يعتمد في تضعيف الثقات". (۴)

اور امام ذہبیؒ، موسی بن اسماعیل المنقری کے متعلق ابن خراش کے قول: "صدوق وتكلم الناس فيه" پر تعقباً لکھتے ہیں:

"نعم تكلم الناس فيه بأنه ثقة ثبت يا رافضي". (۵) یعنی ''ہاں اے رافضی! لوگوں نے ان کے بارے میں یہ کلام کیا ہے کہ وہ ثقہ ثبت ہیں''۔

۷- نقد رواۃ کے معاملہ میں متشددین مثلاً امام نسائیؒ، ابوحاتم الرازیؒ، یحیی بن سعید القطانؒ اور ابن حبان

---

(۱) هدی الساری: ص ۴۲۵، ۴۲۸

(۲) نفس مصدر: ص ۴۲۷

(۳) نفس مصدر: ۴۳۱

(۴) نفس مصدر: ص ۳۸۶

(۵) میزان الاعتدال للذهبی: ۴/۲۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



البستیؒ وغیرھم اگر کسی راوی پر جرح کرنے میں منفرد ہوں اور وہ جرح غیر مفسر ہو تو ان کی جرح قبول نہیں کی جائے گی لیکن ان حضرات کی غیر مفسر تعدیل بلا شک وشبہ مقبول ہے۔

امام ذہبیؒ، امام ابن حبانؒ کے تشدد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابن حبان ربما قصب الثقة حتی کأنه لا یدری ما یخرج من رأسه". (۱)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"ابن حبان ربما جرح الثقة حتی کأنه لا یدری ما یخرج من رأسه". (۲)

امام یحیی بن سعید القطانؒ کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک مقام پر ''شدید التعنت'' (۳) بیان کیا ہے۔ ان کے متعلق امام ذہبیؒ بھی فرماتے ہیں:

"یحیی بن سعید القطان متعنت فی الرجال". (۴) یعنی ''امام یحیی بن سعید القطان رجال کے بارے میں بہت متشدد ہیں'' آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"لا عبرة بما قاله ابو الحسن ابن القطان". (۵) یعنی ''ابو الحسن القطان کا قول معتبر نہیں ہے''۔

اگر ابن مھدیؒ نے کسی شخص کی توثیق فرمائی ہو اور یحیی بن سعید القطانؒ نے اس کی تضعیف فرمائی ہو تو اسکے متعلق امام نسائیؒ فرماتے ہیں:

"لا یترك لما عرف من تشدید یحی ومن مثله فی النقل". (۶)

لہذا جن راویوں کو یحیی بن سعید القطانؒ نے ترک کیا تھا ان سے کبار ائمۂ حدیث مثلاً عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن مھدی وغیرھم نے روایات لی ہیں۔

امام نسائیؒ کے متعلق حافظ ابوالفضل عراقیؒ فرماتے ہیں کہ:

''امام نسائیؒ کا رجال کے بارے میں مذہب متسع تھا کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ ان کا مذہب ہر اس شخص

---

(۱) میزان الاعتدال للذھبی: ۱/۲۷۴ (۲) القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد لابن حجر: ص ۳۳

(۳) ھدی الساری: ص ۴۲۴

(۴) میزان الاعتدال: ۱/ ۳۹۷، ۴۳۷

(۵) نفس مصدر: ۳/ ۲۵۵

(۶) زھر الربی علی المجتبی للسیوطی: ۱/ ۱۰

(۷) نفس مصدر: ۱/ ۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۴، اعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التوریخ: ص ۱۶۷، شرح نخبۃ الفکر، الرفع والتکمیل: ص ۱۸۱، ۱۸۲، ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے تخریج کرنا ہے جس کے ترک کرنے پر ائمہ کا اجماع نہ ہو"۔ (۷)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"اس قول سے امام نسائیؒ کے مذہب کا متسع ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کتنے ہی ایسے رواۃ ہیں جن سے ابوداود اور ترمذی رحمہما اللہ نے روایت لی ہے لیکن نسائیؒ نے ان سے اجتناب کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو صحیحین کے رجال کی ایک جماعت سے بھی تخریج احادیث میں اجتناب کیا ہے"۔ (۱)

حافظ ابن حجرؒ، حارث بن عبداللہ الھمدانی کے ترجمہ میں امام نسائیؒ کے تعنت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حديث الحارث فى السنن الأربعة والنسائى مع تعنته فى الرجال". (۲)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "وقد احتج به النسائى مع تعنته". (۳) یعنی "امام نسائیؒ نے باوجود تعنت کے ان سے احتجاج کیا ہے"۔

امام ابوحاتم الرازیؒ کے تعنت وتشدد کا اظہار کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں: "وأبو حاتم عنده عنت". (۴) امام ذہبیؒ نے بھی "میزان" (۵) میں امام ابوحاتمؒ کے تعنت کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"ابن معين وابو حاتم من أصعب الناس تزكية". (٦)

۸- علماء کے نزدیک جرح وتعدیل کی جو صفات معتبر ہیں ان کا نہ جاننے والے کی جرح قبول نہیں کی جائے گی۔ (۷) مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی راوی کے متعلق دریافت کرے تو جارح اس پر جرح کردے لیکن جب اس جرح کی تفسیر اور سبب پوچھا جائے تو کہے: "يسمع ممن هو أصغر منه وأكبر". (۸)

علی بن عامر پر اس لئے جرح کی گئی ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹے بڑے ہر ایک سے روایت کرتے تھے، حالانکہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

۹- اقامت حد بھی جرح قادح نہیں ہے، یحیی بن معینؒ نے یعقوب بن حمید بن کاسب پر اقامت حد کے باعث جرح کرتے ہوئے کہا ہے:

---

(۱) کمافی زھر الربی علی المجتبی: ۱/۴ (۲) تہذیب التھذیب: ۲/۴۷

(۳) ھدی الساری: ص ۳۸۷ (۴) نفس مصدر: ص ۴۴۱

(۵) میزان الاعتدال للذھبی: ۱/۲۹، ۲/۳۵۵ (۶) مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۲۴/۳۴۹

(۷) المختصر فی رجال علم الأثر لعبدالوھاب عبداللطیف: ص ۴۶-۴۷، تحفۃ أہل الفکر: ص ۳۶

(۸) الکفایۃ: ص ۱۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"إن حديثه لا يجوز لأنه محدود". یعنی "اس کی حدیث جائز نہیں ہے کیونکہ وہ محدود ہے"
مگر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "فمن هذه الجهة ليس الجرح فيه قادح". (۱)

۱۰- قلیل الحدیث ہونا بھی محل جرح نہیں ہے۔ ابن القطان الفاسیؒ فرماتے ہیں کہ بعض رواۃ کے متعلق ابن معینؒ کے "ليس بشئي" فرمانے سے (اکثر اوقات) ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی احادیث بہت قلیل ہیں (یعنی اس نے بہت ساری احادیث روایت نہیں کی ہیں) (۲) واضح طور پر امام ابن سعدؒ، ابوبکر ابن ابی موسیٰ اشعریؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

"كان أكبر من أخيه أبي بردة وكان قليل الحديث يستضعف".
لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ "یہ جرح مردود ہے"۔ (۳)

۱۱- قلت شیوخ اور قلت رحلت بھی اسباب جرح نہیں ہیں۔

۱۲- اگر چہ جہالت راوی مستوجب ضعف ہے اور مجہول کی روایت حجت نہیں ہوتی کیونکہ اہل جہالت عدول نہیں ہوتے، مگر جس راوی سے شیخین نے روایت کی ہو یا جس سے چاروں ائمہ ثقات روایت کرتے ہوں وہ راوی حد جہالت سے خارج ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"جن رواۃ سے صحیح میں تخریج کی گئی ہے ان کی جہالت حال مندفعہ ہے کیونکہ صحیح کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ راوی عدالت کے ساتھ معروف ہو، پس اگر ان میں سے کسی کے متعلق کوئی یہ دعویٰ کرے کہ فلاں راوی مجہول ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ وہ امام بخاریؒ سے اس راوی کے معروف ہونے کے بارے میں نزاع کرتا ہے اور بلا شبہ کسی کی معرفت کا مدعی اس کی عدم معرفت کے مدعی سے مقدم ہوتا ہے۔ علم کی زیادتی ہی موجب اثبات ہوتی ہے۔ پس صحیح کے رجال میں کوئی ایسا راوی نہیں ملے گا جس پر اصلا جہالت کا اطلاق ممکن ہو"۔ (۴)

اسی طرح ایک اور مقام پر آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ليس بمجهول، من روى عنه أربعة ثقات". (۵)

۱۳- اگر چہ پانچ معروف اسباب جرح میں سے ایک سبب مخالفت ثقات بھی ہے، لیکن جب تک مخالفت بکثرت نہ ہو، مضر نہیں ہوتی، اسی طرح بعض ائمہ جرح کا قول: "خولف" یا "يخالف في حديثه" موجب ضعف نہیں بلکہ جرح مردود ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ثابت بن عجلان انصاری کے ترجمہ میں امام عقیلیؒ

---

(۱) ھدی الساری: ص ۴۵۴
(۲) نفس مصدر: ۴۲۱، فتح المغیث للسخاوی: ۱۲۳/۲
(۳) ھدی الساری: ص ۴۵۶
(۴) نفس مصدر: ۳۸۴، ۳۹۳
(۵) نفس مصدر: ص ۳۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے قول: "لا يتابع فى حديثة" پر ابوالحسن بن القطان کا تعقب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن ذلك لا يضره إلا إذا كثر منه رواية المناكير ومخالفة الثقات". (۱)

حافظ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"مخالفة الحافظ لا تقدح فيمن هو أحفظ منه". (۲)

امام عقیلیؒ کے صرف ایک حدیث کے سبب از ہر بن سعد السمان کو اپنی کتاب "الضعفاء" میں وارد کرنے اور "خولف فیہ" لکھنے پر تعاقب کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وهذا لا يوجب قدحا فيه". (۳) اسی طرح امام عقیلیؒ کے یوسف بن اسحاق السبیعی کو بھی اپنی کتاب "الضعفاء" میں ذکر کرنے اور اس کے متعلق "یخالف فی حدیثہ" لکھنے پر حافظ رحمہ اللہ تعقباً فرماتے ہیں: "وهذا جرح مردود". (۴)

۱۴- جن رواۃ کی عدالت ثابت ہو ان پر بعض علماء کی مبہم اور غیر مفسر جرح مردود سمجھی جائیگی، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

"كل رجل ثبتت عدالته لم يقبل فيه تجريح أحد حتى يتبين ذلك عليه بأمر لا يحتمل غير جرحه". (۵)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

"لم يلتفت أهل العلم إلى هذا النحو إلا ببيان وحجة ولم يسقط عدالتهم إلا ببرهان ثابت وحجة". (۶)

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

"لا يقبل (جرح الجارح) فيمن صحت عدالته وعلمت بالعلم عنايته وسلم من الكبائر ولزم المروءة والتعاون وكان خيره غالبا وشره أقل عمله فهذا لا يقبل فيه قول قائل لا برهان له به فهذا هو الحق الذى لا يصح غيره إن شاء الله".(۷)

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"إن كان غير مفسر لم يقدح فى من ثبتت عدالته". (۸)

---

(۱) نفس مصدر: ص ۳۹۴ — (۲) فتح الباری: ۹/۹۸

(۳) ھدی الساری: ۳۸۹ — (۴) نفس مصدر: ص ۴۵۴

(۵) تہذیب التہذیب: ۷/۲۷۳، دراسات فی الجرح والتعدیل للدکتور ضیاء الرحمٰن اعظمی: ص ۲۰۶

(۶) جزء القراءۃ خلف الإمام: ص ۳۹ طبع لاھور — (۷) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۹۹

(۸) شرح نخبۃ الفکر، تحفۃ أھل الفکر: ص ۳۵-۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس اصول کے مطابق عبدالملک بن الصباح المسمعی البصری کے متعلق خلیلی کے قول: "کان متهما بسرقة الحديث" پرتبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "فهذا جرح مبهم" (۱) اور عبدالاعلی بن عبدالاعلی کے متعلق محمد بن سعدؒ کے قول: "لم يكن بالقوى" کے متعلق فرماتے ہیں: "هذا جرح مردود غير مبين". (۲) اور یزید بن ابی مریم الدمشقی کے متعلق دارقطنیؒ کے قول: "ليس بذاك" کے متعلق فرماتے ہیں: "هذا جرح غير مفسر فهو مردود " (۳) اور یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ الکوفی کے متعلق ابونعیمؒ کے قول: "ما كان بأهل لأن أحدث عنه". کے متعلق فرماتے ہیں: "وهذا الجرح مردود بل ليس هذا بجرح ظاهر". (۴) اسی طرح امام دارقطنیؒ کے سعید بن سلیمان الواسطی کے متعلق قول: "يتكلمون فيه "کے بارے میں فرماتے ہیں: "هذا تليين مبهم لا يقبل" (۵) (اس بارے میں ان شاءاللہ تفصیلی بحث آگے پیش کی جائے گی)۔

۱۵- اگر کسی راوی پر رائے اور قیاس کے باعث جرح کی گئی ہو تو وہ بھی قابل التفات نہیں ہے۔ چونکہ بعض جارحین کے نزدیک سنداً ومتناً حدیث کو روایت کرنا ہی علم تھا، لہذا فہم آثار میں وہ لوگ رائے کے دخل کو معیوب خیال کرتے ہوئے کہتے تھے: "إنه كان من أصحاب القياس والرأى". (۶)

متقدمین کے نزدیک رائے کے محل جرح ہونے کی بہت سی مثالیں کتب رجال میں مذکور ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ محمد بن عبداللہ بن مثنی الانصاری کے ترجمہ میں "قدماء شيوخ البخاری ثقات" لکھنے کے بعد امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

"ما يضعفه عند أهل الحديث إلا النظر فى الرأى". (۷)

اسی طرح ساجیؒ، ولید بن کثیر المخزومی کے متعلق فرماتے ہیں:

"قد كان ثقة ثبتاً يحتج بحديثه لم يضعفه أحد إنما عابوا عليه الرأى". (۸)

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن پر افتاء بالرائے کے سبب کلام کیا گیا ہے''۔ (۹)

---

(۱) هدی الساری: ص ۴۲۱
(۲) نفس مصدر: ص ۴۱۶
(۳) نفس مصدر: ص ۴۵۳
(۴) نفس مصدر: ص ۴۵۱
(۵) نفس مصدر: ص ۴۰۵
(۶) الرفع والتکمیل للکنوی: ص ۱۷
(۷) هدی الساری: ص ۴۵۰، تہذیب التہذیب: ۹/۲۷۴-۲۷۶، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۷۱
(۸) هدی الساری: ص ۴۵۰
(۹) نفس مصدر: ص ۴۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام ذہبیؒ، معلیٰ بن منصور الرازی کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"قال ابو داؤد كان أحمد لا يروى عنه للرأى". (۱)

اصحاب الرائے کے متعلق امام احمدؒ سے منقول ہے: "لا يروى عن أهل الرأى". اور عبداللہ کی روایت میں ہے:

"أصحاب الرأى لا يروى عنهم الحديث". (۲)

۱۶- جس طرح جارح کی غیر وجیہ سبب کے باعث جرح مردود ہوتی ہے اسی طرح اگر کوئی معدل کسی کی تعدیل میں ائمہ کے اجماع کے برخلاف منفرد ہو تو اسکی تعدیل بھی مردود سمجھی جائے گی، مثال کے طور پر امام شافعی کا ابراہیم بن محمد بن ابی یحیی کی تعدیل میں منفرد ہونا نا قابل التفات ہے۔

امام نوویؒ، ابراہیم بن محمد بن ابی یحیی کے متعلق فرماتے ہیں:

''امام شافعیؒ کے علاوہ اور کسی نے اس کی توثیق نہیں کی ہے۔ وہ باتفاق محدثین ضعیف ہے''۔ (۳)

۱۷- جو جرح فرط حسد، غصہ وغضب، بغض وعداوت اور منافرت کے باعث ثابت ہو اسے رد کر دیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حسد اور بغض کے خطرات سے یوں متنبہ فرمایا ہے:

"دب إليكم داء الأمم الحسد والبغضاء هى الحالقة، لا اقول تحلق الشعر ولكن تحلق الدين والذى نفسى بيده لا تدخلوا الجنة، حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا أفلا أنبئكم بما يثبت ذلك لكم؟ أفشوا السلام بينكم". (۴)

اسی طرح حالت غضب وغصہ میں کسی کے متعلق فیصلہ نہ فرمانے کی ہدایت آں ﷺ سے اس طرح منقول ہے:

"لا يقضين حكم بين اثنين وهو غضبان". (۵) یعنی'' حالت غضب میں کوئی قاضی دو اشخاص کے درمیان فیصلہ نہ کرے''۔

حسد اور بغض کے جذبات چونکہ فطری کمزوریاں ہیں لہذا ان سے علماء واقران بھی محفوظ نہ تھے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض نے دوسروں پر جلالت قدر کے باوجود کلام کیا ہے......لیکن علماء میں سے ایک

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۲۳۸-۲۴۰، المغنی فی الضعفاء للذھبی: ۲/ ۶۷۰

(۲) مسودۃ آل تیمیہ فی أصول الفقہ: ص ۲۶۵

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۵

(۴) سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ: ۴/ ۶۶۴

(۵) صحیح البخاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دوسرے کے متعلق جو حاسدانہ اقوال وارد ہوں انہیں رد کردینے پر عہد صحابہ ہی سے سب کا اتفاق ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے:

"استمعوا علم العلماء ولا تصدقوا بعضهم على بعض فو الذى نفسى بيده لهم أشد تغايرا من التيوس فى ذروبتها". (۱)

اسی طرح مالک بن دینار کا قول ہے:

"يؤخذ بقول العلماء والقراء فى كل شيء إلا قول بعضهم فى بعض فإنهم أشد تحاسدا من التيوس". (۲)

امام ذہبیؒ نے بھی اس امر کی طرف یوں تاکید فرمائی ہے:

"وكلام الأقران بعضهم فى بعض لا يعبأ به لا سيما إذا لاح أنه لعداوة أو لحسد ما ينجومنه إلا من عصم الله وما علمت أن عصرا من الأعصار سلم أهله من ذلك سوى الأنبياء والصديقين". (۳)

علامہ عبدالرحمٰن المعلمی الیمانیؒ غضب وغصہ کی حالت میں کی جانے والی جرح کے متعلق فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی کے رسول کے فرمان: "لا يقضين حكم بين اثنين وهو غضبان". (بخاری) سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء اور راویوں پر حکم لگانے کے لئے خصومات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تاکید اور بحث ونظر کی ضرورت ہے''۔ (۴)

یہی وجہ ہے کہ علماء اور محققین امام مالک اور ابن اسحاق کے مابین چشمک کی جانب ملتفت نہیں ہوتے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن ایک شخص نے امام مالکؒ سے کہا کہ محمد بن اسحاق لوگوں کو آپ کے علم سے بچنے کی تاکید فرماتے ہیں، ان کا قول ہے:

"أعرضوا على علم مالك بن أنس فإنى أنا بيطاره".

یہ سن کر امام مالکؒ نے غصہ سے فرمایا:

---

(۱) المختصر فی علم رجال الأثر لعبدالوهاب عبداللطیف: ص ۵۶، جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۵۸

(۲) قاعدۃ فی الجرح والتعدیل وقاعدۃ فی المؤرخین للسبکی: ص ۶

(۳) میزان الاعتدال للذهبی: ۱/ ۱۱۱

(۴) التنکیل بمافی تأنیب الکوثری من الأباطیل للمعلمی الیمانی: ۱/ ۵۳

(۵) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۵۶، کتاب الثقات لابن حبان: ۷/ ۳۸۱ - ۳۸۵، تاریخ ابی زرعہ: ۱/ ۵۳۷، تہذیب: ۹/ ۴۲، مقدمۃ عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر لابن سید الناس: ۱/ ۱۰ - ۱۷، میزان الاعتدال: ۳/ ۴۶۸ - ۴۷۵، تہذیب مختصر السنن لابن قیم: ۷/ ۹۴ - ۹۵، ضعیف احادیث کی معرفت اوران کی شرعی حیثیت: ص ۴۴ - ۴۵، المغازی الأولی ومؤلفوها للمستشرق هوروفتس: ص ۷۹ (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"انظروا إلى دجال من الدجاجلة يروى عن اليهود ويقول أعرضوا على علم مالك". (۵)
یعنی ''دجالوں میں سے ایک دجال کو دیکھو، خودتو یہودیوں سے (قصص) روایت کرتا ہے اور مالک کے علم سے اعراض کی بابت کہتا ہے''، پس معلوم ہوا کہ اس قول سے امام مالکؒ کا مقصد ان پر کوئی حکم لگانا نہیں بلکہ فقط ذم بیان کرنا تھا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کی متکلم صوفی حارث المحاسبی پر، (۱) سفیان الثوریؒ کی ابوحنیفہؒ پر، (۲) زہری کی اپنے ہم عصر (۳) اہل مکہ پر، امام ابن مندہؒ کی ابونعیم اصبہانیؒ پر (۴)، ابن ابی ذویبؒ کی مالک بن انسؒ پر، عقیلیؒ کی علی بن مدینیؒ پر، حماد بن سلمہؒ کی شعبہؒ پر اور امام نسائیؒ کی احمد بن صالح ابی جعفر المصریؒ پر جرح کی طرف کسی ذی علم شخص نے التفات نہیں کیا ہے۔ بلکہ امام نسائیؒ کی احمد بن صالح المصریؒ پر جرح "ليس بثقة ولا مأمون". (۵) کے متعلق علامہ سخاویؒ، ابویعلی الخلیلی سے نقل فرماتے ہیں:

"اتفق الحفاظ على أن كلامه فيه تحامل، ولا يقدح كلام أمثاله فيه" . (٦)

امام ذہبیؒ تضعیف کے اس قول پر تعلیقاً لکھتے ہیں:

"آذى النسائي نفسه بكلامه فيه" . (٧)

کیونکہ بقول حافظ عراقیؒ:

''احمد بن صالح المصریؒ، امام، حافظ اور ثقہ تھے۔ ان پر یہ جرح معلق نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے تخریج کی ہے۔ احمد بن صالح المصری نے نسائی پر جفا کی لہذا ان سے ان کا دل خراب ہوگیا تھا''۔(۸)

---

(۱) تعلیق ابی غدہ علی قاعدۃ الجرح والتعدیل للتاج السبکی: ص ۶۵-۶۶

(۲) نفس مصدر: ص ۶۲-۶۴

(۳) امام زہریؒ کی اپنے ہم عصر علماء اہل مکہ پر یہ جرح بہت مشہور ہے: "أنهم ينقضون عرى الإسلام وما استثنى منهم أحدا وفيهم من جلة العلماء من لا خفاء بجلالته في الدين". (جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۸۸)

(۴) میزان الاعتدال: ۱/۵۲، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۰۳۴، ۱۰۹۷، ۱۱۹۸

(۵) ھدی الساری: ۳۸۶، تدریب الراوی: ۲/۳۶۹

(٦) ھدی الساری: ۳۸٦، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۶۵، طبقات الشافعیہ الکبری للسبکی: ۱/ ۱۸٦-۱۸۷، تہذیب: ۱/ ۳۹-۴۲، لسان المیزان: ۱/۱۸٦، میزان الاعتدال: ۱/۱۰۵، التقیید والایضاح: ص ۳۹۰، تدریب الراوی: ۲/۳۶۹

(۷) میزان الاعتدال: ۱/۱۰۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۶۵

(۸) التقیید والایضاح للعراقی: ۳۹۰، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پس معلوم ہوا کہ محققین نے علمائے جرح کی اپنے بعض معاصر علماء پر بلا حجت جرح کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وأبعد ذلك كله من الاعتبار تضعيف من ضعف بعض الرواة بأمر يكون الحمل فيه على غيره أو للتحامل بين الأقران وأشد من ذلك تضعيف من ضعف من هو أوثق منه أو أعلى قدرا أو أعرف بالحديث فكل هذا لا يعتبر به" . (۱)

امام عقیلیؒ کے امام علی بن مدینیؒ (شیخ امام بخاریؒ) کو اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں ذکر کرنے پر امام ذہبیؒ تعقباً لکھتے ہیں:

"ذكره العقيلي في كتاب الضعفاء فبئس ما صنع ...... أفما لك عقل يا عقيلي أتدري فيمن تتكلم" . (۲)

یعنی ''عقیلیؒ نے انہیں الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور بہت برا کیا ہے...... عقیلی کیا تمہیں عقل نہیں؟ جانتے ہو تم کن لوگوں کے بارے میں کلام کر رہے ہو؟''۔

۱۸- وہ جرح جو ازراہ مذاق صادر ہوئی ہو وہ بھی معتبر نہیں ہے، مثلاً ایک مرتبہ عفان بن مسلم، علی بن مدینی اور ابو بکر بن ابی شیبہ بیٹھے ہوئے تھے، گفتگو چل رہی تھی، اتنے میں عفان بن مسلم نے کہا: "ثلاثة يضعفون في ثلاثة: علي بن المديني في حماد بن زيد وأحمد في ابراهيم بن سعد وابن أبي شيبة في شريك". تو علی بن مدینیؒ نے ہنس کر کہا: "وعفان في شعبة". (۳)

۱۹- بعض راویوں کی کچھ مخصوص حالتیں ہوتی ہیں، کچھ حالات میں وہ ثقہ اور کچھ حالات میں وہ ضعیف ہوتے ہیں لہذا کہیں ان پر جرح دیکھ کر نہ انہیں مطلقاً ضعیف سمجھنا درست ہے، اور نہ ہی کہیں ان کی تعدیل دیکھ کر مطلقاً ثقہ سمجھنا صحیح ہے۔ ان مخصوص حالتوں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی راوی ایک شہر یا ایک اقلیم کی روایت میں ثقہ لیکن دوسرے شہر کی روایت میں ضعیف ہوتا ہے، مثلاً اسماعیل بن عیاش صرف شامیوں سے روایت کرنے میں ثقہ ہے، غیر شامیوں سے اس کی روایات میں ضعف ہوتا ہے۔ (۴) اسی طرح معمر بن راشد ازدی جب بصریوں سے روایت کرتا ہے تو وہ مضطرب ہوتی ہیں، لیکن یمانیوں سے اس کی روایات صحیح ہوتی ہیں''۔ (۵)

ان مخصوص حالتوں میں سے دوسری حالت یہ ہے کہ جب کوئی راوی اپنے کسی شیخ سے روایت کرتا ہے تو

---

(۱) ھدی الساری: ص ۳۸۵
(۲) میزان الاعتدال: ۳/ ۱۳۸
(۳) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۸۰
(۴) میزان الاعتدال: ۱/ ۲۴۱
(۵) شرح علل الترمذی: ص ۴۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ثقہ ہوتا ہے لیکن وہی راوی جب کسی دوسرے شیخ سے روایت کرتا ہے تو ضعیف ہوتا ہے، مثلاً جریر بن حازم بصری ثقہ ہیں، لیکن جب قتادہ سے روایت کرتے ہیں تو ضعیف ہیں، اسی طرح جعفر بن زبرقان اور صحیحین کے راوی ہشیم بن بشیر ثقہ ہیں لیکن زہری سے ان کی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں۔(۱)

ان مخصوص حالات کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی شیخ کا کوئی مخصوص شاگرد اس سے روایت کرے تو اس کی وہ روایت درست ہوتی ہے، لیکن اسی شیخ سے اس کا کوئی دوسرا شاگرد روایت کرے تو وہ ضعیف ہوتی ہے، مثلاً عبداللہ بن لھیعہ (جو سنن اَربعہ کا مشہور راوی ہے) سے اگر عبادلہ اَربعہ (یعنی عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید المقری، عبداللہ بن وھب اور عبداللہ بن مسلمہ القعنبی) روایت کریں تو ان کی روایت صحیح ہوتی ہے۔(۲)

## جرح مفسر و مبہم کی بحث:

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

''وہ جرح مقبول نہیں ہے جو مفسر مبین السبب نہ ہو کیونکہ مختلف لوگوں کے نزدیک اسباب جرح مختلف ہیں، لہذا ان میں سے ہر کوئی اپنے اعتقاد کے مطابق جس چیز کو باعث جرح سمجھتا ہے اس کی موجودگی کی صورت میں جرح کر دیتا ہے، حالانکہ وہ چیز فی نفس الامر جرح نہیں ہوتی، لہذا سبب جرح بیان کرنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ امر قادح بھی ہے یا نہیں؟''۔(۳)

......مثال کے طور پر حکم بن عتیبہؒ سے جب سوال کیا گیا کہ آپ زاذان سے روایت کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ''وہ کثیر الکلام تھا''۔(۴)

اسی طرح جریر بن عبدالحمیدؒ نے سماک بن حرب کو کھڑے ہوئے پیشاب کرتے دیکھا تو اسکو ترک کر دیا تھا۔(۵) اسی طرح شعبہؒ، منھال بن عمرو کے پاس گئے تو ان کے گھر سے ایک روایت کے مطابق طنبورہ اور دوسری روایت کے مطابق طرب یا الحان کے ساتھ قرأت کی آواز سنی تو ان کو ترک کر دیا۔(۶) اسی طرح شعبہؒ

---

(۱) میزان الاعتدال:۴/ ۳۰۸، شرح علل الترمذی: ص۳۴۳

(۲) میزان الاعتدال:۲/۴۸۲

(۳) مقدمہ ابن الصلاح: ص۱۱۷، رسالۃ فی الجرح والتعدیل للمنذری: ص۴۰، قاعدۃ فی الجرح والتعدیل للسبکی: ص۲۴، تدریب الراوی:۱/ ۳۰۵

(۴) الکفایۃ: ص۱۱۲، سیر أعلام النبلاء:۴/ ۲۸۱، میزان الاعتدال:۱/ ۳۴۴، تہذیب:۳/ ۳۰۲-۳۰۳، فتح المغیث للعراقی: ص۱۴۶، فتح المغیث للسخاوی:۲/ ۲۳-۲۴، تدریب الراوی:۱/ ۳۰۶

(۵) الکفایۃ: ص۱۱۱، سیر اعلام النبلاء:۵/ ۲۴۸، میزان:۱/ ۴۲۷، تہذیب:۶/ ۲۳۴، فتح المغیث للعراقی:۱۴۶، فتح المغیث للسخاوی:۲/ ۲۴، توضیح الأفکار:۲/ ۱۴۵

(۶) الکفایۃ: ص۱۱۲، تقدمۃ الجرح والتعدیل: ص۱۵۳، المعرفۃ والتاریخ:۲/ ۷۸۰، التھذیب:۱۰/ ۳۲، فتح المغیث للعراقی: ص۱۴۶، فتح المغیث للسخاوی:۲/ ۲۲، تدریب:۱/ ۳۰۶، توضیح الأفکار:۲/ ۱۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے ابو غالب سے محض اس وجہ سے روایت نہیں لی کہ ایک مرتبہ انہوں نے ابو غالب کو دھوپ میں حدیث بیان کرتے دیکھا تھا، حالانکہ یہ کوئی عیب کی بات نہ تھی۔ (۱) ورقاء بن عمر نے شعبہ سے سوال کیا کہ آپ نے ابی فلاں کی حدیث کیوں ترک کردی؟ تو جواب دیا: "رأيته يزن إذا وزن فيرجع في الميزان فتركت حديثه". (۲) اسی طرح ایک مرتبہ جب شعبہؒ سے پوچھا گیا "لم تركت حديث فلان". ؟ یعنی آپ نے فلاں کی حدیث کیوں ترک کی؟ تو جواب دیا: "رأيته يركض على برذون فتركت حديثه". (۳) حالانکہ گھڑ سواری کوئی امر قادح نہیں ہے۔ لہذا بعض علماء صرف انہی اقوال جرح کو قبول کرتے ہیں جو مفسر اور مبین السبب ہوں۔ لیکن اس بارے میں علماء کے درمیان چند اور مسلک بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً:

۱- تعدیل سبب کے ذکر کے بغیر بھی قبول کی جائے گی کیونکہ اس کے اسباب بکثرت ہیں اور ان کا تذکرہ دشوار ہے لیکن جب تک سبب جرح مفسر و مبین نہ ہو جرح قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ جرح کسی ایک امر کے باعث بھی ہو سکتی ہے، پس اس کا بیان کرنا باعث مشقت نہیں ہے، اسباب جرح کے متعلق علماء کا بہت اختلاف رہا ہے، پس ہر کوئی اپنے اعتقاد کے مطابق کسی بنا پر بھی راوی پر جرح کر دیتا ہے، حالانکہ نفس الامر میں وہ سبب جرح درست اور قادح نہیں ہوتا، لہذا جرح کا سبب بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ ظاہر ہو سکے کہ وہ امر فی الواقع قادح بھی ہے یا نہیں؟ (۴)

۲- بعض علماء، مثلاً امام الحرمین نے ''البرهان'' میں غزالی نے ''المنخول'' میں، فخر الدین رازی نے ''المحصول'' میں اور قاضی ابو بکر باقلانی نے جرح کے بجائے تعدیل کے سبب کا مبین و مفسر ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ (۵)

۳- بعض اصولیین نے جرح و تعدیل دونوں کے لئے سبب کا مبین و مفسر ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ (۶)

۴- بعض علماء جرح و تعدیل دونوں کے لئے سبب کا مبین و مفسر ہونا ضروری نہیں سمجھتے، بشرطیکہ جارح

---

(۱) الکفایۃ: ص ۱۱۳ (۲) المجروحین لابن حبان: ۱/۳۰

(۳) الکفایۃ: ص ۱۱۱، مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۱۸، المجروحین لابن حبان: ۱/۳۰، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۵، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۲۱، تدریب الراوی: ۱/۳۰۶، توضیح الأفکار: ۲/۱۴۴، التقریر والتحبیر: ۲/۲۵۲

(۴) مستفاد من الکفایۃ: ص ۱۰۰-۱۰۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۵، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۲۱

(۵) الکفایۃ: ص ۹۹، المستصفی للغزالی: ۱/۱۶۳، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۲۵، تدریب الراوی: ۱/۳۰۷، المختصر فی علم رجال الأثر لعبد الوہاب: ص ۴۵

(۶) فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۲۶، المستصفی للغزالی: ۱/۱۶۳، تدریب الراوی: ۱/۳۰۷، المختصر فی علم رجال الأثر لعبد الوہاب: ص ۴۵

(۷) فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۶-۱۴۷، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۲۶، تدریب الراوی: ۱/۳۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یا معدل اسباب جرح وتعدیل سے بخوبی واقف اور صاحب بصیرت ہو۔(۷)

۵- بعض علماء کے نزدیک تجریح مجمل مبہم اس راوی کے متعلق قبول کی جائے گی جس کی کسی نے تعدیل نہ کی ہو کیونکہ جب کسی کی تعدیل منقول نہ ہو تو وہ راوی مجہول کے حکم میں مانا جائے گا اور اس کے حق میں جارح کے قول کو اولی سمجھا جائے گا۔(۱)

ذیل میں ہم قول اول و چہارم کے متعلق چند مشاہیر کی آراء پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو ان کے مابین راجح قول کا فیصلہ کرنے میں دشواری نہ ہو:

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''ائمہ حفاظ اور نقادِ حدیث مثلاً امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرھما کا مذہب یہی ہے (کہ سبب جرح مفسر و مبین کے ساتھ قادح بھی ہو) اسی باعث امام بخاریؒ نے ان رواۃ کی ایک جماعت سے احتجاج کیا ہے جن کو ان سے قبل دوسرے ائمہ نے مطعون کیا تھا اور ان پر جرح (غیر قادح یا غیر مفسر) کی گئی تھی مثلاً: تابعین میں عکرمہ مولی ابن عباس، اسماعیل بن ابی اویس، عاصم بن علی اور متاخرین میں عمرو بن مرزوق وغیرھم۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے بھی سوید بن سعید اور دوسرے مشہور مطعون رواۃ کی ایک جماعت سے احتجاج کیا ہے۔ امام ابوداود سجستانیؒ اور ان کے بعد بھی متعدد ائمہ نے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان سب ائمہ کے نزدیک سبب جرح اگر مفسر نہ ہو تو وہ جرح ثابت نہیں ہوتی ہے''۔(۲)

قاضی ابوالطیب طاھر بن عبداللہ بن طاہر الطبریؒ کا قول ہے:

"لا يقبل الجرح إلا مفسرا، وليس قول أصحاب الحديث فلان ضعيف وفلان ليس بشيء مما يوجب جرحه ورد خبره وإنما كان كذلك لأن الناس اختلفوا فيما يفسق به فلا بد من ذكر سببه لينظر هل هو فسق أم لا؟". (۳)

خطیب بغدادیؒ اول الذکر قول کے متعلق فرماتے ہیں: "وهذا القول أولى بالصواب عندنا". (۴) اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

---

(۱) لقط الدرر بشرح متن نخبۃ الفکر: ص ۱۳۷، تحفۃ أھل الفکر: ص ۳۶

(۲) الکفایۃ: ص ۱۰۸-۱۰۹، تدریب الراوی: ۱/ ۳۰۵، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۲۵، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۱۷، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۱۶۷-۱۶۹

(۳) الکفایۃ: ص ۱۰۸

(۴) نفس مصدر: ص ۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اگر جارح کوئی عامی ہو تو لامحالہ اس پر سبب جرح بیان کرنا واجب ہے۔ پس بیان کیا گیا ہے کہ امام شافعیؒ اسباب جرح کے کشف کو اس لئے واجب سمجھتے تھے کہ آپ کو پتہ چلا کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص پر جرح کی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس پر کیوں جرح کی گئی ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ: اس لئے کہ اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا گیا ہے۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا: تو آخر اس میں موجب جرح کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے باعث اس کے بدن اور کپڑوں پر پیشاب کی چھینٹیں پڑتی ہوں گی اور وہ اسی طرح نماز پڑھ لیتا ہوگا۔ کسی شخص نے پوچھا کہ کیا اس کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ: نہیں۔ پھر خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ یا اس نوع کی چیزیں جرح بالتاویل اور جہل ہیں۔ کوئی عالم کسی پر اس طرح کی جرح نہیں کیا کرتا، پس اس بارے میں کشف سبب جرح واجب ہے"۔(۱)

حافظ زین الدین عراقیؒ نے پہلے قول کو "صحیح مشہور" بتایا ہے۔(۲) علامہ طیبیؒ بھی پہلے قول کو "علی الصحیح المشہور" قرار دیتے ہیں۔(۳) علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

"بعد أن يؤثق الراوی من جهة المزكين قد يكون الجرح مبهما فيه غير مفسر ومقتضى قواعد الأصول عند أهله أنه لا يقبل الجرح إلا مفسرا". (۴)

امام نوویؒ نے بھی "التقریب" میں پہلے قول کو "صحیح" بتایا ہے۔ (۵) آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"لا يقبل الجرح إلا مفسرا مبين السبب". (٦)

امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"اسباب جرح مختلف ہونے کی وجہ سے کسی راوی کے بارے میں جب تک قدح واضح نہ ہو کوئی طعن قبول نہیں کیا جائے گا"۔(۷)

بدر بن جماعہ "المختصر" میں پہلے قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "هذا هو الصحيح المختار فيهما وبه قال الشافعي". (۸)

---

(۱) نفس مصدر: ص ۱۰۸
(۲) فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۵
(۳) الخلاصۃ فی أصول الحدیث للطیبی: ص ۸۹
(۴) شرح الإلمام بأحادیث الأحکام
(۵) التقریب مع تدریب: ۱/۳۰۵
(۶) شرح مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۲۵
(۷) ھدی الساری: ص ۳۸۴
(۸) کمانی الرفع والتکمیل: ۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں:

''وہ تجریح قبول نہیں کی جاتی جس کی وجہ بیان نہ کی گئی ہو، بخلاف تعدیل کے کہ جس کے لئے صرف اس قدر کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے کہ عدل یا ثقہ''۔(۱)

شیخ زکریا بن محمد الانصاریؒ فرماتے ہیں:

''حافظ ابن الصلاح کا اس بارے میں قول بظاہر فقہ اور اصول فقہ میں مقرر ہے اور خطیبؒ کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک یہی صواب ہے''۔(۲)

علامہ کمال الدین جعفر بن ثعلب الادفویؒ فرماتے ہیں:

''اسی طرح ان کا قول ہے کہ فلاں ضعیف ہے، لیکن ضعف کی وجہ بیان نہیں کرتے، پس یہ جرح مطلق ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل ہم نے اصول میں ذکر کردی ہے۔ اولی یہ ہے کہ متاخر محدثین کا یہ قول قبول نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایسی چیزوں سے بھی جرح کردیتے ہیں جو باعث جرح نہیں ہیں۔ اسی طرح محدثین کا قول ہے کہ فلاں سیئ الحفظ ہے یا حافظ نہیں ہے، تو یہ جرح مطلق نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں محدث اور حدیث کے حال پر نظر کرنی چاہیئے''۔(۳)

صاحب ''المنار'' علامہ نسفی کے شارح، علامہ زین العابدین ابن نجیم فرماتے ہیں:

''ائمہ حدیث کی طرف سے طعن مبہم مثلاً یہ حدیث غیر ثابت یا منکر یا مجروح ہے یا اس کے راوی متروک الحدیث یا غیر عدل ہیں، راوی پر تجریح نہیں ہے، پس وہی جرح قبول کی جائیگی جو مفسر ہو اور وہ بھی متفق علیہ سبب جرح ہو''۔(۴)

عبداللطیف بن عبدالعزیز المشہور بابن ملک کا قول ہے:

''بعض علماء فرماتے ہیں کہ طعن مبہم جرح ہوسکتی ہے کیونکہ تعدیل مطلق مقبول ہے، اسی طرح جرح بھی ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اسباب تعدیل غیر منضبط ہیں۔ لیکن جرح کے لئے ایسا نہیں ہے''۔(۵)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بن محمد البخاریؒ فرماتے ہیں:

''ائمہ حدیث کی طرف سے جو طعن مجمل ہو وہ قبول نہ کیا جائے، مثلاً: یہ حدیث غیر ثابت ہے یا غیر منکر ہے یا فلاں متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح یا غیر عدل ہے وغیرہ...... یہ عام فقہاء اور محدثین کا مذہب ہے''۔(۶)

---

(۱) شرح شرح نخبۃ الفکر للقاری: ص۱۲۲

(۲) فتح الباقی بشرح الألفیۃ: ۲/۳۰۳، ۳۱۱

(۳) الامتاع بأحکام السماع للادفوی

(۴) المنار للنسفی مع شرح فتح الغفار لابن نجیم: ۲/۱۰۳

(۵) شرح المنار لابن الملک: ص۶۶۴

(۶) کشف الأسرار شرح أصول البزدوی لعبدالعزیز البخاری: ۳/۶۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''ایسا طعن جو طعن مبہم ہو قبول نہ کیا جائے گا جیسا کہ شہادت میں قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اگر بامر مجتھد فیہ مفسر ہو اور مفسر بھی ان اسباب میں سے کسی سبب سے ہو جو بالاتفاق موجب جرح ہیں لیکن اگر طاعن تعصب کے لئے معروف یا متہم ہو تو اس کی جرح مقبول نہ ہوگی''۔(۱)

قاسم بن قطلو بغا فرماتے ہیں:

''راوی پر جرح نہیں سنی جائیگی الا یہ کہ مفسر ہو اور قادح بھی''۔(۲)

علامہ ابن ھمام حنفی کا قول ہے:

''اکثر فقہاء اور محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ صرف مبین جرح ہی قابل قبول ہے، تعدیل کے لئے مبین ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا بالعکس بھی بیان کیا ہے۔ بعض دونوں میں بیان سبب کو ضروری بتاتے ہیں اور بعض دونوں میں بیان سبب کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں''۔(۳)

علامہ امیر کاتب بن امیر غازی قوام الدین اتقانی فرماتے ہیں:

"إن كان الإنكار من أئمة الحديث فلا يخلو إما أن يكون الإنكار والطعن مبهما بأن قال مطعون أو مجروح أو مفسرا فإن كان مبهما فلا يكون مقبولا". (۴)

عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ کا قول ہے:

''اگر طعن مجمل ہو تو قبول نہیں کیا جاتا اور اگر مفسر ہو تو وہ تفسیر بھی شرعاً جرح متفق علیہ ہونی چاہئے اور طاعن کا اہل نصیحت میں سے ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہ اہل عداوت و عصبیت میں سے ہو۔ ایسی صورت میں یہ جرح مقبول ہے ورنہ نہیں''۔(۵)

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

''اصولیین میں سے حذاق کے نزدیک جرح مبہم غیر مقبول ہے۔''(٦)

محمد بن فراموز رومی المعروف بملا خسرو فرماتے ہیں:

---

(۱) التحقیق شرح المنتخب الحسامی لعبد العزیز البخاری: ص ۱۶۹

(۲) شرح مختصر المنار لابن قطلو بغا کما فی الرفع والتکمیل: ص ۱۰۰

(۳) تحریر الأصول لابن ہمام: ۲/۲۵۸

(۴) التبیین شرح المنتخب الحسامی لأمیر کاتب کما فی الرفع والتکمیل: ص ۱۰۰

(۵) التوضیح شرح التنقیح لعبید اللہ بن مسعود: ۲/۱۴

(٦) البنایۃ شرح الھدایۃ للعینی: ۱/۲۳۴، ۲۶٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''اگر طعن کرنے والا محدثین میں سے ہو تو اس کا مجمل طعن کرنا، مثلاً یہ حدیث غیر ثابت ہے یا مجروح یا متروک ہے یا اس کے راوی غیر عدل ہیں، مقبول نہیں ہے، لیکن اس کا مفسر طعن جس کے سبب جرح ہونے پر علماء کا اتفاق ہو اور طاعن ناصح ہو تو یہ جرح درست ہے، ورنہ نہیں''۔(۱)

اور جناب اکرم بن عبدالرحمٰن السندیؒ فرماتے ہیں:

''اکثر حفاظ تعدیل بلا سبب قبول کرنے پر متفق ہیں لیکن جرح کو قبول نہیں کرتے اِلا یہ کہ اس جرح کا سبب مذکور ہو''۔(۲)

اگرچہ مذکورہ بالا علماء کے اقوال کے پیش نظر اول الذکر مسلک ہی درست اور راجح معلوم ہوتا ہے لیکن راقم کے نزدیک چوتھا مسلک زیادہ قوی اور ارجح ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے جمہور اہل العلم سے نقلاً فخر الدین رازیؒ نے ''المحصول''(۳) میں، امام الحرمین الجوینی نے ''البرھان الحق''(۴) میں، بلقینی نے ''محاسن الاصطلاح''(۵) میں، ابوحامد غزالی نے ''المستصفی''(۶) میں، سیف الآمدی نے ''الإحکام فی أصول الأحکام''(۷) میں، خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ فی علم الروایۃ''(۸) میں، ابوالفضل عراقی نے ''التقیید والایضاح''(۹) اور ''فتح المغیث''(۱۰) میں، علامہ سخاویؒ نے ''فتح المغیث''(۱۱) میں، حافظ ابن کثیرؒ نے ''اختصار علوم الحدیث''(۱۲) میں، علامہ منذریؒ نے ''رسالۃ فی الجرح والتعدیل''(۱۳) میں، ابن الاثیرؒ نے ''مقدمۃ جامع الأصول''(۱۴) میں، حافظ سیوطیؒ نے ''الأشباہ والنظائر''(۱۵) میں، آل تیمیہؒ نے ''المسودہ''(۱۶) میں اور علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے ''قواعد التحدیث''(۱۷) وغیرہ میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) مرآۃ الأصول شرح مرقاۃ الوصول للخسرو: ۲/۲۲۹
(۲) إمعان النظر بشرح شرح نخبۃ الفکر کما فی الرفع والتکمیل: ص ۱۱۸-۱۱۹
(۳) المحصول: ۲/اص ۵۸۸-۵۸۹
(۴) البرھان الحق للجوینی: ۱/۶۲۱-۶۲۲
(۵) محاسن الاصطلاح للبلقینی: ص ۲۲۰-۲۲۱
(۶) المستصفی للغزالی: ۱/۱۶۲-۱۶۳
(۷) الاحکام للآمدی: ۲/۱۲۲
(۸) الکفایۃ للخطیب: ۱۰۷
(۹) التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۱۱۷-۱۱۸
(۱۰) فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۶-۱۴۷
(۱۱) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۲۶-۳۰
(۱۲) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر: ص ۱۰۴
(۱۳) رسالۃ فی الجرح والتعدیل للمنذری: ص ۴۱
(۱۴) مقدمہ جامع الأصول لابن الأثیر: ۱/۱۲۷-۱۲۸
(۱۵) الاشباہ والنظائر للسیوطی: ۵۵۹
(۱۶) المسودۃ لآل تیمیۃ: ص ۲۶۹-۲۷۰
(۱۷) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے جمہور سے رواۃ حدیث پر اہل علم محدثین کی بغیر بیان سبب، جرح کو قبول کرنا حکایت کیا ہے۔ اس کو امام الحرمین، ابوبکر خطیب، غزالی اور ابن الخطیب وغیرھم نے بھی اختیار کیا ہے''۔(۱)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''جمہور ان علماء کے لئے سبب جرح کا بیان واجب قرار دیتے ہیں جو اسباب جرح وتعدیل کے عالم نہیں ہیں۔ لیکن جو ان چیزوں کے اسباب کا بخوبی علم رکھتا ہو، اس کی غیر مفسر جرح کو قبول کرتے ہیں، علامہ خطیبؒ نے ''الکفایہ'' میں قاضی ابوبکر الباقلانیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جمہور اہل علم سے اس بات کی حکایت کی ہے کہ: ''جرح کے اسباب کا نہ جاننے والا اگر جرح کرے تو اس پر جرح کے اسباب کا کشف واجب ہے''۔ اور کہا کہ: ''جمہور اہل علم کشف اسباب کو اہل علم محدثین کے لئے واجب قرار نہیں دیتے''۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''اور یہی ہمارے نزدیک بھی قوی مسلک ہے کہ اگر جارح عالم ہو تو اس پر اسباب جرح کا ترک کشف درست ہے جس طرح کہ استفسار معدل کو واجب قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اور جو قاضی ابوبکر سے ہم نے حکایت کی ہے وہ درست ہے''۔ امام الحرمین نے ''البرھان الحق'' میں فرمایا ہے کہ اگر مزکی اسباب جرح وتعدیل کا عالم ہو تو اس کا رواۃ پر اطلاق حکم ہمارے لئے کافی ہے ورنہ نہیں۔ اس بارے میں جس طرف امام الحرمین گئے ہیں اسی مسلک کو ابوحامد الغزالی اور فخر الدین الرازی وغیرھما نے بھی اختیار کیا ہے''۔(۲)

یہ مسلک اس لئے بھی درست ہے کہ اگر حافظ ابن الصلاح وغیرہ کے اول الذکر مسلک کو درست مانا جائے تو ائمہ ثقات کی فن جرح وتعدیل پر تصنیف کردہ تمام اہم کتب معطل اور غیر معتبر قرار پائیں گی، حالانکہ ان کے مصنفین علم، دین، بصیرت، تقوی، ورع، ذہانت، امانت، ثقاہت، اور عدالت وغیرہ میں راسخ وحاذق تھے۔ ائمہ متقدمین کے علاوہ متأخرین علماء، مثلاً امام نووی، حافظ منذری، تاج السبکی، زین الدین عراقی، ہیثمی، ابن الجوزی، ابن رجب حنبلی، ابن تیمیہ، ابن کثیر، ابن القیم، زرکشی، ابن دقیق العید، ابن عبدالھادی، ذہبی، العلاء المارديني، ابن حجر، سخاوی، سیوطی، زیلعی، مناوی، عینی اور ابن ھمام وغیرھم، بھی اپنی تصانیف میں بغیر سبب بیان کئے ہوئے تجریح وتعدیل اور تصحیح وتحسین وتضعیف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو کیا ان سب علماء کی کتب کو غیر معتبر قرار دینا درست ہوگا؟ یقیناً نہیں۔

امام غزالیؒ کتاب ''المنخول'' میں مذکور اپنی سابقہ رائے (یعنی سبب جرح کے بجائے سبب تعدیل

---

(۱) التقیید والإیضاح: ص ۱۱۷

(۲) نفس مصدر: ص ۱۱۸-۱۱۹، الکفایۃ: ص ۱۰۷-۱۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے بیان کے وجوب )(۱) کے برعکس اپنی دوسری کتاب ''المستصفی'' (۲) میں چوتھے مسلک کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

قاضی ابوبکر الباقلانیؒ کا قول ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

"إذا جرح من لا يعرف الجرح يجب الكشف عن ذلك ولم يوجبوا ذلك على أهل العلم بهذا الشأن ...... والذي يقوى عندنا ترك الكشف عن ذلك إذا كان الجارح عالما كما لا يجب استفسار المعدل عما به صار عنده المزكى عدلا". (۳)

علامہ تاج الدین السبکیؒ فرماتے ہیں: "إنه لا تعديل ولا جرح إلا من العالم". (۴) امام بیہقیؒ نے بھی اپنی ''السنن الکبری'' کے ایک باب کو یوں معنون فرمایا ہے: "باب لا يقبل الجرح فيمن ثبتت عدالته إلا بأن نقف على ما يجرح به". (۵)

علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں:

"وقال آخرون لا يجب ذكر سبب الجرح والتعديل جميعا لأنه إن لم يكن – أي الجارح والمعدل – بصيرا بهذا الأمر فلا يصلح للتزكية والجرح وإن كان بصيرا فأى معنى للسؤال – والصحيح أن هذا يختلف باختلاف أحوال المزكى فمن حصلت الثقة ببصيرته وضبطه يكتفى بإطلاقه ومن عرفت عدالته فى نفسه ولم تعرف بصيرته بشروط العدالة فقد يراجع ويستفسر". (۶)

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ ان ائمہ حدیث کے کلام کو بغیر ذکر سبب کے بھی مسلم ماننا چاہیئے۔ جب وہ کسی شخص کو ضعیف یا متروک یا کذاب وغیرہ کے طبقات میں بیان کرتے ہیں تو یہ معرفت رواۃ کے ضمن میں ان کے علم اور اس بارے میں ان کی اطلاع واضطلاع، ان کی دیانت وتجربہ اور انصاف ونصح سے متصف ہونے کے باعث ہے۔ چنانچہ ایک ماہر محدث ان ائمہ کی امانت، صدق اور نصح کے باعث ان کے ایسے غیر مفسر اقوال کی موافقت کرنے میں کوئی

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۲۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۷، التقیید: ص ۱۱۸، البرھان الحق: ۱/ ۶۲۱، المسودۃ: ص ۲۶۹
(۲) المستصفی: ۱/ ۱۶۲-۱۶۳
(۳) الکفایۃ: ص ۱۰۷، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۲۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۴۷، نہایۃ السؤال: ۲/ ۱۱۴
(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۲۹، فتح الباقی: ۱/ ۳۱۲ (۵) السنن الکبری للبیہقی: ۱۰/ ۱۲۴
(۶) مقدمہ جامع الوصول: ۱/ ۱۲۷-۱۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دقت محسوس نہیں کرتا۔ چنانچہ امام شافعیؒ بعض احادیث کے متعلق یوں کلام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں: "لا يثبته أهل العلم بالحديث" اور اسکو رد کرتے ہوئے مجرد اس سے حجت نہیں پکڑتے"۔(۱)

علامہ سخاویؒ چوتھے مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسے قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے خود اختیار کیا اور جمہور سے نقل کیا ہے...... خطیب بغدادیؒ نے بھی پہلے قول کی تصویب وتقریر کے بعد اس چوتھے قول ہی کو اختیار کیا ہے۔ پس فی الجملہ یہ امر اس چیز کے خلاف ہے جسے حافظ ابن الصلاح نے اختیار کیا ہے۔ (یعنی یہ کہ جرح مبہم غیر مقبول ہے) لیکن ابن جماعہ کا قول ہے: یہ قول مستقل نہیں ہے بلکہ محل نزاع ہے ۔ اگر جارح یا معدل اسباب جرح وتعدیل کا عالم نہ ہو تو اس کی جرح قبول کی جائیگی اور نہ ہی تعدیل، نہ بالاطلاق اور نہ ہی بالتقیید"۔(۲)

آں رحمہ اللہ اپنی اس رائے کو بعض دوسرے مقامات پر یوں درج فرماتے ہیں: "وكون المعتمد عدمه من العالم بأسبابهما". (۳) اور "وأن المعتمد قبولهما من العارف بأسبابهما بدون تفسير". (۴)

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی "تدریب الراوی" میں اول الذکر قول کو ترجیح دیتے ہوئے "الصحیح" قرار دیا ہے، لیکن اپنی دوسری کتاب "الأشباہ والنظائر" میں شہادت وروایت کے مابین فرق شمار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"چودھواں فرق یہ ہے کہ روایت میں عالم کی غیر مفسر جرح وتعدیل مقبول ہے لیکن شہادت میں اس کی جرح مقبول نہیں ہے الا یہ کہ مفسر ہو"۔(۵)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل عنوان یوں قائم کیا ہے: "الاعتماد فی جرح الرواة وتعديلهم على الكتب المصنفة في ذلك" اور اس کے تحت فرماتے ہیں:

"یہ امر مخفی نہیں ہے کہ لوگوں نے ائمہ حدیث کے ذریعہ رواۃ حدیث کی جرح وتعدیل پر لکھی جانے والی کتب پر اعتماد کیا ہے۔ کوئی بھی شخص یہ نہیں کہتا کہ: ان ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ کسی راوی پر اس وقت تک جرح ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مفسر نہ ہو۔ ان میں سے بعض مختصر تصانیف میں ائمہ حدیث جرح کا سبب بیان نہ کر کے مختصراً فقط یوں لکھ دیتے ہیں: ضعیف یا مستور۔ جرح مفسر کی شرط لگانے کا مطلب ان تمام مصنفات کو معطل کرنا

---

(۱) اختصار علوم الحدیث: ص ۱۰۴، محاسن الاصطلاح: ص ۲۲۲

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۲۸-۲۹

(۳) نفس مصدر: ۴/ ۳۵۱-۳۵۲

(۴) نفس مصدر: ۴/ ۳۶۷

(۵) الأشباہ والنظائر للسیوطی: ص ۵۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے مصنفین نے اختصار کے پیش نظر سبب جرح درج نہیں کیا ہے الخ''۔(۱)

پس معلوم ہوا کہ ثقہ اور صاحب بصیرت ائمہ، جو اسباب جرح وتعدیل سے بخوبی واقف ہوں، کے اقوال جرح وتعدیل کو بدون ذکر تفسیر قبول کرنے پر تمام اہل علم حضرات کا اتفاق ہے،(۲) واللہ اعلم۔

## جرح وتعدیل میں ائمہ فن کی قابل رشک نزاہت ودیانت

ان علمائے جرح وتعدیل نے اللہ عز وجل کے دین، بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی خدمت میں انتہائی اخلاص اور ورع کا ثبوت دیا ہے۔ رواۃ کے احوال کی حتی الامکان معرفت کے لئے ان کی انتہائی جدوجہد، صبر وایثار بلاشبہ مسلمانوں کے لئے قابل فخر سرمایہ ہے۔ اخبار واحادیث کے ردوقبول، رواۃ حدیث پر جرح وتعدیل اور حدیث کی تصحیح وتضعیف میں وہ کسی عزیز داری یا قرابت کا پاس بھی نہیں رکھتے تھے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر بیٹا اپنے باپ کی خبر میں یا باپ اپنے بیٹے کی خبر میں یا بھائی اپنے بھائی کی خبر میں کوئی قابل جرح چیز دیکھتا تو ہر رحم وصلہ اور ہر طرح کے لومۃ لائم سے بے نیاز ہو کر فقط اللہ عز وجل کی خوشنودی کے لئے اسے بیان کر دیتا تھا۔(۳) ذیل میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

زید بن انیسہ (م ۱۲۴ھ) اپنے بھائی کے متعلق فرماتے تھے: "لاتكتب عن أخي فإنه كذاب". (۴) یعنی ''میرے بھائی یحیی سے احادیث نہ لکھو کیونکہ وہ کذاب ہے''۔ اسی طرح وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) اگر اپنے والد کہ جو بیت المال پر مامور تھے، سے حدیث روایت کرتے تو ان کے ساتھ کسی دوسرے کی تائید کو ضرور ملحوظ رکھتے تھے کیونکہ ان میں ضعف موجود تھا۔(۵) اور مشہور محدث علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) اپنے والد عبداللہ بن جعفر سے روایت بیان نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے: "إنه ضعيف". (۶) اور امام ابوداود سجستانیؒ (م ۲۷۵ھ) اپنے فرزند کے متعلق فرماتے تھے: "ابني عبد الله كذاب". (۷) یعنی ''میرا بیٹا عبداللہ کذاب ہے''۔ اور امام ذہبیؒ اپنے فرزند ابو ہریرہ کے متعلق فرماتے تھے: "إنه حفظ القرآن ثم تشاغل عنه حتى

---

(۱) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۹۹

(۲) الجرح والتعدیل لابی لبابہ حسین: ص ۱۳۹

(۳) المدخل إلی دلائل النبوۃ: ۱/ ۵۹

(۴) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۲۷، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۱، الإعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ: ص ۱۲۰، میزان الاعتدال: ۴/ ۳۶۴

(۵) سؤالات ابی عبید الآجری أبا داود السجستانی: ص ۱۳۴، التہذیب: ۶۸۲ فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۱

(۶) میزان الاعتدال: ۲/ ۴۰۱، المجروحین: ۲/ ۱۵، التہذیب: ۵/ ۱۷۶، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۱

(۷) الکامل لابن عدی: ۴ نمبر ۱۵۷۷، تاریخ لابن عساکر: ۹/ ۵۷۳، سیر أعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۸۸، میزان الاعتدال: ۲/ ۴۳۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نسیه"(۱) اور عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ: ''اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ چاہو تو بہشت میں داخل ہو جاؤ یا عبداللہ بن محرر سے ملاقات کرلو تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ پہلے عبداللہ بن محرر سے ملاقات کروں پھر بہشت میں داخل ہو جاؤں ۔ لیکن جب میں نے اسے دیکھا تو اسے اس حال میں پایا کہ مجھے اونٹ کی چند مینگنیاں بھی اس سے زیادہ عزیز ہیں''۔(۲)

مذکورہ بالا چند واقعات کو دیکھ کر ائمۂ جرح وتعدیل کی عظمت اور رفعت شان کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علامہ سخاویؒ کے الفاظ میں ائمۂ جرح وتعدیل کی نزاہت کو یوں سمجھ لیں کہ: ''وہ لوگ اس معاملہ میں ہر قسم کے دنیاوی مفاسد مثلاً انحراف، ترک انصاف، اطراء اور افتراء وغیرہ سے محفوظ تھے''۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"والمتقدمون سالمون منه غالبا منزهون عنه لوفور ديانتهم". (۳)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"فعدلوا وجرحوا ووهنوا وصححوا ولم يحابوا أبا ولا ابنا ولا أخاء". (۴)

## کیا رواۃ حدیث پر جرح غیبت ہے؟

بعض صوفیاء کا خیال ہے کہ راویوں پر جرح کرنی جائز نہیں ہے، کیونکہ جرح میں رواۃ کے عیوب کا ذکر کیا جاتا ہے، اور کسی کے ان عیوب کا ذکر جو اس میں موجود ہوں شرعاً غیبت کہلاتا ہے، جو کہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿ولا يغتب بعضكم بعضا﴾. (۵)''اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے''۔

اس کے علاوہ یہ حضرات مندرجہ ذیل احادیث نبوی سے بھی اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں:

۱-''يا معشر من آمن بلسانه ولم يدخل الإيمان قلبه لا تغتابوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم".(۶)

۲- قيل يا رسول الله ﷺ: ما الغيبة؟ قال ذكرك أخاك بما يكره، قال: أرأيت إن كان فيه ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه ما تقول

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۶۱

(۲) المجروحین: ۱/ ۶۷،۲/ ۲۳، میزان الاعتدال: ۲/ ۵۰۰، الکامل لابن عدی: ۴/ ۱۴۰۵، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۲

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۵۴

(۴) نفس مصدر: ۴/ ۳۶۰، اعلان بالتوبیخ: ص ۱۶۳-۱۶۸، الکفایۃ: ص ۳۷-۴۶، العلل للترمذی: ۵/ ۷۳۸-۷۴۶

(۵) الحجرات: ۱۲ (۶) الکفایۃ: ص ۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فقد بهته". (۱)

اس آخر الذکر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی مسلمان کے ایسے وصف کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو غیبت کہلاتا ہے، لہذا راویوں کے معایب کا ذکر کرنا جسے محدثین "تجریح الرواۃ" کہتے ہیں جائز نہیں ہونا چاہئے۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں:

"ایک جماعت نے کہ جن کا تعلق احادیث نبوی سے نہیں ہے، اس (آخر الذکر) حدیث سے احتجاج کیا ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ بعض رواۃ کے متعلق ہمارے ائمہ کا یہ قول کہ: "فلان لیس بشئ"، "فلان ضعیف" پس اگر وہ اس قول کے مشابہ ہو تو یہ غیبت ہے ورنہ تہمت اور بہتان عظیم ہے"۔ (۲)

مگر امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ: "یہ وہ غیبت نہیں ہے کہ جس سے منع فرمایا گیا ہے"۔ (۳)

جمہور محدثین وفقہاء اور جملہ معتبر علماء کا قول ہے کہ ضعفاء پر تجریح نصیحت دین بلکہ واجبات دین میں سے ہے، چنانچہ خود انہوں نے اس امر کا التزام کیا اور رواۃ حدیث اور ناقلین اخبار کے عیوب کو واضح کیا ہے۔ امام ابن حبان اور خطیب بغدادی رحمھما اللہ نے تو اس پر جمہور محدثین وفقہا کا اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"مسلمین قاطبہ کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ احتجاج کے لئے صرف صدوق عاقل سے ہی سماع حدیث واجب ہے، پس ان کے اس اجماع میں ان رواۃ پر جرح کی اباحت کی دلیل موجود ہے جو روایت میں صدوق نہیں ہوتے الخ"۔ (۴)

امام حاکمؒ نے "المدخل" (۵) میں، امام نوویؒ نے "شرح صحیح مسلم" (۶) میں اور امام سخاویؒ نے "فتح المغیث" (۷) میں اس اجماع کو تو قیراً نقل کیا ہے۔ فقہاء ومحدثین کے اس اجماع پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اور صحیح احادیث نبوی دلالت کرتی ہیں:

﴿یایها الذین اٰمنوا إن جاء کم فاسق بنباء فتبینوا أن تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین﴾ (۸)

یعنی "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے"۔

---

(۱) صحیح مسلم، ابوداود مع العون: ۴/۴۲۰، جامع الترمذی مع التحفۃ: ۳/۱۲۶، الکفایۃ: ص ۳۷

(۲) المجروحین: ۱/۱۶-۱۷، المدخل للحاکم: ص ۳۳

(۳) المجروحین: ۱/۱۶-۱۷

(۴) المجروحین: ۱/۱۷، الکفایۃ: ص ۳۸

(۵) المدخل للحاکم: ص ۳۳-۳۴

(۶) شرح صحیح مسلم: ۱/۱۳۴

(۷) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۵۶

(۸) الحجرات: ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ بغرض احتیاط فاسق کی خبر کے تثبت کا حکم دیتا ہے''۔(۱)

امام مسلمؒ فرماتے ہیں:

''یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ فاسق کی خبر غیر مقبول ہے''۔(۲)

نبی ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ:"ليس لفاسق غيبة"(۳) یعنی ''فاسق کی غیبت نہیں ہوتی'' اور"أترعون عن ذكر الفاجر حتى يعرفه الناس اذكروه بما فيه حتى يحذره الناس"۔(۴)

اور تعدیل کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:"إن عبد الله رجل صالح"(۵) یعنی ''عبداللہ بن عمر صالح شخص ہیں''۔ جن بعض اور احادیث سے جرح کی صحت اور جواز پر استدلال کیا جاتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱-"(عن عائشة قالت:) أن رجلا استأذن على رسول الله ﷺ فقال : ائذنوا له بئس أخو العشيرة أو ابن العشيرة فلما دخل ألان له الكلام قلت يا رسول الله قلت الذى قلت ثم ألنت له الكلام قال أى عائشة إن شر الناس من تركه الناس أو ودعه الناس اتقاء فحشه" .(۶)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: کہ اس حدیث میں فسق یا فحش وغیرہ کے معلن کی غیبت کا جواز موجود ہے، آں رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

"فى الحديث جواز غيبة المعلن بالفسق أو الفحش ونحو ذلك من الجور فى الحكم والدعاء إلى البدعة مع جواز مداراتهم اتقاء شرهم ما لم يؤد ذلك إلى المداهنة فى دين الله تعالى الخ " .(۷)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر:۲/۳۵۰ (۲) مقدمہ صحیح مسلم:۱/۹

(۳) الکفایۃ:ص۴۲، ورواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ العلاء بن بشر، ضعفہ الأزدی کما فی مجمع الزوائد:۱/۱۴۹

(۴) الکفایۃ:ص۴۲، ورواہ الطبرانی فی الثلاثۃ وإسناد الأوسط والصغیر حسن، رجالہ موثقون واختلف فی بعضھم اختلافا لا یضر کما فی مجمع الزوائد:۱/۴۹

(۵) صحیح بخاری حدیث نمبر۷۰۲۹، فتح المغیث للسخاوی:۴/۳۵۶، فتح المغیث للعراقی:۴۶۴، تدریب الراوی:۲/۳۶۹

(۶) صحیح البخاری مع الفتح:۱۰/۴۵۲، ۴۷۱، صحیح مسلم بشرح النووی:۱۵/ ۳۸، ۱۶/۱۴۲، الموطأ:ص۵۶۳، الکفایۃ:ص۳۸-۳۹، فتح المغیث للسخاوی:۴/۳۵۶، فتح المغیث للعراقی:ص۴۶۴

(۷) کما فی فتح الباری:۱۰/۴۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وهذا الحديث أصل فى المداراة وفى جواز غيبة أهل الكفر والفسق ونحوهم، والله أعلم".(۱)

یعنی "یہ حدیث مدارات اور اهل الکفر والفسق وغیرہ کی غیبت کے جواز کے بارے میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے"۔

ابو حاتمؒ فرماتے ہیں:

"اس خبر میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ دیانت کے ساتھ کسی کے ان عیوب کی خبر دینا کہ جو اس میں موجود ہوں، غیبت کی جنس سے نہیں ہے۔ اگر یہ غیبت ہوتی تو نبی ﷺ ہرگز "بئس أخو العشيرة أو ابن العشيرة" (یعنی اپنے قبیلہ کا کیا ہی برا آدمی ہے) نہ فرماتے۔ غیبت تو وہ ہوتی ہے جب کہ قائل مقول کے بارے میں ارادۂ عیب جوئی کرے، جبکہ ہمارے ائمہ رحمۃ اللہ علیہم جب ان چیزوں کو بیان کرتے ہیں اور غیر عدول پر جرح کا اطلاق کرتے ہیں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ ان رواۃ کی حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔ ان کا ارادہ محض ان کے عیوب کا افشاء نہیں ہوتا۔ اگر قائل کسی کے متعلق کوئی خبر دے اور وہ بارادہ طعن وثلب نہ ہو تو یہ غیبت نہیں ہے"۔(۲)

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں نبی ﷺ کا اس شخص کے متعلق یہ ارشاد فرمانا کہ: "بئس أخو العشيرة" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخبر کا کسی شخص میں موجود ایسے عیوب کا بیان کرنا کہ جن کا بتانا دین کے لئے سائل کی نصیحت کے لحاظ سے ضروری ہو، غیبت کے حکم میں نہیں آتا"۔(۳)

۲-"عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ما أظن فلانا وفلانا يعرفان من ديننا شيئا".(رواه البخاری)

– قال قال الليث بن سعد أحد رواة هذا الحديث: "هذان الرجلان كانا من المنافقين".(۴)

امام حاکمؒ نے "المدخل" میں تجریح الرواۃ کے جواز پر اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو فاطمہؓ بنت قیس کے متعلق مروی ہے کہ ان کے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا، عدت ختم ہونے پر حضرت معاویہ اور ابوجہم

(۱) فتح الباری: ۱۰/۴۵۴ (۲) المجروحین: ۱/۱۸
(۳) الکفایۃ: ۳۹ (۴) ریاض الصالحین: ۶۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رضی اللہ عنہما نے انہیں نکاح ثانی کا پیغام دیا تو فاطمہؓ بنت قیس نے ان دونوں صحابیوں کے متعلق نبی ﷺ سے مشورہ طلب کیا، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

۳-"عن فاطمة بنت قيس قالت أتيت النبى ﷺ فقلت: إن أبا الجهم ومعاوية خطباني فقال رسول الله ﷺ أما معاوية فصعلوك لا مال له وأما أبو الجهم فلا يضع العصا عن عاتقه. متفق عليه، وفى رواية المسلم: واما ابو الجهم فضراب للنساء، وهو تفسير لرواية لا يضع العصا عن عاتقه وقيل معناه كثير الأسفار". (۱)

یعنی" فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ ابوجہم اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے تو وہ فقیر قلاش ہیں، ان کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے اور ابوجہم اپنی لاٹھی کبھی کندھے سے نہیں ہٹاتے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ عورتوں کے معاملہ میں بہت مرکھنے ہیں۔ بعض نے اس کا مطلب کثیر الاسفار بھی بیان کیا ہے"۔

بظاہر اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے ان دونوں صحابہ کے احوال ظاہر فرمائے ہیں جو دراصل غیبت کی قبیل سے نہیں ہیں۔

۴-"وعن عائشة قالت: قالت هند بنت عتبة امرأة أبى سفيان للنبى ﷺ: إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطينى ما يكفينى وولدى إلا ما أخذت منه وهو لا يعلم قال خذى ما يكفيك وولدك بالمعروف. متفق عليه". (۲)

یعنی" حضرت عائشہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ ابوسفیان بہت کنجوس شخص ہیں، مجھے اتنا بھی نہیں دیتے کہ جو میری اور میرے بچہ کی کفایت کر سکے، بجز اس کے کہ جو میں ان کی لاعلمی میں لے لوں۔ آپؐ نے فرمایا: اتنا لے لے جو معروف طریقہ پر تیرے اور تیرے بچہ کے لئے کافی ہو"۔

اس حدیث میں ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے شوہر کی عیب جوئی کی لیکن آں ﷺ نے اسے منع نہیں فرمایا، اس طرح کے اور بھی متعدد واقعات کتب حدیث میں ملتے ہیں جن کا تذکرہ طول محض کا باعث ہوگا، لہٰذا ہم انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اوپر مذکور حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے فائدہ اخذ

---

(۱) الکفایہ: ص ۳۹، صحیح مسلم بشرح النووی: ۱۰/۱۰۴، سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۲۲۸۴

(۲) ریاض الصالحین: ص ۶۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرتے ہوئے علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''اس خبر میں من جهة النصيحة ضعفاء کی روایت سے اجتناب کرنے اوران کی اخبار سے احتجاج نہ کرنے کی غرض سے جرح کی اجازت پر دلالت پائی جاتی ہے''۔(۱)

مذکورہ بالا آیت واحادیث اور علماء کی صراحت سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت ذب عن الشريعة اور حفاظت دین کے لئے کسی کے عیوب کا ذکر کرنا جائز بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب ہے۔(۲) امام بخاریؒ نے اس بارے میں ایک باب یوں مقرر کیا ہے:

"باب ما يجوز من اغتياب أهل الفساد و الريب" ۔ (۳) حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

''جرح کو شریعت کی صیانت اور خطاو کذب کی نفی کے لئے جائز کیا گیا ہے''۔(۴)

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:"وكما جاز الجرح فى الشهود جاز فى الرواة".(۵) یعنی ''جس طرح گواہوں پر جرح درست ہے اسی طرح راویوں پر بھی جرح جائز ہے''۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:"وجوز الجرح والتعديل صيانة للشريعة" .(۶) یعنی ''شریعت کی حفاظت کے لئے جرح وتعدیل کو جائز کیا گیا ہے''۔

امام عز بن عبد السلامؒ ''قواعد'' میں فرماتے ہیں:

"القدح فى الرواة واجب لما فيه من إثبات الشرع ولما على الناس فى ترك ذلك من الضرر فى التحريم والتحليل وغيرهما من الأحكام وكذلك كل خبر يجوز الشرع الاعتماد عليه والرجوع إليه وجرح الشهود واجب عند الحكام عند المصلحة لحفظ الحقوق من الدماء والأموال والأعراض والأبضاع والأنساب وسائر الحقوق".(۷)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

"...... ولذا استثنوا هذا (أى الجرح) من الغيبة المحرمة وأجمع المسلمون على جوازه بل عد من الواجبات للحاجة إليه وممن صرح بذلك النووى والعز بن عبد السلام".(۸)

---

(۱) الکفایۃ: ص۴۰
(۲) المدخل: ص۳۳، الضعفاء والمجروحین: ۱/۱۷
(۳) صحیح البخاری مع الفتح: ۱۰/۴۷۱
(۴) مقدمۃ ابن الصلاح: ص۳۸۹
(۵) التقیید والإیضاح للعراقی: ص۳۹۰
(۶) تقریب النواوی مع تدریب: ۲/۳۶۸
(۷) کما فی فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۵۶
(۸) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۵۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آں رحمہ اللہ آگے چل کر امام ابن معینؒ کا قول ہے: "إنا لنتكلم فى أناس قد حطوا رحالهم فى الجنة"۔(۱) اور امام بخاریؒ کا قول:

"ما اغتبت أحداً مذ علمت أن الغيبة حرام"۔(۲) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وحجتهم التوصل بذلك لصون الشريعة وأن حق الله ورسوله هو المقدم"۔(۳)

ربیع بن صبیح روایت کرتے ہیں کہ حسن فرمایا کرتے تھے: "ليس لاهل البدعة غيبة" (۴) اسی طرح صلت بن طریف بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے پوچھا کہ: ایک فاجر شخص اپنے فجور کا اعلانیہ ارتکاب کرتا ہے، پس میں اگر اسکے فجور کا کسی سے تذکرہ کروں تو کیا یہ غیبت ہوگی؟ آپ نے فرمایا "لا، ولا کرامۃ"۔(۵)

امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی توھم پرست اس بات کا شبہ کرے کہ جس نے حدیث مردود روایت کی ہے اس پر کلام کرنا غیبت ہے، تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ ایسا نہیں ہے کہ جیسا تم نے وہم کیا ہے بلکہ اہل علم کا اس امر پر اجماع ہے کہ دین میں دیانت اور مسلمانوں کے لئے نصیحت واجب ہے۔ اور ہم سے قاضی احمد بن کامل نے ابوسعید الھروی کے واسطہ سے روایت بیان کی ہے کہ: "ابوبکر بن الخلاد نے یحیی بن سعید القطان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کی روایت کو آپ نے ترک کیا ہے وہ اللہ تعالی کے سامنے آپ کے دشمن ہوں گے؟ یحییؒ نے فرمایا: "یہ دشمن مجھے زیادہ محبوب ہیں بہ نسبت اس بات کے کہ نبی کریم ﷺ میرے دشمن ہوں اور آپ یہ فرمائیں کیوں نہ تو نے میری حدیث سے جھوٹ کو دور کیا،" جب کہ جھوٹی گواہی دینے والے کا حال ظاہر کرنا واجب ہے چاہے وہ معمولی سا جھوٹ ہی کیوں نہ ہو، تو نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والے کا حال ظاہر کرنا زیادہ اولی اور زیادہ ضروری ہے، کیونکہ جب شاہد شہادت میں جھوٹ بولتا ہے تو اس کے کذب کو مشہود علیہ پر عائد نہیں کیا جاسکتا، اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والا تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتا ہے اور اپنا ٹھکانا آگ سے تیار کرتا ہے، تو جو شخص رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بول کر اپنا ٹھکانا آگ سے تیار کر رہا ہو اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنا کیوں کر جائز نہ ہوگا؟" (۶)

---

(۱) تاریخ ابن عساکر: ۱۰/ ۱۶۵، سیر أعلام النبلاء: ۱۱/ ۹۵، ۱۳/ ۲۶۸

(۲) تاریخ بغداد: ۲/ ۱۳، سیر اعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۴۱، طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۲۷۶، ھدی الساری: ص ۴۸۰، تغلیق التعلیق: ۵/ ۳۹۷

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۲ (۴) الکفایۃ: ص ۴۳

(۵) نفس مصدر: ص ۴۲

(۶) مقدمۃ الکامل: ص ۱۶۰، الجامع للخطیب: ۲/ ۹۱، الکفایۃ: ص ۴۴، التقیید والایضاح: ص ۳۹۰، فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۶۲، تدریب الراوی: ۲/ ۳۶۹، الاسرار المرفوعۃ: ص ۳۴-۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام شافعیؒ سے منقول ہے:

''اگر کسی محدث کو کذب کا علم ہو جائے تو اسے اس پر سکوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی یہ چیز غیبت ہے، کیونکہ علماء نقاد کی طرح ہوتے ہیں اور ناقد کے لئے دین میں یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کھرے کو کھوٹے سے علیحدہ نہ کرے''۔(۱)

محمد بن بندار الجرجانی نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ میرے لئے کسی راوی کے متعلق یہ کہنا بہت سخت معلوم ہوتا ہے کہ فلاں ضعیف اور فلاں کذاب ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا:

"إذا سكت أنت فمتى يعرف الجاهل الصحيح من السقيم".(۲) یعنی ''اگر تو خاموش رہے تو ایک جاہل صحیح کو سقیم سے کیسے جان پائے گا''۔

حسین بن علی بن الحسین الاسکافی بیان کرتے ہیں:

''میں نے امام احمد بن حنبل سے غیبت کے معنی پوچھے تو انہوں نے فرمایا: "إذا لم ترد عیب الرجل" (اگر تیری مراد کسی شخص کی عیب جوئی نہ ہو) میں نے پھر پوچھا: پس اگر ایک شخص یوں کہتا ہے کہ "فلان لم یسمع" یا "فلان یخطی" (تو کیا یہ عیب جوئی نہیں ہے؟) آپؒ نے فرمایا: اگر لوگ اسے بھی چھوڑ دیں تو صحیح کو غیر صحیح سے نہیں پہچانا جا سکتا''۔(۳)

ابو الحارثؒ فرماتے ہیں:

''میں نے سفیان ثوریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "ما أستر علی أحد یکذب فی حدیثه".(۴)

مروی ہے کہ سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے: "فلان ضعیف وفلان قوی وفلان خذوا عنه وفلان لا تأخذوا عنه وکان لایری ذلك غیبة"(۵) (یعنی فلاں ضعیف ہے، فلاں قوی ہے، فلاں سے حدیث لو اور فلاں سے حدیث مت لو، لیکن اس کو غیبت نہیں سمجھتے تھے''۔

اسی طرح مروی ہے:

"أن سفیان الثوری مر برجل فقال کذاب، والله لو لا أنه لا یحل لی أن أسکت عنه

(۱) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۵۰، الأسرار المرفوعہ: ص۳۵-۳۶

(۲) الکفایۃ: ص۴۶، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۵۱، الأسرار المرفوعہ: ص۳۵

(۳) مسودۃ آل تیمیہ فی أصول الفقہ: ص۲۸۰

(۴) المجروحین: ۱/۲۱ (۵) الاسرار المرفوعۃ: ص۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لسكت". (۱) یعنی "سفیان ثوریؒ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ یہ جھوٹا ہے۔ قسم اللہ کی اگر میرے لئے اس پر خاموش رہنا حلال ہوتا تو میں ضرور خاموش رہتا"۔

کسی شخص نے شعبہؒ سے پوچھا:

"هذا الذى تكلم فى الناس أليس هو غيبة ؟ فقال: يا أحمق هذا دين وتركه محاباة". (۲)

یعنی "وہ شخص جو لوگوں پر کلام کرتا ہو تو کیا یہ غیبت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: اے احمق! یہ تو دین ہے اور اس کا چھوڑنا خلاف انصاف ہے"۔

ابوداودؒ بیان کرتے ہیں:

"عباد بن حبیب، شعبہ کے پاس آئے اور کہا: مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ضرورت ہے؟ عباد بن حبیب نے کہا: آپ ابان بن ابی عیاش پر کلام کرنے سے باز آجائیں۔ شعبہؒ نے فرمایا: میں نے تیسرا شخص دیکھا، اور جب چوتھا شخص بھی آگیا تو آں رحمہ اللہ نے فرمایا: "يا عباد نظرت فيما قلت فرأيت أنه لا يحل السكوت عنه" یعنی اے عباد بن حبیب جو کچھ میں کہتا ہوں اس میں تمہیں نظر ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس پر سکوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے"۔ (۳)

حماد بن زید بیان کرتے ہیں:

"میرے پاس ابان بن ابی عیاش آیا اور کہا": میں چاہتا ہوں کہ آپ شعبہ سے بات کریں کہ وہ مجھ پر کلام کرنے سے باز آجائیں"، پھر بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس سلسلہ میں شعبہؒ سے بات کی تو وہ کچھ دن اس سے باز رہے لیکن ایک شب وہ میرے پاس تشریف لائے اور کہا: "انك سألتنى أن أكف عن أبان وأنه لا يحل الكف عنه فإنه يكذب على رسول الله ﷺ". یعنی تم نے مجھ سے ابان کے متعلق کلام کرنے سے باز رہنے کا سوال کیا تھا مگر اس پر کلام سے باز رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے"۔ (۴)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ بن الحجاجؒ فرمایا کرتے تھے:

"تعالوا نغتاب فى دين الله". (۵) یعنی آؤ ہم اللہ کے دین میں غیبت کریں"۔ اور ایسا ہی ابن

---

(۱) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۵۰، المجروحین: ۱/ ۲۱، الأسرار المرفوعة: ص ۳۵

(۲) الأسرار المرفوعة: ص ۳۵ — (۳) المجروحین: ۱/ ۲۰

(۴) نفس مصدر: ۱/ ۲۰، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۵۰ — (۵) الأسرار المرفوعة: ص ۳۶، الضعفاء الكبير للعقیلی: ۱/ ۱۱، ۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عیینہ سے بھی مروی ہے۔(۱)

ابوزید انصاری نحوی بیان کرتے ہیں کہ ایک بارش والے دن شعبہؒ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"ليس هذا يوم حديث" (آج حدیث کے درس کا دن نہیں بلکہ)"اليوم يوم غيبة" (آج کا دن غیبت کا دن ہے)"تعالوا حتى نغتاب الكذابين" (آؤحتی کہ ہم جھوٹوں کی غیبت کریں)"۔(۲)

مکی بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ شعبہؒ عمران بن حدیر السدوسی کے پاس تشریف لاتے تو کہتے:

"تعال حتى نغتاب ساعة في الله عز وجل".(۳) یعنی "آؤحتی کہ ہم ایک ساعت اللہ عزوجل کے لئے غیبت کریں"۔

مکی بن ابراہیم کا ایک دوسرا قول ہے کہ شعبہؒ عمران بن حدیرؒ کے پاس آتے تو کہتے:

"قم بنا حتى نغتاب في الله تبارك وتعالى".(۴) یعنی "ہمارے ساتھ اٹھوحتی کہ ہم اللہ تبارک وتعالی کے لئے غیبت کریں"۔

عفان بن مسلم ابوعثمان الانصاری بیان کرتے ہیں کہ میں اسماعیل بن علیہؒ کے پاس موجود تھا تو ایک شخص نے دوسرے شخص سے حدیث روایت کی۔ میں نے ٹوکا کہ اس سے حدیث بیان نہ کیا کرو کیونکہ وہ ثبت نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کی غیبت کی تو اسماعیل بن علیہؒ نے فرمایا:

"یہ اس کی غیبت نہیں بلکہ حکم ہے کہ وہ حدیث میں ثبت نہیں ہے"۔(۵)

محمد بن خلف بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن علیہؒ کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور ان سے لیث بن ابی سلیم کے حدیث کے متعلق دریافت کیا۔ حاضرین مجلس میں سے بعض نے کہا کہ تم لیث بن ابی سلیم کی حدیث کے متعلق کیوں پوچھتے ہو؟ وہ تو ضعیف الحدیث ہے۔ تم نے ایوب کی حدیث کے متعلق کیوں نہ دریافت کیا؟ یہ سن کر اس شخص نے کہا: سبحان اللہ!! کیا تم علماء میں سے ایک عالم کی غیبت کرتے ہو؟ یہ سن کر ابن علیہؒ نے فرمایا:

"يا جاهل أنصحك أن هذا أمانة ليس بغيبة".(۶)

ابوحاتمؒ فرماتے ہیں:

"ائمۃ المسلمین اور أهل الورع فی الدین نے رواۃ حدیث پر قدح کو مباح قرار دیا ہے اور ضعفاء

---

(۱) الأسرار المرفوعۃ: ص۳۶ (۲) الکفایۃ للخطیب: ص۴۵

(۳) المجروحین: ۱/ ۱۹، الکفایۃ: ص۴۵، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۵۰

(۴) المجروحین: ۱/ ۱۹ (۵) نفس مصدر: ۱/ ۱۸-۱۹، الکفایۃ: ص۴۳

(۶) الکفایۃ: ص۴۳، شرح صحیح مسلم: ۱/ ۱۱۸، المجروحین: ۱/ ۱۸، المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص۵۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ومتروکین کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان پر سکوت اختیار کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے بلکہ واضح کر دینا خاموشی اختیار کرنے سے افضل ہے''۔(۱)

عمرو بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحیی بن سعیدؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

''میں نے سفیان الثوری، شعبہ بن الحجاج، مالک بن انس اور سفیان بن عیینہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو واہی الحدیث ہے پس اگر کوئی شخص میرے پاس آ کر اس کے متعلق پوچھے (تو میں کیا کروں؟) ان سب نے جواب دیا کہ میں برملا کہوں کہ وہ ثبت نہیں ہے اور یہ کہ میں لوگوں کو یہ بات بیان کر دوں (فأجمعوا أن أقول: ليس هو ثبت وأن أبين أمره) (۲)۔ اور جب ان سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر تہمت کذب یا ضعف ہو تو کیا میں خاموش رہوں یا بیان کر دوں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: ''بین'' یعنی بیان کرو''۔(۳)

اسی طرح مالک، سعید اور ابن عیینہ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو حدیث میں قوی نہ ہو تو سب نے فرمایا: "بين أمره للناس". یعنی ''اس کا حال لوگوں پر بیان کر دو''۔(۴)

امام ابوزرعہ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں:

''میں نے عبد الاعلی بن مسہر الغسانیؒ (م ۲۱۸) کو کہتے ہوئے سنا کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حدیث میں غلطیاں، وہم اور تصحیف کرتا ہو تو انہوں نے فرمایا: ''بین امرہ'' یعنی اس کا حال بیان کر دو۔ میں نے ابن مسہر سے پوچھا:

"أترى ذلك من الغيبة" (کیا آپ اسے غیبت نہیں سمجھتے) فرمایا: ''لا (نہیں)''۔(۵)

امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں:

''تمام ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر دو گواہ حاکم کے سامنے کسی دنیاوی معاملہ میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں اور حاکم ان دونوں گواہوں کی عدالت سے واقف نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ کسی معدل یا مزکی سے ان کے متعلق دریافت کرے، اگر معدل ان کے بارے میں کسی عیب یا جرح کو جانتے بوجھتے چھپائے گا

---

(۱) المجروحین: ۱/۲۱

(۲) الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱/۳-۶، المدخل إلی دلائل النبوۃ: ۱/۵۶، الجرح والتعدیل: ۱/ اص ۲۴، مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۱۷، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۵۰

(۳) العلل للترمذی: ۵/۷۳۹، الکفایۃ: ص ۴۳ (۴) الأسرار المرفوعۃ: ص ۳۵

(۵) المجروحین: ۱/۲۰، الکفایۃ: ص ۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تو یہ اس کے لئے گناہ کا باعث ہوگا۔اس پر واجب ہے کہ وہ حاکم کو ان کے بارے میں جو کچھ جرح یا تعدیل جانتا ہے باخبر کردے تا کہ حاکم جو مناسب سمجھے فیصلہ کر سکے (یعنی یہ چیز غیبت شمار نہ ہوگی)۔ پس جب یہ چیز اس دنیائے فانی کے امور کے لئے جائز ہے تو رسول اللہ ﷺ پر ذب کذب کے لئے بدرجہ اولی جائز ہونی چاہئے، کیونکہ اگر گواہ اپنی گواہی میں جھوٹ بولے تو اس کا کذب متعدی نہیں ہوتا، لیکن رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے والا حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا کر اپنا ٹھکانا جہنم میں بناتا ہے، تو جس نے اپنے فعل سے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا ہو اس پر قدح کرنا کیوں کر ناجائز ہوگا؟''(۱)

امام ترمذیؒ ان لوگوں کے متعلق جو ائمہ حدیث کے رجال پر کلام کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں: "بعض من لا يفهم "(۲) اور علمائے جرح وتعدیل کے رواۃ پر کلام کی یہ علت بیان فرماتے ہیں:

''علمائے جرح وتعدیل ایسا جو کرتے ہیں تو اللہ ہی جانتا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ چیز مسلمانوں کی نصیحت کے لئے ہے۔ اس سے ان کی مراد انسانوں پر طعن یا عیبت کرنی نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے نزدیک ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان رواۃ کا ضعف بیان کر دیں تا کہ لوگ ان کو پہچان لیں کیونکہ جن کی تضعیف کی جاتی ہے ان میں سے بعض صاحب بدعت ہوتے ہیں اور بعض حدیث گھڑنے کے لئے متہم، بعض غفلت اور کثرت خطا کا شکار ہوتے ہیں۔ پس ان ائمہ کا مقصد اور ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان رواۃ کے احوال لوگوں پر بیان کردیں۔ بلاشبہ یہ دین کے ساتھ شفقت اور تثبیت ہے کیونکہ دین میں گواہی، حقوق اور اموال کی گواہی وتثبیت سے زیادہ اولی ہے''۔(۳)

امام نوویؒ نے تو رواۃ پر قدح کو باتفاق واجب قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اعلم أن جرح الرواة جائز بل واجب بالاتفاق للضرورة الداعية إليه لصيانة الشريعة المكرمة وليس هو من الغيبة المحرمة بل من النصيحة لله تعالى ورسوله ﷺ والمسلمين ولم يزل فضلاء الأئمة وأخيارهم وأهل الورع منهم يفعلون ذلك". (۴)

امام غزالی اور امام نووی فرماتے ہیں کہ صحیح شرعی مقاصد کے لئے غیبت مباح ہے بشرطیکہ اس کے سوا اس تک رسائی ممکن نہ ہو۔ اس کے چھ اسباب ہیں، جن میں سے چوتھا سبب حسب ذیل ہے:

"تحذير المسلمين من الشر ونصيحتهم وذلك من وجوه منها جرح المجروحين

(۱) المجروحين: ۱/ ۱۹، مقدمة كتاب الجرح والتعديل: ۱/ ۱ص ب

(۲) العلل للترمذی: ۵/ ۳۸ے (۳) نفس مصدر: ۵/ ۳۹ے

(۴) کمافی قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



من الرواة والشهود وذلك جائز بإجماع المسلمين بل واجب للحاجة ...... ومنها إذا رأى متفقها يتردد إلى مبتدع أو فاسق يأخذ عنه العلم وخاف أن يتضرر المتفقه بذلك فعليه نصيحته ببيان حاله بشرط أن يقصد النصيحة...... الخ"۔ (پھر فرماتے ہیں: یہ وہ چھ اسباب ہیں جن کا ذکر علماء نے کیا ہے اوران میں سے اکثر اسباب مجمع علیہ ہیں۔ان کے دلائل صحیح مشہور احادیث ہیں جو کہ یہ ہیں......الخ (۱)

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"فيمن ليس بعدل لئلا يتغطى أمره على من لا يخبره فيظنه من أهل العدالة فيحتج بخبره" .(۲)

یعنی ''جوراوی عدل نہ ہواس پر جرح جائز ہے، کیونکہ اگر اس کے کوائف پر پردہ پڑا رہے تو جو شخص اسکے احوال سے بے خبر ہے وہ اسے اہل عدالت سمجھ کر اس کی احادیث سے احتجاج کرے گا''۔

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"والإخبار عن حقيقة الأمر إذا كان على الوجه الذى ذكرناه لا يكون غيبة" .(۳)

یعنی ''رواۃ کے بارے میں حقیقت حال کو بیان کرنا اگر اس وجہ سے ہو کہ جسکا ہم نے ذکر کیا ہے تو یہ غیبت نہیں ہوسکتی''۔

پھر آں رحمہ اللہ غیبت محرمہ کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس غیبت، جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا اور اسکے رسول اللہ ﷺ نے زجر فرمایا، یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے بھائی کے عیوب کا برائی کے مقصد سے تذکرہ کرنا اور اسکی تنقیص کرنا۔ظاہر ہے کہ ان امور پر نصیحت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، لیکن جو بات دوسروں کو خائن کی خیانت سے ہوشیار رہنے یا فاسق کی خبر قبول کرنے یا جھوٹے کی گواہی سننے سے تحذیر اور نصیحت کے مقصد کے لئے ہو اس پر غیبت کا اطلاق نہیں ہوتا۔اگرچہ اس کے لئے استعمال کیا جانے والا ''کلمہ'' ایک ہی ہوتا ہے لیکن حسب اختلاف حال قائل کے اس قول کے دو مختلف معنی مراد ہوتے ہیں الخ۔''(۴)

علامہ قرافیؒ شہود اور رواۃ پر جرح کے مباح ہونے کے متعلق فرماتے ہیں:

---

(۱) ریاض الصالحین: ص۶۷۳-۶۷۵ وکذا فی إحیاء علوم الدین (کتاب آفات اللسان) ۹/۶۵

(۲) الکفایۃ للخطیب: ص۳۹ (۳) نفس مصدر: ص۳۹

(۴) نفس مصدر: ص۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"التجريح والتعديل فى الشهود عند الحاكم – إنما يجوز – عند توقع الحكم بقول المجرح ولو فى مستقبل الزمان أما عند غير الحاكم فيحرم لعدم حاجة لذلك ...... وكذلك رواة الحديث : يجوز وضع الكتب فى جرح والمجروح منهم والإخبار بذلك لطلبة العلم الحاملين لذلك لمن ينتفع به وهذا الباب أوسع من أمر الشهود لأنه لا يختص بحكام بل يجوز وضع ذلك لمن يضبطه وينقله وإن لم تعلم عين الناقل لأنه يجرى مجرى ضبط السنة والأحاديث وطالب ذلك غير متعين الخ" .(۱)

امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"أجمع العلماء على جواز جرح المجروحين من الرواة أمواتا وأحياء".(۲)

یعنی ''رواۃ میں سے مردہ وزندہ مجروحین پر جرح کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے''۔

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''علماء کا قول ہے کہ ہر صحیح غرض کے لئے شرعی غیبت مباح ہے کہ اس سے شریعت کے احکام تک رسائی کا صحیح راستہ متعین ہوتا ہے، مثلاً: تظلم، منکرات کو بدلنے پر استعانت، استفتاء، محاکمہ اور شر سے تحذیر وغیرہ۔ اس میں رواۃ اور شہود پر جرح کرنا بھی داخل ہے الخ''۔(۳)

امام ابوحنیفہؒ سے بھی جابر الجعفی وغیرہ پر جرح منقول ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "ما رأيت أحدا أكذب من جابر الجعفی ولا أفضل من عطاء بن أبی رباح"(۴) یعنی ''میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں دیکھا اور نہ عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو بافضیلت''۔ اسی طرح آں رحمہ اللہ نے زید بن عیاش کو ''مجہول'' (۵) بتایا ہے۔ طلق بن حبیب کے متعلق فرماتے ہیں: "كان يرى القدر" (۶) جہم بن صفوان اور مقاتل بن سلیمان کے متعلق فرماتے ہیں: "قاتل الله جهم بن صفوان ومقاتل بن سليمان، هذا أفرط فی النفی وهذا أفرط فی التشبيه".(۷) عمرو بن عبید کے متعلق آپ کا قول ہے: "لعن الله عمرو بن عبيد فإنه فتح للناس بابا إلى علم الكلام"(۱) اسی طرح آں رحمہ اللہ نے جعفر بن محمد کو ''صادق'' (۲) اور امام

---

(۱) الفروق الفقہیہ للقرافی: ۴/۲۰۶ (۲) فتح الباری: ۳/۲۵۹

(۳) نفس مصدر: ۱۰/۴۷۲

(۴) میزان الاعتدال: ۱/۳۰۸، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱/۱۹۶، المدخل إلی دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱/۵۵-۵۶، المجروحین: ۱/۲۰۹، العلل للترمذی مع الجامع: ۱۳/۳۰۹، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۱/۱۶۴، نصب الرایہ للزیلعی: ۱/۳۴۴، ۲/۳۴۵، ۴۹ تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/۴۴

(۵) تہذیب التہذیب: ۳/۴۲۴ (۷) الجواہر المضیئۃ لعبد القادر: ۱/۳۰

(۷) تہذیب التہذیب ج ۱۰/۲۸۱، الجواہر المضیئۃ: ۱/۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ثوریؒ کو 'ثقہ' (۳) بیان کیا ہے۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

''جرح رواۃ میں راویوں کے احوال بیان کئے جاتے ہیں۔ محدثین کے کلام سے ان کی غیبت کرنا مقصود نہیں ہوتی بلکہ محض اظہار احوال مقصود ہوتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ حدیث کی حفاظت ممکن ہو''۔ (۴)

پس واضح ہوا کہ جب وجوہ جرح موجود ہوں گے تو رواۃ پر جرح ضروری ہوگی۔ یہ جرح غیبت کی قبیل سے نہیں بلکہ دین کی صیانت وحفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں جرح راوی کے ان معایب کے ذکر کا نام ہے جن کی وجہ سے اس کی روایت کی صحت پر اثر پڑتا ہے۔ مگر صوفیاء کے طبقہ کی طرف سے اس جلیل القدر فن پر ہمیشہ سے اعتراض کیا جاتا رہا ہے، تاکہ ان کے افکار باطلہ پر گرفت کا کوئی مؤثر ذریعہ باقی نہ رہے، اور وہ اپنی من مانی خرافات کو دین کے نام پر بلا روک ٹوک شائع وعام کرسکیں، چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ مشہور صوفی عسکر بن الحصین المعروف بأبي تراب النخشبي نے امام احمد بن حنبلؒ کو بعض رواۃ حدیث پر جرح کرتے ہوئے سنا تو ان سے کہا:

"یا شیخ لا تغتب العلماء" یعنی ''اے بزرگ! علماء کی غیبت نہ کرو''۔ یہ سن کر امام احمد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "ویحك هذا نصیحة لیس هذا غیبة" (۵)

اسی طرح عبداللہ بن مبارک کے ترجمہ میں قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں ''بعض صوفیاء نے ابن مبارک سے بعض رواۃ کی تضعیف سن کر کہا: "یا أبا عبد الرحمن تغتاب"؟ (یعنی اے ابوعبدالرحمٰن کیا آپ غیبت کرتے ہیں؟) تو آں رحمہ اللہ نے جواب دیا: "اسکت، إذا لم نبین فمن أین یعرف الحق من الباطل؟" (خاموش رہ، اگر ہم یہ بیان نہ کریں تو کوئی حق کو باطل سے کس طرح پہچانے گا؟''۔ (۶)

جرح وتعدیل کی رد میں اکثر وبیشتر مندرجہ ذیل دو واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے:

۱- ''بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مشہور صوفی یوسف بن الحسین الرازی جنہیں صوفیاء کے طبقہ ابدال

---

(۱) الجواهر المضیئة: ۱/۱۳۱ (۲) تذکرة الحفاظ للذهبي: ۱/۱۶۶

(۳) الجواهر المضیئة: ۱/۳۰

(۴) المدخل للحاکم: ص۴۴

(۵) الکفایة: ص۴۵، فتح المغیث للعراقي: ص۴۶۳، التقیید والإیضاح: ص۳۹۰، فتح المغیث للسخاوي: ۴/۳۵۶، الإرشاد للنووي: ۲/۶۵۶، تلبیس ابلیس لابن الجوزي: ص۳۶۰، طبقات الحنابلة للقاضي ابن أبي یعلی: ۱/۲۴۸-۲۴۹، تدریب الراوي: ۲/۳۶۹

(۶) ترتیب المدارک للقاضي عیاض: ۳/۵، الکفایة: ص۴۵، تدریب الراوي: ۲/۳۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


میں شمار کیا جاتا ہے عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ کی مجلس درس میں داخل ہوئے۔ اس وقت آں رحمہ اللہ اپنے شاگردوں کو کتاب الجرح والتعدیل کا درس دے رہے تھے۔ یوسف بن الحسین نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا: اے ابومحمد! تم لوگوں کو یہ کیا چیز پڑھ کر سنا رہے ہو؟ آں رحمہ اللہ نے جواب دیا: ایک کتاب، جو میں نے الجرح والتعدیل کے متعلق تصنیف کی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ جرح وتعدیل کیا چیز ہے؟ آں رحمہ اللہ نے فرمایا: اہل علم کے احوال بیان کرنا کہ ان میں سے کون ثقہ اور کون غیر ثقہ ہے۔ یہ سن کر یوسف بن الحسین الرازی نے آں رحمہ اللہ سے کہا: "استحییت لك یا أبا محمد کم من ھؤلاء القوم قد حطوا رواحلھم فی الجنة منذ مائة سنة ومائتی سنة وأنت تذکرھم وتغتابھم علی أدیم الأرض". یہ سن کر عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ رونے لگے اور فرمایا: اے ابویعقوب! اگر میں یہ کلمہ اپنی کتاب کو تصنیف کرنے سے پہلے سن لیتا تو ہرگز یہ کتاب نہ لکھتا''۔ (۱)

۲-'' ابن ابی حاتم اپنے تلامذہ کو کتاب '' الجرح والتعدیل'' کا درس دیتے ہوئے یحییٰ بن معینؒ سے روایۃً نقل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: "إنا لنطعن علی أقوام لعلھم قد حطوا رواحلھم فی الجنة منذ أکثر من مائتی سنة." یہ بیان کرنے کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ رونے لگے اور ان کے ہاتھ کپکپا اٹھے حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں سے کتاب چھوٹ کر گر پڑی۔'' (۲)

لیکن ہماری تحقیق کے مطابق یہ دونوں حکایات قطعی جعلی اور بے بنیاد ہیں، واللہ اعلم۔ ان میں سے اول الذکر حکایت نقل کرنے کے بعد خود علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''لیکن میں کہتا ہوں کہ جس طرف یہ لوگ گئے ہیں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر صرف عاقل صدوق ومأمون ہی سے قبول کی جائے گی، پس اس اجماع میں ان لوگوں پر جرح کے جواز کی دلیل موجود ہے جو کہ اپنی روایات میں صدوق نہ ہوں''۔ (۳)

## فن جرح وتعدیل مسنون وماثور اور اسلاف کی یادگار ہے:

علوم حدیث سے متعلق جملہ مصادر اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جرح وتعدیل نبی ﷺ سے ثابت ہے، آپؐ کے بعد صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور محدثین نے احادیث رسول کی صیانت کے لئے اس سنت پر مسلسل عمل جاری رکھا ہے۔ اوپر '' کیا رواۃ حدیث پر جرح غیبت ہے؟'' کے زیر عنوان جرح وتعدیل کا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونا بیان کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں ہم ان صحابیوں، تابعین، اتباع تابعین اور محدثین کا تذکرہ کریں گے جن

(۱) الکفایۃ: ص ۳۸ وکذا فی التقیید والإیضاح: ص ۳۹۰ (مختصرا)

(۲) التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۳۹۰ (۳) الکفایۃ للخطیب: ص ۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے مختلف اوقات میں جرح وتعدیل فرمانا ثابت ہے۔

امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۵۵ھ) وغیرہ رواۃ کے طبقۂ اولی میں حضرات ابو بکرؓ (م ۱۳ھ)، عمر بن الخطابؓ (م ۲۳ھ)، علی بن ابی طالبؓ (م ۴۰ھ) اور زید بن ثابتؓ (م ۴۵ھ) وغیرھم کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "قد جرحوا وعدلوا وبحثوا عن صحة الروايات وسقيمها". (۱)

حافظ ابن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ) نے بھی متعدد صحابہ کے نام شمار کئے ہیں جو جرح وتعدیل میں کلام کیا کرتے تھے، ان میں عبادہ بن الصامتؓ (م ۳۴ھ) عبداللہ بن سلامؓ (م ۴۳ھ)، عائشہ صدیقہؓ (م ۵۸ھ)، ابن عباسؓ (م ۶۸ھ) اور انس بن مالکؓ (م ۹۳ھ) وغیرہم کے نام شامل ہیں۔ (۲)

ان کے علاوہ مجالد بن مسعود السلمی ابو معبد (م ۴۳ھ)، عمران بن حصین (م ۵۲ھ)، ابو ہریرہ (م ۵۹ھ)، عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۵ھ)، عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ) اور ابو سعید الخدری (م ۷۴ھ) رضی اللہ عنھم سے بھی حدیث کی چھان بین، تحقیق وتنقیح اور جرح وتعدیل ثابت ہے۔ (۳) پھر تابعین، تبع تابعین اور محدثین کا دور شروع ہوتا ہے، چنانچہ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں:

"...... ثم أخذ مسلكهم واستن بسنتهم واهتدى بهديهم فيما استنوا من التيقظ في الروايات جماعة من أهل المدينة من سادات التابعين منهم سعيد بن المسيب والقاسم بن محمد بن أبي بكر وسالم بن عبد الله بن عمر وعلي بن الحسين بن علي وابو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة وخارجة بن زيد بن ثابت وعروة بن الزبير بن العوام وابو بكر بن عبد الرحمن ابن الحارث بن هشام وسليمان بن يسار . فجدوا في حفظ السنن والرحلة فيها والتفتيش عنها والتفقه فيها ولزموا الدين ودعوة المسلمين ثم أخذ عنهم العلم وتتبع الطرق وانتقاء الرجال ورحل في جمع السنن جماعة بعدهم منهم الزهري ويحيي بن سعيد الأنصاري وهشام بن عروة وسعد بن ابراهيم الخ" . (۴)

امام سخاویؒ، امام ذہبیؒ سے نقل فرماتے ہیں:

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۲، المجروحین: ۱/ ۳۵-۳۸

(۲) مقدمۃ الکامل فی الضعفاء: ص ۸۳-۸۷، الإعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ: ص ۳۳۸

(۳) نقد عند المحدثین نشأتہ ومنھجہ لعبداللہ علی احمد: ص ۷۱-۸۳ (رسالہ ماجیستر مکہ المکرمہ: ۱۳۹۱ھ)، اھتمام المحدثین بنقد الحدیث للدکتور محمد لقمان السلفی: ص ۵۳

(۴) المجروحین: ۱/ ۳۸-۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''صحابہ کی ایک جماعت نے رجال پر کلام کیا، پھر تابعین میں سے امام شعبیؒ اور امام ابن سیرین نے کلام کیا، لیکن اتباع تابعین کی بہ نسبت تابعین کے عہد میں رجال پر بہت کم کلام کیا گیا ہے، کیونکہ صحابہ کے متبوعین میں ضعف کی قلت تھی۔ اس عہد میں اکثر صحابہ تھے جو کہ بیشتر عدول تھے، اور متبوعین میں سے جو غیر صحابی تھے ان کی اکثریت بھی ثقات پر ہی مشتمل تھی، چنانچہ قرن اول میں جو صحابہ اور کبار تابعین کا عہد ہے اکا دکا ہی ضعیف شخص نظر آتا ہے، مثلاً حارث الأعور (م ۶۵ھ) اور مختار الکذاب (م ۶۷ھ)۔ لیکن جب قرن اول ختم ہوا اور قرن ثانی شروع ہوا تو اس کے اوائل میں اوسط درجہ کے تابعین تھے، ان میں ضعفاء کی ایک جماعت بھی موجود تھی، جو غالباً تحمل وضبط حدیث کے لحاظ سے ضعیف تھے، پس آپ انہیں موقوف کو مرفوع کرتے اور بکثرت ارسال کرتے ہوئے پائیں گے مثلاً ابو ھارون عبدی۔ لیکن آخر عصر تابعین میں (یعنی ۱۵۰ھ کے لگ بھگ) ائمہ کی ایک جماعت نے رواۃ کی توثیق وتضعیف کے متعلق کلام کیا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور کوئی شخص نہیں دیکھا الخ''۔(۱)

اور حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

''صالح بن محمد الحافظ جزرہ سے مروی ہے کہ وہ پہلے شخص جنہوں نے رجال میں کلام کیا، شعبہ بن الحجاج تھے، پھر یحیی بن سعید القطان نے ان کی اتباع کی، پھر ان کے بعد احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے کلام کیا ــــ مگر میں کہتا ہوں کہ شعبہ بن الحجاج وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جرح وتعدیل کو باضابطہ معین کیا ورنہ جرح وتعدیل سے متعلق کلام تو ان سے قبل رسول اللہ ﷺ سے پھر بہت سے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت ہے الخ''۔(۲)

ذیل میں ہم عہد صحابہ کے بعد آنے والے جملہ جارحین ومعدلین کے اسماء گرامی پیش کرتے ہیں:

سعید بن المسیب (م ۹۳ھ)، علی بن الحسین بن علی (م ۹۴ھ)، عروۃ بن الزبیر (م ۹۴ھ)، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف (م ۹۴ھ) ابو بکر بن عبد الرحمٰن (م ۹۴ھ)، ابراہیم النخعی (م ۹۵ھ)، سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)، عبید اللہ بن عبد اللہ بن بن عتبہ بن مسعود (م ۹۸ھ)، ابوعثمان النہدی (م ۱۰۰ھ)، خارجہ بن زید بن ثابت (م ۱۰۰ھ)، طاؤس بن کیسان (م ۱۰۶ھ)، قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۶ھ)، سالم بن عبد اللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)، سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)، حسن البصری (م ۱۱۰ھ)، محمد بن سیرین (۱۱۰ھ)، زہری (م ۱۲۴ھ)، سعد بن ابراہیم (م ۱۲۵ھ)، ایوب السختیانی (م ۱۳۱ھ) یحیی بن سعید الانصاری (م ۱۴۳ھ)، ھشام بن عروۃ (م ۱۴۶ھ)، اعمش (م ۱۴۸ھ)، ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)، معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ)، ھشام دستوائی (م ۱۵۴ھ)،

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/ ۳۵۶-۳۵۷

(۲) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۳۸۹، تدریب الراوی: ۲/ ۳۶۹ (مختصراً)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اوزاعی (م ۱۵۶ھ)، شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ)، سفیان الثوری (م ۱۶۱ھ)، عبدالعزیز الماجشون (م ۱۶۴ھ)، حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ)، حماد بن زید (م ۱۷۵ھ)، لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)، مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)، ھشیم بن بشیر (م ۱۸۳ھ)، المعافی بن عمران الموصلی (م ۱۸۴ھ)، ابواسحاق الفرازی (م ۱۸۵ھ)، بشر بن المفضل (م ۱۸۷ھ)، یحیی بن سعید القطان (م ۱۸۹ھ)، ابن علیہ (م ۱۹۳ھ)، ابن وہب (م ۱۹۷ھ)، وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ)، سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ)، عبدالرحمٰن بن مہدی (م ۱۹۸ھ)، ابوداؤد الطیالسی (م ۲۰۳ھ)، محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ)، یزید بن ہارون (م ۲۰۶ھ)، ابوعاصم النبیل بن مخلد (م ۲۱۱ھ)، عبدالرزاق بن ھمام (م ۲۱۱ھ)، محمد بن یوسف الفریابی (م ۲۱۲ھ)، عبدالاعلی بن مسہر (م ۲۱۸ھ)، ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسی الحمیدی (م ۲۱۹ھ)، عبداللہ بن سلمہ القعنبی (م ۲۲۱ھ)، ابوعبید القاسم ابن سلام (م ۲۲۴ھ)، یحیی بن یحیی النیسابوری (م ۲۲۶ھ)، ابوالولید الطیالسی (م ۲۲۷ھ)، محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ)، عبداللہ بن عون الخزار (م ۲۳۲ھ)، یحیی بن معین (م ۲۳۳ھ)، علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)، ابوخیثمہ زہیر بن حرب (م ۲۳۴ھ)، ابوجعفر عبیداللہ بن محمد بن علی بن نفیل (م ۲۳۴ھ)، محمد بن عبداللہ بن نمیر (م ۲۳۴ھ)، ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)، عبیداللہ بن عمر القواریری (م ۲۳۵ھ)، اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ)، اسحاق الکوسج، خلیفہ بن خیاط العصفری (م ۲۴۰ھ)، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، ابوجعفر محمد بن عبداللہ عمار الموصلی (م ۲۴۲ھ)، ہارون بن عبداللہ (م ۲۴۳ھ)، احمد بن صالح الطبری (م ۲۴۸ھ)، ابوعبداللہ بن البرقی (م ۲۴۹ھ) عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (م ۲۵۵ھ)، امام بخاری (م ۲۵۶ھ)، محمد بن یحیی الذھلی النیسابوری (م ۲۵۸ھ)، امام مسلم (م ۲۶۱ھ)، احمد بن عبداللہ العجلی (م ۲۶۱ھ)، بقی بن مخلد، ابوزرعہ الرازی (م ۲۶۴ھ)، ابوداود سجستانی (م ۲۷۵ھ)، ابوحاتم الرازی (م ۲۷۷ھ)، عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش البغدادی، ابراہیم بن اسحاق الھروی (م ۲۸۵ھ)، محمد بن وضاح قرطبی، ابوبکر بن ابی عاصم (م ۲۸۷ھ)، عبداللہ بن احمد بن حنبل (م ۲۹۰ھ)، ابوبکر البزار (م ۲۹۲ھ)، صالح الجزرہ (م ۲۹۳ھ)، محمد بن نصر المروزی (م ۲۹۴ھ) نسائی (م ۳۰۳ھ)، الدولابی (م ۳۱۰ھ)، ابوجعفر العقیلی (م ۳۲۲ھ)، ابن ابی حاتم (۳۲۷ھ)، ابن حبان البستی (م ۳۵۴ھ)، ابن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ)، ابوجعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، ابوبکر الفریابی، البردیجی، ابویعلی الموصلی، حسن ابن سفیان، ابن خزیمہ، ابن جریر الطبری، ابوعروبہ الحرانی، ابوالحسن احمد بن عمر بن جوصا، ابوطالب احمد بن بن نصر البغدادی، ابن عقدہ، عبدالباقی، ابن قانع، ابوسعید بن یونس، طبرانی، ابوعلی الحسین بن محمد الماسرجسی، ابوعلی الحسین النیسابوری (م ۳۶۵ھ)، ابوالشیخ بن حبان (م ۳۶۹ھ)، ابوبکر اسماعیلی (م ۳۷۱ھ)، ابواحمد الحاکم (م ۳۷۸ھ)، دارقطنی (م ۳۸۵ھ)۔ (آپ پر معرفۃ العلل کی ریاست ختم ہوجاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہے پھر بعد کے طبقہ میں ) - ابوعبداللہ ابن مندہ (م ۳۹۵ھ)، ابونصر الکلاباذی (م ۳۹۸ھ)، ابومسعود الدمشقی (م ۴۰۰ھ)، خلف بن محمد الواسطی (م ۴۰۱ھ)، ابومطرف عبدالرحمٰن بن فطیس قرطبی (م ۴۰۲ھ)، ابوعبداللہ الحاکم (م ۴۰۵ھ) عبدالغنی بن سعید (م ۴۰۹ھ)، تمام الرازی، محمد بن ابی الفوارس بغدادی (م ۴۱۲ھ)، ابوبکر بن مردویہ (م ۴۱۶ھ)، ابوبکر البرقانی (م ۴۲۵ھ)، ابوحازم العبدوی، ابوالقاسم حمزہ السہمی، ابویعقوب القراب الھروی، ابوذر الھروی، ابوالفضل الفلکی (م ۴۳۸ھ)، حسن بن محمد الخلال بغدادی (م ۴۳۹ھ)، ابوعبداللہ الصوری، ابویعلی الخلیلی (م ۴۴۶ھ)، ابوسعد السمان، ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ)، بیہقی (م ۴۵۸ھ)، ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ)، خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، ابوالقاسم سعد بن محمد الزنجانی، شیخ الاسلام الانصاری، ابوالولید الباجی (م ۴۷۴ھ)، ابوصالح المؤذن، ابن ماکولا (م ۴۷۵ھ)، ابوعبداللہ الحمیدی (م ۴۸۸ھ)، ابن مفوز المعافری، ابوالفضل ابن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ)، شجاع بن فارس الذھلی، المؤتمن بن احمد بن علی الساجی (م ۵۰۷ھ)، ابوعبداللہ بن الفخار المالقی، ابوالقاسم السہیلی، شیرویہ الدیلمی الھروی، ابوعلی غسانی، ابن ناصر السلامی، قاضی عیاض، السّلفی، ابوالقاسم ابن عساکر (م ۵۲۳ھ)، ابن بشکوال (م ۵۷۸ھ)، ابوموسی المدینی (م ۵۸۱ھ)، عبدالحق اشبیلی، ابوبکر حازمی (م ۵۸۴ھ)، ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)، عبدالغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ)، الرھاوی، ابن مفضل المقدسی (م ۶۱۶ھ)، ابن الانماطی (م ۶۱۹ھ)، ابوشامہ (م ۶۲۵ھ)، ابن الدبیثی، ابن خلیل الدمشقی، ابوبکر بن خلفون الازدی، ابن النجار، ابوالبقاء خالد بن یوسف النابلسی، ابن الصابونی، الدمیاطی، ابن الظاھری، الدالصدر، ابن فرج، عبید الاسعردی، ابن الابار، ابن العدیم، ابن نقطہ (م ۶۲۹ھ)، ابوعبداللہ البرزالی (م ۶۳۶ھ)، الصریفینی، رشید العطار، ابوالحسن ابن القطان (م ۶۳۸ھ)، ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ)، الزکی المنذری (م ۶۵۶ھ)، ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ)، سعد الدین الحارثی، اشرف المیدومی، ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ)، مزی (م ۷۴۲ھ)، ابن سید الناس، ابوعبداللہ بن ایبک، ذھبی (م ۷۴۸ھ)، صفی الدین قرافی، ابن البرزالی، قطب الحلبی، شھاب بن فضل اللہ (م ۷۴۹ھ)، مغلطاوی (م ۷۶۳ھ)، شریف الحسینی الدمشقی، زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ)، ولی العراقی، برھان الدین الحلبی (م ۸۴۱ھ) اور ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) وغیرھم رحمہم اللہ نے بھی اپنے اپنے ادوار میں حسب استطاعت فن جرح وتعدیل کی خدمت سرانجام دی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ (۱)

سلف وصالحین کی یہ یادگار فہرست اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جرح وتعدیل کے جواز پر قرن اول سے آج تک پوری امت متفق رہی ہے، واللہ اعلم۔

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۵۶-۳۶۰ (ملخصا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


## جرح وتعدیل پر چند مشہور تصانیف:

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

’’فن جرح وتعدیل پر بہت ساری تصانیف موجود ہیں۔ کتب الضعفاء کے مصنفین میں یحیی بن معین، ابوزرعہ الرازی، امام بخاری (صاحب الضعفاء الکبیر والصغیر)، امام نسائی، ابوحفص الفلاس، ابواحمد بن عدی (یہ سابقہ تمام تصانیف سے اکمل واجل کتاب ہے لیکن اس میں آں رحمہ اللہ نے ان ثقات کو بھی ذکر کردیا ہے جن پر کہ کلام کیا گیا تھا)، ابوالفضل ابن طاہر (صاحب تکملۃ الکامل)، ابوجعفر العقیلی، ابوحاتم ابن حبان، ابوالحسن الدارقطنی، ابوزکریا الساجی، ابوعبداللہ الحاکم، ابوالفتح الازدی، ابوعلی ابن السکن، ابن الجوزی (امام ذہبیؒ نے اس کا اختصار کیا بلکہ اپنی دو تصانیف میں اس پر ذیل ترتیب دیا ہے) اور ذہبی (صاحب المغنی فی الضعفاء، الضعفاء والمتروکین ومیزان الاعتدال۔ آخر الذکر کتاب میں امام ذہبیؒ نے الکامل لابن عدی کی اتباع کی ہے) کا شمار ہوتا ہے۔

اور ثقات کے تراجم جمع کرنے والوں میں ابوحاتم ابن حبان، عجلی، ابن شاہین، ابوالعرب التمیمی، شمس الدین محمد بن ایبک السروجی، ابن حجر (صاحب الثقات ممن لیس فی التہذیب) اور ذہبی (صاحب المغنی معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم بمالا یوجب الرد) ہیں۔

ان تصانیف کے علاوہ بعض کتب ایسی بھی ہیں جو ضعفاء اور ثقات دونوں کے تراجم پر مشتمل ہیں مثلا: التاریخ الکبیر للبخاری، التاریخ الصغیر للبخاری، المعرفۃ والتاریخ للبسوی، تاریخ لابی بکر بن ابی خیثمہ، الطبقات الکبری لابن سعد، التمییز للنسائی، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاھیل للعماد ابن کثیر (اس میں تہذیب الکمال للمزی اور میزان الاعتدال للذہبی کو مع زیادات جمع کیا گیا ہے)، تہذیب الکمال للمزی، لسان المیزان لابن حجر، تقویم اللسان لابن حجر اور تحریم المیزان لابن حجر وغیرہ۔(۱)

●●●

(۱) فتح المغیث للعراقی: ص ۴۶۳، فتح المغیث للسخاوی: ۴/۳۵۲-۳۵۳ (ملخصا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# سند کی عظمت اور اس کے بعض کمزور پہلو
# اصلاحی صاحب کی نظر میں

[''سند کی عظمت اور اس کے بعض کمزور پہلو'' کے عنوان سے یہ باب جناب اصلاحی صاحب کا ایک مستقل مضمون ہے جو تقریباً چھ سال قبل رسالہ ''تدبر'' (۱) لاہور میں شائع ہوا تھا، اور اب شامل کتاب ہے۔ ذیل میں اس باب پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں، جا بجا جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتب سے بھی مختلف اقتباسات پیش کئے جائیں گے۔ لیکن چونکہ یہاں جناب مودودی صاحب پر تبصرہ کرنا ہمارے پیش نظر نہیں ہے، لہٰذا ہم صرف آں محترم کی عبارتوں کو نقل کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔ ان کو یہاں نقل کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ہر دو صاحبان کے مابین فکری ہم آہنگی واضح ہو سکے۔'']

جناب اصلاحی صاحب سند کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو کر چند راویوں کے واسطے سے بتدریج کسی شیخ پر منتہی ہوتی ہے، اس سلسلۂ روایت کو اس حدیث کی سند کہتے ہیں۔ کسی شیخ سے یہاں مراد شیوخ حدیث ہیں جو سلسلۂ سند میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اور جن کے ہاتھوں امت مسلمہ میں احادیث رسول کے مجموعوں کی جمع وتدوین کا عظیم کارنامہ صدر اول میں انجام پا چکا ہے، جیسے: امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم (رحمہم اللہ) وغیرہ۔ کتب حدیث کی تدوین کے بعد روایت حدیث کی سند کے لئے ان اکابر کو شیخ ماننا حدیث کے طالب علموں کے لئے ناگزیر ہے۔'' (۲)

لیکن راقم کے نزدیک جناب اصلاحی صاحب کی بیان کردہ سند کی یہ تعریف نہایت محدود اور نامکمل ہے۔ سند کی لغوی اور اصطلاحی تعریف پر اس باب کے حصہ اول میں تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے، لہٰذا یہاں اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ قارئین کرام باب کے ابتدائی صفحات میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اگر جناب اصلاحی صاحب کی بیان کردہ تعریف کو جامع، مکمل اور درست مانا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر سند کی دوسری اقسام (مثلاً مرسل، مقطوع اور موقوف احادیث کے طرق) کو کس خانہ میں رکھا جائے گا؟

---

(۱) رسالہ تدبر لاہور، عدد شمارہ نمبر ۷: ص ۱۸-۲۵، مجریہ ماہ مئی ۱۹۸۳ء

(۲) مبادیٔ تدبر حدیث: ص ۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


# جناب اصلاحی صاحب کا منصب صحابہؓ کے لئے ایک باطل حدیث سے استدلال

سلسلۂ روایت میں صحابۂ کرامؓ کی حیثیت کے متعلق جناب اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''سلسلۂ روایت میں صحابۂ کرامؓ کی جو حیثیت اور مرتبہ و مقام ہے اس کی ضروری وضاحت ہم اس سلسلہ کے مضمون، 'صحابہؓ اور صحابیت' کے تحت کر چکے ہیں۔ صحابہؓ بہر حال اس امت کے گل سر سبد ہیں۔ ان کے متعلق یہ طے ہے کہ وہ جرح وتنقید سے قطعی بالاتر ہیں اور محدثین کا یہ اصول کہ "الصحابة كلهم عدول" (تمام صحابہ جرح وتعدیل سے بالاتر ہیں) ان کے بارے میں بالکل ٹھیک ہے، اس لئے کہ صحابہؓ کا یہ منصب جو بیان ہوا ہے کہ:

"عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله ﷺ: أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم" ۔ ''حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔ اس کا یہ تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ان کی منسوب کردہ حدیث کے بارے میں یہ رائے رکھیں کہ وہ پوری امانت و دیانت کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور اس کے بارے میں بلا وجہ کسی شبہ میں نہ پڑیں''۔(۱)

صحابۂ کرامؓ کے عدول اور جرح وتعدیل سے بالاتر ہونے کی بابت جو کچھ جناب اصلاحی صاحب نے یہاں تحریر فرمایا ہے وہ اگرچہ صدفی صد درست ہے، لیکن حق بات تو یہ ہے کہ امت جن تمام لوگوں کے صحابی رسول ﷺ ہونے پر متفق ہے، محترم اصلاحی صاحب کے نزدیک ان سب پر لفظ 'صحابی' کا اطلاق نہیں ہوتا لہذا امت کے نزدیک معروف (اصحاب رسول کا پورا طبقہ جرح وتنقید سے بالاتر نہیں ہے، بلکہ صرف وہ طبقہ ہی جرح وتعدیل سے بالاتر ہے، جس کو اصلاحی صاحب یا ان کے ہمنوا 'صحابی' تسلیم کرتے ہوں۔) اس بارے میں تفصیلی بحث سابقہ باب میں گزر چکی ہے۔ بہر کیف صحابہؓ کی عدالت کے لئے جناب اصلاحی صاحب نے ''مشکوۃ المصابیح (باب مناقب الصحابۃ)'' کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ اصلا باطل ہے، اور جو چیز باطل ہو وہ دین میں محل احتجاج نہیں ہو سکتی، پس یہ استدلال قطعا غیر درست ہوا۔

''مشکوۃ المصابیح'' کی یہ روایت اس قدر زبان زد ہے کہ اکثر علماء اس کو بلا تأمل بیان کرتے نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر برصغیر کے مشہور مصلح و مجدد شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب ''تذکیر الاخوان'' (۲) بحوالہ رزین وارد کیا ہے، لیکن تمام اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ علامہ خطیب تبریزیؒ کا ''مشکوۃ المصابیح'' میں ایک مأخذ رزین عبدریؒ کی ''التجرید للصحاح الستۃ'' بھی ہے، جس میں آں رحمہ اللہ نے صحاح کے علاوہ مزید

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۸۸-۸۹

(۲) تذکیر الاخوان مؤلفہ شاہ اسماعیل شہید: ص ۲۱۸-۲۱۹، طبع دار الاشاعت کراچی طبع اول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایات بھی ذکر کی ہیں، اور زیر مطالعہ حدیث کا تعلق بھی انہی زوائد سے ہے۔ ان زوائد کے متعلق امام ذہبیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: "أدخل كتابه واهية لو تنزه عنها لأجاد" (۱) یعنی انہوں نے اپنی کتاب میں واہی زیادات داخل کردی ہیں۔ اگر وہ ان سے اسے پاک رکھتے تو اچھا ہوتا''۔ لہذا خطیب تبریزیؒ کے رزین کی طرف اس کی نسبت بیان کرنے سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہوتی۔ محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانیؒ فرماتے ہیں:

"حديث باطل وإسناده واه جدا" (۲) یعنی ''یہ حدیث باطل ہے اور اس کی اسناد بہت زیادہ واہی ہے''۔

## فن اسماء الرجال کی ضرورت، اہمیت اور عظمت کے متعلق جناب اصلاحی صاحب کی رائے:

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فن جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت پر مختصراً یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''جہاں تک سلسلۂ روایت کے باقی راویوں کا تعلق ہے وہ سب کے سب تنقید کی زد میں آتے ہیں۔ ان سب کی امانت ودیانت، علمی مرتبہ، حافظہ، دین پر عمل، ہر چیز کو پرکھا جاتا ہے اور ائمہ فن کی ان کے بارے میں آراء کو جمع کیا جاتا ہے۔ اس اہتمام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ روایت حدیث میں کوئی خرابی راہ نہ پائے۔ اسی اہم ضرورت نے فن اسماء الرجال کی راہ ہموار کی''۔ (۳)

پھر ''سند کا اہتمام اور فن اسماء الرجال کی ایجاد'' کے ذیلی عنوان کے تحت فن جرح وتعدیل کا تعارف اور اس بارے میں محدثین کی مساعی جمیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علم حدیث کی حفاظت کے لئے سند کا باقاعدہ اہتمام اور فن اسماء الرجال کی ایجاد مسلمانوں کا ایک کارنامہ ہے جس میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جرح وتعدیل کا یہ فن مسلمانوں کا خاص فن ہے۔

جن لوگوں نے نبی ﷺ کے اقوال واحوال کی روایت، تحریر اور تدوین کا کام سرانجام دیا ان راویان حدیث میں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور بعد کے تیسری صدی ہجری تک کے لوگ شامل ہیں، جن کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ صرف نبی ﷺ کے دیکھنے اور ملنے والوں میں سے کم وبیش بارہ ہزار اشخاص کے نام اور حالات ہمیں ملتے ہیں۔

ان تمام رواۃ حدیث کے حالات معلوم کرنے اور ان کے طبقات قائم کرنے میں ہزاروں اکابرین امت نے اپنی عمریں کھپادیں۔ وہ قریہ قریہ پہنچے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات مہیا کیں اور جو لوگ خود

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲۰/ ۲۰۵

(۲) مشکاۃ بتحقیق الألبانی: ۳/ ۱۶۹۶ حدیث نمبر ۶۰۰۹، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للألبانی: ۱/ ۸۱

(۳) مبادیٔ تدبر حدیث: ص ۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ان کے عہد میں بقید حیات نہیں تھے ان کے ملنے والوں سے یا ان کے توسط سے ان سے اوپر کے لوگوں سے ان کے حالات دریافت کئے اور جس حد تک انسانی امکان میں ہوسکتا تھا ان حاصل شدہ معلومات کی چھان پھٹک کی۔ اس طرح سے وہ عظیم الشان اور فقید المثال فن معرض وجود میں آیا جسے فن اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔ اسکے تحت اصحاب روایت حدیث و آثار کے اسماء، القاب، سوانح، سیرت اور امانت و دیانت کا حال قلم بند کیا گیا، ائمہ محدثین کی ان کے بارے میں رائیں جمع کی گئیں، ان کی جرح و تعدیل کی گئی اور ان طبقات کی تعیین کی گئی۔ گویا جس کسی نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت کے ساتھ کوئی بات کہنے کی جرأت کی اس کی ساری زندگی نہایت بے لاگ اور بے رحم نقادوں کا ہدف بن گئی، اور آخرت سے پہلے اس کو سارا حساب اسی دنیا میں دینا پڑ گیا۔

اس فن میں اگر کوئی قوم مسلمانوں کی حریف ہوسکتی تھی تو وہ اہل کتاب ہو سکتے تھے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اس طرح کا انتظام اپنے نبیوں کے اقوال کی حفاظت کے لئے تو در کنار انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں تک کے لئے نہیں کیا۔ وہ اس میدان میں نہایت ہی ہیز نکلے۔ ان کی مذہبی کتابوں کی تو وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو ہمارے ہاں ہماری تاریخ کی کتابوں کی ہے۔ ہمارے ہاں تاریخ کی بھی روایت ملے گی تو اس کی سند موجود ہوگی اور اس کے لئے کوئی معیار بہر حال مطلوب ہوگا۔ لیکن ان کے ہاں ان کی سب سے بڑی کتاب ''کتاب مقدس'' کے لئے بھی یہ اہتمام نہیں ملتا۔ اسی طرح انجیلیں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض حواریوں، جیسے لوقا، یوحنا، مرقس وغیرہ سے منسوب تو ہیں لیکن ان کے ان اولین راویوں تک کے اپنے حالات کسی کو معلوم نہیں۔ انجیلوں کی روایت حواریوں سے کس کس نے کی، اس کا تو سرے سے تذکرہ ہی نہیں ملتا۔ جن قوموں نے اپنے آسمانی صحیفوں کی حفاظت میں کمزوری دکھائی وہ اپنے رسولوں کے اقوال کی حفاظت کا بھلا کیا اہتمام کرتیں!

یہاں یہ نقطہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے کہ اس زمانہ میں حدیث کے طالب علموں کو جملہ رواۃ حدیث کے بارے میں جرح و تعدیل کے لئے بہر حال سلف کی تحقیقات پر ہی قناعت کرنی پڑے گی اور مجرد انہی کی تحقیقات کی کسوٹی پر کسی سند کے راویوں کا درجہ متعین کیا جائے گا۔ چنانچہ اب کسی حدیث کی سند کو متقدمین کی فراہم کردہ انہی معلومات کی روشنی میں جانچا پرکھا جائے گا۔ اس لئے کہ ذرائع تحقیق مرور زمانہ سے، اب معدوم ہو چکے ہیں۔ اس میں ہمارے ان اکابرین فن نے تحقیق کی معراج کی بلندیوں کو چھوا ہے اور انسانی امکان کی حد تک اس فن کی خدمت کی ہے''۔(۱)

## سند کی اہمیت و عظمت - اصلاحی صاحب کی نظر میں:

سند کی عظمت کا تذکرہ یوں تو جناب اصلاحی صاحب نے زیر مطالعہ باب کی شہ سرخی میں بہت زور و شور سے کیا ہے، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو پورے باب میں صرف ایک مقام پر ''روایت کی جانچ کے لئے سند صرف

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۸۹-۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایک کسوٹی ہے'' کے ذیلی عنوان کے تحت اولین چار سطور میں ضمناً سند کی اہمیت وعظمت کو بیان کیا گیا ہے، مگر افسوس کہ کسی حدیث کے صدق وکذب کے فیصلہ میں سند کے اہم کردار کا خود اعتراف کرنے کے بعد جناب اصلاحی صاحب نے اس کے تمام محاسن پر پانی پھیر دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''سند کو کسی حدیث کے صدق وکذب کے فیصلہ میں ایک اہم، بلکہ اولین عامل کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حدیث کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے اس کی سند پر نظر پڑے گی اور اس کے متن پر غور کرنے سے پہلے اس کی جانچ کرنا پڑے گی۔ اس جائزے کی روشنی میں اس روایت کا درجہ متعین کیا جائے گا۔

سند کی اس اہمیت سے انکار کی کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن حدیث کے بعض غالی حامیوں کا یہ خیال ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے ثبوت کے لئے مجرد اس کی سند کا علم اصول کے معیار پر پورا ہونا کافی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک صحت حدیث کے لئے صرف سند کی صحت اور اس کا قابل اعتماد ہونا فیصلہ کن امر ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ غلو پر مبنی اور محض حسن ظن ہے۔ یہ سلف کی ساری تحقیقات، جن کا ہم نے اوپر اجمالی خاکہ پیش کیا، کو گہنا دیتا ہے۔ اس لئے اس مسئلے پر ہم ذرا تفصیلی بحث کریں گے۔

سند کے تمام محاسن، لطائف، عظمت، اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں بعض ایسے فطری خلا رہ جاتے ہیں۔ جن کی تلافی کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے سند کے سوا بعض دوسرے طریقے بھی اختیار کئے جائیں۔ مجرد سند پر اعتبار کر کے کسی روایت کی صحت اور حسن وقبح کے متعلق پوری طرح سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو آپ مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہمیں کسی درخت کی تحقیق مقصود ہو تو محض اس کی جڑ کی کیفیت کا مطالعہ کافی نہیں ہوگا بلکہ جڑ کے علاوہ اس کے تنے، ٹہنیوں، پتوں اور پھل پھول وغیرہ کا بھی مکمل جائزہ لینا پڑے گا، تب کہیں جا کر اس درخت کے متعلق ہم جامع اور حتمی رائے قائم کر سکیں گے''۔(۱)

اسی طرح جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سند کی لازوال عظمت کو ماند کرنے لئے کسی ٹھوس علمی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض عقلی مفروضوں اور استحالات کی بنیاد پر، اس کی خامیاں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''......اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو، اس کی نسبت کا صحیح ومعتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسولؐ مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ نہیں ہے بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث رسولؐ ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۲-۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے۔قرآن وحدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے۔ اس کا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت ثابتہ ہمیں معلوم ہوا اس پر بھی نظر ڈالی جائے۔علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے الخ''۔(۱)

اسی طرح آں موصوف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''...... یہ تو فن رجال کا معاملہ ہے۔اس کے بعد دوسری اہم چیز سلسلۂ اسناد ہے۔محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ، ہر راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا وہ اس کا ہم عصر تھا یا نہیں، ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں، اور ملا تھا تو آیا اس نے یہ خاص حدیث خود اسی سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ان سب چیزوں کی تحقیق انہوں نے اسی حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے، مگر یہ لازم نہیں کہ ہر روایت کی تحقیق میں یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے، جو ثقہ نہ تھا۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل، یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بناء پر پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں، ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنت نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے''۔(۲)

یہ ہے جناب مودودی واصلاحی صاحبان کے پر فریب ''سند کی عظمت واہمیت'' کے دعوی کی حقیقت، لیکن امت سند کی جس عظمت واہمیت کی قائل چلی آرہی ہے اس کا ایک خاکہ زیر نظر باب کے حصہ اول میں قرآن وسنت کی نصوص، سلف وصالحین کے اقوال، نیز اس کی ابتداء کی تاریخ اور محدثین کے اس پر اعتماد کرنے کے اسباب وغیرہ کی روشنی میں پیش کیا جا چکا ہے۔قارئین کرام اگر ان چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے جناب مودودی اور اصلاحی صاحبان کی منقولہ بالا عبارتوں پر غور کریں تو خود بخود یہ حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی کہ ان دو حضرات نے اسلاف کی جہد ومساعی کو گہنا دینے میں ذرہ برابر بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔بہر حال ذیل میں جناب اصلاحی صاحب کی منقولہ بالا عبارت پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

## حدیث کے غالی حامیوں سے اصلاحی صاحب کی مراد:

نہ معلوم یہاں جناب اصلاحی صاحب کی ''حدیث کے بعض غالی حامیوں'' سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ بھی

(۱) رسائل ومسائل للمودودی: ۱/ ۲۳۳ (۲) تفہیمات للمودودی: ۱/ ۳۵۹-۳۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''بنیاد پرست'' (Fundamentalist)، ''کٹر مذہبی'' (Fanatic)، ''قدامت پسند'' (Orthodox) یا ''دین پسند'' جیسا ہی کوئی مغربی نعرہ ہے کو جاننا چاہیئے کہ کسی سچے مسلمان کو اس طرح کے کھوکھلے نعروں سے پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ بنیاد پرست، کٹر مذہبی، قدامت پسند اور دین پسند ہونا فی نفسہ باعث طعن وشرمندگی نہیں بلکہ باعث فخر وسعادت ہے۔ چونکہ حدیث شریعت کے دو بنیادی مآخذ میں سے ایک اہم ماخذ ہے لہٰذا اس کی تعلیمات کا احترام کرنا، اس کو دین سمجھنا، اس پر بالکلیہ عمل کرنے میں اپنی فلاح مضمر سمجھنا اور اگر کبھی کسی طبقہ کی طرف سے اس پر حملہ ہو تو اسے دین پر حملہ تصور کرتے ہوئے اس کی حمایت ونصرت کے لئے اپنے تمام وسائل وذرائع کے ساتھ سینہ سپر ہو جانا ہی ایک مسلمان کی شان ہے، خواہ کوئی اسے شدت پسند، کٹر مذہبی، متعصب، جنونی، بنیاد پرست یا غالی حامی جیسے القاب سے ہی کیوں نہ یاد کرے۔ ایسے مواقع پر اس کی صرف واجبی یا سرسری سی حمایت کرنا ایک سچے اور دیندار مسلمان کی غیرت وحمیت سے بعید ہے۔ یہاں غالباً جناب اصلاحیؔ صاحب نے محدثین کرام کی شان میں ''حدیث کے بعض غالی حامیوں'' کے الفاظ بطور ہتک استعمال فرمائے ہیں، واللہ اعلم۔

جہاں تک جناب اصلاحیؔ صاحب کے اگلے قول۔ ''کسی حدیث کی صحت کے ثبوت کے لئے مجرد اس کی سند کا علم اصول کے معیار پر پورا ہونا کافی ہے یعنی ان کے نزدیک صحت حدیث کے لئے صرف سند کی صحت اور اس کا قابل اعتماد ہونا فیصلہ کن امر ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، یہ غلو پر مبنی اور محض حسن ظن ہے''...... کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم قارئین کرام کی توجہ اسلاف کے منہج تحقیق اور ان کی سنت کی طرف مبذول کروانا چاہیں گے، جس کا تذکرہ اس باب کے حصہ اول میں گزر چکا ہے، اور جو یہ بتاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری سے ہی اسلاف نیز محدثین اور نقاد حدیث (کہ جنہیں اصلاحیؔ صاحب نے ''حدیث کے غالی حامیوں'' سے تعبیر فرمایا ہے) کے نزدیک صحت حدیث کا معیار فقط علل اسناد کی چھان بین (یعنی اتصال، عدالت، ضبط اور حافظہ رواۃ وغیرہ) نہ تھا بلکہ وہ لوگ ان چیزوں کی تحقیق کے ساتھ متن حدیث پر بھی غور وفکر کیا کرتے تھے، اور ہمیں اپنے اسلاف کے متعلق قطعاً یہ بدگمانی لاحق نہیں ہے کہ انہوں نے دین کے اس اہم مأخذ کو قبول کرنے یا اسے ہم تک منتقل کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا رکھا ہوگا۔ جناب اصلاحیؔ صاحب کو اختیار ہے کہ اسلاف کا یہ منہج اگر ان کی جدید محدثانہ فکر سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اسے ''غلو پر مبنی اور محض حسن ظن'' ہی قرار دیں یا کچھ اور۔

## صحت حدیث کے لئے محدثین سند کے ساتھ اس کے متن پر بھی غور کرتے تھے:

جناب اصلاحیؔ صاحب نے آگے چل کر سند کے محاسن وعظمت کا سرسری تذکرہ کرتے ہوئے اس میں موجود کچھ ''فطری خلاء'' کی جانب اشارہ کیا ہے، پھر سند کے ان ''فطری خلاء'' کی تلافی کے لئے یہ نسخہ تجویز فرمایا ہے:

''......جن کی تلافی کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے سند کے سوا بعض دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



طریقے بھی اختیار کئے جائیں، مجرد سند پر اعتبار کر کے کسی روایت کی صحت اور حسن وقبح کے متعلق پوری طرح اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔"

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ ہر حدیث کے دو جزء ہوتے ہیں، پہلا جزء سند اور دوسرا متن۔ لہذا کسی حدیث کی صحت وضعف کے فیصلہ کے لئے محدثین اور نقاد، حدیث کے ان دونوں اجزاء پر غور وفکر اور بحث وتمحیص کرتے ہیں۔ مگر کسی بھی حدیث کے متن پر غور وفکر سے قبل اس کی سند اور اس کے رواۃ کے احوال وکوائف کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اس سے جناب اصلاحی اور مودودی صاحبان کو بھی عام مستشرقین کی طرح یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی ہے کہ محدثین "حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے سند کے سوا" کوئی دوسرا طریقہ اختیار نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے قبل صحابہؓ نے حدیث کی تحقیق میں اسناد کے ساتھ نقد متن کی ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ ان کے نزدیک اسناد کی اہمیت اور اس کی تحقیق وتمحیص کے چند واقعات اوپر حصہ اول میں نقل کئے جاچکے ہیں۔ جہاں تک متن حدیث کے متعلق ان کی تحقیقات کا معاملہ ہے تو اس بارے میں بھی ہمیں صحابہ کرامؓ کے دور مسعود میں متعدد واضح مثالیں نظر آتی ہیں، مثلاً:

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کہ: "من غسل ميتا اغتسل ومن حمله توضأ" یعنی جو مسلمانوں کی میت کو غسل دے وہ بھی غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے۔" کو سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا تھا: "أو نجس موتى المسلمين ؟ وما على رجل لو حمل عودا" ۔ (۱) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: "لايلزمنا الوضوء فى حمل عيدان يابسة"۔ (۲)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث: "الوضوء مما مست النار ولو من ثور إقط"۔ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا تھا: "يا أبا هريرة: أنتوضأ من الدهن ؟ أنتوضأ من الحميم" ۔ (۳)

۳۔ جب حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ "إن الميت يعذب ببكاء أهله عليه" ۔ تو حضرت عائشہؓ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ: نبی ﷺ نے یہ بات تو ایک یہودیہ کے بارے میں کہی تھی کہ: "إنها تعذب وهم يبكون عليها"۔ (۴)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: "من تبع جنازة فله قيراط" قبول کرنے سے توقف کرنا حتی کہ اس بارے میں انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا اور آں رضی اللہ عنہا نے

---

(۱) الإجابة لإيراد ما استدركته عائشة على الصحابة للزركشي: ص ۴۲-۴۳

(۲) الاتجاهات الفقهية للدكتور عبدالمجيد محمود: ص ۱۵۱ (۳) جامع الترمذي مع تحفة الأحوذي: ۱/۲۵۶

(۴) صحیح مسلم: ۲/۶۳۸، الإجابة لإيراد ما استدركته عائشة: ص ۷۶-۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابو ہریرۃؓ کے قول کی تائید وتصدیق فرمائی۔(۱)

۵-حضرت عمر بن الخطابؓ کا فاطمہ بنت قیس کی حدیث: "طلقني زوجي ثلاثا على عهد النبي ﷺ فقال رسول الله ﷺ لا سكنى لك ولا نفقة"۔سن کر یہ فرمانا:"لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا لقول امرأة لعلها حفظت أو نسيت"۔(۲)

۶-مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیثیں بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا اور یہ فرمایا،لیکن ابن عباسؓ کا یہ حال تھا کہ نہ ان کی بات پر کان دھرا اور نہ نگاہ اٹھا کر دیکھا،تو بشیر نے کہا: کیا معاملہ ہے؟ آپ میری بات نہیں سنتے؟ میں آپ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ توجہ نہیں دیتے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہمارا یہ حال تھا کہ جب ہم کسی کو یہ کہتے ہوئے سنتے کہ قال رسول اللہ ﷺ تو ہماری نگاہیں اس کی طرف فوراً اٹھ جاتی تھیں اور کان اس کی طرف لگ جاتے تھے،لیکن جب لوگوں نے رطب ویابس بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم صرف وہی روایت قبول کرتے ہیں جس کو ہم جانتے ہوں کہ یہ حدیث نبوی ہے۔(۳)

غرض دورِ صحابہ سے اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کے بعد عہد تابعین میں بھی اسناد اور نقدِ رجال کے ساتھ متن حدیث پر نقد کا خوب اہتمام کیا گیا ہے،چنانچہ سوید بن عبدالعزیز،مغیرہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

۱-''ہم ایک شیخ کے پاس گئے جن کے متعلق ہم کو یہ خبر پہنچی تھی کہ وہ احادیث بیان کرتے ہیں۔پس جب ہم ابراہیم نخعیؒ کے پاس جا پہنچے تو انہوں نے ہم سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ہم نے عرض کیا کہ ہم ایک ایسے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جو احادیث بیان کیا کرتے ہیں تو ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا:"لقد رأيتنا وما نأخذ الأحاديث إلا ممن يعرف وجوهها وإنا لنجد الشيخ يحدث بالحديث يحرف حلاله من حرامه ومايعلم"۔(۴)

۲-ایوب سختیانی (م ۱۳۱ھ) کا قول ہے کہ''اگر تو اپنے معلم کی خطا (یعنی متن حدیث میں راوی کی خطا) کو جاننا چاہے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے شیخ کی مجلس درس میں بھی بیٹھ''۔(۵)

۳-اسماعیل بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایوب نے ابن ملیکہ (م ۱۱۷ھ) کے متعلق خبر دی کہ انہوں

---

(۱) صحیح مسلم:۲/۱۱۶

(۲) جامع الترمذی مع التحفۃ:۲/۲۱۲،الکفایۃ:ص ۸۳

(۳) مقدمۃ صحیح مسلم:۱/۸۱

(۴) التمہید لابن عبدالبر:۱/۲۹

(۵) سنن الدارمی:۱/۱۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے مجھ سے فرمایا: "کیا تجھے اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ مجھ سے قاسم نے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث یوں روایت کی ہے: "أهللت بالحج" جبکہ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کی یہ حدیث یوں روایت کی ہے: "أهللت بعمرة" کیا تجھے اس پر تعجب نہیں ہوتا؟"۔(۱)

۴-عبداللہ بن صالح کہتے ہیں کہ معاویہ بن صالح نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر نے ابوالدرداء سے روایت کی کہ: "كنا مع النبي ﷺ فشخص بصره إلى السماء ثم قال: هذا أوان يختلس العلم من الناس حتى لا يقدروا منه على شيء"۔ ابن جبیر (م۱۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ میں عبادہ بن الصامت سے ملاتو میں نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ آپ کا بھائی ابوالدرداء کیا کہتا ہے؟ پھر میں نے انہیں ابوالدرداء جو کہتے تھے اس چیز سے باخبر کیا تو انہوں نے فرمایا: "صدق أبو الدرداء" (۲)

۵-محمد بن منکدر نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ عامر بن سعد بن ابی وقاص نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "أنت مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي"۔ سعید بن المسیب (م۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے یہ پسند کیا کہ اس حدیث کے متعلق سعد بن ابی وقاص سے بالمشافہ دریافت کروں، چنانچہ میں سعد بن ابی وقاص سے ملا اور ان سے وہ حدیث بیان کی جو عامر نے مجھے بیان کی تھی۔ انہوں نے فرمایا: میں نے اسے نبی ﷺ سے سنا تھا۔ میں نے تاکیداً پھر پوچھا کہ کیا آپ نے اسے نبی ﷺ سے سنا تھا؟ تو انہوں اپنی انگلیوں سے کانوں کو پکڑا اور فرمایا ہاں، ورنہ میں خاموش رہتا"۔(۳)

عہد تابعین میں اس طرح کے اور بہت سے واقعات تھوڑے سے تتبع سے دریافت کئے جاسکتے ہیں۔ تابعین کے بعد تبع تابعین اور محدثین کے عہد میں امام مالک، ثوری اور شعبہ، پھر عبداللہ بن مبارک، یحیی بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام شافعی، پھر یحیی بن معین، علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری وغیرھم کی وہ قدآور شخصیات نظر آتی ہیں جنہوں نے حدیث کی تحقیق وتثبت میں سنداً ومتناً ہر دوطرح غور وفکر کیا ہے۔ پھر ان کے بعد مصطلحات الحدیث کے مؤلفین کا دور آیا جنہوں نے صرف سند پر اقتصار نہ کرکے متن سے متعلق مسائل پر بھی خاص توجہ دی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ "حدیث صحیح" کی تعریف ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ روایت جس کی سند متصل ہو، اس کے ناقلین عادل وضابط ہوں اور وہ شذوذ وعلت سے محفوظ بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس تعریف میں "شذوذ وعلت سے محفوظ ہونا" صرف سند کے لئے نہیں بلکہ متن کے لئے بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ شذوذ فی المتن، ادراج فی المتن، قلب فی المتن، اضطراب فی المتن، تصحیف فی المتن یا اسی طرح محدثین کا حدیث کے سلسلہ میں روایت

---

(۱) العلل للامام احمد: ص ۳۹۶ (۲) جامع الترمذی، کتاب العلم: ۵/۳۱، ۳۲

(۳) صحیح مسلم بشرح النووی: ۱۵/۱۷۴-۱۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



باللفظ کا اہتمام فرمانا، روایت بالمعنی کے لئے شرائط مقرر کرنا، مفسق بدعت کی روایات میں سے صرف ایسی احادیث کو ہی قبول کرنا جو اس کی بدعت کو تقویت نہ پہنچاتی ہوں، اسی طرح مخالفت ثقات، متابعات وشواہد، زیادت ونقصان، تفرد اور معروف، اعتبار ومعارضت، شاذ ومنکر کے مابین تفریق کرنا وغیرہ سبھی چیزیں تو متن حدیث سے متعلق ہیں۔ اسی طرح موضوع حدیث کی شناخت کے لئے محدثین کا سند اور احوال رواۃ کی جانچ پڑتال کے ساتھ ساتھ متن حدیث پر بھی غور وبحث کے قواعد مرتب کرنا اور اس کی علامات بیان کرنا مثلاً رکیک الفاظ کی موجودگی یا روایت میں دلیل قطعی یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا حس ومشاہدہ یا دلیل عقلی یا تاریخی حقائق کے خلاف مروی ہونا یا حقیر فعل پر شدید وعید یا عظیم اجر کا ذکر ہونا وغیرہ سب متن حدیث پر نقد وجرح سے متعلق چیزیں ہی تو ہیں۔ چونکہ یہ کتاب ان تمام مباحث کی تفصیلات کی متحمل نہیں ہوسکتی لہٰذا متن حدیث کی جانب بھی محدثین کی تحقیقاتی کوششوں کے اس مختصر سے تعارف پر ہی ہم اکتفا کرتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ اس بارے میں جناب اصلاحی صاحب نے اوپر جو کچھ فرمایا ہے وہ اسلاف اور محدثین کرام کی ہمہ جہتی جہد ومساعی سے ان کی قطعی لاعلمی کا مظہر ہے اور یہ بات تو معلوم ومشہود ہے کہ کسی چیز کا نہ جاننا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہوتی۔ اس معاملہ میں جناب اصلاحی صاحب کے دیرینہ رفیق جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی اپنی کوتاہ علمی کو یوں ظاہر فرمایا ہے:

''جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار وآثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا اس لئے ان پر اخباری نقطۂ نظر غالب ہوگیا تھا اور وہ روایات کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں، رہا فقیہانہ نقطۂ نظر (یعنی متن حدیث پر غور کر کے یہ رائے قائم کرنا کہ وہ قابل قبول ہے یا نہیں) تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے اعتبار سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے مگر جو لوگ امور شریعت میں نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے اور محدثین کرام صحیح احادیث سے بھی احکام ومسائل کے استنباط میں وہ توازن واعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقہائے مجتہدین نے رکھا ہے''۔(۱)

''......درایت کا تعلق احادیث کے نفس مضمون سے ہے اور روایت کا تعلق تمام تر سند سے۔ اہل روایت

(۱) تفہیمات للمودودی: ۱/۳۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی وہ دراصل یہ تھی کہ قابل اعتماد ذرائع سے نبی ﷺ کے عہد سے متعلق جتنا مواد ان کو بہم پہنچے اسے جمع کر دیں۔ چنانچہ یہ خدمت انہوں نے انجام دے دی۔ اس کے بعد یہ کام اہل درایت کا ہے کہ وہ نفس مضمون پر غور کر کے ان روایات سے کام کی باتیں اخذ کریں۔ اگر اہل روایت خود اپنی اپنی فہم کے مطابق درایت کا کام بھی کرتے اور مضامین پر تنقید کر کے ان ساری روایتوں کو رد کرتے جاتے جن کے مضمون ان کی انفرادی رائے میں مناسب نہ ہوتے، تو ہم اس بہت سے مواد سے محروم رہ جاتے جو مجموعہ احادیث مرتب کرنے والوں کے نزدیک کام کا نہ ہوتا اور دوسرے بہت سے لوگوں کے نزدیک کام کا ہوتا۔ اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ اہل روایت نے زیادہ تر تنقید اسناد تک اپنے کاموں کو محدود رکھا اور تنقید مضامین کی خدمت انجام دینے والوں کے لئے معتبر اسناد سے بہم پہنچایا ہوا مواد جمع کر دیا''۔(۱)

''محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلم، یہ بھی مسلم کہ نقد حدیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرۃً اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے؟ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید برآں یہ ظن غالب ان کو جس بناء پر حاصل ہوتا تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ کہ بلحاظ درایت۔ ان کا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا۔ فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا، اس لئے فقیہانہ نقطہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہائے مجتہدین کی بہ نسبت کمزور تھے۔ پس ان کے کمالات کا جائزہ اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں ایک بلحاظ اسناد اور دوسرے بلحاظ تفقہ''۔(۲)

''اس سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سنداً صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح اور جوں کا توں قابل قبول ہو۔ ہم کو خود اپنی زندگی میں بارہا اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک شخص کی گفتگو کو جب سننے والے دوسروں کے سامنے نقل کرتے ہیں تو صحیح روایت کی کوشش کرنے کے باوجود ان کی نقل میں مختلف قسم کی کوتاہیاں رہ جاتی ہیں۔ مثلاً کسی کو پوری بات یاد نہیں رہتی اور وہ اس کا صرف ایک حصہ نقل کرتا ہے۔ کسی کی سمجھ میں بات اچھی طرح نہیں آتی اس لئے وہ ناقص مفہوم ادا کرتا ہے۔ کوئی دوران گفتگو میں کسی

(۱) رسائل و مسائل: ۲/ ۳۸ طبع اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور (۲) تفہیمات: ۱/ ۳۵۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وقت پہنچتا ہے اور اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے کیا بات ہو رہی تھی۔ اس طرح کے متعدد نقائص ہونے کی وجہ سے بسا اوقات نیک نیتی اور صداقت کے باوجود قائل کی بات اپنی صحیح صورت میں نقل نہیں ہوتی۔ اور ایسا ہی معاملہ حالات اور افعال کی روداد یں بیان کرنے میں بھی پیش آیا کرتا ہے۔ کبھی ان نقائص کو دوسری روایتیں رفع کر دیتی ہیں اور سب کو ملا کر دیکھنے سے پوری تصویر سامنے آجاتی ہے اور کبھی ایک ہی روایت موجود ہوتی ہے (جسے اصطلاح علم حدیث میں غریب کہتے ہیں) اس لئے وہ نقص علم روایت کی مدد سے رفع نہیں کیا جاسکتا اور درایت سے کام لے کر یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ اصل بات کیا ہو سکتی تھی یا یہ کہ یہ بات اپنی موجودہ صورت میں قابل قبول ہے یا نہیں یا یہ کہ نبی ﷺ کے مزاج اور انداز گفتگو سے یہ چیز مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ اس حد تک حدیث میں تحقیق کرنے کی صلاحیت جن لوگوں میں نہ ہو انہیں اول تو حدیث کی کتابیں پڑھنی ہی نہیں چاہئیں یا پڑھیں تو کم از کم ان کو فیصلے صادر نہ کرنے چاہئیں''۔(۱)

''اور نہ فن حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی کریم ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور اگر متن میں کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے''۔(۲)

قارئین کرام! آپ حضرات نے بچشم خود ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ جناب مودودی صاحب نے سطور بالا میں حقائق کو کس طرح توڑ مروڑ کر اور منفی انداز میں پیش کیا ہے، لیکن چونکہ یہاں جناب مودودی صاحب کی ناقص معلومات کو اجاگر کرنا یا ان کی عبارتوں پر تبصرہ کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے لہذا جناب اصلاحی و مودودی صاحبان کے درمیان فکری ہم آہنگی کو واضح کرتے ہوئے ہم آگے چلتے ہیں۔

## اصلاحی صاحب کا اپنے موقف پر ایک دنیاوی مثال سے استدلال:

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے اپنے ناقص موقف کی تائید میں کسی درخت کی تحقیق کے لئے اس کی جڑ کے ساتھ اس کے تنے، ٹہنیوں، پتوں، پھل اور پھول وغیرہ کا بھی مکمل جائزہ لینے کی عقلی مثال پیش کی ہے لیکن ہر معاملہ میں صرف عقلی مثالوں یا دنیاوی مشاہدات سے استدلال کرنا درست نہیں ہوا کرتا بلکہ کبھی کبھی تو نہایت مضر ہوتا ہے، بالخصوص دینی معاملات میں۔ ایسی عقلی مثالیں ہم بھی پیش کر سکتے ہیں جن کی رو سے اصلاحی

(۱) رسائل و مسائل: ۲/۴۳-۴۴ (۲) تفہیم القرآن: ۳/ ۱۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صاحب موصوف کے موقف کی تردید ہوتی نظر آئے گی، مثلاً اگر کسی شخص کو ضعف بصارت کی شکایت ہو تو طبیب سب سے پہلے اس کی آنکھ کا ہی معائنہ کرے گا نہ کہ اس کی زبان، قلب، جگر، معدہ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کا۔ اسی طرح اگر کسی سائیکل کے پہیہ کی ہوا نکل جائے تو اس کے ٹیوب کو ہی چیک کیا جائے گا نہ کہ اس کے بریک، ہینڈل یا پیڈل یا چین وغیرہ کو۔

پس معلوم ہوا کہ جس راستہ سے کسی خرابی کا راہ پا جانا ممکن ہو بنیادی طور پر اسی پر غور وفکر کرنا مفید ہوتا ہے اور ''حدیث'' تو ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے صرف دو ہی اجزاء ہیں: جڑ (سند) اور تنا (متن)۔ اگر محترم اصلاحی صاحب کو اس درخت کی نایاب ٹہنیاں، پتے، پھل اور پھول کہیں دستیاب ہوئے ہوں تو براہ کرم ہمیں بھی ان کی زیارت سے شرف یاب ہونے کا موقع دیں، ہم ان کے مشکور ہوں گے۔

## سند کا پہلا خلا اور اس کا جائزہ:

جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک سند کے پہلے خلا کا تعلق فن اسماء الرجال سے ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ''سند کی تحقیق میں جو خلا باقی رہ جاتے ہیں وہ معمولی غور وتدبر سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مثلاً پہلا خلا اس میں یہ ہے کہ اپنے تعلق اور علاقہ سے بعید، ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمیوں کے عقیدہ وکردار، ان کے علم وعمل اور ان کے تعلقات ومعاملات کی ایسی تحقیق کہ ان کے متعلق یہ طے کیا جا سکے کہ علم رسول کے حمل ونقل کے باب میں ان پر اطمینان کیا جا سکتا ہے یا نہیں، کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بے شک محدثین نے اس میدان میں بڑی جاں فشانیاں کی ہیں، لیکن یہ کام ہے بہت مشکل! اس نوعیت کی تحقیق اگر ہم اپنے گاؤں یا قصبہ یا شہر کے لوگوں کے بارے میں کرنا چاہیں تو چنداں آسان نہیں چہ جائے کہ ہزاروں میل دور کے لوگوں کے بارے میں جو مختلف ادوار میں پھیلے ہوئے ہوں۔ اس قسم کی تحقیق کے بارے میں محتاط رائے یہ ہو سکتی ہے کہ فی الجملہ ہمیں ان لوگوں کے کوائف معلوم ہیں اور اب ان کی شخصیات مجہول نہیں رہیں۔ ان کے بارے میں کسی رائے کو حتمی یا قطعی کہنا مشکل اور غالباً اپنی معلومات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔

آدمی کے کردار واخلاق کے معاملہ میں قابل اطمینان رائے اسی صورت میں قائم کی جا سکتی ہے جب معاملات میں اس سے عملاً سابقہ پڑا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب علم وفراست کی رائے یہی ہے۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ ایک صاحب نے ان کے سامنے کسی دوسرے شخص کی تعریف کی تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا اس کے ساتھ کبھی پڑوس رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، کہ نہیں۔ تب انہوں نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی تجارتی سفر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تب تمہیں اس کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کرے، اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کے ساتھ کسی کاروبار یا تجارت میں شریک نہ رہا ہو، اس کے ساتھ سفر نہ کیا ہو، اس کا پڑوس نہ رہا ہو، مسجد میں ایک دوسرے سے میل ملاپ نہ رہا ہو، دیگر دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون نہ رہا ہو، ربط ضبط کا ماحول نہ رہا ہو تو اس کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ رائے نہیں قائم کی جا سکتی۔ ان حالات میں بعض اوقات ایک ذہین و فطین آدمی بھی دھوکا کھا سکتا ہے"۔(۱)

اس ضمن میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی محترم اصلاحی صاحب کے ہمنوا نظر آتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"کسی روایت کے جانچنے میں سب سے پہلے جس چیز کی تحقیق کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ روایت جن لوگوں کے واسطے سے آئی ہے وہ کیسے لوگ ہیں۔ اس سلسلہ میں متعدد حیثیات سے ایک ایک راوی کی جانچ کی جاتی ہے۔ وہ جھوٹا تو نہیں؟ روایتیں بیان کرنے میں غیر محتاط تو نہیں؟ فاسق اور بدعقیدہ تو نہیں؟ وہمی یا ضعیف الحفظ تو نہیں؟ مجہول الحال ہے یا معروف الحال؟ ان تمام حیثیات سے رواۃ کے احوال کی جانچ پڑتال کر کے محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا، جو بلا شبہ نہایت بیش قیمت ہے، مگر ان میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو؟ اول تو رواۃ کی سیرت اور ان کے حافظہ اور ان کی دوسری باطنی خصوصیات کے متعلق بالکل صحیح علم حاصل ہونا مشکل، دوسرے خود وہ لوگ جو ان کے متعلق رائے قائم کرنے والے تھے، انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھے۔ نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا، اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے ذاتی رجحانات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے۔ یہ امکان محض امکان عقلی نہیں ہے بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان فعل میں آ گیا ہے الخ"۔(۲)

آں موصوف آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

"اس قسم کی مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسماء الرجال کا سارا علم غلط ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن حضرات نے رجال کی جرح و تعدیل کی ہے وہ بھی تو آخر انسان تھے، بشری کمزوریاں ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھیں۔ کیا ضروری ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو، اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روایتیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہوں۔ پھر ایک ایک راوی کے حافظہ اور اس کی نیک نیتی اور صحت ضبط وغیرہ کا حال بالکل صحیح معلوم کرنا تو اور بھی مشکل ہے، اور ان سب سے زیادہ مشکل یہ تحقیق کرنا ہے کہ ہر راوی نے ہر روایت کے بیان میں ان تمام جزئیات متعلقہ کو ملحوظ

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۲-۹۴

(۲) تفہیمات: ۱/ ۳۵۶-۳۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی رکھا ہے یا نہیں جو فقیہانہ نقطۂ نظر سے استنباط مسائل میں اہمیت رکھتی ہیں''۔(۱)

جناب مودودی صاحب کی ان عبارتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم جناب اصلاحی صاحب کے منقولہ بالا طویل اقتباس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کا لب لباب صرف یہ ہے کہ محدثین کرام نے حدیث نبوی کی تحقیق و تنقیح کے لئے فن اسماء الرجال کی جو اصولی بنیاد فراہم کی ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ ''اسی نوعیت کی تحقیق اگر ہم گاؤں یا قصبہ یا شہر کے لوگوں کے بارے میں کرنا چاہیں تو چنداں آسان نہیں'' ہے، تو پھر محدثین کا ہزار ہا میل دور اور وہ بھی مختلف ادوار میں پھیلے ہوئے لوگوں کے بارے میں فراہم کردہ علم کیوں کر معتبر ہو سکتا ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ جب ان محدثین کا ان رواۃ حدیث سے ''معاملات میں عملاً کوئی سابقہ بھی نہ پڑا ہو''۔ مختصراً یہ کہ مسلمانوں کے اس عظیم الشان وفقید المثال فن سے اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ رواۃ حدیث حد جہالت سے نکل گئے ہیں۔ لیکن ان کے ضبط وعدالت کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنا اپنی معلومات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد بلکہ محض خوش فہمی ہی ہے۔

محترم اصلاحی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں جناب نے فن اسماء الرجال کا ٹھیک سے مطالعہ ہی نہیں کیا ہے، ورنہ ایسے مہمل اعتراضات کبھی نہ کرتے۔ محترم اصلاحی صاحب کے ان اعتراضات کو اگر جناب مودودی صاحب کے پر اعتزال خیالات کی روشنی میں پڑھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اصلاحی صاحب نے اس ضمن میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ان کے اپنے مطالعہ وتحقیق کا حاصل نہیں ہے، بلکہ اس پر مودودی صاحب کی رفاقت یا جماعت اسلامی کے عمومی مسموم افکار کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے...... یہ افکار ان کے اپنے ہوں یا مستعار لئے ہوئے، بہر حال اس فن سے عدم ممارست کا ثبوت ضرور ہیں، لہٰذا ہم نہایت خلوص کے ساتھ آں محترم کو مشورہ دیتے ہیں کہ علم حدیث کے معاملہ میں اس بے بصیرت جماعتی ماحول، کہ جس میں آں محترم کی ذہنی تربیت وتنظیم ہوئی ہے، کو ترک کر کے ذرا وسیع النظری کے ساتھ اس عظیم الشان فن کا دوبارہ مطالعہ کریں، ان شاء اللہ اس میں جو خلاء اور کمزوریاں ان کو دکھائی یا بتائی گئی ہیں وہ خود بخود دور ہوتی نظر آئیں گی۔ قارئین کرام کو اس فن کی عظمت سے روشناس کرانے کی غرض سے ایک ہلکا سا تعارفی خاکہ زیر نظر باب کے حصہ اول میں پیش کیا جا چکا ہے۔

جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کی اس بات کا تعلق ہے کہ ......اپنے تعلق اور علاقہ سے بعید ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمیوں کے اسماء، انساب، القاب، کنی، اوطان، موالید، وفیات، رحلات، اسماء والدین، اسماء اولاد، اسماء شیوخ، اسماء طلاب، اسماء اصحاب، اصحاب حدیث سے لقاء، سماع اور معاصرت، کذب وصدق، امانت وتقوی، حفظ

(۱) تفہیمات: ۱/۳۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



واتقان، ضبط وحمل، وھم واختلاط، عقائد ونظریات، اخلاق وکردار، علم وعمل، تعلقات ومعاملات اورمرویات کے نمونے وغیرہ کی ایسی جامع تحقیق کہ ان کے متعلق یہ طے کیا جاسکے کہ علم رسول کے حمل ونقل کے بارے میں ان پر اطمینان کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ کوئی آسان کام نہیں ہے۔صدفی صد درست ہے۔خود جناب اصلاحی صاحب کو اس ضمن میں ائمۂ فن کی طرف سے کی جانے والی جدوجہداوران کی جاں فشانیوں کا پوری طرح احساس واعتراف ہے جیسا کہ منقولہ بالاعبارتوں کے بعض مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔لیکن ان نابغۂ روزگار محدثین کی ان رفیع الشان کوششوں کا اعتراف کرنے کے بعد خودآں موصوف نے اس فن کی تخفیف وتحقیر کا جواسلوب اختیار کیا ہے وہ نہ صرف باعث حیرت واستعجاب ہے بلکہ اس سے خودان کی اپنی سابقہ تحریر کا بطلان بھی ہوتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اگر آج بھی ہم اپنے گاؤں یا قصبہ یا شہر کے لوگوں کے بارے میں اتنی تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہیں تو یہ کام بہت ہی دشوار اورصبر آزما ہوگا، لیکن ناممکن بہرحال نہیں ہے۔کسی کام کا آسان نہ ہوکر مشکل یادشوار ہونا، اس کام کے غیر معتبر اورنا قابل اعتماد ہونے کی دلیل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس راہ کی دشواریوں کو اس کام کے کمزور پہلو یا خلاء سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔اگر حق وانصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو تمام دشواریوں کے باوجود اس کام کا ایسے عمدہ طریقہ پر انجام پاجانا بجائے خوداس فن کی عظمت نیز محدثین کی رفعت شان، عرق ریزی ،دقت نظر، ایثاروحلم، جستجو ونزاہت اوردقت فہم کی دلیل ہے۔کاش جناب اصلاحی صاحب اس بارے میں محدثین کرام کی جاں فشانیوں کا عملی طور پر اندازہ کرنے کی غرض ہی سے سہی ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے رہائشی محلّہ، قصبہ، گاؤں، شہر، تعلق یا علاقہ کے تمام باشندوں کے نہیں بلکہ ان میں سے صرف اہل علم وتقوی کے احوال جمع کرنے کی سعی کر دیکھتے، شایدآں موصوف کو محدثین کرام کی کاوشوں، ان کی جہد وسعی، ان کے صبر وایثاراوراس فن کی عظمت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوجاتا، اوراندازہ اگر نہ بھی ہوتا تو کم ازکم یہ ضرورمحسوس ہوجاتا کہ اس طرح کی تحقیق، کہ جس سے یہ طے کیا جاسکے کہ علم رسول کے اخذ ونقل کے بارے میں ان پر اطمینان کیا جاسکتا ہے یانہیں، بہرحال ناممکن نہیں ہے، لہذا اس بارے میں محدثین کرام کی فراہم کردہ معلومات کو نا قابل اعتماد قرار دینا سراسر ناانصافی کی بات ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر کسی بھی علاقہ کے باشندوں یا کسی ملک کے اندرونی حالات کا قابل اعتماد حدتک درست معلوم کرنا ناممکن ہی ہوتا تو آخر برصغیر میں آئی-ایس-آئی، سی-آئی-ڈی، سی-بی-آئی، وجیلینس، را اور بین الاقوامی سطح پر کے-جی-بی، سی-آئی-اے، خاد اورموساد وغیرہ جیسی خفیہ معلومات فراہم کرنے والی تنظیموں کے قیام کا مقصداوردائرہ کار کیا ہے؟ شہری یا علاقائی سطح پر اگر آپ مشاہدہ کرنا چاہیں تو اپنے محلّہ یا علاقہ کے قریبی پولیس اسٹیشن یا سی-آئی-ڈی-آفس جاکر دیکھیں اوران سے پوچھیں کہ وہ کس طرح اپنے اپنے حلقوں کے تمام لوگوں کے احوال واعمال، ان کی سیرت وکرداراوران کی نقل وحرکت کا ریکارڈ محفوظ کرتے ہیں۔ان کے پاس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آپ کو یہ تفصیل بھی ملے گی کہ فلاں ابن فلاں، عمر فلاں، مکان نمبر فلاں، محلّہ فلاں، پیشہ فلاں، قومیت (برادری) فلاں، مذہب فلاں، تاریخ ولادت فلاں، کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کی مادری زبان کیا ہے؟ آباء واجداد سے اس علاقہ میں رہتا آیا ہے یا کسی دوسرے علاقہ سے آ کر وہاں سکونت اختیار کر لی ہے؟ جعل ساز ہے یا قاتل یا زناکار یا چور یا ڈاکو یا سٹہ باز یا جیب کترا یا جواری یا شرابی یا لٹیرا یا غاصب یا راشی یا منشیات فروش یا اسمگلر یا کالا بازاری میں ملوث یا قحبہ گری کا اڈا چلانے والا یا جسم فروشوں کا دلال وغیرہ یا کہ نیک سیرت، متقی و پرہیزگار، شریف النفس اور ایماندار شخص؟ سزا یافتہ ہے یا نہیں؟ معاشرہ میں اس کا کیا مقام ومرتبہ ہے؟ سیاسی اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے؟ اسکی نشست و برخواست کن لوگوں کے درمیان ہے؟ وغیرہ...... کیا کوئی ذی عقل وشعور ان ایجنسیوں کی فراہم کردہ ان دفتری معلومات سے صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ فی الجملہ ان لوگوں کے کوائف معلوم ہو گئے ہیں اور اب ان کی شخصیات مجہول نہیں رہیں لیکن چونکہ ریکارڈ مرتب کرنے والے لوگوں کا ان تمام لوگوں کے ساتھ معاملات میں عملاً سابقہ نہیں پڑا ہے لہٰذا ان کی رائے کو حتمی یا قطعی یا قابل اعتماد سمجھنا ان ذرائع معلومات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنا ہے؟ یا یہ کہ جن لوگوں نے ریکارڈ مرتب کیا ہے آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے، نفس ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا، کوئی بھی ان میں انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھا لہٰذا ان کی فراہم کردہ معلومات پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا؟ اگر اس طرح کی منفی سوچ کو درست اور عملی زندگی میں قابل قبول تسلیم کر لیا جائے تو دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

محترم اصلاحی صاحب کے اگلے قول...... ''آدمی کے کردار واخلاق کے معاملہ میں قابل اطمینان رائے اسی صورت میں قائم کی جا سکتی ہے جب معاملات میں اس سے عملاً سابقہ پڑا ہو...... مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کرے، اس کے ساتھ کسی کاروبار یا تجارت میں شریک نہ رہا ہو، اس کے ساتھ سفر نہ کیا ہو، اس کا پڑوس نہ رہا ہو، مسجد میں ایک دوسرے سے میل ملاپ نہ رہا ہو، دیگر دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون نہ رہا ہو، ربط وضبط کا ماحول نہ رہا ہو تو اس کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ان حالات میں بعض اوقات ایک ذہین وفطین آدمی بھی دھوکہ کھا سکتا ہے''...... کے متعلق ہم چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ محدثین نے رواۃ حدیث کے متعلق خود اپنے گھروں میں بیٹھ کر کوئی رائے قائم نہیں کی بلکہ مہینوں مہینوں کی طویل طویل مسافت طے کر کے وہ بہ نفس نفیس ان راویان حدیث کی بستیوں میں گئے ہیں، وہاں ان راویوں سے ملے ہیں جو کہ بقید حیات تھے، ان کی مرویات درج کی ہیں اور بستی والوں سے مل کر ان کے حالات وکوائف کی تفصیلات دریافت کی ہیں۔ پھر ان شہادتوں اور ان کی روایات کی اسناد ومتون کے خورد بینی تجزیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور اپنے تجربات کی روشنی میں ان پر کوئی حکم لگایا ہے۔ یہ درست ہے کہ ان ائمہ فن کا ان راویان حدیث سے معاملات میں عملاً کوئی سابقہ نہیں پڑا، نہ وہ کسی کے ساتھ کاروبار یا تجارت میں شریک ہوئے، نہ ان کے ساتھ سفر کیا، نہ ان کے پڑوس میں جا بسے، نہ طویل عرصہ تک مسجد میں ایک دوسرے سے ملے جلے، نہ دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا اور نہ ربط ضبط کا ماحول رکھا، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ ائمہ بس چند ساعتوں کے لئے کسی بستی میں جا ٹھہرے اور لوگوں کو بلا کر لائن لگوائی پھر الیکشن کمیشن کی پولنگ لسٹ کی طرح اس بستی میں ہی رہنے والے راویوں کے ناموں کی فہرست تیار کر ڈالی یا زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ ان راویوں سے چند دقیقہ ملے اور سرسری طور پر ان کی شکل وشباہت یا وضع قطع دیکھ کر اٹکل پچو سے کوئی رائے قائم کر ڈالی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ائمہ نے ان راویوں کے اہل بلد، جنہیں آپ گھر کے بھیدی بھی کہہ سکتے ہیں، سے ان کے حفظ وضبط، امانت ودیانت، عدل واتقان، اخلاق وکردار، علم وعمل، تعلقات ومعاملات اور صداقت وغیرہ کے متعلق تفصیلی شہادتیں طلب کیں، پھر ان کا تجزیہ کیا اور بالآخر ان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کی۔ بلاشبہ ان راویوں کے متعلق شہادت دینے والے اہل بلد میں ایسے لوگ بھی شامل ہوں گے جنہوں نے ان راویوں کو بچپن سے دیکھا ہوگا اور وہ بھی ہوں گے جن کا ان راویوں سے معاملات میں عملاً سابقہ پڑا ہوگا، ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی ان کے کاروبار یا تجارت کا شریک یا ہم سفر یا پڑوسی یا مسجد کا ملاقاتی یا دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے کا غمخوار بھی رہا ہو۔ اگر راویان حدیث کے متعلق کوئی قطعی وحتمی رائے قائم کرنے کے لئے جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک صرف ان کے اہل بلد ہی نہیں بلکہ وہ اہل بلد جو ان میں تقوی کے اعتبار سے منفرد ہوں اور اعلی مقام رکھتے ہوں کی تائید وشہادت کافی نہیں تو آں موصوف ہی فرمائیں کہ کیا انہیں اللہ تعالی کی جانب سے ان راویوں کی ثقاہت کی تائید مطلوب ہے؟ پس معلوم ہوا کہ اگر کسی راوی کے متعلق متقدمین ائمہ میں سے کسی نے کوئی فیصلہ صادر کیا ہو تو ان کا قول اس راوی کے بارے میں قرب زمانہ نیز اہل بلد کی شہادت کے باعث معتبر اور قطعی ہی تصور کیا جائے گا، واللہ اعلم۔

محترم اصلاحی صاحب کی یہ منطق بھی خوب نرالی ہے کہ ''آدمی کے کردار واخلاق کے معاملہ میں قابل اطمینان رائے اسی صورت میں قائم کی جاسکتی ہے جب معاملات میں اس سے عملاً سابقہ پڑا ہو الخ''............ میں پوچھتا ہوں کہ آخر پھر شہادت کا مطلب ومنشا ہی کیا رہا؟ اگر بفرض محال آں موصوف کی بات کو درست مان لیا جائے تو اس سے تمام دنیا کا نظام الٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ کسی شاہد کی شہادت اس لئے قبول نہ کی جائے گی کہ ملزم کے ساتھ اس کو عملاً کوئی سابقہ نہیں پڑا، کوئی جج بھی کسی مجرم کو محض اس لئے سزا نہیں دے پائے گا کہ عملاً اس کا سابقہ مجرم سے نہیں پڑا ہے۔

جہاں تک ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب علم وفراست کی رائے'' سے استدلال کا تعلق ہے تو جاننا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


چاہیئے کہ اس بارے میں جناب اصلاحی صاحب نے جو واقعہ نقل کیا ہے، راقم کو وہ بعینہٖ کسی کتاب میں نہ مل سکا۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس بارے میں دو روایتیں نقل کی ہیں جو ھدیہ قارئین ہیں:

۱ – "شهد رجل عند عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه بشهادة، فقال له لست أعرفك ولا يضرك أن لا أعرفك ائت بمن يعرفك فقال رجل من القوم أنا أعرفه قال فبأى شيء تعرفه؟ قال بالأمانة والعدل قال فهو جارك الأدنى الذى تعرف ليله ونهاره ومدخله ومخرجه؟ قال لا، قال فمعاملك بالدينار والدرهم اللذين بهما يستدل على الورع ؟ قال لا ، قال فرفيقك فى السفر الذى يستدل به على مكارم الأخلاق؟ قال لا، قال لست تعرفه ثم قال للرجل ائت بمن يعرفك"۔ (۱)

یہ روایت بطریق عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز قال ثنا داود بن رشيد ثنا الفضل بن زياد قال ثنا شيبان عن الأعمش عن سليمان بن مسهر عن خرثة بن الحر قال شهد رجل به مروی ہے، لیکن اس سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس کے راوی عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی ابوالقاسم کو اگرچہ امام دارقطنیؒ، خطیب بغدادیؒ اور ذہبیؒ وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ "میں نے بغداد میں علماء کو اس کے ضعف پر متفق دیکھا ہے۔ ائمہ کی ایک جماعت نے اس پر کلام کیا ہے اور کذب کی طرف اس کی نسبت بیان کی ہے"۔ سلیمانی کا قول ہے کہ حدیث کے سرقہ کے لئے متہم ہے، اور عبدالحمید الوراق کا قول ہے: "هو ألقس من أن يكذب قال وكان بذئ اللسان يتكلم فى الثقات" مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ (۲) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

۲-"أثنى رجل على رجل عند عمر بن الخطاب رضى الله عنه فقال له عمر هل صحبته فى سفر قط؟ قال لا، قال هل ائتمنته على أمانة قط؟ قال لا، قال هل كانت بينك وبينه مداراة فى حق؟ قال لا، قال اسكت ، فلا أرى لك به علما، أظنك والله رأيته فى المسجد يخفض رأسه ويرفعه"۔ (۳)

یہ روایت بطریق احمد بن محمد بن المغلس قال ثنا ابو همام قال ثنا عيسى بن يونس قال ثنا مصاد بن عقبة البصرى قال حدثنى جليس لقتادة قال أثنى رجل على رجل

---

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ۸۳-۸۴

(۲) میزان الاعتدال للذھبی: ۲/۴۹۳، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲/۱۳۹

(۳) الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بہ مروی ہے لیکن اس کا راوی احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس ابوالعباس الحمانی انتہائی مجروح ہے۔ابن حبان، دارقطنی اور ابن ابی الفوارس کا قول ہے کہ ''وہ حدیث گھڑتا تھا''، ابوبکر الخطیب فرماتے ہیں: ''وہ احادیث بیان کیا کرتا تھا لیکن اس کی اکثر احادیث ایسی ہوتی تھیں کہ جنہیں اس نے خود گھڑا ہوتا تھا''۔ابن قانع کا قول ہے: ''ثقہ نہیں ہے''۔صاحب التنقیح فرماتے ہیں: ''وہ کذاب وضاع ہے''۔ابن عراق الکنانی اور ملا طاہر پٹنی کا قول ہے کہ ''کذاب ہے''۔امام ذہبیؒ اس کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''یہ جھوٹ ہے''۔اس کے متعلق منقول ہے کہ جھوٹوں میں اس سے زیادہ بے حیا شخص نہیں دیکھا گیا ہے۔ پس یہ روایت خانہ ساز ہونے کی بنا پر نا قابل استدلال قرار پائی۔احمد بن محمد بن المغلس کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج شدہ کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ائمۂ فن نے راویان حدیث کے احوال وکوائف کے متعلق جو کچھ تفصیلات فراہم کی ہیں ان کے بارے میں محترم اصلاحی صاحب کو خواہ مخواہ یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی ہے کہ وہ محض ان ائمہ کی رائے، ظن واجتہاد یا قیاس پر مبنی ہیں، چنانچہ جگہ جگہ ''محتاط رائے یہ ہوسکتی ہے''، ''کسی رائے کو قطعی اور حتمی کہنا''، ''قابل اطمینان رائے'' اور ''......آسانی کے ساتھ رائے نہیں قائم کی جاسکتی'' درج فرماتے ہیں حالانکہ تمام اصحاب نظر جانتے ہیں کہ فن اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کی اساس امور محسوسہ یعنی مشاہدات ومسموعات پر قائم ہے، چنانچہ شیخ محمد عبدالسلام مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

''بڑی خصوصیت فن حدیث اور سلسلۂ اسناد کو یہ حاصل ہے کہ اس میں اجتہاد، تخمین، ظن کو دخل نہیں۔یا تو مشاہدات ہیں یا مسموعات۔اتصال سند، توثیق رواۃ، راوی ومروی عنہ کی معاصرت، ان کا آپس میں لقاء، سماع، یہ سب امور مسموعات یا مشاہدات سے ہیں۔دو شخصوں کی معاصرت یا آپس کے لقاء کو، سماع کو، شخص حاضر رویت ومشاہدہ جانتا ہے۔غائب حاضر کی شہادت سے جان سکتا ہے۔رواۃ کا ثقہ ہونا، ضابط القلب ہونا، جید الحافظہ ہونا حاضرین ملاقات وتجربہ سے جانتے ہیں، غائبین ان کی شہادت اور ان کے درمیان شہرت سے......محدثین نے رواۃ کی نسبت جو کچھ ثقہ، ثبت، ضعیف، واہم، صدوق، شیخ وغیرہ الفاظ جرح وتعدیل لکھے ہیں کل کی بناء حس اور مشاہدات پر ہے نہ کہ رائے وقیاس پر اور زیادہ تر تجربیات ہیں''۔(۲)

اس بارے میں تفصیلی بحث اوپر باب کے حصہ اول میں ''ائمۂ جرح وتعدیل کے مابین اختلاف رائے کی

---

(۱) المجروحین لابن حبان: ۱/۱۵۳، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی نمبر ۵۹، الکامل فی الضعفاء لابن عدی: اق نمبر ۶۳، تاریخ بغداد للخطیب: ۵/۳۳، الکشف الحثیث للحلبی: ص ۷۰، لسان المیزان: ۱/ ۲۶۹-۲۷۲، میزان الاعتدال للذھبی: ۱/ ۱۴۰-۱۴۱، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۱/ ۸۶، الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۱۶۴، ۳/ ۱۱۸، العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ لابن الجوزی: ۱/ ۶۵، ۱۲۸، ۴۴۷، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/۳۳، المغنی فی الضعفاء للذھبی نمبر ۴۲۶، نصب الرایۃ للزیلعی: ۲/ ۱۹۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۲۳۷

(۲) سیرۃ البخاری للمبارکفوری: ص ۲۷۴-۲۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وجوہ'' کے زیر عنوان مذکور ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت''(۱) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## سند کا دوسرا خلاء اور اس کا جائزہ:

فن اسماء الرجال کی تدوین کے ذرائع اور طریقۂ کار کے متعلق شکوک وشبہات کی چادر تان دینے اور اس فن کو ناقابل اطمینان اور غیر قطعی قرار دینے کے بعد جناب اصلاحی صاحب نے فن جرح وتعدیل میں جن بعض کمزوریوں کو محسوس کیا ہے ان کا تذکرہ سند کے دوسرے خلاء کے تحت یوں فرمایا ہے:

''سند کی تحقیق میں دوسرا خلاء جرح وتعدیل کے کام کی نزاکت سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر محقق یہ نہیں جانتا کہ جرح کس چیز پر ہونی چاہیئے اور تعدیل کس چیز کی ہونی چاہیئے یعنی یہ جاننا کہ کیا باتیں جرح کے حکم میں داخل ہیں اور کیا باتیں تعدیل کے مقتضیات میں سے ہیں، ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ کردار کی اساسات کیا ہیں، بدکاری کی بنیادیں کیا ہیں، یہ چیزیں اتنی آسان نہیں کہ ہر خاص وعام اس کا کما حقہ ادراک کر سکے۔ اس بے خبری کی مثالیں ماضی میں رہی ہیں اور خود مشائخ نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ موجودہ دور کے غلو عقیدت ونفرت سے اس مشکل کا ایک سرسری اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جرح وتعدیل کا کام علم، فقاہت، بصیرت، تجربے اور معقولیت کا متقاضی ہے۔ انسان ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں، فرشتے نہیں رہے ہیں۔ فن اسماء الرجال کے ماہرین کا معیار اخلاق، بصیرت وبصارت بے شک ہم سے اونچا رہا ہے، لیکن وہ بہر حال آدمی ہی تھے۔ رواۃ حدیث کے متعلق ان کی فراہم کردہ معلومات اور ان پر مبنی آراء عام انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتیں، جو حق یا مخالف دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

جرح وتعدیل کے مقتضیات میں سے ہے کہ کسی کے متعلق معلومات فراہم کرنے والا شخص جچا تلا آدمی ہونا چاہیئے اور اس سے زیادہ جچا تلا، متوازن اور زیرک اسکو ہونا چاہیئے جو جرح وتعدیل کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک جرح وتعدیل کے کام کی مشکلات کا لحاظ کرتے ہوئے محتاط طرز عمل یہ ہے کہ سلسلۂ روایت یعنی سند کے راویوں کے متعلق اس فن کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں فی الجملہ ایک رائے قائم کی جائے، لیکن اس رائے کو قطعیت کا یہ رنگ نہیں دیا جا سکتا کہ کسی حدیث کی صحت کا معیار اسی رائے کو ٹھہرا لیا جائے''۔(۲)

جناب سید ابوالاعلی مودودی صاحب بھی فن جرح وتعدیل پر اپنی بے اعتباری کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''......اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ رجال کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں محدثین کے

---

(۱) ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۴۶-۴۷

(۲) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۴-۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اپنے جذبات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے"۔(۱)

اب اس فقید المثال فن پر عائد کردہ الزامات کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

فرماتے ہیں کہ "سند کی تحقیق میں دوسرا خلاء جرح وتعدیل کے کام کی نزاکت سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر محقق یہ نہیں جانتا کہ جرح کس چیز پر ہونی چاہیئے اور تعدیل کس چیز کی ہونی چاہیئے۔یعنی یہ جاننا کہ کیا باتیں جرح کے حکم میں داخل ہیں اور کیا باتیں تعدیل کے مقتضیات میں سے ہیں ہر شخص کا کام نہیں ہے......موجودہ دور کے غلو عقیدت ونفرت سے اس مشکل کا ایک سرسری اندازہ کیا جاسکتا ہے"۔۔۔ جرح وتعدیل کے کام کی نزاکت کا احساس واعتراف کس کو نہیں ہے؟ بلاشبہ اس فن کی اہمیت، ضرورت اور نزاکت انتہائی احتیاط کی متقاضی ہے، لیکن اس چیز کو اس فن کی کمزوری یا خلاء کی علامت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فن جرح وتعدیل کے ابتدائی دور میں، جب کہ اس کے اصول وضوابط با قاعدہ مقرر نہ ہوئے تھے، ائمہ فن نے اپنی فہم وبساط کے مطابق اس بارے میں حد درجہ محتاط رہنے کی کوشش کی تھی۔اسی لئے بعض اوقات ان ائمہ کے کلام میں ہمیں کچھ ایسی چیزیں نظر آجاتی ہیں جو اس فن کے اصول ومبادیات سے متصادم یا غیر متعلق محسوس ہوتی ہیں مثلاً جب حکم بن عتبہ سے سوال کیا گیا کہ آپ زاذان سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "وہ کثیر الکلام تھا"۔ حالانکہ اگر کلام مباح ہو تو کثرت کلام کوئی باعث جرح امر نہیں ہے۔پس اس قول کو ان کی حد درجہ احتیاط پر محمول کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں مروی ہے:"من كثر كلامه كثر سقطه ومن كثر سقطه كثرت ذنوبه ومن كثرت ذنوبه فالنار أولى به" (رواہ الطبرانی فی الاوسط) اگرچہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، کما فی فیض القدیر للمناوی(۲)، لیکن حافظ سخاویؒ نے حکم بن عتبہ کے قول کی یہی توجیہ بیان کی ہے۔اسی طرح جریر بن عبدالحمید کا سماک بن حرب کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھنے پر انہیں ترک کرنا بھی ان کے حد درجہ محتاط ہونے پر دلالت کرتا ہے۔حافظ سخاویؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:"لوگوں کی نگاہ ان کے ستر پر پڑتی ہوگی"۔

ایسی چند مثالوں کو دیکھ کر جناب اصلاحی صاحب کا یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ قدیم ائمہ فن کہ جنہوں نے فن جرح وتعدیل کی بنیاد رکھی اور اس میں اپنی پوری پوری عمریں اور تمام توانائیاں صرف کر دیں، یہ بھی نہ جانتے تھے کہ "جرح کس چیز پر ہونی چاہیئے اور تعدیل کس چیز کی"، یا "کردار کی اساسات کیا ہیں اور بدکرداری کی بنیادیں کیا ہیں"۔ان پر سراسر ظلم اور ناانصافی کی بات ہے۔ان ائمہ متقدمین سے اس قسم کے بعض اقوال منقول ہونے کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سارے انسان کا یکساں نہ ہونا ایک بدیہی امر ہے، حتی کہ اللہ تعالی نے انبیاء ورسل میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:﴿تلك الرسل فضلنا

---

(۱) رسائل ومسائل:۱/۲۲۰، ترجمان القرآن:۱۰/۱۱۰　　(۲) فیض القدیر للمناوی:۲/۲۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بعضهم علی بعض﴾(۱) پس معلوم ہوا کہ ہر انسان کا ذہن اور اس کی دماغی صلاحتیں مساوی نہیں ہوتیں، اس لئے ہر ایک کے سوچنے سمجھنے کے انداز بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس بدیہی امر کے مطابق محدثین میں بھی مختلف ذہن اور معیار کے لوگ موجود ہوں گے جنہوں نے ماحول، ضرورت، اپنی جداگانہ دماغی صلاحیتوں اور اپنے مختلف معیار احتیاط کے مطابق جرح وتعدیل کے لئے اپنے اپنے اصول وضع کئے ہوں گے۔ ان کے معیار احتیاط مختلف ہونے سے ان کی وسعت علم، بصیرت وبصارت، فقاہت وتجربہ، معیار اخلاق اور معقولیت پر کوئی حرف نہیں آتا ہے اور نہ ہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ تمام محققین اس بات سے بھی لاعلم تھے کہ ''کیا باتیں جرح کے حکم میں داخل ہیں اور کیا باتیں تعدیل کے مقتضیات میں سے ہیں''۔ یا ''کردار کی اساسات کیا ہیں، بدکاری کی بنیادیں کیا ہیں''۔

اب جناب اصلاحی صاحب کا اگلا قول ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں: ''جرح وتعدیل کا کام علم، فقاہت، بصیرت، تجربے اور معقولیت کا متقاضی ہے، انسان ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں، فرشتے نہیں رہے۔ فن اسماء الرجال کے ماہرین کا معیار اخلاق، بصیرت وبصارت بے شک ہم سے اونچا رہا ہے لیکن وہ بہرحال آدمی ہی تھے۔ رواۃ حدیث کے متعلق ان کی فراہم کردہ معلومات اور ان پر مبنی آراء عام انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ سے پاک نہیں ہوسکتیں الخ''۔ ٹھیک یہی بات جناب مودودی صاحب کے الفاظ میں اوپر منقول ہوچکی ہے، لیکن جہاں تک مذکورہ احتمال کا تعلق ہے تو جاننا چاہیئے کہ قدیم ائمہ فن وسعت علم، فقاہت، بصیرت، تجربے اور معقولیت کے مطلوبہ معیار سے متصف ہی نہیں بلکہ ان کے اعلی مقام پر فائز تھے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ ان کے فرشتہ نہیں بلکہ بنی نوع آدم ہونے کے ہم بھی قائل ہیں، اور آدمی ہونے کے باعث رواۃ حدیث کے متعلق فراہم کردہ ان کی معلومات کو ''انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ سے'' قطعاً پاک نہیں سمجھتے جو حق یا مخالف دونوں صورتوں میں موجود ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ ان ماہرین فن میں سے بعض سے بعض اوقات ایسی فروگزاشت ہوئی ہیں جن کا تذکرہ خود ہم نے اوپر ''فن جرح وتعدیل کی نزاکت'' اور ''جرح وتعدیل کے چند اصول وضوابط'' کے تحت کیا ہے، لیکن بعض مواقع پر ان سے صادر ہونے والی خطاؤں اور بشری کمزوریوں کی بناء پر پورے فن جرح وتعدیل کو ہرگز مشتبہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خود جناب اصلاحی صاحب بھی ان کے باعتبار معیار اخلاق اور بصیرت وبصارت ہم سے بلند ہونے کے معترف ہیں، پھر ان ماہرین سے اگر کبھی ایسی کوئی خطاء سرزد ہوئی بھی ہے تو دوسرے علماء نے فوراً اس کا نوٹس لیا ہے اور دوسروں کو اس سے باخبر کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک محققین میں سے کوئی بھی ان کے ان شاذ اقوال کی طرف نگاہ التفات نہیں کرتا۔

اوپر ہم نے جو ''جرح وتعدیل کے چند اصول وضوابط'' بیان کئے ہیں، ان کی مدد سے بھی بہ آسانی اس بات

---

(۱) البقرۃ: ۲۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کس جرح یا کس تعدیل کو کن کن حالات میں قبول یا رد کیا جا سکتا ہے؟ افسوس کہ جناب اصلاحی صاحب رواۃ حدیث کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کی فراہم کردہ معلومات اور ان پر مبنی آراء کو عام انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ سے پاک نہیں سمجھتے، حالانکہ اس معاملہ میں سوائے چند استثنائی واقعات کے ان ماہرین کی نزاہت، شجاعت، اخلاص، ورع اور دیانتداری ہمیشہ قابل رشک رہی ہے، جس کا کہ اعتراف معروف دشمنان اسلام اور مستشرقین تک نے کیا ہے۔ باب کے حصۂ اول میں ہم نے ''جرح وتعدیل میں ائمہ فن کی قابل رشک نزاہت ودیانت'' کے زیر عنوان اس کی چند مثالیں پیش کی ہیں، پس جناب اصلاحی صاحب کا یہ اعتراض بھی لغو ثابت ہوا۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: ''جرح وتعدیل کے مقتضیات میں سے ہے کہ کسی کے متعلق معلومات فراہم کرنے والا شخص جچا تلا آدمی ہونا چاہیئے اور اس سے زیادہ جچا تلا متوازن اور زیرک اس کو ہونا چاہیئے جو جرح وتعدیل کرتا ہے''۔ تمام محدثین اور ہم بھی اسی بات کے قائل ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وينبغي أن لا يقبل الجرح والتعديل إلا من عدل متيقظ فلا يقبل جرح من أفرط فيه جرح بما لا يقتضي رد حديث محدث كما لا يقبل تزكية من أخذ بمجرد الظاهر فأطلق التزكية"۔ (۱)

یعنی ''جرح وتعدیل کے معاملہ میں صرف زیرک اور عادل کی رائے ہی قبول کی جانی چاہیئے۔ پس جرح میں افراط سے کام لینے والے کی جرح کہ جو کسی محدث کی حدیث کو رد کرنے کی متقاضی ہو قبول نہیں کی جاتی جس طرح کہ اگر کسی نے مجرد ظاہر کو دیکھ کر تزکیہ کا اطلاق کیا ہو تو اس کا تزکیہ قبول نہیں کیا جاتا''۔

ہمارا دعوی ہے کہ الحمد للہ تمام ائمہ جرح وتعدیل اس فن کے مقتضیات سے پوری طرح باخبر اور اس کام کے ہر طرح اہل تھے۔ اگر ہم اپنے اس دعوی کے اثبات میں دلائل جمع کریں تو بحث بہت طویل ہو جائے گی، لہذا ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اصلاحی صاحب کی اگلی عبارت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک جرح وتعدیل کے کام کی مشکلات کا لحاظ کرتے ہوئے محتاط طرز عمل یہ ہے کہ سلسلۂ روایت یعنی سند کے راویوں کے متعلق اس فن کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں فی الجملہ ایک رائے قائم کی جائے، لیکن اس رائے کو قطعیت کا رنگ نہیں دیا جا سکتا کہ کسی حدیث کی صحت کا معیار اسی رائے کو ٹھہرا لیا جائے'' ـــــ اس بارے میں ہم صرف یہ کہیں گے کہ فن جرح وتعدیل کی راہ کی تمام مشکلات اور صعوبتیں تو ائمہ اور نقاد صدیوں پہلے ہی جھیل چکے ہیں، اللہ تعالی ان پر اپنا خاص فضل وانعام فرمائے اور ان کی تربتوں کو پرنور اور ٹھنڈی رکھے، آمین۔

---

(۱) لقط الدرر بشرح متن نخبۃ الفکر: ص ۱۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جناب اصلاحی صاحب نے جب اس پر پیچ اور دشوار گزار وادی میں کوئی بھی قدم نہیں رکھا، تو آں محترم اس راہ کی اصل دشواریوں کو کیوں کر محسوس کر سکتے ہیں ؟ محض کرکٹ کے تماشہ بینوں کی طرح دور سے کھلاڑیوں کی کارکردگی پر نقد وتبصرہ ہی کر سکتے ہیں۔ چونکہ فن جرح وتعدیل جناب اصلاحی صاحب کے اصل ذوق کا میدان نہیں ہے، لہذا اس کام میں جو مشکلات آں موصوف نے محسوس فرمائی ہیں، ان کا سبب اس عظیم الشان فن پر ان کی گہری نگاہ نہ ہونا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی حد وسعت سے زیادہ زیر بار بھی نہیں فرماتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها"۔(۱)

جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کے مجوزہ محتاط طرز عمل کا تعلق ہے تو یہ بھی قطعاً بے بنیاد اور عبث ہے کیونکہ جرح وتعدیل کے کام کی جن مشکلات کا تذکرہ آں محترم نے ''سند کا دوسرا خلاء'' کے ذیلی عنوان کے تحت کیا ہے ان تمام مشکلات اور اعتراضات کے تسلی بخش جوابات نیز ان کے قابل قبول حل اوپر پیش کئے جا چکے ہیں، لہذا جب محترم اصلاحی صاحب کی بیان کردہ علت ہی باقی نہ رہی تو ان کے مجوزہ ''محتاط طرز عمل'' کی بھی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ''سند کا پہلا خلاء'' کے تحت جناب اصلاحی صاحب نے فن اسماء الرجال کے متعلق اپنی محتاط رائے یوں بیان فرمائی تھی ...... ''فی الجملہ ہمیں ان لوگوں کے کوائف معلوم ہیں اور اب ان کی شخصیات مجہول نہیں رہیں۔ ان کے بارے میں کسی رائے کو حتمی یا قطعی کہنا مشکل اور غالباً اپنی معلومات ...... الخ''۔ اور ''سند کا دوسرا خلاء'' کے زیر عنوان اپنی دوسری محتاط رائے کے مطابق فن جرح وتعدیل کی فراہم کردہ تمام معلومات کی روشنی میں فی الجملہ رواۃ حدیث کی شخصیات کو حد جہالت سے نکالنے کے بعد ان کے بارے میں ایک رائے قائم کرنے کے قائل نظر آتے ہیں، مگر وہ رائے بھی بقول آں موصوف قطعی اور حتمی نہیں بلکہ محض ایک وہم وخیال یا ظن وگمان کی حیثیت میں ہوگی۔ میں پوچھتا ہوں کہ آخر پھر اس رائے کو قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ فن جرح وتعدیل کے ضمن میں خود آں محترم ایک مقام پر فرما چکے ہیں: ...... ''یہاں یہ نکتہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے کہ اس زمانہ میں حدیث کے طالب علموں کو جملہ رواۃ حدیث کے بارے میں جرح وتعدیل کے لئے بہر حال سلف کی تحقیقات پر ہی قناعت کرنی پڑے گی اور مجرد انہی کی تحقیقات کی کسوٹی پر کسی سند کے راویوں کا درجہ متعین کیا جائے گا۔ چنانچہ اب کسی حدیث کی سند کو متقدمین کی فراہم کردہ انہی معلومات کی روشنی میں جانچا پرکھا جائے گا، اس لئے کہ ذرائع تحقیق مرور زمانہ سے اب معدوم ہو چکے ہیں۔ اس میں ہمارے اکابرین فن نے تحقیق کی معراج کی بلندیوں کو چھوا ہے اور انسانی امکان کی حد تک اس فن کی خدمت کی ہے''۔(۲)

(۱) البقرة:۲۸٦ (۲) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چونکہ احادیث نبوی دین کا ماخذ ہیں اور فن جرح وتعدیل انہی احادیث کی صحت روایت کو پرکھنے کی ایک معروف کسوٹی ہے، لہٰذا اگر اس کسوٹی کو ہی کھوٹی قرار دے دیا جائے تو جو چیز بھی اس پر پرکھی جائے گی وہ کیوں کر کھری ہوگی؟ پس جو چیز صدفی صد کھری، شک وشبہ سے بالاتر اور قطعی الثبوت نہ ہو وہ جزو دین کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس طرز عمل سے تو یک گونہ انکار حدیث لازم آتا ہے، فنعوذ بالله من ذلك۔

## سند کا تیسرا اخلاء اور اس کا جائزہ:

جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''سند کی تحقیق میں تیسرا اخلاء یہ ہے کہ ہمارے ائمہ نے اہل بدعت، خصوصاً شیعہ اور روافض سے روایات لینے میں بڑی مسامحت برتی ہے۔ یہ لوگ دوسرے معاملات میں تو بڑے بیدار ثابت ہوئے، لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں انہوں نے واقعی چشم پوشی سے کام لیا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ سے متعلق تو بے شک اس معاملے میں احتیاط منقول ہے لیکن دوسرے تمام ائمہ: امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام مسلم علیہم الرحمۃ وغیرہ کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اہل بدعت سے روایات لینے میں کوئی قباحت نہیں خیال کرتے تھے۔ بس اتنی احتیاط فرماتے تھے کہ ان کے خیال میں وہ اپنی بدعت کا باقاعدہ داعی نہ ہو۔ گویا ان کے نزدیک محض مبتدع سے روایات لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ از روئے قرآن، از روئے حدیث اور حدیث کے مجموعی مزاج کے تقاضے کے لحاظ سے مجرد اہل بدعت کے گروہ سے ہونا ضعف کے لئے کافی ہے، اگرچہ راوی اپنی بدعت کا داعی نہ رہا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعیت، رفض، باطنیت اور اس قبیل کے دوسرے مذاہب اصل دین سے انحراف پر قائم ہیں۔ اپنے مذہب کو ثابت کرنے کی خاطر جب تک یہ اصل دین میں جھوٹ نہ بولیں تو اپنا گروہی فریضہ نہیں ادا کرتے۔ انہیں اپنی بدعت کے حق میں دلیل فراہم کرنے کے لئے روایات کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے لئے روایات میں خیانت کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان کے مذاہب بہر حال بدعت ہی کے اوپر قائم ہیں، کسی ماثور حقیقت کے اوپر قائم نہیں ہیں۔ سواد امت سے ان فرقوں کا اختلاف کسی ایک آدھ آیت یا چند حدیثوں کی توجیہ میں نہیں ہے، بلکہ بیشتر دین کے مآخذ میں اختلاف ہے، جس سے ان کا مذہب بالکل الگ ہو گیا ہے۔ اب اگر کسی کو ان فرقوں کے ساتھ صلح کل کے فلسفے کو نبھانا اور بھائی چارہ اور دوستی قائم کرنا ہو تو وہ ضرور ایسا کرے، لیکن دین کے معاملے میں اس باطل فلسفے کو راہ نہیں دی جا سکتی۔

ہمارے نزدیک اہل بدعت کی روایات قبول کرنے کی یہ گنجائش فتنوں کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور ماضی میں اس کا باعث بنی ہے۔ مجرد کسی کا مبتدع ہونا اس کے ساقط الروایۃ ہونے کے لئے کافی ہے اور ان فرقوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں سے کسی کی روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیئے خواہ وہ قسم کھا کے روایت کرے کہ میں سچ ہی روایت کروں گا۔ ہمارے نزدیک یہی صحیح مسلک ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہے''۔(۱)

جناب اصلاحی صاحب کا یہ فرمانا کہ محدثین کرام نے اہل بدعت سے ''روایات لینے میں بڑی مسامحت برتی ہے''، ''یہ حضرات اہل بدعت سے روایات لینے میں کوئی قباحت نہیں خیال کرتے تھے'' اور ''گویا ان کے نزدیک محض مبتدع سے روایات لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی''۔۔۔۔ دراصل حدیث اور مصطلحات حدیث کی کتب پر آنجناب کی قلت نگاہ کے باعث ہے جیسا کہ آگے ثابت کیا جائے گا، مگر جہاں تک آں موصوف کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''یہ لوگ دوسرے معاملات میں تو بڑے بیدار ثابت ہوئے'' لیکن ''اس معاملے میں انہوں نے واقعی چشم پوشی سے کام لیا ہے''۔۔۔۔ تو ہم جناب اصلاحی صاحب سے پہلے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ آپ کے نزدیک یہ لوگ کن کن معاملات میں ''بڑے بیدار'' ثابت ہوئے ہیں، جبکہ راقم نے زیر تبصرہ پوری کتاب (مبادئ تدبر حدیث) میں بیشتر مقامات پر محدثین کرام کی مساعیٔ جمیلہ کے تذکرہ کے بجائے ان کی تنقیص ہی درج پائی ہے، بالخصوص اس جملہ میں جس طرح جناب اصلاحی صاحب نے درپردہ محدثین عظام پر مجرمانہ سازش کا الزام لگایا ہے وہ باعث صد افسوس ہے، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

جناب اصلاحی صاحب کے عائد کردہ مذکورہ بالا الزامات کی حقیقت جاننے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ جانا جائے کہ بدعت کیا ہے؟ بدعت ومبتدعین کی کتنی قسمیں ہیں؟ مبتدع کی روایات قبول کرنے کے بارے میں محدثین کا عمومی موقف کیا تھا؟ نیز محدثین نے کن شرائط اور احتیاط کے ساتھ کسی مبتدع کی روایات کو قبول کیا ہے؟ وغیرہ۔

## بدعت کی تعریف:

لغوی اعتبار سے ''بدعت''، ''بَدَعَ'' بمعنی ''أنشأ'' (یعنی ایجاد کرنا) کا مصدر ہے۔(۲) جیسا کہ ''قاموس'' میں ہے۔حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"هو خلاف المعروف عن النبی ﷺ فالمبتدع من اعتقد ذلك لا بمعاندة بل بنوع شبهة". (۳)

یعنی ''بدعت اس اعتقاد کو کہتے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے مشہور طریقہ کے برعکس، مخالفت میں نہیں بلکہ بطور شبہ رائج کر دیا گیا ہو''۔

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ۹۵-۹۶ (۳) تیسیر مصطلح الحدیث: ص ۱۲۳

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۵۸-۵۹، نزھۃ النظر: ص ۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "البدعة هی ما أحدث علی غیر مثال متقدم". (۱)

حافظ ابن رجب حنبلیؒ کا قول ہے:

"والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه". (۲)

علامہ فیروز آبادیؒ فرماتے ہیں:

"الحدث فی الدین بعد الإكمال أو ما استحدث بعد النبی ﷺ من الأهواء والأعمال". (۳)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے نقلاً بیان کرتے ہیں:

"وهی اعتقاد أمر محدث علی خلاف ما عرف فی الدین وما جاء من رسول الله ﷺ وأصحابه بنوع شبهة وتأويل لا بطريق جحود وإنكار فإن ذلك كفر". (۴)

یعنی "بدعت سے مراد یہ ہے کہ دین کی معروف باتوں کے خلاف اور اس کے خلاف جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے منقول ہیں کسی امر محدث (نوایجاد کام) کا اعتقاد شبہ اور تاویل کی بناء پر کرنا بطریق جحود وانکار نہیں اس لئے کہ ایسا انکار تو کفر ہے"۔

اور جناب عبدالرحمان بن عبیداللہ رحمانی فرماتے ہیں:

"بدعت لغت میں ابتداع سے ماخوذ ہے جس کے معنی اس اختراع کے ہیں جس کی پہلے سے مثال نہ ہو اور شریعت میں بدعت، امور دین میں نوایجاد کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسی چیز جس پر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے اصحاب کا حکم نہ ہو یا ایسی چیز جس کا کتاب اللہ یا سنت رسول میں کوئی ثبوت نہ ہو اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کا اس پر حکم یا عمل یا دینی اعتقاد ہی ہو"۔ (۵)

## بدعت ومبتدعین کا تعارف نیز ان کی قسمیں:

اہل بدعت میں وہ تمام فرقے شامل ہیں جنہوں نے اجماع سلف سے خروج کیا ہے مثلاً زندیق، سبائی، خارجی، ناصبی، قدری، جہمی، شیعہ، رافضی، حشوی اور مرجئی وغیرہ، لیکن اکثر محدثین نے ان تمام فرقوں کو ان کے بدعتی عقائد کی سنگینی کے اعتبار سے دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۵۸ (۲) کمافی عون المعبود: ۴/ ۳۳۰

(۳) القاموس المحیط للفیروز آبادی: ۳/ ۳، تیسیر مصطلح الحدیث للطحان: ص ۱۲۳

(۴) شفاء الغلل شرح کتاب العلل للمبارکفوری مع التحفۃ: ۴/ ۳۸۸، مقدمہ در مصطلحات حدیث مع مشکوٰۃ مترجم: ص ۶-۷

(۵) تحفۃ اہل الفکر: ص ۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱- بدعت مکفرہ یا کافر بنا دینے والی بدعت

۲- بدعت مفسقہ یا فاسق بنا دینے والی بدعت

مکفر بدعت وہ شخص ہے جو دین کے ضروری اور فطری امور کا جو تواتر سے ثابت ہوں انکار کرتا ہو یا ان کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو، مثال کے طور پر غلاۃ روافض کہ جن میں سے بعض حضرت علیؓ وغیرہ میں حلول الہیت کا دعویٰ رکھتے ہیں یا روز قیامت سے قبل دنیا میں ان کی واپسی پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ ان چیزوں کے متعلق صحیح احادیث میں کچھ بھی وارد نہیں ہے۔

اور مفسق بدعت وہ شخص ہے جس کی بدعت اس کے فسق پر مستلزم ہو۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''مفسق بدعت مثلاً خوارج اور وہ روافض جو غلو نہیں کرتے ــــــ اگر چہ یہ اصول سنت کے مخالفین گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور بظاہر اختلاف بھی رکھتے ہیں لیکن تاویل ظاہری میں مستند ہیں''۔(۱)

مگر حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے مبتدعین کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے: بدعت غلیظہ، بدعت متوسطہ اور بدعت خفیفہ، چنانچہ اکثر محدثین کی تقسیم پر ان کے اقوال و دلائل نقل کرنے کے بعد ایک مزید قسم کا اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فيخرج من هذا أن البدع الغليظة كالتجهم يرد بها الرواية مطلقا والمتوسطة كالقدر إنما يرد رواية الداعي إليها والخفيفة كالإرجاء هل تقبل معها الرواية مطلقا أو يرد عن الداعية على روايتين"۔ (۲)

یعنی ''خلاصہ یہ ہے کہ بدعت غلیظہ جیسے جہمیت اختیار کرنے والے کی روایت مطلقاً مردود ہے اور بدعت متوسطہ جیسے تقدیر کا انکار کرنے والے کی روایت اگر وہ اس کی طرف داعی نہ ہو تو مقبول ہے، اور بدعت خفیفہ جیسے ارجاء کرنے والے کی روایت مطلق مقبول ہے یا نہیں تو اس بارے میں اختلاف ہے''۔

چونکہ جناب اصلاحی صاحب نے اہل بدعت (خصوصاً ''شیعہ'' اور ''روافض'') سے روایات قبول کرنے کے بارے میں محدثین پر طعن کیا ہے لہٰذا ہم قارئین کرام کو ان اہل بدعت میں سے چند کے بارے میں مختصراً یہ بتانا چاہیں گے کہ قدماء اور محدثین کے نزدیک ''شیعہ''، روافض، مرجئی، قدری، جہمی اور ناصبی' وغیرہ کا اطلاق کن عقائد کے حاملین پر ہوتا تھا، تا کہ ان کی روایات کی نوعیت واضح ہو سکے۔

---

(۱) نزھۃ النظر: ص ۵۲، ھدی الساری: ص ۳۸۵، تدریب الراوی: ص ۳۲۴، قواعد التحدیث: ص ۱۹۴، مقدمہ در مصطلحات حدیث (مع مشکوٰۃ مترجم) لشاہ عبدالحق: ص ۶، شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/ ۳۸۸، قواعد فی علوم الحدیث: ص ۲۳۱، تیسیر مصطلح الحدیث: ص ۱۲۳-۱۲۴، تحفۃ اھل الفکر: ص ۲۵

(۲) شرح علل الترمذی: ص ۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''تشیع حضرت علیؓ کی محبت اور ان کو دوسرے صحابہ پر مقدم ٹھہرانا ہے۔ پس جو انہیں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر مقدم ٹھہرائے وہ تشیع میں غالی ہے، اس پر رافضی کا اطلاق ہوتا ہے، ورنہ وہ شیعہ ہے۔ اگر تبرا (برا، بھلا کہنے) یا بغض کی صراحت پائی جاتی ہو تو وہ رفض میں غالی ہے اور اگر روز قیامت سے قبل دنیا میں حضرت علیؓ کی واپسی کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ غلو میں بہت زیادہ شدید ہے''۔(۱)

''ارجاء'' کے متعلق آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو ان دو گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کی تصویب کے حکم میں تاخیر کرتی ہے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد قتال کیا تھا اور دوسری قسم وہ ہے جو ان لوگوں پر دوزخی ہونے کا حکم لگانے میں تاخیر کرتی ہے جو کہ کبائر کے مرتکب اور تارک فرائض ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایمان محض اقرار و اعتقاد ہے، عمل سے ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا''۔(۲)

اسی طرح فرماتے ہیں:

''قدری وہ ہے جو یہ دعوی کرے کہ شر صرف عبد کا فعل ہے''۔(۳) اور ''جہمی وہ ہے جو اللہ تعالی کی ان صفات کی نفی کرتا ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ثابت ہیں اور یہ کہتا ہو کہ قرآن مخلوق ہے''۔(۴) اور ''ناصبی وہ ہے جو حضرت علیؓ سے بغض رکھتا ہو اور ان پر دوسروں کو مقدم ٹھہراتا ہو''۔(۵)

## مبتدعین کی روایات کا حکم:

یہ بات اپنی جگہ حقیقت پر مبنی ہے کہ مبتدعین نے اپنے مسلک کی تائید میں بے شمار احادیث گھڑ لی تھیں اور عوام میں انہیں مشہور بھی کر دیا تھا۔ ایسے متعدد افراد جو پہلے انہی گمراہ فرقوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے تھے، جب تائب ہوئے تو انہوں نے اپنے اس مذموم فعل کا برملا اعتراف کیا تھا جیسا کہ ''الکفایۃ فی علم الروایۃ''(٦) اور ''الموضوعات'' لابن الجوزی (۷) وغیرہ میں مذکور ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان فرقوں میں سب کے سب کذاب، وضاع اور ناخدا ترس انسان ہی تھے، چنانچہ محدثین کی ایک کثیر جماعت نے احادیث رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور جامع تدوین کے پیش نظر نہ ہر صاحب بدعت کی روایت پر علی الاطلاق رد اور عدم قبول کا حکم

---

(۱) ھدی الساری: ص ۴۵۹، تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۸، قواعد فی علوم الحدیث: ص ۲۳۲-۲۳۳

(۲) نفس مصادر (۳)، (۴) ھدی الساری: ص ۴۵۹، تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۹

(۵) ھدی الساری: ص ۴۵۹، تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۸

(٦) الکفایۃ للخطیب: ص ۱۲۳ (۷) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۳۷-۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لگایا ہے اور نہ ہی مسامحت برتتے ہوئے ہر شخص کی الم غلم روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دے ڈالی ہے، بلکہ ان کے ردوقبول کے لئے کچھ قواعد وضوابط وضع کئے تھے تا کہ ان کی مدد سے حدیث نبوی کو مبتدعین کی بدعت وضلالات سے چھان پھٹک کر علیحدہ کیا جا سکے، چنانچہ مکفر بدعت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"فالأول لا يقبل صاحبها الجمهور وقيل يقبل مطلقا وقيل إن كان لا يعتقد حل الكذب لنصرة مقالته قبل والتحقيق أنه لا يرد كل مكفر ببدعة لان كل طائفة تدعى أن مخالفيها مبتدعة وقد تبالغ متكفر مخالفيها فلو أخذ ذلك على الإطلاق لاستلزم تكفير جميع الطوائف فالمعتمد أن الذى ترد روايته من أنكر أمرا متواترا من الشرع معلوما من الدين بالضرورة وكذا من اعتقد عكسه فأما من لم يكن بهذه الصفة وانضم إلى ذلك ضبطه لما يرويه مع ورعه وتقواه فلا مانع من قبوله "۔ (۱)

یعنی" اول (مکفر بدعت) کی حدیث جمہور کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مطلقاً مقبول ہے، بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مبتدع اپنی بات منوانے کے لئے جھوٹ بولنا حلال نہ سمجھتا ہو تو مقبول ہے ورنہ مردود اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جس شخص پر بوجہ بدعت کفر کا فتوی لگایا گیا ہو اس کی روایت کو علی الاطلاق رد کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہر فریق اپنے مخالف گروہ کو مبتدع قرار دیتا ہے، اور اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ اپنے مخالف پر کفر کا فتوی لگا دیتا ہے۔ پس اگر اس چیز کو علی الاطلاق مان لیا جائے تو ہر فریق کی تکفیر لازم آئیگی۔ پس معتمد طریقہ یہ ہے کہ صرف اس کی روایت کو رد کیا جائے جو شریعت کے کسی قطعی حکم متواتر کا انکار کرتا ہو اور اسی طرح جو اس کے بالکل برعکس اعتقاد رکھتا ہو۔ پس جو شخص اس صفت کا حامل نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ہی جب وہ روایت کرتا ہو تو ضبط وورع اور تقوی کا اہتمام کرتا ہو تو اس کے مقبول ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے"۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"قال العلماء من المحدثين والفقهاء وأصحاب الأصول المبتدع الذى يكفر ببدعته لا يقبل روايته بالاتفاق"۔ (۲)

"علمائے محدثین وفقہاء واصحاب اصول کا قول ہے کہ مکفر بدعت کی روایت بالاتفاق قبول نہ کی جائے گی"۔

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"جمہور اس طرف گئے ہیں کہ مکفر بدعت کی روایت قبول نہ کی جائے گی"۔ (۳)

---

(۱) نزھۃ النظر: ص ۵۲-۵۳، تدریب الراوی: ۱/۳۲۴

(۲) شرح مسلم: ۱/۶۰ و کذا فی الارشاد للنووی: ۱/۱۹۴ و التقریب للنووی: ۱/۳۲۴ و شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸

(۳) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے ناقل ہیں:

"حديث المبتدع مردود عند الجمهور وعند البغض إن كان متصفا بصدق اللهجة وصيانة اللسان قبل وقال بعضهم إن كان منكرا لأمر متواتر فى الشرع وقد علم بالضرورة كونه من الدين فهو مردود وإن لم يكن بهذه الصفة يقبل وإن كفره المخالفون مع وجود ضبط وورع وتقوى و احتياط وصيانة". (۱)

''اور بدعتی کی حدیث جمہور کے نزدیک مردود ہے اور بعض کے نزدیک مقبول ہے بشرطیکہ صدق لہجہ اور زبان کی حفاظت کے ساتھ متصف ہو اور بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی ایسے تواتر شرعی کا انکار کرے جس کے متعلق یقینی علم ہو کہ وہ امر دینی میں سے ہے تو وہ مردود ہے اور اگر اس طرح پر نہ ہو تو مقبول ہے گو مخالفین اس کی تکفیر کریں بشرطیکہ اس میں ضبط وورع وتقوی واحتیاط اور صیانت کی صفات پائی جائیں''۔

عزالدین بلیق ''اصحاب البدع والأھواء'' کے تحت فرماتے ہیں:

''اگر صاحب بدعت اپنی بدعت کے سبب کفر کا مرتکب ہو تو اس کی حدیث قبول نہ کرنے پر تمام علماء کا اتفاق ہے''۔(۲)

ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

"إن كانت بدعته مكفرة ترد روايته". (۳)

''راوی حدیث اگر بدعت مکفرہ کا مرتکب ہے تو اس کی روایت رد کردی جائے گی''۔

اور جناب عبدالرحمٰن بن عبیداللہ رحمانی فرماتے ہیں:

''اگر مبتدع مجمع علیہ متواتر شرعی امر کا منکر ہو تو اس کی حدیث مطلقا قبول نہ کی جائے گی''۔(۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بالاتفاق مکفر بدعت کی روایت مطلقا ناقابل قبول ہے، البتہ مفسق بدعت کی روایت کے قبول کرنے کے بارے میں محدثین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے تمام اہل بدعت کی روایات کو (بلا امتیاز بدعت مکفرہ ومفسقہ) قابل قبول بتایا ہے ان کا تعلق محدثین کی جماعت کے بجائے متکلمین (اور بعض اہل النقل) کے گروہ سے ہے جیسا کہ علامہ خطیب بغدادیؒ (۵) وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی قطعی طور پر غلط اور لاعلمی پر مبنی ہے کہ محدثین کرام نے اہل بدعت سے

---

(۱) شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/ ۳۸۸، مقدمہ در مصطلحات حدیث مع مشکوۃ مترجم: ص ۶-۷

(۲) مقدمہ منہاج الصالحین: ص ۳۵ (۳) تیسیر مصطلح الحدیث: ص ۱۲۳

(۴) تحفۃ أھل الفکر: ص ۲۵ (۵) الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۲۱، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۶۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بلا امتیاز روایات قبول کرنے میں کسی قسم کی چشم پوشی یا مسامحت برتی ہے، یا وہ لوگ ہر اہل بدعت سے ہر طرح کی روایات لینے میں کوئی قباحت خیال نہیں کرتے تھے۔

جہاں تک مفسق بدعت کی روایات کے قبول کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف مشہور ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"اختلف أهل العلم فى السماع من أهل البدع والأهواء كالقدرية والخوارج والرافضة وفى الاحتجاج بما يروونه" ۔ (۱)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بالجملة الأئمة مختلفون فى أخذ الحديث من أهل البدع والأهواء وأرباب المذاهب الزائغة وقال صاحب جامع الأصول أخذ جماعة من أئمة الحديث من فرقة الخوارج والمنتسبين الى القدر والتشيع والرفض وسائر أصحاب البدع والأهواء وقد احتاط جماعة آخرون وتورعوا من أخذ حديث من هذه الفرق ولكل منهم نيات انتهى ۔ ولا شك أن أخذ الحديث من هذه الفرق يكون بعد التحرى والاستصواب ومع ذلك الاحتياط فى عدم الأخذ لأنه قد ثبت أن هؤلاء الفرق كانوا يضعون الأحاديث لترويج مذاهبهم وكانوا يقرون به بعد التوبة و الرجوع " ۔ (۲)

''مختصر یہ ہے کہ اہل بدعت وہوا اور باطل مذاہب والوں سے حدیث اخذ کرنے میں اختلاف ہے۔ صاحب جامع الاصول نے کہا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے خوارج، قدریہ، رافضی وشیعہ اور دیگر اصحاب بدعت سے حدیثیں اخذ کی ہیں اور ایک دوسری جماعت نے احتیاط سے کام لیا ہے اور تمام بدعتی فرقوں سے اخذ حدیث میں اجتناب کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی نیت ہے۔ بلا شبہ ان فرقوں سے حدیثوں کا اخذ کرنا بہت زیادہ تلاش وجستجو کے بعد ہوتا ہے تاہم پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ ان سے حدیث اخذ نہ کی جائے اس لئے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ یہ فرق مبتدعہ اپنے مذاہب کی ترویج کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور توبہ ورجوع کے بعد اس کا اقرار کر لیتے تھے''۔

امام نوویؒ نے ''شرح صحیح مسلم'' (۳) میں، امام ابن حجر عسقلانیؒ نے ''شرح نخبۃ الفکر'' (۴) اور ''ھدی

---

(۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص۱۲۰

(۲) مقدمہ در مصطلحات حدیث از شاہ عبدالحق مع مشکوۃ شریف مترجم: ص۶-۷، شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/ ۳۸۸

(۳) کمانی شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/ ۳۸۸

(۴) شرح نخبۃ الفکر: ص۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



السارى“ (۱) میں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ”تدریب الراوی“ (۲) میں، علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے ”قواعد التحدیث“ (۳) میں اور جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب نے ”قواعد فی علوم الحدیث“ (۴) وغیرہ میں بھی علماء کے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

## فریق اول:

جو فریق اس بات کا قائل ہے کہ ہر مبتدع کی روایت مطلقا مردود ہے، ان کا خیال ہے کہ اگر مبتدع کی روایات کو قبول کیا جائے تو اس سے اس کی بدعت کو فروغ ملے گا، لہٰذا مبتدع سے کوئی چیز روایت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس نظریہ کے حامل امام مالک، حسن بصری، ابن سیرین اور قاضی ابوبکر وغیرہ ہیں۔ علامہ خطیب بغدادیؒ بیان کرتے ہیں:

”سلف کی ایک جماعت نے مبتدعین سے سماع کی صحت کا انکار کیا ہے کیونکہ جو متأولین کی تکفیر کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ کافر ہیں اور جو متأولین کی تکفیر کے قائل نہیں ان کے نزدیک بھی یہ فساق ضرور ہیں۔ امام مالکؒ ان کی روایات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ جو علماء اس طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کفار و فاسق بالتأویل بمثابۃ کافر معاند و فاسق عامد ہیں۔ پس ضروری ہے کہ ان کی خبر قبول نہ کی جائے۔ ان کی روایتیں ثابت نہیں ہوتیں“ (۵)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

”ان میں بعض علماءِ وہ ہیں جو مبتدع کی روایت مطلقا رد کرتے ہیں کیونکہ بہ سبب بدعت وہ فاسق ہے اور جس طرح مبتدع کفر میں متأول و غیر متأول ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح مبتدع مفسق بھی فسق میں متأول و غیر متأول ہوتا ہے“۔ (٦)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"فمنهم من ردها مطلقا لفسقه ولا ينفعه التأويل".(۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے: "فقيل رده مطلقا"(۸)

حسن بصری سے منقول ہے:

"لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم ولا تسمعوا منهم". (۹)

---

(۱) ھدی الساری: ص ۳۸۵
(۲) تدریب الراوی: ۱/۳۲۴
(۳) قواعد التحدیث: ص ۱۹۴
(۴) قواعد فی علوم الحدیث: ص ۲۳۰
(۵) الکفایۃ: ص ۱۲۰
(٦) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۲٦
(۷) شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸
(۸) شرح نخبۃ الفکر: ص ۵۲، ھدی الساری: ص ۳۸۵
(۹) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۱۸، الجرح والتعدیل: ۱/۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''نہ اہل ہوا کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرو، نہ ان کے ساتھ جدال کرو اور نہ ہی ان سے حدیث کا سماع کرو''۔
ھشام نے حضرت حسن کا قول یوں نقل کیا ہے:
"لا تفاتحوا أهل الأهواء ولا تسمعوا منهم فالتليين بالبدعة باب سلف فيه اختلاف بين العلماء" (۱)
عاصم الاحول امام ابن سیرین سے نقل فرماتے ہیں:
"لم يكونوا يسألون عن الإسناد حتى وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من كان من أهل السنة أخذوا حديثه ومن كان أهل البدعة تركوا حديثه"۔ (۲)
''فتنہ کے وقوع سے قبل تک لوگ اسناد کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ کا وقوع ہوا تو دیکھنے لگے کہ کون اہل سنت میں سے ہے تاکہ اس کی حدیث کو قبول کیا جائے اور کون اہل بدعت میں سے ہے تاکہ اس کی حدیث کو چھوڑا جائے''۔
امام ابن سیرینؒ کا ایک دوسرا قول یوں بھی منقول ہے:
"إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذونه"۔(۳)
''یہ علم دین ہے، پس دیکھ لیا کرو کہ تم اسے کس سے لے رہے ہو''۔
اسحاق بن موسیٰ بھی مبتدع کی حدیث کو بالکل ہی ساقط کر دیا کرتے تھے چنانچہ آں رحمہ اللہ کا قول ہے:
"وإن كان أصدق الناس لأن أصحاب الأهواء ليسوا على الدين الذى ارتضى الله عز وجل"۔ (۴)
''خواہ وہ مبتدع بہت ہی سچا ہو کیونکہ تمام بدعتی اس دین پر قائم نہیں ہیں کہ جس دین سے اللہ عزوجل راضی ہوا''۔
محمد بن الحسن بن الفرج الأنماطی بیان کرتے ہیں کہ علی بن حرب کا قول ہے:
"من قدر أن لا يكتب الحديث إلا عن صاحب سنة فإنهم يكذبون كل صاحب هوى، يكذب ولا يبالي"۔ (۵)
شبابہ بن سوار بیان کرتے ہیں کہ میں نے یونس بن ابی اسحاق سے سوال کیا کہ ''آپ نے ثویر ابن ابی فاختہ

(۱) میزان الاعتدال:۱/۳ (۲) المجروحین:۱/۸۲، مقدمۃ صحیح مسلم:۱/۱۱، الکفایۃ: ص۱۲۲، الضعفاء الکبیر:۱/۱۰، میزان الاعتدال:۱/۳
(۳) المجروحین:۱/۲۱، الضعفاء الکبیر:۱/۷، الکفایۃ: ص۱۲۲ (۴) الجرح والتعدیل:۱/۱۹
(۱) فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۰، الکفایۃ:۱۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کوکس وجہ سے ترک کیا ہے؟"انہوں نے جواب دیا:"اس لئے کہ وہ رافضی ہے۔"میں نے کہا کہ"آپ کے والد نے تو اس سے روایت کی ہے"انہوں نے کہا:"ھو أعلم"۔(۱)

عوام بیان کرتے ہیں کہ"مجھ سے حمیدی نے کہا کہ بشر بن السری جہمی تھا اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں ہے"۔(۲)

سوید بن سعید بیان کرتے ہیں کہ "کسی شخص نے سفیان بن عیینہ سے سوال کیا کہ آپ سعید بن ابی عروبہ سے اس قدر کم روایت کیوں لیتے ہیں؟"انہوں نے جواب دیا:"میں اس سے کم روایت کیوں نہ لوں جبکہ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا ہے:"هو رأيي ورأى الحسن ورأى قتادة يعني القدر"۔(۳)

ابن وہب کا قول ہے کہ"میں نے مالک بن انس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قدریہ کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نہ ان سے حدیث لی جائے"۔(۴)

سفیان الثوریؒ سے منقول ہے:

"وسمع الحديث من الرجل لا أعتد بحديثه وأحب معرفة مذهبه ليدرك مدى تورطه في البدعة ليصدر عليه حكمه النهائي وفيما يروى من حديث كما فعل مع ابن ابى رواد المرجئى و ابراهيم بن ابى يحيى القدرى إذ نادى في الناس محذرا من مجالستهما"۔(۵)

امام مسلمؒ بھی اہل البدع سے مجانبت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

"من أهل التهم والمعاندين من اهل البدع"(۶)

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

"قاضی ابوبکر باقلانی اور ان کے متبع مفسق مبتدع کی روایت مطلقا رد کرنے کی جانب گئے ہیں۔آمدی نے اکثر علماء سے اس بات کی حکایت کی ہے اور ابن الحاجب نے بھی اس کو بالجزم اختیار کیا ہے۔"(۷)

قاضی عیاض بھی مبتدع کی روایت مطلقا رد کرنے کے قائل ہیں۔(۸)

جو ائمہ مبتدع کی روایت مطلقا قبول نہ کرنے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ روایات ہیں:

---

(۱)،(۲)الکفایۃ:ص۱۲۳ (۳)نفس مصدر:۲۳-۱۲۴

(۴)نفس مصدر:ص۱۲۴

(۵)معرفۃ علوم الحدیث:ص۱۳۵-۱۳۶

(۶)مقدمۃ صحیح مسلم:۱/۸

(۷)التقیید والإیضاح:ص۱۲۶-۱۲۷،الأحکام للآمدی:۲/۱۰۳،المستصفی:۱/۱۶۰،مقدمۃ اللسان:۱/۱۰،نہایۃ السؤال:۲/۱۰۸،التقریر والتحبیر:۲/۲۳۹،توضیح الأفکار:۲/۲۳۵

(۸)ترتیب المدارک:۱/۱۷۶،إرشاد الفحول:ص۵۱،فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱-"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (۱)

اور

۲-"عن عبد الله بن عمر عن النبي ﷺ أنه قال يا ابن عمر دينك دينك انما هو لحمك ودمك فانظر عمن تأخذ خذ عن الذين استقاموا ولا تأخذ عن الذين مالوا"۔ (۲)

لیکن امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس کی سند میں عطاف بن خالد المخزومی ہے جو کہ مجروح ہے-'' لیکن اس کی توثیق وتضعیف میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے، بظاہر وہ صدوق ہے لیکن اسے وہم ہوجاتا ہے۔(۳) علامہ سخاویؒ نے بھی اس روایت کو غیر درست (لایصح)(۴) قرار دیا ہے۔

اور

۳-حضرت علیؓ کا قول ہے: "انظروا عمن تأخذون هذا العلم فإنما هو الدين"۔ (۵)

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں:"أما المذهب الأول فضعيف جدا"(۶) یعنی ''یہ مذہب نہایت کمزور ہے''۔اسی طرح امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:''وھو بعید''(۷) یعنی ''یہ انصاف سے بعید ہے''۔

## فریق دوم:

محدثین کے دوسرے گروہ نے مفسق بدعت کی روایات کو مطلقا قبول کیا ہے بشرطیکہ وہ جھوٹ کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔اس گروہ کے سرخیل امام شافعیؒ ہیں۔امام ابن ابی لیلی ، امام ثوری ، امام ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف اور یزید بن ھارون وغیرہم (۸) بھی اسی فکر کے حامل ہیں۔امام حاکمؒ نے ''المدخل''(۹) میں اسے اکثر ائمہ حدیث سے حکایت کیا ہے۔فخر الدین رازی نے اس مسلک کو حق سے تعبیر کیا ہے۔(۱۰) ابن دقیق العیدؒ بھی اسے راجح قرار دیتے ہیں۔(۱۱) علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

''اس بارے میں جو چیز معتمد ہے یہ ہے کہ جو شخص شریعت کے متواتر اور معلوم امور کا انکار نہ کرتا ہو اور

(۱) صحیح بخاری مع الفتح:۵/۲۵۹،۶/۲۳۰، صحیح مسلم:۳/۳۴۳، سنن ابی داود مع العون:۴/۳۲۹، سنن ابن ماجہ:۱/۶

(۲) الکفایۃ:ص۱۲۱، مقدمۃ الکامل:ص۲۱۳۶، العلل المتناھیۃ لابن الجوزی:۱/۱۲۳، فتح المغیث للسخاوی:۲/۵۹

(۳) المجروحین:۲/۱۹۳، تہذیب:۷/۲۲۱-۲۲۳، میزان:۲/۱۹۶، تقریب التہذیب:۲/۲۴

(۴) فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۰ (۵) الکفایۃ:۱۲۱

(۶) کما فی شفاء الغلل مع التحفۃ:۴/۳۸۸ (۷) شرح نخبۃ الفکر:ص۵۲، ھدی الساری:ص۳۸۵

(۸) الکفایۃ:ص۱۲۰، ۱۲۵، فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۳، تدریب الراوی:۱/۳۲۵، إرشاد الفحول:ص۵۱، فتح المغیث للعراقی:ص۱۶۳، التقریر والتحبیر:۲/۲۴۱

(۹) المدخل للحاکم:ص۱۶

(۱۰) المحصول:۲/اص۵۷۵، التقیید والایضاح:ص۱۲۷، نہایۃ السؤال:۲/۱۱۱، تدریب الراوی:۱/۳۲۴، فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۳

(۱۱) الاقتراح:ص۳۳۶، فتح المغیث للعراقی:ص۱۶۳، فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ساتھ ہی ضبط وتقوی اور ورع سے متصف بھی ہو تو اس کی روایات قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔"(۱)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

"ان علماء میں سے بعض وہ بھی ہیں جو مبتدع کی روایت قبول کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ اپنے مذہب یا اپنے اہل مذہب کی نصرت وحمایت کے لئے کذب کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ اس میں داعیٔ بدعت اور غیر داعی دونوں یکساں طور پر شامل ہیں"۔(۲)

امام شافعیؒ کا قول ہے:

"وتقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية من الرافضة لأنهم يرون الشهادة بالزور لموافقيهم". (۳)

"اہل ہواء یعنی مبتدعین کی شہادت مقبول ہے بجز رافضیوں میں سے خطابیہ فرقہ کے کیونکہ وہ لوگ جھوٹی شہادت کو اپنی موافقت میں درست سمجھتے ہیں۔ امام ابن ابی لیلی، امام ثوری اور قاضی ابو یوسف سے بھی یہی مذہب منقول ہے"۔

حرملہ بن یحیی کا قول ہے:

"میں نے امام شافعیؒ کو کہتے ہوئے سنا: "لم أر أحدا من أهل الأهواء أشهد بالزور من الرافضة"۔(۴)

امام بیہقیؒ "المعرفۃ" میں فرماتے ہیں:

"امام شافعیؒ نے بیان کیا کہ ابراہیم بن محمد اسلمی قدری لیکن ثقہ تھا (پھر امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:) لہٰذا اس سے امام شافعیؒ نے روایت کی ہے"۔(۵)

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: "حدثنا الثقة في حديثه المتهم في دينه"۔(۶)

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۹

(۲) مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۲۶، شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸، تدریب الراوی: ۱/۳۲۵ وکذا فی الکفایۃ: ص ۱۲۰

(۳) الأم: ۶/۲۰۶، المختصر: مع الأم: ص ۳۱۰، الکفایۃ: ص ۱۲۰، الإرشاد للنووی: ۱/۱۹۵، الباعث الحثیث: ص ۹۹، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۶۲، تدریب الراوی: ۱/۳۲۵، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۲۷، شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸

(۴) میزان الاعتدال: ۱/۲۷-۲۸، الکفایۃ: ص ۱۲۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۲، سنن الکبری للبیہقی: ۱۰/۲۰۸، مناقب الشافعی لابن ابی حاتم: ۱۸۷، ۱۸۹، الحلیۃ لابی نعیم: ۹/۱۱۴، انتقاء لابن عبدالبر: ص ۷۹، سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۱۸۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۶۲

(۵) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ۱/۱۶۳، تہذیب: ۱/۱۵۹، میزان الاعتدال: ۱/۲۷، نصب الرایۃ: ۱/۱۰۳

(۶) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ سیوطی اور استاذ احمد محمد شاکر رحمھما اللہ فرماتے ہیں:

''اگر مفسق بدعت ورعاً، صادقاً اور متعبداً معروف ہو تو بعض علماء مثلاً امام شافعی وغیرہ نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے اور اس بات کی تمیز نہیں کی کہ وہ راوی مبلغ بدعت ہے یا غیر مبلغ''۔(۱)

امام مالکؒ بھی روافض کی روایت سے بسبب کذب منع فرمایا کرتے تھے چنانچہ منقول ہے: "لا تكلمهم ولا تروعنهم فإنهم يكذبون"۔(۲)

فضل بن مروان بیان کرتے ہیں کہ ایک دن محدث علی بن عاصم نے کہنا شروع کیا: "حدثنا عمرو بن عبيد وكان قدريا۔" یہ سن کر معتصم نے کہا: اے ابوالحسن! کیا آپ قدریہ کو اس امت کے مجوس نہیں سمجھتے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں سمجھتا ہوں۔ انہوں نے دریافت کیا: پھر آپ نے ان سے کیوں روایت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس لئے کہ وہ حدیث میں ثقہ اور صدوق تھے۔ معتصم نے پوچھا کہ اگر کوئی مجوسی ثقہ ہو تو کیا آپ اس سے بھی روایت کریں گے؟ یہ سن کر انہوں نے: "انت شغاب يا ابا اسحاق"۔(۳)

حافظ سخاویؒ، علامہ ابن دقیق العیدؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

''ہمارے نزدیک یہ طے ہے کہ ہم روایت میں مذاہب کا اعتبار نہیں کرتے اور نہ ہی اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر کرتے ہیں الا یہ کہ وہ شریعت میں سے کسی قطعی چیز کا منکر ہو، پس اگر ہم اس چیز کا اعتبار کریں اور اس میں ورع وتقوی کا انضمام بھی ہو تو معتمد روایت حاصل ہوئی۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کیونکہ وہ اہل اہواء کی شہادت قبول کرتے ہیں۔''(۴)

حضرت عمرؓ کا قول ہے: "لا تظنن بكلمة خرجت من في امرئ مسلم شرا وأنت تجد لها في الخير محلا"۔ (۵)

حافظ زین الدین عراقی صاحب ''المحصول'' کا قول نقل کرتے ہیں:

"الحق أنه إن اعتقد حرمة الكذب قبلنا روايته وإلا فلا "۔(٦)

''حق یہ ہے کہ اگر مبتدع حرمت کذب کا اعتقاد رکھتا ہو تو ہم اس کی روایت قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔''

---

(۱) الباعث الحثیث: ص۹۹-۱۰۰، تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۵ (۲) میزان الاعتدال: ۱/ ۲۷

(۳) الکفایۃ: ص۱۲۴

(۴) الاقتراح: ص۳۳۳، ۳۳۵، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ٦۹-۷۰، توضیح الأفکار: ۲/ ۲۳٦، قواعد التحدیث: ص۱۹۴

(۵) قواعد فی علوم الحدیث: ۱۹۴، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۷۰-۷۱، الجرح والتعدیل لابی لبابہ حسین: ص۱۱۳

(٦) التقیید والإیضاح: ص۱۲٦-۱۲۷، نہایۃ السؤال: ۲/ ۱۱۱، إرشاد الفحول: ۵۰، تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۴، فتح المغیث للعراقی: ص۱٦۳، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ٦۹، المحصول: ۲/ ۱ص ۵٦۷، تنقیح الأنظار مع توضیح الأفکار: ۲/ ۲۳٦، فتح الباقی: ۱/ ۳۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں:

"لقيت طاؤسا فقلت حدثني فلان كيت وكيت قال ان كان صاحبك مليئا فخذ عنه"۔ (۱)

''میری ملاقات طاؤس سے ہوئی تو میں نے کہا کہ فلاں نے مجھے ایسے حدیث سنائی فرمایا کہ اگر تمہیں سنانے والا ثقہ اور عادل ہے تو پھر اس سے حدیث کو قبول کرو''۔

مؤمل بن اھاب کا قول ہے کہ میں نے یزید بن ھارون کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"يكتب عن كل صاحب بدعة إذا لم يكن داعية إلا الرافضة فإنهم يكذبون"۔ (۲)

''ہر صاحب بدعت سے حدیث لکھی جائے بشرطیکہ وہ رافضیت کا مبلغ نہ ہو کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں''۔

محمد بن سعید بن اصبہانی فرماتے ہیں کہ میں نے شریکؒ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

"احمل العلم عن كل من لقيت إلا الرافضة فإنهم يضعون الحديث ويتخذونه دينا"۔ (۳)

علی بن الجعد بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسف کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"أجيز شهادة أهل الأهواء أهل الصدق منهم إلا الخطابية والقدرية الذين يقولون إن الله لا يعلم الشيء حتى يكون"۔ (۴)

ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ سے خطابیہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "صنف من الرافضة" یعنی رافضہ کی ایک قسم ہے۔ پھر جھوٹی شہادت کی ایک مثال ان کے وصف کے طور پر بیان کی۔ (۵)

امام ابوحاتمؒ کا قول ہے:

"ومنهم المعلن بالفسق والسنة وإن كان صدوق فى روايته لأن الفاسق لا يكون عدلا و العدل لا يكون مجروحا من خرج عن حد عدالة لا يعتمد على صدقه، وإن صدق فى شيء بعينه فى حالة من الأحوال إلا أن يظهر عليه ضد الجرح حتى يكون اكثر أحواله طاعة الله عز وجل فحينئذ يحتج بخبره فأما قبل ظهور ذلك عنه فلا"۔ (۶)

''جمع الجوامع'' میں ہے:

"يقبل مبتدع يحرم الكذب"(۷) وقال المحلى: "لأمنه فيه مع تاويله فى الابتداع سواء دعا الناس اليه أم لا"۔

---

(۱) شرح مسلم للنووی: ۱/۱۲، فتح الملہم: ۱/۱۳۰، الضعفاء الکبیر: ۱/۱۲، مقدمہ الدارمی: ۱/۱۱۲-۱۱۳

(۲) میزان الاعتدال: ۱/۲۸ (۳) نفس مصدر: ۱/۲۷-۲۸

(۴) الکفایۃ: ۱۲۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۲ (۵) الکفایۃ: ص۱۲۶

(۶) المجروحین: ۱/۷۹ (۷) جمع الجوامع: ۲/۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ احمد محمد شاکرؒ، حافظ ابن حجرؒ کے غیر مکفر مبتدع کے مطلقا مقبول ہونے سے متعلق قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهذا الذی قاله الحافظ هو الحق الجدير بالاعتبار ويؤيده النظر الصحيح"۔ (۱)

## فریق سوم:

محدثین کا تیسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر مفسق بدعت اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو تو مقبول ہے ورنہ نہیں، کیونکہ اپنی بدعت کو خوشنما بنانے کا خیال اسے روایات میں تحریف کرنے اور انہیں اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی تحریک پیدا کرسکتا ہے۔ اس مسلک کے سرخیل امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ امام ابن حبانؒ وغیرہ کا شمار اسی گروہ میں ہوتا ہے۔ خطیب بغدادی نے اس قول کو ''عن کثیرین'' اور ابن الصلاحؒ نے ''کثیر'' یا ''اکثر'' (۲) سے حکایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"هذا المذهب هو الأعدل وصارت إليه طائفة من الأئمة"۔ (۳)

حافظ ابن کثیرؒ بالجزم فرماتے ہیں: "أنه قول الأكثرين"۔ (۴)

حافظ ابن الصلاحؒ اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر مبتدع داعئ بدعت نہ ہو تو اس کی روایت قبول کی جائے اور جو داعئ بدعت ہو اس کی روایت قبول نہ کی جائے۔ یہ مذہب کثیر یا اکثر علماء کا ہے۔'' (۵)

حافظ جعفر بن ابان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا: کیا ہم اہل الاہواء مثلا مرجئ اور قدری وغیرہ سے احادیث لکھیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

"نعم إذا لم يكن يدعو إليه ويكثر الكلام فيه فأما إذا كان داعيا فلا"۔ (۶)

عبداللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے ابومعاویہ الضریر سے روایت تو کی ہے جب کہ وہ مرجئ تھا لیکن شبابہ بن سوار سے روایت کیوں نہیں کی جبکہ وہ قدری ہے؟ آں رحمہ اللہ نے فرمایا:

---

(۱) تعلیق علی اختصار علوم الحدیث لأحمد شاکر: ۱۱۰-۱۱۱

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۴، الارشاد للنووی: ۱/۱۹۶، فتح المغیث للعراقی: ص۱۶۲، التقریر والتحبیر: ۲/۲۴۰

(۳) ھدی الساری: ص۳۸۵

(۴) الباعث الحثیث: ص۹۹

(۵) مقدمۃ ابن الصلاح: ص۱۲۷، شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸

(۶) المجروحین: ۱/۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''اس لئے کہ ابومعاویہ ارجاء کا داعی نہ تھا جب کہ شبابہ قدر کا داعی تھا۔''(۱)

ابراہیم بن الحربی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے دریافت کیا: اے ابوعبداللہ! کیا میں ابوقطن قدری سے حدیث کا سماع کروں؟

آں رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لم أره داعية ولو كان داعية لم اسمع منه" ۔(۲)

محمد بن عبدالعزیز الأبیوردی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ کیا مرجئی اور قدری کی احادیث لکھی جائیں؟ آپ نے فرمایا:

"نعم يكتب عنه إذا لم يكن داعيا" (۳) یعنی ''ہاں اگر داعیٔ بدعت نہ ہو تو اس کی حدیث لکھی جائے۔''

ابوداؤد سلیمان بن الأشعث السجزی نے بھی ایسا ہی ایک قول نقل کیا ہے،(۴) اس بارے میں امام رحمہ اللہ کا ایک قول یوں بھی مروی ہے:

"من رأى رأيا ولم يدع إليه احتمل ومن رأى رأيا ودعا إليه فقد استحق الترك" ۔(۵)

نعیم بن حماد بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے عمرو بن عبید کو ترک کیا ہے لیکن ھشام دستوائی اور سعید اور فلاں فلاں سے حدیث روایت کرتے ہیں، حالانکہ وہ سبھی اہل بدعت ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: ''عمرو بن عبید داعیٔ بدعت ہے''(۶) ایک دوسری روایت میں عبداللہ بن مبارکؒ نے عمرو بن عبید کو ''چوٹی کا داعی بدعت'' قرار دیا ہے۔(۷)

عباس بن محمد نے امام یحیی بن معین سے سوال کیا کہ کیا آپ أھل الأھواء میں سے ہر داعیٔ بدعت کے متعلق یہی حکم فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے خواہ وہ قدری ہو یا رافضی یا کوئی اور؟ آں رحمہ اللہ نے جواب دیا:

''ہم ان کی روایات نہیں لکھتے مگر اس وقت جب کہ ہمیں اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ وہ اپنی بدعت کا داعی نہیں ہے، مثال کے طور پر ہشام دستوائی وغیرہ کہ جو قدری ہونے کے باوجود اس کی طرف دعوت نہ دیتے تھے''۔(۸)

عبدالرحمٰن بن مھدیؒ کا قول ہے:

"ثلاثة لا يحمل عنهم: رجل متهم بالكذب ورجل كثير الوهم والغلط ورجل صاحب

---

(۱) طبقات الحنابلۃ: ۱/۱۸۲، ھدی الساری: ص ۴۰۹، تہذیب: ۴/۳۰۱، میزان الاعتدال: ۱/۳۰۱، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۴

(۲) الکفایۃ: ۱۲۷-۱۲۸ — (۳)، (۴) نفس مصدر: ص ۱۲۸

(۵) نفس مصدر: ص ۱۲۶-۱۲۷ — (۶)، (۷)، (۸) نفس مصدر: ص ۱۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



هوى يدعو إلى بدعة". (۱)

علامہ رضی الدین بن حنبلی حنفی فرماتے ہیں:

''ہمارے (یعنی حنفیہ) کے نزدیک بھی اکثر اصولیین کے مطابق مکفر مبتدع کی روایت غیر مقبول ہے، لیکن اگر وہ مفسق ہوتو اس بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مبتدع کی روایت مقبول ہے، بشرطیکہ وہ عدل، ثقہ اور غیر مبلغ بدعت ہو۔''(۲)

امیر ابن الحاج حنفی، امام حاکمؒ سے ناقل ہیں:

"الداعي إلى الضلال متفق على ترك الأخذ منه ".(۳)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''اگر راوی اخذ واداء میں ثابت ہو اور اپنی رائے کا داعی نہ ہو تو تشیع باعث ضرر نہیں ہے۔''(۴)

امام مالکؒ کا قول ہے:

"أربعة لا يكتب عنهم : رجل سفيه معروف بالسفه، وصاحب هوى داعية إلى هواه ورجل صالح لا يدري ما يحدث ورجل يكذب في حديث رسول الله ﷺ وسائرهم يكتب عنهم". (۵)

یعنی ''چار قسم کے لوگوں سے حدیث نہ لکھی جائے: ۱- سفیہ شخص جو سفاہت کے لئے معروف ہو، ۲- مبتدع جو داعئ بدعت ہو، ۳- ایسا صالح شخص جسے علم نہ ہو کہ وہ کیا بیان کررہا ہے ۴- اور ایسا شخص جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں دروغ گوئی کرتا ہو۔ ان کے علاوہ سب سے حدیث لکھی جائے۔''

امام ابن حبانؒ، جعفر بن سلیمان الضبعی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''ہمارے ائمہ میں سے اہل الحدیث کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی صدوق و متقن راوی میں بدعت موجود ہو لیکن وہ اس کا داعی نہ ہو تو اس کی اخبار سے احتجاج درست ہے، لیکن اگر وہ داعی ہو تو اسکی اخبار سے حجت پکڑنا ساقط ہے۔''(٦)

مختلف اہل مذاہب مثلاً مرجئی اور روافض وغیرہ کی روایات سے احتجاج کرنے کے متعلق امام ابن حبانؒ

---

(۱) الضعفاء الکبیر: ۱/ ۸ (۲) قفو الأثر: ص ۲۱

(۳) التقریر والتحبیر: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱ (۴) فتح الباری: ۱۰/ ۱۸۲، ھدی الساری: ۴۰۰

(۵) المجروحین: ۱/ ۷۹-۸۰، الضعفاء الکبیر: ۱/ ۱۳، مقدمۃ الکامل: ص ۱۴۹، التمہید لابن عبدالبر: ۱/ ٦٦، الجرح والتعدیل: ۱/ ۱ ص ۳۲، معرفۃ علوم الحدیث: ص ۱٦۸، المدخل: ص ۱٦، المحدث الفاصل: ص ۴۰۳، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ٦۵، إرشاد الفحول: ص ۵۱، مقدمۃ تحفۃ الأحوذی: ص ۳

(٦) الثقات لابن حبان: ۱۴۰-۱۴۱، وانظر أیضا التقیید والایضاح: ص ۱۲۷، الإرشاد للنووی: ۱/ ۱۹۷، إرشاد الفحول: ص: ۵۱، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ٦۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"نحتج بأخبارهم إذا كانوا ثقات ...... ولكل مذاهبهم وما تقلدوا فيما بينهم وبين خالقهم جل و علا إلا أن يكونوا دعاة إلى ما انتحلوا" ۔ (۱)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''امام شافعیؒ کے بعض اصحاب نے ان کے اصحاب کے مابین غیر داعیٔ بدعت مبتدع کی روایت قبول کرنے کے بارے میں اختلاف نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر وہ داعیٔ بدعت ہو تو اس کی روایت کی عدم قبولیت کے بارے میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابو حاتم بن حبان البستی جو کہ ائمہ حدیث میں سے ایک مصنف ہیں، کا قول ہے کہ داعیٔ بدعت کے ساتھ ہمارے ائمۂ قاطبہ کے نزدیک احتجاج درست نہیں ہے۔ مجھے اس بارے میں ان کے مابین کسی اختلاف کا علم نہیں ہے۔'' (۲)

[نوٹ: لیکن حافظ زین الدین عراقیؒ، امام حبانؒ کے مذکورہ بالا اتفاق کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس بارے میں ابن حبان نے جو اتفاق نقل کیا ہے وہ محل نظر ہے۔'' (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی اس مذکورہ اتفاق پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن ابن حبان أغرب في حكاية الاتفاق"۔ (۴)]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"المختار أنه إن كا داعيا إلى بدعته ومروجا له رد وإن لم يكن كذلك قبل إلا أن يروى شيئا يقوي به بدعته فهو مردود قطعا" ۔ (۵)

یعنی ''بدعتی کے بارے میں مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کا داعی اور اس کے رائج کرنے والا ہو تو مردود ہے ورنہ مقبول، بشرطیکہ وہ ایسی چیز روایت نہ کرتا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو کیونکہ اس صورت میں تو وہ قطعاً مردود ہے۔''

امام ابو حاتمؒ چند مشہور داعیٔ بدعت رواۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی روایات سے بچنے کے متعلق لکھتے ہیں:

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۱/۱۲۱

(۲) مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۲۷، شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۱۶۲، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۵، شرح مسلم للنووی: ۱/۶۰-۶۱، الباعث الحثیث: ص ۹۹، التقریر والتحبیر: ۲/۲۴۰، علوم الحدیث: ۱۰۳، ۱۰۴

(۳) التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۱۲۷، فتح المغیث للعراقی: ۱۶۳

(۴) ھدی الساری: ص ۳۸۹، النزھۃ: ص ۹۰، فتح الباقی: ۱/۳۳۱، التقریر والتحبیر: ۲/۲۴۱، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۵

(۵) کما فی شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸، مقدمۃ در مصطلحات حدیث مع مشکوۃ مترجم: ص ۶-۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"ومنهم المبتدع إذا كان داعية يدعو الناس إلى بدعته حتى صار إما ما يقتدى به في بدعته ويرجع إليه في ضلالته كغيلان وعمرو بن عبيد وجابر الجعفي وذويهم". (۱)

ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

"وان كانت بدعته مفسقة فالصحيح الذي عليه الجمهور أن روايته تقبل بشرطين: ألا يكون داعية الى بدعته وألا يروى ما يروج بدعته". (۲)

''اگر مبتدع بدعت مفسقہ کا مرتکب ہے تو جمہور کے نزدیک جو صحیح بات ہے وہ یہ ہے کہ اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ قبول کر لی جائے گی: (۱) وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو، (۲) ایسی بات کی روایت نہ کرے جو اس کی بدعت کی ترویج کا سبب بنے۔''

جناب عبدالرحمٰن بن عبیداللہ رحمانی فرماتے ہیں:

''ایسی بدعت جو اس کے حامل کے فسق پر مستلزم ہو۔ ایسے شخص کی روایت قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ اپنی بدعت کا داعی نہ ہو اور نہ ایسی چیز کی روایت کرتا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت ملتی ہو۔ پس اگر وہ اپنی بدعت کا داعی ہو یا اس کو تقویت پہنچانے والی چیز کو روایت کرے تو اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ جمہور کے نزدیک یہ مذہب مختار اور درست ہے۔'' (۳)

اس مسلک کے متعلق علامہ خطیب بغدادی، حافظ ابن الصلاح، حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہم اللہ کے اقوال اوپر گزر چکے ہیں۔ امام سیوطیؒ اور امام نوویؒ وغیرھما نے بھی اسی مذہب کو اکثر علماء کا پسندیدہ، صحیح اور اعدل بیان کیا ہے، چنانچہ امام نوویؒ کا قول ہے:

"وهذا مذهب كثيرين أو الأكثر من العلماء وهو الأعدل الصحيح". (۴)

اور حافظ ابن حجرؒ و امام سیوطیؒ کا قول ہے: "وهذا في الأصح".(۵)

لیکن اس بارے میں یہ جاننا بھی مفید ہوگا کہ حافظ زین الدین عراقیؒ نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو دعاۃ کے ساتھ احتجاج نہ کرنے کے قائل ہیں کیونکہ شیخین نے دعاۃ کے ساتھ بھی احتجاج کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے عمران بن حطان السدوسی کے ساتھ احتجاج کیا ہے جو کہ خوارج کے دعاۃ میں سے تھا۔ اسی طرح شیخین نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی کے ساتھ بھی احتجاج کیا ہے جو کہ رجائیت کا داعی تھا، جیسا کہ

---

(۱) المجروحین: ۱/۸۱-۸۲ (۲) تیسیر مصطلح الحدیث: ص ۱۲۴

(۳) تحفۃ اھل الفکر فی مصطلح اھل الاثر: ص ۲۵ (۴) کمافی شفاء الغلل مع التحفۃ: ۴/۳۸۸

(۵) شرح نخبۃ الفکر: ص ۵۲-۵۳، تدریب الراوی: ۱/۳۲۴، ھدی الساری: ص ۳۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابو داود کا قول ہے ۔ ( پھر فرماتے ہیں ) : ابو داود کا قول ہے "ليس في أهل الأهواء أصح حديثا من الخوارج "پھر آں رحمہ اللہ نے عمران بن حطان اور أبو حسان الأعرج کا ذکر فرمایا ہے۔"(۱)

حافظ عراقیؒ نے محدثین کے اس موقف پر امام بخاریؒ کے عمران بن حطان السدوسی سے تخریج فرمانے کو دلیل بناتے ہوئے جو اعتراض کیا ہے وہ درست ہے کہ عمران بن حطان ، قاتل علی عبدالرحمٰن بن ملجم کی مدح کرنے والا بلکہ اپنی بدعت کے بڑے بڑے دعاۃ میں سے تھا(۲)، لیکن اس کا جواب امام سخاویؒ یوں دیتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے سدوسی سے جو روایت کی ہے تو وہ اس کے ابتداع سے قبل کی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے آخر عمر میں اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہو اور یہ روایت اسکے رجوع کے بعد کی ہو۔ پھر امام رحمہ اللہ نے اس سے صرف ایک ہی حدیث ( کتاب التوحید میں ) تخریج کی ہے اور وہ بھی متابعات میں سے ہے، پس یہ تخریج متابعات میں مضر نہیں ہے۔''(۳)

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''ایسے رواۃ جن کی بہ سبب اعتقاد تضعیف کی گئی ہے مگر وہ داعیٔ بدعت نہ تھے یا تائب ہو گئے تھے یا ان کی روایت کا متابع کے ساتھ اعتضاد ممکن تھا ان کو امام بخاریؒ نے صالح الاحتجاج تسلیم کیا ہے۔''(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مفسق بدعت مبتدع کی روایت قبول کرنے کے متعلق علماء کے ان تینوں گروہوں کے اقوال اور دلائل نقل کرتے ہوئے نہایت فیصلہ کن انداز میں اپنی وقیع رائے یوں درج فرماتے ہیں:

"والثاني وهو من لا يقتضي بدعته التكفير أصلا وقد اختلف أيضا في قبوله ورده فقيل يرد مطلقا وهو بعيد وأكثر ما علل به أن في الرواية عنه ترويجا لامره وتنويها بذكره وعلى هذا فينبغي أن لا يروى عن مبتدع شيء يشاركه فيه غير مبتدع وقد يقبل مطلقا إلا إن اعتقد حل الكذب كما تقدم وقيل يقبل من لم يكن داعية إلى بدعته لأن تزيين بدعته قد يحمله على تحريف الروايات وتسويتها على ما يقتضيه مذهبه وهذا في الأصح ۔ وأغرب ابن حبان فادعى الاتفاق على قبول غير الداعية من غير تفصيل نعم أكثر على قبول غير الداعية إلا إن روى ما يقوى بدعته فيرد على المذهب المختار وبه صرح الحافظ ابو اسحٰق ابراهيم بن يعقوب الجوز جاني شيخ ابى داود والنسائى فى كتابه

---

(۱) قواعد التحدیث: ص ۱۹۴-۱۹۵، شرح مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۲۸

(۲) الباعث الحثیث: ص ۹۹-۱۰۰

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۶۸، ھدی الساری: ص ۴۳۳، فتح الباری: ۱۰/ ۲۹۰

(۴) ھدی الساری: ص ۴۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


معرفة الرجال فقال فی وصف الرواة ومنهم زائغ عن الحق أی عن السنة صادق اللهجة فلیس فیه حیلة إلا أن یؤخذ من حدیثه ما لا یکون منکرا إذا لم یقویه بدعته انتهی وما قاله متجه لأن العلة التی بها یرد حدیث الداعیة واردة فیما إذا کان ظاهر المروی یوافق مذهب المبتدع ولو لم یکن داعیة – والله أعلم "۔ (۱)

''دوسرا بدعتی یعنی مفسق بدعت وہ مبتدع ہے جس کی بدعت اصلا متقاضیٔ تکفیر نہ ہو۔اس کی روایت قبول ورد کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ایک فریق کا قول ہے کہ مطلقا مردود ہے لیکن یہ انصاف سے بعید ہے۔یہ لوگ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مبتدع کو قبول کیا جائے تو اس کے ذکر سے اس کے مسلک کو فروغ ملے گا،لہذا مبتدع سے کوئی بھی روایت نہیں کرنی چاہیے جبکہ مبتدع کے ساتھ کوئی غیر مبتدع بھی شریک روایت ہو۔بعض نے اس کو مطلقا قبول کیا ہے الا یہ کہ وہ جھوٹ کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مبتدع اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو تو مقبول ہے کیونکہ اپنی بدعت کو خوشنما بنانے کا خیال روایات میں تحریف اور انہیں اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی تحریک پیدا کرسکتا ہے۔یہ مسلک اصح ہے۔امام ابن حبان نے عجیب دعوی کیا ہے کہ غیر مبلغ مبتدع کی روایت قبول کرنے پر بلا فصل سب کا اتفاق ہے۔ہاں اکثر محدثین غیر مبلغ مبتدع کے مقبول ہونے کی طرف گئے ہیں الا یہ کہ مبتدع ایسی روایت بیان کرتا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو تو یہ مذہب مختار کے مطابق بہر حال مردود ہے۔اس کی صراحت حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کہ جو امام ابو داود وامام نسائی کے استاذ ہیں،نے اپنی کتاب ''معرفۃ الرجال'' میں کی ہے۔چنانچہ رواۃ کے وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض راوی حق یعنی سنت سے بھٹک جاتے ہیں اگر چہ اپنی گفتگو میں راست گو ہوتے ہیں۔ان کی غیر منکر حدیث کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ روایت ان کی بدعت کو تقویت نہ پہنچاتی ہو،انتہی۔جو حافظ ابو اسحاق نے فرمایا ہے بڑی معقول بات ہے کیونکہ مبتدع مبلغ کی حدیث رد کرنے کی جو دلیل بیان کی گئی ہے وہ اسی صورت میں ہے جب روایت ظاہری طور پر مبتدع کے مسلک کے موافق ہو خواہ وہ مبتدع غیر مبلغ ہی ہو اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔''

حافظ رحمہ اللہ ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں:

''پس اہل سنت میں ایسے فاسق بدعتی گروہ کی حدیث قبول کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔اگر وہ کذب سے احتراز کے لئے معروف،خوارم المروۃ سے سلامتی کے لئے مشہور اور دیانت وعبادت سے متصف ہو تو اہل سنت کا ایک گروہ اس کی روایت کو مطلقا قبول کرنے کے حق میں ہے جبکہ دوسرا گروہ مطلقا رد کرتا ہے۔اس

(۱) نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر:ص۵۲-۵۳،فتح المغیث للسخاوی:۲/۶۰،تدریب الراوی:۱/۳۲۵-۳۲۶ (ملخصا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بارے میں علماء کا ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو اس کے داعیٔ بدعت یا غیر داعیٔ بدعت ہونے کی صورت میں فرق کرتا ہے۔ان کے نزدیک غیر داعی کی حدیث قابل قبول ہے جبکہ داعیٔ بدعت لائق رد ہے، یہ مذہب نہایت عدل پر مبنی ہے چنانچہ ائمہ کے اکثر گروہ اسی کے قائل ہیں۔امام ابن حبان نے اس پر اہل النقل کے اجماع کا دعوی کیا ہے، لیکن یہ دعوی محل نظر ہے۔پھر داعی وغیر داعیٔ بدعت کے مابین اس فصل کے قائلین کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک یہ مطلق ہے جبکہ دوسروں نے اس کے ساتھ اس بات کا مزید اضافہ کیا ہے کہ اگر داعی کی روایت کسی ایسی چیز پر مشتمل ہو کہ جو اس کی بدعت کو بظاہر تقویت پہنچاتی ہو یا اسکی تزیین وتحسین کرتی ہو تو وہ قابل قبول نہ ہوگی اگر ان چیزوں پر مشتمل نہ ہو تو قبول کی جائے گی۔بعض نے اس فرق کو بعینہ بالعکس داعیٔ بدعت کے حق میں بیان کیا ہے، چنانچہ ان کا قول ہے کہ اگر اس کی روایت ایسی چیز پر مشتمل ہو کہ جس سے اس کی بدعت کی تردید ہوتی ہو تو وہ قبول کی جائے ورنہ نہیں۔اسی طرح اگر مبتدع داعی ہو یا غیر داعی اس کی کوئی ایسی روایت جس کا تعلق اصلاً اس کی بدعت سے نہ ہو تو کیا اس کی روایت مطلقا قبول کی جائے گی یا مطلقا رد؟ ابو الفتح القشیری نے اس بارے میں ایک دوسری تفصیل بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ اگرچہ کوئی دوسرا بھی اس کی موافقت کرتا ہو تو بھی اس کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ یہ اس کی بدعت کا اخماد اور اس کے لئے جہنم کا اطفاء ہے، لیکن اگر کوئی دوسرا اس کی موافقت نہ کرتا ہو یا اس کے علاوہ حدیث اور کہیں نہ ملے اس کے ساتھ ہی وہ صدق، کذب سے احتراز، دین کے لئے مشتہر بھی ہو نیز اس کی اس حدیث کا تعلق اس کی بدعت سے بھی نہ ہو تو اس حدیث کی تحصیل کی مصلحت اور اس سنت کے نشر کو اس کی اہانت اور اس کی بدعت کے اطفاء کی مصلحت پر مقدم کرنا چاہیئے، واللہ اعلم"۔(۱)

شیخ احمد شاکرؒ مبتدع کی روایت کی قبولیت کے لئے بعض علماء کی شرائط ـــــ مثلاً یہ کہ وہ اپنے مذہب کی تائید میں کذب کو حلال نہ سمجھتا ہو اور یہ کہ اپنی بدعت کا داعی ومبلغ نہ ہو ـــــ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وهذه الأقوال كلها نظرية والعبرة فى الرواية بصدق الراوى وأمانته والثقة بدينه و خلقه والمتتبع لأحوال الرواة يرى كثيرا من أهل البدع موضعا للثقة والاطمئنان، وإن رووا ما يوافق رأيهم ويرى كثيرا منهم لا يوثق بأى شيء يرويه ولذلك قال الحافظ الذهبى فى الميزان فى ترجمة أبان بن تغلب الكوفى (۱ / ۵) "شيعى جلد لكنه صدوق فلنا صدقه وعليه بدعته و قد وثقه أحمد ابن حنبل وبن معين وابو حاتم" . ثم قال والذى قاله الذهبى مع ضميمه ما قاله ابن حجر فيما مضى: هو التحقيق المنطبق على أصول الرواية. والله أعلم" . (۲)

ہمیں توقع ہے کہ مبتدعین سے روایت قبول کرنے کے بارے میں محدثین کرام کی بیداریٔ مغز اور ہر ممکن

(۱) ھدی الساری: ص ۳۸۵ (۲) الباعث الحثیث: ص ۱۱۰-۱۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



احتیاط کا پورا نقشہ قارئین کرام کے سامنے آچکا ہوگا جو جناب اصلاحی صاحب کے تمام سابقہ دعاوی کے بطلان کے لئے کافی ہے، مگر حیرت ہوتی ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے مبتدعین سے روایات لینے والے ائمہ حدیث میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مسلم رحمہم اللہ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کو تو شمار کیا ہے۔ مگر امام بخاری اور امام حاکم نیشاپوری رحمہما اللہ کے نام چھوڑ دیئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ امام مسلمؒ کے متعلق امام حاکمؒ کا قول ہے: "إن كتاب مسلم ملآن من الشيعة" (۱) یعنی ''امام مسلمؒ کی کتاب شیعہ رواۃ کی حدیثوں سے بھری پڑی ہے۔'' لیکن امام بخاریؒ نے بھی اپنی ''الجامع الصحیح'' میں متعدد مبتدعین کی روایت کو قبول کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''ھدی الساری'' میں بخاری کے ۶۹/ ایسے رواۃ کے نام شمار کئے ہیں جن پر اعتقاد کے سبب طعن کیا گیا تھا مگر باوجود طعن کے امام بخاریؒ نے ان سے تخریج کی ہے۔ (۲) امام سیوطیؒ نے بھی ایک مقام پر فائدہ کے تحت ۸۱/ ایسے مرئ بدعت رواۃ کے نام شمار کئے ہیں جن سے شیخین یا ان میں سے کسی ایک نے تخریج کی ہے۔ ان رواۃ میں سے ۱۴/ مرجئی، ۷/ ناصبی، ۲۵ شیعہ، ۳۰ قدری، ایک جہمی، ۲ حروری، ایک وقفی اور ایک عقدی ہیں۔ (۳)

حافظ ابوبکر الخطیبؒ نے ''تاریخ بغداد'' میں امام حاکمؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

"وكان الحاكم يميل إلى التشيع، فحدثنى ابو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموى بنيسابور وكان شيخا صالحا فاضلا عالما، قال: جمع الحاكم ابو عبد الله أحاديث زعم أنها صحاح على شرط البخارى ومسلم يلزمهما إخراجها فى صحيحيهما منها حديث الطير وحديث من كنت مولاه فعلى مولاه فأنكر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم يلتفتوا إلى قوله ولا صوبوه فى فعله". (۴)

حافظ ابن طاہر المقدسی اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی امام حاکم کے متعلق فرمایا ہے: "الحاكم شيعى مشهور." (۵) لیکن علامہ تاج ابن السبکیؒ نے امام حاکمؒ کے تشیع کا سخت رد فرمایا ہے۔ (۶) یہاں علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ کا یہ قول نقل کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ:

''یہاں یہ امر لائق تفطن ہے کیونکہ رجال جرح وتعدیل اپنی بیشتر تصانیف میں اہل بدعت کے دشمن نظر آتے ہیں۔ اس بارے میں ان کی سند یہ ہے کہ رواۃ کے متعلق وہ کسی سے نقل کرتے ہیں کہ فلاں شیعی یا خارجی یا

---

(۱) فتح المغیث للعراقی: ص ۱۶۳، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۶۷، الکفایۃ: ص ۱۳۱، تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۵

(۲) ھدی الساری: ص ۴۶۰ (۳) تدریب الراوی: ۱/ ۳۲۸-۳۲۹

(۴) تاریخ بغداد للخطیب: ۵/۴۷۴ (۵) خاتمۃ المستدرک: ۴/ ۶۱۴

(۶) طبقات الشافعیہ لابن السبکی: ۳/ ۶۷، ۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ناصبی وغیرہ ہے۔ باوجود اس کے کہ جو اقوال انہوں نے کسی سے نقل کئے ہیں افتراء پر مبنی تھے۔ اس امر پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ صحیحین کے رواۃ میں سے اکثر جن پر تشیع کی جرح کی گئی ہے ان کو شیعہ اصلاً جانتے بھی نہیں ہیں۔ خود میں نے رجال شیعہ کی کتاب ''الکشی'' اور ''النجاشی'' کی طرف مراجعت کی تو میں نے ان کتب میں ان رواۃ کو نہ پایا جن سے کہ شیخین نے تخریج کی ہے، اور سیوطی نے کتاب ''التقریب'' کی شرح میں جن پر اپنے اسلاف سے تشیع کی جرح نقل کی ہے۔ ان کی کل تعداد پچیس (۲۵) ہے۔ رجال شیعہ کی کتب میں ایسے صرف دو راویوں کا تذکرہ ہی مجھے مل سکا ہے، وہ ابان بن تغلب اور عبدالملک بن اعین ہیں۔ باقی رواۃ کا ذکر مجھے ان کتابوں میں کہیں نہیں ملا۔ اس سے ہم کو یہ نیا اور اہم علمی فائدہ پہنچا ہے کہ مرئ بدعت کے بارے میں تحقیق کے لئے اس فرقہ کی اصل تصانیف رجال کی طرف رجوع کیا جائے تا کہ اصیل ودخیل نیز معروف ومنکر میں تمیز کی جا سکے۔''(۱)

جناب اصلاحی صاحب نے منقولہ بالا عبارت میں بظاہر نہایت جوشیلے انداز میں سنت کو مبتدعین کی آلائشوں اور ضلالات سے محفوظ رکھنے کے وسائل پر روشنی ڈالی ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو اس میں بھی جا بجا خلاف واقعہ باتیں نظر آئیں گی، مثال کے طور پر فرماتے ہیں:۔۔۔ از روئے قرآن، از روئے حدیث اور حدیث کے مجموعی مزاج کے تقاضے کے لحاظ سے مجرد اہل بدعت کے گروہ سے ہونا ضعف کے لئے کافی ہے اگرچہ راوی اپنی بدعت کا داعی نہ رہا ہو۔ لیکن یہ دعوی محض ایک دعوی بلا دلیل ہے۔ کیا جناب اصلاحی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ محدثین کرام، کہ جن کی بدولت ہی آج احادیث نبوی کا موجودہ ذخیرہ ہمارے اور خود جناب اصلاحی صاحب کے پاس بھی پہنچا ہے وہ قرآن وحدیث کے ''مجموعی مزاج'' وتقاضوں سے بے بہرہ اور لاعلم تھے یا امت جو آج تک ان چیزوں کو درست مانتی چلی آئی ہے تو گویا وہ بھی اب تک اصلاحی صاحب کے تجویز کردہ قرآن وحدیث کے مجموعی مزاج وتقاضوں سے لاعلم ہونے کے باعث گمراہ نہیں تو کم از کم قعر جاہلیت میں ضرور پڑی ہوئی تھی، فإنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

واضح رہے کہ غیر داعئ بدعت مبتدع کی ایسی روایت کہ جس سے اس کی بدعت کو تقویت نہ پہنچتی ہو، کو قبول کرنا ہی اکثر علماء کا پسندیدہ مذہب ہے، چنانچہ اس بارے میں امام ابن حبان کا دعوی اجماع اور امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب (استاذ امامین ابو داود ونسائی)، حافظ ابو الفتح القشیری، حافظ ابن الصلاح، حافظ زین الدین عراقی، حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ عماد الدین ابن کثیر، حافظ سخاوی، علامہ سیوطی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ احمد محمد شاکر اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری وغیرہم رحمہم اللہ کا اسے ''مذہب مختار''، ''اصح'' اور ''اعدل'' بیان کرنا گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ جہاں تک از روئے قرآن کسی حدیث کا مجرد اہل

(۱) قواعد التحدیث للقاسمی: ۱۹۵ (ملخصا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


بدعت کے گروہ سے مروی ہونا ہی اس کے ضعف کے لئے کافی ہونے والے قول کا تعلق ہے تو اگر جناب اصلاحی صاحب شہادت کی آیتوں سے اس پر استدلال کرنا چاہیں تو ہم کہیں گے کہ خبر اور شہادت میں احکام کے اعتبار سے فرق ہے اور اگر سورۃ الحجرات کی آیت "یآیھا الذین اٰمنوا إن جاء کم فاسق بنباء فتبینوا أن تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" ۔(۱) (یعنی اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی نقصان نہ پہنچادو پھر اپنے کئے تمہیں پر پچھتانا پڑے) سے استدلال کریں تو ہم کہیں گے کہ اس میں بھی توقف اور تبین وتثبت کا حکم دیا گیا ہے، کما ھو منقول عن ابن تیمیۃ فی "فتح الملھم"(۲) وکذا قیل فی مقدمۃ "فضل الباری"(۳)، کہ صدق وکذب کے دلائل دیکھ کر اس کے تقاضہ کے مطابق رد وقبول کیا جائے اور یہی تو محدثین کرام کیا کرتے ہیں۔ پس اعتراض خود قرآن وحدیث کے عمومی مزاج اور تقاضوں سے لاعلمی پر مبنی ثابت ہوا۔

جناب اصلاحی صاحب نے اپنے دعوی کی تائید میں جو دلیل پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ شیعہ اور روافض "چونکہ اصل دین سے انحراف پر قائم ہیں، (لہذا) اپنے مذہب کو ثابت کرنے کی خاطر جب تک یہ اصل دین میں جھوٹ نہ بولیں، تو اپنا گروہی فریضہ ادا نہیں کرتے۔ انہیں اپنی بدعت کے حق میں دلیل فراہم کرنے کے لئے روایات کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے لہذا ان کے لئے روایات میں خیانت کے سوا کوئی چارہ نہیں (رہتا) الخ"۔۔۔ جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی بھی حقائق سے لاعلمی کی بنیاد پر قائم ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ جناب اصلاحی صاحب نے یہاں متقدمین شیعہ کو متأخرین شیعہ پر قیاس کرلیا ہے حالانکہ شیعہ کے ان دونوں طبقات کے مابین زمین وآسمان کا بعد ہے، پھر ہر شیعہ رافضیت میں متشدد اور غالی بھی نہیں ہوتا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"عرف متقدمین میں تشیع حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ پر تفضیل کا اعتقاد اور یہ کہ حضرت علیؓ جنگ میں برحق اور ان کا مخالف گروہ خطاء پر تھا، ہے۔ وہ شیخین کی تفضیل وتقدیم کے بھی قائل تھے، البتہ ان میں سے بعض یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل الخلق ہیں۔ اگر کوئی راوی ان چیزوں کا معتقد ہو مگر ساتھ ہی ورع، دین، صدق اور اجتہاد سے متصف بھی ہو تو اس کی روایت محض اس تشیع کی بنیاد پر رد نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ غیر مبلغ ہے۔

پس جو حضرت علی کو حضرات ابوبکر وعمر پر مقدم ٹھہرائے وہ تشیع میں غالی ہے۔ اس پر رافضی ہونے کا اطلاق ہوگا ورنہ وہ شیعہ ہے۔ پس اگر تبرا یا بغض کی تصریح موجود ہو تو یہ عرف متأخرین میں تشیع ہے، یعنی رافضیت میں غالی۔ اور اگر دنیا میں حضرت علیؓ کی رجعت کا اعتقاد رکھتا ہو تو اس کا غلو شدید تر ہے پس ایسے غالی رافضی کی روایت قبول نہ کی

---

(۱) الحجرات:۶ (۲) فتح الملھم:۱/۱۳۱
(۳) فضل الباری:۱/۵۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


جائے گی۔"(۱)

اور امام ذہبیؒ، ابان بن تغلب الکوفی شیعی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اہل بدعت کی ثقاہت وعدالت کے متعلق یہ سوال کرسکتا ہے۔"كيف ساغ توثيق مبتدع وحد الثقة العدالة والإتقان؟ فكيف يكون عدلا من هو صاحب بدعة؟"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

"ان البدعة على ضربين: فبدعة صغرى كغلو التشيع أوكالتشيع بلا غلو ولا تحرف – فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق – فلو رد حديث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبوية وهذه مفسدة بينة.

ثم بدعة كبرى، كالرفض الكامل والغلو فيه، والحط عن أبي بكر وعمر رضي الله عنهما والدعاء إلى ذلك، فهذا النوع لا يحتج بهم ولا كرامة وأيضا فما أستحضر الآن في هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا، بل الكذب شعارهم والتقية والنفاق دثارهم فكيف يقبل نقل من هذا حاله! حاشا وكلا –

فالشيعي الغالي في زمان السلف وعرفهم هو من تكلم في عثمان والزبير وطلحة ومعاوية وطائفة ممن حارب عليا رضي الله عنه وتعرض لسبهم.

والغالي في زماننا وعرفنا هو الذي يكفر هؤلاء السادة ويتبرأ من الشيخين أيضا، فهذا ضال معثر"۔ (۲)

یعنی "بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت صغریٰ: مثلاً غلو تشیع یا تشیع بلا غلو و بلا تحرف۔ یہ چیز تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں، دین وورع اور صدق کے باوجود بکثرت موجود تھی۔ پس اگر ان سب کی احادیث رد کردی جائیں تو تمام آثار نبویہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، جو کہ ایک واضح دینی خسارہ اور فساد ہوگا۔

دوسری قسم بدعت کبریٰ ہے: مثلاً رفض کامل اور غلو فی الرفض، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر تبرا بھیجنا، اس کی تبلیغ کرنا، پس اس گروہ سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ کوئی حجت نہیں ہے۔ اس گروہ کا کوئی شخص نہ صادق ہوسکتا ہے اور نہ مامون بلکہ کذب ان کا شعار اور تقیہ ونفاق ان کا دثار ہے۔ پس ان لوگوں سے منقول روایات کو کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے۔ حاشا وکلا!

پس اسلاف کے زمانہ میں اور ان کے نزدیک معروف غالی شیعہ وہ تھے جو حضرات عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، معاویہؓ

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۱/۹۴، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۴

(۲) میزان الاعتدال: ۱/۵-۶، فتح المغیث للسخاوی: ۲/۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں پر کلام کیا کرتے تھے، مگر ان پر سب وشتم سے تعرض کرتے تھے۔ مگر ہمارے زمانے میں ہمارے نزدیک معروف غالی شیعہ وہ ہیں جو ان سادات کی تکفیر کرتے ہیں، شیخین پر تبرا کرتے ہیں، پس یہ گمراہ اور مفتر ہیں۔"

غالی روافض کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو سلف صالحین پر سب وشتم کرتا ہو اس کی روایت رد کی جائیگی، کیونکہ مسلمان پر سب وشتم کرنا فسق ہے، پس صحابہ اور سلف صالحین پر یہ بدرجہ اولی فسق ہوگا۔''(۱)

حافظ خطیب بغدادیؒ، ابن مبارک سے نقل کرتے ہیں:

"سأل ابو عصمة أبا حنيفة فمن تأمرنی أن أسمع الآثار؟ قال: من كل عدل فی هواه إلا الشيعة فإن أصل عقدهم تضليل أصحاب محمد ﷺ ومن أتى السلطان طائعا أما إنی لا أقول: إنهم يكذبونهم أو يأمرونهم بما لا ينبغی ولكن وطأوا لهم حتى انقادت العامة بهم فهذان لا ينبغی أن يكونا من أئمة المسلمين ".(۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین میں سے علی بن مدینیؒ نے ابو اسرائیل الملائی کی حدیث فقط اس وجہ سے رد کی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا تھا اور اس کے ساتھ حدیث میں بھی قوی نہ تھا۔(۳) اسی طرح حسین بن واقد الصدی کو بھی جب آں رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتے ہوئے سنا تو اس کو ترک کر دیا تھا۔(۴) عبداللہ بن مبارکؒ نے تو علی رؤوس الاشہاد فرمایا تھا کہ:

"دعوا حديث عمرو بن ثابت فإنه كان يسب السلف". (۵)

یعنی ''عمرو بن ثابت کی حدیثیں چھوڑ دو کیونکہ وہ سلف یعنی صحابہؓ کرام کو گالیاں دیا کرتا تھا۔''

اسی طرح آں رحمہ اللہ نے علی بن الحسن بن شقیق کے استفسار پر کہ ــــ حدیث بیان کرتے وقت آپ عمرو بن عبید کا نام نہیں لیتے جبکہ دوسرے قدریوں کا نام لیتے ہیں۔ جواباً فرمایا تھا: "لأن هذا كان رأسا".(۶)

اور حافظ ابوعبداللہ ابن الاخرم بیان کرتے ہیں کہ کسی نے سوال کیا کہ امام بخاریؒ نے ابوطفیل عامر بن واثلہ کی حدیث کیوں ترک فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ تشیع میں افراط وتفریط سے کام لیتا تھا۔''(۷)

دوسری بات یہ کہ محدثین میں سے کوئی بھی شیعہ اور روافض کی تمام روایات کو مطلقاً اور بلا تمیز وتحقیق قبول

(۱) تدریب الراوی: ۱/۳۲۶
(۲) الکفایۃ: ص۱۲۶
(۳) معرفۃ علوم الحدیث: ص۱۳۶
(۴) نفس مصدر: ص۱۳۷
(۵) مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۱۶، فتح الملہم: ۱/۱۳۱
(۶) الکفایۃ: ص۱۲۷
(۷) نفس مصدر: ص۱۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کرنے کا قائل نہیں ہے۔ان کی روایات کو قبول کرنے کے بارے میں محدثین کرام نے کچھ نہ کچھ شرائط ضرور بیان کی ہیں تا کہ حق و باطل میں تمیز ممکن ہو سکے۔محدثین کی ان شرائط کا آپس میں مختلف ہونا ہی بذات خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اس بارے میں حتی الوسع محتاط تھے، چنانچہ امام ذہبیؒ، ابراہیم بن الحکم بن ظہیر الکوفی شیعی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''رافضہ کی روایت سے احتجاج کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے،اس بارے میں تین اقوال یہ ہیں: (۱) مطلقا منع ، (۲) مطلقا رخصت الا یہ کہ وہ دروغ گو یا حدیث گھڑنے والا ہو (۳) تفصیل یعنی صدوق رافضی کی روایات کو قبول کرنا جو حدیث کے مدلول کو جانتا ہو لیکن مبلغ رافضی کی روایت کو رد کرنا خواہ وہ صدوق ہی ہو، چنانچہ اشہب کا قول ہے کہ امام مالکؒ سے رافضہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوںؒ نے فرمایا: نہ ان سے کلام کرو اور نہ ان سے روایت لو کیونکہ وہ کذب بیانی کرتے ہیں۔حرملہ کا قول ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ:"لم أر أشهد بالزور من الرافضة"اور مؤمل بن اھاب کا قول ہے: میں نے یزید بن ھارون کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہر صاحب بدعت سے حدیث لکھی جائے بشرطیکہ وہ رافضیت کا مبلغ نہ ہو کیونکہ وہ دروغ گو ہیں اور محمد بن سعید بن اصبہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے شریک کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ:"احمل العلم عن كل من لقيت إلا الرافضة فإنهم يضعون الحديث ويتخذونه دينا"۔ (۱)

جناب اصلاحی صاحب نے شیعہ وروافض کے دین میں جھوٹ بولنے کے جس گروہی فریضہ (یعنی تقیہ) اور اپنے بدعتی مذہب کی نصرت وتائید میں روایات وضع کر لینے کی طرف اشارہ کیا ہے تو یہ تمام شیعہ وروافض کا شعار نہ تھا، بلکہ فقط رفض کامل اور رافضیت میں غلو کرنے والا طبقہ ہی ایسا کیا کرتا تھا لیکن محدثین میں سے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس نے اس طبقہ سے روایات کو قبول کرنا جائز سمجھا ہو۔ہم دیکھتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین میں سے متشدد اور معتدل شیعہ حضرات کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو انتہائی ورع، دینداری، امانت، صداقت اور تقوی سے متصف تھی۔

حسین بن ادریس بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن حماد الموصلی سے علی بن غراب کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: وہ صاحب بصیرت محدث تھا۔میں نے پوچھا کہ کیا وہ ضعیف نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تشیع ضرور کرتا تھا، لیکن میں کسی ایسے محدث کی روایت ترک نہیں کرتا جو حدیث پر بصیرت رکھتا ہو اور تشیع یا قدر کی نصرت وحمایت کے لئے دروغ گوئی سے بھی دور ہو اور نہ ہی ایسے کسی شخص سے روایت لیتا ہوں جو حدیث پر نہ تو بصیرت رکھتا ہے اور نہ ہی اسے اس کی سمجھ ہے، خواہ وہ فتح الموصلی سے افضل ہی ہو۔'' (۱)

---

(۱) میزان الاعتدال: ۱/ ۲۷-۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اسی طرح اکثر علماء کے نزدیک چونکہ خوارج اپنی بدعت کے سبب مرتکب کفر نہیں ہیں (الصحیح عند الأکثرین أن الخوارج لا یکفرون ببدعتهم۔)(۲) لہٰذا ان کی روایت مقبول ہے بلکہ ابوداود اور سلیمان بن الأشعث کا قول ہے:

''اصحاب الأھواء میں خوارج سے زیادہ صحیح تر حدیث کسی کی نہیں ہوتی، پھر عمران بن حطان اور ابوحسان الأعرج کا ذکر فرمایا۔''(۳)

بعض قدری رواۃ کے ثقہ ہونے کی صراحت بھی محدثین سے منقول ہے چنانچہ سلیمان بن احمد الواسطی فرماتے ہیں:

''میں نے عبدالرحمٰن بن مھدی سے عرض کیا: میں نے آپ کو سنا ہے کہ آپ اس شخص سے بھی حدیث بیان کرتے ہیں جس سے حدیث روایت کرنا ہمارے اصحاب ناپسند کرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مھدی نے دریافت کیا: وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا محمد بن راشد الدمشقی۔ پوچھا کہ: کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اس لئے کہ وہ قدری ہے۔ یہ سن کر آپ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کا قدری ہونا روایت حدیث کے لئے مضر نہیں ہے۔''(۴)

سفیان ثوریؒ کا قول ہے:

''ابن ابی لبید اہل مدینہ کے عباد میں سے تھا اور ثبت تھا اگرچہ قدری تھا۔''(۵)

اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

"ابراهيم بن محمد الأسلمي كان قدريا لكنه ثقة، فلذلك روى عنه الشافعي"۔ (۶)

یعنی ''ابراہیم بن محمد اسلمی قدری لیکن ثقہ تھا، چنانچہ امام شافعیؒ نے اس سے روایت کی ہے۔''

حسین بن الفرج بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے مجھ سے دریافت کیا:

''عبداللہ کے اصحاب میں سے تمہارے پاس کون کون باقی بچا ہے؟ میں نے کہا: عبدان۔ آپ نے پوچھا: اس کا حال کیسا ہے؟ میں نے کہا: مذہب کے اعتبار سے وہ مرجئی مذہب کا حامل ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی حدیث لکھی جائے اگرچہ وہ مرجئی ہی ہو۔''(۷)

اسی طرح مسعر بن کدام مرجئی کے ترجمہ میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) الکفایۃ: ۱۳۰
(۲) فتح الباری: ۱۰/۳۶۶
(۳) الکفایۃ: ص ۱۳۰
(۴) نفس مصدر: ص ۱۲۹
(۵) نفس مصدر: ص ۱۳۰
(۶) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ۱/۱۶۳، نصب الرایہ للزیلعی: ۱/۱۰۳
(۷) الکفایۃ: ص ۱۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


"الإرجاء مذهب لعدة من جلة العلماء لا ينبغي التحامل على قائله" ۔ (۱)

علامہ شہرستانی سے بھی ایسا ہی ایک قول منقول ہے۔(۲) ابوالولید الطیالسی فرماتے ہیں کہ شعبہ نے بیان کیا:

''قتادہ نے ابوحسان الأعرج سے حدیث روایت کی ہے حالانکہ وہ حروری تھا۔''(۳)

محدثین کرام نے مبتدعین میں سے اکثر اسی طبقہ کی روایات کو قبول کیا ہے لہذا میں نہیں سمجھتا کہ ان کی روایات کو قبول کرنے میں کوئی امر مانع ہوسکتا ہے۔ جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ:

''اب اگر کسی کو ان فرقوں کے ساتھ صلح کل کے فلسفے کو نبھانا اور بھائی چارہ اور دوستی کو قائم کرنا ہو تو وہ ضرور ایسا کرے، لیکن دین کے معاملے میں اس باطل فلسفے کو راہ نہیں دی جاسکتی'' ــــــ تو یہ بھی محض عصر حاضر یا ماضی قریب کے چند پرفریب نعروں کے پس منظر میں کہا گیا ہے۔ اسلاف اور محدثین کرام کے زمانہ میں اس فلسفہ کا کوئی وجود تک نہ تھا۔ اگر جناب اصلاحی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین کرام نے محض ان فرقوں کے ساتھ صلح کل یا دوستی اور بھائی چارہ کی فضا قائم کرنے کے لئے ان کی روایات کو قبول کیا تھا تو ان کا یہ خیال بلا دلیل قطعی، لغو اور انتہائی عبث ہے کیونکہ اس سے جہاں محدثین کرام کے امت محمدیہ پر عظیم احسانات کا ابطال ہوتا ہے وہیں ان کی تمام مساعی جمیلہ وجلیلہ اور ان کے اخلاص پر صریح طعن بھی واقع ہوتا ہے جو کہ کسی طرح درست اور مناسب نہیں، پھر اس سے جناب اصلاحی صاحب کا حقائق سے لاعلم ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر محدثین غیر مضر مبتدعین کی روایات کو بھی علی الاطلاق رد کردیتے تو امت احادیث نبوی کے ایک بڑے ذخیرہ سے تہی دست ہوجاتی۔ امام ابن حبانؒ نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

''علماء کا یہ گروہ غیر دعاۃ مبتدعین کی روایات، سنت کی حفاظت کے پیش نظر قبول کرتا ہے۔ اگر ایسے مبتدع رواۃ کی تمام احادیث بلا امتیاز رد کردی جائیں تو یہ تمام سنن کا ترک ہوگا اور ہمارے پاس بہت ہی مختصر سی احادیث پہنچ پائیں گی۔''(۴)

حافظ ابن المدینیؒ کا قول ہے:

"لو تركت أهل البصرة للقدر وتركت أهل الكوفة للتشيع لخربت الكتب" ۔ (۵)

یعنی ''اگر بصرہ والوں کو قدر کی وجہ سے اور کوفہ والوں کو تشیع کی وجہ سے ترک کردیا جائے تو ساری کتابیں بیکار وویران ہوجائیں گی۔''

---

(۱) میزان الاعتدال: ۴/۹۹
(۲) الملل والنحل للشہرستانی: ۱/۱۳۰
(۳) الکفایۃ: ص ۱۲۹-۱۳۰
(۴) صحیح ابن حبان: ۱/۱۲۱
(۵) الکفایۃ: ص ۱۲۹، شرح علل الترمذی: ۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام علی بن مدینیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان سے کہا کہ عبدالرحمان بن مھدی فرماتے ہیں:

''میں نے اہل الحدیث میں سے ان تمام کو ترک کر دیا ہے جو اپنی بدعت کے رأس (سرے یا چوٹی) پر تھے۔ یہ سن کر یحییٰ بن سعید ہنسے اور پوچھا: پھر انہوں نے قتادہ، عمر بن ذر ھمدانی اور ابن ابی رواد وغیرہم کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ یحییٰ بن سعیدؒ نے اسی طرح مزید ایک جماعت کے نام گنوائے اور کہا: اگر عبدالرحمان بن مھدی نے اس قسم کے لوگوں کو بھی ترک کیا ہے تو حدیث کا ایک بہت بڑا حصہ چھوڑ دیا ہے۔''(۱)

امام ذہبی اور امام سخاوی رحمہما اللہ نے بھی اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

''بدعت صغری مثلاً غلو فی التشیع یا تشیع بلا غلو و بلا تحرف۔ پس یہ چیز تابعین اور اتباع تابعین میں دینداری، ورع اور صدق کے باوجود بکثرت موجود تھی۔ پس اگر ان سب کی احادیث رد کر دی جائیں تو تمام آثار نبوی ہمارے ہاتھوں سے چلا جائے گا اور دین میں یہ ایک بین فساد و نقصان ہوگا۔''(۲)

پس جناب اصلاحی صاحب کا یہ فرمانا کیوں کر درست ہو سکتا ہے کہ ''ہمارے نزدیک اہل بدعت کی روایات قبول کرنے کی گنجائش فتنوں کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور ماضی میں اس کا باعث بنی ہے''۔۔۔۔ اگر جناب اصلاحی صاحب پھر بھی اس بات پر مصر ہوں کہ محدثین کرام نے غیر داعی، غیر مضر، متقی، متورع، صادق، عادل ضابط اور حافظ مبتدعین کی روایات کو تحقیق و تنقیح اور تثبت و تبین کے بعد قبول کر کے فتنوں کا دروازہ کھول دیا ہے یا محدثین کی یہی روایات ماضی میں فتنوں کا باعث بنی ہیں تو ہم اس کو جناب اصلاحی صاحب کی فہم کا قصور سمجھتے ہوئے مزید کلام سے گریز کرتے ہیں۔

اس ضمن میں جناب اصلاحی صاحب کے آخری قول کہ ''مجرد کسی کا مبتدع ہونا اس کے ساقط الروایہ ہونے کے لئے کافی ہے۔ اور ان فرقوں میں سے کسی کی روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیئے خواہ وہ قسم کھا کے روایت کرے کہ میں سچ ہی روایت کروں گا۔ ہمارے نزدیک یہی صحیح مسلک ہے جو قرآن و سنت کے مطابق ہے''۔۔۔۔ کے جواب میں ہم امام نووی اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ کے مندرجہ ذیل اقوال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"أما المذهب الأول فضعيف جدا ففي الصحيحين وغيرهما من كتب الحديث الاحتجاج بكثيرين من المبتدعين غير الدعاة ولم يزل السلف والخلف على قبول الرواية منهم والاحتجاج بها والسماع منهم وإسماعهم من غير إنكار منهم" ۔ (۱)

(۱) الکفایۃ: ص ۱۲۸-۱۲۹ (۲) میزان الاعتدال: ۱/ ۵، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''پہلا مذہب انتہائی ضعیف ہے چنانچہ کتب حدیث میں سے صحیحین وغیرہ میں کثیر تعداد میں غیر مبلغ مبتدعین کے ساتھ احتجاج کیا گیا ہے۔ سلف وخلف نے ان سے روایت قبول کرنا، ان سے احتجاج کرنا اوران سے سماع کرنا ترک نہیں کیا ہے، ان مبتدعین سے محدثین کا سماع بغیر کسی انکار کے ہے۔''

اور اصلاحی صاحب کے نزدیک کتب اصول حدیث کے مصنفین میں سے سب سے معتبر ترین شخص علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''اہل بدعت کی اخبار سے احتجاج کے جواز پر جو چیز تاکید کرتی ہے وہ صحابہ کا خوارج اور فساق بالتاویل کی اخبار وشہادات کا قبول کرنا، پھر تابعین اوران کے مخلفین کا اس پر استمرار عمل ہے۔ پس اہل بدعت میں سے جو تحری صدق کے لئے مشہور ہوں، کذب کو گناہ عظیم جانتے ہوں، اعمال محظورات سے اپنے نفوس کی حفاظت کرنے والے ہوں، اہل الریب اور طرائق مذمومہ پر نکارت کرتے ہوں، جن کی احادیث کی روایات خود ان کی ذاتی آراء کے خلاف ہوں بلکہ ایسی ہوں کہ جن کو ان کے مخالفین ان پر حجت قائم کرنے کے لئے پیش کرتے ہوں، ایسے مبتدعین کی روایات سے احتجاج کرنا جائز ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ عمران بن حطان کہ جو خوارج میں سے تھا، عمرو بن دینار اور وہ جو کہ قدری وشیعہ تھے، عکرمہ جو اباضی تھا، ابن نجیح جو معتزلی تھا، عبدالوارث بن سعید وشبل بن عباد، سیف بن سلیمان وھشام دستوائی، سیعد بن ابی عروبہ وسلام بن مسکین جو سب قدری تھے اور علقمہ بن مرثد، عمرو بن مرہ اور مسعر بن کدام جو مرجئی تھے، اسی طرح عبید اللہ بن موسی، خالد بن مخلد، عبدالرزاق بن ہمام اور ایک خلق کثیر، جن کا کہ یہاں تذکرہ دشوار ہے، تشیع کی طرف گئے تھے، ان سب کی روایات کو تمام متقدمین ومتأخرین علماء نے مدون کیا ہے اوران کی احادیث سے حجت پکڑی ہے۔ پس یہ چیز ان کے اجماع کے مثل ہوئی۔ علماء کا یہ اجماع اس باب میں سب سے بڑی دلیل ہے، مقاربۃ الصواب کے گمان کو اس اجماع سے تقویت ملتی ہے۔''(۲)

چونکہ جناب اصلاحی صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ محض اسناد کی بنیاد پر کسی حدیث کی صحت وضعف کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسکے متن اور مضمون پر بھی غور کرنا چاہیئے لہذا میں پوچھتا ہوں کہ آخر یہاں کیوں آں محترم اپنا یہ اصول بھول گئے ہیں کہ متن حدیث پر غور وفکر کئے بغیر محض کسی راوی کے مبتدع ہونے کو ہی اس کے ساقط الروایہ ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں؟ جبکہ کسی راوی کا مبتدع ہونا بھی صرف فن اسماء الرجال بالخصوص فن جرح وتعدیل کے ذریعہ ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ پس یہاں محترم اصلاحی صاحب کی اصول شکنی، سبیل المومنین سے انحراف، واقعات کی غلط ترجمانی اور اجماع امت سے اختلاف آشکارا ہوا۔

---

(۱) شفاء الغلل مع التقفۃ: ۴/ ۳۸۸ بحوالہ شرح صحیح مسلم للنووی

(۲) الکفایۃ: ص ۱۲۵، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## سند کا چوتھا خلاء اور اس کا جائزہ:

''سند کا چوتھا خلاء'' کی ذیلی سرخی کے تحت جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''سند کی تحقیق میں چوتھا خلاء یہ ہے کہ ہمارے اکابر حدیث نے حلال وحرام کے متعلق حدیثیں قبول کرنے میں فی الجملہ احتیاط برتی ہے، لیکن ترغیب وترہیب اور فضائل وغیرہ کی روایات میں انہوں نے عمداً تساہل برتا ہے ''الكفاية في العلم الرواية" میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں:

إذا روينا عن رسول الله ﷺ في الحلال والحرام والسنن والأحكام لشددنا في الأسانيد وإذا روينا عن النبي ﷺ في فضائل الأعمال وما لا يصح حكما ولا يرفعه تساهلنا في الأسانيد"۔

(یعنی) جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال وحرام اور سنن واحکام کے بارے میں روایات کرتے ہیں تو سند کے معاملے میں پوری احتیاط برتتے ہیں، لیکن اگر معاملہ فضائل اعمال وغیرہ کا ہو جس سے نہ کوئی حکم قائم ہوتا ہو نہ کوئی حکم منسوخ ہوتا ہو تو اس کی سند میں ہم تساہل برتتے ہیں۔

گویا محدثین نے سند کی صحت کو صرف ان روایات کے ضمن میں درخور اعتناء سمجھا جن میں کسی نوعیت کے احکام تھے، ترغیب وترہیب کی کمزور روایات کو مفید سمجھا گیا کہ ان کے باعث لوگ نیکی کی طرف رجوع کریں۔ فضائل کی روایات سے بھی نیکی کے عمل کو مہمیز ملتی تھی، اس لئے ان کو سند کے ضعف کے باوجود کتابوں میں جگہ دے دی گئی لیکن ہمیں یہ جائزہ لینا چاہیئے کہ آیا محدثین ایسا کرنے میں حق بجانب تھے یا نہیں۔''(۱)

اس اقتباس میں پہلی قابل ملاحظہ چیز تو یہ ہے کہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الكفاية في علم الرواية'' میں صرف امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہی نہیں بلکہ سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابوعبداللہ اور ابوزکریا عنبری رحمھم اللہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔(۲) دوسری قابل ملاحظہ چیز یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے بزعم خود سند کے اس چوتھے خلاء کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے گویا تمام یا بیشتر ''محدثین نے سند کی صحت کو صرف ان روایات کے ضمن میں درخور اعتناء سمجھا (ہے) جن میں کسی نوعیت کے احکام تھے''، ''لیکن ترغیب وترہیب اور فضائل (اعمال) وغیرہ کی روایات میں انہوں نے عمداً تساہل برتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ محدثین کے مابین یہ کوئی متفق علیہ امر نہیں تھا بلکہ اس بارے میں وہ مختلف نظریات کے حامل تھے۔ ابتداء سے ہی اہل فضل محدثین، محققین، محتاط علماء اور فقہائے حدیث میں سے اکابرین کی ایک بڑی جماعت اس نظریہ کی حامل رہی ہے کہ امور شریعت میں جب کسی حدیث کا ضعف بدلائل ثابت ہو جائے تو پھر اس ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا خواہ اس کا تعلق احکام

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۶-۹۷ (۲) الکفایۃ ص ۱۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وعقائد سے ہو یا فضائل اعمال، ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ سے۔ اس کے برعکس علمائے حدیث اور فقہاء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو بلاتکلف فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب وغیرہ میں ضعیف حدیث کو معتبر ولائق عمل ہی نہیں بلکہ مستحب بیان کرتی تھی۔ بعض علماء وفضلائے حدیث نے فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لئے کچھ آداب وشرائط بھی مقرر کی تھیں۔ بعض علماء ایسے بھی تھے جو فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو شخصی قیاس سے افضل سمجھتے ہوئے مطلقاً قابل قبول بتاتے تھے۔

## فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث کا مقبول ہونا محل نزاع ہے

صرف جناب اصلاحی صاحب ہی نہیں بلکہ اکثر علماء وفقہاء اپنی تصانیف میں بلاتکلف فضائل اعمال، ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ میں ضعیف حدیث کو عندالمحدثین معتبر اور لائق عمل بیان کرتے نظر آتے ہیں حالانکہ یہ امر جملہ محققین، محدثین، اصولیین اور علماء کے نزدیک محل نزاع رہا ہے۔ کتب مصطلح الحدیث پر نگاہ رکھنے والے کسی شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ محدثین کے اس اختلاف کے متعلق علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی ؒ فرماتے ہیں:

''فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث پر عمل کے متعلق اتفاق کا دعوی باطل ہے، اگرچہ جمہور کا مذہب یہی، مگر مشروط ہے''۔(۱)

علامہ سخاوی ؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کے متعلق تین مذاہب ہیں: مطلقاً اس پر عمل نہ کرنا، (اگر اس باب میں کوئی دوسری چیز وارد نہ ہو تو) مطلقاً اس پر عمل کرنا، اور فضائل میں چند شرائط کے ساتھ اس پر عمل کرنا (اس پر جمہور کا اتفاق ہے)۔''(۲)

ذیل میں ہم ان مختلف نظریات کے حامل محدثین اور ان کے دلائل کا مختصر جائزہ پیش کریں گے:

## علماء جن کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً قابل قبول ہے

علماء کا ایک گروہ ضعیف حدیث کے مطلقاً قابل قبول اور بلاشرط لائق عمل ہونے کا قائل ہے، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ضعیف حدیث شخصی قیاس واجتھاد سے مقدم اور بدرجہا اولی ہوتی ہے، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی ؒ فرماتے ہیں:

''بعض علماء کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کیا جاتا ہے۔ امام ابوداود اور امام احمد کے متعلق پہلے

(۱) الآثار المرفوعۃ: ص ۸۱، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۸٦

(۲) القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع للسخاوی: ص ۱۹۵، الأجوبۃ الفاضلۃ لأبی الحسنات: ص ۵۰، ضعیف احادیث کی معرفت اور انکی شرعی حیثیت: ص ۸٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



گزر چکا ہے کہ آں رحمہما اللہ اس بات کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث شخصی قیاس اور رائے سے قوی تر ہے۔''(۱)

امام احمد بن حنبلؒ (۲) اور امام شافعی (۳) رحمہما اللہ کا ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم فرمانا، امام مالک (۴) کا مرسل و منقطع احادیث کو قیاس پر ترجیح دینا اور علمائے حنفیہ کے نزدیک بھی ضعیف حدیث کا قیاس واجتہاد سے اولی ہونا (۵) کتب مصطلحات میں بصراحت مذکور ہے۔

## علماء جن کے نزدیک ضعیف حدیث فضائل اعمال وغیرہ میں بلا قید وشرط مقبول ہے

علماء کا یہ گروہ احکام شرعی اور عقائد میں ضعیف حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتا مگر فضائل اعمال، ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ کے باب میں ضعیف احادیث کو غیر مشروط طریقہ پر قبول کرنے کا قائل ہے۔ اس فکر کے قائل حضرات میں ابوزکریا العنبری، عبدالرحمان بن مھدی، احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک، بیہقی، نووی، ابن الصلاح، ابن عبدالبر، علاء الدین بن محمد بن علی الحصکفی الحنفی، ابن عابدین حنفی، ابن حجر الھیثمی المکی، جلال الدین سیوطی، ملا علی قاری حنفی اور ابن الھمام حنفی وغیرھم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان تمام حضرات کا موقف یہ ہے کہ:

''جب ہم نبی ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی کوئی خبر روایت کرتے ہیں تو اسانید میں تشدد اور رجال میں تنقید سے کام لیتے ہیں مگر جب فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب وغیرہ میں کوئی خبر روایت کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل اور رجال میں میں تسامح کو روا رکھتے ہیں۔''

تفصیل کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج کردہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۲۹۹

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۱/۳۳۳، المحلی لابن حزم: ۱/۶۸، التقیید والایضاح للعراقی: ص ۱۲۱، تدریب الراوی للسیوطی: ۱/۱۶۸، الاعتصام للشاطبی: ۱/۲۴۶، منھاج السنۃ لابن تیمیہ: ۲/۱۹۱، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۱۷-۱۱۸، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۸۹

(۳) المجموع للنووی: ۷/۴۷۹، المذہب للشیرازی: ۱/۲۱۹، فتح العزیز شرح الوجیز للرافعی: ۷/۵۱۸-۵۲۰، فتح المغیث للسخاوی ج ۱ ص ۳۳۳، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۹۵

(۴) إعلام الموقعین لابن قیم: ۱/۳۱-۳۲، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۹۵

(۵) ملخص إبطال القیاس لابن حزم: ص ۶۸، مناقب الامام ابی حنیفہ للذہبی: ص ۲۱، فتح المغیث للسخاوی: ۱/۳۳۳، احکام فی اصول الأحکام لابن حزم: ۷/۵۴، خیرات الحسان لابن حجر الھیثمی المکی: ص ۷۸، قواعد التحدیث للقاسمی ۱۱۸، ظفر الامانی شرح مختصر الجرجانی لأبی الحسنات ۱۰۸، اعلام الموقعین لابن قیم: ۱/۷۷، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۹۶، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۹۵-۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## علماء جن کے نزدیک فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے

علماء کا یہ گروہ فضائل اعمال، ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ میں ضعیف حدیث کو قبول تو کرتا ہے لیکن اس کے لئے چند شرائط کی پابندی کو لازم قرار دیتا ہے، جو کہ حسب ذیل ہیں:

''۱- حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، لہذا کذاب، متہم بالکذب اور فحش غلطی کرنے والے راوی کی حدیث رج ہو جائے گی جب کہ وہ روایت کرنے میں منفرد ہو۔

۲- وہ حدیث کسی اصل عام کے تحت داخل ہو لہذا ہر موضوع (خانہ ساز) حدیث خارج ہو جائے گی کیونکہ اس کے لئے کوئی اصل نہیں ہوتی۔

۳- اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیئے تا کہ نبی ﷺ کی جانب کسی ایسی بات کا انتساب نہ ہو جسے آپؐ نے ارشاد نہیں فرمایا ہے۔'' (۲)

واضح رہے کہ علماء کے اس موقف کو شیخ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے ''ائمہ کے نزدیک معتمد مذہب'' (۳) قرار دیا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ ان اہم اور دقیق شرائط قبول کا التزام واہتمام ضعیف حدیث کے دائرہ عمل کو تنگ کرتا ہے نیز بالفعل ان تمام شرائط کا التزام ناممکن ہے کیونکہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے والے ہر شخص سے اس حدیث کے پورے کوائف کی معرفت کی امید رکھنا عبث ہے، لہذا پہلی شرط نا قابل عمل ہوئی، پھر کسی اصل عام کے تحت داخل ہونے سے عمل اس ضعیف حدیث پر نہیں بلکہ اس اصل عام کے تحت ہوتا ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ دوسری شرط کے

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۳۳۱-۳۳۴، الکفایۃ للخطیب: ص۱۳۴، الجامع للخطیب: ۲/ ۹۰-۹۱، المدخل للحاکم: ص۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۱/ ۱ ص۳۰-۳۱، المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص۴۰۶، ۴۱۸، لسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون للحلبی: ۱/ ۲، التمہید لابن عبدالبر: ۶/ ۳۹، الأذکار للنووی: ص۷-۸، تقریب النواوی مع تدریب الراوی: ۱/ ۲۹۸، النکت: ۲/ ۶۶۳، مقدمۃ الکامل لابن عدی: ص۲۴۰-۲۴۲، منہاج السنۃ النویۃ لابن تیمیہ: ۳/ ۸، المسودہ: ص۲۷۳، مختصر الباعث الحثیث لابن کثیر بتحقیق احمد شاکر: ص۱۰۱، تدریب الراوی للسیوطی: ۱/ ۲۹۸، دلائل النبوہ للبیہقی: ۱/ ۳۳-۳۴، ماتمس إلیہ حاجۃ القاری لصحیح الامام البخاری للنووی ۸۷، قواعد التحدیث للقاسمی: ص۱۱۶، فتح المغیث للعراقی ۱۳۷، درالمختار: ۱/ ۸۷، ردالمختار لابن عابدین علی ہوامش درالمختار: ۱/ ۸۷، فتح المبین لابن حجر الہیثمی: ص۳۲، الأسرار المرفوعۃ للقاری: ص۳۱، فتح القدیر لابن الہمام: ۱/ ۲۴۶، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص۳۷، الأجوبہ الفاضلۃ لأبی الحسنات: ص: ۳۷، تحفۃ الکملۃ لأبی الحسنات: ص۴، ظفر الأمانی لابی الحسنات: ص۹۸، مقدمۃ مختصر الترغیب والترہیب لابن حجر بتحقیق حبیب الرحمٰن اعظمی: ص و، تحفۃ اہل الفکر للشیخ عبدالرحمٰن: ص۲۶، ضعیف احادیث کی معرفت: ص۹۸-۱۰۵

(۲) القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع للسخاوی: ص۱۹۵، تبیین العجب فیما ورد فی فضل رجب لابن حجر: ص۲۱، فتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۳۳۴، تدریب الراوی للسیوطی: ۱/ ۲۹۸-۲۹۹، قواعد التحدیث للقاسمی: ص۱۱۶، مقدمۃ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للألبانی: ۱/ ۵۲-۵۳، تحفۃ أہل الفکر لعبدالرحمٰن: ص۲۶، ضعیف احادیث کی معرفت: ص۱۰۹-۱۱۴

(۳) قواعد التحدیث للقاسمی: ص۱۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مطابق ضعیف حدیث پر عمل محض شکلی وظاہری ہے، حقیقی نہیں ہے، اور تیسری شرط تو خود ضعیف حدیث پر ترک عمل کی متقاضی ہے۔ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اوران کی شرعی حیثیت''(۱) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## علماء جن کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً ناجائز ہے:

کبار محدثین اور علماء کا یہ گروہ ضعیف حدیث پر عمل کو نہ احکام میں جائز تصور کرتا ہے اور نہ فضائل اعمال وغیرہ میں۔ علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ کا دعوی ہے کہ ''یہ مذہب ضعیف ہے۔''(۲) مگر واقعہ یہ ہے کہ یہی موقف درست، محتاط اور انصاف پر مبنی ہے، چنانچہ محدثین واصولیین کے اس گروہ میں امام یحیی بن معین (م ۲۳۳ھ)، امام ابن حبان البستی (م ۳۵۴ھ)، امام مسلم (م ۲۶۱ھ)، امام بخاری (م ۲۵۶ھ)، امام ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ)، امام خطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)، امام ابن العربی المالکی (م ۵۴۳ھ) امام ابوشامہ المقدسی (م ۶۶۵ھ)، امام ابن تیمیہ الحرانی (م ۷۲۸ھ)، امام شاطبی الغرناطی (م ۷۹۰ھ) اور امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) وغیرھم رحمہم اللہ جیسی عظیم المرتبت شخصیات شامل ہیں۔

تفصیل کے لئے حاشیہ (۳) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## ضعیف احادیث سے احکام میں احتجاج:

جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی کہ ''ہمارے اکابر حدیث نے حلال وحرام کے متعلق حدیثیں قبول کرنے میں فی الجملہ احتیاط برتی ہے لیکن ترغیب وترہیب اور فضائل وغیرہ کی روایات میں انہوں نے عمداً تساہل برتا ہے''۔ میں سے آخر الذکر جزء کا جواب تو مختصراً اوپر ہو چکا، جہاں تک اس دعوی کے اول الذکر جزء کا تعلق ہے تو جان لینا چاہیئے کہ بعض علماء نے ضعیف حدیث کو فضائل اعمال کے ساتھ حلال وحرام اور احکام میں بھی قبول کیا ہے، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

---

(۱) ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۱۱۴-۱۴۸

(۲) الأجوبة الفاضلة لأبی الحسنات: ص ۵۳

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۳۳۳-۳۳۴، المجروحین لابن حبان: ۱/ ۳۲۴، الملل والنحل لابن حزم: ۲/ ۸۳، الکفایة للخطیب: ص ۱۴۱، الباعث الحثیث بتحقیق احمد شاکر: ص ۱۰۱، خطبہ صحیح مسلم: ص ۳۲، تدریب الراوی للسیوطی: ۱/ ۲۹۹، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۱۳، مقالات الکوثری: ص ۴۵-۴۶، الفوائد المجموعة للشوکانی: ص ۲۸۳، مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۸/ ۶۵-۶۸، القاعدة الجلیلة فی التوسل والوسیلہ لابن تیمیہ: ص ۸۲، الاعتصام للشاطبی: ۱/ ۲۲۹، الموافقات للشاطبی، القول البدیع للسخاوی: ص ۱۹۵، مقدمة صحیح الترغیب والترھیب للمنذری بقلم الألبانی: ص ۱۶-۳۶، مقدمہ صحیح الجامع الصغیر وزیادته للألبانی: ۱/ ۴۹-۷۵، حدیث النبوی ﷺ للصباغ: ۲۲۲-۲۲۴، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۱۴۸-۱۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"ويعمل بالضعيف أيضا فى الاحكام إذا كان فيه احتياط". (۱)

شاید یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ میں ضعیف احادیث سے احتجاج کو صرف فضائل اعمال تک ہی محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس سے تجاوز کر کے احکام میں بھی ان سے احتجاج کیا گیا ہے۔ جن لوگوں کی نظر کتب ادلۃ الأحکام یا ان کتب پر ہے جن میں کتب فقہ کی احادیث کی تخریج وتحقیق کی گئی ہے، وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔

امام نوویؒ نے بھی فقہاء کے ضعیف حدیث سے احکام میں احتجاج کرنے پر تنقیداً یوں اشارہ فرمایا ہے:

''ائمہ حدیث کسی بھی حال میں ضعفاء سے کوئی چیز روایت نہیں کرتے اور نہ ہی ان سے احتجاج کرتے ہیں۔ ائمہ محدثین اور علمائے محققین میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا ہے مگر بہت سے فقہاء بلکہ اکثر فقہاء ایسا کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں جو صواب نہیں بلکہ انتہائی قبیح بات ہے الخ۔'' (۲)

## امام احمد بن حنبلؒ کا غیر احکامی روایات کی اسناد میں تساہل فرمانے کا مطلب:

جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کا ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' کے حوالہ سے امام احمد بن حنبلؒ کے قول کو نقل کرنے کا تعلق ہے تو جاننا چاہیئے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے کلمہ ''ضعیف'' سے مراد ''حسن'' اور فضائل اعمال وغیرہ کی روایتوں میں ''تساہل'' سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو ''راجح'' ہو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، شاطبی الغرناطیؒ، زین الدین عراقیؒ، ابن قیمؒ، ابن علانؒ، سخاویؒ، محمد جمال الدین قاسمیؒ، احمد محمد شاکرؒ، محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ، محمد بن لطفی الصباغ، ظفر احمد تھانوی عثمانی اور محمد ناصر الدین الالبانیؒ وغیرھم نے بیان کیا ہے۔

علامہ احمد محمد شاکرؒ ''اختصار علوم الحدیث'' لابن کثیر کی شرح میں فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل، عبدالرحمان بن مہدی اور عبداللہ بن مبارک رحمھم اللہ کا یہ فرمانا کہ: جس وقت حلال وحرام کے بارے میں ہم سے کوئی روایت کی جاتی ہے تو ہم اس پر شدت اختیار کرتے ہیں اور جب فضائل وغیرہ کے بارے میں روایت کی جاتی ہے تو ہم اس میں تساہل کرتے ہیں۔ تو اس قول سے ان کی مراد وہ چیز ہے جو راجح ہے، واللہ أعلم۔'' (۳)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''امام احمد وغیرہ بعض علماء نے فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کی روایت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ ان کا کذب پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہو، اور اس وجہ سے ہے کہ جب کوئی عمل شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ مشروع ہے اور اس کی فضیلت میں ضعیف حدیث روایت کی گئی ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ ثواب درست ہوگا، لیکن کسی امام نے

(۱) تدریب الراوی للسیوطی ۱/ ۱۹۹
(۲) شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/ ۱۲۶، ضعیف احادیث کی معرفت: ۸۵-۸۶
(۳) شرح مختصر الباعث الحثیث: ص ۱۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل بھی واجب یا مستحب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے وہ اجماع کا مخالف ہے۔ اسی طرح کوئی چیز بغیر شرعی دلیل کے حرام قرار نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر حرمت ثابت ہوگئی پھر اس کی وعید میں کوئی حدیث روایت کی گئی تو اس کی روایت روا ہے بشرطیکہ اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو چکا ہو۔ اس بناء پر ترغیب وترہیب میں غیر موضوع احادیث کی روایت جائز ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دوسرے قوی دلائل سے معلوم ہو گیا ہو کہ اللہ عزوجل کی جانب سے اس فعل کی ترغیب یا ترہیب ہوئی ہے ورنہ نہیں۔" (۱)

امام ابن قیمؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چوتھا اصول مرسل اور ضعیف حدیث کو لینے کے متعلق ہے، اگر اس باب میں کوئی چیز موجود نہ ہو۔ یہ وہ چیز ہے جس کو امام رحمہ اللہ نے قیاس پر ترجیح دی ہے یا اسناد میں تساہل سے تعبیر کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک ضعیف حدیث سے مراد نہ باطل ہے نہ منکر اور نہ ہی وہ روایات جن میں کہ متہم بالکذب رواۃ موجود ہوں، بلکہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قسیم الصحیح اور حسن کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کہ اس وقت حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ اس زمانہ میں فقط "صحیح" اور "ضعیف" کی دو اصطلاحات ہی رائج تھیں، پھر ضعیف میں بھی ان کے نزدیک مراتب ہوتے تھے الخ۔" (۲)

حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

"بعض محققین بیان کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ضعیف سے مراد وہ حدیث ہوتی تھی جو درجۂ صحت پر پہنچنے سے قاصر یعنی حسن ہو۔" (۳)

اور محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک اس تساہل کو اختیار کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ انکی عادت کے پیش نظر ان کے تساہل کو ان روایتوں پر محمول کیا جائے جو متصل الاسانید ہوں۔ یہ وہ اسانید ہیں کہ جن سے احادیث کے ضعف کی معرفت ممکن ہے پس فقط سند کا ذکر کر دینا بھی ضعیف حدیث کی تصریح سے مستغنی کر دیتا ہے برخلاف ان لوگوں کے جو احادیث کو بغیر اسانید کے روایت کرتے ہیں...... پس وہ لوگ اس معاملہ میں کوئی غفلت برتنے کے بجائے اللہ عزوجل کا تقوی زیادہ اختیار کرنے والے تھے، واللہ اعلم۔" (۴)

مزید تفصیلات کے لئے راقم کی کتاب "ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت" (۱) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

---

(۱) القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ لابن تیمیہ: ص۸۲ (۲) اعلام الموقعین لابن قیم: ۱/۳۱

(۳) التقیید والایضاح للعراقی: ص۱۴۴-۱۴۵ (۴) مقدمہ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للألبانی: ۱/۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## محدثین کا غیر احکامی روایات میں تساہل فرمانے کا اصل سبب:

محدثین کرام کے اس تساہل کے اسباب کے متعلق جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعویٰ بھی قطعی بے بنیاد اور بلا دلیل ہے کہ ترغیب وترہیب کی کمزور روایات کو مفید سمجھا گیا کہ ان کے باعث لوگ نیکی کی طرف رجوع کریں۔فضائل کی روایات سے بھی نیکی کے عمل کو مہمیز ملتی تھی اس لئے ان کو سند کے ضعف کے باوجود کتابوں میں جگہ دے دی گئی الخ۔''

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بعض حفاظ حدیث نے صرف ترغیب وترہیب یا فضائل کے بارے ہی میں نہیں بلکہ احکام اور حلال وحرام وغیرہ کے ابواب میں بھی ضعیف احادیث کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، لہٰذا جناب اصلاحی صاحب کا فقط ترغیب وفضائل وغیرہ کے لئے ہی اس کی تخصیص فرمانا خلاف واقعہ ہے۔ان میں سے بعض محدثین وہ ہیں جنہوں نے کمزور روایات کو ''حسن الاسناد'' ہونے کی بناء پر قبول کیا تھا۔چونکہ ان کا مقام درجۂ صحت سے فروتر تھا اس لئے وہاں ''تساہل'' اختیار کرنا بیان کیا گیا، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔بعض محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل، امام ابوداود اور امام نسائی وغیرہم نے اس باب میں کوئی دوسری صحیح روایت نہ پا کر باطل ومنکر اور موضوع کے علاوہ کم ضعف والی روایات کو بھی قبول کیا ہے، جیسا کہ حاشیہ (۲) کے تحت درج شدہ کتب میں مذکور ہے۔البتہ حفاظ میں سے بعض متأخرین نے ضعیف روایات کو تکثیر احادیث کی طلب اور احادیث نبوی کی زیادہ سے زیادہ تحفیظ کی حرص میں بلاتمیز اپنی تصانیف میں جگہ دے دی ہے۔لیکن ان کے نزدیک بھی اس بارے میں فضائل اعمال یا ترغیب وترہیب یا ایسی روایات کہ جن سے ''نیکی کے عمل کو مہمیز ملتی'' ہو اور حلال وحرام یا احکام سے متعلق احادیث کے مابین کوئی واضح تخصیص نہیں تھی اور نہ ہی محترم اصلاحی صاحب کا بیان کردہ لوگوں کو ''نیکی کی طرف رجوع'' کروانے کا اعلیٰ مقصد ان کے پیش نظر تھا۔اگر کبھی ایسا ہوا بھی ہے تو وہ محض اتفاق ہے۔

جہاں تک قدماء محدثین کے ضعیف روایات کو درج کتاب کرنے کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں وہ اس لئے حق بجانب تھے کہ اگر ان روایات کو وہ اپنی کتب میں جگہ نہ دیتے تو ہم صحیح وسقیم کے مابین کس طرح امتیاز کر پاتے؟ واضح رہے کہ بیشتر ائمہ نے ایسی احادیث کو درج کرنے کے بعد ان کے ضعف کی صراحت کا اہتمام بھی فرمایا ہے، فجزاہم اللہ أحسن الجزاء۔

---

(۱) ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۹۱، ۹۴، ۱۰۵، ۱۰۷

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ، اعلان بالتوبیخ للسخاوی: ص ۱۶۷، شروط الأئمة الستة للمقدسی: ص ۱۳، تدریب الراوی للسیوطی: ۱/ ۱۶۷، مقدمة فی علوم الحدیث لابن الصلاح: ص ۱۸، قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۱۷، مقدمة زہر الربی للسیوطی: ۱/ ۳، الرفع والتکمیل لأبی الحسنات: ص ۱۸۱-۱۸۲، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۷۴-۷۵، ضعیف احادیث کی معرفت: ص ۸۷-۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''نہایت عمیق مطالعے اور غور وفکر کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جہاں تک اہل تصوف کے اصل دین سے انحراف پر مبنی خیالات اور تصورات اعمال کا تعلق ہے یہ بیشتر محدثین کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کمزور روایات کا ایک دفتر کھول دیا جس سے من پسند تصورات دین نے جنم لیا، گویا معاملہ اصلاح اعمال تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ان روایات سے عقائد بھی متاثر ہوئے اور یہ لئے اس قدر بڑھی کہ دین کے نام سے نئے عقائد، نئے اعمال اور نئے اخلاق تیار کر لئے گئے۔ جب اہل تصوف کے اس ناحق تجاوز کو محدثین نے ان کی سراسر زیادتی قرار دیا اور ان کے خیالات پر گرفت کی، تو معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس لئے جواب میں انہیں یہ طعنہ دیا گیا کہ محدثین کا کام تو راویوں کی غیبت کرنا ہے اور ان کا جرح وتعدیل کا کام اس حرام کام کے ارتکاب پر مبنی ہے۔ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل تصوف نے محدثین کے انتباہ کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ اس طرح محدثین کا یہ خیال کہ اگر وہ حلال وحرام اور سنن واحکام کے بارے میں احتیاط کر لیں گے اور ترغیب وترہیب اور فضائل اعمال وغیرہ سے متعلق روایات میں تساہل برت لیں گے تو امت پر اس کے برے اثرات نہ پڑیں گے، بالکل غلط بلکہ مہلک ثابت ہوا۔

فی الحقیقت روایات میں اس تساہل کے نتیجے میں کمزور روایات کی بھرمار تصوف کی کتابوں میں ہوگئی اور ان سے دین کا تصور جس قدر مسخ ہوا ہے وہ مخفی نہیں ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان کی بدولت دین کا ایک متوازی تصور قائم ہوگیا جس کی بنیاد نبی ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے عمل میں ہمیں نہیں ملتی۔''(۱)

## متصوفین کے اصل دین سے انحراف کے ذمہ دار محدثین کرام نہیں ہیں:

یہاں جناب اصلاحی صاحب کا یہ فرمانا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ ''اہل تصوف کے اصل دین سے انحراف پر مبنی خیالات اور تصورات اعمال کا تعلق بیشتر محدثین کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے''، خواہ آں محترم ''نہایت عمیق مطالعے اور غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے'' ہوں، کیونکہ یہ ضروری تو نہیں کہ کوئی فرد کسی معاملہ میں نہایت عمیق مطالعہ اور غور وفکر کے بعد جو نتیجہ اخذ کرے اس سے ہر شخص متفق ہو جائے یا وہ نتیجہ صد فی صد درست ہی ہو۔ انسان کا اپنا جیسا ذہن اور جیسا انداز فکر ہوگا اور جیسے وسائل اسے میسر ہوں گے ویسا ہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ چونکہ جناب اصلاحی صاحب نے قبل از تحقیق وتدبر ہی یہ ذہن تیار کر رکھا تھا کہ دین میں پیدا ہونے والی تمام برائیوں اور فتنہ وفساد کا ذمہ دار اکیلے محدثین کرام کو ہی ٹھہرانا ہے لہذا انہیں اپنی موافقت میں وسائل ودلائل تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ہوگی۔ ان حالات میں جو نتائج جناب اصلاحی صاحب نے اخذ کئے ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر محترم اصلاحی صاحب کے برخلاف ہم اپنے ''عمیق مطالعے اور غور وفکر'' سے جس نتیجہ پر پہنچے

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۷-۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں وہ یہ ہے کہ اصل دین سے انحراف پر مبنی صوفیانہ خیالات اور تصورات عمل دراصل جسد اسلامی میں فلسفیانہ موشگافیوں اور رہبانیت کے متعدی جراثیم داخل ہو جانے سے وجود میں آئے ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ صوفیاء کو کتب احادیث سے اپنی فکر کی تائید میں جو بھی حدیث مل سکی اسے انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا خواہ وہ صحیح ہو یا کہ ضعیف یا موضوع۔ مثال کے طور پر ہم یہاں صوفیاء کے نزدیک نظریہ وحدۃ الوجود کے اثبات کے لئے بہت ہی مقبول اس حدیث قدسی کو پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ ''میں اپنے بندہ کی سماعت وبصارت بن جاتا ہوں، اس کے ہاتھ وپیر بن جاتا ہوں''۔ پس معلوم ہوا کہ صوفیاء کو قرآن وحدیث کے احکام اور تقاضوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، اگر کبھی انہوں نے قرآن وحدیث کا نام لیا بھی ہے تو صرف اپنے اتحادی دین کی مخصوص اصطلاحات یا اپنے مشرکانہ وملحدانہ افکار باطلہ کو سند جواز دینے کے لئے، واللہ اعلم۔ جب کبھی انہیں ذخیرۂ احادیث میں اپنے ان افکار باطلہ کی تائید میں کوئی معقول اور وزنی دلیل میسر نہ آئی تو انہوں نے اپنے ناپاک مقاصد کے حصول کے لئے نمبر دو کا راستہ (یعنی خود جعلی حدیثیں گھڑنے کا سہل ترین راستہ) اپنایا۔

## صوفیاء اور زہاد کا احادیث وضع کرنا معروف ہے:

حافظ ابن الصلاح، علامہ سیوطی اور ملا طاہر پٹنی گجراتی وغیرھم رحمھم اللہ نے احادیث گھڑنے والوں میں سب سے زیادہ ضرر رساں صوفیاء اور زھاد کو بتایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''حدیث گھڑنے والوں کی کئی قسمیں ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ مضروہ ہیں جو زہد کی جانب منسوب ہیں۔ وہ اپنے فاسد خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کی نیت سے حدیث وضع کرتے ہیں اور لوگ ان کی موضوعات کو انہیں ثقہ جان کر قبول کر لیتے ہیں۔''(۱)

امام مسلمؒ نے اپنی ''صحیح'' کے مقدمہ میں یحیی بن سعید القطان (۱۹۸ھ) سے روایت کی ہے:

"لم نر الصالحين فى شىء أكذب منهم فى الحديث". (۲)

یعنی ''ہم نے صوفیاء سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

"لم تر أهل الخير فى شىء أكذب منهم فى الحديث". (۳)

یعنی ''اہل الخیر یعنی صوفیاء سے زیادہ حدیث کے معاملہ میں تو کسی کو جھوٹا نہ دیکھے گا۔''

امام مسلمؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ص۱۱۰، تدریب الراوی: ۱/۲۸۱-۲۸۲، تذکرۃ الموضوعات: ص۶-۷

(۲)، (۳) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/۱۷، قواعد التحدیث: ص۱۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"يعنى أنه يجرى الكذب على لسانهم ولا يتعمدون الكذب" ۔ (۱)
یعنی ''جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے خواہ ان کا جھوٹ بولنے کا ارادہ بھی نہ ہو۔''
اور امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"لكونهم لا يعانون صناعة أهل الحديث فيقع الخطأ فى رواياتهم ولايعرفونه ويروون الكذب ولا يعلمون أنه كذب" ۔ (۲)

امام یحیی بن سعید القطانؒ کا مذکورہ بالا قول مختلف کتب میں تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ یوں بھی وارد ہے:

"لم نجد الصالحين أكذب منهم فى الحديث"۔(۳)

اور

"ما رأيت الكذب فى أحد أكثر منه فيمن ينسب إلى الخير" ۔(۴)

صوفیاء کی احادیث کے متعلق حافظ ابوعبداللہ ابن مندہؒ کا قول ہے:

"إذا رأيت فى حديث حدثنا فلان الزاهد فاغسل يدك منه"۔(۵)

یعنی ''جب تم کسی حدیث میں دیکھو کہ فلاں زاہد نے مجھ سے روایت کی ہے تو اس سے دست بردار ہو جاؤ۔''

علامہ ابن عراق الکنانیؒ ''اصناف الوضاعین'' کی پانچویں صنف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زہد کی طرف منسوب جماعت نے بزعم خود انسانوں کو خیر کی طرف راغب کرنے اور شر سے ڈرانے کے لئے ترغیب وترہیب سے متعلق احادیث وضع کرنا دینداری سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ بات جہل کی پروردہ ہے۔ اس چیز کو کرامیہ فرقہ اور بعض صوفیاء نے بھی جائز قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا قول ہے کہ یہ نزغات الشیطان میں سے ہے...... شیخ الاسلام امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس بارے میں ان لوگوں نے مسلمانوں کے اجماع کے خلاف کام کیا اور رسول اللہ ﷺ پر کذب تعمد کی تحریم کا لحاظ نہیں کیا ہے حالانکہ یہ کبائر میں سے ہے۔ بلکہ شیخ ابومحمد الجوینیؒ نے تو اسے کفر تک بتایا ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے حنابلہ میں سے ابوالفضل الھمدانی شیخ ابن عقیلؒ سے ان کا جوینیؒ کے قول کے ساتھ اتفاق نقل کیا ہے۔ اور حافظ ذہبیؒ کتاب الکبائر میں فرماتے ہیں: بلاشبہ اللہ تعالی اور رسول اللہ پر تحلیل حرام یا تحریم حلال میں عمداً کذب کفر محض ہے الخ۔''(۱)

علامہ برہان الدین حلبیؒ (۸۴۱ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)، (۲) مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۷، قواعد التحدیث: ص ۱۱۳ (۳) المجروحین لابن حبان: ۱/ ۶۷

(۴) الموضوعات: لابن الجوزی: ۱/ ۴۱، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱/ ۱۴، تدریب الراوی: ۱/ ۲۸۲

(۵) شرح علل الترمذی: ص ۱۱۳، ۴۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''متدین طبقہ نے بزعم خود انسانوں کو اعمال خیر کی طرف ترغیب دلانے کے لئے احادیث گھڑی ہیں۔ یہ لوگ زھد کی طرف منسوب تھے لیکن انسانوں کے لئے عظیم ضرر رساں تھے۔''(۲)

امام ابن الجوزیؒ وضاعین کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پہلی قسم: وہ جماعت جن پر زہد و تقشّف کا غلبہ تھا پس انہوں نے حفظ و تمیز میں غفلت برتی الخ۔''(۳)

امام ابن حبانؒ ''انواع جرح الضعفاء'' کی نوع خامس کے تحت فرماتے ہیں:

''ان میں وہ لوگ ہیں جن پر صلاح و عبادت کا غلبہ تھا لیکن وہ حفظ و تمیز میں غافل تھے، پس جب حدیث بیان کرتے تو مرسل کو مرفوع، موقوف کو مسند کر دیتے اور اسانید کو الٹ پلٹ کر دیتے تھے الخ۔''(۴)

شیخ عزالدین بلیق ''وضع الحدیث وأسبابہ'' کے تحت چھٹا سبب ''الجہل بالدین مع الرغبۃ فی الخیر'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ وہ چیز ہے جسے کثیر تعداد میں زہاد، عباد اور صالحین نے کیا ہے۔ یہ لوگ ترغیب و ترہیب میں حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ ایسا کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے اور اسلام کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ جب علماء نے ان پر نکارت کی اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد دلایا: "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"۔ تو ان میں سے بعض نے جواب دیا کہ: "نحن نكذب له ﷺ ولا نكذب عليه"۔ یعنی ہم آں ﷺ کے لئے جھوٹ بولتے ہیں، ان پر جھوٹ نہیں بولتے...... ایسے لوگوں میں ایک زاہد شخص تھا جو عبادت کے لئے کنارہ کش ہو گیا تھا، عوام کا محبوب تھا اور اس کے موت کے دن بغداد کا تمام بازار بند ہو گیا تھا اس نے اس کے باوجود ترقیق القلوب کی بہت سی احادیث گھڑی تھیں اور خود اس بات کا اعتراف بھی کر لیا تھا:

"وضعناها لترقق بها قلوب العامة (۵) الخ"۔(۶)

اور جناب عبدالرحمان بن عبید اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

"قصد التقرب إلى الله تعالى بوضع ما يرغب الناس فى طاعته ويرهبهم عن معصيته كما فعل المتصوفة"۔ (۷)

ذیل میں ہم صالحین و زہاد میں سے چند معروف وضاعین کی مثالیں پیش کرتے ہیں:

امام حاکمؒ نے ابو عمار مروزی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کسی کو ابو عصمہ نوح بن ابی مریم سے پوچھتے

---

(۱) تنزیہ الشریعۃ لابن عراق: ۱/۱۲
(۲) مقدمۃ الکشف الحثیث: ص ۳۲
(۳) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۳۶
(۴) المجروحین: ۱/۶۷
(۵) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۴۰
(۶) مقدمۃ منہاج الصالحین: ص ۳۱-۳۲
(۷) تحفۃ اہل الفکر: ص ۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوئے سنا کہ آپ عکرمہ عن ابن عباس فضائل قرآن میں فلاں فلاں سورہ کی فضیلت کہاں سے بیان کرتے ہیں حالانکہ عکرمہ کے اصحاب میں سے اسے کوئی بیان نہیں کرتا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''جب میں نے لوگوں کو قرآن سے اعراض کرتے ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ کے فقہ نیز ابن اسحاق کے مغازی کے ساتھ اشتغال کرتے دیکھا تو اس بارے میں یہ حدیث گھڑ ڈالی۔''(۱)

واضح رہے کہ یہ ابوعصمہ وہ شخص تھا جس نے امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلی سے فقہ، حجاج بن ارطاۃ سے علم حدیث، کلبی و مقاتل سے تفسیر اور ابن اسحاق سے مغازی کا علم حاصل کیا تھا، مرو کا ولی القضاء تھا، ''الجامع'' کہلاتا تھا، لیکن امام ابن حبانؒ کا قول ہے کہ: "جمع كل شيء إلا الصدق"۔(۲) یعنی اس نے صدق کے سوا سب کچھ جمع کر دیا تھا۔'' تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ(۲) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اسی طرح امام ابن حبانؒ نے ''الضعفاء'' میں ابن مہدی سے روایت کی ہے کہ میں نے میسرہ بن عبدربہ سے پوچھا کہ یہ احادیث تمہیں کہاں سے ملیں کہ جس نے فلاں سورہ پڑھی تو اس کا اتنا اور اتنا ثواب ہے؟ اس نے جواب دیا:

''میں نے اس کو خود گھڑا ہے تاکہ اس سے لوگوں کو رغبت دلاؤں۔''(۳)

میسرہ بن عبدربہ کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ(۴) کے تحت درج کردہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

ایک شخص مرغوبات دنیا سے کنارہ کش تھا۔ اس کی موت پر بغداد کے بازار بند ہوگئے تھے، لیکن باوجود اس کے وہ حدیث گھڑا کرتا تھا۔ کسی شخص نے اس کی موت سے کچھ قبل پوچھا: "حسن ظنك؟" تو اس نے جواب دیا:

---

(۱) المدخل للحاکم: ص ۲۰، مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۱۱، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۴۱، تدریب الراوی: ۱/ ۲۸۲، میزان الاعتدال: ۴/ ۲۷۹، اللآلی المصنوعہ: ۲/ ۴۶۹، قواعد التحدیث: ۱۵۶

(۲) التاریخ الکبیر للبخاری: ۴/ ۱۱-۱۲، التاریخ الصغیر للبخاری: ۲/ ۱۷۹، ۲۳۰، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۴/ ۳۰۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۴/ ۱ ص ۴۸۴، المجروحین لابن حبان: ۳/ ۴۸، الکامل لابن عدی: ۷ نمبر ۲۵۰۵، العلل لابن حنبل: ۱/ ۲۲۰، میزان الاعتدال: ۴/ ۲۷۹، تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۴۸۷-۴۸۸، تقریب التہذیب لابن حجر: ۲/ ۲۰۹، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: ۳۵۹، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۳/ ۶۷، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۳۰۱، سنن الدارقطنی: ۲/ ۱۲، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۴۱، ۲/ ۶۰، ۷۶، ۲۹۲، ۳/ ۳۵، ۴۰، ۲۲۸، تنزیہ الشریعۃ: ۱/ ۱۲۲، نصب الرایۃ: ۱/ ۱۵۴، ۲۱۳، ۳/ ۱۵۰، مجمع الزوائد: ۲/ ۹۵، ۱۲۴، تحفۃ الأحوذی: ۴/ ۳۹۵

(۳) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/ ۴۰، میزان الاعتدال: ۴/ ۲۳۰، اللآلی المصنوعہ: ۲/ ۴۶۹، تدریب الراوی: ۱/ ۲۸۳، قواعد التحدیث: ص ۱۵۶

(۴) التاریخ الکبیر للبخاری: ۴/ ۳۷۷، التاریخ الصغیر للبخاری: ۲/ ۱۷۱، ۲۱۱، الضعفاء الصغیر للبخاری: نمبر ۱۰۹، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۴/ ۲۶۳، المجروحین لابن حبان: ۳/ ۱۱، الجرح والتعدیل: ۴/ ۲۵۴، الکامل لابن عدی: ۶ نمبر ۲۴۲۲، الضعفاء والمتروکین للنسائی: ۵۸۰، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: نمبر ۵۱۰، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۳/ ۱۵۱، میزان الاعتدال: ۴/ ۲۳۱، الکشف الحثیث للحلبی: ص ۴۳۵، لسان المیزان لابن حجر: ۶/ ۱۳۸، تاریخ ابن معین: ۲/ ۵۹۹، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص ۳۰۰، تنزیہ الشریعۃ: ۱/ ۱۲۱، سنن الدارقطنی: ۲/ ۱۰۷، نصب الرایہ: ۲/ ۳۷۳، ۴۸۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''کیوں نہیں، میں نے فضائل علی میں ستر (۷۰) حدیثیں گھڑی ہیں۔''(۱)

ابوداود النخعی لوگوں میں رات کو طویل قیام کرتا اور دن میں بکثرت روزے رکھتا تھا مگر حدیث گھڑتا تھا۔ (تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۲) کے تحت درج کردہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔)

امام ابن حبانؒ بیان کرتے ہیں: ''ابو بشر احمد بن محمد الفقیہ المروزی بھی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔''(۳) (تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۴) کے تحت مذکورہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔)

اور امام ابن عدیؒ کا قول ہے کہ: ''وھب بن حفص صالحین میں سے تھا، بیس سال گوشہ نشین رہا۔ اس دوران اس نے کسی سے گفتگو تک نہ کی، لیکن ابوعروبہ کا قول ہے کہ فحش قسم کا جھوٹ بولا کرتا تھا۔''(۵) (تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۶) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔)

لیکن چونکہ یہاں ہمارا موضوع بحث تصوف یا صوفیاء کے افکار واعتقادات پر بحث کرنا نہیں ہے، لہذا ہم اس پہلو سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ ضرور کہیں گے کہ: ''اہل تصوف کے اصل دین سے انحراف پر مبنی خیالات اور تصورات اعمال'' بلکہ دین اسلام کے مقابلہ میں ایک دوسرا متوازی دین لاکھڑا کرنا ''محدثین کی مہربانیوں کا نتیجہ'' نہیں خود انہی دشمنان اسلام کی مجرمانہ سازشوں کا انجام ہے- اصلاحی صاحب محترم نے بلاوجہ اور خواہ مخواہ ہی بے چارے محدثین کو اس ضلالت کا اکیلا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

## بعض متساہل محدثین:

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۲۸۳، مقدمہ منهاج الصالحین: ص۳۲

(۲) تاریخ یحیی بن معین: ۳/۵۴۴، ۴/۳۹۸، المعرفة والتاریخ للبسوی: ۳/۵۷، التاریخ الکبیر للبخاری: ۲/۲ص ۲۸، التاریخ الصغیر للبخاری: ۲/۲۹۲، الضعفاء الصغیر للبخاری: نمبر۵۳، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲/۱۳۴، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: نمبر۶۱۴، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲/۲۲، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/۱ص۱۳۲، میزان الاعتدال: ۲/۲۱۶، الکشف الحثیث للحلبی: ص۲۰۲، التحقیق لابن الجوزی: ۱/۱۹۹، الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۲۲۹، ۳/۱۲۵، العلل المتناهیة فی الأحادیث الواهیة لابن الجوزی: ۱/۳۸۳، ۲/۲۴۴، تنزیہ الشریعة لابن عراق: ۱/۶۵، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص۲۶۱، نصب الرایة للزیلعی: ۱/۱۹۱، ۱۹۲، ۴/۴۱۷

(۳) الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۴۰-۴۱، تدریب: ۱/۲۸۳، اللآلی: ۲/۴۶۹

(۴) المجروحین لابن حبان: ۱/۱۵۶، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: نمبر۶۰، میزان الاعتدال للذهبی: ۱/۱۴۹، المغنی فی الضعفاء: نمبر۴۳۸، لسان المیزان: ۱/۲۹۰، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۱/۸۸، الکشف الحثیث للحلبی: ۳۰۷، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص۲۳۷، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ا

(۵) اللآلی المصنوعة للسیوطی: ۲/۴۷۰، تدریب الراوی للسیوطی: ۱/۲۸۳، الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۴۱

(۶) المجروحین لابن حبان: ۳/۷۶، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۳/۱۸۸، الکشف الحثیث للحلبی: ص۴۵۳، میزان الاعتدال: ۴/۳۵۱، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی: ص۳۰۲، تنزیہ الشریعة لابن عراق: ۱/۱۲۵، فتح الباری لابن حجر: ۱۰/۴۲۰، مجمع الزوائد للهیثمی: ۱/۲۲۷، ۲/۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ درست ہے کہ حفاظ حدیث میں سے بعض متأخرین نے سنت نبوی کی زیادہ سے زیادہ جامع تدوین وتحفیظ کے لئے تکثیر احادیث کی حرص وطلب میں اپنی تصانیف میں ہر طرح کی روایات کو بلا تصریح ضعف جمع کر دیا تھا، چنانچہ امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''مجھے بہت تعجب ہوتا ہے ان بہت سے محدثین پر کہ جنہوں نے تکثیر احادیث کی طلب میں احادیث موضوعہ تک روایت کر دی ہیں اور انسانوں کے لئے انہیں واضح نہیں کیا ہے۔ یہ قبیح خطا اور اسلام دشمنی ہے الخ۔'' (۱)

ایسے متساہل محدثین میں واقدی (۲۰۷ھ)، طحاوی (۳۲۱ھ)، ابن ماجہ (۲۷۳ھ)، ابن مندہ (۳۰۱ھ)، ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ)، حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ)، دارقطنی (۳۸۵ھ)، طبرانی (۳۶۰ھ)، ابن مردویہ (۴۱۰ھ)، ابونعیم (۴۳۰ھ)، بیہقی (۴۵۸ھ)، خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)، دیلمی (۵۰۹ھ)، ابن عساکر (۵۷۱ھ)، ابن الجوزی (۵۹۷ھ)، ابن نجار (۶۴۳ھ)، اور خوارزمی (۶۵۵ھ)، وغیرھم کے اسمائے گرامی محققین کے نزدیک پردۂ خفاء میں نہیں ہیں چنانچہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"وأبو نعيم يروى فى الحلية فى فضائل الصحابة وفى الزهد أحاديث غرائب يعلم أنها موضوعة وكذلك الخطيب وابن الجوزى وابن عساكر وابن ناصر وأمثالهم"۔(۲)

اسی طرح حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"أحمد بن على بن ثابت الحافظ أبو بكر الخطيب تكلم فيه بعضهم وهو أبو نعيم وكثير من العلماء المتأخرين لا أعلم لهم ذنبا أكبر من روايتهم الأحاديث الموضوعة فى تأليفهم غير محذرين منها وهذا إثم وجناية على السنن الخ"۔ (۳)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"والبيهقى يعزو ما رواه إلى الصحيح فى الغالب وهو من أقلهم استدلالا بالموضوع"۔ (۴)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"والبيهقى يروى فى الفضائل أحاديث كثيرة ضعيفة بل موضوعة كما جرت عادة أمثاله من أهل الحديث"۔ (۱)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

---

(۱) الموضوعات لابن الجوزی: ۵۲/۱
(۲) الرد علی البکری: ص ۱۹
(۳) الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بما لا یوجب ردھم: ص ۱۱۱
(۴) الرد علی البکری: ص ۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


"وكذا تصانيف الخطيب فإنه قد تجاوز عن حد التحامل والتعصب واحتج بالأحاديث الموضوعة مع علمه بذلك"۔ (۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"قد عرف تساهله وتصحيحه للأحاديث الضعيفة بل الموضوعة"۔ (۳)

امام ذہبیؒ، امام حاکمؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"لا ريب أن فى المستدرك أحاديث كثيرة ليست على شرط الصحة بل فيه أحاديث موضوعة شأن المستدرك بإخراجها فيه الخ"۔ (۴)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"فلما علقت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التى فيه"۔ (۵)

امام ابن تیمیہؒ ایک اور مقام پر ابو نعیم اصبہانی کے متعلق فرماتے ہیں:

"إن أبا نعيم روى كثيرا من الأحاديث التى هى ضعيفة بل موضوعة باتفاق علماء الأحاديث وأهل السنة والشيعة"۔ (۶)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وما يرويه ابو نعيم فى "الحلية" أو فى "فضائل الخلفاء" قد اتفق أهل المعرفة بالحديث على أن فيه كثيرا من الكذب الموضوع الخ"۔ (۷)

امام ابن الجوزیؒ، امام ابن ماجہؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

"وقد كان ابن ماجة حافظا صدوقا واسع العلم وإنما غض من رتبة سننه ما فى الكتاب من المناكير وقليل من الموضوعات"۔ (۸)

محمد بن جعفر الکتانیؒ، امام دارقطنی کے متعلق فرماتے ہیں:

"سنن الدارقطنى جمع فيها غرائب السنن وأكثر فيها من رواية الأحاديث الضعيفة

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ: ۳/۸
(۲) البنایۃ شرح الہدایۃ للعینی: ۱/۶۲۸، الأجوبۃ الفاضلۃ: ۷۹
(۳) البنایۃ للعینی: ۱/۶۲۷
(۴) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱۰۴۲، ۱۰۴۵، تدریب الراوی: ۱/۱۰۶
(۵) تلخیص المستدرک: ۳/۱۳۰-۱۳۱
(۶) منہاج السنۃ: ۴/۱۵
(۷) نفس مصدر: ۴/۱۰، ۳۸
(۸) تعلیق علی شروط الائمۃ الستۃ للحافظ المقدسی مصنفہ کوثری: ص ۱۶، توضیح الأفکار للصنعانی: ۱/۲۲۳، ما تمس إلیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ مؤلفہ محمد عبدالرشید نعمانی: ۳۸-۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



والمنكرة بل والموضوعة "۔ (۱)

صاحب نوادر الأصول، حکیم ترمذی کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نقل فرماتے ہیں:

''وہرچہ بخاطری رسدمی نوشتم۔''(۲)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''درنوادرالأصول أکثر أحادیث غیر معتبر وارد''۔(۳)

خود حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

"ما صنفت حرفا عن تدبير ولا ينسب إلى شيء منه ولكن كان إذا اشتد على وقتى أتسلى به"۔ (۴)

امام ابن تیمیہؒ، ابن شیرویہ الدیلمی الھمد انیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ذكر فى كتابه الفردوس أحاديث كثيرة صحيحة وأحاديث حسنة، وأحاديث موضوعة وإن كان من أهل العلم والدين ولم يكن ممن يكذب هو لكنه نقل ما فى كتب الناس والكتب فيها الصدق والكذب "۔ (۵)

اسی طرح آں رحمہ اللہ ابن مندہؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

"وكذلك ما يجمعه عبد الرحمن بن مندة مع أنه من أكثر الناس حديثا لكن يروى شيئا كثيرا من الأحاديث الضعيفة ولا يميز بين الصحيح والضعيف وربما جمع بابا وكل أحاديثه ضعيفة ...... وقد وقع ما رواه من الغرائب الموضوعة إلى حسن بن عدى فبنى على ذلك عقائد باطلة"۔ (۶)

جامعہ ازہر کی کلیۃ الشریعۃ کے استاذ عبدالوہاب عبداللطیف، تنزیہ الشریعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''جن مؤلفات وکتب میں مجھے اکثر جھوٹی اور ضعیف احادیث ملیں وہ کتب مسانید ومعاجم مخفیہ ہیں کہ جو محدثین اور فقہاء میں سے علماء کے نزدیک مشہور نہیں بلکہ متون واسانید کی جانچ پڑتال کے بغیر چھپی پڑی ہیں اور استنباط ومذاکرہ میں علماء کے ہاں متداول نہ ہوسکیں مثلاً خطیب بغدادی، ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار، دیلمی کی کتب اور جو کچھ ابن عدی کی کتاب الکامل میں ہے، بلکہ اس کے ساتھ مسندالخوارزمی کو بھی شامل کر لینا

---

(۱) الرسالۃ المستطرفۃ للکتانی: ص۳۱، نصب الرایۃ: ۱/۳۵۶
(۲) بستان المحدثین: ص۶۳
(۳) نفس مصدر: ص۶۸
(۴) الرسالۃ القشیریۃ: ص۲۴
(۵) منھاج السنۃ: ۴/۷۸
(۶) مجموعۃ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ص۳۵۳-۳۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چاہیئے۔ یہ تمام کتب امام ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا مادہ ہیں الخ۔''(۱)

محدثین میں سے ان متأخرین حفاظ نے جس انداز پر احادیث جمع کی ہیں اس سے بلاشبہ سلف کی روش کو سخت نقصان پہنچا ہے، لیکن اسے طریقہ تصنیف کی ایک لغزش ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان حضرات میں سے کوئی بھی اس بات کا مدعی نہ تھا کہ اس کی تصنیف میں جو کچھ جمع کیا گیا ہے وہ سب کا سب مستند اور قابل عمل ہے۔

## بعض محدثین کی کمزور روایات سے تصوف نے جنم نہیں لیا، بلکہ تصوف کے باعث یہ خرابی ذخیرۂ احادیث میں داخل ہوئی ہے:

جناب اصلاحی صاحب کا ارشاد ہے کہ ''انہوں (یعنی محدثین) نے کمزور روایات کا ایک دفتر کھول دیا جس سے من پسند تصورات دین نے جنم لے لیا گویا معاملہ اصلاح اعمال تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ان روایات سے عقائد بھی متاثر ہوئے اور یہ لے اس قدر بڑھی کہ دین کے نام سے نئے عقائد، نئے اعمال اور نئے اخلاق تیار کر لئے گئے۔ جب اہل تصوف کے اس ناحق تجاوز کو محدثین نے ان کی سراسر زیادتی قرار دیا اور ان کے خیالات پر گرفت کی تو معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا تھا''۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ اس قول میں جناب اصلاحی صاحب نے حقائق کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دین بندگی (یعنی اسلام) کے مقابلہ میں جو متوازی دین خدائی اپنی فلسفیانہ موشگافیوں اور رہبانیت کے چور دروازوں سے در آیا تھا اس نے اپنی فکر کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرنے اور مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے خانہ ساز احادیث کی بے شمار ٹکسالیں کھول لیں، اور ان سے دھڑا دھڑ جھوٹی حدیثیں تیار ہو کر نکلنے لگیں۔ پھر ان فیکٹریوں میں تیار ہونے والی من گھڑت احادیث اس برق رفتاری سے چہار سو پھیلنے لگیں کہ محدثین کی اس سیلاب بے کنار پر بندھ باندھنے کی ہزار ہا کوششوں کے باوجود حفاظ حدیث میں سے بعض متساہل متأخرین کی تصانیف میں صوفیاء کی وضع کردہ احادیث نے جگہ پانی شروع کر دی اور اسی چیز کو جناب اصلاحی صاحب نے ''کمزور روایات کا ایک دفتر کھول'' دینے سے تعبیر کیا ہے۔ جناب اصلاحی صاحب ہی انصاف فرمائیں کہ اگر موضوع احادیث پہلے سے موجود نہ ہوتیں تو انہیں درج کتاب کس طرح کیا جا سکتا تھا؟ کہیں اصلاحی صاحب موصوف کی ''کمزور روایات'' کے دفتر سے مراد یہ تو نہیں کہ ان محدثین ہی نے از خود حدیثیں گھڑ کر انہیں اپنی تصانیف میں درج کر دیا تھا؟ اگر یہ مقصد نہیں ہے تو موضوع احادیث کا وجود محدثین کی تصانیف سے قبل ثابت ہوا۔ پھر آخر کیوں بیچارے محدثین کو طبقہ کو صوفیاء حدیث کے ہتھیار سے لیس کرنے کے الزام سے مطعون کیا جا رہا ہے؟

اگر محترم اصلاحی صاحب انصاف سے کام لیتے تو ہرگز یوں نہ فرماتے کہ محدثین کرام نے کمزور روایات کا

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۱۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دفتر کھول دیا جس سے من پسند تصورات دین (بالفاظ دیگر تصوف) نے جنم لے لیا، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ تصوف محدثین کی ان تصانیف سے برسہا برس پہلے پیدا ہی نہیں بلکہ جوان بھی ہو چکا تھا، چنانچہ اگر تاریخ تصوف پر نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں ۱۶۲ھ میں ابراہیم بن ادہم، ۱۷۷ھ میں عبدالواحد بن زید، ۱۸۵ھ میں رابعہ بصری، ۲۰۶ھ میں معروف کرخی، ۲۱۰ھ میں عبدک الصوفی، ۲۴۵ھ میں ذوالنون مصری، ۲۵۹ھ میں سری سقطی، ۲۶۱ھ میں بایزید بسطامی، ۲۸۵ھ میں ابوعبداللہ الترمذی، ۲۹۸ھ میں جنید بغدادی، ۳۳۴ھ میں ابوبکر شبلی، ۴۸۱ھ میں ابواسماعیل ہروی، ۵۰۵ھ میں ابوحامد الغزالی، ۵۶۱ھ میں عبدالقادر جیلانی، ۵۷۸ھ میں احمد الرفاعی اور ۶۳۸ھ میں محمد بن عربی وغیرہ مشہور صوفیاء نظر آتے ہیں جبکہ صدر اول کے ممتاز محدثین مثلاً ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہ، ۱۷۹ھ میں امام مالک، ۲۰۴ھ میں امام شافعی، ۲۴۱ھ میں امام احمد بن حنبل اور ۲۷۵ھ میں ابوداود السجستانی وغیرہم رحمہم اللہ کے بعد نیم متساہل محدثین کا دور آتا ہے چنانچہ ۲۷۳ھ میں ابن ماجہ، ۳۰۱ھ میں ابن مندہ، ۳۰۳ھ میں نسائی، ۳۶۰ھ میں طبرانی، ۳۶۴ھ میں ابن السنی، ۳۶۹ھ میں ابوالشیخ اصبہانی، ۳۷۸ھ میں حاکم نیشاپوری اور ۳۸۵ھ میں دارقطنی گزرے ہیں پھر ۴۵۸ھ میں بیہقی، ۴۶۳ھ میں خطیب بغدادی، ۴۵۴ھ میں قضاعی، ۵۰۹ھ میں دیلمی، ۵۷۱ھ میں ابن عساکر، ۵۹۷ھ میں ابن الجوزی، ۶۴۳ھ میں ابن نجار اور ۶۵۵ھ میں خوارزمی وغیرہ کا دور آتا ہے اور اکثر خرابی اسی دور میں پیدا ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تصوف ان محدثین کی کتب کے معرض وجود میں آنے سے سالہا سال قبل بھی اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھا، اور جو چیز خود بعد کے زمانوں میں وجود میں آئی ہو وہ اپنے سے قبل کی اشیاء پر کس طرح اثر انداز یا اس کی مادر ایجاد ہو سکتی ہے؟ یہ نرالی منطق کم از کم ہماری سمجھ سے تو ماوراء ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ بعض متساہل متاخرین کی کتب حدیث میں اصل خرابی اور فساد بیشتر انہی صوفیوں کی ''مہربانیوں کا نتیجہ ہے'' تو قطعاً غلط نہ ہوگا۔

## بعض محدثین کا ضعیف احادیث کو روایت کرنے کا سبب:

اس بارے میں اگر ان محدثین کا کوئی قصور ہے تو فقط اس قدر ہے کہ انہوں نے ان روایات کو اپنی تصانیف میں بار دینے کے ساتھ ان کے ضعف یا موضوع ہونے کی صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ان محدثین نے ہر روایت کو مکمل سند کے ساتھ درج کیا ہے۔ چونکہ کسی محدث کا سند روایت بیان کر دینے کا التزام واہتمام ہی اسے اس کے ضعف کی صراحت سے مستغنی کر دیتا ہے، لہٰذا ان کو قصوروار ٹھہرانا کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کسی حدیث کی سند سے ہر شخص بہ آسانی اس کے مقام و مرتبہ کو پہچان سکتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ان محدثین نے چونکہ سند روایت بیان کرنے کا التزام واہتمام کیا ہے تو ظاہر ہے کہ خود ان پر ان روایات کی حقیقت مخفی نہ ہوگی، پھر آخر ان روایات کو کتب احادیث میں کیوں جگہ دی گئی؟ تو اس کا پہلا جواب خود جناب اصلاحی صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے الفاظ میں یہ ہے کہ "جب وباء عام ہو تو محتاط آدمی بھی اس سے کچھ نہ کچھ زخم اٹھا ہی لیتا ہے۔" (۱) اور دوسرا جواب امام نوویؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

"محدثین نے ضعیف حدیث کی روایت اس لئے کی ہے کہ:

۱- وہ عوام میں ضعیف کی حیثیت سے معروف ہو جائیں اور ان کا ضعف واضح ہو جائے تاکہ کوئی شخص کسی وقت التباس میں پڑ کر ان کی صحت کا شک نہ کرنے لگے۔

۲- ضعیف احادیث استشہاد و اعتبار کے لئے لکھی جاتی ہیں، اکیلے ان سے کوئی حجت نہیں پکڑتا۔

۳- ضعیف راوی کی روایت میں صحیح، ضعیف اور باطل ہر طرح کی روایات ہو سکتی ہیں۔ ان کو اس لئے لکھا جاتا ہے تاکہ علمائے حدیث اور (صاحب اتقان) ان کے درمیان تمیز کر سکیں (جو کہ ان کے لئے آسان اور جانا پہچانا کام ہے)، یہی وجہ ہے کہ سفیان رحمہ اللہ کلبی کی روایت سے دوسروں کو منع فرمانے کے باوجود خود احتجاج کرتے تھے، چنانچہ کسی شخص نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ تو کلبی سے روایت کرتے ہیں، ہمیں کیوں روکتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں اس کے سچ کو اس کے جھوٹ سے پہچانتا ہوں۔

۴- محدثین ان سے صرف وہ احادیث روایت کرتے ہیں جن کا تعلق حلال و حرام، تمام احکام و عقائد وغیرہ سے نہیں بلکہ ترغیب و ترہیب، فضائل اعمال، قصص، احادیث الزہد اور مکارم اخلاق وغیرہ سے ہوتا ہے الخ۔" (۲)

سفیان ثوریؒ کا مندرجہ ذیل قول بھی اس امر کی حقیقت خوب واضح کرتا ہے:

"میں تین طرح کی احادیث لکھنے کا خواہاں ہوں: اول وہ احادیث جن کو میں دین سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہوں، (دوم) بعض احادیث لکھ کر میں توقف اور سوچ بچار سے کام لیتا ہوں، نہ بالکل ہی نظر انداز کرتا ہوں اور نہ ہی ان پر عمل کرتا ہوں اور (سوم) ضعیف راویوں سے صرف اس لئے روایت کرتا ہوں کہ انکی روایات کو پہچان سکوں، مگر میں ان روایات پر اعتماد نہیں کرتا۔" (۳)

اور حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

"احادیث صحیحہ و ضعیفہ دونوں ہی قسم کی احادیث کی روایت کرنی چاہیئے تاکہ جو احادیث ضعیف ہیں ان کا علم ہو سکے۔" (۱)

جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ "جب اہل تصوف کے اس ناحق تجاوز کو

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ۱۳۹

(۲) شرح صحیح مسلم للنووی: ص ۶۰ و کذا فی قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۱۱۴ - ۱۱۵، حدیث النبوی ﷺ لمحمد بن لطفی الصباغ: ص ۲۲۵، ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۳۴، ۳۵

(۳) جامع بیان العلم و فضلہ: ۱/ ۳۸، قواعد التحدیث: ص ۱۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



محدثین نے ان کی سراسر زیادتی قرار دیا اور ان کے خیالات پر گرفت کی تو معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا تھا اس لئے جواب میں انہیں طعنہ دیا گیا کہ محدثین کا کام تو راویوں کی غیبت کرنا ہے اور ان کا جرح وتعدیل کا کام اس حرام کام کے ارتکاب پر مبنی ہے''۔ تو محترم اصلاحی صاحب نے فن جرح وتعدیل پر صوفیاء کا طعن تو نقل کرنا ضروری سمجھا لیکن نہ خود اس کی تردید فرمائی اور نہ ہی ان کے اعتراضات پر محدثین کرام کا جواب بیان کیا ہے، جس سے یہ غلط تأثر پیدا ہو جانا فطری امر ہے کہ آں موصوف کے نزدیک صوفیاء کا یہ اعتراض بالکل بے وزن اور بیجا نہ تھا۔ فإنا لله وإنا اليه راجعون۔

باب زیر مطالعہ کے حصۂ اول کے آخری صفحات میں بدلائل یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ صوفیاء کی جانب سے محدثین کے نزدیک معروف فن جرح وتعدیل پر عائد کردہ اعتراض قطعی لغو اور بے وزن تھا۔ یہ اسلام دشمن اعتراض تو صوفیہ کی جانب سے اصلا اس لئے وارد کیا گیا تھا تاکہ اس کے مطابق انہیں ان کی من مانی صوفیانہ تاویلات سے روکا نہ جاسکے۔ جس چیز کو وہ اپنی مرضی ومطلب کے مطابق سمجھتے، خود گھڑ لیا کرتے تھے مگر چونکہ ان کے اثبات کا کوئی طریق کار نظر نہ آتا تھا لہذا انہوں نے تصحیح احادیث بالکشف ومنامات کا قاعدہ وضع کیا۔ چنانچہ ہم شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''فتوحات مکیۃ'' کے متعدد مقامات پر دیکھتے ہیں: "عرفت صحة الحديث بصحة كشفه وصحة كشفه بصحة الحديث" مگر تصحیح حدیث کا یہ قاعدہ دراصل دین اور اصول دین سے فرار کو ایک بنیاد فراہم کرنا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت'' (۲) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اختتام بحث پر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''خلاصۂ بحث: کسی حدیث کے صدق وکذب کے فیصلہ میں سند کے ایک اہم عامل ہونے سے انکار کی گنجائش تو کسی کے لئے نہیں ہے لیکن اس کے لطائف، محاسن، عظمت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود سند کی تحقیق میں بعض ایسے خلاء رہ گئے ہیں جن کے باعث سند کو روایت کی صحت کے جانچنے کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ ضروری ہے کہ تحقیق حق کے لئے آج بھی نہ صرف سند کو مزید پرکھنے کی کوشش کی جائے، بلکہ اس کے علاوہ وہ تمام فطری طریقے اختیار کئے جائیں جن سے روایت کی حیثیت متعین کرنے میں مدد مل سکتی ہو۔''(۳)

اسی طرح جناب سید ابوالاعلی مودودی صاحب فرماتے ہیں:

''احادیث کی تنقید وتحقیق وترتیب کا کام جو کچھ ابتدائی چار صدیوں میں ہوا ہے، وہ اگر چہ نہایت قابل قدر ہے، مگر کافی نہیں ہے۔ ابھی بہت کچھ اس سلسلے میں کرنا باقی ہے۔ رہی یہ بات کہ علماء نے پھر یہ کام کیوں نہیں کیا

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۷۶
(۲) ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص ۴۱، ۴۲
(۳) مبادئ تدبر حدیث: ص ۹۸-۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن علماء نے چوتھی صدی کے بعد اجتھاد کو حرام قرار دیا ہو، ان کے متعلق یہ پوچھنا ہی غلط ہے کہ انہوں نے حدیث کی چھانٹ پرکھ کا کام کیوں نہیں کیا۔''(۱)

اور فرماتے ہیں:

''محدثین جن بنیادوں پر احادیث کے صحیح یا غلط یا ضعیف وغیرہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ان کے اندر کمزوری کے مختلف پہلو میں بیان کر چکا ہوں۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیے کہ فی الواقع کمزوری کے وہ پہلو فن حدیث میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو پھر آخر آپ حضرات ہم سے محدثین کی آراء پر ایمان لے آنے کا مطالبہ کیوں اس شد و مد سے کرتے ہیں؟ محدثین کو بالکل نا قابل اعتبار تو ہم نے کہا نہیں، نہ کبھی ہم اس کا خیال بھی دل میں لا سکتے ہیں الخ۔''(۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''......فن حدیث کی ان کمزوریوں کی بنا پر جن کا ذکر کیا ہے، ہم اس امر کا التزام نہیں کر سکتے کہ محض علم روایت کی بہم پہنچائی ہوئی معلومات ہی پر پورا پورا اعتماد کر لیں اور ہر اس حدیث کو ضرور ہی حدیث رسول تسلیم کر لیں جسے اس علم کی رو سے صحیح قرار دیا گیا ہو الخ۔''(۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سند کی تحقیق میں کوئی قابل لحاظ خلاء موجود نہیں ہے جیسا کہ اوپر بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے لیکن چونکہ جناب اصلاحی و مودودی صاحبان ائمۂ متقدمین کے طریقۂ کار سے قطعاً مطمئن نہیں ہیں لہذا انہیں خواہ مخواہ حدیث اور اصول حدیث کے صافی چشمے روز اول سے مکدر نظر آتے ہیں یا پھر یہاں بالخصوص صاحب ''مبادیٔ تدبر حدیث'' کو صرف موقع احتمال وظن کا اظہار مقصود ہے حالانکہ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ایسے ہی احتمالات اور اوھام کی پابندی کی جائے تو ضروریات دین میں احتمالات کو دخل ہے آخر فرق باطلہ کا اختلاف بھی تو ایسی ہی باتوں پر مبنی ہے۔ جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کا تحقیق حق کے لئے آج بھی سند کو مزید پرکھنے کی کوشش کرنے کی طرف دعوت دینے کا تعلق ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور شاید ہی کوئی ایسا نامعقول شخص ہو جو محترم اصلاحی صاحب کو ان کے اس بنیادی حق سے محروم رکھنے کی کوشش کرے۔ اصول حدیث کے متعلق جملہ متبعین حدیث کی ترجمانی جس طرح جناب اصلاحی اور مودودی صاحبان نے فرمائی ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ ائمۂ حدیث اور متبعین حدیث نے کبھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ یہ اصول تنقید آخری ہیں، ان پر اضافہ ناممکن ہے، بلکہ ہماری نظر میں اصول حدیث ایک متحرک فن ہے وہ بتدریج اس حد تک پہنچا ہے جہاں وہ آج موجود ہے۔ اگر کسی معقول اصل کا

---

(۱) رسائل و مسائل: ۱/۱۹۶ (۲) تفہیمات: ۱/۳۶۹

(۳) نفس مصدر: ۱/۳۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اس میں اضافہ فرمایا جائے تو فن زیر بحث میں اس کی گنجائش موجود ہے۔

سند کی اس تحقیق جدید ومزید کے ساتھ جناب اصلاحی صاحب نے کسی روایت کی حیثیت متعین کرنے کے سلسلہ میں جن دوسرے فطری طریقوں کو بھی اختیار کیے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے اس پر تفصیلی بحث ان شاءاللہ آگے باب ہشتم: ''حدیث کے غث وسمین میں امتیاز کے لئے اساسی کسوٹیاں- اصلاحی صاحب کی نظر میں'' کے تحت ہوگی۔

☆☆☆

# استدراک

[ پیش نظر باب تمام کرنے کے بعد فن ''جرح وتعدیل'' سے متعلق ''مبادئ تدبر حدیث'' میں شامل مضمون سے جدا محترم اصلاحی صاحب کی ایک اور تحریر سامنے آئی ہے جو ذیل میں بصورت ''استدراک'' ہدیۂ قارئین ہے۔ یہاں اس مضمون کو پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق آں موصوف کی فکر اور نظریات پوری طرح قارئین کے سامنے آ جائیں، لکھتے ہیں:]

''قرآن میں جرح وتعدیل کا مآخذ: ہمارے محدثین اور فن رجال کے ائمہ نے سورۂ حجرات کی اسی آیت ﴿إن جآء کم فاسق بنبإ فتبینوا﴾ کو ماخذ قرار دیا ہے۔ راویوں پر جرح وتنقید کے حکم کا، جس کی بدولت 'اسماء الرجال' کا عظیم الشان فن وجود میں آیا، جو ان علوم میں سے ایک ہے، جن کے بانی ہونے کا شرف دنیا میں سب سے پہلے مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ 'جب کوئی فاسق کسی اہم واقع کی خبر دے تو اسکی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔' یہ حکم یوں تو عام ہے، ہر ایسی خبر کی تحقیق ضروری ہے جو دور رس نتائج کی حامل ہو، لیکن کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر کے کوئی روایت کرے، تو اسکی تحقیق وتنقید بدرجۂ اولی ضروری ہے۔ حضور ﷺ، اللہ تعالی کی طرف سے مامور واجب الاطاعت ہادی ہیں۔ آپ کی ہر بات، بلکہ ہر اداء امت کے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر حضور ﷺ کی ذات سے منسوب کر کے کوئی غلط روایت کردی جائے، اور وہ تحقیق کے بغیر قبول کرلی جائے تو یہ چیز دنیا میں بھی موجب خسران بن سکتی ہے اور آخرت میں بھی۔

آیت میں، اگر چہ، فاسق ہی کی روایت کی تحقیق کا حکم ہے، لیکن اس سے آپ سے آپ، یہ بات بھی نکلی کہ اگر کوئی راوی مجہول ہو، نہ اس کا فسق معلوم ہو، نہ اس کی ثقاہت، تو اس کی تحقیق بھی ضروری ہوگی، کیونکہ ایک مجہول راوی کی روایت قبول کرلینے میں اندیشہ ہے کہ راوی فاسق ہو۔ چنانچہ محدثین نے مجہول راویوں کی بھی اچھی طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


تحقیق کی، تا کہ ان کا فسق یا ان کی عدالت واضح ہو جائے۔ اگر کسی راوی کی تحقیق میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی، تو اس کو مجہول قرار دے کر اسکی روایت انہوں نے رد کر دی۔

آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ یہ تحقیق، اسی صورت میں ضروری ہوگی، جب فاسق کوئی ایسی روایت کرے، جو دوررس نتائج کی حامل ہو، اس لئے کہ یہاں لفظ نبأ وارد ہوا ہے، جو کسی اہم اور دوررس نتائج کی حامل خبر ہی کے لئے آتا ہے۔ عام خبر یا واقعہ کے لئے یہ لفظ نہیں آتا۔ چنانچہ روزمرہ زندگی کے عام معاملات میں فاسق یا کافر کی خبر مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آیت میں راوی اور روایت، دونوں کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ فرمایا گیا ہے کہ 'اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔' ظاہر ہے کہ یہاں 'تبینو ا' کا مفعول راوی بھی ہے اور روایت بھی، بلکہ روایت کا مفعول ہونا زیادہ واضح ہے، اس لئے کہ راوی کا فسق تو یہاں معلوم ہی ہے۔ کسی روایت کی تحقیق میں جس طرح راوی کی ثقاہت، عدالت اور فقاہت اہمیت رکھتی ہے، اسی طرح خود روایت کے الفاظ، اسکا موقع ومحل، دوسری روایات باب کے ساتھ اسکی مخالفت یا موافقت، عقل ونقل کی کسوٹی پر اس کا مرتبہ اور سب سے زیادہ خدا کی کتاب کے ساتھ اس کی ہم آہنگی اور اس قبیل کی دوسری چیزیں بھی، اس سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر صرف راوی کی تحقیق پر کفایت کر کے یہ چیزیں نظر انداز کر دی جائیں تو تحقیق کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ ہمارے محدثین زیادہ زور صرف راوی کی تحقیق پر صرف کرتے ہیں، نفس متن پر ان پہلوؤں سے غور کرنے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، حالانکہ ان پہلوؤں سے تحقیق کئے بغیر تحقیق کا حق، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، ہرگز ادا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہا نے متنِ حدیث پر غور کرنے کے لئے اصول وضع کئے اور اس کا نام 'درایت' رکھا۔ اس خدمت خاص میں سب سے بڑا حصہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ خدمت انجام دے کر انہوں نے صرف فقہ ہی پر احسان نہیں کیا ہے، بلکہ فن حدیث کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اگر ہمارے علماء ان اصولوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق پاتے تو حدیث کے خلاف وہ فتنہ ہرگز نہ اٹھ سکتا جو فتنہ پردازوں نے اٹھا دیا اور جس نے گمراہ فرقوں کے لئے دین میں دراندازی کی بہت سی راہیں کھول دیں۔ اگر اللہ تعالی نے مجھے 'تدبر حدیث' پر اپنی پیش نظر کتاب لکھنے کی توفیق اور مہلت بخشی تو اس کے مقدمہ میں، ان شاء اللہ، ان اصولوں کی قدر و قیمت واضح کروں گا۔ (۱)

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ ہمارے محدثین کرام نے فاسق اور مجہول راویوں کی جو پردہ دری کی ہے، وہ قرآن کے اسی واضح قطعی حکم کی تعمیل میں کی ہے، تا کہ فاسق راویوں کی روایات سے دین کو بچائیں۔ مگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اگر اس نکتہ سے کچھ حضرات نے ایک اور اس سے بھی زیادہ عمیق و دقیق نکتہ پیدا کرلیا کہ شریعت کی تمام حرمتیں ابدی نہیں ہیں، اس وجہ سے ایک 'قائد تحریک اسلامی'، کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ 'حکمت عملی' کے تقاضوں کے تحت، جب ضرورت محسوس کرے کسی حرمت کو حلت میں بدل دیا کرے۔ ان نکات پر اپنے ناچیز خیالات ہم اپنے مقالات میں ظاہر کر چکے ہیں۔(۲) یہاں ان پر تنقید کی نہ ضرورت ہے، نہ گنجائش۔ بس اتنی بات یاد رکھئے کہ جب قرآن نے فاسق اور مجہول راویوں کی پردہ دری اور ان کی روایات کی تحقیق کا حکم خود اس صراحت کے ساتھ دیا ہے تو محدثین اس خدمت کے لئے غیبت جیسی ناپاک چیز کو 'حکمت عملی' کے تحت جائز بنانے کی زحمت کیوں اٹھاتے۔

یہ بات بھی یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ راویوں پر جرح کو غیبت قرار دینے کا سہرا ہمارے ارباب تصوف کے سر ہے۔ تصوف کی ساری عمارت، چونکہ ضعیف اور بے بنیاد روایات ہی پر قائم ہے، اس وجہ سے جب محدثین نے راویوں کی چھان بین کا کام شروع کیا، تو ان حضرات کو محسوس ہوا کہ اگر محدثین اسی بے خوفی کے ساتھ یہ کام کرتے رہے، تو تصوف کی پوری عمارت زمین پر آرہے گی۔ اس خطرے سے تصوف کو بچانے کے لئے ان حضرات نے یہ نکتہ نکالا کہ یہ محدث حضرات تو لوگوں کی غیبت کرتے پھرتے ہیں۔ صوفیوں کا یہ نکتہ ان کے اپنے حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔

آخر میں اس آیت سے متعلق ایک بات اور یاد رکھئے۔ بعض محدثین اور فقہاء فاسق کی روایت قبول کرنے کے باب میں اس کے فسق عملی کو تو اہمیت دیتے ہیں، لیکن اس کے عقائدی فسق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ کوئی شخص اگر کسی عملی فسق، مثلاً جھوٹ اور بدکرداری وغیرہ میں مبتلا ہو، تو اس کی روایت یا شہادت تو بے شک قبول نہیں کی جائے گی، لیکن اگر وہ صرف کسی فاسقانہ عقیدہ میں مبتلا ہے، تو مجرد اس کے فساد عقیدہ کی بنا پر، اسکی روایت یا شہادت رد نہیں کی جائے گی۔ ہمارے نزدیک یہ رائے بالکل غلط ہے۔ تجربہ گواہ ہے کہ جتنی جھوٹی روایتیں فساد عقیدہ میں مبتلا راویوں نے گھڑی ہیں، اتنی فساد عمل میں مبتلا راویوں نے نہیں گھڑی ہیں۔ یہ انہی کی گھڑی ہوئی روایتیں ہیں، جو سیرت، تفسیر، تصوف اور تاریخ کی کتابوں میں بھری ہوئی ہیں اور جن سے اہل بدعت وضلالت نے اپنی دکانیں سجائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان علماء پر رحم فرمائے، جنہوں نے فاسد العقیدہ راویوں کو چھوٹ دے کر ملت کو ایک ایسے فتنہ سے دوچار کر دیا جس سے اہل حق کے لئے عہدہ برآ ہونا نہایت دشوار کام ہو گیا ہے۔

---

(۱) مولانا اصلاحی، بوجہ ضعیفی، یہ کتاب تصنیف تو نہیں کر سکے، تاہم، ''مبادیِ تدبر حدیث'' کے عنوان سے ان کے خطبات مرتب کئے گئے ہیں، جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ (ادارہ)

(۲) ملاحظہ ہو: ''مقالاتِ اصلاحی'' ج ۱، مضامین: دین میں حکمت عملی کا مقام، غیبت کی حقیقت اور احادیث کی جرح و تعدیل۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہمارے نزدیک فسق عملی وفسق عقائدی کی یہ تقسیم بے معنی ہے۔قرآن وحدیث میں اس کے حق میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔اوپر جو کلیہ عام فاسقوں کے بارے میں بیان ہوا ہے، وہی فاسد العقیدہ راویوں کے بارے میں بھی عقل ونقل کے موافق ہے، یعنی ان کی روایت اور شہادت ان امور میں تو قبول کی جائے گی جن میں ایک کافر کی روایت بھی قبول کی جاسکتی ہے، لیکن اہم امور، بالخصوص، معاملات دین میں ان کی روایت یا شہادت قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔(۱)

ہمیں اگر چہ اس مضمون کی بھی بعض عبارتوں سے اختلاف ہے، لیکن چونکہ اس بارے میں میں صلحائے امت کا موقف پوری طرح اوپر واضح کیا جاچکا ہے، لہذا بخوف طوالت ہم یہاں علیحدہ سے کسی مزید تبصرہ کی حاجت محسوس نہیں کرتے۔

●●●

(۱) ماہنامہ "اشراق" لاہور نمبر ۶ عدد شمارہ نمبر ۶: ص ۱۵-۱۸ مجریہ ماہ جون ۱۹۹۴ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## باب پنجم

# روایت بالمعنی

بے شک اللہ عزوجل نے اپنا مکمل دین بذریعہ وحی نازل فرمایا ہے لیکن یہ اس کی حکمت ورحمت کا تقاضہ ہی تھا کہ اس نے اس وحی کو دو قسموں میں تقسیم فرما دیا۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے جس کی روایت بالمعنی درست نہیں، بلکہ اصل نازل شدہ الفاظ کا التزام ہی ضروری ہے اور اس کی دوسری قسم وہ ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ پر بالمعنی نازل کیا گیا ہے، الفاظ کو ان کے معانی کی علامت ٹھہرایا گیا ہے، اس سے اصل الفاظ مطلوب نہیں بلکہ اصل مراد ومضمون مطلوب ہے۔ چنانچہ وحی کے اس حصہ کی روایت بالمعنی ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو اس کی اہلیت سے بہرہ ور ہوں۔ وحی کی اول الذکر قسم قرآن کریم ہے اور آخر الذکر قسم سنت نبوی ہے۔ وحی کی اس تقسیم میں تحفظ شریعت کے ساتھ سہولت امت کا راز بھی مضمر ہے۔ اگر وحی بہر دو اقسام میں نازل شدہ الفاظ کا التزام ضروری ہوتا تو امت ایک بڑی دشواری میں مبتلا ہو جاتی اور عین ممکن تھا کہ بطریقۂ احسن اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکتی۔ پس اللہ عزوجل نے قابل اعتماد لوگوں کو وحی کے ایک حصہ (یعنی سنت مطہرہ) کی بالمعنی روایت کی اجازت دے کر امت کے بوجھ کو ہلکا فرما دیا ہے تاکہ لوگوں پر سہولت کے ساتھ اتمام حجت ہو جائے اور دین میں بھی کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اس ضمن میں تفصیلی بحث باب اول (۱) کے تحت گزر چکی ہے۔

قرآن کریم کے مقابلہ میں احادیث نبوی کے لئے نازل شدہ الفاظ کے التزام کا ضروری نہ ہونا اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتب حدیث کی تلاوت عبادت شمار نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے الفاظ، نظم اور ترتیب کی بناء پر دوسروں کو مقابلہ کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دیگر حاملین وحفاظ حدیث، سنت نبوی میں حسب منشاء تصرف کر لیا کرتے تھے۔ جن لوگوں کی کتب سیر صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور رجال حدیث پر گہری نگاہ ہے وہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ حضرات روایت باللفظ کے حد درجہ حریص تھے اور صرف مجبوری کی حالت ہی میں بالمعنی روایت کیا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے رواۃ حدیث کو احادیث کے الفاظ میں نسیان کا جو عارضہ پیش آتا تھا وہ عموماً معمولی الفاظ میں ہوا کرتا تھا، مثلاً یہ کہ کوئی حرف عطف یا مفرد لفظ بھول جائے یا الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے بارے میں شک ہو جائے۔ شاذ ونادر ہی ایسا ہوتا تھا کہ ان کو حدیث کا پورا جملہ یا متن یاد نہ رہا ہو۔

---

(۱) طہ: ۱۰-۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# الفاظ حدیث میں اختلاف کا سبب صرف روایت بالمعنیٰ نہیں ہوتا

اکثر اوقات احادیث کے الفاظ میں جو فرق واختلاف واقع ہوتا ہے اس کی وجہ صرف روایت بالمعنیٰ ہی نہیں ہوتی۔ یہ ایک سخت غلطی ہے کہ ایک ہی مفہوم ادا کرنے والی مختلف احادیث کے اختلاف الفاظ کو روایت بالمعنیٰ پر محمول کیا جائے۔ متعدد وجوہ میں سے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس زمان ومکان اور احوال وواقعات کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح آپ کے سامعین ومخاطب بھی ایک طرح کے نہیں ہوتے تھے۔ کوئی فتویٰ پوچھنے آتا، کوئی نزاع اور جھگڑے کا فیصلہ کروانے آتا، کوئی بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوتا، کوئی دعاء کی درخواست لے کر آتا، کوئی اعتراف جرم کے لئے اور کوئی حد جاری کرنے کا مطالبہ لیکر آتا اور کوئی وفد کی صورت میں حاضر ہوتا۔۔۔۔ ان مجالس میں حسب موقع ومقام رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا بلحاظ اختصار وطوالت، وضوح وخفاء اور تقدیم وتاخیر مختلف ہونا قدرتی امر ہے۔

مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے أفضل الأعمال کے متعلق دریافت کیا گیا تو آں ﷺ نے ہر سائل کو جداگانہ جواب دیا۔ اسی طرح جب آپؐ سے أفضل الجہاد یا أفضل الصدقہ یا البر والإثم کے معنی ومفہوم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ہر سائل کو جو جوابات دیئے وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک لاعلم شخص ان جوابات کو دیکھ کر انہیں یا تو تعارض پر محمول کرے گا یا پھر یہ سوچے گا کہ راویوں نے حدیث کے الفاظ کو اچھی طرح ضبط نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ روحانی طبیب تھے، وہ ہر شخص کو اسکے حسب حال جواب دیا کرتے تھے۔ آپؐ کا جواب کبھی سب کے لئے مفید ہوتا تھا اور کبھی صرف اس حالت خاص سے ہم آہنگ ہوتا تھا جس میں کہ وہ سوال دریافت کیا گیا تھا۔

اس کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ مختلف احادیث میں تشہد، نماز کے اندر مختلف حالات میں اور نماز کے بعد پڑھی جانے والی ادعیہ واذکار کے الفاظ مختلف ہیں حالانکہ ان تمام احادیث کے رواۃ عادل وضابط اور قوی الحافظہ ہیں۔ فن حدیث سے جس شخص کو ممارست نہیں ہے وہ ان مختلف روایات کو دیکھ کر تعارض پر یا پھر روایت بالمعنیٰ پر محمول کرے گا یا یہ سوچے گا کہ ان مختلف احادیث کے رواۃ ضبط وحفظ اور نقل وحمل میں پختہ نہیں ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ نہ تو ان روایات میں تعارض ہے اور نہ ہی ان کے رواۃ میں کوئی خرابی، بلکہ یہ تمام الفاظ رسول اللہ ﷺ نے ہی ارشاد فرمائے ہیں۔ ان ادعیہ کو مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کرنے سے ہوسکتا ہے کہ شارع کے پیش نظر امت کو وسعت وسہولت دینے کی مصلحت بھی ہو۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ جمعہ، عیدین، غزوات اور وفود کی آمد کے مواقع پر خطبہ فرمایا کرتے تھے اور اس میں وقت، موقع محل اور مخاطب کی عقل وفہم کی مناسبت سے اسلامی احکام، دین کے قواعد وضوابط، جنت وجہنم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



احوال، علامات قیامت، اورعذاب قبر وغیرہ کا تذکرہ فرماتے، لوگوں کوغلطیوں کی اصلاح کرنے اورتوبہ کرنے پر ابھارتے، اللہ تعالی سے ڈرتے رہنے کی تلقین کرتے، اخلاق جلیلہ وجمیلہ کی ترغیب دلاتے اوراخلاق رذیلہ وذمیمہ سے اجتناب کا حکم دیتے۔ بعض اوقات عبرت آموزی کے لئے امم سابقہ کے احوال واخبار بھی بیان فرماتے تھے اور ان تمام مواقع پر آپ کا طرز وانداز مختلف ہوتا تھا، کبھی مفصل کبھی مجمل۔ پس اختلاف روایات کا سبب تعلیمی حکمت عملی، موقع ومحل کی مناسبت اوروحی الٰہی کی دعوت وتبلیغ میں تدریج وتلطف ہے۔ آں صلی اللہ علیہ وسلم افراد کو وہی احکام ومسائل اور مواعظ ونصائح بیان کیا کرتے تھے جوان کے حسب حال ہوتے تھے۔

## روایت بالمعنی کے جواز پر قرآن کریم کی شہادت:

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ روایت بالمعنی کا اسلوب خود اللہ عزوجل کی سنت ہے، چنانچہ اسے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اختیار کیا گیا ہے، مثال کے طور پر:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے آتے ہوئے رات کو کوہ طور کی جانب آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے جس طرح گویا ہوئے اور جو کچھ آگ کے پاس دیکھا اور سنا اس کی مختصر حکایت پر غور فرمائیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿إذ رأ نارا فقال لأهله امكثوا انىٓ اٰنست نارا لعلى اٰتيكم منها بقبس أو أجد على النار هدى فلما أتٰها نودى يا موسى إنى أنا ربك فاخلع نعليك إنك بالواد المقدس طوى﴾. (۱)

"جب (حضرت موسیٰ نے) ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھہرے رہو۔ میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید اس میں سے میں تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے پاس راستہ کا پتہ مجھ کو مل جائے سو جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو (ان کو من جانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طوی میں ہو"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف الفاظ کے ساتھ یوں بھی نقل کیا گیا ہے:

﴿إذ قال موسىٰ لأهله إنى اٰنست نارا ساتيكم منها بخبر أو اٰتيكم بشهاب قبس لعلكم تصطلون فلما جآءها نودى أن بورك من فى النار ومن حولها وسبحان الله رب العالمين﴾. (۲)

"جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی (جاکر) وہاں سے (یا تو

---

(۲) النمل: ۷-۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس (وہاں سے) آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینکو۔ سو جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو ان کو (من جانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) ان پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس (یعنی موسیٰ) اس پر بھی برکت ہو۔ اور پاک ہے اللہ سب جہان والوں کا رب''۔

اور

﴿آنس من جانب الطور نارا قال لأهله امكثوا إنى آنست نارا لعلى اٰتيكم منها بخبر أو جذوة من النار لعلكم تصطلون فلما أتٰها نودى من شاطئ الواد الأيمن فى البقعة المباركة من الشجرة أن يا موسى إنى أنا الله رب العالمين﴾.(۱)

''(موسیٰ کو) کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھائی دی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید تمہارے پاس وہاں سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دہکتا ہوا) انگارہ لے آؤں تاکہ تم سینکو۔ سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔''

اسی طرح اس موقع پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ فرمایا اس میں اختلاف کا ایک نمونہ تو اوپر پیش ہو چکا، اب مزید کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وأنا اخترتك فاستمع لما يوحىٰ إننى أنا الله لا إلٰه إلا أنا فاعبدنى وأقم الصلوٰة لذكرى إن الساعة آتية أكاد أخفيها لتجزى كل نفس بما تسعى فلا يصدنك عنها من لا يؤمن بها واتبع هواه فتردى وما تلك بيمينك يا موسىٰ قال هى عصاى اتوكؤا عليها وأهش بها على غنمى ولى فيها مآرب أخرى قال ألقها يا موسى فألقاها فإذا هى حية تسعى قال خذها ولا تخف سنعيدها سيرتها الأولى واضمم يدك إلى جناحك تخرج بيضآء من غير سوء آية أخرىٰ لنريك من اٰيتنا الكبرى اذهب إلى فرعون إنه طغىٰ﴾. (۲)

''اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے، سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی

---

(۱) القصص:۲۹-۳۰ (۲) طٰہٰ:۱۳-۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائیگا اور اے موسیٰ یہ ترے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا، یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہو۔ فرمایا پھینک دے اس کو موسیٰ۔ اس نے پھینک دیا اور یکایک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا۔ فرمایا: پکڑ لے اس کو اور ڈر نہیں ہم اسے پھر ویسا ہی کر دیں گے جیسی یہ تھی اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے، یہ دوسری نشانی ہے۔ اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔ اب تو فرعون کے پاس جا وہ سرکش ہو گیا ہے الخ''۔

اور

﴿یا موسیٰ إنه أنا الله العزيز الحكيم و ألق عصاك فلما راٰها تهتز كأنها جآن ولى مدبرا ولم يعقب يا موسى لا تخف إنى لا يخاف لدى المرسلون إلا من ظلم ثم بدل حسنا بعد سوء فإنى غفور رحيم وأدخل يدك فى جيبك تخرج بيضاء من غير سوء فى تسع آيات إلى فرعون وقومه إنهم كانوا قوما فاسقين﴾. (۱)

''اے موسیٰ! یہ میں ہوں، اللہ زبردست اور دانا۔ اور پھینک تو ذرا اپنی لاٹھی۔ جونہی کہ موسیٰ نے دیکھا لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ ڈرو نہیں، میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو پھر اگر برائی کے بعد اس نے بھلائی سے (اپنے فعل کو) بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ (دو نشانیاں) نو (۹) نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف (لیجانے کے لئے) وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں''۔

اور

﴿وأن ألق عصاك فلما راٰها تهتز كأنها جآن ولى مدبرا ولم يعقب يا موسى أقبل ولا تخف إنك من الآمنين أسلك يدك فى جيبك تخرج بيضاء من غير سوء واضمم إليك جناحك من الرهب فذانك برهانان من ربك إلى فرعون وملائه إنهم كانوا قوما فاسقين﴾. (۲)

''اور (حکم دیا کہ) پھینک دے اپنی لاٹھی جونہی کہ موسیٰ نے دیکھا کہ وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا) موسیٰ پلٹ آ اور خوف نہ کر تو بالکل محفوظ ہے۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے اور خوف سے بچنے کے لئے اپنا بازو بھینچ لے۔ یہ دو روشن نشانیاں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے وہ بڑے

(۱) النمل: ۹-۱۲ (۲) القصص: ۳۱-۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نافرمان لوگ ہیں''۔

بظاہر یہ تمام آیات اپنی ہیئت اور کلمات میں لفظی اختلاف کی بناء پر مختلف ہیں مگر معانی و مفہوم کے اعتبار سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح دربار فرعون میں جادوگروں کے ایمان لے آنے کے بعد فرعون کی دھمکی کا جو جواب انہوں نے دیا تھا اسے ملاحظہ فرمائیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿فلسوف تعلمون لأقطعن أيديكم وأرجلكم من خلاف ولأوصلبنكم أجمعين قالوا لاضير إنا إلى ربنا منقلبون إنا نطمع أن يغفرلنا ربنا خطايانا أن كنا أول المؤمنين﴾. (۱)

''...... (فرعون نے کہا) اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے (ایک طرف کے) ہاتھ اور (دوسری طرف کے) پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ حرج نہیں ہم اپنے رب کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا اس وجہ سے کہ ہم ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے ہیں''۔

جبکہ ایک دوسرے مقام پر اس گفتگو کے الفاظ یوں وارد ہیں:

﴿...... فسوف تعلمون لأقطعن أيديكم وأرجلكم من خلاف ثم لأصلبنكم اجمعين قالوا إنا إلى ربنا منقلبون وما تنقم منا إلا أن اٰمنا بايات ربنا لما جاء تنا ربنا أفرغ علينا صبرا وتوفنا مسلمين﴾. (۲)

''......(فرعون نے کہا) اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ میں تمہارے (ایک طرف کے ہاتھ) اور (دوسری طرف کے) پیر کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا: ہم اپنے رب کے پاس جا پہنچیں گے اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لائے جب وہ احکام ہمارے پاس آئے۔ اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہمیں بحیثیت مسلمان وفات دے''۔

ایک اور جگہ یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿......فلأقطعن أيديكم وأرجلكم من خلاف ولأوصلبنكم فى جذوع النخل ولتعلمن أينا أشد عذابا وأبقى قالوا لن نؤثرك على ما جآءنا من البينٰت والذى فطرنا فاقض ما أنت قاض إنما تقضى هذه الحيوٰة الدنيا إنا آمنا بربنا ليغفر لنا خطايانا وما أكرهتنا عليه من السحر ﴾. (۳)

---

(۱) الشعراء: ۴۹-۵۱ (۲) الأعراف: ۱۲۳-۱۲۶

(۳) طٰہٰ: ۷۱-۷۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''......(فرعون نے کہا) پس میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ ان لوگوں نے صاف جواب دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر ڈال، تو بجز اس کے کہ اس دنیاوی زندگی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا ہے پس اب تو ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے تا کہ ہماری خطاؤں اور تو نے جادو میں جو ہم پر زور ڈالا اس کو معاف فرما دے''۔

ملاحظہ فرمائیں کہ ان تینوں آیات میں الفاظ کی نوعیت اور ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ اختلاف ہے مگر سب کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں مذکور اس واقعہ پر نظر ڈالئے جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کے حکم الٰہی کے وقت ابلیس کے ساتھ پیش آیا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قال ما منعك ألا تسجد إذ أمرتك قال أنا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين قال فاهبط منها فما يكون لك ان تتكبر فيها فاخرج إنك من الصٰغرين قال أنظرني إلى يوم يبعثون قال إنك من المنظرين قال فبما أغويتني لأقعدن لهم صراطك المستقيم ثم لاتينهم من بين أيديهم ومن خلفهم وعن أيمانهم وعن شمائلهم ولا تجد أكثرهم شٰكرين قال اخرج منها مذء وما مدحورا لمن تبعك منهم لأملئن جهنم منكم أجمعين﴾۔ (۱)

''(اللہ تعالیٰ نے سوال) فرمایا کہ تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو کونسا امر مانع ہے، جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر سو نکل بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا۔ وہ کہنے لگا مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔ وہ کہنے لگا بسب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کرونگا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثروں کو احسان ماننے والے نہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا''۔

یہی واقعہ ایک دوسری سورۃ میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿قال يا إبليس مالك ألا تكون مع السٰجدين قال لم أكن لأسجد لبشر خلقته

---

(۱) الاعراف:۱۲-۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صلصال من حمأٍ مسنون قال فاخرج منها فإنك رجيم وإن عليك اللعنة إلى يوم الدين قال رب فأنظرني إلى يوم يبعثون قال فإنك من المنظرين إلى يوم الوقت المعلوم قال رب بما أغويتني لأزينن لهم في الأرض ولأغوينهم أجمعين إلا عبادك منهم المخلصين قال هذا صراط على مستقيم إن عبادي ليس لك عليهم سلطان إلا من اتبعك من الغوين وإن جهنم لموعدهم أجمعين﴾۔ (۱)

''(اللہ تعالی نے سوال) فرمایا: اے ابلیس! تجھ کو کونسا امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہو؟ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو کہ آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالی نے حکم فرمایا: (اچھا پھر) یہاں سے نکل جا کیونکہ تو بے شک مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔ کہنے لگا کہ اے رب پھر مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالی نے فرمایا (اچھا) تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا اے رب بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے (بحکم تکوین) گمراہ کیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلصین ہوں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے، واقعی میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا، ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں تیری راہ پر چلنے لگے ان سب سے بے شک جہنم کا وعدہ ہے''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قال یا إبلیس ما منعك أن تسجد لما خلقت بیدی أستكبرت أم كنت من العالین قال أنا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین قال فاخرج منها فإنك رجیم وإن علیك لعنتی إلى یوم الدین قال رب فأنظرنی إلى یوم یبعثون قال فإنك من المنظرین إلى یوم الوقت المعلوم قال فبعزتك لأغوینهم أجمعین إلا عبادك منهم المخلصین قال فالحق والحق أقول لأملئن جهنم منك وممن تبعك منهم أجمعین﴾۔(۲)

''(اللہ تعالی نے سوال) فرمایا: اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون سی چیز مانع ہوئی؟ کیا تو مغرور ہو گیا ہے؟ یا (واقعی) اعلی درجہ والوں میں سے ہے؟ کہنے لگا: میں اس سے (آدم سے) بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور اس کو گارے سے۔ اللہ تعالی نے حکم فرمایا: نکل جا یہاں سے، پس تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر میری لعنت قیامت کے دن تک رہے گی۔ کہنے لگا اے رب پھر مجھ کو

---

(۱) الحجر: ۳۲-۴۳ (۲) ص: ۷۵-۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قیامت کے دن تک کی مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (جا) تجھ کو وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کرونگا بجز آپ کے ان بندوں کے جو مخلصین میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیرا ساتھ دیں ان سب کو دوزخ میں بھر دوں گا"۔

ان آیات میں بھی الفاظ کی نوعیت اور ترتیب کا اختلاف ظاہر ہے لیکن مفہوم و مقصد ایک ہی ہے۔ اسی طرح ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہو جانے والے واقعہ کو ملاحظہ فرمائیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وقلنا یا اٰدم اسکن أنت وزوجك الجنة وكلا منها رغدا حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين فأزلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كان فيه وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدوو لكم في الأرض مستقر ومتاع إلى حين﴾.(۱)

"اور کہا ہم نے کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جو چاہو بفراغت کھاؤ، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے شمار ہو گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں سے اس درخت کی وجہ سے لغزش کرا دی پس ان کو خارج کروا دیا اس حالت سے کہ جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کے نیچے اترو تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن ہونگے۔ تمہیں ایک خاص میعاد تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے"۔

جبکہ ایک دوسرے مقام پر یہی واقعہ یوں مذکور ہے:

﴿ويٰآدم اسكن أنت وزوجك الجنة فكلا من حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين فوسوس لهما الشيطان ليبدى لهما ماؤرى عنهما من سوأتهما وقال ما نهكما ربكما عن هذه الشجرة إلا أن تكونا ملكين أو تكونا من الخالدين وقاسمهما إنى لكما لمن النٰصحين فدلٰهما بغرور فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سوأتهما وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة ونادٰهما ربهما ألم أنهكما عن تلكما الشجرة وأقل لكما إن الشيطان لكما عدو مبين.﴾ (۲)

"اور ہم نے حکم دیا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو پھر جس جگہ سے تم دونوں چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب مت جاؤ کہ کبھی ظالموں میں سے ہو جاؤ۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا

---

(۱) البقرة: ۳۵-۳۶ (۲) الأعراف: ۱۹-۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہوجاؤ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانیئے میں آپ دونوں کا خیرخواہ ہوں پس ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا، پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہوگیا۔ اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"۔

ایک دوسری سورہ میں اس واقعہ کی تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں:

﴿ولقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزما وإذ قلنا للملٓئكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس أبى فقلنا يآدم إن هذا عدو لك ولزوجك فلا يخرجنكما من الجنة فتشقى إن لك ألا تجوع فيها ولا تعرى وانك لا تظمؤا فيها ولا تضحى ۔ فوسوس إليه الشيطـــان قال يا آدم هل أدلك على شجرة الخلد وملك لا يبلىٰ فأكلا منها فبدت لهما سوءاتهما وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة وعصى اٰدم ربه فغوى﴾ . (۱)

"اور اس سے قبل ہم آدم کو ایک تاکیدی حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا پھر ہم نے (آدم سے) کہا کہ اے آدم (یاد رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، سو تم دونوں کو کہیں جنت سے نہ نکلوا دے، پھر تم مصیبت میں جا پڑو۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہوگے اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے، پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی (کی خاصیت) کا درخت بتلاؤں؟ اور ایسی بادشاہی کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے؟ سو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانپنے کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے"۔

اگر آدم علیہ السلام کے واقعہ کی ان تینوں تفاصیل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں لفظی اور ظاہری ہیئت کے اختلاف کے ساتھ اختصار و تفصیل بھی موجود ہے مگر سب کا منشاء و مقصود ایک ہی ہے۔ اسی طرح جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے (حضرت یحییٰؑ) کی بشارت دی گئی تو انہوں نے اپنے رب سے جو عرض کیا وہ ایک مقام پر یوں مذکور ہے:

﴿قال رب أنى يكون لى غلام وقد بلغنى الكبر وامراتى عاقر قال كذلك الله يفعل

---

(۱) طٰہٰ: ۱۱۵-۱۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ما يشاء قال رب اجعل لی آية قال آيتك ألا تكلم الناس ثلاثة أيام إلا رمزا واذكر ربك كثيرا وسبح بالعشی والإبكار ﴾.(۱)

''(زکریاؑ نے) عرض کیا اے میرے رب میرا لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہوگا کیونکہ اللہ تعالی جو کچھ ارادہ کرلے وہ کردیتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کردیجئے۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کرسکو گے بجز اشارہ کے اور اپنے رب کو (دل سے) بکثرت یاد کرنا اور (زبان سے بھی) تسبیح (وتقدیس) کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی''۔

یہی واقعہ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر یوں بیان ہوا ہے:

﴿قال رب أنّی يكون لی غلام وكانت امرأتی عاقرا وقد بلغت من الكبر عتيا قال كذلك قال ربك هو عليّ هين وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئا قال رب اجعل لی اٰية قال اٰيتك ألا تكلم الناس ثلٰث ليال سويا ﴾. (۲)

''زکریاؑ نے) عرض کیا کہ اے میرے رب میرا لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بھی بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ حالت یونہی رہے گی (مگر پھر بھی اولاد ہوگی) تیرے رب کا قول ہے کہ یہ (امر) مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے۔ (جب) زکریا نے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرمادیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تمہاری (وہ) علامت یہ ہے کہ تم تین رات (اور تین دن تک) آدمیوں سے بات نہ کرسکو گے، حالانکہ تندرست ہوگے''۔

اگر ان دونوں آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے جملوں کی ترتیب اور الفاظ میں اختلاف ہے۔ ایک جگہ یہ قصہ اختصار کے ساتھ اور دوسری جگہ قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، لیکن بحیثیت مجموعی ان دونوں آیتوں کا مقصد و مفہوم ایک ہی ہے۔

قرآن کریم میں اس اسلوب بیان کے اور بہت سے واقعات تلاش کئے جاسکتے ہیں جنکا مقصد، معانی، مطلب، منشا، مفہوم اور مضمون ایک ہی ہے لیکن مختلف مقامات پر انہیں مختلف الفاظ، مختلف ہیئت، مختلف کلمات، تفصیل واختصار نیز تقدیم وتاخیر کے مختلف پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"وقد ورد القرآن بمثل ذٰلك فإن الله تعالى قص من أنباء ما قد سبق قصصا كرر ذكر بعضها فی مواضع بألفاظ مختلفة والمعنی واحد ونقلها من ألسنتهم إلى اللسان العربی وهو مخالف لها فی التقديم والتأخير والزيادة والنقصان ونحو ذلك". (۳)

(۱) آل عمران: ۴۰، ۴۱ (۲) مریم: ۸-۱۰ (۳) الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حماد بن سلمہ سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے متعلق قرآن میں مذکور قصص سے روایت بالمعنی پر احتجاج کرنا منقول ہے۔(۱)

اگر قرآن کریم کی ان تمام آیات وواقعات پر غور وفکر کیا جائے تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر قائل کا اصل منشا ومقصد اپنی جگہ محفوظ رہے تو الفاظ یا ان کی ترتیب وغیرہ کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے حرام قرار دیا جائے۔ پس اس سنت الٰہی کو کوئی مذموم یا باعث اشتباہ شئ سمجھنا سراسر غلط ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ مخلوق کی صلاحیت اداء وبیان کو خالق کی قدرت واستعداد کاملہ پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ قرآن کریم کو پوری امت میں علم ویقین کا جو مقام حاصل ہے وہ ذخیرۂ احادیث کو نہیں ہے اگرچہ ائمہ حدیث نے بشری کمزوریوں کے پیش نظر اس میں خطاء کے تمام امکانات کو رفع کرنے کے لئے حتی الوسع احتیاط برتی ہے۔ اس سوال کا جواب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

## اکثر احادیث کے بالمعنی مروی ہونے کی حقیقت:

اگر پورے ذخیرۂ احادیث پر نظر کی جائے تو ہمیں اس میں تین قسم کی احادیث ملیں گی:

(۱) قولی (۲) فعلی اور (۳) تقریری

قولی احادیث تو نبی ﷺ کے منقولہ احکامات وارشادات ہیں۔ فعلی احادیث کو آپؐ کے اعمال وافعال کے کوائف کی تفصیل کہا جاسکتا ہے اور تقریری احادیث وہ افعال ہیں جو آں ﷺ کی موجودگی میں کئے گئے مگر آپؐ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔۔۔ صاف ظاہر ہے کہ حدیث کی ان تینوں قسموں میں سے روایت بالمعنی کی ضرورت صرف قولی احادیث کے نقل کرنے میں ہی پیش آسکتی ہے۔ فعلی اور تقریری احادیث کے نقل کرنے میں تحفظ الفاظ کا اہتمام کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ جو شخص جس طرح رسول اللہ ﷺ کو کوئی فعل کرتے یا آپؐ کے سامنے کئے گئے کسی فعل بلا نکیر کو دیکھے گا اسے اپنے الفاظ میں بیان کردے گا۔ اس میں مختلف بیان کرنے والوں کے کلمات میں الفاظ کی مختلف ترتیب، تقدیم وتاخیر اور اختصار وتفصیل وغیرہ کی گنجائش موجود ہے۔ یہ عقلا اور عملا بعید از امکان ہے کہ چند لوگ کسی واقعہ کو نقل کریں اور ان تمام کے الفاظ یکساں ہوں۔ چنانچہ کسی فعلی یا تقریری حدیث کی روایت میں ''روایت باللفظ'' اور ''روایت بالمعنی'' کی تفریق محض مہمل اور بے معنی ہی قرار دی جائے گی۔ پھر جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی قولی احادیث کو نقل کرنے کا تعلق ہے تو صحابہ کرامؓ نے ان احادیث کے بھی ایک اچھے خاصے حصہ، احادیث قدسیہ، اذان واقامت کے کلمات، عبادات سے متعلق اذکار اور ادعیہ مسنونہ وغیرہ کو اصل الفاظ ومعانی برقرار رکھتے ہوئے بعینہ ہم تک منتقل کردیا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ بقیہ قولی احادیث کو نقل کرنے میں بھی

---

(۱) کما فی فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ارشادات نبوی ﷺ کے اصل الفاظ کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش واحتیاط کی گئی ہے۔ دعوت وتبلیغ کی حجت کے اتمام کی غرض سے صرف ناگزیر حالات ہی میں روایت بالمعنی کا سہارا لیا گیا ہے، لیکن وہاں بھی ان ناقلین کی حتی الوسع کوشش یہی رہی ہے کہ الفاظ کی ظاہری ہیئت یا ترتیب میں اگر تھوڑا سا اختلاف ہو جائے تو بھی ادائے منشاء ومقصود میں کوئی فرق واقع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب فرماتے ہیں:

''عہد تدوین تک حاملین سنت کے پاس سنت نبوی ان تمام صفات کے ساتھ موجود تھی جو اس کے محفوظ ہونے کے لئے ضروری ہیں، لہٰذا محدثین نے سنت کو صحاح اور مسانید میں اصل الفاظ نبوی یا اس کے قریب تر الفاظ وترکیب کے ساتھ، معنی کلام کی ادائیگی میں تمام الاداء، غرض ومقاصد کے اظہار میں تمام الایفاء، طریقہ پر مدون کر دیا ہے''۔(۱)

## روایت بالمعنی کے متعلق علمائے اسلام کا موقف

روایت بالمعنی کے متعلق اہل علم حضرات کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں عموماً علمائے کرام کے تین مختلف موقف ملتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

۱- علماء کا ایک گروہ روایت بالمعنی کو مطلقاً ناجائز سمجھتا ہے۔

۲- علماء کا دوسرا گروہ احادیث رسول کی بعینہ روایت کو واجب سمجھتا ہے لیکن اگر حدیث کسی امتی سے متعلق ہو اور اصل معنی ومقصد ادا ہو جاتا ہو تو روایت بالمعنی کو بھی جائز سمجھتا ہے۔

۳- علماء کا تیسرا گروہ روایت باللفظ کو واجب کے بجائے اولیٰ تو سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ روایت بالمعنی کو بھی مطلقاً جائز قرار دیتا ہے۔

## پہلا گروہ ـــــ روایت بالمعنی کے مانعین اور ان کے دلائل

محدثین، فقہاء اور شافعی علمائے اصول وغیرہم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً ناجائز ہے۔(۲) بعض علماء نے تو اس بارے میں اس قدر شدت اختیار کی ہے کہ بقول علامہ سخاوی:

''ان کے نزدیک کلمات وحروف کی تقدیم وتاخیر، حروف کا ابدال، حروف کی زیادتی یا حذف، ثقیل کی تخفیف یا خفیف کی تثقیل، منصوب کا رفع یا مرفوع ومجرور کا نصب وغیرہ بھی جائز نہیں ہے، خواہ ان تمام چیزوں سے معانی میں کوئی تغیر واقع نہ ہوتا ہو بلکہ ان میں سے بعض علماء کا روایت باللفظ پر اس قدر اصرار ہے کہ اگر مروی الفاظ باعتبار لغت فصاحت کے خلاف ہوں تو بھی انہی الفاظ پر اقتصار کرنا چاہیئے''۔(۱)

(۱) السنۃ حجیتھا ومکانتھا فی الاسلام: ص ۱۵۸-۱۵۹

(۲) الکفایۃ للخطیب: ص ۱۹۸، الإرشاد للنووی: ۱/۳۶۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۲۶۰، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ روایت باللفظ کے معاملہ میں بہت متشدد تھے اور حدیث کے الفاظ کی ادائیگی میں انتہائی دقت سے کام لیتے تھے تاکہ احادیث رسول ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ رہ سکیں اور روایت بالمعنی کی صورت میں خطا کے امکان یا کم از کم اس کے خدشات کا مؤثر سد باب ہو سکے، چنانچہ ابو جعفر محمد بن علی سے منقول ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تو اس میں اپنی طرف سے کچھ زیادتی یا کمی کرتا ہو، مثال کے طور پر عبداللہ بن عمرؓ''۔ (۲)

محمد بن علیؒ کا ایک اور قول ہے:

"كان ابن عمر اذا سمع الحديث لم يزد فيه ولم ينقص منه ولم يجاوزه ولم يقصر عنه". (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس ضمن میں شدت ملاحظہ ہو، مروی ہے کہ:

''عبید بن عمیر نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "مثل المنافق كمثل الشاة الرابضة بين الغنمين "تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "ويلكم لا تكذبوا على رسول الله ﷺ إنما قال: مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين". (۴)

اسی طرح ایک مرتبہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو ارکان خمسہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس طرح سنا کہ اس میں بعض ارکان کو پہلے اور بعض ارکان کو بعد میں کر دیا گیا تھا، تو چونکہ یہ چیز اس ترتیب کے خلاف تھی جو کہ حضرت ابن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنی تھی لہذا آپؓ نے اس سے فرمایا:

"اجعل صيام رمضان آخرهن كما سمعت من رسول الله ﷺ". (۵)

یعنی ''روزہ کو ان ارکان میں سے آخر میں کر دو جیسا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے''۔

عبدالرحمان بن ابی لیلی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے زید بن ارقم سے دریافت کیا کہ آپ ہمیں حدیث کیوں نہیں سناتے؟ تو انہوں نے فرمایا:

"قد كبرنا ونسينا والحديث عن رسول الله ﷺ شديد". (۶)

یعنی ''ہم سن رسیدہ ہو چکے ہیں اور بھول گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرنا شدید امر ہے۔''

عمر بن حارث، العلاء بن سعد بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا:

''کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی صحابی سے دریافت کیا کہ آپؓ کو کونسا امر مانع

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۰ — (۲)، (۳) الکفایۃ: ص ۱۷۱

(۴) نفس مصدر: ص ۱۷۳ — (۵) نفس مصدر: ص ۱۷۶

(۶) نفس مصدر: ص ۱۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے کہ جس طرح فلاں اور فلاں حدیث بیان کرتے ہیں، آپؓ حدیث بیان نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا: "ما بی أن لا أكون سمعت مثل ما سمعوا أو حضرت مثل ما حضروا ولكن لم يدرس الأمر بعد والناس متماسكون فأنا اجد من يكفيني وأكره التزيد والنقصان فی حديث رسول الله ﷺ". (۱)

حبیب بن عبید الرجبی فرماتے ہیں:

"كان أبو أمامة ليحدثنا الحديث كالرجل الذی عليه أن يؤدی ما سمع". (۲)

الردینی بن ابی مجاز بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:

"من سمع حديثا فحدث به كما سمع فقد سلم". (۳)

عبدالرحمان اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رحم الله من سمع منا حديثا فبلغه كما سمعه فإنه رب مبلغ أوعى من سامع". (۴)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

"نضر الله امرءا سمع منا حديثا فأدى كما سمعه فرب مبلغ أوعى من سامع". (۵)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ نے امام ابن سیرین کے متعلق صراحت فرمائی ہے:

"كان لا يرى الرواية بالمعنى". (۶)

ایسا ہی قاسم بن محمد اور رجاء بن حیوۃ رحمھما اللہ کے متعلق بھی منقول ہے۔ (۷)

وکیعؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اعمش کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"كان هذا العلم عند أقوام كان أحدهم لأن يخر من السماء أحب إليه من أن يزيد فيه واواً أو ألفا أو دالا وإن أحدهم اليوم يحلف على السمكة إنها سمينة وأنها لمهزولة". (۸)

حافظ اسماعیل بن ابراہیم المعروف بابن علیہؒ (م ۱۹۳ھ) نے امام شعبہؒ پر ان کی جلالت واتقان کے باوجود ایک حدیث کی روایت بالمعنی پر سخت نکارت فرمائی تھی۔ (۹) دیگر ائمۂ حدیث میں سے امام مالکؒ کا قول ہے:

"أما ما كان من قول رسول الله ﷺ فإنی أكره ذلك وأكره أن يزاد أو ينقص". (۱)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۱۷۲ — (۲)، (۳) نفس مصدر: ص ۱۷۲

(۴)، (۵) نفس مصدر: ص ۱۷۳ — (۶) کما فی تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۱۶۹

(۷) الجامع لأخلاق الراوی للخطیب: ۲/ ۴۷ — (۸) الکفایۃ: ص ۱۷۸

(۹) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


معن بن عیسی بیان کرتے ہیں:

"كان مالك بن انس يتقى فى حديث رسول الله ﷺ ما بين التى والذى ونحوهما".(۲)

امام مالکؒ کے اس موقف کے متعلق امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"وهو الصحيح من مذهب مالك". (۳)

امام احمد بن حنبلؒ نے امام عبدالرحمٰن بن مھدی کے متعلق روایت کی ہے کہ ''وہ حدیث کو باللفظ روایت کرنا پسند کرتے تھے''۔(۴)

امام سیوطیؒ نے ثعلبؒ اور ابوبکر رازیؒ کے نزدیک (۵) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام مالکؒ اور زہری کے نزدیک روایت بالمعنی کا جائز نہ ہونا بیان کیا ہے۔(۶)

فقہاء میں سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"إن أبا حنيفة لا يجيز الرواية بالمعنى".(۷)

اور شیخ زاہد کوثری فرماتے ہیں:

"وكذلك اقتصار تسويغ الرواية بالمعنى على الفقيه مما يراه أبو حنيفة حتما".(۸)

حالانکہ امام جلال الدین سیوطیؒ کا دعوی ہے کہ:

"جوزه جمهور السلف والخلف منهم الأئمة الأربعة" (۹)

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں اس گروہ کے موقف کو مندرجہ ذیل ابواب کے تحت ذکر کیا ہے:

۱-"باب ما جاء فى رواية الحديث على اللفظ ومن رأى ذلك واجبا". (۱۰)

۲-"باب ذكر الرواية عمن لم يجز تقديم كلمة على كلمة". (۱۱)

۳- "باب ذكر الرواية عمن لم يجز ابدال كلمة بكلمة". (۱)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۲۸۸، ۲۸۹ — (۲) نفس مصدر: ص ۱۷۸

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۰

(۴) الکفایۃ: ص ۱۶۷، ۲۰۶، المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص ۵۳۴، جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ۱/۸۱، سنن الدارمی: ۱/۹۷، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۷

(۵) تدریب الراوی: ۲/۹۸-۹۹ — (۶) فتح الباری: ۵/۶۳، ۱۱/۱۱۲

(۷) سند الأنام شرح مسند الإمام أبي حنیفہ: ص ۳ — (۸) فقہ أھل العراق وحدیثھم: ص ۳۵، تقدمۃ نصب الرایۃ للکوثری: ۱/۲۸

(۹) تدریب الراوی للسیوطی: ۲/۹۸-۹۹ — (۱۰) الکفایۃ: ص ۱۷۱

(۱۱) نفس مصدر: ۱۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۴- "باب ذكر الرواية عمن لم يجز زيادة حرف واحد ولا حذفه وإن كان لا يغير المعنى". (۲)

۵- "باب ذكر الرواية عمن لم يجز إبدال حرف بحرف وإن كانت صورتهما واحدة".(۳)وغیرہ۔

جوعلماء روایت بالمعنی کو جائز نہیں سمجھتے ان کی مشہور تین دلیلیں حسب ذیل ہیں:

## پہلی دلیل:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"من يقل على ما لم أقله فليتبوأ مقعده من النار". (۴)

یعنی "جو شخص مجھ پر ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی ہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کی آگ سے بنالے"۔

لیکن یہ حدیث اصلا نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنے سے متعلق ہے۔ شارح بخاری، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وقد تمسك بظاهر هذا اللفظ من منع الرواية بالمعنى وأجاب المجيزون عنه بأن المراد النهي عن الإتيان بلفظ يوجب تغير الحكم مع أن الإتيان باللفظ لا شك في أولويته". (۵)

"جو لوگ روایت بالمعنی سے منع کرتے ہیں انہوں نے اس روایت کے ظاہری الفاظ کے ساتھ تمسک کیا ہے مگر جو اسکو جائز رکھتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ اس ممانعت سے مراد ان الفاظ کا لانا ہے جو حکم میں تغیر کے موجب ہوں۔ البتہ (حدیث کو) باللفظ روایت کرنے کی اولیت میں کوئی شک نہیں ہے"۔

پس مانعین کی یہ دلیل کچھ زیادہ وزن دار ثابت نہیں ہوتی، واللہ اعلم۔

## دوسری دلیل:

حدیث: "قلت ورسولك الذي أرسلت قال لا ونبيك الذي أرسلت".(۶)

"میں نے کہا: اور تیرا وہ رسول کہ جسے تو نے مبعوث فرمایا، تو آں ﷺ نے فرمایا: نہیں، تیرا وہ نبی کہ

---

(۱) الکفایۃ: ص ۱۷۳
(۲) نفس مصدر: ص ۱۷۷
(۳) نفس مصدر: ۱۷۸
(۴) صحیح بخاری مع فتح الباری: ۱/۲۰۱
(۵) فتح الباری: ۱/۲۰۲
(۶) صحیح بخاری مع فتح الباری: ۱۱/۱۰۹، الکفایۃ: ص ۲۰۲ وغیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


جسے تو نے رسول بنا کر بھیجا''۔

جہاں تک اس حدیث سے حجت پکڑنے کا تعلق ہے تو بقول امام سخاویؒ:

''اس حدیث سے استدلال محل نظر ہے کیونکہ یہ چیز قطعی طور پر محقق ہے کہ دونوں لفظوں کا معنی متحد ہے کیونکہ محدث عنہا ایک ہی ذات ہے، پس موصوف کو اس کی جس صفت سے بھی پکارا جائے اس کی مراد و منشاء ایک ہی ذات قرار پائے گی۔ آپ کا یہاں منع فرمانا دراصل اذکار کے الفاظ ہونے کے باعث ہے کہ جس میں توقیفیت ہوتی ہے۔ اس کے اپنے اسرار و خصائص ہوتے ہیں کہ جس میں عقل و قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا ان الفاظ کی محافظت ہی واجب ہے''۔(۱)

چنانکہ محترم اصلاحی صاحب نے بھی روایت بالمعنی کی کمزوری کی مثال کے طور پر اس حدیث کو بیان کیا ہے، لہٰذا اس پر تفصیلی بحث اِن شاءاللہ اس باب کے حصہ دوم میں پیش کی جائے گی۔

## تیسری دلیل

حدیث: "نضر الله امرء ا سمع مقالتي فوعاها فأداها كما سمعها". (۲)

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری باتیں سنیں پھر انہیں یاد رکھا اور جس طرح سنا تھا اسی طرح دوسروں کو پہنچادیا''۔

روایت بالمعنی کے مانعین کی اس تیسری دلیل کا جواب علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ یوں دیتے ہیں:

''كما سمعها یعنی جس طرح سنا ہے اسی طرح ادائیگی محض الفاظ کے نقل کرنے تک مقصور نہیں ہے بلکہ بغیر تغیر کے اس کے معنی کا نقل کرنا بھی اسی دائرہ میں آتا ہے''۔ ''جس طرح سنا اس کو ادا کرنے'' سے مراد آپؐ کے جو الفاظ سنے اصلاً ان کے معانی کی ادائیگی ہے۔ اس کو اس مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر شاہد یا مترجم بلا کم و بیش معنی ادا کردے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے جیسا سنا ویسا بیان کردیا خواہ اس کے بیان یا ادائیگی کے الفاظ دوسرے ہی ہوں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ بمطابق سماعت ادائیگی کے لئے الفاظ کا نقل کرنا ضروری ہے تو معنوی اعتبار سے ادائیگی مطلب کے عدم جواز کی اس حدیث میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ البتہ ناقل کے لئے انہی الفاظ کا ادا کرنا افضل ہے اور اس کی افضلیت کے متعلق کوئی نزاع نہیں ہے الخ''۔(۳)

اس دلیل کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اس حدیث کو صرف ایک ہی موقع پر نبی ﷺ نے ارشاد

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۶

(۲) جامع الترمذی نمبر ۲۶۵۸، سنن ابی داؤد نمبر ۳۶۶۰، الرسالۃ للشافعی: ص ۴۰۱، جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ۱/۳۹، ومسند احمد وسنن ابن ماجہ وسنن الدارمی

(۳) قواعد التحدیث: ص ۲۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فرمایا تھا، لیکن اس کی بعض روایات میں " نضر الله " کے بجائے "رحم الله" ہے، "من سمع " کے بجائے " امرء ا سمع "، " مقالتی " کے بجائے " حدیثا "، "بلغه" کے بجائے "أداه "، " فرب مبلغ أفقه من مبلغ " کے بجائے "فرب مبلغ اوعی من سامع " اور " رب حامل فقه لا فقه له " کے بجائے "لیس بفقیه" کے الفاظ مروی ہیں۔ اگرچہ یہ تمام الفاظ ہم معنی ہیں لیکن باہم ان کا متغایر ہونا ان کے بالمعنی مروی ہونے پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے بھی بیان کیا ہے۔(۱) پس جو حدیث خود بالمعنی مروی ہو وہ روایت بالمعنی کے انکار پر دلیل کیوں کر بن سکتی ہے؟

## دوسرا گروہ:

علماء کے اس دوسرے گروہ میں وہ حضرات شامل ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہر حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تقدیم وتاخیر اور زیادتی ونقص کے ادا کرنا ہی واجب ہے، لیکن اگر حدیث کا تعلق کسی امتی سے ہو اور اصل الفاظ کی محافظت اور ادائیگی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس روایت کا اصل معنی ومقصد درست طور پر ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتا ہو تو ایسی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھا جائے گا، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل باب ہی اس عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے:

"باب ذکر الحکاية عمن قال يجب أداء حديث رسول الله ﷺ على لفظه ويجوز رواية غيره على المعنى". (۲)

اور اس باب کے تحت جو روایات نقل کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

سعید بن عفیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن انس کا قول ہے:

"کل حديث للنبی ﷺ يؤدی على لفظه وعلى ما روى وما كان عن غيره فلا بأس إذا أصاب المعنى". (۳)

عبداللہ بن عبدالحکم بیان کرتے ہیں کہ اشہب نے فرمایا کہ میں نے مالکؒ سے ایسی احادیث کے متعلق سوال کیا جن میں تقدیم وتاخیر کی گئی ہو، لیکن اس کا معنی ومفہوم ایک ہی ہو تو آں رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أما ما كان منها من قول رسول الله ﷺ فإني أكره ذلك وأكره أن يزاد فيها وينقص منها وما كان من قول غير رسول الله ﷺ فلا أرى بذلك بأسا إذا كان المعنى واحدا". (۴)

---

(۱) الکفایۃ: ص ۲۰۲ (۲)، (۳) نفس مصدر: ص ۱۸۸

(۴) نفس مصدر: ص ۱۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


معن کی روایت میں ہے کہ میں نے مالکؒ سے حدیث کی روایت بالمعنی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

"أما حديث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فأده كما سمعته وأما غير ذلك فلا بأس بالمعنى". (۱)

اور عبدالعزیز بن یحیی مولی بن ہاشم بیان کرتے ہیں کہ میں نے مالک بن انس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"ما كان من حديث رسول الله ﷺ فلا تعد اللفظ وما كان عن غيره فأصبت المعنى فلا بأس". (۲)

## تیسرا گروہ ـــــ روایت بالمعنی مشہور صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کے نزدیک معمول بہ تھی

جن لوگوں کو صحابۂ کرامؓ اور اولین سلف وصالحین کی سیرت پر گہری بصیرت حاصل ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان حضرات کی ایک بڑی جماعت روایت بالمعنی کی قائل رہی ہے۔ ان صحابۂ کرامؓ میں حضرات علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ، جابرؓ بن عبداللہؓ، ابوسعید الخدریؓ، انس بن مالکؓ، ابوالدرداءؓ، سلیمان بن اکیمہ اللیثیؓ، ابی بن کعبؓ، واثلہ بن الأسقعؓ، ابو ہریرۃؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ وغیرہ اور تابعین کرام نیز اولین سلف وصالحین میں حسن بصریؒ، شعبیؒ، عمرو بن دینارؒ، ابراہیم النخعیؒ، ابن ابی نجیحؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سفیان ثوریؒ، ابن عیینہؒ، عمرو بن مرہؒ، وکیعؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحنیفہؒ اور اکثر محدثین بالخصوص امام یحیی بن سعید القطانؒ اور امام بخاریؒ وغیرھما کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

حافظ ابن الصلاحؒ صحابۂ کرام اور اولین سلف وصالحین کے نزدیک روایت بالمعنی کا جائز ہونا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أن ذلك هو الذى تشهد به أحوال الصحابة والسلف الأولين فكثيرا ما كانوا ينقلون معنى واحدا فى أمر واحد بألفاظ مختلفة وما ذاك إلا لأن معولهم كان على المعنى دون اللفظ". (۳)

اسی طرح امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

(۱)، (۲) الکفایۃ: ص ۱۸۹

(۳) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۸۹، الإرشاد للنووی: ۱/۴۶۲، التقریب للنووی: ص ۲۵، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


"وجاء الجواز عن غير واحد من الصحابة وعن بعض التابعين الخ". (۱)

علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

''مشہور صحابۂ کرام اور بیشتر تابعین کا یہ موقف رہا ہے کہ سیاق حدیث کی علی اللفظ روایت کے ساتھ بالمعنی روایت بھی جائز ہے، چنانچہ اس ضمن میں صحابۂ کرام میں سے حضرت علی، ابن عباس، انس بن مالک، واثلہ بن الأسقع، اور ابو ہریرہ وغیرہم اور کبار تابعین میں سے امام الائمہ حسن بصری، شعبی، عمرو بن دینار، ابراہیم النخعی، مجاہد اور عکرمہ وغیرہم کے اسمائے گرامی مختلف کتب سیر وغیرہ میں مذکور ہیں''۔(۲)

حضرت انس بن مالکؓ کے متعلق عتاب مولی ہرمز کی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"لولا أني أخشى أن أخطئ لحدثتك بأشياء قالها رسول الله ﷺ". (۳)

اس قول میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ آں رضی اللہ عنہ صرف وہی احادیث روایت فرماتے تھے جو متحقق ہوتی تھیں اور جن کے بارے میں شک ہوتا تھا انہیں ترک فرما دیتے تھے۔ اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آں رضی اللہ عنہ صرف روایت باللفظ کی محافظت فرماتے تھے جیسا کہ قول " لولا...... أخطئ" میں اشارہ پایا جاتا ہے لیکن صرف روایت باللفظ کو درست سمجھنے اور روایت بالمعنی سے منع فرمانے کی نسبت آں رِضی اللہ عنہ کی جانب درست نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ بات محل نظر ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت بالمعنی کا جواز معروف ہے جیسا کہ خطیبؒ نے ان کے متعلق صریحاً نقل کیا ہے اور خود آں رضی اللہ عنہ کی روایات میں بالمعنی مروی احادیث ملتی ہیں مثلاً بسملہ کے بارے میں حدیث، وضو کے وقت تکثیر الماء کا قصہ، اسی طرح تکثیر الطعام کا قصہ وغیرہ''۔(۴)

امام بیہقیؒ نے مکحول سے روایت کی ہے کہ: میں اور ابو ازہر واثلہ بن الأسقعؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ:

"يا أبا الأسقع حدثنا حديثا سمعته من رسول الله ﷺ ليس فيه وهم ولا مزيد ولا نسيان، فقال: هل قرأ أحد منكم من القرآن شيئا؟ فقلنا: نعم وما نحن له بحافظين جدا، إنا لنزيد الواو والألف وننقص قال: فهذا القرآن مكتوب بين أظهركم لا تألونه حفظا وأنتم تزعمون أنكم تزيدون وتنقصون فكيف بأحاديث سمعناها من رسول الله ﷺ،

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۳۸، فتح المغیث للعراقی: ص ۲۶۰، الإرشاد للنووی: ۱/ ۳۶۱، التقریب للنووی: ص ۲۵

(۲) قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۲۱ (۳) رواہ احمد

(۴) فتح الباری: ۱/ ۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عسى أن لا نكون سمعناها منه إلا مرة واحدة، حسبكم إذا حدثنا كم بالحديث على المعنى". (۱)

''اے ابو الاسقع ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہو اور جس میں نہ کوئی وہم ہو نہ اضافہ اور نہ بھول چوک۔ انہوں نے دریافت کیا: کیا تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہاں، لیکن ہم اسکے بہترین حافظ نہیں ہیں۔ کبھی ہم سے اس میں واؤ اور الف بڑھ جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ وہ قرآن ہے جو کہ تمہارے سامنے کتابی حالت میں موجود ہے مگر تم اس کی تلاوت میں بھی محافظت نہیں کرتے ہو اور خود تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اس میں کمی یا زیادتی کر دیتے ہو تو احادیث میں یہ کیسے ممکن ہے کہ جنہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور وہ بھی صرف ایک بار ہی سنا ہے۔ پھر فرمایا: اگر ہم حدیث کا مطلب بیان کر دیں تو کافی سمجھو''۔

''المدخل'' اور ''تاریخ لابن عساکر'' وغیرہ میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حذیفہ کا قول ہے:

"إنا قوم عرب نورد الأحاديث فنقدم ونؤخر". (۲)

ابونضرہ، حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کرتے ہیں:

"كنا نجلس إلى النبي ﷺ عسى أن تكون عشرة نفر نسمع الحديث فما منا اثنان يؤديانه غير أن المعنى واحد". (۳)

ھشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مجھ سے فرمایا:

"يا بني إنه يبلغني أنك تكتب عني الحديث ثم تعود فتكتبه فقلت لها أسمعه منك على شيء ثم أعود أنا فأسمعه على غيره فقالت هل تسمع في المعنى خلافا؟ قلت لا، قالت: لا بأس بذلك". (۴)

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله ﷺ يوتر بسبح اسم ربك الأعلى وقل للذين كفروا والله الواحد الصمد". (۵)

---

(۱) المستدرک للحاکم: ۳/ ۵۶۹، العلل للترمذی: ۵/ ۷۴۶، جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ۱/ ۷۹، المحدث الفاصل للرامهرمزی: ص ۵۴۲، الکفایۃ: ص ۲۰۴، الجامع للخطیب: ۲/ ۳۱، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۴۴، تدریب الراوی للسیوطی: ۲/ ۹۹-۱۰۰

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۳۸، تدریب الراوی: ۲/ ۱۰۰، کنز العمال: ۱۰/ ۲۸۸

(۳) الکفایۃ: ص ۲۰۵

(۴) نفس مصدر: ص ۲۰۵

(۵) سنن ابی داؤد: ۴/ ۲۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آں رضی اللہ عنہ نے آخری دوسورتوں کو بالمعنی کس طرح موسوم کیا ہے۔(۱)
تابعی زرارہ بن اوفیؒ کا قول ہے:

"لقيت أناسا من الصحابة فاجتمعوا فى المعنى واختلفوا على فى اللفظ فقلت ذلك لبعضهم فقال لا بأس به ما لم يخل معناه". (۲)

شعیب بن الحجاب سے مروی ہے کہ میں اور غیلان بن جریر حضرت حسن کے پاس پہنچے اور ہم نے کہا:

"يا أبا سعيد، الرجل يحدث بالحديث فيزيد فيه أو ينقص منه قال إنما الكذب على من تعمد ذلك". (۳)

یعنی ''اے ابوسعید! ایک شخص حدیث بیان کرتے ہوئے اس میں کچھ اضافہ یا کمی کردیتا ہے، تو آں رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کذب کا الزام تو اس پر عائد ہوتا ہے جو ارادۃً ایسا کرے''۔

جریر بن حازم سے مروی ہے:

"سمعت الحسن يحدث بأحاديث الأصل واحد والكلام مختلف". (۴)

یعنی ''میں نے حسن کو احادیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے، ان کی اصل تو ایک ہی لیکن کلام مختلف ہوتا تھا''۔

ایک شخص نے حضرت حسن سے کہا :"يا أبا سعيد! إنما تحدث بالحديث أنت أحسن له سياقا وأجود تحبيرا وأفصح به لسانا مه إذا حدثنا به". توانہوں نے جواباً فرمایا:

"إذا أصبت المعني فلا بأس بذلك". (۵)

یعنی ''جب مطلب صحیح ادا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

اسی طرح جب حضرت حسن سے روایت بالمعنی کے متعلق عبداللہ بن سلیمان، اکیمہ اللیثی کی روایت (جس کا تذکرہ إن شاءاللہ آگے باب کے حصہ دوم میں آئے گا) بیان کی گئی تو آں رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لولا هذا ما حدثنا". (۶)

علامہ خطیب بغدادیؒ نے روایت بالمعنی کی تائید میں حضرت حسن کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے چند کا ماحصل یہ ہے:

---

(۱) کمافی فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۴۴-۱۴۵

(۲) شرح علل الترمذی لابن رجب:۱/ ۱۴۹، الرسالۃ للشافعی:ص ۲۷۵، معرفۃ السنن للبیہقی:ص ۱۶، فتح المغیث للسخاوی:۳/ ۱۳۸

(۳) الکفایۃ:ص ۲۰۸، تدریب الراوی:۲/۱۰۰

(۴) الکفایۃ:ص ۲۰۷

(۵) جامع بیان العلم وفضلہ:۱/۸۰

(۶) فتح المغیث للعراقی:۲۶۱، تدریب الراوی:۲/ ۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"لا بأس بتقديم الحديث وتأخيره إذا أصبت المعنى". (۱)

"لا بأس إذا أصيب معنى الحديث". (۲)

"لا بأس بالحديث إذا أصبت المعنى". (۳)

"لولا المعنى ما حدثنا". (۴)

امام ابن سیرینؒ کا مشہور قول ہے:

"كنت أسمع الحديث من عشرة المعنى واحد والألفاظ مختلفة". (۵)

یعنی"میں ایک حدیث دس افراد سے سنتا تھا، سب کا معنی ایک ہوتا مگر الفاظ مختلف ہوتے تھے"۔

سفیان ثوریؒ کا قول ہے:

"إن قلت لكم إني أحدثكم كما سمعت فلا تصدقوني إنما هو المعنى". (۶)

یعنی"اگر میں تم سے کہوں کہ میں تم سے حدیث کو اسی طرح بیان کرتا ہوں جس طرح کہ میں نے سنی ہے تو تم میری بات کو سچ نہ جاننا کیونکہ یہ معنوی لحاظ سے ہے"۔

زید بن الحباب جو اس کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں:

"اس قول کے معنی یہ ہیں کہ سفیان ثوری علی المعانی حدیث بیان کرتے تھے"۔(۷)

سفیان ثوریؒ کا ایک اور مشہور قول ہے:

"لو أردنا أن نحدثكم بالحديث كما سمعناه ما حدثناكم بحديث واحد". (۸)

سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ:

"عمرو بن دینار حدیث کو علی المعنی بیان کرتے تھے لیکن ابراہیم بن میسرہ جیسا سنتے تھے انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرتے تھے"۔(۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"كان عمرو بن دينار وابن أبي نجيح يحدثان بالمعاني وكان ابراهيم بن ميسرة

---

(۱)،(۲) الکفایۃ: ص ۲۰۷ (۳) نفس مصدر: ص ۲۰۷

(۴) فتح المغیث للعراقی: ۲۶۱، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۳، تدریب الراوی: ۲/۹۹

(۵) الکفایۃ: ۲۰۹، جامع بیان العلم: ۱/۸۰، المحدث الفاصل: ص ۵۳۴، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۳۸، قواعد التحدیث: ص ۲۲۱

(۶) الکفایۃ: ص ۲۰۹، قواعد التحدیث: ۲۳۰ (۷) الکفایۃ: ص ۲۰۹

(۸) نفس مصدر: ص ۲۰۹، الجامع للخطیب: ۲/۳۲، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۳ (۹) الکفایۃ: ص ۲۰۶

(۱) الکفایۃ: ص ۲۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وابن طاؤس يحدثان كما سمعها". (۱)

یعنی ''عمرو بن دینار اور ابن ابی نجیح بالمعنی روایت کرتے تھے جبکہ ابراہیم بن میسرہ اور ابن طاؤس انہی الفاظ سے روایت کرتے تھے جو کہ انہوں نے سنے تھے''۔

وکیع سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

"إن لم يكن المعنى واسعا فقد هلك الناس". (۲)

ابوسعید اصمعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عون کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"أدركت ستة ، ثلاثة منهم يشددون فى الحروف وثلاثة يرخصون فى المعانى وكان أصحاب الحروف القاسم بن محمد ورجاء بن حيوة ومحمد بن سيرين وكان أصحاب المعانى الحسن والشعبى والنخعى". (۳)

''میں نے چھ ائمہ کو پایا ہے جن میں تین روایت بالحروف پر متشدد تھے اور تین روایت بالمعنی کی اجازت دیتے تھے۔ ان اصحاب الحروف میں قاسم بن محمد، رجاء بن حیوۃ اور محمد بن سیرین تھے جبکہ اصحاب المعانی میں حسن، شعبی اور نخعی شامل تھے''۔

ابن عونؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''حسن، نخعی اور شعبی ایک مرتبہ حدیث کو یوں بیان کرتے اور دوسری مرتبہ دوسری طرح۔ جب ابن سیرین کو اس بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا: "إنهم لو حدثوا كما سمعوا كان افضل" یعنی اگر وہ لوگ ویسے ہی بیان کرتے جیسے کہ انہوں نے سنا تھا تو زیادہ بہتر ہوتا''۔ (۴)

حفص بن غیاث بیان کرتے ہیں کہ اشعثؒ نے فرمایا:

"كنت أحفظ عن الحسن وابن سيرين والشعبى فأما الحسن والشعبى فكانا يأتيان بالمعنى وأما ابن سيرين فكان يحكى صاحبه حتى يلحن كما يلحن". (۵)

مشہور تابعین میں سے حضرات حسن، شعبی اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کے مزید اقوال کے لئے سنن الدارمی، مصنف ابن ابی شیبہ، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، المحدث الفاصل للرامہرمزی، شرح علل الترمذی لابن

---

(۲) المدخل للبیہقی کمانی تدریب الراوی: ۲/ ۱۰۱، شرح علل الترمذی: ۵/ ۴۷۷، شرح السنۃ: ۱/ ۲۳۸، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۴۳، بستان العارفین لأبی اللیث سمرقندی: ص۱۲ وذکرہ سید مرتضی فی شرح الأحیاء کمانی قواعد التحدیث: ص۲۲۳

(۳) الکفایۃ: ص۱۸۶، حسن التوسل للشہاب محمود الحلبی: ص۵ (۴) الکفایۃ: ص۲۰۶

(۵) نفس مصدر: ص۱۸۶

(۱) سنن الدارمی: ۱/ ۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۹/ ۵۶، جامع بیان العلم: ۱/ ۸۰، المحدث الفاصل: ص۵۳۳-۵۳۶، شرح علل الترمذی لابن رجب:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رجب، الکفایۃ للخطیب اور تدریب الراوی للسیوطی وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔(۱)

مسعر نے عمرو بن مرہ سے روایت کی ہے کہ:

"إنا لا نستطيع أن نحدثكم الحديث كما سمعناه ولكن عموده ونحوه".(۲)

علی بن خشرم نے بیان کیا کہ:

''ابن عیینہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے۔اگر ان سے پھر وہی حدیث پوچھی جاتی تو ہمیں پہلے سے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کر دیتے تھے حالانکہ ان کے معانی ایک ہی ہوتے تھے''۔(۳)

قتیبہ بیان کرتے ہیں:

''چار حفاظ: اسماعیل بن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع اور وہیب باللفظ ادا کرتے تھے جبکہ حماد بن زید بالمعنی روایت کرتے تھے''۔(۴)

ابواویس سے مروی ہے:

"سألنا الزهرى عن التقديم والتأخير فى الحديث فقال إن هذا يجوز فى القرآن فكيف به فى الحديث؟ إذا أصبت معنى الحديث فلم تحل به حراما ولم تحرم به حلالا فلا بأس به". (۵)

''ہم نے زہری سے حدیث میں تقدیم وتاخیر کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا: جب یہ قرآن میں جائز ہے تو حدیث میں کیوں (نہیں ہوسکتی؟) اگر حدیث کے درست معنی ادا ہو جائیں اور اس سے کوئی حلال چیز حرام اور کوئی حرام چیز حلال نہ ہو تو (ایسا کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے''۔

سعید بن رحمۃ الأصبحی بیان کرتے ہیں:

''محمد بن مصعب القرقسانی کہا کرتے تھے:"أيش تشددون على أنفسكم؟ إذا أصبتم المعنى فحسبكم".(۶)

ازہر بن جمیل بیان کرتے ہیں کہ ہم یحیی بن سعید القطانؒ کے پاس تھے۔ہمارے ساتھ ایک شخص تھا جسے

---

۱/۱۵۰، الکفایۃ: ۱۸۶، ۲۰۶-۲۰۸، تدریب الراوی: ۲/۱۰۰

(۲) الکفایۃ: ص ۲۰۸ (۳) نفس مصدر: ص ۲۱۰

(۴) نفس مصدر: ۲۱۰

(۵) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۴ بحوالہ المدخل للبیہقی، تدریب الراوی: ۲/۱۰۰-۱۰۱

(۶) الکفایۃ: ص ۲۱۰

(۱) الکفایۃ: ص ۲۱۰ (۲) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایت بالمعنی کے متعلق کچھ تشکیک لاحق تھی۔اس سے امام یحیی القطانؒ نے فرمایا:

"ليس في يد الناس أشرف ولا أجل من كتاب الله تعالى وقد رخص فيه على سبعة أحرف". (۱)

یعنی ''لوگوں کے پاس اللہ تعالی کی کتاب سے زیادہ شرف والی اور جلیل القدر کوئی کتاب نہیں ہے مگر جب سبعۂ احرف پر(اس کی قرأت) کی رخصت ہے(تو حدیث کے الفاظ میں تشدد درست نہیں ہے)''۔

امام سخاویؒ نے یحیی بن سعید القطانؒ کے اس قول کو قدرے اختلاف کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

"القرآن أعظم من الحديث ورخص أن نقرأه على سبعة أحرف." (۲)

امام مالکؒ کے متعلق ابن بکیرؒ بیان کرتے ہیں:

"ربما سمعت مالكا يحدثنا بالحديث فيكون لفظه مختلفا بالغداة وبالعشي". (۳)

حافظ عراقیؒ بیان کرتے ہیں:

امام مالکؒ کے متعلق مروی ہے کہ کسی شخص نے آں رحمہ اللہ سے پوچھا: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ کی کسی حدیث میں واو اور الف کا اضافہ ہوتا ہے لیکن معنی ایک ہی ہوتے ہیں، تو آں رحمہ اللہ نے فرمایا: "أرجو أن يكون خفيفا". (۴)

امام شافعیؒ نے روایت بالمعنی پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: "أنزل القرآن على سبعة أحرف فاقرؤا ما تيسر منه". (۵)

یعنی ''قرآن سبعہ اُحرف پر نازل ہوا ہے پس اس میں سے جو تمہیں میسر ہو اس کی قرأت کرو۔۔۔ پھر فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالی نے اپنی کتاب سبعہ اُحرف پر نازل فرمائی تو اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب کی قرأت ان میں سے ہر طرح جائز ہے خواہ آپس میں ان کے الفاظ مختلف ہی ہوں، مگر یہ اختلاف اس قدر نہ ہو کہ ان کے معانی آپس میں محال ہو جائیں۔کیا اللہ سبحانہ وتعالی کی کتاب سے بڑھ کر بھی کوئی کتاب ہو سکتی ہے کہ جس میں ایسے لفظی اختلاف، کہ جس کے معنی باہم دگر محال نہ ہوں، پھر بھی وہ جائز نہ ہو الخ''۔(۶)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''امام بخاری اور انس روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے تھے جیسا کہ خطیب بغدادی نے صریحاً تخریج فرمائی

(۱) فتح الباری: ۲/۳۴۰، ۵/۲۰۱، قواعد التحدیث: ۲۲۱-۲۲۲
(۲) فتح الباری: ۱/۱۵، ۱۱۱، ۳۷۵، ۲/۴۶، ۹/۱۸۹، ھدی الساری: ۱۸
(۳) الکفایۃ: ص ۲۰۹-۲۱۰
(۴) التقیید والإیضاح للعراقی: ص ۱۹۳
(۵) رواہ الشیخان واحمد والترمذی وغیرھم من حدیث ابی ھریرۃ
(۶) تدریب الراوی: ۲/۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


ہے"۔(۱) آں رحمہ اللہ بعض اور مقامات پر لکھتے ہیں:

"كان من رأى البخارى جواز الرواية بالمعنى فى صحيحه ".(۲)

"صحیح بخاری" کا مطالعہ بتاتا ہے کہ امام بخاریؒ گاہے بگاہے شیوخ کے الفاظ کی تعیین بھی فرما دیتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"حدثنا جرير وأبو أسامة واللفظ لجرير".(۳) اسی طرح کتاب الصید والذبائح میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:"اخبرنا وكيع ويزيد بن هارون واللفظ ليزيد"۔۔۔۔(۴) امام رحمہ اللہ کی اس نوع کی تصریحات سے واضح طور پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ بعض شیوخ کے الفاظ میں نہیں بلکہ معنی میں اتحاد ہوتا ہے۔

## روایت بالمعنی مشاہیر علماء کی نظر میں:

علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے:

"باب ذكر الحجة فى إجازة رواية الحديث على المعنى". (۵)

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

"محدثین، فقہاء اور علمائے اصول کی اکثریت روایت بالمعنی کی قائل ہے بشرطیکہ راوی عربی زبان سے پوری طرح واقف ہو اور معانی کو اصل الفاظ کے علاوہ دوسرے ہم معنی الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کا خوب ملکہ رکھتا ہو"۔(۶)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

" وأما الرواية بالمعنى فالخلاف فيه شهير والأكثر على الجواز أيضا ومن أقوى حججهم الإجماع على جواز شرح الشريعة للعجم بلسانهم للعارف به فإذا جاز الإبدال بلغة أخرى فجوازه باللغة العربية أولى وقيل إنما يجوز فى المفردات دون المركبات وقيل إنما يجوز لمن يستحضر اللفظ ليتمكن من التصرف فيه وقيل إنما يجوز لمن كان يحفظ الحديث فنسى لفظه وبقى معناه مرتسما فى ذهنه فله أن يرويه بالمعنى لمصلحة تحصيل الحكم منه بخلاف من كان مستحضرا للفظه وجميع ما تقدم يتعلق بالجواز وعدمه ولا شك أن الأولى إيراد الحديث بألفاظه دون التصرف فيه". (۷)

---

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱۷۱/۸
(۴) نفس مصدر: ۶۰۷/۹
(۵) الکفایۃ: ص ۱۹۸
(۶) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۰۵
(۷) نزهۃ النظر: ص ۸۴، تدریب الراوی: ۱۰۱/۲
(۱) الکفایۃ: ۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''روایت بالمعنی میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر محدثین روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز کے لئے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ وہ عجمی عالم جو علم حدیث اور عربی زبان کا ماہر ہو وہ تبلیغ واشاعت کے لئے عربی الفاظ کی ترجمانی اپنی مادری زبان میں کرسکتا ہے اور جب عربی زبان کی ترجمانی کسی عجمی زبان میں جائز ہے تو عربی کی خود عربی زبان ہی میں ترجمانی اولی ہوئی (لہذا کس طرح ناجائز ہوسکتی ہے؟)۔ بعض کے نزدیک مفرد الفاظ میں روایت بالمعنی جائز ہے لیکن مرکبات میں منع ہے۔ بعض کے نزدیک جسے حدیث کے اصل الفاظ یاد ہوں اس کے لئے جائز ہے کہ وہ پوری طرح اس میں ہونے والے تصرف پر قادر ہو، لیکن بعض نے اس کے برعکس یوں فرمایا ہے کہ جس شخص کو حدیث کے اصل الفاظ بھول جائیں اور ان کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو وہ استنباط مسائل کے لئے روایت بالمعنی کرسکتا ہے اور جب الفاظ یاد ہوں تو اس کے لئے بلفظہ روایت کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ ساری بحث جواز اور عدم جواز سے تعلق رکھتی ہے ورنہ افضل بات یہی ہے کہ ہر حدیث کو اپنے اصل الفاظ میں بلا تصرف بیان کرنے کی کوشش کی جائے''۔

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

ويدل على ذلك أيضا اتفاق الأمة على أن للعالم بمعنى خبر النبى صلى الله عليه وآله وسلم وللسامع بقوله أن ينقل معنى خبره بغير لفظه وغير اللغة العربية وأن الواجب على رسله وسفرائه إلى أهل اللغات المختلفة من العجم وغيرهم أن يرووا عنه ما سمعوه وحملوه مما أخبرهم به وتعبدهم بفعله على ألسنة رسله لا سيما إذا كان السفير يعرف اللغتين فإنه لا يجوز أن يكل ما يرويه إلى ترجمان وهو يعرف الخطاب بذلك اللسان لأنه لا يأمن الغلط وقصد التحريف على الترجمان فيجب أن يرويه بنفسه وإذا ثبت ذلك صح أن القصد برواية خبره وأمره ونهيه إصابة معناه وامتثال موجبه دون إيراد نفس لفظه وصورته وعلى هذا الوجه لزم العجم وغيرهم من سائر الأمم دعوة الرسول إلى دينه والعلم بأحكامه". (۱)

امام غزالی، ابن الحاجب اور آمدی وغیرھم نے بھی احکام شریعت کو عجمی زبانوں میں ترجمہ وتشریح کرنے کے جواز پر ائمہ کے اتفاق کی طرف اشارہ کیا ہے بشرطیکہ مترجم ان زبانوں کا خوب جاننے والا ہو۔ ان کا قول ہے کہ جب دوسری زبانوں میں بالمعنی الفاظ کا بدلنا جائز ہے تو خود عربی ہی میں یہ ابدال بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے۔(۲)

---

(۲) المستصفی للغزالی: ۱/ ۱۶۸، الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۴۸، مختصر لابن الحاجب: ۲/ ۷۰، ھامش نہایۃ السؤال: ۲/ ۱۴۰، شرح الکواکب: ۲/ ۵۳۵

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۳۸ (۲) نفس مصدر: ۳/ ۱۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

''وہ شخص جو زبان کے مدلول یعنی الفاظ، ان کے مقاصد، ان کے معانی کے محامل، ان کے محتملات اور مترادفات وغیرہ سے واقف ہو تو اسکے بارے میں سلف، اصحاب الحدیث، ارباب فقہ اور علمائے اصول کا اختلاف ہے۔ مگر ان کی بڑی تعداد نے ایسے شخص کے لئے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے جبکہ یہ بات قطعی ہو کہ اس نے پہنچنے والے الفاظ کے معنی ادا کر دیئے ہیں، خواہ اس تک پہنچنے والے الفاظ مرفوع ہوں یا غیر مرفوع، موجب علم ہوں یا موجب عمل، صحابی سے واقع ہوں یا تابعی یا کسی اور سے، منقولہ افتاء یا مناظرہ یا روایت کے الفاظ محفوظ ہوں یا غیر محفوظ، مترادف الفاظ کا استعمال کیا گیا یا نہ کیا گیا ہو، اس کے معانی ظاہر ہوں یا کہ غامض۔ مگر اس طرح کے جو الفاظ اس نے استعمال کئے ہیں وہ کسی دوسرے معنی پر محتمل نہ ہو سکیں اور اس بات کا غالب گمان بھی پایا جائے کہ اس نے الفاظ سے اصل موضوع بلکہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے ارادہ و مقصد کو بلا استعارہ و تجوز ادا کر دیا ہے''۔(۱)

آں رحمہ اللہ مذکورہ بالا گروہ اول و دوم کے علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد گروہ سوم کے موقف کو معتمد علیہ اور معمول بہ قرار دیتے ہوئے مزید تحریر فرماتے ہیں:

"والمعتمد الأول وهو الذی استقر علیه العمل والحجة فیه أن فی ضبط الألفاظ والجمود علیها ما لایخفی من الحرج والنصب المؤدی إلى تعطیل الانتفاع بکثیر من الأحادیث." (۲)

امام ابن الفارس ''الجزء فی المصطلح'' میں ملحون الفاظ حدیث ادا کرنے میں متورع رواۃ کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ تثبت حسن ہے، لیکن اگر معنی ادا ہو جاتا ہو تو اہل علم حضرات نے اس بارے میں تساہل برتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر الفاظ کی ادائیگی ہی واجب ہوتی، حتی کہ کسی حرف میں غفلت واقع نہ ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ کرام کو واضح طور پر حکم فرمایا ہوتا جیسا کہ آں ﷺ نے وحی کے اثبات کے متعلق، کہ جس میں لفظی و معنوی تغیر کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، انہیں حکم فرمایا تھا۔ پس جب آپ ﷺ نے صحابہ کو حدیث کے اثبات کا حکم نہیں فرمایا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر تحدیث نسبتاً اسہل ہے، لیکن اگر کوئی راوی انہی الفاظ کو ادا کرے جو اس نے نبی ﷺ سے سنے تھے تو یہ بات زیادہ بہتر ہے''۔(۳)

حکیم ترمذیؒ اپنی کتاب ''نوادر الأصول'' میں "الأصل الثامن والستون والمئتان من سرد روایة الحدیث بالمعنی" کے تحت فرماتے ہیں:

---

(۳) کمانی قواعد التحدیث: ص ۲۲۴

(۱) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے: "نضر الله امرءا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وأداها". (رواہ الشافعی والبیہقی عن ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نضر الله امرءاً سمع منا حديثا فبلغه كما سمع منا فإنه رب مبلغ هو أوعى له من سامع". (۱) یہ حدیث زید بن ثابت اور جبیر بن مطعم سے بھی مروی ہے۔ حکیم ترمذی کا قول ہے کہ علماء کا تقاضہ ادائیگی اور علم کی تبلیغ ہے۔ پس اگر ان پر وہی الفاظ جو کہ ان کی سماعت تک پہنچے ہوں بعینہ بلا کم وبیش اور بلا تقدیم وتاخیر ادا کرنا لازم ہوتا تو وہ انہیں بھی کتابوں میں جمع کرتے رہتے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے ساتھ معاملہ فرمایا کہ جیسے ہی وحی نازل ہوتی آپؐ اللہ پر اس توکل کے باوجود کہ ﴿إن علينا جمعه وقرآنه﴾ (۲) اور ﴿وإنا له لحافظون﴾، (۳) کاتب کو بلوا کر فوراً لکھوا دیا کرتے تھے، چنانچہ وحی کتابی شکل میں محروس ہوگئی۔ اگر حدیث کے سلسلہ میں بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہوتا تو اصحاب رسول اللہ ﷺ ان کو ضرور قلمبند کر دیتے، مگر کیا ان میں سے کسی کے متعلق ایسا کرنے کے بارے میں ہمارے پاس کوئی خبر پہنچی ہے؟ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ایک صحیفہ تیار کرنے کی اجازت طلب کی تھی تو آں ﷺ نے انہیں اس کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ مگر ساری احادیث واخبار جو صحابہؓ کرام کو نبی ﷺ سے ملتی تھیں انہیں ان لوگوں نے یاد رکھا اور اپنی یادداشت کی بنیاد پر ہی ادا کیا۔ پس بوقت ادائیگی وہ تقدیم وتاخیر اور روایت کے الفاظ میں اختلاف کرتے نظر آتے ہیں، اگرچہ ان کے اس اختلاف سے حدیث کے معانی متغیر نہیں ہوتے۔ ان صحابہ میں سے کسی نے اس طرح کی ادائیگی کو نہ منکر جانا اور نہ ہی اس میں کوئی حرج پایا...... اگر کوئی شخص کہ جس نے نبی ﷺ کی حدیث سنی ہو اور اسے اپنے بعد کے لوگوں کو بیان کرنا چاہے تو اس کے لئے اس حدیث کے الفاظ کو بدلنا جائز ہے، بشرطیکہ اسکے معنی نہ بدلتے ہوں''۔ (۴)

امام جزریؒ فرماتے ہیں:

أمـــا العالم بالفرق بين الظاهر والأظهر والعام والأعم فقد جوز له ذلك الشافعي

---

مسعود)۔" نضر الله امرءا سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ أوعى من سامع". (رواہ ابوداود والترمذی، قال الترمذی حسن صحیح) زید بن ثابت کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: " نضر الله امرءا سمع منا حديثا فبلغه غيره، فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه". (رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجہ بزیادۃ) اور انس بن مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: " نضر الله امرءا سمع مقالتي فحفظها ووعاها وبلغها من لم يسمعها الخ ". (رواہ الطبرانی وروی نحوہ الإمام احمد وغیرہ من جبیر بن مطعم) وغیرہ۔

(۲) القیامۃ: ۱۷ (ترجمہ: اس کو یاد کروا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے)

(۳) یوسف: ۱۲، ۶۳ (ترجمہ: ہم اس کی حفاظت کو موجود ہیں)

(۴) کمافی قواعد التحدیث للقاسمی: ص ۲۲۳-۲۲۴

(۱) جامع الأصول: ۵۱ (۲) الإتقان في علوم القرآن: ۱/۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


وأبو حنيفة وجماهير الفقهاء ومعظم أهل الحديث". (۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ وحی کی ان دوقسموں میں سے قرآن کا تعلق دوسری قسم وحی سے اور سنت کا تعلق پہلی قسم وحی سے ہے جیسا کہ وارد ہے کہ حضرت جبریلؑ جس طرح قرآن کریم لے کر نازل ہوتے تھے اسی طرح سنت کے ساتھ بھی نازل ہوتے تھے۔ پس اس سے سنت کی روایت بالمعنی جائز ہوئی کیونکہ خود جبریلؑ نے اسے بالمعنی ادا فرمایا، لیکن قرآن کی بالمعنی روایت جائز نہیں ہے کیونکہ جبریلؑ نے اسے باللفظ ہی ادا کیا تھا اور بالمعنی اس کو وحی کرنا جائز نہ سمجھتے تھے''۔ (۲)

شیخ ابن ہمام حنفیؒ کے استاذ شیخ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

" هذا هو الظاهر من أحوال الصحابة ورواة العدول لأن الأخبار وردت بلسانهم فعلمهم باللسان يمنع عن غفلتهم عن المعنى وعدم فهمهم إياه". (۳)

یعنی ''صحابہؓ کرام اور دوسرے عدول راویوں نے الفاظ میں جب تغیر کیا ہے تو ایسے طریقے سے کیا ہے کہ اصل معنی میں فرق نہیں ہونے پایا کیونکہ وہ صاحب زبان تھے، پس روایت بالمعنی میں ایسا تغیر نہیں کرتے تھے کہ اصل معنی ادا نہ ہوسکے''۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''اس میں کافی اختلاف ہے۔ اکثر اس بات کے قائل ہیں کہ ایسا اس شخص کے لئے جائز ہے جو عربی زبان کا عالم، اسلوب کلام کا ماہر، ترکیبوں کے خواص اور خطاب کے مفہومات سے واقف ہو تاکہ زیادتی اور کمی کے ذریعہ غلطی نہ کرسکے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مفرد الفاظ میں جائز ہے، مرکبات میں نہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے لئے جائز ہے جس کو حدیث کے الفاظ زبانی یاد ہوں تاکہ اس میں تصرف پر وہ پوری طرح قادر ہو اور بعض کہتے ہیں کہ اسکے لئے جائز ہے جسے حدیث کے معانی تو یاد ہوں لیکن الفاظ بھول گئے ہوں کیونکہ ایسا کرنا تحصیل احکام کی بناپر ضروری ہے، اور جسے الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں اس لئے کہ اس کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ اختلاف جواز و عدم جواز میں ہے۔ جہاں تک بغیر کسی تصرف کے الفاظ حدیث روایت کرنے کا تعلق ہے تو اسکی افضلیت میں سب کا اتفاق ہے الخ''۔ (۴)

مگر قاضی عیاضؒ کا قول ہے:

---

(۱) نزھۃ النظر: ص ۸۴، تدریب الراوی: ۲/۱۰۲
(۲) الرسالۃ: ص ۳۷۰-۳۷۱
(۳) غایۃ التحقیق شرح حسامی: ص ۱۶۴، طبع نول کشور لکھنو
(۴) مقدمہ در مصطلحات حدیث مع مشکوٰۃ شریف مترجم: ص ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"ينبغي سد باب الرواية بالمعنى لئلا يتسلط من لا يحسن ممن يظن كما وقع لكثير من الرواة قديما وحديثا". (۱)

یعنی ''روایت بالمعنیٰ کا باب بند کر دینا چاہیئے تا کہ برخود غلط اور جہل مرکب میں مبتلا راوی جو ماہر نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ماہر سمجھتے ہیں روایت بالمعنیٰ کی جسارت نہ کریں جیسا کہ قدیم اور حدیث ہر دور میں ہوتا رہا ہے''

## روایت بالمعنیٰ کے جواز کے لئے شرائط:

روایت بالمعنیٰ کے جواز کے ضمن میں مختلف علماء نے اپنے اپنے ذوق اور جداگانہ معیار احتیاط کے مطابق مختلف شرائط بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

امام شافعیؒ کے نزدیک ہر قسم کی احادیث میں روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے بلکہ صرف ان احادیث میں جائز ہے جو احکام سے متعلق نہ ہوں کیونکہ ان احادیث میں لفظ کے اختلاف سے معنی میں تغیر اور اختلافات پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وكل ما لم يكن فيه حكم فاختلاف اللفظ فيه لا يحيل معناه". (۲)

دراصل اس طرح امام شافعیؒ نے روایت بالمعنیٰ کے دائرہ کو انتہائی تنگ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ احکام کی احادیث دوسری احادیث کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں، اور عربی زبان کے اسرار و رموز کا فہم رکھنے والے راوی جہلاء کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ ان تمام امور کی تفصیل کے لئے حاشیہ (۳) کے تحت درج شدہ کتابوں کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

امام شافعیؒ روایت بالمعنیٰ کی اس وقت اجازت دیتے ہیں ''جبکہ لفظ کے تغیر سے معنی میں تغیر نہ آتا ہو''۔ (۴) اس کے لئے آں رحمہ اللہ نے کچھ دوسری شرائط بھی بیان کی ہیں، مثلاً راوی عاقل ہو اور حدیث کے معنی کا فہم رکھتا ہو، راوی الفاظ کی تبدیلی سے معنی میں واقع ہونے والے فرق کا عالم ہو یعنی الفاظ اور ان کے معانی کے فرق اور ان کے اسالیب کو سمجھتا ہو کیونکہ اگر وہ ان کو نہ سمجھتا ہو تو کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ لفظ کے تغیر سے معنی بدل جائیں یا اسلوب تبدیل ہو جائے اور وہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر بیٹھے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"لأنه إذا كان الذى يحمل الحديث يجهل هذا المعنى كان غير عاقل للحديث فلم

---

(۳) الجامع لأخلاق الراوی للخطیب: ۲/۷۱-۷۴، ۸۷-۹۰، مناقب الشافعی للبیہقی: ۲/۳۰، الکفایۃ للخطیب: ص ۱۹۸-۲۰۳، المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص ۳۴۸-۳۵۰، الإلماع: ص ۱۸۷

(۴) الرسالۃ: ص ۱۷۴

(۱) الرسالۃ: ص ۳۸۱

(۲) مقدمۃ شرح صحیح مسلم: ۱/۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يقبل حديثه إذا كان يحمل ما لايعقل ان كان ممن لا يؤدى الحديث بحروفه وكان يلتمس تأديته على معانيه وهو لا يعقل المعنى". (۱)

امام مسلمؒ ''مقدمہ صحیح مسلم'' میں فرماتے ہیں:

"إذا أراد رواية الحديث بالمعنى فإن لم يكن خبيرا بالألفاظ ومقاصدها عالما بما يختل معانيها لم يجز له الرواية بالمعنى بلا خلاف بين أهل العلم بل يتعين اللفظ".(۲)

یعنی ''اگر (کوئی راوی) حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن اس کے الفاظ کے معانی ومقاصد کو نہ جانتا ہو اور اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس تغیر سے اس کے معانی میں خلل واقع ہوتا ہے تو اس کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے بلکہ لفظ کا تعین ہی ضروری ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے''۔

یہی بات امام نوویؒ یوں فرماتے ہیں:

"إن لم يكن عالما بالألفاظ ومقاصدها خبيرا بما يحيل معانيها لم تجز له الرواية بالمعنى بلا خلاف بل يتعين اللفظ الذى سمعه". (۳)

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"قال جمهور الفقهاء يجوز للعالم بمواقع الخطاب ومعانى الألفاظ رواية الحديث على المعنى وليس بين أهل العلم خلاف فى أن ذلك لا يجوز للجاهل بمعنى الكلام وموقع الخطاب والمحتمل منه وغير المحتمل". (۴)

یعنی ''جمہور فقہاء کا قول ہے کہ مواقع خطاب اور معانی الفاظ کے جاننے والے علماء کے لئے حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے۔ اس بارے میں اہل علم حضرات کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص کلام نبوی کے معانی یا مواقع خطاب اور اس کے محتمل وغیر محتمل ہونے کا علم نہ رکھتا ہو اس کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے''۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص زبان میں الفاظ کے مدلول ومقاصد اور ان کے معانی ومحامل اور اس کے دوسرے محتملات اور مترادف الفاظ کا علم نہ رکھتا ہو ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کو جن الفاظ کے ساتھ سنے انہی الفاظ کے ساتھ اس طرح روایت کرے کہ کسی حرف کی تقدیم وتاخیر یا زیادتی ونقصان یا ایک یا ایک سے زیادہ حروف کا ابدال یا مشدد کو مخفف یا مخفف کو مشدد کرنا لازم نہ آتا ہو۔ یہ چیز تمام علماء کے مابین کسی اختلاف کے بغیر علی وجہ

---

(۳) تقریب النواوی مع تدریب: ۲/ ۹۸ (۴) الکفایۃ: ص ۱۹۸

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۳۷، الکفایۃ: ص ۱۹۸، الالماع: ص ۱۷۴، الارشاد للنووی: ۱/ ۳۶۱، فتح المغیث للعراقی: ص ۲۶۰-۲۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الوجوب مقرر ہے''۔(۱)

کیونکہ بقول علامہ سخاویؒ:

''جو شخص مذکورہ بالا چیزوں کا علم نہیں رکھتا وہ بسبب خلل تغییر سے مامون نہیں ہوتا''۔(۲)

حافظ ابن الصلاحؒ کا قول ہے کہ:

''محدثین، فقہاء اور علمائے اصول کی اکثریت روایت بالمعنی کے جواز کی قائل ہے بشرطیکہ راوی عربی زبان سے پوری طرح باخبر ہو اور معانی کو اصل الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کی خوب مہارت رکھتا ہو''۔(۳)

علامہ سخاویؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''بعض کا قول ہے کہ اس شخص کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے جسے اصل الفاظ حفظ ہوں کیونکہ اس صورت میں وہ علت زائل ہوجاتی ہے کہ جسکے سبب اس معاملہ میں رخصت دی جاتی ہے (نیز یہ کہ نبی ﷺ کے کلام میں جو فصاحت موجود ہوتی ہے وہ دوسروں کے کلام میں موجود نہیں ہوتی)۔ یہ علماء اس کے علاوہ دوسروں کے لئے (یعنی جن کو اصل الفاظ حفظ نہ ہوں) روایت بالمعنی جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ تحمل لفظ اور تحمل معنی میں سے کسی ایک کے محفوظ نہ ہونے کی صورت میں جو چیز محفوظ ہو اس کا ادا کرنا لازم ہے کیونکہ اس کا بھی ترک کردینا کتمان احکام کا باعث قرار پائے گا اسے ماوردی نے ''الحاوی'' میں بیان کیا ہے اور اسی طرف گئے ہیں''۔(۴)

بعض علماء نے اس کے برعکس بیان کیا ہے یعنی روایت بالمعنی اس شخص کے لئے جائز ہے جسے حدیث کے اصل الفاظ حفظ ہوں (۵) جیسا کہ اوپر ''روایت بالمعنی مشاہیر علماء کی نظر میں'' کے زیر عنوان گزر چکا ہے، لہذا یہاں اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''شرح نخبۃ الفکر'' میں فرماتے ہیں:

"ولا يجوز تعمد تغيير صورة المتن مطلقا ولا الاختصار منه بالنقص ولا إبدال اللفظ المرادف له إلا لعالم بمدلولات الألفاظ". (٦)

یعنی ''متن حدیث کو عمداً بدلنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اور نہ الفاظ کم کر کے اختصار کرنا جائز ہے

---

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۳۷ (۳) مقدمۃ ابن الصلاح: ۱۰۵

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۴۲، أدب القاضی للماوردی: ۱/ ۴۱۷-۴۱۸، تدریب الراوی: ۲/ ۱۰۱-۱۰۲، ارشاد الفحول: ص ۵۸، شرح جمع الجوامع: ۳/ ۲۸۰

(۵) نزھۃ النظر: ۸۴، تدریب الراوی: ۲/ ۱۰۱

(٦) شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی

(۱) تدریب الراوی: ۲/ ۹۸-۹۹، فتح المغیث للعراقی: ص ۲۶۰-۲۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور نہ ایک ہم معنی لفظ کی جگہ دوسرا ہم معنی لفظ رکھا جا سکتا ہے۔ ان سب تبدیلیوں کی اجازت فقط اس کو دی جا سکتی ہے جو الفاظ کے معانی و مطالب سے پوری طرح باخبر ہو"۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ زین الدین عراقیؒ وغیرہما فرماتے ہیں:

"اگر راوی الفاظ اور اس کے مدلولات کا عالم نہ ہو نیز ان کے مقاصد سے باخبر بھی نہ ہو کہ ان کے معانی میں کس قدر تفاوت ہے تو اس کے لئے متفقہ طور پر بالمعنی روایت جائز نہیں ہے۔ اس کے لئے انہی الفاظ کی پابندی اور تعیین لازم ہے جو کہ اس نے سنے ہیں۔ لیکن اگر راوی ان چیزوں کا علم رکھتا ہو تو اس بارے میں محدثین، اسلاف اور ارباب فقہ و اصول کا اختلاف ہے۔ بعض محدثین، فقہاء اور شافعی علمائے اصول کا ایک گروہ اسی بات کا قائل ہے کہ حدیث کی روایت صرف انہی الفاظ کے ساتھ جائز ہے۔ ابن سیرین، ثعلب اور احناف میں سے ابوبکر الرازی اسی جانب گئے ہیں...... جبکہ بعض علماء نبی ﷺ کی حدیث کے علاوہ بالمعنی روایت کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن آں ﷺ کی احادیث کے سلسلہ میں اسے جائز نہیں سمجھتے۔ مگر جمہور سلف و خلف، جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، روایت بالمعنی کو بہر حال جائز بتاتے ہیں بشرطیکہ معنی ادا ہو جاتا ہو، کیونکہ اس پر صحابہؓ کرام اور اسلاف کے احوال شاہد ہیں۔ ان کا ایک ہی قصہ کو مختلف الفاظ سے روایت کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے"۔(۱)

علامہ سخاویؒ بیان کرتے ہیں:

"بعض کا قول ہے کہ خبر یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، لیکن آپ ﷺ کے علاوہ دوسروں کی اخبار میں جائز ہے۔ اسے امام بیہقیؒ اور خطیب بغدادی وغیرہما نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے"۔(۲)

اسی طرح بعض علماء کا خیال ہے کہ:

"صحابہ کے علاوہ کسی کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، بالخصوص زبان میں خلل کے ظہور کے باعث کہ جس سے صحابہؓ کرام مامون تھے۔ وہ ارباب اللسان اور اعلم الخلق بالکلام تھے۔ ماوردی اور الرویانی نے "باب القضاء" میں اس کی حکایت کی ہے۔ ابن العربیؒ نے بھی "احکام القرآن" میں اس پر جزم اختیار کیا ہے کہ کسی غیر صحابی کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ: "اگر میں روایت بالمعنی کو کسی شخص کے لئے جائز قرار دیتا تو وہ یہ لوگ (یعنی صحابہؓ کرام) ہوتے کیونکہ ان میں دو خصوصیات مجتمع تھیں: (۱) جبلت فصاحت و بلاغت، اور (۲) اقوال و افعال نبی ﷺ کا بعینہ مشاہدہ۔ ان کی عقل کو اس براہ راست مشاہدہ سے بلا شبہ بلا کا

---

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۲، ترتیب المدارک: ۱/۱۴۸، الإلماع: ص ۱۷۸، جامع بیان العلم: ۱/۸۱، الجامع للخطیب: ۲/۳۳-۳۴، الکفایۃ للخطیب: ص ۱۸۸-۱۸۹، الجامع لأبی محمد القیروانی: ص ۱۴۷، الدیباج المذہب: ۱/۱۱۲، تدریب الراوی: ۲/۱۰۱

(۱) أدب القاضی للماوردی: ۱/۴۱۶، ۴۱۷، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۲، تدریب الراوی: ۲/۱۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


استفادہ پہنچا تھا پس وہ احادیث کے تمام مقاصد و منشا کو بہتر طریقہ پر سمجھتے تھے"۔(۱)

امام سخاویؒ مزید بیان کرتے ہیں:

"بعض کا قول ہے کہ صحابہ اور تابعین کے علاوہ کسی اور کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے لیکن جو صحابی یا تابعی ہو اس کے لئے بالمعنی روایت جائز ہے۔ اس پر خطیب بغدادیؒ کے بعض معاصرین مثلاً قاضی ابو بکر کے حفید نے "ادب الروایۃ" میں جزم اختیار کیا ہے، کہتے ہیں: کیونکہ جب حدیث کو اسناد کے ساتھ مقید کر دیا جائے تو اس کے الفاظ کا مختلف نہ ہونا واجب ہے، ورنہ یہ چیز کذب کے اندر داخل سمجھی جائے گی"۔(۲)

علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"احادیث کی روایت بالمعنی کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الفاظ کی مخالفت اور بعض کلام کی بعض پر تقدیم جائز نہیں ہے، اگرچہ کہ ان سب کا معنی ایک ہی ہو، اور نہ ہی حروف میں کسی چیز کی کمی یا زیادتی درست ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ایسا خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے متعلق واجب ہے، لیکن آپ ﷺ کے علاوہ دوسروں کے اقوال کے متعلق یہ واجب نہیں ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ مذکورہ تمام چیزیں جائز ہیں اگرچہ ان کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے ہی ہو بشرطیکہ معنی صحیح طور پر ادا ہو جاتا ہو"۔(۳)

علامہ سخاویؒ بعض علماء سے ایک شرط یہ نقل فرماتے ہیں کہ:

"اگر روایت موجب عمل ہو تو اس کی روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، لیکن اگر موجب علم ہو تو معنی پر معول ہونے کے سبب جائز ہے۔ ایسی صورت میں لفظ کی مراعات واجب نہیں رہتی۔ لیکن کسی عمل کی روایت بالمعنی جائز نہیں ہے جیسا کہ ابن السمعانی وغیرہ نے نقل کیا ہے"۔(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" کے مختلف مقامات پر اور علامہ سیوطی نے "تدریب الراوی" میں روایت بالمعنی کی ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ:

"أن لا يقع تعبد بلفظه" ـــــ (۵) یعنی "اس کے لفظ سے تعبد واقع نہ ہو"۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"بعض کا قول ہے کہ بغیر مترادف اور ہم معنی لفظ کے، روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، لیکن اگر مترادف لفظ ہو تو اس مسئلہ میں علمائے اصول کے اختلاف کے ساتھ جائز ہے"۔(۶)

---

(۲) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۲

(۳) الکفایۃ: ص ۱۷۰-۱۷۱

(۴) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۲، تدریب الراوی: ۲/۱۰۲

(۵) فتح الباری: ۸/۳۰۴، ۱۱/۱۱۲، تدریب الراوی: ۲/۱۰۲

(۶) الکفایۃ: ص ۱۹۸، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۳

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۲۰۰، التقیید والایضاح: ص ۲۰۰، فتح الباری: ۱۱/۶۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حافظ ابن الصلاح، حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہم کے الفاظ میں روایت بالمعنی کی ایک شرط یہ ہے:

"أن لا يقع التخالف في المعنى" ـــ (۱) یعنی "اس روایت کے معنی میں تخالف واقع نہ ہو"۔

امام ترمذیؒ کا قول ہے:

"هذا أوسع عند أهل العلم إذا لم يتغير المعنى". (۲)

امام مالکؒ کے نزدیک اسکی ایک شرط آں رحمہ اللہ کے اس قول سے واضح ہوتی ہے:

"لا أكتب إلا عن رجل يعرف ما يخرج من رأسه". (۳)

ماوردی اور الرویانی کا قول ہے:

"وشرطه أن يكون متساويا له في الجلاء والخفاء وإلا فيمتنع الخ" (۴)

اس امر پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ امور شریعت میں سے جن چیزوں میں لفظ اور معنی دونوں کی محافظت مطلوب ہے، مثلاً تکبیر، تشہد، اذان اور شہادت وغیرہ، تو ان کا بعینہ ورود ضروری ہے، چنانچہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں:

"فالاتفاق حاصل على ورود الشرع بأشياء قصد فيها الإتيان باللفظ والمعنى جميعا نحو التكبير والتشهد والأذان والشهادة وإذا كان كذلك أمكن أن يكون المطلوب بالحديث لفظه ومعناه جميعا لا سيما وقد ثبت قوله ﷺ نضر الله إمرءا سمع منا حديثا فأداه كما سمعه الخ". (۵)

اسی طرح علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:

"روایت بالمعنی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ از قسم عبادات، مثلاً دعاء وغیرہ نہ ہوں نیز ایک شرط یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ الفاظ جوامع الکلم (یعنی ایسے جامع الفاظ جو قلیل الألفاظ اور کثیر المعنی ہوں) کی قبیل سے نہ ہوں"۔

اور خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"لم يسوغ لمن علمه الدعاء مخالفة اللفظ". (۶)

بعض علماء کی رائے ہے کہ:

"ظاہری معنی میں نہیں لیکن غامض معنی میں یہ روایت ناجائز ہے"۔ (۷)

---

(۲) کمافی جامع الأصول لابن الاثیر: ۵۳ (۳) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۳۹

(۴) أدب القاضی للماوردی: ۱/۴۱۴-۴۱۶، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۳۹، إرشاد الفحول: ص ۵۸

(۵) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۰-۱۴۱ (۶) الکفایۃ: ص ۲۰۲

(۷) الجامع للخطیب: ۲/۳۴، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اسی طرح بعض علماء کا قول ہے کہ:

''افتاء اور مناظرہ کی حکایت کے برخلاف روایت اور تبلیغ خاص میں روایت بالمعنی جائز نہیں ہے''۔(۱)

شیخ رضی الدین ابن الحنبلی حنفیؒ نے ایسی حدیث کی بالمعنی روایت کے لئے کہ جس میں عام کے خاص اور حقیقت کے مجاز ہونے کا احتمال ہو صرف مجتہد کو ہی مجاز قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"الأصح أن الحديث إن كان مشتركا أو مجملا أو متشابها أو من جوامع الكلم لم يجز نقله بالمعنى، أو حكما جاز للعالم باللغة، أو ظاهرا يحتمل الغير كعام يحتمل الخصوص أو حقيقة يحتمل المجاز جاز للمجتهد فقط". (۲)

روایت بالمعنی کی مختلف النوع مذکورہ بالا تمام شرائط میں سے جن چند شرائط پر اکثر علماء و محققین کا اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) راوی عربی زبان کے اسرار و رموز سے بخوبی آگاہ ہو۔

(۲) شریعت کی غایات و مقاصد کو جانتا ہو۔

(۳) جس حدیث کی روایت بالمعنی کرنا چاہتا ہو وہ جوامع الکلم کی قبیل سے نہ ہو۔

(۴) وہ حدیث ایسی بھی نہ ہو کہ اس کے الفاظ عبادت شمار ہوتے ہوں مثلاً ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ وغیرہ پر مشتمل حدیث۔

(۵) راوی جس حدیث کی روایت بالمعنی کا خواہاں ہے اسے اس کے اصل الفاظ یاد نہ ہوں لیکن اس کا معنی قطعی طور پر محفوظ ہو اور وہ اسے پوری طرح اپنے الفاظ میں ادا بھی کر دے۔

اگر کوئی راوی ان تمام شرائط پر پورا نہ اترے تو اس کے لئے حدیث کی روایت بالمعنی جائز نہیں سمجھی جائیگی، واللہ أعلم۔ مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ (۳) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

## روایت بالمعنی کی صورت میں سلف صالحین کی احتیاط اور اس کی چند مثالیں

صحابہؓ کرام، تابعین عظام اور محدثین نے ضبط احادیث، حفظ روایت اور نقل و تحمل سنن و آثار کے معاملہ میں حد درجہ حزم و احتیاط فرمائی ہے، چنانچہ امام ذہبی اور امام سخاوی وغیرہما نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہؓ کرام

(۱) الاحکام لابن حزم: ۲/۸۶، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۳

(۲) قفو الأثر لابن الحنبلی: ص ۱۹، قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی: ص ۴۷

(۳) الإحکام فی أصول الأحکام لابن حزم: ۲/۷۶، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ۱۹۸-۱۹۹، الإلماع إلی معرفۃ أصول الروایۃ وتقیید السماع للقاضی عیاض: ص ۱۷۷، ماتمس إلیہ حاجۃ القاری لصحیح الإمام البخاری للنووی: ص ۹۳، التقیید والایضاح للعراقی: ص ۱۸۹، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للسخاوی: ۳/۱۴۳-۱۴۴، إرشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول للشوکانی: ص ۵۰، تیسیر مصطلح الحدیث لمحمود الطحان: ص ۱۷۲، تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الأثر لعبد الرحمن: ص ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


کے حالات میں احتیاط فی الحدیث کے واقعات کو بکثرت نقل فرمایا ہے۔حدیث کی روایت باللفظ ہو یا بالمعنی، بہر صورت، اس بارے میں سلف وصالحین کی شدید احتیاط کے واقعات کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ اگلے باب ششم: ''اخبار آحاد کی حجیت'' کے تحت پیش کی جائے گی۔ چند احتیاطی تدابیر کا تذکرہ مختصراً یہاں بھی پیش خدمت ہے:

امام ذہبیؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ احادیث نبویہ کو ہر زیادت ونقصان سے محفوظ رکھنے کا سخت اہتمام فرماتے تھے''۔(۱)

اس بارے میں آں رضی اللہ عنہ کی شدت کی چند مثالیں اوپر ''پہلا گروہ ــــ روایت بالمعنی کے مانعین اور ان کے دلائل'' کے ذیلی عنوان کے تحت بیان کی جا چکی ہیں: آں رضی اللہ عنہ کو ضبط روایت کا اس قدر خیال تھا کہ آپؓ نے اپنے مشہور تلمیذ حضرت نافع کو جو حدیثیں لکھوائیں وہ سب اپنی موجودگی میں بٹھا کر لکھوائیں تاکہ کمی وبیشی کا ادنی سا بھی احتمال نہ رہے۔(۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ضبط احادیث اور بیان روایت میں سخت احتیاط اور پابندی کو ملحوظ رکھتے تھے۔(۳) امام دارمیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے:

"تذاكروا الحديث فإن حياته مذاكرته". (۴)

یعنی ''باہم حدیثوں کا مذاکرہ کرتے رہو کیونکہ مذاکرہ ہی اس کی بقاء کی ضمانت (زندگی) ہے''۔

امام ذہبیؒ بیان کرتے ہیں کہ آں رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو ضبط الفاظ کے لئے تاکید بلیغ فرمایا کرتے تھے، آپ کے الفاظ میں:

"ويزجر تلامذه عن التهاون في ضبط الألفاظ". (۵)

یعنی ''عبداللہ بن مسعود اپنے تلامذہ کو ضبط الفاظ میں تہاون پر زجر فرماتے تھے''۔

حضرت علیؓ بھی اپنے تلامذہ سے فرماتے تھے:

"تزاوروا وتدارسوا الحديث ولا تتركوه يدرس". (۶)

یعنی ''آپس میں مل کر حدیث کا درس ومذاکرہ جاری رکھو، اسے غفلت میں نہ ڈالو کہ مٹ جائے''۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ۱/ ۳۹ (۲) سنن الدارمی: ص ۶۹

(۳) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۳-۱۴

(۴) سنن الدارمی نمبر ۶۲۵، المدخل للبیہقی: ص ۴۲۱، شرف أصحاب الحدیث للخطیب: ص ۹۴، المعرفۃ للحاکم: ص ۱۷۵، المستدرک للحاکم: ۱/ ۹۵، المحدث الفاصل للرامہرمزی: ۲۶۷، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۱۷ (۵) تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ۱/ ۱۳

(۶) سنن الدارمی نمبر ۶۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ نمبر ۶۱۸۵، جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ۱/ ۱۰۱، ۱۰۸، المحدث الفاصل: ص ۲۱۷، شرف أصحاب الحدیث للخطیب: ص ۹۴، الجامع للخطیب: ص ۴۶۵-۴۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام سخاویؒ نے آں رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"تذاكروا هذا الحديث إن لا تفعلوا يدرس". (۱)

اور امام حاکمؒ کی روایت میں آں رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

"تذاكروا الحديث فإنكم إن لا تفعلوا يندرس". (۲)

حضرت ابوسعید الخدری اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کے اقوال منقول ہیں۔ (۳)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

"كنا نكون عند النبي ﷺ فنسمع منه الحديث فإذا قمنا تذاكرناه فيما بيننا حتى نحفظه". (۴)

یعنی "ہم نبی ﷺ کی خدمت میں ہوتے اور آپؐ سے حدیث سنتے تھے پس جب ہم وہاں سے اٹھتے تو باہم اس کا مذاکرہ کیا کرتے تھے حتی کہ وہ ہمیں حفظ ہو جائے"۔

امام ترمذیؒ وغیرہ امام مالکؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"كان مالك بن أنس يشدد في حديث رسول الله ﷺ في الباء والتاء ونحو هذا". (۵)

یعنی "امام مالک بن انس رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے معاملہ میں انتہائی احتیاط اور شدت سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ "ب" اور "ت" وغیرہ کے فرق کا بھی خیال رکھتے تھے"۔

اسی طرح معن کی روایت میں ہے کہ:

"كان مالك يتحفظ من الباء والتاء والثاء في حديث رسول الله ﷺ". (۶)

مشہور تابعی اسماعیل بن رجاءؒ کے متعلق تو یہاں تک مشہور ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جمع کر کے انہیں حدیث سنایا کرتے تھے تاکہ اس طرح ان کو جو حدیثیں یاد ہیں وہ تازہ ہوتی رہیں اور وہ بھول نہ جائیں۔ (۷)

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۱۶ (۲) المعرفۃ للحاکم: ص ۱۴۷، المستدرک للحاکم: ۱/ ۹۵، المدخل للحاکم: ص ۴۲۰

(۳) فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۱۷

(۴) المدخل للبیہقی: ص ۴۲۵، الفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۲/ ۱۲۷، الجامع للخطیب: ص ۴۶۴، المقصد العلی للہیثمی: ص ۸۷، فتح المغیث للسخاوی: ۲/ ۱۲۷ (نوٹ: اسی مفہوم کی ایک حدیث مسند ابی یعلی نمبر ۴۰۹۱ میں بھی موجود ہے لیکن لفظی اختلاف کے ساتھ اس کی اسناد میں یزید الرقاشی ضعیف ہے) (کمافی مجمع الزوائد: ۱/ ۱۶۱)

(۵) جامع الترمذی: ۲/ ۲۴۴ (۶) الکفایۃ: ص ۱۷۸-۱۷۹، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۱۲

(۷) المستدرک للحاکم: ۱/ ۹۴-۹۵، المعرفۃ للحاکم: ص ۱۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۸/ ۵۴۵-۵۴۶، سنن الدارمی: ۱/ ۱۱۶-۱۲۲، المدخل للبیہقی: ۲۸۹، الجامع للخطیب: ۱/ ۲۳۷، ۲۳۹، ۲/ ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۶، شرف أصحاب الحدیث للخطیب: ص ۹۵، ۹۷، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۱/ ۱۰۱، ۱۱۱، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۳۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


روایت حدیث کے سلسلہ میں صحابہٴ کرام، تابعین، اتباع تابعین اور محدثین کرام کی غایت درجہ احتیاط وامانت کے اہتمام کا اندازہ حزم واحتیاط کے ان کلمات سے بھی ہوسکتا ہے جو حدیث کے الفاظ میں شک پیدا ہوجانے کی صورت میں ان سے منقول ہیں، مثال کے طور پر:

۱-حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک حدیث میں لفظ "عشاء" تھا یا "عتمة"۔ دو مختلف راویوں سے یہ دونوں الفاظ مروی ہیں، لہذا حضرت عائشہؓ کے الفاظ کی تعبیر میں ائمہٴ حدیث نے احتیاطاً دونوں الفاظ روایت کردیئے ہیں، اگرچہ ان دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے: "اعتم النبی ﷺ بالعشاء" یا "اعتم النبی ﷺ بالعتمة". (۱)

۲-حضرت انسؓ سے ایک موقع پر منقول ہے: "ومعنا عكازة أو عصا"(۲) حالانکہ دونوں الفاظ کے معنی لاٹھی ہی کے ہیں لیکن ضبط الفاظ میں احتیاط کے پیش نظر دونوں الفاظ کو ''أوْ'' بمعنی ''یا'' کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔

۳- جریر بن عبداللہ نے "لا تضامون أو لا تضاهون"(۳) دونوں الفاظ کو احتیاطاً نقل کیا ہے حالانکہ دونوں الفاظ میں معنوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

۴-سترہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے جو حدیث مروی ہے اس میں صرف اربعین یعنی چالیس کا لفظ وارد ہے لیکن اس چالیس سے مراد کیا ہے، اس کی تعیین مروی نہیں ہے، لہذا امام بخاریؒ نے ابوالنصر کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

"قال لا أدري أربعين يوما أو شهرا أو سنة". (۴)

یعنی ''مجھے معلوم نہیں کہ آپؐ نے چالیس دن فرمایا یا چالیس ماہ یا چالیس سال''۔

۵-حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں:

"سمعت النبي ﷺ يقول يكون اثنا عشر أميرا فقال كلمة لم أسمعها فقال أبي إنه قال كلهم من قريش". (۵)

یعنی ''میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کہ بارہ امیر ہونگے۔ اس کے بعد بھی آپؐ نے کچھ فرمایا لیکن میں اسے نہ سن پایا۔ پس میرے والد نے مجھے بتایا کہ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ سب امیر قریش سے ہوں گے''۔

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۲/۴۴
(۲) نفس مصدر: ۱/۵۷۶
(۳) نفس مصدر: ۲/۵۲
(۴) نفس مصدر: ۱/۵۸۴
(۵) نفس مصدر: ۱۳/۲۱۱، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۶-حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث میقات احرام میں رسول اللہ ﷺ سے پوری تفصیل سنی لیکن اہل یمن کے میقات سے متعلق ایک جملہ براہ راست نہ سن پائے تو اس بارے میں جو دوسروں سے سنا اس کو یوں بیان فرمایا:

"ویھل أھل الیمن من یلملم لم أفقه ھذه من رسول اللہ ﷺ ویزعمون أن رسول اللہ ﷺ قال ویھل أھل الیمن من یلملم". (۱)

اسی طرح اگر راوی کو کسی حدیث میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے متعلق یا اپنے حافظہ کے بارے میں شک ہوا ہے تو وہ بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے مثلاً:

۱- ابو سعیدؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "أھل بیتی والأنصار عیبتی وکرشی" فرمایا تھا یا "کرشی وعیبتی". (۲)

۲- زید بن خالد الجہنیؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قریش والأنصار وأسلم و غفار" یا "غفار وأسلم". (۳)

۳-حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ:

"سأل رجل عمر أنصلی فی ثوب واحد ؟ فقال أوسعوا علی أنفسكم إذا أوسع اللہ علیكم" یا یہ فرمایا: " إذا وسع اللہ علیكم فأوسعوا علی أنفسكم".

حدیث کے راوی عاصم جو محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ سے اس کو روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں: "لا أدری بأیھما بدأ". (۴)

۴-ایک مرتبہ امام شعبہ نے ایک مرفوع حدیث اپنی یادداشت کے مطابق سنائی اور اس کے بعد احتیاطاً فرمایا:

"أنه فی حفظه كذلك وفی زعم فلان وفلان خلافه".(۵)

یعنی ''میرے حافظہ کے مطابق تو اس طرح ہے لیکن فلاں وفلاں نے اس کے خلاف روایت کی ہے''.

۵-محدث ہمامؒ نے حدیث "اشتری النبی ﷺ حلة بسبع وعشرین ناقة" کے بارے میں فرمایا کہ ''میرے حافظہ کے مطابق 'حلۃ' ہے حالانکہ میری کتاب میں ''ثوبا'' لکھا ہوا ہے۔''(۶)

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

''حلۃ'' اور ''ثوبین'' میں کوئی منافات نہیں ہے لیکن محدث نے بکمال احتیاط اس اختلاف کو ظاہر کر دیا ہے، حالانکہ دونوں کا معنی و مطلب ایک ہی ہے''۔(۷)

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۷۸ بتصرف یسیر
(۲) فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۹۷، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب: ص۱۷۶-۱۷۷
(۳)، (۴) نفس مصادر
(۵) فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۳۶، الکفایۃ للخطیب: ص۲۲۴
(۶) فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۳۶، الکفایۃ: ص۲۱۹-۲۲۰
(۷) فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


۶-ایک مرتبہ امام شافعیؒ کو امام مالکؒ کی ایک روایت کے متعلق شک ہوگیا تو فرمایا کہ:

"أنا شككت وقد قرأته على مالك صحيحا لاشك فيه ثم طال على الزمان ولم أحفظ حفظا فشككت في جاريتي أو خازني وغيري يقول عنه خازني". (۱)

یعنی "میں نے امام مالکؒ سے یہ حدیث صحیح طریقہ پر بلا شک حاصل کی تھی لیکن ایک طویل مدت گزر جانے پر مجھے یہ ٹھیک سے یاد نہ رہی، پس مجھے یہ شک لاحق ہوگیا ہے کہ حدیث کے الفاظ "حتي يأتي خازني من الغابة" تھے یا "جاريتي من الغابة". میرے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ "خازنی" مروی ہے۔

۷-حضرت شعبہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث یوں روایت کی کہ آں رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"يبدأ أحدكم فيتشهد ثم يحمد الله ويمجده ويثني عليه بما هو له أهل ثم يصلي على النبي صلى اللى عليه وآله وسلم ثم يسأل لنفسه".

پھر فرمایا:

"لیکن میری کتاب میں "ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وآله وسلم" ساقط ہے لیکن میرے حافظہ کے مطابق ایسا ہی ہے"۔(۲)

اس طرح کے اور بہت سے اقوال کتب احادیث اور کتب مصطلحات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ضبط الفاظ کی ان احتیاطی تدابیر کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ تابعینؒ، اتباع تابعین، اور محدثینؒ وغیرھم کو اگر کبھی روایت بالمعنی کی ضرورت پیش آجاتی تو وہ حدیث بیان کرنے کے بعد "أو كما قال"، "أو نحوه"، "أوشبهه"، "أو ما أشبه" " أو مثله "اور" أو شكله "وغیرہ جیسے الفاظ بھی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حافظ عراقی، سخاوی، سیوطی اور جمال الدین قاسمی وغیرہم رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

"راوی اگر بالمعنی روایت کرے تو اسے حدیث کے اختتام پر "أو كما قال، أو نحوه، أو شبهه، أو ما أشبه هذا" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت بالمعنی میں موجود زلل کے خطرات کے پیش نظر خوف کھاتے ہوئے ایسا کہا کرتی تھی، حالانکہ صحابہ کرام ارباب اللسان اور تمام مخلوق میں رسول اللہ ﷺ کے کلام کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے"۔(۳)

---

(۱) الأم للإمام الشافعی:۳/۲۹، فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۷۸-۱۷۹

(۲) الکفایۃ:۲۲۰، فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۳۶، الارشاد للنووی:۱/۳۵۹

(۳) فتح المغیث للعراقی:ص۲۶۲، التقیید والإیضاح:۱۸۹-۱۹۰، فتح المغیث للسخاوی:۳/۱۴۸، تدریب الراوی:۲/۱۰۲، قواعد التحدیث للقاسمی:ص۲۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوالدرداء کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کرتے تو کہتے "أو نحوه أو شبهه"(۱) علامہ خطیب بغدادیؒ نے حضرت ابوالدرداءؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "اللهم إلا هكذا فكشكله". (۲) ابوادریس الخولانیؒ بیان کرتے ہیں:

" رأيت أبا الدرداء إذا فرغ من الحديث عن رسول الله ﷺ قال هذا أو نحوه أو شكله". (۳)

یعنی "میں نے ابوالدرداء کو دیکھا ہے کہ جب نبی ﷺ کی حدیث بیان کرکے فارغ ہوتے تو کہتے: "قال هذا أو نحوه أو شكله".

امام ابن ماجہ اور امام احمد وغیرھما نے حضرت انس بن مالکؓ کے متعلق روایت کی ہے کہ:

"أنه كان إذا حدث عن رسول الله ﷺ ففرغ قال أو كما قال رسول الله ﷺ". (۴)

"جب وہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کرتے اور اس سے فارغ ہوتے تو کہتے: "أو كما قال رسول الله ﷺ".

امام ابن ماجہ، امام احمد اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق روایت کی ہے کہ ایک دن آں رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"قال رسول الله ﷺ فاغرورقت عيناه وانتفخت أوداجه ثم قال أو مثله أو نحوه أو شبيه به". (۵)

امام دارمیؒ نے اپنی سنن کے باب: "من هاب الفتيا مخافة السقط" میں اس بارے میں اور بہت سے آثار روایت کئے ہیں۔(۶)

آں رحمہ اللہ کے علاوہ امام ابن ماجہؒ نے اپنی "سنن"(۷) میں، خطیب بغدادیؒ نے "الجامع"(۸) میں

---

(۱) تدریب الراوی: ۲/۱۰۳ (۲) الکفایۃ: ص ۲۰۵

(۳) رواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی مجمع الزوائد: ۱/۱۴۱ والخطیب فی الکفایۃ: ص ۲۰۶ وذکرہ السخاوی فی فتح المغیث: ۳/۱۴۸

(۴) سنن ابن ماجہ: ۲۳، ۲۴، سنن الدارمی: ۱/۸۳، ۸۴، الکامل لابن عدی: ۱/۳۲، الکفایۃ: ص ۲۰۶، جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ۱/۷۹، تدریب الراوی: ۲/۱۰۳

(۵) سنن ابن ماجہ: ص ۲۳-۲۴، سنن الدارمی: ۱/۸۳-۸۴، الکامل لابن عدی: ۱/۳۲، الکفایۃ: ص ۲۰۵، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۸، تدریب الراوی: ۲/۱۰۳

(۶) سنن الدارمی: ۱/۷۱-۷۳، قواعد التحدیث: ۲۱۰

(۷) سنن ابن ماجہ: ۱/۱۰-۱۱

(۸) الجامع للخطیب: ۲/۳۵-۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ابن عدیؒ نے ''مقدمۃ الکامل فی الضعفاء''(۱) میں، رامہرمزیؒ نے ''المحدث الفاصل ''(۲) میں اور ابن عبدالبرؒ نے ''جامع بیان العلم وفضلہ''(۳) میں بھی اس طرح کے متعدد آثار واقوال روایت کئے ہیں۔

اگر ان تمام چیزوں کا کھلے ذہن سے مطالعہ کیا جائے تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہمارے سلف وصالحین رحمہم اللہ نے عہد تدوین تک سنت نبوی کو ہر طرح کے نقائص سے محفوظ رکھنے میں کسی طرح کی کوتاہی یا سہل انگاری سے کام نہیں لیا بلکہ اس کے حفظ وضبط اور نقل وادا میں ہر ممکن احتیاط وطریقہ کو استعمال کیا ہے، پس کوئی وجہ نہیں کہ صحاح ومسانید میں جو صحیح احادیث مدون ہیں ان کے حفظ وضبط وادا کے متعلق آج خواہ مخواہ کسی طرح کے شک وشبہ میں مبتلا ہوا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سنت نبوی الحمدللہ آج بھی اصل الفاظ نبوی یا اسکے قریب تر الفاظ وترکیب کے ساتھ اور معنوی اعتبار سے قطعاً انہی تمام صفات کے ساتھ محفوظ ہے جو اس کے محفوظ ہونے کے لئے ضروری ہیں، واللہ اعلم۔

• • •

---

(۱) مقدمۃ الکامل فی الضعفاء لابن عدی: ص۴۳

(۲) المحدث الفاصل للرامہرمزی: ص۵۴۹-۵۵۰

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۱/ ۷۸-۷۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# روایت بالمعنی کے بعض مضمرات
# اصلاحی صاحب کی نظر میں

[ یہ باب بھی حسب سابق جناب اصلاحی صاحب کے ایک مضمون پر مشتمل ہے جو رسالہ ''تدبر'' (۱) لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ اس باب میں جناب اصلاحی صاحب نے ''روایت بالمعنی اور اس کے بعض مضمرات'' کے زیرعنوان بزعم خود ''متن حدیث پر بحث'' کرتے ہوئے روایت بالمعنی کے ''بعض کمزور پہلوؤں'' کی نشاندہی کی ہے اور ''وہ فطری طریقے تجویز کئے (ہیں) جو تحقیق حق میں معین ہو سکتے ہیں''۔]

روایت بالمعنی کا وہ ''کمزور پہلو'' جس کا ذکر محترم اصلاحی صاحب نے بہت زور وشور سے کیا ہے کوئی نیا نہیں بلکہ اسے ذخیرۂ احادیث کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والے ایک زمانہ سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ ''کمزور پہلو'' جناب اصلاحی صاحب کے الفاظ میں ''روایت بالمعنی میں غلطی کا احتمال'' ہے یعنی ''اس لئے کہ ذخیرۂ احادیث کا بہت بڑا حصہ انہی روایات پر مشتمل ہے جو روایت باللفظ کے بجائے روایت بالمعنی ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں'' اس لئے اس میں شک وشبہ کی گنجائش موجود ہے۔ چونکہ قرآن مجید کی طرح احادیث نبوی کے الفاظ ومعانی ہم تک بعینہ اور محفوظ شکل میں منتقل نہیں ہوئے ہیں لہذا اس بات کا امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منشا کو ان راویوں نے کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے کسی حدیث کے معانی ومطالب کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے سبب ان سے غلطی صادر ہوگئی ہو یا راوی نے ادائے مطلب کے وقت موقع ومحل کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں بھی یا نہیں، اس بات کی کوئی واضح ضمانت نہیں ہوتی۔ بہرحال ذیل میں ہم اس باب کے مندرجات، بالخصوص روایت بالمعنی کے ''کمزور پہلوؤں'' نیز فطری تحقیق کے لئے مجوزہ ''فطری طریقوں'' کا جائزہ پیش کریں گے۔

جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی احادیث سند اور متن پر مشتمل ہوتی ہیں، چنانچہ کسی حدیث کے صدق وکذب کے فیصلے میں اس کی سند اور اس کے متن، دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ ان دونوں کے، علم حدیث کے سلسلے میں، اہم عامل ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

جہاں تک اس کے اولین عامل، یعنی سند کا تعلق ہے اس پر جامع بحث ہم 'سند کی عظمت اور اس کے بعض کمزور پہلو' کے تحت کر چکے ہیں۔ اب ہم متن حدیث پر بحث کریں گے تا کہ اس کے بعض کمزور پہلوؤں کی

(۱) رسالہ ''تدبر'' لاہور عدد شمارہ نمبر ۸ ص ۲۲-۳۱، مجریہ ماہ اگست ۱۹۸۳ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


نشاندہی کی جائے اور وہ فطری طریقے تجویز کئے جائیں جو تحقیق حق میں معین ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم روایات کے بالمعنی ہونے کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعض مضمرات کا بھی جائزہ لیں گے۔ یہ اس لئے کہ ذخیرۂ احادیث کا بہت بڑا حصہ انہی روایات پر مشتمل ہے جو روایت باللفظ کے بجائے روایت بالمعنی ہی کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں''۔(۱)

ان سطور میں محترم اصلاحی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں راقم کو دو قابل وضاحت چیزیں نظر آتی ہیں۔ پہلی (۱) تو یہ کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہی سند اور متن پر مشتمل نہیں ہوتیں بلکہ سند اور متن ہر حدیث کے دو لازمی جزو ہیں، خواہ اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ہو یا کسی اور سے۔ اور دوسری (۲) قابل وضاحت چیز یہ ہے کہ محترم اصلاحی صاحب کا یہ دعوی کہ ''ذخیرۂ احادیث کا بہت بڑا حصہ انہی روایات پر مشتمل ہے جو روایت باللفظ کے بجائے روایت بالمعنی ہی کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں''۔ دراصل علامہ سیوطیؒ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ ''اکثر احادیث بالمعنی مروی ہیں''۔(۲) لیکن ذخیرۂ احادیث کے بہت بڑے حصہ کو روایت بالمعنی پر مشتمل بیان کرنا خلاف واقعہ ہے جیسا کہ رواں باب کے حصہ اول میں عنوان ''اکثر احادیث کے بالمعنی مروی ہونے کی حقیقت'' کے تحت واضح کیا جا چکا ہے۔

آگے چل کر محترم اصلاحی صاحب روایت بالمعنی کی معقولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''روایت حدیث کا بالمعنی ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کوئی معقول آدمی اعتراض کر سکے۔ احادیث کے لئے قرآن کی طرح الفاظ کی پابندی کے ساتھ روایت کی قید اس کام کو بالکل ناممکن بنا دیتی۔ قرآن وحدیث کے کام کی نوعیت میں بڑا فرق تھا دین میں دونوں کے مقام اور حیثیت میں بھی بڑا فرق ہے۔ قرآن مجید کی روایت کے لئے الفاظ کی قید لازمی ہے۔ اگر یہی پابندی روایت حدیث سے متعلق بھی کر دی جاتی تو یہ ایک ناممکن ہدف ہوتا جو حکمت نبوی کے ایک بڑے ذخیرہ سے محروم کر دیتا۔

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو وہ جبریل امینؑ، نبی ﷺ اور کاتبین وحی، تینوں کا مشترکہ معاملہ ہے۔ جبریل امینؑ اسے لائے، نبی ﷺ پر وہ نازل ہوا اور آپؐ نے کاتبین وحی کو اس کو ضبط کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسکے برعکس احادیث کا معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، جلوت میں، خلوت میں، بازار کے اندر، گھر کے اندر، مسجد کے اندر، جہاد کے دوران میں، سفر میں، حضر میں غرض ہر جگہ اور ہر وقت کوئی بات فرما رہے ہیں، کوئی عمل کر رہے ہیں یا کسی چیز کی تصویب فرما رہے ہیں تو ہزاروں لوگ اس کے شاہد ہیں۔ وہ اپنے مشاہدہ کو دوسروں کے آگے بیان کرتے ہیں تا کہ ہر مسلمان اس سے واقف ہو جائے اس لئے کہ پیغمبر ﷺ امت کے لئے

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۱۰۰ (۲) الاقتراح: ص ۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


اسوۂ کامل اور آئیڈیل ہیں۔ آپؐ کی تو آنکھوں کی گردش اور لقمہ اٹھانے کا انداز تک بھی امت کے لئے نمونہ ہے۔ اب اگر ان بیان کرنے والوں پر یہ قید عائد کر دی جاتی کہ حضورؐ کے فرمان ان کے اپنے الفاظ ہی میں روایت کریں ،یعنی روایت باللفاظ ہی ہوتو میرا خیال ہے کہ علم نبوی (ﷺ) کا پچانوے فی صد غائب ہو جاتا اور یہ امت کے لئے عظیم سانحہ اور بڑا خسارہ ہوتا''۔(۱)

ان سطور کے مرکزی خیال سے راقم کو مکمل اتفاق ہے اور یہ وہی چیز ہے جو باب اول کے عنوان ''وحی کا کچھ حصہ الفاظ میں اور کچھ معانی میں نازل کئے جانے کی مصلحت'' کے تحت بیان کی جا چکی ہے، لیکن منقولہ بالا اقتباس میں چند ایسی چیزیں بھی آگئی ہیں جو نہ صرف یہ کہ خلاف واقعہ ہیں بلکہ انتہائی مضر بھی ہیں، مثال کے طور پر فرماتے ہیں: ''قرآن وحدیث کے کام کی نوعیت میں بڑا فرق تھا۔ دین میں دونوں کے مقام اور حیثیت میں بھی بڑا فرق ہے''۔ حالانکہ استنباط مسائل کے لئے شریعت میں قرآن وحدیث کا مقام قطعی طور پر ایک ہی ہے۔ ان دونوں کے دائرہ کار یا کام کی نوعیت یا مقام وحیثیت کے اعتبار سے ان کے مابین فرق کرنا درست نہیں بلکہ باطل ہے۔ سنت پر قرآن کریم کی تقدیم کی جو وجوہ عموماً بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام ناقابل استدلال ہیں۔ تفصیل کے لئے باب اول کے ذیلی عنوان ''اصول شریعت میں حدیث وسنت کی ثانوی حیثیت ناقابل قبول ہے'' کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

دوسری خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ ''اگر یہی پابندی روایت حدیث سے متعلق بھی کر دی جاتی تو یہ ایک ناممکن ہدف ہوتا الخ''۔ حالانکہ جن لوگوں کو علوم حدیث پر بصیرت حاصل ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں روایت حدیث کے متعلق بھی یہ پابندی قائم ہے، مثال کے طور پر تکبیر، تشہد، اذان، شہادت، ادعیہ مسنونہ اور وہ چیزیں جن کا تعلق جوامع الکلم سے ہے ان سب کی روایت کے لئے الفاظ کی قید لازمی ہے۔

تفصیل کے لئے باب رواں (حصہ اول) کے عنوان ''روایت بالمعنی کے جواز کے لئے شرائط'' کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

تیسری خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ روایت بالمعنی پر مشتمل ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''...... جو حکمت نبوی کے ایک بڑے ذخیرہ سے محروم کر دیتا''۔ آگے چل کر آنجناب نے اس بڑے ذخیرہ کی تعیین بھی فرما دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''میرا خیال ہے کہ علم نبی (ﷺ) کا پچانوے فی صد غائب ہو جاتا اور یہ امت کے لئے عظیم سانحہ اور بڑا خسارہ ہوتا''___ گویا ذخیرۂ احادیث کا پچانوے فیصد حصہ بالمعنی مروی ہے۔ اس خام خیالی پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے، لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اصلاحی صاحب محترم نے لکھا ہے کہ ''......

(۱) مبادئ تدبر حدیث ۱۰۰-۱۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


نبی ﷺ ......کوئی عمل کر رہے ہیں یا کسی چیز کی تصویب (تقریر) فرما رہے ہیں تو ہزاروں لوگ اس کے شاہد ہیں۔ وہ اپنے مشاہدہ کو دوسروں کے آگے بیان کرتے ہیں تاکہ ہر مسلمان اس سے واقف ہو جائے......آپؐ کی تو آنکھوں کی گردش اور لقمہ اٹھانے کا انداز تک بھی امت کے لئے نمونہ ہے۔ اب اگر ان بیان کرنے والوں پر یہ قید عائد کر دی جاتی کہ حضورؐ کے فرمان ان کے اپنے الفاظ ہی میں روایت کریں یعنی روایت باللفاظ ہی الخ"۔ میں پوچھتا ہوں کہ جو عمل خود رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہوتے یا جو عمل آپؐ کی موجودگی میں کیا جا رہا ہوتا، اور آپؐ اس پر نکارت نہیں فرماتے اور ہزار ہا لوگ ان چیزوں کا مشاہدہ کر رہے ہوتے وہ آخر ان چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کے اپنے الفاظ میں کس طرح روایت کر سکتے تھے؟ کیا آپؐ کی آنکھوں کی گردش اور آپؐ کے لقمہ اٹھانے کے انداز کی بھی کوئی زبان ہوتی تھی؟ اگر نہیں تو پھر آخر ان چیزوں کے متعلق باللفاظ روایت کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟

آگے چل کر محترم اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک اس شرط کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لئے کہ قرآن کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر قرآن کی تدوین میں، ـــــ معاذ اللہ کوئی خرابی پیدا ہو جاتی تو دین کی ہر چیز میں خرابی پیدا ہو جاتی ـــــ اس میں ذرا سی بھی غلطی اور چوک "تا ثریا می رود دیوار کج" کے مصداق بڑے خطرناک نتائج برآمد کر دیتی۔ اس کے برعکس اگر حدیث میں کوئی نقص رہ جاتا تو اس کو قرآن مجید اور سنت عملی کی کسوٹی پر پرکھ کر درست کیا جا سکتا تھا۔ سنت نبوی کی ترویج کے لئے قابل عمل طریقہ یہی تھا کہ نبی ﷺ کے طریقے، ان کے عمل، ان کے قول اور ان کی تصویب کو زیادہ سے زیادہ روایات کی شکل میں محفوظ کر لیا جائے اور روایت میں اگر کوئی کمزوری راہ پا جائے تو اسے قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر درست کر لیا جائے۔ چنانچہ ذخیرۂ روایات کا غالب حصہ بالمعنی روایت پر مبنی ہے"۔(۱)

ان سطور میں محترم اصلاحی صاحب نے صحت حدیث پرکھنے کے لئے قرآن مجید کو کسوٹی قرار دیا ہے حالانکہ حدیث کو قرآن مجید یا سنت عملی کی خود ساختہ کسوٹی پر پیش کرنا خلاف اصول ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ان شاء اللہ آگے باب ہشتم: "حدیث کے غث وسمین میں امتیاز کے لئے اساسی کسوٹیاں ـــــ اصلاحی صاحب کی نظر میں (تیسری کسوٹی: قرآن مجید، ایک جائزہ)" اور باب نہم: "تدبر حدیث کے چند بنیادی اصول ـــــ اصلاحی صاحب کی نظر میں (پہلا بنیادی اصول- قرآن مجید ہی امتیاز کی کسوٹی ہے)" کے تحت قرآن مجید کے معیار حدیث نہ ہونے کے متعلق عقلی و نقلی دلائل پیش کئے جائیں گے۔

## روایت بالمعنی کی مشروط اجازت

اس عنوان کے تحت جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"الكفاية في علم الرواية" کے مصنف، خطیب بغدادی نے اپنی کتاب کے باب "ذكر الحجة في

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث: ۱۰۱-۱۰۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



إجازة رواية الحديث علی المعنی" میں حدیثیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بھی بعض شرائط کے ساتھ روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے، مثلاً بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ:

"قلنا لرسول الله ﷺ : بأبينا أنت وأمنا يا رسول الله إنا لنسمع الحديث فلا نقدر على تأديته كما سمعناه قال إذا لم تحلوا حراما ولا تحرموا حلالا فلا بأس". (۱)

ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہم آپ سے حدیث سنتے ہیں، لیکن اس کو ٹھیک ٹھیک، اس طریقہ سے ادا نہیں کر سکتے جس طرح آپ سے سنا تھا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اگر تم نقل اس طرح سے کرو کہ کوئی حرام، حلال نہ بن جائے اور کوئی حلال، حرام نہ بن جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نوع کا تصرف معنوی نہ ہو جائے تو روایت بالمعنی میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

مذکورہ بالا حدیث کی تخریج امام طبرانیؒ نے "المعجم الکبیر" (۳) میں اور ابن مندہؒ نے "معرفۃ الصحابہ" (۴) میں خطیب بغدادیؒ کے طریق ہی سے یوں فرمائی ہے:

"حدثنا وليد بن سلمة الفلسطيني قال أخبرني يعقوب بن عبد الله بن سليمان بن أكيمة الليثي عن أبيه عن جده قال: أتينا النبي ﷺ فقلنا له بآبائنا وأمهاتنا يا رسول الله إنا نسمع منك الحديث فلانقدر أن نؤديه كما سمعنا قال إذا لم تحلوا حراما ولم تحرموا حلالا وأصبتم المعنى فلا بأس".

علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس حدیث کی تخریج ان الفاظ کے ساتھ بھی فرمائی ہے:

" قلنا يا رسول الله إنا نسمع منك الحديث فلا نقدر على تأديته كما سمعنا قال إذا لم تحرموا حلالا ولا تحلوا حراما وأصبتم المعنى فلا بأس". (۵)

ابن الحاجب، حافظ سخاوی اور علامہ سیوطی وغیرھم رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کو معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (۶) اس حدیث کے متعلق امام ھیثمیؒ فرماتے ہیں: "لم أر من ذكر يعقوب ولا أباه" (۷)

امام سخاویؒ کا قول ہے کہ: "یہ حدیث مضطرب اور غیر صحیح ہے، بلکہ جوزقانی (۸) اور ابن الجوزی نے تو اسے موضوعات میں روایت کیا ہے، پس محل نظر ہے"۔ (۱)

---

(۱) الکفایہ فی علم الروایۃ: ص۱۹۹ — (۲) مبادئ تدبر حدیث: ۱۰۲-۱۰۳

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی نمبر ۶۴۹۱ — (۴) معرفۃ الصحابۃ لابن مندہ: ۲/ ۲ص ۲۸۲

(۵) الکفایۃ: ص۲۰۰

(۶) مختصر لابن الحاجب: ۲/ ۷۰، فتح المغیث للعراقی: ص۲۶۱، فتح المغیث للسخاوی: ۳/ ۱۴۵، تدریب الراوی: ۲/ ۹۹

(۷) مجمع الزوائد للہیثمی: ۱/ ۱۵۴ — (۸) الأباطیل للجوزقانی: ۱/ ۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علامہ سخاویؒ کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ''الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' (۲) میں ''الموضوعات'' لابن الجوزی میں اس حدیث کے موجود ہونے کی صراحت کی ہے لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اس حدیث کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے ''المعتبر'' (۳) کا بھی مطالعہ مفید ہوگا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مذکورہ بالا حدیث کے ''مضطرب اور غیر صحیح'' ہونے کے باعث اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

اسی عنوان کے تحت آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کی یہ اجازت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان لفظوں میں نقل ہوئی ہے:

"قال سأل رجل النبي ﷺ فقال يا رسول الله إنك تحدثنا حديثا لا نقدر أن نسوقه كما نسمعه فقال إذا أصاب أحدكم المعنى فليحدث". (۴)

وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ ہم سے کوئی حدیث بیان فرماتے ہیں اور ہم اس امر پر اپنے تئیں قادر نہیں پاتے کہ اسے اسی طرح سے ادا کریں جیسا کہ آپ سے سنتے ہیں تو ہم کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا..... جب تم میں سے کوئی شخص معنی و مفہوم درست ادا کرے تو حدیث بیان کردے۔

مطلب یہ ہے کہ بات راوی کے اعتماد پر چھوڑنی پڑے گی۔ وہی فیصلہ کرے گا کہ میں مطلب ادا کر پایا ہوں یا نہیں۔ یہ اجتہاد کی بات ہے۔ وہ بہرحال روایت کرنے کا مجاز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ سے روایت بالمعنی کی اجازت اصولاً ہے۔

بعد کے واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عملاً یہی مسلک اہل روایت کا معمول بہ مسلک رہا ہے۔ میں مثال کے طور پر بعض اقوال نقل کرتا ہوں (پھر محترم اصلاحی صاحب نے واثلہ بن الأسقع، ابوسعید، محمد بن سیرین، حسن، شعیب بن الحجاب اور حضرت انسؓ کے متعلق روایات نقل کی ہیں اور فرماتے ہیں:)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے روایت بالمعنی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ البتہ اس کے لئے یہ شرط رکھی کہ راوی مفہوم کو صحیح ادا کردے۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ اور محدثین نے اسی شرط کے ساتھ روایت بالمعنی کو قبول کیا''۔ (۵)

سطور بالا میں جناب اصلاحی صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جو حدیث نقل کی ہے اس کی تخریج علامہ خطیب بغدادیؒ نے بطریق احمد بن محمد بن غالب ابو عبد الله قال ثنا الحسن بن قزعة قال ثنا عبد العزيز بن أبي عبد الرحمن عن حبيب بن أبي مرزوق عن سعيدبن جبير عن عبد الله بن مسعود قال سأل رجل النبي ﷺ به" کی ہے۔ لیکن اس کا راوی احمد بن محمد بن غالب ابوعبداللہ

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۵، حاشیہ بر تدریب الراوی لعبدالوہاب عبداللطیف: ۲/۹۹

(۲) الاصابۃ لابن حجر: ۳/۲۷ (۳) المعتبر للزرکشی: ص ۱۳۳

(۴) الکفایۃ: ص ۲۰۰ (۵) مبادئ تدبر حدیث: ص ۱۰۳-۱۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انتہائی مجروح راوی ہے۔امام دار قطنیؒ نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔امام ابوداود السجستانیؒ نے اس کی موت پر اس کی نماز جنازہ پڑھنی گوارہ نہ کی تھی۔آپ فرماتے تھے:"أخشی أن یکون دجال بغداد"امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ کہا کرتا تھا:''ہم نے عوام کے دلوں کو پگھلانے اور نرم کرنے کے لئے احادیث گھڑی ہیں''۔ابن عدیؒ کا قول ہے "أمره بین"۔امام ابواحمد الحاکمؒ کا قول ہے:"أحادیثه کثیرة لا تحصی کثرة وهو بین الأمر فی الضعف"۔امام ابن الجوزی ''التحقیق'' میں فرماتے ہیں:''وہ جھوٹا تھا اور حدیثیں گھڑا کرتا تھا''۔ابوحاتمؒ کا قول ہے:"روی أحادیث مناکیر عن شیوخ مجهولین ولم یکن عندی ممن یفتعل الحدیث وکان رجلا صالحا"۔ ملا طاہر پٹنی گجراتی فرماتے ہیں:''کبار وضاعین میں سے تھا''۔تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ (۱) کے تحت درج شدہ کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

پس یہ حدیث بھی ''موضوع'' ہونے کے باعث قطعاً ناقابل احتجاج قرار پائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس من گھڑت حدیث سے مطلب اخذ کرتے ہوئے جناب اصلاحی صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ ''بات راوی کے اعتماد پر چھوڑنی پڑے گی۔وہی فیصلہ کرے گا کہ میں مطلب ادا کر پایا ہوں یا نہیں''۔تو میں کہتا ہوں کہ یہ معاملہ صرف روایت بالمعنی کی صورت کے لئے ہی خاص نہیں ہے بلکہ روایت باللفظ کی صورت میں بھی معاملہ راوی کے اعتماد پر ہی چھوڑنا پڑے گا کہ میں بلا تقدیم وتاخیر اور زیادتی ونقص بعینہ وہی الفاظ ادا کر پایا ہوں یا نہیں؟ پھر یہ کوئی اجتہاد کی بات بھی نہیں جیسا کہ جناب اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے، بلکہ راوی کے اپنے حافظہ پر یقین واطمینان، خود اعتمادی اور شعور عامہ (Common Sense) کی بات ہے۔''اجتہاد'' دراصل ایک شرعی اصطلاح ہے جسے عرف عام میں ''قیاس'' بھی کہا جاتا ہے۔کسی مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کسی مسئلہ کی نسبت حدیث میں حکم بصراحت موجود نہ ہو، یا حکم تو ہو لیکن دوسری حدیثیں اس کے معارض ہوں۔علامہ ابن الاثیرؒ ''النہایۃ'' میں اجتہاد کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

''اجتہاد دراصل طلب امر میں بذل الوسع ہے جو جہد طاقت سے افتعال ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم کے پاس جو مقدمہ پیش ہوا سے وہ کتاب وسنت کی طرف بطریق قیاس لوٹائے اور ایسی رائے کو جو محض اس کی اپنی شخصی رائے ہو اور وہ کتاب وسنت پر محمول بھی نہ ہو اس کی طرف نہ لوٹائے''۔(۲)

علامہ خطابیؒ ''معالم السنن'' میں فرماتے ہیں:

---

(۱) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم:۱/۱،ص۷۳،الضعفاء والمتروکین للدارقطنی:نمبر۵۸،الکامل فی الضعفاء لابن عدی:۱/ق نمبر۶۳،المجروحین لابن حبان: ۱/۱۵۰،تاریخ بغداد للخطیب:۵/۸۷،المغنی فی الضعفاء للذھبی:ص۴۴۰،میزان الاعتدال للذھبی:۱/۱۴۱،الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی:۱/۸۸،العلل المتناھیۃ لابن الجوزی:۲/۲۶۲،۳۴۹،الموضوعات لابن الجوزی:۱/۴۰،۲۲۴،۲۸۸،۳۱۳،۴۱۴،۲/۱۳۴،۳/۱۱۳،۱۹۲،الکشف الحثیث للحلبی:ص۷۱، اللسان:۱/۲۷۲-۲۷۴،نصب الرایۃ للزیلعی:۴/۳۲۱،قانون الموضوعات للفتنی:۲۳۷

(۲) کما فی تحفۃ الأحوذی:۲/۶۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


"يريد الاجتهاد فى رد القضية من طريق القياس إلى معنى الكتاب والسنة ولم يرد الرأى الذى يسنح له من قبل نفسه أو يخطر بباله من غير أصل من كتاب أو سنة الخ". (۱)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

''حضرت معاذؓ کی حدیث میں یہ قول کہ "اجتهد رأئى" کے جوہر لفظ میں مبالغہ قائم ہے اور اسکی بنیاد ''افتعال، اعتمال، سعی اور بذل الوسع ہے''۔(۲)

علامہ راغب اصبہانیؒ فرماتے ہیں:

''جہد'' طاقت ومشقت ہے اور اجتہاد نفس کو بذل طاقت کے ساتھ لینا نیز مشقت اٹھانا ہے۔کہا جاتا ہے: "جهدت رأئى" اور "اجتهدت" یعنی "أتعبته بالفكر". (۳)

صاحب ''المجمع'' فرماتے ہیں:

''حدیث معاذ میں "أجتهد رأئى" مروی ہے۔اس اجتہاد کا مطلب قیاس کے ذریعہ کتاب وسنت کے مطابق طلب امر میں بذل الوسع ہے''۔(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''طلب امر میں بذل الجہد اجتہاد ہے اور اصطلاحاً حکم شرعی کی معرفت تک پہنچنے کے لئے بذل الوسع اجتہاد کہلاتا ہے''۔(۵)

علامہ ابوالولید محمد بن احمد المعروف بابن رشد القرطبیؒ (۵۹۵ھ) مسکوت عنہ جزئی کی کڑی دلیل شرعی سے جوڑ دینے کو اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وأما القياس الشرعى فهو إلحاق الحكم الواجب لشىء ما بالشرع بالشئ المسكوت عنه لشبهه بالشىء الذى أوجب الشرع له ذلك الحكم أو العلة جامعة بينهما". (۶)

''(اجتہاد یا) قیاس شرعی اس کو کہتے ہیں کہ جو حکم شریعت میں کسی چیز کے لئے ثابت ہو چکا ہے اس حکم کو آپس میں مشابہت یا ان کے مابین علت جامعہ مشترک ہونے کے باعث اس چیز کے اوپر بھی چسپاں کیا جائے جو مسکوت عنہ ہو''۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ کا قول ہے:

''واما قیاس پس در اصطلاح فقہاء: حمل معلوم بر معلوم است در اثبات حکم یا نفی او بامر جامع میان ہر دو از حکم

---

(۱) کمافی عون المعبود: ۳/۳۳۳ وتحفۃ الأحوذی: ۲/۲۷۶

(۲) کمافی تحفۃ الأحوذی: ۲/۲۷۶

(۳) کمافی عون المعبود: ۳/۳۳۰ وتحفۃ الاحوذی: ۲/۲۷۶

(۴) کمافی عون المعبود: ۳/۳۳۱

(۵) فتح الباری: ۳/۲۹۹

(۶) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد: ۱/۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


یا صفت واختارہ جمہور المحققین''۔(۱)

''اور جو قیاس ہے تو وہ فقہاء کی اصطلاح میں معلوم کا معلوم پر حمل ہے، حکم کے اثبات یا نفی میں، یا حکم اور صفت ہر دو کے مابین امر جامع کے ساتھ، اور اس کو جمہور محققین نے اختیار کیا ہے''۔

''اجتہاد'' کے متعلق مشہور علمائے حنفیہ میں سے ملاجیون فرماتے ہیں:

"تقدير الفرع بالأصل فى الحكم والعلة". (۲)

''حکم اور علت میں فرع کو اصل کے مطابق کرنا''۔

''حسامی'' میں ہے:

"إذ أخذوا حكم الفرع من الأصل سموا ذلك قياسا لتقديرهم الفرع بالأصل فى الحكم والعلة". (۳)

''فقہاء جب فرع کا حکم اصل سے نکالتے ہیں تو اس کو قیاس کہتے ہیں کیونکہ اس صورت میں وہ حکم اور علت کے معاملہ میں فرع کا اندازہ اصل کے ساتھ لگا لیتے ہیں''۔

''التوضیح مع التلویح'' میں ہے:

"رد الشىء إلى نظيره أى الحكم على الشىء بما هو ثابت لنظيره". (۴)

''کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی جو حکم اس کی نظیر کا ہے وہی حکم اس شئی کا قرار دینا''۔

اور جناب تقی الدین امینی صاحب فرماتے ہیں:

''فقہاء کی اصطلاح میں علت کو مدار بنا کر کسی سابقہ فیصلہ اور نظیر کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس (یا اجتہاد کہتے ہیں)''۔(۵)

(اس بارے میں مزید تفصیلی بحث ان شاء اللہ باب ششم (اخبار آحاد کی حجیت) کے تحت پیش کی جائے گی۔)

اجتہاد کی مذکورہ بالا ان تمام تعریفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو کوئی بھی حدیث بیان کرتے وقت اس کے صحیح اور پورے مطلب کی ادائیگی کا یقین ہونا اجتہادی یا قیاسی امر نہیں ہے جیسا کہ جناب اصلاحی صاحب نے سمجھا ہے، بلکہ اس کا اپنی یادداشت وحافظہ پر کلی اعتماد اور ادائیگی مدعاء پر اس کے اطمینان ویقین کا معاملہ ہے، اور ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں کا تعلق براہ راست حسیات اور شعور عامہ سے ہے۔

جناب اصلاحی صاحب نے ''روایت بالمعنی کی مشروط اجازت'' کے اختتام پر تمام بحث کا نچوڑ ان الفاظ میں

---

(۱) إفادة الشيوخ: ۱۲۱
(۲) نور الأنوار مبحث القياس: ۲۲۴
(۳) حسامی: ص ۹۱
(۴) التوضیح مع التلویح، مبحث القیاس
(۵) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: ص ۱۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پیش کیا ہے:۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے روایت بالمعنی کی اجازت مرحمت فرمائی، البتہ اس کے لئے یہ شرط رکھی کہ راوی مفہوم کو صحیح ادا کر دے۔ جیسا کہ آپ نے اوپر ملاحظہ کیا ہوگا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب روایت بالمعنی کی مذکورہ مشروط اجازت کی نسبت درست نہیں ہے کیونکہ جس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے وہ خانہ ساز ہونے کے باعث ناقابل حجت ہے۔

## روایت بالمعنی میں غلطی کا احتمال:

اس ذیلی عنوان کے تحت جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''اس میں شبہ نہیں کہ راوی ذہین ہو تو وہ دوسرے کی قابل اعتماد ترجمانی کر سکتا ہے۔ اگر ترجمانی نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ اس امر کی ضرور وضاحت کر سکتا ہے کہ اس بات کو آپ یوں سمجھ لیجئے۔ اس طرح وہ روایت کے مجرد الفاظ سے بڑھ کر اس کی شرح کر دیتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بالمعنی روایت میں غلطی کے احتمالات ہیں۔

روایت بالمعنی کی اس کمزوری کی متعدد مثالیں خود نبی ﷺ کے زمانے سے دی جا سکتی ہیں۔ میں بطور مثال، سونے کے وقت کی مشہور دعاء میں راوی نے جو فرق کیا اسے پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ راوی سے اس کے معنی میں جو غلطی ہوگئی تھی خود نبی ﷺ نے اس پر متنبہ فرمایا:

"عن البراء بن عاذب ، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلوٰة ثم اضطجع على شقك الأيمن وقل: اللهم أسلمت نفسى إليك وفوضت أمرى إليك وألجأت ظهرى إليك رهبة ورغبة إليك۔ لا ملجأ ولا منجأ منك إلا إليك ۔آمنت بكتابك الذى أنزلت وبنبيك الذى أرسلت فإن مت، مت على الفطرة فاجعلهن آخر ما تقول۔ فقلت: استذكرهن وبرسولك الذى أرسلت ۔ قال: لا ونبيك الذى أرسلت"۔ (صحیح البخاری: کتاب الدعوات، باب إذا بات طاہرا''۔)

حضرت براء بن عاذب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنی خواب گاہ میں جانے کا ارادہ کرو تو وضو کرو جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہو۔ پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاؤ اور یہ دعاء کرو: اے میرے رب! میں نے اپنے تئیں تیرے حوالے کیا اور میں نے اپنے جملہ معاملات تیرے سپرد کئے اور تجھے اپنا پشت پناہ بنایا، تیرے عذاب سے ترساں اور تیری رحمت کا آرزومند ہو کر۔ تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور تیرے سوا کوئی نجات بخشنے والا نہیں۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے رسول بنا کے بھیجا (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ) اگر تو اس حالت میں مر جائے تو فطرت پر مرے گا۔ تو ان دعائیہ کلمات کو اپنے دن رات کی آخری گفتار بنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے 'وبرسولك الذى أرسلت' یاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرلیاتو آپؐ نے اصلاح فرمائی کہ نہیں 'و نبیك الذی أرسلت' کہو۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے سونے کے وقت کے آداب اور دعا سکھانے کے بعد جب اس حدیث کے راوی براء بن عازبؓ سے دعا کے الفاظ دہرانے کے لئے کہا تو انہوں نے اس کے آخر میں "و بنبیك الذی أرسلت" کی جگہ "و برسولك الذی أرسلت" کردیا۔ ان کی اس غلطی پر آپؐ نے ٹوکا اور اصلاح فرمادی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی غلطی ہوگئی تھی جس کا تعلق دین کی ایک حقیقت سے تھا۔ اس لئے کہ 'برسولك الذی أرسلت' میں نبی ﷺ کا جو اصل منصب ہے کہ آپؐ نبی ہیں اور نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی ہیں وہ واضح نہیں ہوتا۔ ہم اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں نبی اور رسول کے لطیف فرق پر کماحقہ لکھ چکے ہیں۔ اسے ملاحظہ فرمالیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر پیغمبر نبی ہوتا ہے اور بعض نبی، نبی ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی ہوتے ہیں۔ رسول کا منصب نبی سے بدرجہا بالاتر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی قوم کے لئے عدالت بن کے آتا ہے، اس کے ہاتھوں بہرحال قوم کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ اگر اس کے انذار وتبشیر کو قبول نہیں کیا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قوم تباہ کردی جاتی ہے اور اگر قوم دعوت قبول کرتی ہے تو اسے لازماً غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ نبی کے لئے ایسا ضروری نہیں ہے۔ اب یہاں 'و بنبیك ألذی أرسلت' (اور تیرا وہ نبی جسے تو نے رسول بنا کے بھیجا) سے حضور کا اصل منصب واضح ہوتا ہے جبکہ 'و برسولك الذی أرسلت' (اور تیرا وہ رسول جسے تو نے مبعوث فرمایا) میں آنحضرت ﷺ کے اصل منصب کی وضاحت نہیں ہوتی۔ نیز اس صورت میں 'الذی أرسلت' کے الفاظ زائد ہوجاتے ہیں اور پہلی اور اصل صورت میں ان الفاظ میں معنی کا ایک سمندر آجاتا ہے اور ان کی افادیت بھی واضح ہوجاتی ہے۔

یہ تو ایک مثال تھی جس میں خود نبی ﷺ نے ایک راوی کو اس کی غلطی پر متنبہ کیا۔ کیونکہ اس کی روایت سے معنی میں ایک ایسا فرق پیدا ہوگیا تھا جس سے فلسفۂ دین کی تعبیر میں غلطی ہوجاتی الخ''۔(۱)

جناب اصلاحی صاحب کی اس طویل تر عبارت میں جو چیزیں قابل مواخذہ محسوس ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱- حضرت براء بن عازبؓ کی مذکورہ بالا حدیث کو روایت بالمعنی کے باعث غلطی کی مثال کے طور پر پیش کرنا قطعاً غلط ہے کیونکہ اس حدیث کے بالمعنی مروی ہونے کا دعویٰ محتاج دلیل ہے۔ سونے کے وقت کی اس مشہور دعاء میں حضرت براء بن عازبؓ سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی وہ بالمعنی روایت کرنے کے باعث نہیں بلکہ دعا کو غلط یاد کرلینے کے باعث ہوئی تھی، جیسا کہ خود حدیث کے الفاظ " استذکرهن " سے واضح ہے۔

۲- جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ کی مذکورہ غلطی سے اس کے

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۱۰۶-۱۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


معنی میں فرق آ گیا تھا کیونکہ بقول امام سخاویؒ وغیرہ:

''یہ چیز قطعی طور پر محقق ہے کہ دونوں لفظوں کا معنی متحد ہے کیونکہ محدث عنہا ایک ہی ذات ہے، پس موصوف کو اس کی جس صفت سے بھی پکارا جائے اس کی مراد و منشا ایک ہی ذات قرار پائے گی''۔(۱)

۳-جناب اصلاحی صاحب نے متن حدیث نقل کرنے میں جو چند غلطیاں کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

"عن براء بن عاذب قال ......" میں "عاذب" 'ذال' کے ساتھ نہیں بلکہ 'زاء' کے ساتھ ہے۔ عربی عبارت، اردو ترجمہ اور آگے بھی ص ۱۰۸ سطر ۲ پر براء بن عازب کو 'ذال' کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح "قال رسول الله ﷺ" کے درمیان ''لی'' محذوف ہے، پھر "وقل اللهم اسلمت نفسی" میں ''نفسی'' کے بجائے "وجهی" مروی ہے اور آگے چل کر "رهبة ورغبة إليك" کو تقدیم و تاخیر کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسی طرح اختتام پر "قال لا ونبيك" نہیں بلکہ "قال لا وبنبيك" ہے ترجمہ میں بھی "ونبيك الذی ارسلت" لکھا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔(۲)

۴-چوتھا مواخذہ اصلاحی صاحب محترم کے اس قول پر ہے کہ: ''اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے سونے کے وقت کے آداب اور دعاء سکھانے کے بعد جب اس حدیث کے راوی، حضرت براء بن عاذبؓ (عازبؓ) سے دعا کے الفاظ دہرانے کے لئے کہا تو انہوں نے اس کے آخر میں الخ''۔ میں پوچھتا ہوں کہ جناب اصلاحی صاحب کو اس بات کا علم کیوں کر ہوا کہ نبی ﷺ نے حضرت براء بن عازبؓ کو یہ دعا سکھانے کے بعد اس کے ''الفاظ دہرانے کے لئے کہا'' تھا؟ جبکہ حدیث مذکور میں اس امر کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔ اگر اسے عقل عامہ کا تقاضہ کہا جائے تو میں عرض کروں گا کہ اس بات کا بھی تو امکان ہے کہ خود براء بن عازبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا سیکھ کر اس کی اصلاح کے لئے آپ کو یہ دعاء سنائی ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آں رضی اللہ عنہ یاد کرنے کے بعد یہ دعاء کسی دوسرے صحابی کو آں ﷺ کی موجودگی میں بتا رہے ہوں تو نبی ﷺ نے انہیں ان کی غلطی پر متنبہ فرمایا ہو۔ شیخ سعید احمد پالن پوری حنفی (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے ہمارے پہلے امکان کو ہی ترجیحاً بیان کیا ہے، چنانچہ ''نخبۃ الفکر فی مصطلح أهل الأثر'' کی اردو شرح میں ''متن حدیث میں تبدیلی'' کے زیر عنوان مختصراً لکھتے ہیں:

''**متن حدیث میں تبدیلی**: حضرت براء رضی اللہ عنہ نے تصحیح کے لئے آنحضور ﷺ کے سامنے دعاء کے کلمات دہرائے تو بنبيك کی جگہ برسولك پڑھ گئے۔ آنحضور ﷺ نے ٹوکا اور فرمایا کہ نہیں "بنبيك الذی ارسلت" پڑھو۔ یعنی "بنبيك" کو برسولك سے نہ بدلو حالانکہ رسول نبی ضرور ہوتا ہے نیز رسول کا مرتبہ بھی بڑا ہے مگر آنحضور ﷺ نے یہ تبدیلی گوارہ نہ فرمائی تو پھر دوسرے تغیرات کیسے پسند کئے جا سکتے ہیں''۔(۱)

(۱) فتح المغیث للسخاوی: ۲/۱۴۶ (۲) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱۱/۱۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۵- پانچواں مواخذہ جناب اصلاحی صاحب کے اس فائدہ سے متعلق ہے جو بظاہر اس روایت سے ماخوذ ہے لیکن اس میں محترم اصلاحی صاحب نے دراصل علامہ قرطبیؒ کی اتباع کی ہے جو بیان کرتے ہیں کہ:

''یہ حدیث ان لوگوں کے لئے حجت ہے جو بالمعنی حدیث کونقل کرنا جائز نہیں سمجھتے اور یہی چیز امام مالکؒ کے مذہب کی رو سے صحیح ہے۔ کیونکہ نبوت اور رسالت اصل الوضع میں مختلف ہیں۔ نبوت نبأ سے مشتق ہے جس کے معنی خبر کے ہیں پس نبی عرف عام میں اللہ عزوجل کی جانب سے منبأ بأمر متقاضی تکلیف ہوتا ہے جب کہ رسول اغیار کوانہی احکام کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے- اگر وہ ایسا نہ ہوتو وہ نبی ہے، رسول نہیں ہے۔ اسی طرح ہر رسول نبی بالعکس ہوتا ہے، کیونکہ نبی اور رسول امر عام یعنی نبأ میں مشترک مگر رسالت میں مفترق ہوتے ہیں۔ پس اگر میں کہوں کہ 'فلاں رسول' تو میرا یہ قول اس پر متضمن ہے کہ وہ نبی رسول ہے لیکن اگر یوں کہوں کہ 'فلاں نبی' تو یہ قول اس پر مستلزم نہیں کہ وہ رسول بھی ہے۔ پس نبی ﷺ نے اس حدیث میں اپنی ان دونوں حیثیتوں کو یکجا اور جمع کرنا چاہا تاکہ بولنے سے آپ کی ہر دو حیثیتیں خود بخود سمجھ میں آجائیں اور الفاظ میں غیر مفید تکرار کا شبہ جاتا رہے۔ اگر "رسولك" کہا جاتا تو اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ 'وہ رسول تھے' اور اگر اس کے ساتھ "الذی أرسلت" کہا جاتا تو یہ اس پر غیر مفید اضافہ ہوتا برخلاف "وبنبيك الذی أرسلت" کے، پس اس میں نہ محققاً تکرار ہے اور نہ متوہماً''۔(۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ قرطبیؒ کی ان تاویلات کا کیا خوب جواب لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''علامہ قرطبیؒ کا یہ قول کہ 'یہ اس پر غیر مفید اضافہ ہوتا'' 'افصح الکلام (یعنی ارشاد باری تعالی) میں اس امر کے ثبوت پر تعقب ہے۔ مثال کے طور پر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ (۳) (ہم نے اپنا پیغام دینے کے لئے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے اس نے اپنی قوم کی ہی زبان میں پیغام دیا ہے)، ﴿إنا أرسلنا إليكم رسولا شاهدا عليكم﴾ (۴) (تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے)، ﴿هو الذی أرسل رسوله بالهدى ودين الحق﴾ (۵) (وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے) اور ان الفاظ کے علاوہ "يوم يناد المناد". (۶) (جس دن منادی کرنے والا پکارے گا) پس یہاں 'وبنبيك الذی أرسلت' پر ان کا یہ آخری کلام واقتصار بدرجہ اولی حذف کئے جانے کا مستحق ہے۔ نبی اور رسول کے درمیان جو فرق انہوں نے بیان کیا ہے وہ تو رسول بشری کے ساتھ مقید ہے ورنہ رسول کا اطلاق تو فرشتہ مثلاً جبریلؑ پر بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہاں فرشتہ کے بجائے

---

(۱) تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر لسعید احمد: ص ۳۷-۳۸، طبع مکتبہ بحر العلوم کراچی

(۲) کذا فی فتح الباری: ۱۱/۱۲ (۳) ابراھیم: ۴

(۴) المزمل: ۱۵ (۵) الفتح: ۲۸، الصف: ۹

(۶) ق: ۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


تعیین بشری ضروری ہے تا کہ کلام التباس سے محفوظ رہے۔

جہاں تک اس حدیث سے روایت بالمعنی کی نفی پر استدلال کا تعلق ہے تو یہ محل نظر ہے کیونکہ روایت بالمعنی کی پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں الفاظ آپس میں معنی مذکور سے موافقت رکھتے ہوں، مگر جب کہ یہ بات طے اور مقرر ہو چکی ہے کہ نبی اور رسول لفظی و معنوی ہر دو اعتبار سے متغایر ہیں تو اس کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہوسکتا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے روایت بالمعنی کی ممانعت پر استدلال کرنا مطلقاً محل نظر ہے، بالخصوص اگر روایت میں رسول کا نبی سے بدل یا اس کا عکس موجود ہو۔ چونکہ محدث عنہ ایک ہی شخصیت ہے پس موصوف کو اس کے ثابت شدہ جس کسی وصف سے بھی متصف کیا جائے اس کی مراد قابل فہم ہے۔ اس بنا پر روایت بالمعنی سے منع کرنے کا مذکورہ سبب فقط ایک گمان اور خیال ہے، نفس الامر میں ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا کہ کثیر احادیث میں معہود ہے۔ پس الفاظ کے استعمال میں احتیاط لازم ہے۔ اگر اس پر بالقطع تحقق کیا جائے کہ ان دونوں الفاظ کا معنی متحد ہے تو یہ مضر نہیں ہے، بخلاف اس کے جو کہ مقتصر علی الظن ہو خواہ غالب ہی ہو۔ اور اولی بات وہ ہے جو کہ بیان کی گئی ہے اس حکمت کے بارے میں کہ نبی ﷺ نے اس دعا میں نبی کو رسول سے بدل دینا اس لئے رد فرمایا کہ اذکار کے الفاظ میں توقیفیت ہوتی ہے(۱) کہ جس میں خصائص و اسرار ہوتے ہیں اور اس میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہوتا، لہٰذا جو لفظ وارد ہو اس کی ہی محافظت لازم ہے۔ اس بات کو مازریؒ نے بھی اختیار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: پس اس میں آں ﷺ نے انہی الفاظ پر اقتصار کیا ہے جو کہ وارد ہیں اور جزا کا تعلق انہی حروف سے بتایا ہے۔ چونکہ آں ﷺ کو بذریعہ وحی وہی کلمات بتائے گئے تھے لہٰذا آپؐ نے انہی حروف کے ساتھ ان کی ادائیگی کا تعین فرمایا ہے الخ''۔(۲)

حافظ زین الدین عراقیؒ اور امام سخاویؒ وغیرہما نے بھی اس ممانعت کا سبب اذکار کے الفاظ کی توقیفیت ہی بیان کیا ہے۔(۳) مزید تفصیل کے لئے الکفایۃ، التمہید، المحدث الفاصل اور فتح الباری(۴) وغیرہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت براء بن عازبؓ کو "وبرسولك الذی ارسلت" کہنے سے منع کرنے کی وجہ وہ نہیں ہے جو کہ جناب اصلاحی صاحب نے بیان کی ہے بلکہ دعا کے الفاظ کا توقیفی ہونا ہے، واللہ اعلم۔

۶- چھٹا مواخذہ جناب اصلاحی صاحب کے اس قول پر ہے کہ: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی غلطی ہوگئی تھی جس کا تعلق دین کی ایک حقیقت سے تھا۔ اس لئے کہ 'برسولك الذی أرسلت' میں نبی ﷺ کا جو اصل منصب ہے کہ آپؐ نبی ہیں اور نبی ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی ہیں وہ واضح نہیں ہوتا'' ــــ اور ــــ

(۱) توقیفی سے مراد ایسی چیزیں ہیں جن کا علم صرف بذریعہ وحی ہی ہوسکتا ہے۔ جس طرح تمام عبادات توقیفی ہوتی ہیں اسی طرح اذکار میں بھی توقیفیت ثابت ہے پس وحی الٰہی میں رد و بدل ہر ذی عقل کے نزدیک مذموم ہے۔

(۲) فتح الباری: ۱۱/۱۱۲

(۳) فتح المغیث للعراقی: ص ۲۷۸، فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۴۶، ۲۰۶

(۴) الکفایۃ: ص ۲۰۳، التمہید فی اصول الفقہ: ۳/۱۶۸، المحدث الفاصل: ص ۵۳۲، فتح الباری: ۱/۳۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''جب کہ 'وبرسولك الذی أرسلت' (اور تیرا وہ رسول جسے تو نے مبعوث فرمایا) میں آنحضرت ﷺ کے اصل منصب کی وضاحت نہیں ہوتی''۔ ان دونوں اقوال کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت براء بن عازبؓ کو محض اس لئے منع فرمایا تھا کہ "برسولك الذی أرسلت' کہنے سے آں ﷺ کے اصل منصب کی وضاحت نہیں ہوتی تھی، گویا نعوذ باللہ نبی ﷺ اپنے منصب کے اظہار کے اس قدر حریص تھے کہ آپؐ کو اپنے منصب میں ذرا سی بھی کمی یا گراوٹ سننا گوارہ نہ تھی۔ اگر یہ بات درست نہیں تو پھر یقیناً اس منع کرنے کی وجہ وہی ہوگی جو کہ اوپر پانچویں مواخذہ کے تحت بیان کی جا چکی ہے۔

۷- ساتواں مواخذہ جناب اصلاحی صاحب کے اس قول پر ہے کہ ــــ رسول کا منصب نبی سے بدر جہا بالاتر ہوتا ہے-- جاوید احمد غامدی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''میزان'' (۱/ ۹-۳۰) میں ''نبی'' اور ''رسول'' کے اس منصبی فرق کو مفصلاً بیان کیا ہے، لیکن ہم یہاں اس ضمن میں خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ ' کہ جنہیں بقول جناب اصلاحی صاحب: ہمارے سلف میں اصول حدیث پر......سند کی حیثیت حاصل ہے، (۱) کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

''نبی ﷺ نے اس حدیث میں صحابی کے قول 'برسولك' کو رد کرتے ہوئے ' وبنبيك الذی أرسلت' جو کہا ہے تو لفظ ''نبی'' رسول سے زیادہ پرمدح ہے اور ان کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول کا اطلاق تمام رسولوں پر ہوتا ہے لیکن نبی کا اطلاق صرف خاص خاص انبیاء اور ان رسولوں پر ہی ہوتا ہے جن کو انبیاء میں سے فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ان میں نبوت اور رسالت دونوں ایک ساتھ جمع ہوتی ہیں الخ''۔ (۲)

۸- آٹھواں مواخذہ جناب اصلاحی صاحب کے اس قول پر ہے ــــ ''کیونکہ اس کی روایت سے معنی میں ایک ایسا فرق پیدا ہو گیا تھا جس سے فلسفۂ دین کی تعبیر میں غلطی ہو جاتی''۔ 'وبرسولك' سے حدیث کے معنی میں فرق کا پیدا نہ ہونا اوپر دوسرے مواخذہ کے تحت مختصراً بیان کیا جا چکا ہے۔ ہم ذیل میں حافظ زین الدین عراقیؒ کا ایک اقتباس اور پیش کرتے ہیں:

''قائل کے آپؐ کی تعریف کے اوصاف میں سے کسی بھی وصف مثلاً نبی یا رسول ﷺ وغیرہ کہنے سے حدیث کی نسبت میں معنوی اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ کہ نبی اور رسول کا مدلول مختلف ہے لیکن یہاں چونکہ آپ کے اوصاف کا بیان مقصود نہیں بلکہ قائل کا آپ کو کسی ایسے وصف سے شناخت کروانا ہے جس سے کہ آپ معروف و مشہور ہوں۔ بعض حضرات جنہوں نے حافظ ابن الصلاح کی کتاب کا اختصار کیا ہے، صحیح میں موجود حضرت براء بن عازبؓ کی اس حدیث سے بالمعنی روایت کی ممانعت پر استدلال کرتے ہیں لیکن اس حدیث میں بالمعنی

---

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث: ۵۷ (۲) الکفایۃ: ص ۲۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روایت سے منع کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کیونکہ اذکار کی توقیفیت انہی الفاظ کی تعیین اور تقدیر ثواب پر موقوف ہے۔ کبھی اس لفظ میں کوئی ایسا سر (پوشیدہ امر) ہوتا ہے کہ جس کا بدل کوئی دوسرا لفظ نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے نبوت اور رسالت دونوں اوصاف کو یکجا جمع کرنا مقصود ہوالخ''۔(۱)

پس واضح ہوا کہ جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ ''اس کی روایت سے معنی میں ایک ایسا فرق پیدا ہوگیا تھا جس سے فلسفۂ دین کی تعبیر میں غلطی ہوجاتی''۔

۹-نواں اور آخری مواخذہ یہ ہے کہ جناب اصلاحی صاحب نے اس حدیث کا حوالہ یوں نقل کیا ہے: ''صحیح البخاری: کتاب الدعوات، باب إذا بات طاہرا''، حالانکہ یہ حدیث صرف ''صحیح البخاری'' میں ہی مندرجہ ذیل ابواب میں موجود ہے:

"کتاب الدعوات : باب ما یقول إذا نام، باب إذا بات طاهرا ، باب النوم علی الشق الأیمن.

کتاب التوحید : باب قول الله تعالی: "أنزله بعلمه والملائکة یشهدون."

ان کے علاوہ صحیح مسلم کے باب مایقول عند النوم وأخذ المضجع ( کتاب الذکر )میں، سنن ابوداود کے باب ما یقول عند النوم(کتاب الأدب)میں ، جامع الترمذی کے باب ما یقال عند النوم (کتاب الدعوات) میں، سنن ابن ماجہ باب ما یدعوبه إذا أوی إلی فراشه (کتاب الدعاء) میں، سنن الدارمی کے باب الدعاء عند النوم (کتاب الاستئذان) میں، مسند احمد، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، الکفایۃ فی علم الروایۃ وغیرہ میں بھی اس کی تخریج کی گئی ہے۔(۲) پس محترم اصلاحی صاحب کا مذکورہ بالا حوالہ ناقص اور کتب احادیث پر قلت نگاہ کا مظہر ہے۔

آگے چل کر محترم اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''اسی طرح کا، بلکہ عملی زندگی میں اس سے بھی زیادہ مسئلہ بننے والا فرق وہ ہوسکتا ہے جو احکام میں واقع ہوجائے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے:

ایک روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک بدو نے عمداً رمضان کا ایک روزہ توڑ دیا اور سر پیٹتا ہوا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس کی پریشانی کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے تمام روداد سنائی-آپؐ نے اس کو روزے کا جو کفارہ بتایا اس کی روایت میں راویوں کا اختلاف دیکھئے، جو روایت بالمعنی ہی کا نتیجہ ہے۔

---

(۱)التقیید والإیضاح للعراقی:ص۲۰۰

(۲) صحیح البخاری مع فتح الباری:۱۱/ ۱۰۹،۱۱۳،۱۱۳،۱۱۵، ۱۳/ ۴۶۲، صحیح مسلم نمبر ۲۷۱۰، سنن ابی داوٗد نمبر ۵۰۴۶، جامع الترمذی:۳۳۹۱، سنن ابن ماجہ:۳۸۷۶، سنن الدارمی:۲۶۸۶، مسند احمد:۴/ ۲۵۸، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۵، الکفایۃ: ۱۷۵، عمل الیوم واللیلۃ: ص۳۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صحیح مسلم میں اس واقعہ کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے اور دوسری حضرت عائشہؓ سے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: هلكت يا رسول الله! قال: وما أهلكك؟ قال: وقعت على امرأتي في رمضان – قال : هل تجد ما تعتق رقبة؟ قال: لا – قال فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين ؟ قال: لا – قال: فهل تجد ما تطعم ستين مسكينا؟ قال: لا قال: ثم جلس فأتي النبي ﷺ بعرق فيه تمر. فقال: تصدق بهذا قال: أفقر منا ؟ فما بين لابتيها أهل بيت أحوج اليه منا. فضحك النبي ﷺ حتى بدت أنيابه. ثم قال: اذهب فأطعمه أهلك" ... (صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب۱۴)

وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں ہلاک ہو گیا، یارسول اللہ! آپؐ نے دریافت فرمایا: تجھے کس نے ہلاک کیا؟ اس نے عرض کیا کہ میں اپنی بیوی پر جا پڑا، رمضان میں۔ آپؐ نے پوچھا: تمہارے پاس غلام آزاد کرنے کو کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کی طاقت رکھتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ بیٹھا رہا تو نبی ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کی ایک ٹوکری پیش کی گئی تو حضورؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ یہ کھجور صدقہ کردو۔ اس نے کہا: ہم سے بڑھ کر بھلا کون حاجت مند ہوگا؟ مدینہ کے دونوں سنگلاخ میدانوں کے درمیان میں کوئی گھر والا میرے گھر والوں سے زیادہ اس کا محتاج نہیں ہے۔ اس پر نبی ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپؐ کے دندان مبارک نمایاں ہو گئے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: جاؤ اسے اپنے اہل خانہ کو کھلا دو۔

اب حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ دیکھئے:

"...... قال : تصدق ، تصدق . قال: ما عندي شيء فأمره أن يجلس فجاءه عرقان فيهما طعام فأمره رسول الله أن يتصدق به". (صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب۱۴)

......حضور نے فرمایا: صدقہ کرو، صدقہ کرو۔ اس نے عرض کی: میرے پاس تو کچھ ہے نہیں، تو حضورؐ نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ پھر آپؐ کے پاس کھانے کے سامان کی دو ٹوکریاں آئیں تو آپؐ نے اسے اس کے صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔

اس روایت کی روشنی میں اگر ایک شخص روزہ توڑنے کا کفارہ معلوم کرنا چاہے تو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے وہ یہ نتیجہ نکالے گا کہ اسے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، یہ نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ان میں سے کسی چیز کا تعین نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرتی، بلکہ مجمل طور پر صدقہ کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔اس واقعہ کی بعض روایتوں میں دو ماہ کے روزوں کا ذکر ہی نہیں۔روایت بالمعنی کے فرق نے ایک حکم کو غیر واضح کردیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء کے درمیان کفارہ کے تعین میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے''۔(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی پیش کردہ دونوں روایتیں معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ ''صحیح البخاری''(۲) اور ''سنن ابی داود''(۳) وغیرہ میں بھی موجود ہیں لیکن یہاں ہم جناب اصلاحی صاحب کی پیش کردہ روایتوں پر ہی بحث کریں گے۔پس واضح ہو کہ پیش کردہ ان دو روایتوں میں اصلاً کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک میں واقعہ کی تفصیل اور دوسری میں اختصار ہے جس کے باعث اصلاحی صاحب محترم کو یہ پریشانی لاحق ہوگئی ہے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت بالمعنی کے باعث واقعہ میں ایسی غلطی صادر ہوگئی ہے کہ جس سے کفارہ کا اصل حکم متاثر ہوگیا ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ روایتوں کے اس اختصار و تفصیل کے اختلاف کی بابت لکھتے ہیں:

''اصلاً یہ ایک ہی قصہ ہے جس کو ایک راوی (حضرت ابو ہریرہؓ) نے بخوبی یاد رکھا اور بوقت روایت اس قصہ کو اس کی اصل صورت میں بیان کردیا جبکہ حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو مختصراً نقل کیا ہے۔طحاویؒ نے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ اختصار بعض رواۃ کی جانب سے ہی ہے، چنانچہ عبدالرحمان بن حارث نے محمد بن جعفر بن زبیر سے اسی سند کے ساتھ یعنی حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو مفسراً بھی نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"كان النبي ﷺ جالسا في ظل فارع فجاء رجل من بني بياضة فقال: احترقت،وقعت بأمرأتي في رمضان قال اعتق رقبة قال لا أجدها قال أطعم ستين مسكينا قال ليس عندي فذكر الحديث......" اس حدیث کی ابن خزیمہؒ نے اپنی ''صحیح'' میں، بخاریؒ نے اپنی ''تاریخ'' میں اور ان کے طریق سے بیہقیؒ نے غلام کے تذکرہ کے ساتھ روایت کی ہے لیکن اس روایت میں دو ماہ کے متواتر روزوں کا تذکرہ نہیں ہے''۔(۴)

روایت حدیث میں رواۃ کی جانب سے کسی واقعہ کی تفصیل یا اختصار کا ہونا کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں ہے۔راوی کے اس اختصار سے عمداً رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنا یا احکام کو چھپانا نہیں ہوتا بلکہ فطرۃً یہی ممکن اور عین عقل کا تقاضہ ہے، چنانچہ مشہور محدث، علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

''اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بعض احادیث میں ایک ہی واقعہ کی تفصیلات روایت کرنے میں مختلف صحابہ کے الفاظ مختلف نظر آتے ہیں، کچھ تو پورا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے اس واقعہ کا پورا

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص ۱۰۹-۱۱۱
(۲) صحیح البخاری مع فتح الباری: ۴/۱۶۱، ۱۶۳
(۳) سنن ابی داود مع عون المعبود: ۲/۲۸۶، ۲۸۷
(۴) فتح الباری: ۴/۱۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نقشہ سا کھنچ جاتا ہے۔ بعض اس واقعہ کو مختصراً بیان کرتے ہیں- اسی طرح احادیث نقل کرنے میں بھی صحابی ہو بہو آں ﷺ کے الفاظ نقل کر دیتے ہیں اور بعض صحابی دوسرے الفاظ کے ساتھ اس کا مفہوم و معنی ادا کر دیتے ہیں۔ ان میں سے کسی صحابی کا آپؐ پر کذب بیانی کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ سب کا مقصد صدق اور جو کچھ انہوں نے سنا یا دیکھا ہوتا اسے یا کم از کم اس کے معنی و مقصد کو بیان کر دینا ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے: "إنما الكذب على من تعمده" یعنی جھوٹ کا الزام اس پر عائد ہوتا ہے جو عمداً ایسا کرے۔ اسے عمران بن مسلم نے روایت کیا ہے۔ (۱)

امام مسلمؒ کا اس واقعہ کو پہلے حضرت ابو ہریرہؓ سے پھر حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے کا مقصد بھی وہی ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حدیث کے معاملہ میں محدثین کے طریق کار کو بیان کرتے ہوئے یوں تحریر فرمایا ہے:

''محدثین کسی واقعہ یا حکم کے متعلق ایک حدیث کسی ایک صحابی سے تخریج کرتے ہیں، پھر اگر کوئی دوسرا صحابی بھی اسی واقعہ یا حکم کو بیان کرتا ہوا مل جائے تو اس سے بھی تخریج کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حدیث حد غرابت سے نکل جائے یا دوسری حدیث سے کوئی زائد فائدہ حاصل ہو جائے اور اس لئے بھی کہ بعض رواۃ احادیث کو پوری طرح روایت کرتے ہیں اور بعض مختصر طریقہ پر۔ پس ایک محدث ان سب روایات کو ان کے ناقلین کی جانب سے پیدا شدہ شبہ کو زائل کرنے کے پیش نظر وارد کر دیتا ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ کبھی بعض رواۃ کی احادیث کی عبارت مختلف ہوتی ہیں۔ پس ایک راوی حدیث کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کا کوئی کلمہ ایک مخصوص معنی پر محمول ہوتا ہے، پھر جب اسی حدیث کو کوئی دوسرا راوی بیان کرتا ہے تو اسی کلمہ کو بعینہ دوسری عبارت کے ساتھ، کہ جو دوسرے معنی پر محمول ہو، روایت کرتا ہے۔ محدث اس حدیث کو بھی اس کے طریق سے وارد کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ معیار صحت پر پوری اترتی ہو''۔ (۲)

اگر صرف اسی قصہ کے مختلف جزئیات پر غور کیا جائے تو مختلف روایات میں مختلف الفاظ ملیں گے مثلاً صاحب قصہ صحابی نے جب رسول اللہ ﷺ سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو "یا رسول الله هلکت" (میں ہلاک و برباد ہو گیا) کہا۔ (بخاری و مسلم) جبکہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں "احترقت" (مسلم و بخاری) اور ابن ابی حفصہ کی روایت میں "ما أراني إلا قد هلكت" (سنن سعید بن منصور) کے الفاظ مروی ہیں۔ یہ لفظی اختلاف دراصل انؓ کے عمداً غلطی کرنے پر استدلال کرتا ہے۔ جہاں تک "ھلاکت" یا "احتراق" کا تعلق ہے تو یہ اس گناہ کی سنگینی کے احساس کے تحت مجازاً وارد ہیں۔ (۳) یا اسی طرح بعض راوی اس صحابی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب وہ دربار نبوی میں حاضر ہوئے تو بقول عبد الجبار بن عمر عن الزہریؒ وہ اپنے بال نوچ رہے تھے اور اپنا سینہ پیٹ رہے

---

(۱) قواعد التحدیث للقاسمی: ۲۲۱
(۲) ھدی الساری، الفصل الثالث: ۱۵ ملخصا
(۳) فتح الباری: ۴/ ۱۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


تھے اور کہتے جاتے تھے: "هلك الأبعد "یعنی" بہت بری طرح برباد ہوگیا"۔(ابوعوانہ) جبکہ محمد بن ابی حفصہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے منہ پر طمانچہ مار رہے تھے (بیہقی) اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت میں ہے کہ "وہ خود کو بددعاء دے رہے یا کوس رہے تھے"۔(مسند احمد) بعض روایات میں ہے کہ "اپنے سینہ پر گھونسے مار رہے تھے" (موطأ امام مالک) اور ابن مسیّب کی مرسل روایت میں ہے کہ "وہ اپنے سر پر خاک اڑا رہے تھے" (دارقطنی) ان کیفیات کے نقل کرنے میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کا اصل مقصد بھی دراصل اس واقعہ سے ان صحابی کی خود کراہت اور مذمت منقول ہونا ہے اور یہ چیز بھی عام حالات میں بعید از قیاس نہیں ہے کہ اگر چند لوگوں کی موجودگی میں کوئی واقعہ وقوع پذیر ہوا ہو تو ان میں سے ہر شخص اس واقعہ کو اپنے الگ انداز سے بیان کرے۔سب کے بیانات میں کلمات کی ترتیب، تفصیل، معلومات اور عبارت کی ظاہری ہیئت میں فرق ہونا لازم ہے۔خود قرآن کریم میں کسی واقعہ کے متعلق اختصار و تفصیل کا یہ اسلوب جگہ جگہ اختیار کیا گیا ہے، جس کی متعدد مثالیں ہم اوپر باب رواں کے حصہ اول میں پیش کر چکے ہیں۔

اگر ہم "صحیح مسلم" میں کتاب الصیام کے باب ۱۴ کو دیکھیں کہ جس سے مذکورہ یہ دونوں حدیثیں نقل کی گئیں ہیں تو ہم کو اسی واقعہ کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی چار اور حضرت عائشہؓ سے مروی تین احادیث ملیں گی جن میں آپس میں ترتیب کلمات، تفصیل و اختصار، اضافی معلومات اور عبارتوں کی ظاہری ہیئت میں اختلاف ہے لیکن صحت روایت کے اعتبار سے ان کے ناقلین کی عدالت، ضبط، حفظ، امانت اور دیانت پر کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔ذیل میں ہم صحیح مسلم کے مذکورہ باب سے ان تمام روایتوں کو قارئین کرام کے ملاحظہ کے لئے پیش کر رہے ہیں تا کہ ان کو بھی مخرجین احادیث کے اس عظیم مقصد کا مشاہدہ ہو سکے جسے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے اوپر بیان کیا گیا ہے۔یہ احادیث اس طرح ہیں:

۱ — " عن محمد بن مسلم الزهری بهذا الإسناد مثل رواية ابن عيينة وقال بعرق فيه تمرٌ وهو الزنبيل ولم يذكر فضحك النبی ﷺ وبدت أنيابه"۔

"محمد بن مسلم زہریؒ نے اسی اسناد سے یہی حدیث روایت کی جیسے ابن عیینہ نے روایت کی اور کہا اس میں ایک عرق یعنی ٹوکرا اور وہ زنبیل ہے اور اس میں حضرت کی ہنسی کا ذکر نہیں ہے۔"

۲- "عن أبی هريرة رضی الله تعالى عنه أن رجلا وقع بامرأته فی رمضان فاستفتی رسول الله ﷺ عن ذلك فقال هل تجد رقبة قال لا قال فهل تستطيع صيام شهرين قال لا قال فأطعم ستين مسكينا"۔

"ابو ہریرہ نے کہا ایک شخص جماع کر بیٹھا رمضان میں اور حضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایک غلام یا لونڈی آزاد کرسکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے"۔

"عن أبی هريرة رضی الله عنه حدثه أن النبی ﷺ أمر رجلا أفطر فی رمضان أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين أو يطعم ستين مسكينا"۔

"حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی نبی ﷺ نے حکم کیا ایک شخص کو کہ اس نے روزہ توڑ ڈالا تھا رمضان میں کہ آزاد کرے ایک بردہ یا روزے رکھے دو ماہ یا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو"۔

۴-"عن عائشةؓ أنها قالت جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال احترقت قال رسول الله ﷺ لم قال وطأت امرأتی فی رمضان نهارا قال تصدق تصدق قال ما عندی شیء فأمره أن يجلس فجآء ه عرقان فيهما طعام فأمره أن يتصدق به"۔

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک شخص آیا رسول اللہ ﷺ کے پاس اور کہا میں جل گیا، آپ نے فرمایا: کیوں؟ اس نے عرض کی کہ میں نے جماع کیا رمضان میں اپنی عورت سے دن کو۔ آپ نے فرمایا صدقہ دے، صدقہ دے۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اتنے میں آپ کے پاس دو گونیاں آئیں کھانے کو آپ نے فرمایا لے یہ صدقہ کردے"۔

(نوٹ: یہ حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث کا پورا متن ہے جسے محترم اصلاحی صاحب نے مختصراً نقل کیا ہے۔)

۵- "عن عائشة رضی الله عنها تقول أتی رجل إلى رسول الله ﷺ فذكر الحديث وليس فی أول الحديث تصدق تصدق ولا قوله نهارا"۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص آیا رسول اللہ ﷺ کے پاس اور اس حدیث کو ذکر کیا اخیر تک جیسے اوپر گزری مگر اس کے اول میں صدقہ دے صدقہ دے نہیں ہے اور نہ دن کا لفظ ہے"۔

۶-"عن عائشة زوج النبی ﷺ تقول أتی رجل إلى النبی ﷺ فی المسجد فی رمضان فقال يا رسول الله احترقت احترقت فسأله رسول الله ﷺ ما شأنه فقال أصبت أهلی قال تصدق فقال والله يا نبی الله ما لی شیء وما أقدر عليه قال اجلس فبينا هو كذلك أقبل رجل يسوق حمارا عليه طعام فقال رسول الله ﷺ أين المحترق آنفا فقام الرجل فقال رسول الله ﷺ تصدق بهذا فقال يا رسول الله أغيرنا فوالله إنا لجياع ما لنا شیء قال فكلوه"۔(۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اب ہم جناب اصلاحی صاحب سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کسی راوی کے حدیث بیان کرنے پر آپ کو یہ کیوں کر علم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت باللفظ یا روایت بالمعنی ہے؟ پھر ''صحابہؓ و صحابیت'' کے زیر عنوان آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''...... جہاں تک روایت حدیث کا تعلق ہے اس میں تو صحابہؓ کا ہر طبقہ اور گروہ یکساں طور پر شامل سمجھا جائے گا البتہ فہم حدیث میں انہی صحابہؓ کا علم انہی کی روایات کے الفاظ اور انہی کی تنقیدات قابل ترجیح ہوں گی جو تدبر حدیث کے نقطۂ نظر سے سب سے ممتاز ہیں جیسے خلفائے راشدین، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنھم اجمعین الخ''۔(۲)

ـــــ میں پوچھتا ہوں کہ یہاں اس اصول تدبر حدیث کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ، جو کہ بقول اصلاحی صاحب ''تدبر حدیث کے نقطۂ نظر سے سب سے ممتاز ہیں''، کی روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر ''قابل ترجیح'' کیوں نہ سمجھا گیا، جب کہ علمائے حنفیہ کی تقلید میں خود آنجناب نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کو غیر فقیہ جانتے ہوئے ''تدبر حدیث کے نقطۂ نظر سے سب سے ممتاز صحابہ'' کی فہرست میں شامل نہیں کیا ہے؟ اگر حضرت عائشہؓ کے لئے اس حدیث کے بارے میں آپ کی فہم کا معیار تدبر حدیث بدل گیا تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

## فقہاء کے مابین اختلاف کا اصل سبب

جہاں تک جناب اصلاحی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ ـــــ ''جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء کے درمیان کفارہ کے تعین میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے'' ـــــ تو اس سلسلہ میں ہم فقط یہ کہیں گے کہ ''فقہاء کے درمیان'' صرف اس بارے میں ہی اختلاف نہیں ہے بلکہ ہزار ہا مسائل ایسے مل جائیں گے جن کے متعلق فقہاء میں ''بڑا اختلاف پایا جاتا ہے''۔ اور یہ سب اختلافات ''روایت بالمعنی'' کے باعث نہیں بلکہ فقہاء تک صحیح احادیث نہ پہنچنے کے باعث ان کے اپنے عقلی قیاسات و اجتہادات کی کرشمہ سازیاں ہیں، ورنہ ایسا کوئی ''بڑا اختلاف'' محدثین کے درمیان تو قطعی نظر نہیں آتا۔ اگر آج ہم کسی طرح فقہی و مسلکی عصبیتوں سے اپنے آپ کو دور رکھنے پر آمادہ ہو جائیں تو فقہاء کے یہ بڑے اختلافات ہمارے لئے قطعی لغو اور بے معنی ہو کر رہ جائیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث ہی ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی ہوں گی۔

جہاں تک ماہ رمضان کے روزہ کو عمداً جماع سے توڑنے کے کفارہ کی تعیین کا سوال ہے تو اس بارے میں ایک گروہ عمداً جماع کے مفطر پر صرف قضاء کو واجب بتاتا ہے۔ اس شاذ حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن رشد قرطبیؒ فرماتے ہیں: " لأنه لم يبلغهم هذا الحديث ".(۱)

---

(۱) صحیح مسلم، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نھار رمضان علی الصائم (۲) مبادئ تدبر حدیث: ص ۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''کیونکہ (حضرت ابو ہریرہؓ کی) یہ حدیث ان تک نہیں پہنچی تھی''۔

دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اول عتق (غلام آزاد کرنا ہے)، اگر عتق پر قادر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہے، اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام ثوری اور تمام کوفیین رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

اعرابی کی سابقہ حدیث کے ظواہر ترتیب کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں مگر امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کے لئے اِطعام، غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے سے زیادہ مستحب ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل ان کی یہ روایت ہے:

"أن رجلا أفطر في رمضان فأمره رسول الله ﷺ أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين متتابعين أو يطعم ستين مسكينا".

اس روایت کے ظواہر ترتیب کے بجائے تخییر پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ ابن رشد فقہاء کے درمیان ان اختلافات کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وسبب اختلافهم في وجوب الترتيب تعارض ظواهر الآثار في ذلك والأقيسة".(۲)

''وجوب ترتیب میں فقہاء کے اختلاف کا سبب اس بارے میں ظواہر آثار کا تعارض اور قیاس ہے''۔

آں رحمہ اللہ امام مالکؒ کی رائے کے متعلق فرماتے ہیں:

"...... وأما استحباب مالك الابتداء بالإطعام فمخالف لظواهر الآثار وإنما ذهب إلى هذا من طريق القياس الخ". (۳)

'اور امام مالکؒ کا ابتدا بالإ طعام کے استحباب کا قول ظواہر آثار کے مخالف ہے۔ وہ اس جانب قیاس کے راستہ سے گئے ہیں''۔

پس معلوم ہوا کہ فقہاء کے درمیان کفارہ کی تعیین میں جو''بڑا اختلاف پایا جاتا ہے'' وہ ''روایت بالمعنی'' کے باعث نہیں ہے جیسا کہ جناب اصلاحی صاحب نے سمجھا ہے بلکہ بعض فقہاء کی صحیح احادیث تک رسائی نہ ہونے نیز ان کے اپنے قیاسات واجتہادات کے باعث ہے، واللہ اعلم۔ افسوس ہوتا ہے صاحب ''مبادئ تدبر حدیث'' پر کہ جنہوں نے نہ ان تمام کتب کو بغور دیکھا ہے اور نہ ہی ان مسائل کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے لیکن ان مسلمہ چیزوں پر محض اپنے وہم وگمان کے مطابق کلام کرنے کے لئے مسند ''لیکچر'' سنبھال بیٹھے ہیں اور اپنے انہی

(۱) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد :۱/۳۰۲ (۲) بدایۃ المجتہد :۱/۳۰۵
(۳) نفس مصدر :۱/۳۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پراگندہ خیالات کو ''تدبر حدیث'' سے تعبیر کرتے ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''روایت بالمعنی نے بعض معاملات میں کسی بات کو اس انداز سے پیش کر دیا ہے کہ متکلمین نے اس پر عقائد کی بنیادیں رکھ دیں، حالانکہ قرآن مجید میں اس کا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا اور کسی بات کے عقیدہ قرار پانے کے لئے قرآن مجید کے اندر اس کی بنیاد ہونی ضروری ہے''۔(۱)

## عقیدہ کے اثبات کے لئے قرآنی بنیاد ہونا ضروری نہیں ہے:

مندرجہ بالا سطور میں جناب اصلاحی صاحب نے دعوی فرمایا ہے کہ ''کسی بات کو عقیدہ قرار پانے کے لئے قرآن مجید کے اندر اس کی بنیاد ہونی ضروری ہے''۔ بالفاظ دیگر جن عقائد اور غیبی امور کے متعلق قرآن مجید میں کوئی اشارہ نہیں ملتا ان کو صحیح اور ثابت احادیث کی بنیاد پر بھی کسی شمار میں نہ رکھا جائے - اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ جناب اصلاحی صاحب کے نزدیک حدیث مطلق محل استدلال نہیں ہے سوائے ان معاملات میں کہ جو قرآن مجید کے موافق ہوں۔ اس بات کا اظہار آں موصوف نے زیر تبصرہ کتاب کے متعدد مقامات پر کیا ہے، لیکن اس پر بحث ان شاء اللہ باب ہشتم و نہم کے تحت کی جائے گی۔ فی الحال ہم عقائد کے اثبات میں حدیث کے کردار پر مختصراً بحث کریں گے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے باب ششم: ''اخبار آحاد کی حجیت'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

یہ نظریہ کہ کسی بات کے عقیدہ قرار پانے کے لئے قرآن مجید کے اندر اس کی بنیاد ہونی ضروری ہے ایک ایسی شرط ہے جسے بعض قدیم متکلمین نے ایجاد کیا تھا۔ سلف وصالحین میں سے یہ شرط کسی سے منقول نہیں ہے۔ افسوس کہ جناب اصلاحی صاحب نے بھی متکلمین کے اس قول کو بغیر نقد قبول کر لیا ہے، حالانکہ شریعت میں اس کی نہ کوئی اصل موجود ہے اور نہ ہی قرآن وسنت کی واضح ہدایات سے اس کو کوئی مطابقت ہے۔ اگر متکلمین کے اس قول کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی بہت ساری صحیح اور ثابت احادیث خود بخود رد ہو جائیں گی، مثال کے طور پر ہم ذیل میں ان اسلامی عقائد میں سے صرف چند عقائد بطور نمونہ نقل کر رہے ہیں جو ہم کو سلف وخلف سے متوارثاً ملے ہیں اور کثیر احادیث سے ثابت ہیں:

۱- جملہ انبیاء ورسل پر محمد ﷺ کی فضیلت،

۲- روز محشر میں آں ﷺ کی شفاعت کبری،

۳- اپنی امت کے مرتکبین کبائر کے لئے آپ کی شفاعت،

۴- قرآن کے سوا آپ کے معجزات کہ جن میں معجزہ شق القمر بھی شامل ہے،

---

(۱) مبادئ تدبر حدیث: ص۱۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۵-آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی نبوت جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے،
۶-وہ احادیث جن میں خلق کی ابتدا، ملائکہ وجن اور جنت و دوزخ کی صفت مذکور ہے،
۷-یہ یقین کہ عشرۂ مبشرہ اہل جنت میں سے ہیں،
۸-قبر میں منکر نکیر کے سوال پر ایمان،
۹-عذاب قبر پر ایمان،
۱۰-قبر کے بھینچنے پر ایمان،
۱۱-قیامت میں نصب دو پلڑے والی میزان پر ایمان،
۱۲-صراط پر ایمان،
۱۳-آپؐ کی حوض پر ایمان اور اس پر ایمان کہ جو ایک بار اس سے سیراب ہو جائے گا اسے پھر کبھی پیاس نہ لگے گی،
۱۴-آں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ستر ہزار اشخاص کا جنت میں بغیر حساب داخل ہونا،
۱۵-قیامت اور حشر ونشر کی جو صفات صحیح احادیث میں وارد ہیں،
۱۶-اس قلم پر ایمان جس نے ہر چیز لکھی ہے،
۱۷-بطور حقیقت عرش و کرسی پر ایمان، نہ کہ مجازاً،
۱۸-اس پر ایمان کہ شہداء کی روحیں جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہونگی،
۱۹-اس پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے نبیوں کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے،
۲۰-علامات قیامت، نزول مسیح، خروج دجال اور دابۃ الأرض وغیرہ پر یقین،
۲۱-حدیث رویت پر ایمان،
۲۲-اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے اور ہر رات آسمان دنیا کی طرف اللہ عزوجل کے نزول سے متعلق احادیث پر ایمان، وغیرہ۔

——— مگر جناب اصلاحی صاحب جس نظریہ کے قائل ہیں وہ سلف سے خلف تک منقول ومتوارث ان تمام اسلامی عقائد کی نفی یا کم از کم ان کے متعلق تشکیک ضرور پیدا کرتا ہے، پس قطعی طور پر باطل اور نا قابل قبول ہے۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ احادیث نبوی کہ جن کو شرعی احکام کے وجوب میں حجت تسلیم کیا جاتا ہے آخر ان سے عقائد کے معاملہ میں احتجاج کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ احکام کے لئے حدیث کے دلائل کو قبول کرنا اور عقائد کے لئے انہیں ترک کر دینا ایک ایسی تفریق ہے جس کے لئے خود متکلمین کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے۔اگر بالفرض مان لیا جائے کہ کوئی عقیدہ احادیث سے ثابت نہیں ہوتا تو کم از کم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اس بات کا ضرور علم ہونا چاہیئے تھا۔ اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو جس طرح دین کے باقی تمام امور ان سے منقول ہیں یقیناً یہ چیز بھی ان سے ضرور منقول ہوتی۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عقائد واحکام کے بارے میں کسی تخصیص وتفریق سے واقف ہی نہ تھے بلکہ ہر اس بات کی صداقت پر یقین وایمان رکھتے تھے جسے وہ نبی ﷺ سے براہ راست سنتے یا کسی واسطہ سے ان تک آپؐ کا کوئی قول پہنچتا تھا۔ہمیں ایسی کوئی بھی مثال نظر نہیں آتی کہ صحابہ کرام میں سے جب کوئی صحابی نبی ﷺ سے صفات یا عقائد سے متعلق کوئی حدیث بیان کرتا تو دوسرا صحابی اس کی قطعیت میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کرتا یا اس کو قبول کرنے میں کوئی بھی پس وپیش کرتا یا قرآن مجید میں اس کی بنیاد تلاش کر کے اپنی تسلی کر لیتا ہو۔

یہ بھی معروف بات ہے کہ نبی ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کو دین کی تبلیغ کے لئے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر بھیجا تھا۔وہ صحابہ اپنے مخاطبوں کو سب سے پہلے عقیدہ توحید کی تعلیم دیتے پھر اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور جملہ نقائص سے اس کے پاک ہونے کی بابت تعلیم دیتے پھر فرائض واحکام سکھلاتے تھے جیسا کہ صحیحین کی حضرت معاذ والی اس حدیث میں مذکور ہے:

''(رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا:)تم اہل کتاب کی طرف جا رہے ہو،سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینا (ایک دوسری روایت میں کلمہ توحید کی دعوت دینے کا بیان ہے)۔پھر جب انہیں اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے تو انہیں پانچ وقت نماز فرض ہونے کی خبر دینا''۔(متفق علیہ)

اس حدیث میں صحابہ کو سب سے پہلے عقیدہ کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے جو ان کے ذریعہ دوسرے انسانوں تک منتقل ہونا تھا اور ہوا بھی۔پس اس صحیح روایت سے حدیث کے ذریعہ عقائد کا اثبات محقق ہوا،فالحمد لله على ذلك.

اس حقیقت کی طرف اشارہ شریک بن عبداللہ القاضی نے اس وقت کیا تھا جب ان سے کہا گیا کہ ایک گروہ صفات سے متعلق کچھ احادیث کا انکار کرتا ہے تو انہوں نے پوچھا: وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہا گیا کہ وہ ان احادیث میں طعن کرتے ہیں۔انہوں نے کہا:

''جن لوگوں نے ان احادیث کو نقل کیا ہے انہی لوگوں نے تو قرآن کو بھی نقل کیا ہے اور یہ بات بھی کہ نماز پانچ وقت کی ہے نیز حج بیت اللہ اور رمضان کے روزوں کی تفصیلات سب انہی سے تو منقول ہیں۔لہٰذا ہم اللہ عزوجل کو انہی کی احادیث کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں''۔(۱)

امام اسحاق بن راھویہ بیان کرتے ہیں کہ:

---

(۱) الشریعۃ للآجری: ص ۳۰٦، السنۃ لعبداللہ بن الامام احمد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''میں عبداللہ بن طاہر کے پاس گیا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اے ابویعقوب! تم کہتے ہو اللہ تعالی ہر رات کو اترتا ہے؟ میں نے کہا: اے امیر! اللہ تعالی نے ہماری طرف ایک نبی بھیجا ہے جس کی احادیث ہمارے پاس پہنچی ہیں۔ انہی احادیث سے ہم خون کو حلال وحرام کرتے ہیں، انہی کے ذریعہ ہم شرمگاہوں کو حلال وحرام کرتے ہیں، انہی سے ہم مالوں کو جائز یا ناجائز ٹھہراتے ہیں، لہذا اگر ان احادیث سے یہ سب درست ہے تو وہ بھی درست ہوگا، اور اگر یہ باطل ہے تو وہ بھی باطل ہوگا۔ پھر اسحاق بن راھویہ کہتے ہیں کہ: یہ سن کر عبداللہ بن طاہر خاموش ہوگیا''۔(۱)

اگر غور کیا جائے تو قرآن وسنت کے بے شمار دلائل اپنے اطلاق وعمومیت کے لحاظ سے شرعی وعملی احکام کے ساتھ عقائد کو بھی شامل ہیں۔ پس عقائد کے سلسلہ میں بھی نبی ﷺ کی اتباع اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ دوسرے تمام امور میں ہے۔ امر کا جو لفظ مندرجہ ذیل آیت میں وارد ہے وہ بلاشبہ عقائد کے لئے بھی عام ہے:

﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾. (۲)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے''۔

اس آیت کے علاوہ اس بارے میں اور بھی بہت سی آیات وارد ہیں جن کی تفصیل باب اول کے عنوان: ''اللہ تعالی نے تاکیداً مکمل اطاعت رسول کا حکم فرمایا ہے'' میں گزر چکی ہے ــــ ان تمام آیات کے عموم میں بظاہر عقیدہ بھی داخل ہے، پھر آخر نہ معلوم کس بنیاد پر متکلمین نے عقیدہ کو عملی وشرعی احکام سے مستثنی کر دیا ہے؟

غرض یہ کہ کتاب وسنت کے واضح دلائل، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عمل اور بے شمار محدثین وعلمائے حق کے اقوال دلالت کرتے ہیں کہ حدیث سے شریعت کے ہر باب میں استدلال واجب ہے خواہ وہ اعتقاد سے متعلق ہوں یا اعمال سے۔ ان دونوں کے درمیان متکلمین کی پیدا کردہ تفریق وتخصیص ایک ایسی بدعت ہے کہ جس کی سلف صالحین کے یہاں کوئی نظیر نہیں ملتی، چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''یہ تفریق اجماع امت سے باطل ہے کیونکہ امت ہمیشہ ان حدیثوں سے عقائد کے متعلق علمی اخبار اور عملی مطالبوں پر استدلال کرتی رہی ہے اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا کیونکہ عملی احکام کے اندر اللہ عزوجل کے متعلق یہ خبر ہوتی ہے کہ اس نے کیا چیز مشروع کی، کس چیز کو واجب کیا اور کسے دین بنانے پر خوش ہوا۔ اس لئے اس کی شریعت اور اس کا دین، اس کے اسماء وصفات کی طرف لوٹتا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین اسماء وصفات، قضاء وقدر، عقائد واعمال اور احکام کے مسائل میں برابر انہی حدیثوں سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ ان اسلاف

(۱) الأسماء والصفات للبیہقی: ص ۴۵۲

(۲) الأحزاب: ۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں سے کسی ایک سے بھی قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے ان حدیثوں سے صرف احکام کے مسائل میں استدلال کو جائز قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء وصفات اور عقائد کے بارے میں ان سے استدلال کو ناجائز بتایا ہو۔ آخر وہ سلف کہاں ہیں جنہوں نے ان چیزوں میں فرق کیا ہے؟ ان چیزوں میں تفریق کرنے والوں کے سلف بعض ایسے متاخرین متکلمین ہیں جن کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہے جو اللہ، اللہ کے رسول اور رسول کے اصحاب سے منقول ہیں، بلکہ وہ تو اس سلسلہ میں اپنے دلوں کو کتاب وسنت اور اقوال صحابہ سے ہدایت پانے سے روکے رکھتے ہیں اور صرف متکلمین کی آراء اور متکلمین کے قواعد پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے ان چیزوں میں تفریق کرنے کی بات معلوم ہوئی ہے الخ''۔(۱)

آں رحمہ اللہ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

''جس شخص کو روایات کا ذرا بھی تجربہ ہے وہ اس بارے میں کوئی شک نہیں رکھتا کہ وہ صحابہ کرام ہی ہیں جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا ہے اور ان میں سے بعض نے بعض سے ان کو قبول کیا ہے نیز کسی نے بھی ان کا روایت کرنے والوں سے انکار نہیں کیا، پھر ان کو ان صحابہ سے تمام تابعین نے اخذ کیا اور جس نے بھی ان سے ان روایتوں کو سنا انہیں قبول کیا، اور ان کی تصدیق کی۔ پھر جس نے ان سے انہیں نہیں سنا تو اسی طرح انہیں تابعین سے لیا پھر ان کو تبع تابعین نے تابعین سے لیا۔ یہ ایسی بات ہے جسے تمام محدثین عام طور پر جانتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ وہ صحابۂ کرام کے عدل اور ان کے صدق وامانت کو جانتے ہیں اور جیسے ان صحابہ کا نبی ﷺ سے وضو، غسل جنابت، نماز کی تعداد اور اوقات، اذان، تشہد، جمعہ اور عیدین وغیرہ کے احکامات کی تفصیلات کا روایت کرنا۔ جن لوگوں نے ان تمام چیزوں کی روایت کی ہے انہی لوگوں نے احادیث صفات وعقائد کو بھی نقل کیا ہے۔ اگر ان کے نقل میں احکام سے متعلق خطاء وکذب کا جواز ہوتا تو ان روایات کے علاوہ مذکورہ دوسری روایتوں میں بھی یہ بات جائز ہوتی۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر نبی اکرم ﷺ سے منقول روایات میں سے کسی پر ہمارے لئے وثوق باقی نہیں رہ جاتا اور یہ دین، علم اور عقل سے دوری کی بات ہے الخ''۔(۲)

جناب اصلاحی صاحب کے اس نظریہ کے بطلان پر اگر دلائل جمع کئے جائیں تو بلاشبہ اسکے لئے ایک علیحدہ دفتر درکار ہوگا، لہٰذا ہم اس بارے میں تمام تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے اختتام پر جناب اصلاحی صاحب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ ان کے پاس اپنے اس عقیدہ کی صحت پر ایسی کونسی آیت یا متواتر حدیث موجود ہے جو اس بارے میں ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے بالکل قطعی اور ناقابل تاویل ہو؟

آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب ''روایت باللفظ کا اہتمام'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

(۱) مختصر الصواعق المرسلہ: ۲/۴۱۲ (۲) نفس مصدر: ۲/۴۳۳-۴۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''روایت بالمعنی میں مفہوم بدل جانے کے ان امکانات کے پیش نظر امت میں ایک گروہ صدر اول سے ہی ان لوگوں کا رہا ہے جو اس بات پر مصر رہے ہیں کہ حدیث رسول کی روایت بالأ لفاظ ہی ہونی چاہیئے اور روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اس خیال کے حامی گروہ کے اکابرین میں سے رہے ہیں اور انہوں نے بڑی حد تک عملاً، روایت بالأ لفاظ کی پابندی کو نبی ﷺ کے اقوال کی حد تک، نبھانے میں کامیاب کوشش کی ہے اور یہ شان موطأ امام مالک میں فی الجملہ نظر آتی ہے- اسے پڑھیئے تو جگہ جگہ پیغمبر ﷺ کے کلام کی شان نظر آتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ راوی، عالم اور فقیہ ہی کیوں نہ ہو روایت باللفظ کی اس شرط کو کما حقہ، نہیں نبھا سکتا- اسی مشکل کے سبب سے یہ رائے محدثین میں معمول بہ نہ بن سکی۔ صرف بعض راویوں نے اس کا اہتمام کرنے کی کوشش کی۔ اس رائے کی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا کہ اس کو امت من حیث الأ مت اختیار کرتی ہے۔ لیکن امت نے من حیث الأ مت روایت بالمعنی ہی کی راہ اختیار کی، اور ہمارے نزدیک یہی مسلک درست تھا''۔(۱)

پھر آگے چل کر ''خلاصہ ٔبحث'' کے تحت فرماتے ہیں:

''ذخیرہ ٔاحادیث کا غالب حصہ ایسی روایات پر مشتمل ہے جو بہر حال روایت بالمعنی کے ذیل میں آتی ہیں۔ فطری طور پر ایسا ہی ممکن تھا۔ اسی لئے امت مسلمہ نے من حیث الأ مت روایت بالمعنی ہی کی راہ اختیار کی، یہی معمول بہ مسلک ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی یہی مسلک صحیح ہے۔ البتہ متن حدیث کا جائزہ لیتے وقت روایات کے ان مضمرات کو پیش نظر رکھنا پڑے گا جن پر اوپر ہم نے سیر حاصل بحث کی ہے تاکہ تحقیق حق کے تقاضے پورے ہوسکیں''۔(۲)

مندرجہ بالا ہر دو اقتباسات میں جو مواخذات ہیں ان سے قطع نظر، آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ محترم اصلاحی صاحب کو روایت بالمعنی کے ''معقول''، ''درست''، ''فطرۃً ممکن''، ''معمول بہ''، ''من حیث الأ مت''، ''مقبول'' اور ''صحیح مسلک'' ہونے کا اعتراف ہے، پھر آں محترم کی جانب سے ہی روایت بالمعنی میں تشکیک وشبہات پیدا کرنے کی منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ آں محترم کے بیان کردہ ''اعتراضات'' اور ''بعض مضمرات'' کے ساتھ مذکورہ بالا ان اقوال پر نظر ڈالی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں موصوف نے ایک ہاتھ جو کچھ دیا تھا فوراً دوسرے ہاتھ اسے واپس لے لیا ہے۔ کاش کوئی جناب اصلاحی صاحب سے یہ پوچھتا کہ اگر روایت بالمعنی میں غلطی کا احتمال ہے تو روایت باللفظ کیونکر خطا، سہو ونسیان اور اختلاط سے مبرا ہے؟

---

(۱) مبادیٔ تدبر حدیث: ۱۱۱-۱۱۲ (۲) نفس مصدر: ص ۱۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ